معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظِ رضویہ

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مظلہ

خواجہ بک ڈپو
دہلی

مَواعِظِ رضویّہ

حصہ اوّل

مصنف
مولانا نور محمد صاحب

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بک ڈپو
۴۱۹/۲، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

نام کتاب	:	مواعظِ رضویہ (حصہ اوّل)
نام مصنف	:	مولانا نور محمد قادری رضوی
تصحیح	:	محمد جہانگیر حسن
کمپوزنگ	:	صفدر علی
پہلی بار	:	اکتوبر ۲۰۰۵ء
اشاعت جدید	:	نومبر ۲۰۱۴ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	300/=

ملنے کے پتے

☆ نیو سلور بک ایجنسی، محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی۔ ۳

☆ دانا کتاب گھر، درگاہ حضرت خواجہ دانا، سورت، گجرات

☆ امجدی بک ایجنسی، اترولہ بازار، ضلع بلرام پور، یوپی

☆ نورالدین کتاب خانہ، کھجرانہ، اندور، ایم۔ پی

☆ عبدالرحمن کتاب فروش، پچپڑوا بازار، ضلع بلرام پور، یوپی

Name of Book:		Mawaaiz-e-Rizvia (Part I)
Auther	:	Maulana Noor Muhammed Qadri Rizvi
First Edition	:	October 2005
Second Edition:		November 2014
Publisher	:	**Khwaja Book Depot,** 419/2, Matia Mahal, Jama Masjid Delhi-6, Mob: 9313086318, 9136455121 E-mail: khwajabd@gmail.com
Price	:	300/=

فہرست مضامین

دسواں وعظ

گیارھواں وعظ

بارھواں وعظ

تیرھواں وعظ

چودھواں وعظ

پندرھواں وعظ

سولھواں وعظ

سترھواں وعظ

اٹھارھواں وعظ

انیسواں وعظ

بیسواں وعظ

عرضِ ناشر

افراتفری کے اس دور میں جب کہ اکثر مسلمان حتیٰ کہ تعلیم یافتہ کہلانے والے افراد بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اس کی ضروری باتوں سے ناواقف ہیں۔ ضرورت تھی کہ وعظ اور پندونصائح پر مشتمل ایسی کتاب مارکیٹ میں ہوتی جس سے استفادہ کر کے علما، واعظین، مقرر حضرات اور خطبا عوام الناس کو بہترین علمی مواد فراہم کرسکتے۔ جس سے مقررین حضرات بھی اپنے فریضے سے سبک دوش ہوتے اور عوام الناس بھی دینی تعلیمات سے واقف ہو کر دنیوی واُخروی صلاح وفلاح کی کوشش کرتے۔

یوں تو مارکیٹ میں تقریر اور وعظ پر مشتمل بے شمار کتب دستیاب ہیں۔ لیکن ''مواعظِ رضویہ'' کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہ کتاب ائمۂ مساجد مقررین، واعظین اور خطبا حضرت کی ضرورت کے پیش نظر ایک عمدہ تقریری نصاب کی طرح مرتب کی گئی ہے۔ جس میں اسلام اور انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں پر مکمل، یکساں اور مدلل بحث کی گئی ہے تا کہ مقررین، واعظین، خطبا اور ائمۂ مساجد دلائل کے ساتھ اپنی قوم کو روزانہ عمدہ نصیحتوں، مذہبی باتوں اور ضروری مسائل سے روشناس کراتے رہیں اور خود ان کی اپنی واعظانہ بصیرت، معلومات اور مواد بھی وسیع تر اور مرتب ہو۔

الحمدللہ خواجہ بک ڈپو، دہلی اس اہم کتاب کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس سے پہلے بھی دیگر اداروں سے یہ کتاب شائع کی گئی، لیکن اس ایڈیشن کی خوبیاں یہ ہیں کہ اس میں تصحیح کا خاص خیال رکھا گیا ہے، بطور خاص عربی عبارات پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے، جس سے واعظ اور مقرر حضرات کو بڑی سہولت ہو جائے گی۔ تصحیح بڑی باریک بینی سے کی گئی ہے، پھر بتقاضائے بشریت سہو کا امکان ہے۔ اس لیے قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ جہاں بھی غلطی نظر آئے، اطلاع ضرور دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جائے۔

ہمیں یقین ہے کہ خطبا، طلبہ اور دینیات سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کی بہت سی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ کتاب معاون ثابت ہوگی۔

اللہ ربّ العزت ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ مصنف کو دارین کی نعمتوں سے نوازے۔ اور دنیا وآخرت میں اس کو ہمارے لیے وسیلۂ نجات بنائے۔

ادارہ

خواجہ بک ڈپو، دہلی

نعت شریف

دل میں یاد تری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

آستانہ پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

اس کی قسمت پہ فدا تختِ شہی کی راحت
خاکِ طیبہ پہ جسے چین کی نیند آئی ہو

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

آج جو عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے
کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رُسوائی ہو

یہی منظور تھا قدرت کو کہ سایہ نہ بنے
ایسے یکتا کے لیے ایسی ہی یکتائی ہو

کبھی ایسا نہ ہوا ان کے کرم کے صدقے
ہاتھ کے پھیلنے سے پہلے نہ بھیک آئی ہو

بند جب خوابِ اجل سے ہوں حسن کی آنکھیں
اس کی نظروں میں ترا جلوۂ زیبائی ہو

☾☾☾☾

خطبہ تقریر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. حَمْدَ الشَّاكِرِيْنَ وَاَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَاَكْمَلُ السَّلَامِ عَلٰى سَيِّدِنَا الْمُرْسَلِيْنَ خَاتِمِ النَّبِيِّيْنَ اَكْرَمِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ. قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ. نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ. اِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ. سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَسِيْلَتِنَا فِي الدَّارَيْنِ. صَاحِبِ قَابَ قَوْسَيْنِ. الْمُزَيَّنِ بِكُلِّ زَيْنٍ. الْمُنَزَّهِ مِنْ كُلِّ شَيْنٍ. جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ نَبِيِّ الْاَنْبِيَاءِ عَظِيْمِ الرَّجَاءِ عَمِيْمِ الْجُوْدِ وَالْعَطَاءِ. مَاحِي الذُّنُوْبِ وَالْخَطَاءِ. شَفِيْعِنَا يَوْمَ الْجَزَاءِ. سِرِّ اللهِ الْمَخْزُوْنِ. دُرِّ اللهِ الْمَكْنُوْنِ عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ. نُوْرِ الْاَفْئِدَةِ وَالْعُيُوْنِ. سُرُوْرِ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْنِ. سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا وَحَبِيْبِنَا وَنَبِيِّنَا وَشَفِيْعِنَا وَوَكِيْلِنَا وَكَفِيْلِنَا وَعَوْنِنَا وَمُعِيْنِنَا وَغَوْثِنَا وَمُغِيْثِنَا وَغَيْثِنَا وَغِيَاثِنَا سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا مُحَمَّدِ نِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ. وَاَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَاَصْحَابِهِ الْمُكَرَّمِيْنَ الْمُعَظَّمِيْنَ وَابْنِهِ الْكَرِيْمِ الْاَمِيْنِ الْمَكِيْنِ مُحْيِ الْاِسْلَامِ وَالْحَقِّ وَالشَّرْعِ وَالْمِلَّةِ وَالْقُلُوْبِ وَالسُّنَّةِ وَالطَّرِيْقَةِ وَالدِّيْنِ وَاهِبِ الْمُرَادِ قُطْبِ الْاِرْشَادِ. فَرْدِ الْاَفْرَادِ سَيِّدِ الْاَسْيَادِ. مُصْلِحِ الْبِلَادِ. نَافِعِ الْعِبَادِ. دَافِعِ الْفَسَادِ. مَرْجَعِ الْاَوْتَادِ غَوْثِ الثَّقَلَيْنِ. وَغَيْثِ الْكَوْنَيْنِ. وَغِيَاثِ الدَّارَيْنِ وَمُغِيْثِ الْمَلَوَيْنِ. اِمَامِ الْفَرِيْقَيْنِ. سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا الْاِمَامِ اَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ الْقَادِرِ الْحَسَنِيِّ الْحُسَيْنِيِّ الْجِيْلَانِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى سَائِرِ اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ الْعَارِفِيْنَ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهِ الرَّاشِدِيْنَ الْمُرْشِدِيْنَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور رحمت والا۔ تمام تعریفیں اللہ کو جو تمام عالم کا پالنے والا ہے۔ (ہم اس کی تعریف کریں) تعریف شکر کرنے والوں کی، فاضل تر درود اور کامل تر سلام

رسولوں کے سردار پر، انبیا کے خاتم پر۔ جو پہلے اور پچھلے سب میں زیادہ بزرگ، چمکتی پیشانی، چمکتے ہاتھ پاؤں والوں کے پیشوا، دونوں حرم کے نبی ﷺ، دونوں قبلے کے امام ﷺ، دونوں وجود کے سردار، دنیا وآخرت میں ہمارے وسیلہ ﷺ، قاب قوسین کے صاحب، ہر آرائش سے آراستہ، ہر عیب سے پاک، حسن اور حسین کے پدر، تمام انبیا کے پیغمبر، اُمید کے بڑے، سخاوت وبخشش میں پورے، گناہوں اور معصیت کے مٹانے والے، فیصلہ کے دن ہماری شفاعت کرنے والے، اللہ کے پوشیدہ راز، خدا کے مخفی روشن موتی، جو ہوا اور جو ہوگا سب کچھ جاننے والے، دلوں اور آنکھوں کے نور، غمگین دل کے سرور، ہمارے سردار اور ہمارے آقا اور ہمارے محبوب اور ہمارے رسول اور ہمیں چاہنے والے اور ہمارے کام آنے والے اور ہماری ضمانت فرمانے والے اور ہمارے بڑے مددگار اور اعانت فرمانے والے اور ہمارے بڑے فریادرس اور فریاد کے سننے والے اور ہم پر (رحمت) برسانے والے اور ہمارے لیے فریاد چاہنے والے، ہمارے سردار، ہمارے آقا محمد (ﷺ) جو نبی بھیجے ہوئے تمام عالم والوں کے حق میں رحمت ہیں اور آپ کی تمام اولاد پر جو پاک اور ستھری ہیں اور آپ کی پاکیزہ بیویوں پر جو تمام ایمان والوں کی ماں ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو بزرگ اور عظمت والے ہیں، اور آپ کے فرزند پر جو کرامت وامانت والے، صاحب مرتبہ، جلانے والے اسلام اور حق اور شریعت اور مذہب اور دلوں اور سنت اور طریقت اور دین کے ہیں، جو مراد پوری کرنے والے، ہدایت کے قطب، یکتاؤں کے یکتا، سرداروں کے سردار، آبادیوں میں اصلاح فرمانے والے، بندوں کو نفع پہنچانے والے، فساد کو دور فرمانے والے، اولیائے صابرین کے مرجع، انس وجن کے فریادرس، دونوں وجود میں باران (رحمت) دنیا وآخرت میں مدد فرمانے والے، دن رات فریاد کو پہنچنے والے، دونوں گروہ کے امام۔ ہمارے سردار اور ہمارے آقا امام ابو محمد ہیں (جن کا اسمِ پاک) عبدالقادر (اور نسب طاق) حسنی حسینی (جواز روئے وطن) گیلانی صاحب کرامت ہیں۔ اور درود نازل ہو آپ کی امت کے باقی اولیائے کاملین اہلِ معرفت پر اور آپ کے علمائے ملت پر جو ہدایت یافتہ، ہدایت کرنے والے ہیں اور ہم سب پر (ان حضرات کے طفیل) اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔

پہلا وعظ

بسم اللہ کی فضیلت کے بارے میں

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن مجید کے انیسویں پارے کی بیان کی گئی مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک وہ سلیمان کی طرف بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے، جو نہایت مہربان رحم کرنے والا ہے۔

اس کائناتِ عالم میں ہر کام کے آغاز کے متعلق کوئی نہ کوئی ضابطہ اور اُصول مقرر ہے۔ اسلام نے اہلِ اسلام کو احسن طریقہ آغاز یہ بتایا کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی جائے۔ اس سے کام بابرکت ہوگا۔

اپنے کام کی کرتا ہوں ابتدا — لے کر تیرا نام اے خدا

صفات تیری ہیں رحمن ورحیم — کر خطا معاف میری اے ربِ کریم

ضرورتِ بسم اللہ

زندگی بسر کرنے کے لیے انسان کو بعض اشیا کی ضرورت ہے۔ اس نے یہ سنہرا اُصول بنا دیا کہ اس جہاں کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی، اسے بکثرت پیدا کیا جائے گا تاکہ ضرورت پوری ہوتی رہے۔ مثلاً نمک ہی کو لیجیے، اس جہاں کو نمک کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ روٹی اور سالن میں اگر نمک نہ ڈالا جائے تو وہ بدمزہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیا امیر، کیا غریب، کیا شاہ، کیا گدا، کیا غنی، کیا کنجوس غرض کہ ہر شخص اپنے کھانے میں نمک ضرور استعمال کرتا ہے۔ انسان کی اس ضرورت کو پوری کرنے کے لیے خداوند عظیم نے نمک کی کانیں بکثرت پیدا فرمائیں، علاوہ ازیں سمندری نمک بھی کئی علاقوں میں مستعمل ہے۔ مزید یہ کہ اللہ کی ایک اور نعمتِ غیر متبدل پانی بھی عالمِ فانی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ انسان و

حیوانات، وحوش وطیور کی زندگی کا انحصار اسی پر ہے۔ خداوند عظیم کی شانِ کریمی ملاحظہ ہو کہ دنیا کے ایک حصے میں خشکی اور تین حصوں میں پانی ہی پیدا فرما دیا۔ پانی جو کہیں تو دریاؤں اور نہروں کی شکل میں انسان کی فصلوں کو شادابی عطا فرماتا ہے اور کہیں صورتِ آبشار انسان کے لیے پن بجلی مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح مسلمان خواتین، مردوں، بچوں، بوڑھوں کو بسم اللہ کی اتنی اشد ضرورت ہے کہ کسی دوسری آیت اور دوسری شے کی نہیں، نماز ادا کرنے کے لیے بسم اللہ، وضو کرنے سے قبل بسم اللہ، کھانا کھانے کے آغاز میں بسم اللہ، غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں نیک کام اور نیک مقاصد سے قبل بسم اللہ پڑھنا باعثِ سعادت اور کامیابی کی کلید ہے۔ اللہ کریم نے بسم اللہ کو انوکھی شان سے نازل فرمایا۔ قرآنِ پاک کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی اور ہر سورہ کا آغاز بسم اللہ سے ہے۔ دیہاتی، شہری بچہ، بوڑھا، خاتون، مرد، جاہل اور عالم کو یکساں طور پر کامیابی سے سرفراز فرمانے کے لیے خداوند عظیم نے آیت مختصر اور نہایت سہل طور پر نازل فرمائی۔

ہر نیک کام کی بسم اللہ سے ابتدا

اُمتِ مسلمہ کے لیے اُمت کے مہربان، باعثِ تخلیق دوعالم، سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ فَهُوَ اَبْتَرُ.

مطالع المسرات کے صفحہ:5 کی اس تحریر کے مطابق نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا برکت کا باعث اور فائدہ مند ثابت ہوتا ہے، جب کہ بسم اللہ پڑھے بغیر کسی کام میں بھی برکت نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بہ موجب ہم مسلمانوں پر یہ لازم قرار پاتا ہے کہ ہمیں اپنے ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ جس کھانے کو تناول کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لی جاتی ہے، اس کھانے میں شیطانِ لعین کی مجال نہیں کہ مداخلت کر سکے۔ اللہ کے پاک نام سے کھایا جانے والا کھانا پُرنور ہو کر پیٹ میں جاتا ہے اور قلب ونظر بھی اس سے ضیا حاصل کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جس کھانے کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے، اس کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے

برکت ہو جاتا ہے اور انسان کھانے کے بعد بھی بھوک محسوس کرتا رہتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ لَا یُذْکَرُ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ.

یہ حدیث مشکوٰۃ کے صفحہ:363 پر مرقوم ہے اور اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: واقعی شیطان اس کھانے کو حلال جانتا ہے اور کھانے میں شرکت کرتا ہے، جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ کھانا کھانے سے ان کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ کھانا بسم اللہ کے بغیر کھاتے ہیں، جس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے اور کھانے کی توانائی چھین لیتا ہے، اس لیے لوگ بھوک محسوس کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جو لوگ کھانا بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں وہ کم کھانے سے بھی سیر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ بسم اللہ پڑھنے سے کھانے میں ایک نئی توانائی پیدا ہو جاتی ہے اور کم کھانے سے بھی بھوک کا احساس جاتا رہتا ہے۔ اگر کوئی بھائی بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے، اس وقت پڑھ لے۔ اس سے کھانے کی برکت لوٹ آتی ہے۔ سرورِ کون ومکاں کا ارشاد ہے:

اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَنَسِیَ اَنْ یَّذْکُرَ اللّٰهَ عَلٰی طَعَامِهٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ.

یہ حدیث مشکوٰۃ کے صفحہ:365 پر ہے، اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: جس وقت تم میں سے کوئی کھانا کھائے اور بسم اللہ بھول جائے تو کہے بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ.

ابوداؤد میں ہے کہ زمانہ نبوی تھا۔ خورشید رسالت اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ اس جہاں کو ضیا پاشیوں سے نواز رہا تھا۔ شمع رسالت کا ایک عاشق، ایک پروانہ ایک روز کھانا تناول فرماتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا۔ ایک لقمہ باقی رہ گیا۔ پروانہ شمع رسالت کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اس نے فوراً پڑھا: بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ یہ دیکھ کر محبوب ربانی نے تبسم فرمایا اور گلشنِ غنچہ دہن سے ارشادِ عالیہ کے حسین پھول کھلے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ

کھانے میں شیطان شریک تھا، مگر بسم اللہ پڑھنے پر شیطان نے سب کھایا ہوا قے کر دیا۔

(مشکوٰۃ، صفحہ:365)

حکایت

شمع رسالت کے پروانے، محبوبِ حقیقی کے سچے محب جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک کافر شخص کے شیطان میں ملاقات ہوئی۔ کافر کا شیطان خوب موٹا تازہ، بدن پر کپڑے اور سر پر تیل لگائے ہوئے تھا۔ جب کہ مومن کا شیطان دُبلا پتلا، پراگندہ سر اور ننگا تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا: بھائی! تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: مَیں ایک ایسے مردِ خدا کے ساتھ ہوں جو کھانا کھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھ لیتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے بھوکا رہنا پڑتا ہے اور جب وہ پانی یا کوئی اور چیز پیتا ہے تو اس کا آغاز بھی بسم اللہ سے کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مجھے پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ سر پر تیل لگاتے وقت وہ بسم اللہ کا ورد کرتا ہے، اس لیے مَیں پراگندہ بال رہ جاتا ہوں۔ لباس زیب تن کرتے وقت بھی وہ بسم اللہ کا مقدس نام لیتا ہے، اس کی بدولت میں ننگا رہ جاتا ہوں۔ کافر کے شیطان نے کہا: مَیں ایک ایسے شخص پر مسلط ہوں جو کسی کام میں بسم اللہ نہیں پڑھتا۔ اسی لیے میں کھانے، پینے اور دیگر اُمور میں شریک رہتا ہوں۔

علامہ بیجوری کی مشہور کتاب ''مواہب اللدنیہ'' کے صفحہ:2 کی اس حکایت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر ہم خیر و برکت چاہتے ہیں تو ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھا کریں۔ بصورتِ دیگر ہمارے ہر فعل میں شیطانِ لعین شریک ہوجائے گا اور جس کام میں شیطان اپنے نجس وجود کے ساتھ آئے گا، وہ کام بالیقین بے برکت ہوجائے گا۔

ایک مرتبہ دربارِ رسالت لگا ہوا تھا۔ خود شمع رسالت بھی موجود تھے اور شمع رسالت کے پروانے بھی موجود تھے۔ محبوب بھی موجود تھا اور محبّ بھی موجود تھے۔ گل بھی موجود تھا اور گل کی خوشبو بھی موجود تھی۔ خورشید نبوت بھی درخشندہ تھا اور خورشید نبوت کی کرنیں بھی ضیاپاشیوں میں مصروف تھیں۔ ناگاہ شمع رسالت کے ایک پروانے نے، محبوبِ حقیقی کے ایک محبّ نے

گزارش کی: یارسول اللہ فداك امی و ابی! کیا بات ہے کہ جب بھی میں کھانا کھاتا ہوں، سیر نہیں ہوتا؟ ارشاد ہوا: لَعَلَّکُمْ تَفْتَرِقُوْنَ ؕ شاید تم اکیلے کھاتے ہو، عرض کی: ہاں، یارسول اللہ! اس پر حضور گویا ہوئے: اِجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِکُمْ وَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ تَعَالٰی یُبَارِكْ لَکُمْ فِیْہِ ؕ

کشف الغمہ، جلد: اوّل کے صفحہ:25 کی اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ: اکٹھے مل کر کھانا کھایا کرو اور بسم اللہ شریف پڑھ لیا کرو، تو تمہارے کھانے میں برکت ہوجائے گی اور سب پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ گے۔

وضو کے آغاز میں بسم اللہ

اسلام کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد پانچ اشیا ہیں: توحید (کلمہ)، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ اقرار توحید کے بعد ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد و عورت پر دن میں پانچ مرتبہ نماز لازم ہے اور فرض قرار دے دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الصلوۃ عماد الدین ؕ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ہی ہمارے لیے راہِ نجات ہے، لیکن نماز کی جان وضو ہے۔ اگر وضو کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے گی تو وضو ناقص ہوگا۔ مشکوٰۃ، صفحہ:47 پر نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں مرقوم ہے کہ: لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہِ ؕ (رواہ ترمذی)

اللہ کے نام کا ذکر کیے بغیر وضو، وضو نہیں۔

اس حدیث مبارکہ کے شوافع دو معانی لیتے ہیں: ایک تو یہ کہ بسم اللہ شریف پڑھے بغیر وضو سرے سے ہوتا ہی نہیں، کیونکہ یہ وضو میں فرض ہے۔ جب بسم اللہ نہ پڑھی جائے گی تو وضو کامل نہ ہوگا اور جب وضو کامل نہ ہوگا تو نماز کامل نہ ہوگی اور نماز کامل نہ ہوگی تو ہماری نجات کامل نہ ہوگی۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ وضو کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ضرور پڑھیں۔ وضو میں بسم اللہ دو طریقے سے پڑھ سکتے ہیں، خواہ یوں پڑھی جائے کہ: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور یوں بھی پڑھ سکتے ہیں: بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ ؕ رسالت مآب کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ تَوَضَّأَ وَ ذَکَرَ اسْمَ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یُطَھِّرُ جَسَدَہٗ کُلَّہٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ لَمْ یُطَھِّرْ اِلَّا مَوْضَعَ الْوُضُوْءِ۔

ترجمہ: جو شخص وضو کرے اور بسم اللہ شریف پڑھے بے شک وہ اپنے تمام بدن کو پاک کرتا ہے اور جو شخص وضو کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے اس کے اعضائے وضو ہی پاک ہوں گے۔

سبحان اللہ! بسم اللہ کی کیا شان ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنے سے سارا بدن پاک ہو جاتا ہے۔

جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا

ہر شادی شدہ جوڑے کو اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد پیاری، حسین اور نیک ہو۔ نیک اور صالح اولاد حاصل کرنے کے لیے جب کوئی مسلمان اپنی منکوحہ سے مباشرت کرے تو اسے چاہیے کہ لباس اُتارنے سے قبل بسم اللہ پڑھ لے۔ اس سے شیطان مداخلت نہیں کرے گا اور پیدا ہونے والی اولاد نیک اور صالح ہوگی۔ سورۂ بقرہ میں خداوند عظیم فرماتا ہے:

نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ مُّلٰقُوْہُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں۔ تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔ اپنے بھلے کا کام کرو اور ڈرتے رہو، جان لو کہ تمھیں اس سے ملنا ہے اور اے محبوب! بشارت دو ایمان والوں کو۔

علامہ بیجوری کی "مواہب اللدنیہ" کے صفحہ:3 اور "نزہۃ المجالس" جلد اوّل کے صفحہ:2 پر ایک حدیث مرقوم ہے کہ سید دو عالم نے حضرت ابو ہریرہ سے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنی بیوی سے جماع کرو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ جب تک تم غسلِ جنابت نہیں کرو گے، اس وقت تک فرشتے تمہارے لیے نیکیاں لکھتے رہیں گے اور اس جماع سے پیدا ہونے والی اولاد جب تک زندہ رہے گی، اس کی ہر سانس پر تمہارے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ پھر اس اولاد کی اولاد ہوگی، پھر اُس کی اولاد ہوگی تو ہر سانس پر تمہارے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اس کی اولاد کی اولاد اور اُن کی اولاد ختم نہ ہو جائے گی۔

سواری کے وقت بسم اللہ پڑھنا

مواہب اللدنیہ کے صفحہ:13 اور "نزہۃ المجالس" کے صفحہ:20 پر مرقوم ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ سے ارشاد فرمایا کہ سواری کرتے وقت بسم اللہ الحمد للہ پڑھنے والے کو ہر قدم پر ایک نیکی کا ثواب عنایت ہوگا۔

اس لیے ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ سواری کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کریں، تا کہ ہر قدم پر نیکی کا ثواب حاصل کر کے اللہ کے حضور جانے کے قابل ہوسکیں۔

□□□

دوسرا وعظ

بسم اللہ شریف کے فضائل

بسم اللہ تمام قرآن کا لب لباب ہے

آج سے ہزاروں لاکھوں سال قبل اللہ تعالیٰ بالکل مخفی تھا۔ اُس نے چاہا کہ مَیں پہچانا جاؤں، اس لیے اس نے دنیا پیدا فرمائی اور دنیا کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث فرمائے۔

المجالس السنیہ صفحہ:3 پر مرقوم ہے کہ خداوند عظیم نے دنیا میں شمع توحید کو جلانے کے لیے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے بعض انبیا پر صحائف اور کتب نازل فرمائیں، جن کی تعداد 104 ہے۔ ان میں سے 60 صحیفے شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، 30 سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، 10 صحیفے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، توریت شریف نازل ہونے سے قبل نازل ہوئے اور چار بڑی کتابیں نازل ہوئیں۔ زبور شریف حضرت داؤد پر، توریت شریف حضرت موسیٰ پر، انجیل مقدس عیسیٰ روح اللہ پر اور قرآن مجید محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ ان تمام کتابوں اور جملہ صحائف کا متن اور مضامین قرآن مجید میں موجود ہیں اور سارے قرآن مجید کا مضمون سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور سورۂ فاتحہ کا سارا مضمون بسم اللہ میں موجود ہے اور بسم اللہ شریف کا سارا مضمون بسم اللہ کے حرف با میں 104 حکمت و دانش کی کتابوں کا مضمون موجود ہے۔

نزہۃ المجالس جلد اوّل صفحہ:20 پر مرقوم ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے قابیل نے خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو اس پر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ کریم نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی کہ: اے آدم! زمین تمہارے قبضے میں دے دی گئی۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! قابیل کو ہڑپ کر لے۔ زمین نے تعمیل حکم کا قصد کیا

تو قابیل نے زمین کو بسم اللہ کا واسطہ دے کر کہا: مجھے ہلاک نہ کر۔ بسم اللہ کا واسطہ دینے پر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قابیل کو چھوڑ دے، لہٰذا زمین نے قابیل کو چھوڑ دیا۔

نزہۃ المجالس جلد اوّل، صفحہ:22 پر مرقوم ہے کہ ایک یہودی ایک یہودن پر عاشق ہو گیا۔ اس کے عشق میں یہ حال ہو گیا کہ کھانا پینا بھی چھوڑ دیا۔ ہر وقت اسی کے تصور میں گم رہتا۔ زبان پر اُسی کا نام جاری رہتا۔ قلب و نظر میں اسی کی صورت گھوما کرتی، لیکن اس کے برعکس اس کی معشوقہ اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔ یہودی نے وصالِ یار کے لیے بڑے جتن کیے، مگر سب بے سود۔ یہودی تنگ آ گیا اور ولیِ زمانہ عطا اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا حالِ دل تمام کہہ سنایا۔ شیخ نے بسم اللہ لکھ کر دی اور فرمایا کہ اس کو نگل جاؤ، یہودی نے تعمیل کی۔ تعمیل حکم کی دیر تھی کہ بسم اللہ کی برکت سے اس کا دل نورانیت سے معمور ہو گیا۔ دل سے معشوقِ مجازی کی محبت نکل گئی اور محبوبِ حقیقی کی محبت دل میں چٹکیاں بھرنے لگی۔ وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ یہودی کے اسلام لانے کے واقعہ نے عوام میں تہلکہ مچا دیا۔ ہر ایک کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ کل تک جو شخص ایک خاتون پر عاشق تھا، آج وہی جنابِ محمد (ﷺ) کا عاشق بن چکا ہے۔ یہ بات اس کی محبوبہ و معشوقہ کے کانوں میں پڑی، وہ بھی حضرت عطا اکبر کی صحبت میں حاضر ہوئی اور عرض پرداز ہوئی: یا شیخ! میں ہی وہ خاتون ہوں، جس پر وہ شخص عاشق تھا۔ حضرت! مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ: اے نوجوان خاتون! اگر تو جنت کی طلبگار ہے تو شیخ عطا اکبر کی خدمت میں حاضری دے، لہٰذا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے خاتون، بسم اللہ شریف پڑھ۔ اس نے پڑھی۔ پڑھتے ہی قلب منور ہو گیا۔ رموزِ باطنی آشکارا ہو گئے۔ اس خاتون نے شیخ سے عرض کی: یا حضرت! مجھے اسلام کی دولت سے مالا مال فرمائیے۔ آپ نے اسے مسلمان کیا اور وہ گھر چلی گئی۔ رات کو خوشی سے معمور دل لیے سو گئی، خواب میں جنت کا منظر دیکھا۔ جنت کے محلات دیکھے، جنت کے محلات پر بسم اللہ لکھا دیکھا۔ اتنے میں منادی نے ندا دی: اے بسم اللہ پڑھنے والی خاتون! تجھے بسم اللہ پڑھنے کی وجہ سے یہ محلات عطا کیے ہیں۔ بیدار ہوئی تو جنت کے

نظارے تصور میں گھوم گئے۔ بے قرار ہوگئی۔ سراپا عجز و انکساری بن کر اللہ کے حضور گویا ہوئی: یا اللہ! تو نے مجھے جنت سے نکال دیا۔ میں تجھے بسم اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ مجھے جنت میں دوبارہ داخل فرما۔ خلوصِ دل سے چھوڑا ہوا ناوک دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کر گیا۔ اس کی روح اس کے جسدِ خاکی سے پرواز کر گئی اور جنت میں داخل ہوگئی۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:33 پر یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے برادر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ نشے میں دُھت پڑا ہے۔ آپ بھائی پر کبیدہ خاطر ہوئے اور اسی کبیدگی میں بھائی کو پیٹا اور واپس چلے آئے۔ ان کا بھائی نشہ میں چور تھا۔ حواس وہوش سے بیگانہ تھا۔ اسی حالت میں گھر سے نکلا اور ایک کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ آخر کار کنوئیں سے نکال کر دفن کر دیا گیا۔ بزرگ بھائی نے خواب میں اپنے بھائی کو جنت میں ٹہلتے دیکھا۔ حیرت کے مارے انگشت بدنداں رہ گئے۔ عالم تجسس میں پوچھا: بھائی! تُو تو شرابی تھا، نشہ کرتا تھا، کبھی بھول کر بھی اللہ اور اس کے رسول کا نام نہ لیا تھا۔ کبھی کسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آیا اور اب جنت میں کس طرح پہنچ گیا۔ بھائی نے جواب دیا: واقعی میں کمینہ، ذلیل، شرابی انسان تھا اور میری موت بھی شراب پینے کی وجہ سے واقع ہوئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب میں گھر سے نکلا تو راستے میں ایک کاغذ دیکھا کہ اُس پر بسم اللہ شریف لکھی ہوئی ہے۔ میں نے وہ اُٹھایا اور نگل گیا۔ اس کے بعد میں کنوئیں میں گر پڑا اور جاں بحق ہوگیا۔ پھر مجھ کو منوں مٹی تلے دبا دیا گیا۔ جب میرے پاس منکر نکیر تشریف لائے اور مجھ سے سوالات کرنے لگے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا سوال کرتے ہو، میرے پیٹ میں بسم اللہ کا نام موجود ہے۔ اُس وقت نور کا تڑکا ہوا اور اس نور سے ندا آئی: صَدَقَ عَبْدِیْ قَدْ غَفَرْتُ۔ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے۔ میں نے اس کو معاف کر دیا۔ یہ ندا سن کر فرشتے واپس لوٹ گئے اور بعد ازاں دوسرے فرشتے آئے تو مجھ کو جنت میں لے آئے۔ اب میں جنت کی سیر کر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! بسم اللہ کی شان نرالی ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کی جاں بخشی ہوگئی۔

علامہ بیجوری کی مواہب اللدنیہ میں ایک بڑا ہی مشہور واقعہ لکھا ہے کہ جوانی کے عالم میں بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ شراب کے رسیا تھے۔ کباب و شراب غذا کے لازمی جزو تھے۔

رقص و سرور کی محفلیں سجاتے، شراب کے کاروبار سے جو رقم کماتے وہ اَللّے تللّوں میں اُڑا دیتے۔ ایک مرتبہ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ راستے میں گندگی کے ڈھیر میں ایک کاغذ پڑا نظر آیا، جس پر بسم اللہ شریف لکھی تھی۔ دل میں خیال آیا کہ اللہ جو کہ دنیا و جہاں کا مختارِ کل ہے، اُس کا نام گندگی میں پڑا ہے۔ آگے بڑھ کر اُٹھا لیا، اس کو صاف کیا اور اس کو خوشبو سے معطر کیا اور ایک محفوظ مقام پر رکھ دیا۔ رات کو محوِ خواب ہوگئے۔ دیکھا کہ ایک نور کا ہالہ ہے، جس میں سے آواز آرہی تھی: اے بشر حافی! تم نے اللہ کے نام کو خوشبودار کیا۔ اس عمل سے اللہ خوش ہو کر تمہیں سلام کہتا ہے۔ خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی، فوراً شراب کی تمام بھٹیاں گرا دیں۔ شراب کی تمام بوتلیں بہا دیں۔ سچے دل سے توبہ کی اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو کر وہ مقام بزرگی حاصل کیا جو بڑے سے بڑے عابدوں کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

ایک مرتبہ ایک کافر ڈاکو ڈاکہ کی نیت سے نکلا۔ اس کا گزر ایک شاندار محل سے ہوا۔ محل کی شان و شوکت دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ چوری چھپے جائزہ لیا، دیکھا کہ محل کے بے شمار کمرے ہیں، ہر کمرہ فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ محل کی تعمیر میں یاقوت و زمرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ محل کے ایک پُرسکون گوشے میں ایک بوڑھا اور حسین و جمیل نوجوان عورت کو دیکھا۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ کیوں نہ میں اس بوڑھے کو قتل کر کے اس خاتون اور محل پر قابض ہو جاؤں۔ چنانچہ اس نے بوڑھے پر حملہ کر دیا۔ بوڑھے نے نوجوان ڈاکو کو چاروں شانے چت گرا دیا۔ نوجوان اٹھا اور دوبارہ حوصلے سے حملہ کیا، مگر اس مرتبہ بھی بوڑھے نے گرا دیا اور بار بار گرایا۔ اس ڈاکو نے خیال کیا کہ میں نوجوان اور طاقتور ہوں، یہ بوڑھا اور کمزور ہے، مگر کیا وجہ ہے کہ پھر بھی مجھے بار بار گرا رہا ہے۔ ڈاکو نے محسوس کیا کہ بوڑھا آہستہ آہستہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا: تم کیا پڑھ رہے ہو؟ جواباً بوڑھے نے تبسم فرمایا اور کہا: میں اللہ کا پاک نام بسم اللہ شریف پڑھتا ہوں۔ ڈاکو کے دل کی دنیا زیروزبر ہوگئی۔ سوچنے لگا کہ جس دین میں بسم اللہ شریف کی اتنی برکت ہے، وہ دین کتنا عظیم ہوگا۔ فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ پھر اس نے بسم اللہ شریف پڑھ کر بوڑھے پر حملہ کیا۔ بوڑھا ہلاک ہوگیا اور وہ حسینہ اور شاندار محل اس نوجوان کے قبضے میں آگیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:23)

حکایت: شمس الواعظین میں مرقوم ہے کہ ایک لکڑہارا روزانہ دریا پار جا کر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتا تھا اور اُن لکڑیوں کو بیچ کر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتا تھا۔ صبح وشام دریا پار کرنے کے لیے اسے کافی دور ایک پل تک جانا پڑتا تھا، جس میں کافی وقت صرف ہوتا تھا اور لکڑیاں کاٹنے کے لیے کم وقت ملتا اور لکڑیاں کم کٹ پاتیں۔ اس طرح کم آمدنی ہوتی۔ ایک دن وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لا رہا تھا۔ مسجد میں خطیب صاحب ایک مسئلہ عرض کر رہے تھے کہ بسم اللہ شریف پڑھ کر دریا میں اتر جائیں تو دریا کا پانی نقصان نہیں دے گا۔ یہ مسئلہ اس لکڑہارے نے بھی سنا۔ دل میں بہت خوش ہوا۔ دوسرے دن وہ دریا میں بسم اللہ شریف پڑھ کر چلتا ہوا دریا پار کر گیا۔ واپسی پر بھی یہی طریقہ آزمایا۔ اب روزانہ اسی طرح سے کرتا۔ دریا پار کرنے میں اسے کم وقت لگتا اور لکڑیاں زیادہ کاٹی جاتیں اور آمدنی بھی زیادہ ہوتی۔ اسی طرح لکڑہارا چند دنوں میں ہی خوشحال ہو گیا۔

مواہب اللدنیہ، صفحہ 2: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ بسم اللہ شریف کا درس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

ایک شخص نے بستر مرگ پر اپنی گھر والی کو نصیحت کی کہ اگر میں مر جاؤں تو میرے بعد میرے بیٹے کو قرآن مجید ضرور پڑھانا۔ کچھ عرصے بعد وہ شخص فوت ہو گیا۔ حساب وکتاب ہوا اور اسے عذاب ہونے لگا۔ ادھر جب اس کا بچہ سات سال کا ہوا، تو اس کی بیوی نے بچے کو مدرسے بھیجا۔ استاد نے بچے کو درس دیا۔ بچے نے اپنی توتلی زبان سے بسم اللہ پڑھی۔ خداوند عظیم نے بسم اللہ کے صدقے اس کے والد کے گناہ معاف کر دیے اور اس کی قبر سے عذاب ہٹا لیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ شب معراج کو رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے فرمایا: بہشت میں جو چار نہریں ہیں، ان کی اصل کہاں ہے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براق پر سوار کیا اور خود آگے آگے چلے۔ پانچ سو سال کی مسافت پر ایک قبہ ملا، جس کے چار دروازے تھے۔ ہر دروازے سے ایک ایک نہر نکل رہی تھی۔ قبہ کا دروازہ کھول کر آگے بڑھے، بیس برس کی مسافت پر صدر قبہ میں نور کا ایک تختہ نظر آیا، جس پر تحریر تھا بِسْمِ اللّٰہِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ ایک نہر بسم کی م سے، دوسری نہر اللہ کی ہ سے، تیسری نہر رحمٰن کی میم سے اور چوتھی نہر رحیم کی میم سے نکل رہی تھی۔ اس وقت آنجناب کو حکم الٰہی موصول ہوا کہ آپ کی اُمت میں سے جو شخص بسم اللہ شریف پڑھا کرے گا، میں اُسے ان نہروں سے سیراب کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ بسم اللہ شریف پڑھتا ہے، خداوند عظیم اس کے نامۂ اعمال میں دس ہزار نیکیاں لکھتا ہے۔ اس کی دس ہزار برائیاں مٹاتا ہے اور دس ہزار درجے بلند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ پر جب سورہ فلق اور سورہ ناس نازل ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرما کہ ان میں مفصل کیسے معلوم ہوگا۔ جبرئیل بحکم خداوند بسم اللہ کو نور کے کاغذ پر لکھ کر بمعہ بے شمار ملائکہ کے حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ایسی شے ہے جو میں کسی پیغمبر پر لے کر نہیں اُترا۔ یہ ایسی متبرک شے ہے کہ اگر حضرت موسیٰ پر نازل کی جاتی تو اُن کی اُمت یہود نہ ہوتی۔ اگر حضرت عیسیٰ پر نازل ہوتی تو ان کی اُمت مسیح نہ ہوتی، جس نے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ لی، اس کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

حضراتِ گرامی! بسم اللہ کے فوائد بے شمار ہیں۔ اتنے کہ جن کو احاطہ تحریر میں لانے کے لیے ایک طویل ترین عرصہ درکار ہوگا۔ اس کے ایک دو فوائد مزید لکھ کر وعظ ختم کرتا ہوں:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بسم اللہ شریف پڑھنے سے شیطان یوں بھاگتا ہے جیسے آگ میں زنگ پگھل جاتا ہے۔ رسالت مآب نے ایک اور موقع پر فرمایا کہ اگر اللہ کو میری اُمت پر عذاب کرنا مقصود ہوتا، تو بسم اللہ شریف نازل نہ کرتا، کیونکہ بسم اللہ کے حروف اُنیس ہیں اور اسی قدر دوزخ کے طبقات ہیں۔ اس لیے دوزخ سے رہائی پانے کے لیے بسم اللہ شریف ایک لاجواب نسخہ ہے۔ اللہ ہم سب کو بسم اللہ شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے: آمین

□□□

تیسرا وعظ

شرک کیا ہے؟

برادرانِ اسلام! یہ دور نفسا نفسی کا دور ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی کا دور ہے۔ یہ دور اُن بدعقیدہ لوگوں کی اکثریت کا دور ہے جو توحید کے نام پر، توحید کی آڑ میں، توحید کا ذکر کرکے، سادہ لوح اور بے علم لوگوں کو مشرک کہہ دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے خیال میں اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ اور فراڈ پر مبنی ہے۔ یہ لوگ اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ شرک کی تعریف، اس کے معانی ومطالب اور تشریح کے بارے میں علم ہو۔ اس لیے اس باب میں اسی بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

تعریف شرک: ظہورِ اسلام سے قبل یہ دنیا معمورۂ جہالت تھی۔ تصورِ توحید کی کھیتی بے آب وگیاہ پڑی تھی۔ وحدت پر دوئی کے ہزاروں رنگ غالب تھے، کہیں شجر کو مقامِ مسجودیت دیا گیا تھا تو کہیں آگ کی پرستش کی جاتی تھی اور کہیں سنگِ گراں کے آگے دستِ تمنا دراز کیا جاتا تھا۔ لوگ اللہ سے بالکل ناآشنا تھے۔ ظہورِ اسلام سے قبل عربوں کی فطرت اور عادت کے بارے میں علامہ اقبال بانگِ درا میں رقم طراز ہیں:

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر؟

اس دور میں کفر وعصیاں کی برق افقِ انسانیت پر رقص کناں تھی اور اشرف المخلوقات اس کو دیکھنے میں اس قدر محو ہو چکا تھا کہ اپنی ہستی بھی بھلا بیٹھا تھا۔ درسِ خود آگہی محو کر چکا تھا اور

قدم قدم پر جہالت کے اندھیاروں میں ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوا اور اللہ کی جانب سے اس پیکرِ نور کا ظہور ہوا، جس نے راہزنوں کو رہبائی، گداؤں کو سلطانی اور سلطانوں کو جہاں بانی کے زریں اُصول سکھلائے۔ جس نے فرش پر لڑھکتی ہوئی انسانیت کو اُٹھا کر ہمدوشِ ثریا کیا اور جس نے اخلاق کے تمام تر تقاضوں کی تکمیل کر دی اور جس نے دوئی کے تمام تر رنگوں کو وحدت کے رنگ میں ضم کر دیا۔

کفر وشرک کی منزل مسمار کر دی اور وضاحت سے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ۔ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اسی کی نفی شرک کہلاتی ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت کا انکار، اس کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے۔ اللہ کو ایک ماننا، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا توحید ہے۔

شرک وتوحید کے متعلق علامہ خازن اپنی تفسیر خازن، جلد اوّل کے صفحہ: 24 پر لکھتے ہیں:

مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ یَعْنِیْ یَجْعَلُ مَعَهٗ شَرِیْکًا غَیْرَهٗ

ترجمہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہرائے۔

علامہ تفتازانی شرح عقائد، صفحہ: 16 میں شرک کی تعریف یوں قلم بند کرتے ہیں:

اَلْاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْكِ فِی الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ کَمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ کَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

شرک ثابت کرنا ہے شریک کا الوہیت بمعنی واجب الوجود میں مجوسیوں کی طرح، یا بت پرستوں کی طرح استحقاقِ عبادت میں۔

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ شرک کی تین اقسام ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرائے، یہ شرک ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو خالق سمجھنا یا کہنا بھی شرک ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرے، یا اُس کو مستحق عبادت سمجھے۔ ان عبادتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب الوجود یعنی اپنی ذات وکمالات میں دوسرے سے بے نیاز اور غنی بالذات فقط اللہ کی ذات

ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے میں یہ بات نہیں۔ اس طرح ہر طرح کی عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔ یہاں پر اگر کوئی شخص اللہ کی ذات وصفات کی تمثیل پیش کرے اور کسی دوسرے کی عبادت کی توجیہ پیش کرے، تو وہ مشرک ہوگا۔ جو کوئی یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی دوسرا ایسا ہے جس کو کسی دوسرے سے کوئی حاجت نہیں اور وہ بہت قدیم ہے، تو وہ مشرک ہوگا۔ جس طرح کہ ہندوستان کے آریہ لوگ روانِ انسان اور مادہ کو بھی واجب الوجود مانتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو کسی کی ضرورت نہیں، ان کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے کمالات سے متعلق یہ کہے کہ یہ کمالات اس کے اپنے ہیں اور گمان کرے کہ ان کمالات کو سیکھنے میں اس نے کسی دوسرے سے مدد حاصل نہیں کی اور نہ اسے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے، وہ مشرک ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنے فن میں طاق ہونے کے لیے کسی نہ کسی کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا فضل شاملِ حال ہوتا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ فلاں شخص اپنے کمالات میں دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہے، اسے دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں، بالکل غلط اور شرک ہے۔ بت پرست درختوں کی پوجا کرتے تھے اور ان سے اپنی مرادیں مانگتے تھے، وہ بھی مشرک تھے، کیونکہ عبادت کے لیے انہوں نے سورج، اشجار، پتھر وغیرہ کو معبود بنا رکھا تھا۔ ان سب باتوں کی روشنی میں جو شخص اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے کمالات اس کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ کمالات اللہ کے دیے ہیں، جن کو وہ کسی وقت بھی چھین سکتا ہے، وہ مشرک نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو صاحب سماع وبصر کہے اور یہ یقین رکھتا ہو کہ یہ صفات اسے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، تو مشرک نہیں بلکہ مومن ہے۔ مشرک اُس وقت ہوگا جب یہ کہے کہ یہ بصارت اور سماعت اس کی ذاتی ہے اور اس کے لیے وہ کسی دوسرے کا دست نگر نہیں۔ خداوند عظیم اپنی پاک کتاب قرآن مجید میں فرماتا ہے: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ (پارہ: 29، سورۂ دہر) اس آیت کا مطلب ہے کہ ہم نے انسان کو صاحب سمع وبصر پیدا کیا ہے۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ قرآن پاک پارہ: 15 میں مرقوم ہے: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ بے شک اللہ صاحب سمع وبصر ہے۔

یہاں پر اللہ بھی صاحب سمع وبصر ہے اور بندہ بھی صاحب سمع وبصر ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہوا اور اللہ بھی اس پر خوش ہے، اس میں اللہ کی رضا بھی شامل ہے، جب کہ اللہ امکانِ شرک کو نہ پسند کرتا ہے، نہ اس کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی توثیق فرماتا ہے بلکہ شرک کی تردید فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کردے گا، مگر شرک کو نہیں۔ اسی طرح ہر شخص صاحب سمع وبصر مشرک ہوا اور اُن کو صاحب سمع وبصر کہنے والا بھی مشرک ٹھہرا۔ نجات کسی کی بھی نہ ہوگی، اس لیے یہ شرک نہیں، کیونکہ اللہ نے بندے کو جو سمع وبصر عطا فرمائی وہ اس کی عنایت ہے، وہ اس کی مہربانی ہے۔ اور جو اس نے اپنے لیے سمع وبصر فرمایا، وہ اس کی ذاتی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب سمع وبصر ہی نہیں بلکہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ بے شک اللہ مہربان رحم کرنے والا ہے۔

یہاں پر اللہ کی مہربانی کا کمال دیکھیے کہ اس نے اپنی مہربانی سے اپنی ذاتی صفت کا کچھ حصہ اپنے نائب یعنی بندۂ خاکی کو عطا فرمایا۔ اس بات کو شرک کہہ دینا قطعاً غلط ہے۔

مومن وکافر میں فرق

اُمتِ محمدیہ مختلف عقائد کے باعث کئی فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ سب کچھ اللہ ہے، باقی کچھ نہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسباب ہی سب کچھ ہیں، جیسا کہ ایک بت پرست یہ یقین رکھتا ہے کہ اجرامِ سماویہ یعنی سورج، چاند، ستارے وغیرہ تاثیر میں مستقل بالذات ہیں اور حقیقی شے کے حامل ہیں، مگر مسلمان اسباب کو محض اسباب اور وسائل ہی سمجھتا ہے اور ان اسباب و وسائل کے پردہائے حجابات میں قادرِ مطلق کے دستِ قدرت کو نہاں دیکھتا ہے، یعنی قدرت والوہیت اپنے اللہ کی سمجھتا ہے۔ اگر یہ فضل نہ ہو تو انسان ہر فعل وقول میں مشرک ہو جائے۔ مثلاً جب کہے کہ میں سنتا ہوں تو مشرک، میں دیکھتا ہوں تو مشرک، میں کھاتا ہوں، پیتا ہوں، ان سب باتوں میں انسان مشرک ہو جائے۔ اس طرح دیگر اُمور میں یہ باتیں زمرۂ شرک میں شمار ہوں۔ مثلاً غذا سے توانائی حاصل ہوتی ہے۔ بلب سے روشنی حاصل ہوتی ہے، دوا نے درد رفع کیا، سردی نے نقصان دیا، یہ باتیں

شرک نہیں۔ شرک اُس وقت ہوں گی، جب کسی کو کسی کمال میں مستقل بالذات جانے اور اگر
مستقل بالذات نہیں جانتا بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ کا محتاج ہے تو مشرک نہیں بلکہ موحد و
مومن ہے۔ مثلاً جب یہ کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں، تو یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتِ
بصارت سے اور اس کے فضل و کرم سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر وہ دیکھنے کی قوت عطا نہ فرماتا تو
میں ہرگز اس کائناتِ رنگین کا نظارہ نہ کرسکتا۔ ایسے شخص کو مشرک کہنے والا کم عقل اور گمراہ
ہے۔ کیونکہ ایسے فرد کو شرک کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ کمالِ بینائی جو کہ اللہ کا عطا کردہ ہے،
شرک ہے۔ معاذ اللہ! یہ کمال صرف اللہ سے ثابت ہے۔ دوسرے کو اس میں شریک کردینا
کفر ہوا۔ یہ سراسر باطل پن اور گمراہی کی کھلی دلیل ہے، کیونکہ اللہ کا کوئی کمال عطائی اور محتاجِ
غیر نہیں، بلکہ اس کا اپنا اور ذاتی ہے۔

اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ عطائی کمال کسی کے لیے ثابت کرنا ہرگز
شرک نہیں۔ مگر بعض لوگ بڑے کم علم ہیں۔ ہم کو ان کے علم پر حیرت و افسوس ہے کہ ان کو یہ
بھی پتہ نہیں کہ اللہ سبحانہ کے تمام اوصاف ذاتی ہیں، مستقل بالذات ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

کمالِ عطائی ماننا شرک نہیں!

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی رتی برابر بھی گنجائش نہیں۔
قرآن مجید کے آغاز میں ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (سورۂ بقرہ)
بے شک یہ کتاب ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے۔
لہٰذا قرآن مجید کی کسی بات سے انکار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ
الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ
الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: تمہارے رب کی طرف سے بلاشبہ میں ایک آیت (نشانی) لے کر آیا ہوں کہ

مٹی کی مورت بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرندہ ہوجاتی ہے اور اللہ کے
حکم سے میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور اللہ کے حکم سے مردے کو
زندہ کرتا ہوں اور تمھیں بتلاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔
بے شک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے، اگر تم ایمان والے ہو۔

اللہ کی پاک کتاب نورِ مبین، قرآنِ مجید کے ان الفاظ و معانی میں حضرت عیسیٰ علیہ
الصلوٰۃ والسلام نے مخلوق پیدا کرنے، اندھے اور برص والے کو شفا دینے، مُردوں کو زندگی
بخشنے کی صفت کو خود سے منسوب کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں
میں جمع کرتے ہو، اس کی میں خبر رکھتا ہوں۔ مزید ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایمان والے اور مومن
ہو، اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہو، تو اس میں تمہارے لیے نشانی ہے۔ توحید کے علمبردار
اللہ کے پیارے رسول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس کلام کو قرآن مجید نے نقل فرمایا
ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے طور پر خلق اور احیا و ابرا یعنی تخلیق کرنے، جلا بخشنے اور
شفا عطا کرنے کی نسبت غیر اللہ سے ہوسکتی ہے، مگر یہ عقیدہ لازمی ہے۔ یہ صفت اور یہ خوبی
اللہ کی عطا سے حاصل ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ یہ ہوگا کہ یہ وصف اللہ کی مہربانی اور عطا
نہیں، اس کا اپنا ذاتی ہے، تو یہ شرک ہے ورنہ نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ شرک اس صورت میں ہوگا جب کہ ایک معبود کے علاوہ کسی دوسرے کو
معبودیت کا حامل قرار دے۔ خالقِ دو جہاں خداوند عظیم خود چودھویں پارے، سورۂ نحل میں
ارشاد فرماتا ہے کہ: لَا تَتَّخِذُوْا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ

دو (کو) معبود نہ بناؤ۔ اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی دوسرا نہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتی و اضافی میں کسی دوسرے کی تمثیل، مماثل یا مثل
پیش کرے گا تو وہ مشرک ہوگا۔

شرکِ اکبر کیا ھے: جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور یہ گمان کرے کہ ایک اللہ کے سوا
کسی دوسرے کی عبادت کی جاسکتی ہے یا اس کی صفات میں، اس کے افعال میں کسی دوسرے
کو ہم پلہ قرار دے اور کہے کہ اللہ کے علاوہ بھی کوئی مارنے، جلانے، روزی دینے، سورج

غروب کرنے، سورج طلوع کرنے، لیل ونہار کا اظہار کرنے میں مستقل بالذات اور اللہ کی عطا سے بے نیاز ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہے، خارج از ایمان، مخلود فی النار اور جہنمی ہے اور اسی کو شرکِ اکبر کہتے ہیں۔ یہی توحید کا حریف ہے، یہی توحید کی تردید کرتا ہے اور یہی بندوں کو اللہ سے دور، بہت دور لے جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

ترجمہ: بے شک اللہ مغفرت نہ کرے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ ماسوائے اس کے، اللہ جن کی مغفرت چاہے قبول کرے گا۔

یہ شرکِ اکبر ہے، جو کسی طور پر بھی بخشا نہ جائے گا اور اس کا مرتکب ہونے والا ذی روح ابد تک جہنم میں جلتا رہے گا، اس کے باقی تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اگرچہ وہ دریاؤں کے قطروں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، مگر شرک نہیں بخشا جائے گا، جس کی پاداش میں مشرک کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہوگا۔

شرک سے بچنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

ترجمہ: آپ فرمادیں! اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

شرک کی تعریف قرآن کی روشنی میں بیان کی گئی، مگر بعض کم عقل لوگ جو شرع پر اختراع کے عادی ہیں، توحید کو شرک قرار دیتے ہیں اور ایسے ظالم و جاہل ہیں کہ کفار کی آیات پیغمبروں پر اور پیغمبروں کی آیات کفار پر بلا خوف وخطر بیان کرتے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کی عقل پر رونا آتا ہے۔

بخاری، جلد دوم کے صفحہ: 421 پر امام بخاری نے خارجیوں اور بے دینوں کے بارے میں ایک باب رقم کیا ہے، جس کا نام قتال الخوارج والملحدین ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمُ انْطَلَقُوْا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خارجیوں اور ملحدوں کو اللہ کی مخلوق میں ذلیل خیال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ایسے بے دین ہیں جو کفار کے بارے میں نازل کی گئی آیات مسلمانوں پر پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کفار سے منسوب کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگ دائرۂ خوارج میں شامل ہیں، وعظ کے آخر میں خلوص سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بھی محفوظ رکھے اور ایسے کم عقل اور نادان لوگوں سے بھی جو توحید کو بھی شرک کہہ دیتے ہیں۔

□□□

چوتھا وعظ

تعریف ایمان اور تفصیل ایمان

ایمان کی تعریف

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے لازمی ہے کہ اسلامی عقائد واعمال پر ایمان لایا جائے۔ ایمان، امن سے بنا ہے۔ لغوی معنی اس کے امن دینے کے ہیں۔ یعنی ایماندار آدمی دوسروں کے لیے پُرامن ہو جاتا ہے۔ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اصطلاحِ شریعت میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو زبان سے دُرست ادا کرنا اور اس کے معنی ومطالب پر صدقِ دل سے یقین کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید، سورۂ محمد میں خود اللہ فرماتا ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یعنی دل سے یہ بات جان لو کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں۔

آج سے تقریباً 1400 سال قبل جب عرب کی سرزمین سے خورشید توحید محمد ﷺ کی بعثت کے روپ میں طلوع ہوا، جس نے اس جہاں کو اسلام کی نئی روشنیوں سے روشناس کرایا اور اسلام کی روشنی حاصل کرنے کے لیے پانچ چیزوں کو لازمی قرار دیا کہ ان کے بغیر اسلام کی تکمیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

بنیادِ اسلام پانچ اشیا پر ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

جب عبدالقیس کا وفد دربارِ نبوت ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (الحدیث متفق علیہ مشکوٰۃ، صفحہ: 13)

ترجمہ: کیا تمھیں علم ہے کہ اللہ واحد کے ساتھ ایمان کیا ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جاننے والے ہیں۔ فرمایا: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ توحید باری تعالیٰ اور اس کے ساتھ رسول پاک کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ اس طرح کا مطلب ایمان کی تعریف کرنے والے علمائے کرام کا ہے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْاِیْمَانَ فِی الشَّرْعِ هُوَ التَّصْدِیْقُ بِمَا جَآءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔

تو جان کہ ایمان شرعی یہ ہے کہ تصدیق کرنا ہر اُس بات کی جو رسولِ اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب

اللہ پر ایمان لانے کے لیے درج ذیل اُمور کا دلی تصدیق کے ساتھ ماننا لازم ہے۔

اللہ واحد ہے۔ اس کی ذات وصفات میں، افعال واحکام میں اور اسما میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ کائنات کی بقا کے لیے اس کے وجود کا ماننا ضروری ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ کائنات ہی نہ ہوتی۔ وہ اس وقت سے ہے جب دنیا میں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ سورج، چاند، ستارے، ارض وسما کے ظہور سے بھی قبل وہ موجود تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ معبودیت اسی کو زیب دیتی ہے۔ اس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں بلکہ وہ کُل کائنات کا حاجت روا ہے۔ سارا جہاں اُس کا گدا ہے۔ اس سے اپنی حاجتیں برآنے کے لیے امید رکھتا ہے۔ اس کی ذات بڑی اسرار ورُموز کی خزانہ ہے۔ اس کی ذات بے شمار اوصاف کی حامل ہے۔ اس کے کمالات ایسے ہیں کہ عقل جن کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ البتہ! وہ اپنی کمال مہربانی سے اپنی صفات کے متعلق پتہ دیتا ہے۔ جو ان صفات کو اپنا لے تو اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ عام لوگوں کی طرح اس کا کوئی خاندان نہیں۔ اس کا بھائی، باپ، بیٹا، بیٹی، بیوی اور بہن نہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی کا بھائی،

باپ، بیٹا، بیوی اور بہن ہے۔ وہ حی و قیوم ہے اور کارخانہ عالم کو زندہ اور قائم رکھنے والا ہے۔ وہ جب چاہے اور جس کی چاہے، جس طرح چاہے جان قبض کر سکتا ہے۔ دنیا کے تمام افعال سر انجام دینا اس کے اشارے میں پنہاں ہے۔ یہ خوبی، یہ وصف اور یہ کمال، اس کی ذات میں موجود ہیں۔ اس میں کوئی عیب نہیں، وہ پاک ہے۔ قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم اس کی ذاتی صفات ہیں۔ ان میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں۔ وہ عالم الغیب ہے۔ دنیا جہان کے ہر قسم کے علوم سے واقف ہے۔ ہر شے کی مالیت اس پر عیاں ہے۔ وہ خالق ہے، رزاق ہے، ستار ہے، غفار ہے، رحیم ہے، غفور ہے، قہر و غضب فرمانے والا ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ زمین و آسمان کی ہر شے کا مالک صرف اور صرف وہی ہے۔ جس کو چاہے وہ ذلت دے اور جس کو چاہے عزت بخش دے، وہ ہر شے پر قادر مطلق ہے۔

عقائد متعلقہ نبوت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی فلاح و بہبود کے لیے، دنیا کو سنوارنے کے لیے، انسان کو آداب خدا آگاہی سکھانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ دنیا میں اللہ کے پیغام کو لے کر جو لوگ مبعوث ہوئے، وہ پیغمبر اور نبی کہلائے۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجے۔ آج سے 1400 برس قبل ہدایت دنیا کی تکمیل کامل ہوگئی۔ اس لیے اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام دنیا کی ہدایت کے لیے تشریف لاتے رہے اور آخر میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔ اللہ کے تمام پیغمبر سچے اور برحق ہیں۔ ان میں سے سب دوسرے لوگوں سے اپنی بزرگی کی بدولت افضل و اعلیٰ ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی اللہ کا بیٹا اور بھائی نہ تھا۔ سب پیغمبر قابل تکریم ہیں، لیکن ان سب پیغمبر میں جو فضیلت حضور پرنور ﷺ کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہ آئی۔ تمام انبیا ایک خاص طبقے کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے، مگر حضور ﷺ اللہ کی ساری مخلوق، انسان و جن، ملائکہ، حیوانات، جمادات، نباتات، غرض کہ کائنات کی ہر شے کی طرف مبعوث فرمائے گئے تا کہ کوئی بھی خلق

رحمت عالم کی مہربانی سے محروم نہ رہ جائے۔ ساری دنیا کے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ نبی کریم تمام عالم کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔

حکایت: زمانہ نبوی میں صحابہ کرام کو آپ سے بے حد عقیدت تھی، ہونا ہی تھی، مگر حیوانات و جمادات بھی آپ کے دیدار کے مشتاق رہتے تھے۔ آپ کی تبلیغ سے تنگ آکر جب کفار مکہ نے آپ کو نعوذ باللہ قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ خداوند کریم کے حکم سے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں غار ثور میں ٹھہرے۔ غار میں بے پناہ سوراخ تھے۔ ابوبکر صدیق نے وہ سب پر کرڈالے۔ آخر میں ایک سوراخ بچا۔ اُس پر ایڑی مبارک رکھی اور اپنے زانو پر مصطفیٰ ﷺ کا سر اقدس رکھ لیا تا کہ وہ آرام کریں۔ تھوڑی دیر گزری کہ آپ کی ایڑی پر ایک سانپ نے ڈنک مارا، مگر حفاظت یار کے خیال سے ابوبکر صدیق نے سوراخ سے پاؤں نہ ہٹایا۔ شدت تکلیف سے صدیق اکبر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جب آنسو حضور پرنور کے رخسار درخشندہ پر گرے تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا صدیق کیوں روتا ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! سانپ ایڑی پر ڈنک مار رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ایڑی ہٹانے کا حکم دیا۔ ابوبکر صدیق نے ایڑی ہٹائی۔ سوراخ سے سانپ نکلا اور حضور کا طواف کیا۔ حضور ﷺ نے ڈنک مارنے کے متعلق سوال کیا۔ سانپ عرض پرداز ہوا: یارسول اللہ! میری کیا مجال کہ جناب کے یار کو ڈنک ماروں۔ یارسول اللہ! عرصے سے میں نے دعا مانگی تھی کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں آپ کی زیارت نہ کرلوں۔ آج آپ غریب خانے پر تشریف لائے تو آپ کے دوست نے تمام سوراخ بند کردیے تھے اور ایک بچا۔ اس پر اپنی ایڑی رکھ کر بیٹھ گئے، اس لیے یارسول اللہ! مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو آپ کا دیدار کیوں کر حاصل کرپاتا۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے، کیونکہ میں نے آپ کی زیارت کرلی ہے۔ یہ کہا اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔

سبحان اللہ! وہ سانپ فقط آپ کی زیارت کے لیے زندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب

پر نبوت کا اختتام کر دیا۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی زمانہ حضور میں یا بعد میں کسی کو نبوت کا مستحق جانے تو وہ کافر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس ساری کائنات میں حضور ﷺ کا کوئی تمثیل و مماثل نہیں۔ کسی کی مثل ان کے برابر نہیں دی جا سکتی۔

حضور ﷺ کو اللہ جل شانہ نے مرتبہ محبوبیت سے نوازا۔ ساری کائنات اللہ کی رضا چاہتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رضا چاہتا ہے، بقول شاعر: ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

حضور ﷺ صاحب معراج ہیں۔ رات کے قلیل عرصے میں آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے اور وہاں سے رفعت ہفت افلاک اور بالائے عرش و کرسی تشریف لے گئے۔ آپ نے خداوند کریم کو بچشم سر دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دیدار الٰہی کیا تھا، مگر ایک تو درمیان میں کوہ طور تھا اور دوسرے آپ تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت موسیٰ بھی اللہ سے ہم کلام ہوا کرتے تھے، مگر درمیان میں حجاب کوہ طور ہوتا تھا، مگر جب حضور ﷺ کی باری آئی تو تمام حجابات اُٹھ گئے۔ راہ میں کوئی چیز حائل نہ رہی۔ بالمشافہ دیدار و کلام ہوا۔

یہ دنیا فانی ہے، اس کی ہر شے فانی ہے۔ انسان اپنی چند روزہ زندگی گزار کر قبر میں چلا جاتا ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا جب تمام مردے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور ان سے ان کی زندگی کے معمولات، افکار و اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اس روز کو قیامت کہتے ہیں۔

قیامت کے دن سہرۂ شفاعت حضور ﷺ کے سر باندھا جائے گا۔ آپ جب تک کسی کی شفاعت نہ کریں گے وہ بخشا نہیں جائے گا۔ اللہ کی ساری مخلوق میں شفیع ہونے کا اعزاز صرف اور صرف حضرت محمد رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ ان کی شفاعت کافر، مومن، بچے، بوڑھے، نیک اور عاصی سب کے لیے ہے۔ قیامت کے دن بھی آپ کے چہرۂ اقدس کی تجلیاں دیکھ کر

گھبرا رہے ہوں گے اور آپ کی حمد بیان کر رہے ہوں گے۔ اسی اعزاز اور مرتبہ کو مقام محمود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ نبی کریم شفاعت کرنے کے لیے کسی امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔ ہزارہا لوگ ایسے ہوں گے، جن پر دوزخ لازم ہو چکی ہوگی، وہ بھی آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ہزارہا کو بلا حساب نوید جنت سنائی جائے گی۔

ایمان کی اصل محبت رسول ہی ہے۔ اس وقت تک کوئی شخص سچا مسلمان نہیں بن سکتا، جب تک کہ اس کو حضور کی ذات، ماں، باپ اور کائنات کی ساری اشیا سے محبوب نہ ہو جائے۔ اللہ کی توحید پر یقین کرنے کے بعد نبی کریم کی تعظیم ہر چیز سے زیادہ مقدم ہے۔ آدمی اگر نماز میں کھڑا ہے اور نماز ہی میں حضور سے شرف ملاقات حاصل کرے اور خواہ کتنی ہی دیر خدمت میں حاضر رہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہ آنے پائے گا۔ نبی کریم کی تعظیم کائنات کی ہر شے سے مقدم ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ایک مرتبہ حضور ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ اگلے قافلے میں تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ پچھلے قافلے میں۔ انھوں نے اس خیال سے نماز ادا نہ کی کہ اگلے قافلے میں جا کر حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ اس قافلے میں آئے تو حضور نماز ادا کر چکے تھے اور آرام فرمانا چاہتے تھے۔ حضرت علی نے اپنے محبوب کے آرام کے لیے اپنا زانوئے مبارک بطور تکیہ پیش کر دیا۔ زانوئے علی پر سر رسول اللہ تھا اور رسول اللہ آرام فرما رہے تھے۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ سورج مغرب میں روپوش ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ ڈوبتے سورج کو دیکھ کر حضرت علی کو اپنی نماز قضا ہونے کا خیال آیا اور آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ گرم گرم آنسو جب حضور کے رخسار تابدار پر گرے تو آپ نے نگاہیں کھول دیں اور حضرت علی سے رونے کا سبب پوچھا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! فداک اُمّی و ابی، نماز عصر قضا ہو رہی تھی، اس لیے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نبی کریم نے یہ سن کر اللہ سے عرض کی: یا اللہ! تیرا یہ اصول ہے کہ ایک مرتبہ سورج غروب کرنے کے بعد رات ڈھلنے کے بعد طلوع کرتا ہے، مگر یا اللہ! آج اپنے اس اصول میں لچک پیدا فرما اور سورج کو لوٹا دے۔

یہ کہہ کر آپ نے سورج کو اشارہ کیا۔ سورج دوبارہ پلٹ آیا۔ مقام عصر پر آ گیا۔ حضرت علی نے نمازِ عصر ادا کی اور پھر سورج غروب ہو گیا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضرت علی چاہتے تو پہلے ہی حضور کو بیدار کر سکتے تھے، مگر انھوں نے اپنی نماز بھی حضور ﷺ کی نیند پر قربان کر دی۔

نبی کریم ﷺ کی عظمت، توقیر، وقار اُس وقت کی طرح جب کہ وہ ظاہری نگاہوں کے سامنے جلوہ فرما تھے، اب بھی لازمی ہے کہ حضور کا نام محمد یا احمد آئے تو ہم کو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم وعظ کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ منبر کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے آپ نے تین مرتبہ آمین کہا۔ وعظ ختم ہونے کے بعد صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آج آپ نے خلاف توقع تین مرتبہ آمین کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرائیل میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ وہ ہلاک ہو جائے جو والدین کا حکم نہ مانے۔ میں نے کہا: آمین، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے عرض کی کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو رمضان شریف آئے اور روزے نہ رکھے۔ میں نے کہا: آمین، تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل نے عرض کی کہ وہ شخص ہلاک ہو جائے جو آپ ﷺ کا نام نامی سنے اور درود شریف نہ پڑھے۔

اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ آپ ﷺ کا نام آتے ہی درود شریف پڑھا کریں تا کہ ہماری نجات کا سامان ہو جائے۔

□□□

پانچواں وعظ

کلمہ کی فضیلت (پہلا وعظ)

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی:

(1) کلمہ (2) نماز (3) روزہ (4) زکوٰۃ (5) حج۔

اسلام لانے کے لیے ان میں سب سے پہلی ضروری اور اہم چیز کلمۂ طیبہ ہے۔ زبان سے پڑھنے اور دل سے یقین کرنے پر ہی کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ کلمۂ طیبہ کے بے شمار فائدے ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 14 پر مرقوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآب اور معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ نبی کریم نے تین مرتبہ معاذ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ انھوں نے تین مرتبہ یوں جواب دیا: **لبیک و سعدیک یا رسولَ اللہ۔** رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دل سے یہ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اس شخص پر آگ کو حرام قرار دے دیتا ہے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خبر نہ دے دوں۔ فرمایا: اس وقت وہ سست ہو جائیں گے اور عمل نہ کریں گے۔ پس معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گناہ سے بچنے کے لیے بوقتِ مرگ یہ خبر دی، کیونکہ علم کا چھپانا بھی گناہ ہے۔

المجالس السنیہ، صفحہ: 20 اور نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 21 پر ایک حکایت درج ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص میدانِ عرفات میں کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ میں سات پتھر لے کر کہا: اے پتھرو! گواہ ہو جاؤ کہ اِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ اس

رات جب وہ سو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ قیامت قائم ہو گئی ہے۔ حساب کتاب لیا جا رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس کی باری بھی آئی۔ اس کا حساب لیا گیا۔ قلیل ہونے کی بنا پر وہ نارِ جہنم کا مستحق قرار پایا۔ فرشتے اس کو گرفتار کر کے جہنم کی طرف روانہ ہو گئے اور جہنم کے ایک دروازے پر آ گئے تو ان سات پتھروں میں سے ایک پتھر اس دروازے پر گر پڑتا ہے اور راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ عذاب کے فرشتے اس پتھر کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر پتھر ذرا بھی نہیں ہٹا۔ دوسرے اور تیسرے حتیٰ کہ ساتوں دروازوں پر یہی واقعہ پیش آیا۔ فرشتے اس کو عرش پر لے آتے ہیں۔ تو خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے کہ: اے بندے! تو نے پتھروں کو گواہ بنایا تھا۔ پتھروں نے تیرا حق ضائع نہیں کیا۔ اے میرے بندے! مَیں خود ہی تیری شہادتِ توحید اور شہادتِ رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ اور صلے میں تجھے جنت کا حقدار قرار دیتا ہوں۔ جب وہ شخص جنت کے دروازوں پر پہنچا تو جنت کے دروازے بند تھے۔ اتنے میں لا الہ الا اللہ کی صدا آئی اور جنت کے دَر کھل گئے اور وہ شخص جنت میں داخل ہو گیا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:12 پر ایک اور حدیث مرقوم ہے، قَالَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ مَدَّهَا لِلتَّعْظِيْمِ كَفَّرَ اللهُ بِهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِنَ الْكَبَائِرِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ عَلَيْهِ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ كَفَّرَ اللهُ عَنْ اَهْلِهٖ وَ جِيْرَانِهٖ۔

ترجمہ: بعض صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دل سے لا الہ الا اللہ پڑھے اور اس کے ادب کی خاطر اسے عبا کر کے یعنی ترنم سے پڑھے تو اس کی برکت سے اس کے چار ہزار گناہِ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر ●، چار ہزار سے کم ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کے ہمسائے کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل: صفحہ:365 پر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ مَدَّهَا هُدِمَتْ لَهٗ اَرْبَعَةُ اٰلَافِ ذَنْبٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ

یعنی جس نے لا الہ ترنم سے پڑھا، اس کے چار ہزار کبیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:12 پر ایک حکایت درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ایک شخص نے اپنے زندگی کے 480 سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عصیاں میں گزار دیے۔ اللہ کی رحمت کو اس کے حال پر ترس آیا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لا الہ الا اللہ موسیٰ رسول اللہ پڑھا۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں۔ اُس وقت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: یا موسیٰ نبی اللہ! اس کلمے کی برکت سے اللہ نے اس کے 480 سال کے گناہ بخش دیے، اس لیے کہ لا الہ الا اللہ موسیٰ رسول اللہ کے چوبیس حروف ہیں اور ہر حرف کے بدلے بیس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے ہر حرف کے بدلے 70 سال کے گناہ معاف ہو جائیں۔ اگر کوئی کافر دل سے اس کلمے کو پڑھے تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

(رواہ ترمذی وابن ماجہ)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک ایسے اُمتی کو نکالے گا، جس کی برائیوں کے ننانوے دفاتر ہوں گے۔ ہر دفتر کی لمبائی حدِ نظر تک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تجھے اپنی کسی برائی سے انکار ہے، وہ عرض کرے گا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے کوئی عذر طلب کرے گا، مگر وہ عذر پیش کرنے سے معذور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہم تم پر ظلم نہیں کریں گے۔ تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس ہے۔ اُس نیکی سے تمہارے گناہوں کا موازنہ کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر خداوند کریم ایک کاغذ کا پرزہ نکالے گا، جس پر تحریر ہوگا: اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ترازو کے ایک پلڑے میں گناہوں کے دفتر اور دوسرے میں وہ کاغذ کا پرزہ رکھ دیا جائے گا اور اس آدمی کو بلایا جائے گا کہ اپنے اعمال کے اوزان پر حاضر ہو۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوگا کہ اس کی برائیوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے کے مقابلے میں کم وزن ہے۔ عرض کرے گا: یا باری تعالیٰ! اتنے گناہوں کے سامنے ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ ارشاد ہوگا: اس کاغذ کے پرزے پر کلمہ طیبہ لکھا ہے اور کلمہ طیبہ سے بھاری کوئی چیز نہیں۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:265)

حکایت: حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اللہ سے عرض کی کہ یا باری تعالیٰ! مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتادے کہ اس سے میں تجھے یاد کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ عرض کی: باری تعالیٰ! تیرے سارے بندے لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا: لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتایئے جو صرف میرے لیے خاص طور پر مخصوص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَا مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ کَفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ کَفَّةٍ مَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ: اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا جھک جائے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا اسم جلالت کائنات کی ساری شے سے بھاری ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 21 پر رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 17 پر ایک حکایت درج ہے کہ ولایت ہند میں ایک ہندو رہتا تھا جو سالہا سال سے بتوں کی پوجا کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ زمانے کی ستم ظریفیوں نے اسے ایک مشکل میں اُلجھا دیا۔ اس نے مشکل حل کرنے کی بہتری کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ سالہا سال جس بت کی پرستش کی ہے، اس سے اپنی مراد مانگوں۔ اس نے بت کے سامنے اپنی مشکل بیان کی اور مراد مانگی، مگر بت نے اس کی ایک نہ سنی۔ سن بھی کیسے سکتا تھا؟ جب کہ خود تراشیدہ پتھر تھا۔ وہ شخص بت سے ناامید ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ مسلمان ایک اللہ کو مانتے ہیں۔ مَیں بھی اس سے رجوع کر کے دیکھوں۔ چنانچہ اس نے نگاہِ شرمسار آسمان کی جانب اٹھائی اور بلند آواز سے کہا: یا صمد! فضا میں کڑکا ہوا، بجلی چمکی، نور کا ہالہ فلک پر چھایا اور ندا آئی: لبیک یا عبدی! اے میرے بندے میں موجود ہوں۔ مانگ جو مانگتا ہے۔ تیری ہر حاجت پوری کی جائے گی۔ فرشتوں نے خدائے واحد کی اتنی نظرِ شفقت دیکھی تو پوچھا: وہ شخص مدت ہائے مد [illegible] پوجا کرتا رہا، مگر اس نے کوئی بات نہ سنی۔

جب کہ تجھے ایک مرتبہ پکارا ہے تو تو نے جواب دے دیا۔ خداوند نے فرمایا: اگر میں بھی اُس بت کی طرح جواب نہ دوں تو پھر جھوٹے اور سچے خدا میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اس شخص نے جب یہ ماجرا دیکھا تو فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

حکایت: خداوندِ عظیم نے حضرت آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی پاداش میں جنت سے نکال دیا اور زمین پر بھیج دیا۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدتِ دراز تک رو رو کر اللہ سے معافی طلب کرتے رہے، مگر معافی نہ ملی۔ ایک دن روتے ہوئے عرض کی یا اللہ! تجھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا واسطہ مجھے معاف کردے۔ محمد رسول اللہ کا واسطہ سُن کر اللہ نے حضرت آدم کو مغفرت کی نوید سنائی۔ کلمے کی فضیلت سے اللہ نے حضرت آدم کی توبہ قبول کی۔ کلمہ شریف کے بے شمار فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

یعنی سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

انسان کو اللہ کی یاد سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور اس کا ذکر کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔

□□□

چھٹا وعظ

کلمہ شریف کی فضیلت (دوسرا وعظ)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (سورۃ الاحزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

بعض مفسرین کے نزدیک قولاً سدیدًا سے مراد لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنے سے اعمال میں حسن پیدا ہو جاتا ہے اور خداوند عظیم اپنی رحمت سے ہمارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ گویا لا الٰہ الا اللہ بہترین اور بے مثل کلمہ ہے، جس سے ہم دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا (کشف الغمہ: جلد اول صفحہ: 21)

مجالس سنیہ، صفحہ: 30 پر اس کا ترجمہ یوں نقل ہے کہ اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔

مندرجہ بالا آیت و حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کلمہ شریف دنیا جہاں کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی کلید ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ 16 پر مرقوم ہے کہ شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی سواری کو قبلہ رخ دوڑانا شروع کیا۔ مگر میری سواری ولایت روم کے ایک شہر قسطنطنیہ کی جانب چل پڑی۔ میں نے اسے کعبہ معظمہ کی جانب لے جانے کی بڑی کوشش کی، مگر وہ قسطنطنیہ کی جانب بڑھتی رہی۔

یہاں تک کہ میں قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں کے ایک جم غفیر پر نظر پڑی جو ایک دوسرے سے محو کلام تھے۔ میں نے بعض لوگوں سے صورت حال معلوم کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ کی لڑکی پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے اور کسی طبیب کی تلاش کی جارہی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس لڑکی کا علاج کروں گا۔ وہ لوگ مجھے شاہی محل میں لے گئے۔ جب میں دروازے کے قریب پہنچا تو اندر سے آواز آئی۔ اے جنید! رحمۃ اللہ علیہ، تو اپنی سواری کو کب تک ہماری طرف آنے سے روکتا رہے گا، جب کہ وہ تجھے ہماری طرف بلا رہی ہے۔ جب میں نے اندر قدم رکھا تو ایک حسینہ و جمیلہ خاتون کے سراپا پر نظر پڑی جو کہ پابہ زنجیر تھی۔ اس خاتون نے مجھ سے کہا: حضرت! میرے واسطے کوئی دوا تجویز فرمائیں جس سے میں صحت یاب ہو جاؤں اور میری دیوانگی جاتی رہے۔ میں نے اس سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کو کہا۔ اس نے باآواز بلند کلمہ شریف پڑھا۔ پڑھتے ہی زنجیر ٹوٹ کر گر پڑی۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا: واللہ! کتنا پیارا اور کامیاب حکیم ہے کہ ایک پل میں میری لڑکی کی بیماری دور کر کے اسے اچھا کر دیا۔ میں نے بادشاہ سے کہا: تم بھی کلمہ شریف پڑھو (تمہارے دل سے کفر کی بیماری ختم ہو جائے گی) اس نے کلمہ شریف پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ کلمہ شریف کا یہ کمال دیکھ کر بہت سے لوگ کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ: 15،14 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حواری تبلیغ کے واسطے بادشاہ کے پاس جا رہے تھے۔ راستے میں ان کو ایک جگہ چند لڑکے کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان لڑکوں میں وزیر کا لڑکا بھی شامل تھا۔ اس نے حواری کو پہچان لیا اور اپنے ساتھ گھر لے گیا۔ لڑکے کے باپ یعنی وزیر نے حواری کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے سامنے کھانا رکھ دیا کہ تناول فرمائیں۔ کھانا شروع ہوا تو شیطان اپنی عادت سے مجبور ہو کر کھانے میں شریک ہو گیا۔ حواری نے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم تو شیطان وہاں سے بھاگ گیا۔ وزیر نے حواری کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: میں عیسیٰ نبینا علیہ والصلوٰۃ والسلام کا حواری ہوں اور آپ کے پاس اسی لیے آیا ہوں کہ تم کو سچے خدا کی طرف بلاؤں اور بت پرستی چھڑا دوں۔ یہ سن کر وزیر

حضرت عیسیٰ کی رسالت اور خدا کی توحید پر ایمان لے آیا۔ کچھ دنوں کے بعد وزیر نے آپ
سے عرض کی کہ ہمارے بادشاہ کا اسپ فوت ہوگیا ہے۔ حواری نے کہا کہ اگر بادشاہ حضرت
عیسیٰ کی رسالت اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آئے تو اس کا گھوڑا زندہ ہوجائے گا۔ وزیر نے
یہ قصہ بادشاہ کے گوش گزار کردیا۔ بادشاہ راضی ہوگیا اور حضرت عیسیٰ کی رسالت اور اللہ کی
توحید پر ایمان لے آیا۔ وزیر، حواری کو لے کر بادشاہ کے محل میں گیا۔ حواری نے بادشاہ سے
کہا کہ تم گھوڑے کا ایک عضو پکڑ لو۔ اس طرح دوسرا عضو تمہارا باپ پکڑ لے، تیسرا عضو تمہارا
بیٹا اور چوتھا عضو تمہاری بیوی پکڑ لے اور پھر سب مل کر کہیں لا الہ الا اللہ۔ چنانچہ سب نے
ایک ایک عضو پکڑا اور با آواز بلند پڑھا لا الہ الا اللہ۔ ہر ایک عضو حرکت کرنے لگا یہاں تک
کہ گھوڑا اللہ کے حکم سے زندہ ہوکر اُٹھ بیٹھا۔

حکایت: مجالسِ سنیہ، صفحہ:30 پر محدث بیہقی نے بکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے
نقل کیا ہے کہ ایک قوم پر بڑا ظالم وجابر اور بت پرست بادشاہ حکمراں تھا۔ عوام اس سے سخت
نالاں ہوگئے اور اس کے خلاف بغاوت کرکے اس کو زندہ گرفتار کرلیا۔ عوام نے ایک
دوسرے سے مشورہ کیا کہ اس ظالم کو کس طریقے سے ہلاک کیا جائے۔ مختلف تجویزیں مقرر
ہوئیں، مگر کوئی بھی تجویز معقول نہ تھی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ اس ظالم کو ایک تانبے کے برتن
میں ڈال دیا جائے۔ برتن کو چولھے پر چڑھا کر نیچے سے آگ جلادی جائے۔ اس طرح
تڑپ تڑپ کر یہ موذی ہلاک ہوجائے گا۔ چنانچہ اس کو برتن میں ڈال کر برتن چولھے پر چڑھا
دیا گیا اور نیچے آگ جلانا شروع کردی گئی۔ جب آگ کی تپش اس موذی کو محسوس ہوئی تو اس
نے تمام معبودانِ باطل کو مشکل کشائی کے لیے چیخ وپکار کی: اے معبودان! میں سخت مشکل میں
ہوں، میری مدد کریں۔ میں ساری زندگی آپ کی خدمت کرتا رہا۔ اس وقت میں سخت مشکل
میں ہوں، میری مدد فرمائیں، مگر کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا اور آتا بھی کیسے؟ کیا انسان کے
اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت بھی مدد کے لیے آسکتے تھے۔ مایوس ہوکر اس نے آسمان
کی جانب نگاہ اٹھائی اور لا الہ الا اللہ پڑھنا شروع کیا۔ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی برکت
سے بارش ہونا شروع ہوگئی، جس سے آگ بجھ گئی۔ ساتھ ہی آندھی اور باد و باراں کا طوفان

شروع ہوگیا۔ آندھی اس شدت کی تھی کہ اس برتن کو اڑا کر لے گئی۔ وہ برتن کئی روز تک زمین
وآسمان میں چکر لگاتا رہا۔ پھر قدرتِ الٰہی نے اسے ایسے علاقہ میں ڈال دیا جہاں کے لوگ
تصورِ توحید سے نا آشنا تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ برتن میں موجود ظالم وجابر بادشاہ
بدستور لا الہ الا اللہ کا ورد کررہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اس کو برتن سے نکالا اور اس کا
حال پوچھا، اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ یہ سن کر لوگوں کو عبرت ہوئی اور سب لا الہ الا اللہ
پڑھ کر توحید پر ایمان لے آئے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:15 پر ہے: عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ
لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا جنت کی کلید ہے۔

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اگر ہم کلمہ شریف پڑھتے ہوں گے تو ہمارے پاس جنت کی
کلید ہوگی، جس سے ہم باب الجنت کھول کر اندر داخل ہوں گے اور اگر بدقسمتی سے کلمہ گو نہ
ہوں گے تو جنت میں داخل نہ ہوسکیں گے، کیونکہ جنت کی کلید پاس نہ ہوگی۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ:14 پر ایک حکایت درج ہے کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ
کی خدمت اقدس میں ایک نصرانی شخص حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ متواتر سہ روز تک وہ خدمت
والا میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے لوگوں سے اس کے متعلق استفسار فرمایا۔ پتہ چلا کہ وہ حالتِ نزع میں
ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کے غریب خانہ پر رونق افروز ہوئے اور پوچھا: کیف انت!
کیا حال ہے؟ عرض کرنے لگا: کیا عرض کروں عجب حال ہے۔ موت سر پر کھڑی ہے اور کوئی پرسانِ
حال نہیں۔ آتشِ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ پل صراط سے گزرنے
کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے۔ آج عدل کا میزان قائم ہے، مگر میرا دامن نیکی سے تہی ہے۔ رب
کریم غفور ہے، مگر میرے پاس کوئی حجت اور دلیل اور عذر نہیں، نگاہوں کے سامنے جنت نظر آرہی
ہے، مگر اس کو کھولنے کی کلید میرے پاس نہیں ہے۔ یہ سارا قصہ غم سن کر حسن بصری نے فرمایا: مت
گھبراؤ، یعنی تمہارے پاس جنت کی کنجی آنے والی ہے۔ یہ فرما کر آپ واپس تشریف لانے لگے تو

نصرانی نے عرض کی: حضرت! آپ تشریف لے جارہے ہیں، حالانکہ جنت کی کنجی میرے پاس آ گئی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کلمۂ شہادت اشھد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور جاں بحق ہو گیا۔ حضرت امام حسن بصری نے خواب میں اس شخص کو دیکھا اور حال دریافت فرمایا، عرض کرنے لگا: کلمہ شریف کی برکت سے اللہ نے مجھے اعلیٰ جنت میں جگہ عطا فرمائی ہے۔ سبحان اللہ! کلمہ شریف کی کیا شان ہے کہ اس کے پڑھنے سے نصرانی شخص بھی اعلیٰ جنت کا حقدار بن گیا۔

اسی کتاب میں ذرا آگے چل کر صفحہ: 18 پر ایک اور حکایت مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ لڑائی میں تشریف لے گئے، مگر چلتے چلتے راستہ بھول گئے اور ایک پہاڑ پر جا نکلے۔ پہاڑ پر نصرانیوں کا جم غفیر دیکھا، جن کے درمیان ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ بزرگ نے نصرانیوں سے کرسی خالی ہونے کا مطلب پوچھا۔ نصرانیوں نے جواب دیا: ہمارا پادری ہے جو سارے سال میں صرف ایک مرتبہ اس جگہ تشریف لاتا ہے اور ہمیں وعظ سناتا ہے۔ یہ کرسی اسی کے لیے پڑی ہے۔ بزرگ بھی نصرانیوں کے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ اتنے میں پادری بھی آ گیا اور کرسی پر بیٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوا۔ آج میں تم کو وعظ نہیں سناؤں گا۔ کیونکہ تمہارے درمیان اُمتِ محمدیہ کا ایک بزرگ موجود ہے۔ پادری نے کہا: اے بزرگ! تجھے اپنے رب کی قسم! تو کھڑا ہو جا تا کہ ہم تیرا دیدار کر سکیں۔ محمدی بزرگ کھڑے ہو گئے۔ پادری نے کہا: میں آپ سے چند ایک سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔ محمدی بزرگ نے جواب دیا، بسر و چشم۔ پادری کہنے لگا: اللہ نے جنت کو پھلوں سے مزین کیا ہے، کیا ان پھلوں جیسے پھل دنیا میں پیدا فرمائے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا۔ دنیا میں جنت کے مثل پھل موجود ہیں، مگر صرف نام اور شکل کی حد تک، ذائقہ اور لذت الگ ہیں۔ پادری نے کہا: جنت کے تمام محلات میں درخت طوبیٰ کی شاخ ہے، کیا دنیا میں اس کی مثل ہے؟ فرمایا: ہاں! جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو کوئی محل اور مکان ایسا نہیں ہوتا جس پر سورج کی کرن نہ پڑتی ہو۔ پادری نے کہا: جنت میں چار نہریں ہیں جو ذائقے اور لذت میں مختلف ہیں۔ کیا دنیا میں اس کی تمثیل ہے؟ بزرگ نے فرمایا: ہاں! کان سے پانی نکلتا ہے، مگر غلیظ اور کڑوا، آنکھ سے پانی نکلتا ہے، مگر نمکین، ناک سے بھی پانی نکلتا ہے مگر بدبودار اور دہن یعنی منہ سے بھی پانی نکلتا ہے مگر شیریں۔ ان

چاروں کی اصل ایک ہے۔ یعنی سر، پادری نے مزید سوال کیا کہ جنت میں ایک تخت ہے، جس کی مسافت ۵۰۰/سال کی مسافت کے برابر ہے۔ بہشتی جب اس پر چڑھ جائے گا تو وہ تخت بلند ہو جائے گا۔ دنیا میں اس کے مماثل کیا شے ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ۔ یعنی اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ عجیب نمونہ سے پیدا کیا گیا ہے کہ جب آدمی اس پر سوار ہونا چاہے تو یہ بیٹھ جاتا ہے اور سوار ہو کر پھر بلند ہو جاتا ہے۔ پادری نے پانچواں سوال کیا کہ اہلِ جنت کھائیں گے، پئیں گے، مگر پیشاب پاخانہ نہیں کریں گے۔ اس کے مماثل دنیا میں کیا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: بچہ ماں کے شکم میں زندہ رہتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے۔ ماں کا خونِ حیض اس کی غذا بنتا ہے۔ اس کے باوجود نہ تو پیشاب کرتا ہے اور نہ ہی پاخانہ۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے پادری سے سوال کیا کہ میں نے تیرے اتنے سارے سوالوں کے جوابات دیے، اب تُو بھی میرے ایک سوال کا جواب دے کہ جنت کی کنجی کیا ہے؟ پادری نے قوم سے خطاب کر کے کہا: اس محمدی نے مجھ سے جنت کی کنجی کے بارے میں پوچھا ہے تو مجھے بتانا پڑے گا۔ کہنے لگا: میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ یہ کہہ کر پادری مسلمان ہو گیا۔ قوم کو جب یہ معلوم ہوا کہ جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے تو وہ بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 90 کے آخر پر ایک مضمون یوں ہے کہ زاذان نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص خلوصِ دل سے باوضو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بارہ مقامات عطا فرمائے گا:

1- جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوگا تو کلمہ شریف زبان پر جاری ہو جائے گا، یعنی اسلام کی حالت میں انتقال کرے گا۔
2- جان کنی کی سختی اس پر آسان ہوگی۔
3- اس کی قبر منور ہوگی۔
4- منکر نکیر خوش شکل بن کر سامنے آئیں گے۔
5- قیامت کے دن شہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

6- میزانِ عمل میں نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔
7- پل صراط پر برق کی مانند گزر جائے گا۔
8- دوزخ کی آگ اس کے جسم پر حرام ہوگی۔
9- شرابِ طہور سے نوازا جائے گا۔
10- بہشت میں 70 حوریں اس کی خدمت کے واسطے مامور ہوں گی۔
11- نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔
12- اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔

مزید تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ سب سے قبل اللہ نے جس چیز کی تخلیق فرمائی، وہ لوحِ محفوظ ہے، اس کے بعد قلم پیدا کیا اور قلم کو حکم دیا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کی: کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب سے لے کر قیامت تک کے واقعات لکھ۔ دوسری مرتبہ لا الٰہ الا اللہ لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے اس کلمے کو 70 ہزار برس میں لکھا۔ تیسری مرتبہ قلم کو حکم دیا کہ محمد رسول اللہ لکھ۔ قلم نے لکھنے کا قصد کیا، مگر جب محمد پر پہنچا تو اس عظیم نام کی ہیبت سے شق ہو گیا اور سات ہزار سال تک ہوش وحواس سے بیگانہ رہا۔ ہوش میں آیا تو 7 ہزار سال تک تھر تھراتا رہا۔ پھر 7/ ہزار برس سربسجود رہا اور بعد ازاں عرض کی: الٰہی! تیرے سوا بھی کوئی نام اتنا عظیم اور بزرگ و برتر ہے؟ ارشاد فرمایا: اے قلم! ادب اختیار کر۔ اگر میں محمد کو پیدا نہ کرتا تو اپنی ربوبیت ہی ظاہر نہ کرتا۔ پس قلم نے یہ کلمہ 70 ہزار برس میں مکمل کیا۔ گویا پورا کلمہ ایک لاکھ چالیس ہزار برس میں مکمل کیا اور قلم شق ہونے سے جو شگاف پیدا ہو گیا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے استبران کی 70/ ہزار پٹیاں باندھی۔ ہر پٹی کے درمیان 70/ ہزار برس کا فاصلہ تھا۔ قلم نے عرض کی: یا الٰہی! تو نے مجھے عظیم الشان مخلوق بنایا ہے اور میں نے دونوں کلمے ایک لاکھ چالیس ہزار برس میں مکمل کیے ہیں، کیا تیری مخلوق میں سے کوئی شخص اتنے برس زندہ رہ سکے گا؟ ارشاد ہوا کہ اپنا ایک محبوب محمد ﷺ پیدا کروں گا، جس کی اُمت دوسری امتوں کے مقابلے میں بزرگ ہے۔ اس اُمت کو یہ فخر حاصل ہوگا کہ وہ ایک دن میں اس کلمہ کو 70/ مرتبہ زبان پر لا سکیں گے۔

یہ کلمہ اتنا عظیم ہے کہ اس کی عظمت کو ذوالقرنین کی بادشاہت بھی نہیں پہنچ سکتی۔

□□□

ساتواں وعظ

اہمیت وفضیلت صلوٰۃ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (سورۂ بقرہ)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

خالق کائنات نے اس عالمِ آب وگل کی تخلیق کی اور اس کے نظام معاش وسیاس کو چلانے کے لیے انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا اور اپنی تسبیح وتحلیل اور حمد وثنا انسان کے لیے لازم قرار دے دی، کیونکہ تسبیح وتحلیل اور حمد وثنا ہی وہ کام ہے جس کو اللہ کی نورانی مخلوق فرشتے ہمہ وقت کرتے رہتے ہیں۔ یعنی تسبیح وتحلیل کرنے سے انسان فرشتوں کی ہمدوشی حاصل کر لیتا ہے۔ خداوند عظیم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝

ہم نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق کی کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

دین اسلام میں مسلمان کے لیے کئی اقسام کی عبادات ہیں۔ جب ایک مسلمان سچے دل سے دنیا سے بیگانہ ہو کر اپنے رب کی یاد میں محو ہو جاتا ہے تو پھر اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کا سونا، اس کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا غرض کہ ہر کام عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے وقت میں مردِ مسلمان کا مطمحِ نظر مادّی اشیا سے کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطمحِ نظر اللہ کی رضا ہوتا ہے۔ اسے صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے۔ یوں تو اسلام میں ہر عبادت کے عوض بے شمار فائدے ہوتے ہیں اور ہر عبادت اپنی اپنی جگہ افضل ہے اور مسلمہ اہمیت کی حامل ہے، مگر تمام عبادات سے بڑھ کر افضل واعلیٰ عبادت وہ ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ ہر لمحہ اللہ کی بزرگی، پاکی اور عظمت کا تذکرہ ہو اور انسان کی کم مائیگی کا بیان ہو۔

سب عبادات سے افضل عبادت وہ ہو سکتی ہے، جس میں مندرجہ بالا بیان کردہ خصوصیات ہوں اور اوپر بیان کی گئی خوبیاں صرف اور صرف نماز میں ہے۔ نماز کا ہر فعل، ہر کلمہ اور ہر ایکشن اپنے انداز سے اللہ کی بزرگی اور عظمت و پاکی کا اظہار کرتا ہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک نماز کے ہر عمل سے خداوند کی بزرگی اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ وضو کرنے کے بعد جب مسلمان نماز کی نیت کرتا ہے تو کانوں تک ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: اللہ اکبر! یعنی اللہ عظیم ہے۔

گویا نماز کا آغاز اللہ کی عظمت سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے اور اللہ کی عظمت کا بیان اور اعتراف ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

یا اللہ! تیری ذات پاک ہے اور تیرے نام میں بڑی برکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

اس کے بعد سورۂ فاتحہ میں یوں اعتراف ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۙ

سب تعریفوں کے لائق اللہ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، مہربان ہے، رحم کرنے والا ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔

اس کے بعد انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے اللہ کی مدد کا طلب گار ہوتا ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۙ

ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۙ

ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

اس سورہ میں انسان اللہ کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے کہ وہ گمراہوں پر اپنا

غضب نازل کرتا ہے اور جو سیدھی راہ پر چلتے ہیں ان کے لیے بے پناہ نعمتیں مختص کرتا ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد عام طور پر انسان سورۂ اخلاص میں اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۙ

کہہ دو اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

سورۂ اخلاص میں انسان اللہ کی عظمت کا مکمل طور پر اعتراف کرتا ہے کہ وہ اتنا عظیم ہے کہ اس جتنا عظیم کوئی ہو سکتا ہی نہیں، نہ حقیقت میں اور نہ تصور میں۔

مسلمان اللہ کی بزرگی اور اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھ کر نہایت مؤدبانہ انداز میں کھڑا ہوتا ہے کیونکہ پاسِ ادب ہے۔ مزید ادب کا پاس کرنے کے لیے انسان اپنا سر خم کرتے ہوئے گھٹنوں تک جھک جاتا ہے۔ اس حد تک کہ کمر اور سر برابر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کے سامنے انسان خود کو مکمل طور پر ایک کر لینا چاہتا ہے۔ یہ ہی نہیں بلکہ وہ اپنے سر اور کمر کو ایک کرتے ہوئے زبان سے یہ الفاظ ادا کرتا ہے:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ۙ

رب پاک ہے، عظیم ہے۔

یہ الفاظ صرف ایک مرتبہ ہی نہیں بلکہ تین مرتبہ ادا کرتا ہے اور تین مرتبہ ہی اللہ کی بزرگی اور عظمت کا اقرار کرتا ہے اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ کر اپنے ربّ کے سمیع و بصیر ہونے کی تعریف کرتا ہے کہ رب تعریف کرنے والے کی سنتا ہے۔ پھر سجدے میں جا کر یہ تسبیح تین مرتبہ کہتا ہے: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ۔ پاک ہے پروردگار، عالی شان ہے۔

سجدے کی حالت میں انسان اللہ کی عظمت کا مکمل طور پر اقرار کر لیتا ہے اور اپنے جسم کے سب سے ارفع و اعلیٰ حصے یعنی سر کو اس کے حضور زمین سے لگا کر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یا اللہ! تیرا مرتبہ از حد بلند ہے۔

اس کے بعد تشہد میں یوں اقرار کرتا ہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ

وَالطَّیِّبَاتُ۔ تمام زبان کی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں اور بدن کی عبادتیں اور مال کی عبادتیں۔

انسان اپنی زبان سے اللہ کی تسبیح وتہلیل کرسکتا ہے۔ اپنے بدن سے اللہ کی عبادت کرسکتا ہے اور اپنے مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کرکے عبادت کرسکتا ہے۔ یعنی تمام اقسام کی جملہ عبادات اللہ کو ہی زیب دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ان ہی کے لیے سارے عالم کو تخلیق کیا گیا، اس لیے کچھ ان کے متعلق بھی نماز میں تذکرہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جہاں عاشق کا ذکر ہو، وہاں معشوق کا ذکر نہ ہو۔ جہاں طالب کے تذکرے ہوں، وہاں مطلوب کی باتیں نہ ہوں۔ جہاں گل ہو وہاں بوئے گل نہ ہو۔ جب سورج کا نام آتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روشنی کا تصور بھی اُبھرتا ہے، جہاں جسم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، وہاں روح بھی زیرِ کلام ضرور آتی ہے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ نماز میں اللہ کا ذکر اور حمد وثنا تو موجود ہو، لیکن اس کے محبوب کے متعلق کچھ بھی نہ ہو۔

اس لیے ایک مسلمان اللہ کی حمد وثنا کی اتنی مقدار طے کرنے کے بعد اس کے محبوب کی بابت بیان کرنا ضرور پسند کرتا ہے اور یوں کہتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ۔

اے نبی! تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت وبرکتیں اور ہم پر اور ان پر جو اللہ کے نیک بندے ہیں۔

یہاں پر موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نمازی اپنے لیے اور اللہ کے نیک بندوں کے لیے بھی خیریت کا طلب گار ہوجاتا ہے کہ شاید اللہ اپنے پیارے محبوب کے وسیلے سے ہماری نجات کردے۔ اس کے بعد اللہ کی عظمت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ پاک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یا الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت بھیج جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت بھیجی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا، بزرگ ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یا الٰہی! حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل کو برکت دے، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پر برکت کی۔ بے شک تو تعریف کیا گیا ہے، بزرگ ہے۔

اس کے بعد اللہ کی غفاریت کا اقرار درج ذیل کلمے سے کرتا ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔

اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو پابندِ نماز بنا اور میری دعا قبول فرما۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

یا الٰہی! مجھے، میرے والدین اور دوسرے تمام مسلمانوں کو بخش دے اس روز کہ جب عملوں کا حساب ہونے لگے۔

اس میں بھی اللہ کی غفاریت پوشیدہ ہے کہ وہ مغفرت قبول کرنے والا ہے۔ گویا نماز اوّل سے آخر تک اللہ کی عظمتوں کو عیاں کرتی ہے۔ اسی لیے یہ سب سے زیادہ محبوب عبادت ہے۔ نماز اللہ کو سب سے پیاری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ نماز میں پابندی کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

نماز اللہ تعالیٰ کو ازحد پیاری ہے۔ اتنی پیاری کہ ہر جگہ اسی کو پھیلا دینا چاہتا ہے۔ اس لیے یہ بلا امتیاز بلوغ کے بعد ہر کسی پر فرض ہے۔ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، ساری زندگی اس کی پابندی کرنا لازم وملزوم ہے۔

اسلام کی ساری عبادات اپنی اپنی جگہ پر اہم اور اللہ کو پیاری ہیں، مگر نماز سب سے پیاری ہے، اسی لیے یہ ہر کسی پر فرض اور دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ جب کہ اس کے برعکس روزے کہ وہ سال کے بعد آتے ہیں۔ زکوٰۃ ہے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی سرمایہ داروں پر فرض ہے۔ حج ہے کہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہے، وہ بھی صاحبِ حیثیت لوگوں

پر، لیکن نماز ہے کہ ساری زندگی ہر کسی پر فرض ہے۔ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا، کوئی ڈاکٹر ہو یا حکیم، ایک معمولی آدمی سے لے کر بڑے سے بڑے عہدہ دار تک پر نماز فرض ہے اور کسی حال میں بھی اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ جب کہ روزہ میں یہ رعایت ہے کہ مسافر اس کو چھوڑ سکتا ہے اور حج میں اگر خطرہ ہو تو اس کو چھوڑا جا سکتا ہے، لیکن نماز کسی طور پر بھی نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اس کے چھوڑنے کو سردی کا بہانہ نہیں کیا جا سکتا۔ سفر کا عذر نہیں کیا جا سکتا۔ سورج کی سخت تمازت میں بھی نماز نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اگر فلک شعلہ بار بھی کیوں نہ ہو، ایسی حالت میں بھی نماز سے کوئی بالغ اور عاقل مستثنیٰ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جواب دیا کہ اپنے وقت پر نماز کی ادائیگی کرنا۔ (رواہ البخاری و مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ:58)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الغمہ میں رقم کیا ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے نائب خلفا میں سب خلفائے دین اسلام کی کسی عبادت کے چھوڑنے پر کفر کی حد لازم نہیں سمجھتے تھے ماسوا نماز کے، کہ اس کے چھوڑنے کو وہ کفر خیال کرتے تھے۔

ہماری عام زندگی کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ خاص اُنس ہو تو وہ اس کے لیے ایسے تحفے کا انتخاب کرتا ہے جو اس کی نظر میں سب سے پیاری شے ہو۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اللہ کو خاص انس ہے اور اس نے آپ کو نماز کا تحفہ دیا۔ کیونکہ نماز ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور محبوب کیوں نہ ہو کہ نماز سراپا حسن ہے اور اللہ تعالیٰ خود صاحبِ حسن ہے۔ اُس نے کائنات میں ہر طرف حسن ہی حسن بکھیرا ہوا ہے۔ نماز کی محبوبیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری عبادات تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر فرض قرار دیں، یعنی ؟ کے ذریعے ان کی فرضیت کے احکام لایا کرتے تھے، مگر جب نماز کا وقت آیا تو اپنے محبوب کو اپنے پاس بلایا اور تنہائی میں خاص طور پر بذاتِ خود نماز کی فرضیت کا حکم دیا۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں اہمیتِ نماز

ہمارے پیارے رسول حضور پرنور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لِکُلِّ شَیْءٍ عَلَمٌ وَعَلَمُ الْاِیْمَانِ الصَّلٰوۃُ۔ (منیۃ المصلی، صفحہ:2)

ہر چیز کی علامت ہوتی ہے اور ایمان کی نشانی نماز ہے۔

ہر چیز کی پہچان کے لیے کچھ نشانیاں مقرر ہوتی ہیں۔ مثلاً بارش ہونے کی نشانی یہ ہے کہ آسمان پر اَبر چھا جاتے ہیں اور بجلی چمکنے لگتی ہے۔ اسی طرح موسموں کی پہچان کے لیے بھی نشانیاں ہیں۔ مثلاً موسم سرما کی پہچان یہ ہے کہ اس میں سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ موسم گرما کی پہچان یہ ہے کہ اس موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور موسم بہار کی پہچان یہ ہے کہ اس موسم میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ سردی، ہوائیں نہ گرم ہوتی ہیں اور نہ سرد۔ بلکہ ایسی نشیلی ہوتی ہیں کہ نشے کا عادی بھی بن پیے ہی بہک جاتا ہے۔ باغوں میں نئے گل کھلنے لگتے ہیں اور سارا گلستان گلوں کی مثالی خوشبو سے مہک اُٹھتا ہے۔ اسی طرح ایمان دار آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ نمازی ہوگا۔ جو شخص نماز نہیں ادا کرتا، اس کے ایماندار ہونے میں بھی شبہ ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:12)

ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ اشیا ہیں۔ (اوّل) گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں (اس کے بعد دوسرے نمبر پر) نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

فائدہ: اسلام جیسا کامل، اکمل اور مدلّل دین کی بنیاد پانچ اشیا پر رکھی گئی ہے، جس کے بغیر اسلام کا تصور بے معانی ہوجاتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے اور اس کی وضاحت کے لیے کہ

پانچ بنیادوں پر اسلام کی عمارت استوار ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک عمدہ مثال دی ہے کہ
اسلام گویا ایک خیمہ ہے جو کہ پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ویسے بھی خیمہ پانچ ستونوں پر ہی
قائم ہوسکتا ہے۔ کلمۂ شہادت کو مرکزی ستون کی حیثیت حاصل ہے اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور
حج اس کے اردگرد کے ستون ہیں۔ مرکزی ستون کے بغیر خیمہ اپنی جگہ پر کھڑا ہی نہیں ہوسکتا
اور چونکہ کلمۂ شہادت اسلام کے خیمہ کا مرکزی ستون ہے، اس لیے اس کے بغیر اسلام کا خیمہ
ہی متصور نہ ہوگا۔ اگر اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر یقین نہ ہوگا تو ایسی
حالت میں سرے سے اسلام ہی نہیں ہوگا۔ اگر مرکزی ستون موجود ہوگا اور اردگرد کے
ستونوں میں سے کوئی ایک ستون زمین بوس ہوگا تو ایسی صورت میں خیمے کا قیام تو ہوجائے گا،
مگر جس کونے پر ستون نہ ہوگا، اُس جانب کا حصہ گرجائے گا۔ اس طرح اللہ کی وحدانیت اور
حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص مسلمان تو بن جاتا ہے، لیکن
اگر روزہ، زکوٰۃ، حج اور سب سے اہم عبادت نماز نہ ہوگی تو ایسے شخص کی مسلمانی پر شبہ ہے۔

ہمیں اپنا گریبان چاک کرکے اس میں قلبی بصیرت سے دیکھنا چاہیے کہ کیا ہمارے
اسلام کا خیمہ ایستادہ ہے۔ اگر ایستادہ ہے تو کیا اس کا کوئی ستون زمین بوس تو نہیں۔ کوئی ستون
تو کیا ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے اسلام کے چاروں ستون زمین بوس ہیں اور ہمارا خیمۂ
اسلام زمین بوس ہوچکا ہے۔ اب صرف یہ نام ہے کہ جی ہمارے پاس خیمہ ہے، مگر ہم یہ نہیں
کہہ سکتے کہ خیمہ قابلِ استعمال ہے۔ آپ کوئی خیمہ لگا کر دیکھ لیں۔ اس کے اطراف کے
ستون نکال لیں، تو آپ دیکھیں گے کہ اطراف سے ستون ہٹاتے ہی سارا خیمہ زمین بوس ہو
جائے گا۔ اس طرح نہ تو ہم نماز کی پابندی کرتے ہیں، نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، روزے کو
تکلیف دہ امر خیال کرتے ہیں اور حج کی ویسے بھی ہم لوگوں میں ہمت نہیں۔ تو ایسی صورت
میں ہمارے اسلام کا خیمہ قائم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمارے پاس خیمہ ضرور ہے، لیکن
زمین پر گرا ہوا۔ اس کو از سرِ نو ایستادہ کرنے کے لیے ہمیں اس کونے پر ستون لگانے پڑیں
گے، ورنہ ہم بارشِ کفر اور جہالت کی آندھی سے خود کو کسی طرح بھی محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

اسی حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے کلمے کے بعد نماز کا ذکر فرمایا ہے۔ جو اس

بات کی دلیل ہے کہ نماز دیگر عبادات سے افضل اور اہم ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ آپ
ﷺ کلمہ کے بعد روزے کا تذکرہ فرماتے یا پھر حج کے متعلق ارشاد فرماتے، مگر آپ نے
ان کی بجائے نماز کا ذکر کیا۔ اس لیے کہ یہ دوسری عبادات سے افضل اور اہم عبادت ہے۔

قیامت میں پہلا سوال نماز سے متعلق ہوگا

یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی ہر شے فانی ہے۔ ہم چند روز اس دنیا میں رہ کر دوبارہ اللہ کے
پاس لوٹ جائیں گے۔ یہ دنیا مثل ایک بازار کے ہے، جس میں کسی کو اس کا آقا رقم دے کر
شاپنگ کے لیے بھیجتا ہے اور واپسی پر اس سے ساری رقم کا حساب لیتا ہے کہ کس شے پر کتنے
پیسے خرچ کیے۔ اس طرح یہ دنیا بازار ہے اور انسان ایک خادم اور غلام ہے۔ جس کے آقا و مولا
خداوند کریم نے زندگی دے کر شاپنگ کے لیے بھیجا ہے اور پھر ایک دن وہ ہم سب کو بلائے
گا۔ اپنا دربار آراستہ و پیراستہ کرے گا اور ہم سے ہماری زندگی کا حساب کرے گا کہ ہم نے
اس کو کہاں صَرف کیا۔ ہماری زندگی کی ایک ایک گھڑی کا حساب لے گا، مگر سب سے پہلے
سوال یہ ہوگا کہ آیا بازارِ دنیا سے تُو نے نماز جیسی ارفع و اعلیٰ شے خریدی ہے، اگر نہیں تو کیوں؟

ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ صَلٰوتُهٗ (رواہ نسائی صفحہ:55)

ترجمہ: قیامت کے دن بندے کا حساب سب سے قبل نماز سے لیا جائے گا۔

شیخ سعدی فارسی زبان کے بڑے مشہور و معروف شاعر نے کہا ہے کہ:

روزِ محشر کہ جاں گداز بود — اوّلیں پرسش نماز بود

ترجمہ: قیامت کے روح فرسا دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پرسش ہوگی۔

ترمذی شریف، جلد اوّل، صفحہ:55 پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول
ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے قبل نماز کا حساب ہوگا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ
یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ فَاِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَنَجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ

فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَةٍ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ تَكُونُ سَائِرُ أَعْمَالِهِ عَلَى هٰذَا۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک قیامت کے دن سب سے قبل بندے کے اعمال میں سے جس چیز کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر وہ درست ہوئی تو وہ کامیاب اور فلاح پائے گا اور اگر وہ نادرست ہوئی تو وہ نامراد اور ناکام ہوگا اور اس کی فرض نماز میں کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو میرے بندے کے نفل میں تاکہ اس سے اس کے فرضوں کی تکمیل کی جائے۔ اس طرح اس کے باقی اعمال کا حساب ہوگا۔

سبحان اللہ! اگر فرائض نماز میں کمی ہوئی تو اس کمی کو نوافل نماز سے پورا کرلیا جائے گا۔ مگر نوافل نماز تو ایک طرف رہیں، ہمارے مسلمان تو فرض نماز بھی ادا نہیں کرتے۔ بلکہ نمازِ جمعہ اور عیدین تک کی نمازیں بھی نہیں پڑھتے۔ قیامت کے دن جب دربار خداوندی قائم ہوگا تو ایسے میں ہم کیا جواب دیں گے۔ ہم کیا بتلائیں گے کہ ہم کیوں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت زواجہ، جلد اوّل، صفحہ: 112 پر مرقوم ہے کہ روزِ محشر سب سے پہلے نماز کا حساب و امتحان ہوگا۔ اگر نماز درست ہوئی تو دیگر اعمال بھی درست نکلیں گے۔ اگر نماز ناقص ہوئی تو دیگر اعمال بھی ناقص ہوں گے، یعنی اگر ہم قیامت میں نماز کے امتحان میں پاس ہوجائیں گے تو دیگر اعمال میں بھی پاس قرار دیے جائیں گے۔ اگر اس میں ناکام ہوئے تو دیگر اُمور میں کامیاب ہونے کے باوجود بھی پاس نہیں ہوسکیں گے۔ جس طرح کہ آج کل انگریزی سبجیکٹ لازمی ہے، دیگر مضامین میں پاس بھی ہو تو جب تک انگریزی میں پاس نہیں ہوتا، پاس نہیں کیا جاتا اور اگر انگریزی سبجیکٹ میں پاس ہے تو دیگر مضامین میں بھی پاس کردیا جاتا ہے، خواہ اس میں دھاندلی ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح اگر قیامت کے دن نماز میں کامیاب ہوگئے تو دیگر مضامین میں بھی پاس کردیے جائیں گے، لیکن اس میں فیل ہوئے تو دیگر مضامین میں پاس ہونا بھی کسی کام نہ آسکے گا۔

نماز کی اہمیت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں سات سو مرتبہ اس کے قیام

کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا ہے:

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ۔

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ بنو۔

اور کہیں اس طرح اس کی تاکید کی گئی ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ پس اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔

غرض کہ نماز کے بارے میں اتنی تاکید کی گئی ہے جتنی کسی دوسری عبادت کے متعلق نہیں کی گئی، لیکن ہم لوگ نماز پڑھنے کو گراں خیال کرتے ہیں کہ: جی! کون سردیوں میں سویرے کی نماز کے لیے اُٹھے اور سرد پانی سے وضو کرکے سردی میں نماز پڑھے اور اپنی پیاری شے قربان کرے اور کون رات کو عشاء کی نماز کے لیے جاگے۔

مسجدوں میں پانچ وقت کی اذان لاؤڈ اسپیکر میں کہی جاتی ہے۔ ہمیں سنائی دیتی ہے، مگر ہمارے شغلِ طرب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ہم ویسے ہی ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اس کے بجائے اگر لاؤڈ اسپیکرز میں کہیں کوئی گانا لگے تو تڑپ اُٹھتے ہیں۔ اُف اللہ! کیا پیارا گانا ہے، ایک بار اور ذرا سنیں۔ ہمارے معاشرے نے غلط راہوں کا انتخاب کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے کی توفیق دے۔

پہلی اُمتوں پر بھی نماز فرض تھی

نماز از حد اہم ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ یہ کم و بیش تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فرض تھی۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نماز فرض تھی۔ وہ دُعا مانگا کرتے تھے: رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي۔

اے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو پابندِ نماز بنا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنھوں نے اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے خود کو پیش کر دیا تھا، ان کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

آپ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ:

وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا

اور اللہ نے مجھے زندہ رہنے تک نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

جن نمازوں کی فرضیت سابقہ اُمتوں پر تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کی اُمت پر وہ تمام فرض قرار دیں تا کہ سب کا ثواب مجموعی طور پر فرزندانِ اسلام حاصل کر سکیں۔

نمازوں کی فرضیت کے بارے میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خوبصورت انداز میں ایک بات کہی ہے کہ فجر کی نماز خداوند عظیم نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض قرار دی تھی۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے نمازِ ظہر کے پابند تھے۔

ساری دنیا میں اب تک چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے طویل مدت تک دنیا میں حکومت کی۔ جن میں سے دو تو ساری دنیا میں بہت ہی مشہور ہیں: ایک نمرود۔ جس کی جھوٹی خدائی کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ اور دوسرا فرعون جو نمرود کی طرح خود کو خدا کہلاتا تھا اور لوگوں سے اپنی عبادت کرواتا تھا اور جس کی خدائی کا چراغ گل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا۔

اور دوسرے دو اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر تھے، جن میں سے ایک پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، جنھوں نے انسانوں سے لے کر جنات تک پر حکومت کی۔ ہوا بھی جن کے تابع تھی۔ ان میں سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نمازِ عصر فرض تھی۔

امام رافعی نے لکھا ہے کہ مغرب کی نماز حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض تھی

اور عشاء کی نماز حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

یہاں پر ایک سوال بڑی شدت سے ابھرتا ہے کہ دیگر پیغمبروں پر ایک وقت کی نماز فرض تھی، مگر ہم مسلمانوں پر پانچ وقت کی نماز فرض قرار دی گئی، کیوں؟

دراصل نماز رحمتِ الٰہی کا موجب ہے، اس کی پابندی سے اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ پہلی اُمتوں پر ایک نماز فرض تھی اور ان کو ایک نماز کے بدلے میں رحمتیں ملا کرتی تھیں۔ ہم پر پانچ نمازیں اس لیے فرض ہوئیں کہ ہم پانچ نمازوں کا ثواب حاصل کریں جو کہ دیگر اُمتیں حاصل کرتی تھیں۔ اس طرح ہم دوسروں سے افضل ہیں اور ہم پر اللہ کی خاص رحمت ہے، لیکن ہم مسلمان نماز کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ مسجدوں میں نماز کے وقت سوائے چند نمازیوں کے کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سینما ہاؤس فل ہوتے ہیں۔ ہمارے نوجوان جانے کیوں اتنے گمراہ ہو چکے ہیں۔ بھلا انھیں فلموں میں کیا ملتا ہے؟ اپنے پیسوں کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا بھی ضیاع کرتے ہیں۔ وقت جو کہ ازحد اہم ہے۔ نپولین نے کہا تھا کہ اگر ہماری فوجیں صرف ایک منٹ قبل پہنچ جاتیں تو ہم جنگ جیت جاتے، لیکن ہم ایک منٹ نہیں پورے چار سو منٹ سینما ہاؤس میں ضائع کرتے ہیں۔ نہیں، شاید ہم غلط کہہ رہے ہیں۔ چار سو منٹ نہیں، ہم پوری زندگی بیکار گزار کر فنا ہو جاتے ہیں اور چوبیس گھنٹوں میں صرف ساٹھ منٹ اللہ کی راہ میں صرف نہیں کر سکتے۔ وہ بھی لوگ تھے جو ساٹھ منٹ نہیں بلکہ اپنی پوری زندگی اللہ کی راہ میں لٹانے کو باعثِ نجات خیال کرتے تھے۔ مگر ہم دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ساٹھ منٹ اللہ کی عبادت کے لیے نہیں دے سکتے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے۔ ہم شطرنج کھیلنے بیٹھ جائیں تو ہمیں بھوک پیاس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور نماز کے لیے ہم سو طرح کے بہانے کرتے ہیں اور خصوصاً فجر اور عشاء کی نماز تو ہمیں ازحد گراں گزرتی ہیں۔ یہ مسلمانوں کا وطیرہ نہیں، بلکہ منافقین ایسا کرتے ہیں۔ تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نمازِ عشاء اور نمازِ فجر منافقین کو نہایت گراں گزرتی ہیں۔ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ اللہ کے یہاں ان دونوں نمازوں کا کتنا اجر ہے تو ان کے ادا کرنے کے لیے شوق سے آتے، اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت سے ذکر کیا کہ آخری پیغمبر ﷺ کی امت ہوگی، جس کا وصف یہ ہوگا کہ وہ لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھا کریں گے۔ اگر وہ نمازیں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت پڑھتی تو کبھی غرق نہ ہوتی۔ اگر قومِ عاد ان کی پابندی کرتی تو اُن پر آندھی کا عذاب نہ ہوتا۔ اگر قومِ ثمود ادا کرتی تو سخت کڑاکے کی آواز ان کے خرمنِ حواس کو جلا کر خاکستر نہ کرتی۔

(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:8)

نماز کی اہمیت کا ثبوت اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آخری وقت بھی نماز کی پابندی کا حکم فرمایا۔ تذکرۃ الواعظین، صفحہ:11 پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ کی روح مبارک آپ کے سینۂ اقدس میں اٹکی ہوئی تھی، یعنی آپ قریب بہ مرگ تھے۔ آپ کے اس دنیا سے پردہ پوش ہوجانے کا وقت آچکا تھا۔ ایسی حالت میں آپ بار بار ارشاد فرما رہے تھے کہ میں تمہیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمھیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمھیں نماز کی وصیت کرتا ہوں۔

نماز اتنی اہم شے ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ اب دم بھی اس کی ادائیگی پر زور دے رہے ہیں، مگر ہم نماز پڑھتے ہی نہیں۔ کیا ہم خود کو ان کی امت نہیں خیال کرتے۔ اگر ہم خود کو ان کی امت خیال کرتے ہیں تو پھر ہم خود کو نماز کا پابند نہیں کرتے، کیوں؟ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے نواسے امام عالی مقام سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کی پابندی کرنے کی ایک لاجواب مثال قائم کی ہے۔ دریائے فرات کے کنارے جب آپ کے جانثار، یزیدی لشکر سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ پر پروانہ وار قربان ہوگئے، تو آپ خود میدانِ کارزار میں آتے ہیں۔ دشمن کے چلائے ہوئے تیروں سے آپ کا جسم اقدس فگار فگار ہوجاتا ہے، لیکن آپ مردانہ وار دشمنوں سے برسرِ پیکار ہیں اور کسی دشمن کو اتنی جرأت نہیں کہ وہ آپ کے سامنے ٹھہر سکے۔ اسی حالت میں نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے ہر چیز سے بیگانہ ہو کر خود کو اللہ کے حضور سربسجود کردیا۔ دشمنوں کو موقع مل گیا۔ شمر لعین نے آگے بڑھ کر سجدے میں پڑے ہوئے سر پر خنجر چلادیا اور سر تن سے جدا کردیا۔ اس کیفیت کو شاعر نے

یوں بیان کیا ہے:

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

ہم بھی تو انھیں کے پیروکار ہیں۔ ہمیں بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنا چاہیے کہ ہمارے آبا واجداد بھی ان ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے تھے۔ محمود غزنوی کا واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ عین جنگ میں نماز کا وقت آیا تو محمود اپنی فوج کے ساتھ اللہ کے حضور سربسجود ہوگیا۔

علامہ اقبال نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے:

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز — قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

زیادہ دور کی بات نہیں پچھلی صدی کی بات ہے۔ جب شہزادہ مراد رضیہ سلطانہ سے جنگ کے لیے گیا تو عین لڑائی میں نماز کا وقت ہوگیا، فوراً نماز کی ادائیگی کے لیے قیام کرلیا۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم نماز سے الرجک ہونے کی حد تک گریزاں ہیں اور نماز نہ پڑھنے کے ہزار ہا بہانے بناتے ہیں۔ ارے میاں! نماز تو اس نابینا کو بھی معاف نہیں ہوئی تھی جو حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوتا ہے کہ: اے آقا! میں نابینا ہوں، مسجد کو جاتے ہوئے مجھے راستے میں ٹھوکریں لگتی ہیں اور مجھے کوئی دوسرا مسجد میں لے کر جانے والا نہیں۔ تو کیا مجھے نماز کی رخصت ہے کہ میں گھر نماز پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اذان سنائی دیتی ہے؟ عرض کیا: جی یا رسول اللہ! مجھے اذان کی آواز سنائی دیتی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کر۔

یہاں پر تو ایک نابینا کو مسجد میں جا کر نماز پڑھنے سے رخصت نہیں ہے، لیکن ہم سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اذان کی آواز ہمارے لیے ایک بے معنی شے ہو کر رہ گئی ہے کہ مولویوں کا تو کام ہی یہ ہے۔ ہم کیوں ناحق اپنا وقت ضائع کریں؟

نماز کی ہر حرکت پر بے شمار ثواب

اب بھی وقت ہے کہ ہم گناہوں کی زندگی سے باز آجائیں اور نماز کی پابندی کریں۔ کیونکہ

ہمارے آباؤ اجداد نماز میں پابندی کیا کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ بھی نماز کی از حد پابندی کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝

آفتاب غروب ہونے اور طلوع ہونے سے قبل خدا کی تسبیح کیا کرو۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ابھی نورِ اسلام کا ظہور بھی نہیں تھا۔ اسلام کے نور کے ظہور کے بعد نبی کریم ﷺ پر پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:2 میں حضرت کعب بن خبار سے مروی ہے کہ میں نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کسی صحیفے میں پڑھا ہے کہ: اے موسیٰ! دو رکعت نماز ہوگی، جس کو میرا رسول محمد ﷺ اور اس کی اُمت پڑھا کریں گے، یہ فجر کی نماز ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا رہے گا، میں اس کے دن اور رات کے گناہ بخش دوں گا۔ اے موسیٰ! چار رکعت نماز ہوگی، جس کو میرے محبوب کی اُمت پڑھا کرے گی، یہ نمازِ ظہر ہے جس کی پابندی کرنے والے کے لیے پہلی رکعت کے بدلے اس کی مغفرت کروں گا۔ دوسری رکعت میں نیکیوں کا پلہ بھاری کروں گا۔ تیسری رکعت میں ان پر فرشتے مقرر کروں گا، جو میری تسبیح اور ان کی مغفرت کی دعا کریں گے۔ چوتھی رکعت کے بدلے آسمان کے دروازے کھول دوں گا اور جنتی حوریں ان میں سے جھانکیں گی، میں ان سب کو ان کی زوجیت میں دے دوں گا۔ چار رکعت نمازِ عصر ہوگی، جس کو محمد ﷺ اور ان کے اہلِ اُمت ادا کریں گے۔ اس کے ثواب میں آسمان و زمین کا کوئی فرشتہ ایسا نہ ہوگا جو ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کرے۔ جس کے لیے فرشتے دعائے مغفرت کریں گے، اسے کبھی عذاب نہ ہوگا۔ تین رکعت نمازِ مغرب ہوگی، جس کو محمد ﷺ اور ان کے اُمتی ادا کریں گے، میں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دوں گا اور وہ اپنی جس حاجت کا اظہار کریں گی، میں اسے پورا کروں گا۔ چار رکعت نماز ہوگی جو شفق غائب ہونے پر حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت ادا کریں گی۔ یہ نمازِ عشاء ہے جو اُن کے لیے دنیا جہاں سے بہتر ہے اور وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:10 پر مرقوم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن نماز کی ادائیگی کے لیے اللہ کے حضور آتا ہے اور اللہ اکبر کہتا ہے تو اپنے گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے گویا آج اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور جب سُبْحٰنَكَ اَللّٰهُمَّ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں اس کے جسم کے بالوں کی تعداد کے برابر ایک ماہ کی عبادت لکھنے کا حکم دیتا ہے اور اس کی قبر فراخ ہوتی ہے۔ پھر جب اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہتا ہے تو جانکنی کی سختی اس پر آسان ہوتی ہے اور جب بسم اللہ کہتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ چار ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور چار ہزار برائیاں مٹا دیتا ہے، چار ہزار درجے بلند کرتا ہے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھ کر حج یا عمرہ ادا کرنے کا ثواب پاتا ہے اور جب کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تو گویا کوہِ اُحد کے برابر سونا راہِ خدا میں خیرات کرتا ہے اور جب کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تو گویا اس نے آسمان سے نازل شدہ تمام کتابوں کا مطالعہ کر لیا اور جب سر اُٹھا کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ نگاہِ رحمت سے اس کو دیکھتا ہے اور جب سجدہ کرتا ہے تو قرآن مجید کی سورتوں اور تمام حرفوں کی تعداد کے برابر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتا ہے تو اللہ اس کے نامۂ اعمال میں جن و شیاطین اور انسان کی تعداد کے برابر نیکیاں درج کرتا ہے اور جب التحیات پڑھنے بیٹھتا ہے تو اللہ اس کو غازی جتنا ثواب دیتا ہے اور جب سلام پھیرتا ہے اور نماز سے فراغت پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے اور بہشت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں، جس دروازے سے چاہے بلا روک ٹوک جنت میں داخل ہو جائے۔

اس طرح کی ایک روایت مجالسِ سنیہ، صفحہ:62 پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کا متن اوپر بیان کردہ باتوں کے ہی متعلق ہے۔

□□□

آٹھواں وعظ

نماز کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۝

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

اس مادّی دنیا میں انسان کھانا کھاتے ہیں، کھانا کھانے سے ان کا مقصد فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے کہ پیٹ بھر جائے۔ انسان مکان تعمیر کرتے ہیں کہ آندھی اور بارش سے محفوظ رہا جائے۔ لباس زیب تن کرتے ہیں کہ لباس انسان کی زینت ہے، لباس انسان کی شخصیت کو سنوارتا اور نکھارتا ہے اور دوسروں کے سامنے انسان کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے ایئر کنڈیشن (اے سی) لگواتا ہے۔ سردی سے بچاؤ کے واسطے گرم سوٹ تیار کرواتا ہے۔ بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے دوا کا استعمال کرتا ہے۔ غرض کہ مادّی دنیا میں ہر وہ کام کیا جاتا ہے جس سے فائدہ ہو۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز فرض فرمائی تا کہ انسان بے حیائی اور برے کاموں سے محفوظ رہے اور اس کی نجات کے سامان ہو جائیں۔ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۝

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

یہاں پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ ایسے ہزاروں لوگ ہیں جو نمازی ہوتے ہوئے بھی بے حیائی اور برے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں سے غافل ہوتے ہیں۔ کبھی نماز پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ اگر پڑھی بھی تو جماعت اور وقت کی پابندی نہ کی۔ ایسے لوگ ایمان کامل کے حامل نہیں ہوتے۔ کیونکہ بے شک نماز

برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے، یہ الفاظ حرف بہ حرف سچ ہیں۔ ان کی عظمت اور سچائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ الفاظ کسی انسان کی ذہنی اختراع نہیں۔ کسی شاعر کی حسین غزل کا کوئی مصرعہ نہیں۔ کسی ادیب کا کوئی خوبصورت کوٹیشن نہیں، بلکہ یہ الفاظ بے مثل ہستی، اوّل سے آخر تک رہنے والی ہستی کے ہیں اور دنیا کے سب سے عظیم کلام قرآن مجید میں ہیں، اس لیے ہمیں ان الفاظ کی صداقت کو جھٹلانے کے لیے کوئی دلیل نہیں دینا چاہیے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کے آغاز میں ہی کہا گیا ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اس کتاب میں کوئی شک نہیں، پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے۔

لہٰذا نماز بے حیائی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زریں دور تھا۔ توحید کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، نیکیاں بدیوں پر چھا رہی تھیں۔ جہالت کی تاریکیاں دور ہو رہی تھیں، نورِ الٰہی ہر سو فروزاں ہو رہا تھا۔ ایسے میں ایک شخص جو کہ نمازی تھا اور ساتھ ہی بدکردار بھی تھا۔ نماز کی بدولت تائب ہو جاتا ہے۔

اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَجُلٌ يُصَلِّي الْخَمْسَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا يَدَعُ شَيْئًا مِنَ الْفَوَاحِشِ اِلَّا ارْتَكَبَهُ فَاُخْبِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ صَلَاتَهُ تَنْهَاهُ يَوْمًا فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ تَابَ وَحَسُنَ فَقَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اَنَّ صَلٰوتَهُ تَنْهَاهُ يَوْمًا ۝

ترجمہ: ایک شخص نماز پنج وقتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا تھا، پھر ہر برا کام چھوڑنے کی بجائے اس کا مرتکب ہوتا تھا۔ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اس کی نماز اس کو (ان کاموں سے) روک دے گی۔ چند دن بعد وہ تائب ہو گیا اور اپنے حال کو سنوار لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم کو نہیں کہتا تھا کہ اس کی نماز ایک دن اسے روک دے گی۔

اس حدیث شریف سے جو کہ نزہۃ المجالس کی پہلی جلد کے صفحہ 87 پر ہے، پتہ چلتا ہے

کہ نماز کی کتنی فضیلت ہے کہ اس کا قائم کرنے والا برے کاموں سے تائب ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مجالسِ سنیہ، صفحہ: 67 پر بھی مرقوم ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 87 پر اس حدیث کے بعد آگے چل کر ایک حکایت بیان کی گئی ہے، جس سے یہ پروف ملتا ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

حکایت یوں ہے:

ایک شخص ایک خاتون کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ جب کوئی شخص کسی کے عشق میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہوتی ہے کہ اسے مطلوب و معشوق کا وصل حاصل رہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی کچھ عرصہ بعد اپنی معشوقہ کے پاس وصال کی عرضی لے کر پہنچا۔ خاتون متقی اور پرہیز گار تھی۔ آج کل کی خواتین کی طرح آوارہ اور بے ہودہ نہیں تھی۔ آج کل کی خواتین کی طرح آزادیٔ نسواں کے نام پر عورت کی نسوانیت پامال نہیں کرتی تھی، بلکہ اللہ کے حضور سربسجود رہا کرتی، نیک تھی۔ اپنی زندگی اور اپنا جسم اپنے خاوند کے لیے وقف کرنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے عرضیٔ وصال کو اپنے شوہر نامدار کے حضور با ادب اور نہایت خوب صورت طریقے سے پیش کر دیا۔ وہ خاوند بھی نیک تھا۔ آج کل کے مَردوں کی طرح نہیں کہ اسے خاتون کی چال سمجھتا اور اس کو شکوک و شبہات کی صلیب پر لٹکا دیتا بلکہ وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ تھا۔ پانچ وقت خدا کے حضور اپنی جبیں جھکاتا تھا۔ اس نے عرضِ وصال پر فیصلہ سنایا کہ عارض سے کہا جائے کہ وہ روزانہ اس خاتون کے خاوند کے پیچھے چالیس روز تک نماز بلا ناغہ ادا کرے تو میں تمہاری ہر خواہش پر سرِ نیاز خم کر دوں گی۔ وہ عاشق بھی سچا عاشق تھا۔ آج کل کے نام نہاد عاشقوں کی طرح نہیں تھا جو چلتے ہوئے لڑکیوں پر آوازیں کستے ہیں۔ بلکہ وہ خلوصِ دل سے اس کا وصال چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنی معشوقہ کے قول پر لبیک کہا اور اس کے خاوند کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ روزانہ چالیس روز تک نماز پڑھتا رہا۔ چالیس روز بعد پھر جب بحکم خاوند خاتون نے اس شخص کو اپنے نفس کی طرف بلایا، مگر وہ شخص چالیس روز تک بلا ناغہ پانچ مرتبہ ایک دن میں ہی وصال حاصل کرتا رہا تھا۔ اس خاتون کا نہیں بلکہ محبوبِ حقیقی کا وصال۔ اس کو اصل محبوب کا وصال ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے جواب

دیا۔ مجھے اب تیری ضرورت نہیں رہی، کیونکہ میں ان جھوٹے وصالوں سے تائب ہو چکا ہوں۔ اس خاتون نے یہ بات اپنے خاوند کے گوش گزار کی، تو اس نے بے اختیار کہا:

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ فِیْ قَوْلِهٖ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۔

ربّ کریم نے سچ فرمایا کہ نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے منع فرماتی ہے۔

نماز سے گناہگاروں کی بخشش ہوتی ہے

نماز کی بے شمار برکتیں ہیں۔ ایک عظیم برکت یہ بھی ہے کہ اس کی ادائیگی کرنے سے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ یعنی جب انسان صبح کی نماز ادا کرتا ہے تو عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر اس وقت تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد انسان اپنے اپنے کاروبار کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور کاروبار میں ہزار ہا طریق سے ایڑا گیڑی کرتے ہیں۔ نمازِ ظہر کا وقت ہونے پر نمازِ ظہر ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ عصر کی نماز ادا کرنے سے ظہر سے بعد کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور نمازِ مغرب، عصر کے بعد کے گناہ معاف کروانے کا سبب بن جاتی ہے اور مغرب سے عشاء تک سرزد ہونے والے گناہ نمازِ عشاء ادا کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

اس بات کی سچائی کے لیے چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

سب سے پہلی حدیث مشکوٰۃ، صفحہ: 58 پر مرقوم ہے، جس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب کے زمانے میں ایک شخص شدتِ جذبات سے مغلوب ہو گیا اور بے قراری کی حالت میں ایک اجنبی خاتون کا بوسہ لے بیٹھا۔ بعد ازاں اسے احساسِ گناہ ہوا، وہ بہت نادم ہوا۔ دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اقبالِ جرم کیا اور بخشش کا طلب گار ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً اپنے محبوب پر وحی نازل کی: اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۔

نماز قائم کرو دن کے کناروں میں اور رات کی زلفیں بکھیرنے پر۔ بے شک نیکیاں

بدیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت (ماننے) والوں کے لیے۔

یعنی گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں عبادت بصورت نماز ادا کی جائے۔

جب اس شخص نے اپنا گناہ دامن سے اُترتا دیکھا تو خوشی سے سرشار لہجے میں عرض کیا: یارسول اللہ! اِلٰی هٰذَا ○ اے اللہ کے رسول! کیا یہ مغفرت میرے لیے خاص ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: لِجَمِیْعِ اُمَّتِیْ کُلِّهِمْ ○ نہیں بلکہ ساری اُمت کے لیے ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور انور ﷺ کے حضور سلام پیش کرتے ہوئے ان کے جود و کرم کی مہربانیاں بیان کرتے ہیں:

ایک میرا ہی رحمت میں دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پر لاکھوں سلام

وہ کہتے ہیں کہ صرف اور صرف میں اکیلا ہی ان کے جود و کرم کا حقدار نہیں بلکہ میری تمنا ہے ان کی ساری اُمت پر ہی سلامتی ہو۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ایک دوسری حدیث موجود ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ گناہوں کو جلانے کے لیے نماز سب سے بہترین بھٹی ہے۔ یہ حدیث حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ يَا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ يُصَلِّي الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ ○

رسول اکرم ﷺ ایک مرتبہ سردیوں کے موسم میں نکلے۔ پتے (درختوں سے) جھڑ رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا: ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! حاضر ہوں۔ فرمایا: بندہ مسلمان اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتا ہے

تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسا کہ اس درخت سے یہ پتے جھڑتے ہیں۔

نماز کی فضیلت کتنی ہے، اس کے بارے میں یہ ثبوت کافی ہے کہ نماز پڑھنے سے انسان کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔ یوں جیسے پانی جسم سے میل صاف کر دیتا ہے۔ اسی طرح نماز سے انسان کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

احادیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ، صفحہ: 57 پر حضرت ابوہریرہ کا یہ قول منقول ہے:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا ○ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ ہر روز پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو تو کیا اس کے میل سے کچھ باقی رہ جائے گا؟ انھوں نے عرض کیا: اس کے میل سے کچھ باقی نہ بچے گا۔ فرمایا: یہی مثال نماز کی ہے اور اللہ اس کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے۔

انسان دن میں محنت مزدوری کرتا ہے، جس سے اس کے ہاتھ اور جسم پر گرد جم جاتی ہے جو کہ نہانے سے دور ہو جاتی ہے اور دوبارہ محنت مزدوری کرنے سے جسم پر گرد و غبار جم جاتا ہے، اس کو دور کرنے کے لیے انسان کو پھر نہانے کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پھر پانچ مرتبہ نماز پڑھنے سے انسان کے سارے دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور رات کو انسان اپنے تمام گناہوں سے یوں پاک اور صاف ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیے ہی نہ ہوں۔

حکایت: مندرجہ بالا بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ایک حکایت پیش خدمت ہے۔ یہ حکایت نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 90 پر مرقوم ہونے کے علاوہ مجالسِ سنیہ، صفحہ: 68 پر بھی ہے۔ اس حکایت سے مندرجہ بالا تحریر کی مکمل وضاحت ہو جاتی ہے۔ حکایت کا مفہوم

یوں ہے:

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سیر کے لیے نکلے۔ سیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے ملاحظہ فرماتے ہوئے ایک سمندر کے کنارے جانکلے۔ وہاں پر آپ نے ایک خوبصورت اور حسین طائر کا مشاہدہ فرمایا کہ وہ خود کو کیچڑ کی گندگی سے آلودہ کر لیتا ہے اور پھر آبِ بحر میں نہا کر صاف ستھرا کر لیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ حیران کن منظر ملاحظہ فرماتے رہے۔ جس سے آپ کو معلوم ہوا کہ اس خوبصورت طائر نے خود کو پانچ مرتبہ کیچڑ میں آلودہ کیا اور پانچ مرتبہ سمندر کے پانی سے غسل کیا اور پہلے کی طرح اس کے بدن کی چمک لوٹ آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی اس قدرت سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے لگے، مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ بھی برسرِ عرش بریں حضرت عیسیٰ کی محویت اور حیرت کا مشاہدہ فرما رہا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ کی سمجھ اللہ تعالیٰ کی اس رمز سے آگاہ نہ ہو سکی تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداوند قدوس نے نازل فرمایا۔ انھوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کیا اور کہا: یا نبی اللہ! اس پرندے کے اس عمل کو کرنے میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ آخر الزماں نبی ﷺ کی امت کا بھی یہی حال ہوگا کہ وہ سرتاپا گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہوں گے اور اس پرندہ کی طرح بحرِ صلوٰۃ میں پانچ مرتبہ غسل کر لیا کریں گے اور اس پرندے کی طرح چمکیلے ہو جائیں گے اور ان کے ابدان سے گناہوں کی سیاہی اسی طرح اُتر جائے گی، جیسے اس طائر کے جسم سے کیچڑ کی گندگی اترتی ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 69 میں منقول ہے کہ ابن حبان حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نماز ادا کرنے کے لیے بندہ جب آتا ہے تو اس کے سر پر گناہوں کا پلندہ ہوتا ہے جو کہ رکوع و سجود کرتے وقت گر جاتا ہے۔ روایت میں ہے:

رَوٰی اِبْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعاً اَنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ اُتِیَ بِذُنُوْبِہٖ فَوُضِعَتْ عَلٰی رَأْسِہٖ اَوْ عَلٰی عَاتِقِہٖ فَکُلَّمَا رَکَعَ اَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ حَتّٰی لَایَبْقٰی مِنْھَا شَیْئٌ۝

ترجمہ: حضرت ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں کہ بے شک جس وقت بندہ کھڑا ہو کر نماز شروع کرتا ہے تو گناہوں کو ساتھ لاتا ہے، جو اس کے سر اور کندھوں پر رکھے جاتے ہیں جب کہ رکوع و سجود کرتے وقت گر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔

نماز مصائب دور کرنے کا وسیلہ ہے

انسانی زندگی میں دُکھ اور سکھ لازمی ہیں اور ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں۔ اسے کوئی غم نہیں ہوتا۔ اس کو کسی قسم کی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔ راوی ان کے لیے عیش ہی عیش لکھتا ہے، مگر یہ زمانہ اضداد کی جمع ہے۔ سائے کے ساتھ دھوپ ضرور ہے، اس لیے کہ سائے کا احساس قائم رہے۔ دن کے ساتھ رات ضرور ہے۔ بہار کے بعد خزاں کا دور ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح خوشیوں کے ساتھ انسان کو دکھوں کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ بالکل اسی طرح دکھوں کے بعد انسان خوشیوں سے ہمکنار ضرور ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات انسان پر ہر طرف سے مصائب کی یلغار ہو جاتی ہے۔ اپنے، پرائے سب بیگانے بن جاتے ہیں اور یوں آنکھیں بدل لیتے ہیں جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔ ایسی حالت میں جب انسان پر غم و رنج کے کوہِ گراں آ گریں تو انسان کو ذرا بھی نہیں گھبرانا چاہیے بلکہ نماز کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ نماز انسان کی سب سے بڑی مونس و غمگسار ہوتی ہے اور مصائب اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝

اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

فائدہ: مندرجہ بالا آیاتِ مقدسہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مصائب میں صبر کی تلقین کرتا ہے اور نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے اس کے مصائب دور فرما دیتا ہے۔

بڑے بڑے منکروں کو جب کسی مسئلے کی سمجھ نہ آئی تو وہ اللہ کے حضور سر جھکا کر دعا کرتے تھے اور نماز میں خدا سے مدد مانگا کرتے تھے۔ نماز کی برکت سے ان کا وہ مسئلہ حل ہو جایا کرتا تھا۔ اسی طرح ہمارے پیارے رسول ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ نماز مصائب میں کمی واقع کرتی ہے: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَنَهُ اَمْرٌ فَرَجَعَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (مشکوۃ، صفحہ:117)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کو جب مشکل امر پیش آتا ہے تو آپ ﷺ نماز کی طرف توجہ فرماتے۔

نماز چونکہ سراپا جود و کرم ہے اور اللہ کو محبوب و پسندیدہ عمل ہے، اس لیے نماز کی طرف توجہ کرنا در اصل اللہ کی طرف توجہ کرنا ہے اور جب بندہ اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو پھر اللہ بھی بندے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور جب اللہ بندے کی طرف متوجہ ہو جائے تو پھر مصیبت اور پریشانی کا کیا کام۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی تو حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے جاتے اور جب تک آندھی تھم نہ جاتی، آپ مسجد سے باہر نہ نکلتے۔ اسی طرح چاند گرہن اور سورج گرہن کے آثار ہوتے تو حضور ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ حضرت آدم سے لے کر بعد کے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا بھی یہی معمول تھا کہ جب بھی پریشانی آئی، اللہ کے حضور متوجہ ہو جاتے۔ مثلاً جب حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مچھلی نے نگل لیا تو آپ فوراً خدا کی نماز میں مشغول ہو گئے اور نماز کی برکت سے مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رہے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں، ان کو اپنے ساتھ لے لو اور کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور ایک بڑھیا سے وعدہ کر لیا کہ جب طوفان آئے گا تو میں تم کو ساتھ کشتی میں لے جاؤں گا۔ بڑھیا کہنے لگی ٹھیک ہے بیٹا۔ بڑھیا سے وعدہ ہو گیا مگر جب طوفان آیا تو حضرت نوح کو اس بڑھیا کے متعلق مطلق خیال نہ آیا۔ طوفان آکر اپنی تباہیاں پھیلاتا رہا اور بڑھیا اپنی کٹیا میں اللہ کی ثنا میں مشغول رہی۔ طوفان گزر جانے کے بعد حضرت نوح کو بڑھیا کا خیال آیا اور افسوس ہوا کہ بڑھیا بے چاری طوفان کی دشنام طرازیوں

کی نذر ہو گئی ہو گی، مگر جب آپ اس کی کٹیا کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ بڑھیا اپنی کٹیا میں موجود ہے اور رب کی ثنا میں مشغول ہے۔ آپ نے اس کو سلام کیا۔ بڑھیا بولی: بیٹے! کیا طوفان آگیا؟ آپ نے جواب دیا: اماں جان! طوفان تو آکر گزر بھی گیا۔ کیا آپ کو خبر نہیں ہوئی؟ بڑھیا بولی: بیٹا! میں ثنا میں مشغول ہوں، مجھے مطلق علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کی کتنی برکت ہے کہ اس کے باعث بڑھیا کو طوفان کے متعلق کوئی پتہ نہ چلا۔ اور نماز سب عبادات سے افضل ہے، اس کی فضیلت کی دلیل اور کیا ہو گی۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:9 پر ایک حکایت مرقوم ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک خاتون نیک بخت اور صالحہ تھی۔ صوم و صلوٰۃ کی از حد پابند تھی، مگر شومئ قسمت! اس کا خاوند بڑا ظالم اور کافر شخص تھا۔ اللہ کی وحدانیت کا منکر تھا اور اپنی بیوی کو بھی نماز سے روکتا تھا اور زد و کوب کرتا تھا، مگر وہ خاتون نماز نہ چھوڑتی تھی۔ خاوند تنگ آگیا۔ برافروختہ ہوا اور تجویز سوچی کہ فلاں ترکیب سے اس عورت کو نماز سے روکا جا سکتا ہے۔ اس نے تجویز پر عمل کیا۔ اس نے کچھ مال اپنی بیوی کو دے کر کہا کہ اس کو گھر میں کسی محفوظ جگہ پر رکھو۔ بوقتِ ضرورت میں تم سے لے لوں گا۔ خاتون نے مال کو لے کر ایک محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ کچھ دن بعد شوہر نے مال اُٹھایا اور جا کر دریا میں پھینک دیا۔ اب اللہ تعالیٰ بھی اس کی نیت بد سے واقف ہے اور دیکھئے کہ کس طرح اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ مال ایک مچھلی نے نگل لیا۔ ایک ماہی گیر نے جال پھینکا۔ مچھلی جال میں آپھنسی اور بیچنے کے لیے بازار میں لے آیا۔ اتفاقاً وہی مچھلی اس خاوند نے خریدی اور پکانے کے لیے گھر لے آیا۔ خاتون نے مچھلی پکانے کے لیے اس کا پیٹ چاک کیا تو وہی مال پیٹ سے برآمد ہوا۔ خاتون حیران ہوئی، کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔ بہر حال وہ مال محفوظ جگہ پر رکھ دیا۔ اب خاوند نے اپنی تجویز کے مطابق خاتون سے مال طلب کیا کہ فلاں دن میں نے تمھیں جو مال دیا تھا وہ لاؤ۔ خاتون نے وہ مال نکال کر خاوند کے سپرد کر دیا۔ مال پا کر خاوند بہت حیران ہوا کہ یہ مال تو میں نے دریا میں پھینک دیا تھا، یہاں کیسے آیا۔ ظالم خاوند نے سوچا کہ اس میں ضرور خاتون کی کچھ چال ہے۔ اس نے واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے اپنی بیوی کو تنور میں ڈال دیا تا کہ اس میں جل کر راکھ ہو

جائے۔ تنور میں گرتے ہی خاتون نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی یا اللہ! میں ہمیشہ نماز پڑھتی رہی ہوں۔ نماز کے صدقے آج میری عزت رکھ لے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور تنور کی گرمی کو ٹھنڈک میں بدل دیا۔ اس طرح اس نیک خاتون کی جان بچ گئی۔

اسی طرح نماز کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حکایت ہے، جس کو بزرگ حضرات بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے ایک امیر آدمی کے مکان میں ڈاکہ ڈالنے کی غرض سے نقب زنی کی۔ اتفاقاً صاحبِ خانہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے شور مچایا۔ اہلِ محلہ جاگ پڑے۔ ڈاکوؤں نے راہِ فرار اختیار کی۔ اہلِ محلہ نے ان کا پیچھا کیا۔ ڈاکو بھاگ رہے تھے اور لوگ پیچھے آرہے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں کو ایک مسجد نظر آئی۔ انھیں کچھ اور تو نہ سوجھا۔ فوراً مسجد میں داخل ہوگئے اور نمازیوں کی سی صورت بنا کر بیٹھ گئے۔ لوگ بھی ان کو تلاش کرتے ہوئے مسجد تک آئے۔ دیکھا کہ چند آدمی نماز میں مصروف ہیں۔ ان کے علاوہ مسجد میں کوئی نہیں۔ کہنے لگے کہ چور کہیں نکل گئے۔ چنانچہ وہ لوگ ناکام واپس لوٹ گئے۔ چوروں کا سرغنہ بولا: اے میرے ہم نشینو! اگر آج ہم نماز کی صورت بنا کر نہ بیٹھتے تو ضرور دھر لیے جاتے اور ذلت ورسوائی ہمارا مقدر ہوتی۔ صرف نماز کی صورت اختیار کرنے کی یہ برکت ہے کہ ہم ذلت و رسوائی سے بچ گئے ہیں۔ اگر ہم فی الواقع نماز کو درست طور پر اپنالیں تو دوزخ کی مصیبت سے بھی اللہ ہم کو بچالے گا۔ اس لیے میرے ہم نشینو! میں آج سے تائب ہوتا ہوں۔ گناہوں کی زندگی پر لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ کا نیک بندہ بنتا ہوں۔ اس کے ساتھی کہنے لگے: سردار! جب آپ نے توبہ کرلی تو پھر ہم بھی آپ کے قول پر لبیک کہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے بھی دل سے توبہ کی اور ان کا شمار متقی وپرہیزگاروں میں ہونے لگا۔

حکایت: نماز کی برکت بڑے بڑے بگڑے کام سنوار دیتا ہے۔ نزہۃ المجالس، صفحہ: 89 اور مجالس سـ 6 پر یہ حکایت درج ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا۔ ایک خاتون نیک، صالح تھی۔ اس نے ایک مرتبہ تنور میں روٹیاں لگائیں۔ ابھی روٹیاں تنور میں ہی تھی کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ خاتون نے وضو کیا اور نماز شروع کر

دی۔ شیطان نماز کی یہ پابندی دیکھ کر جل بھن کر کباب ہوگیا۔ خاتون کے ایمان میں خلل ڈالنے کے لیے اس نے ایک خاتون کا بہروپ بھرا اور اس خاتون کے پاس آکر بولا۔ بی بی! تیری روٹیاں تنور میں جلی جارہی ہیں۔ مگر جن لوگوں کو آتشِ دوزخ میں جلنے کا ڈر ہوتا ہے، جن کے دلوں میں ایمانِ کامل ہو روٹیوں کے جلنے کا عمل انھیں عبادت سے ہٹا نہیں سکتا۔ ان کے پایۂ استقامت میں بڑے بڑے خطرات بھی لغزش نہیں لاسکتے۔ اس طرح اللہ کی اس بندی نے شیطانِ لعین کی بات پر بالکل توجہ نہ کی، بلکہ اللہ کی نماز میں مشغول رہی۔ شیطان نے جب دیکھا کہ خاتون پر اس کے فریب کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس نے خاتون کے معصوم بچے کو کھیلتے ہوئے اُٹھایا اور تنور کے گرم انگاروں کے سپرد کردیا۔ اسی اثنا میں اس خاتون کا خاوند گھر آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ تنور میں گرم انگاروں سے کھیل رہا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے عقیق احمر کی صورت بنادیا تھا۔ یہ ماجرا، یہ قصہ جب اللہ کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سنایا گیا تو انھوں نے اس خاتون کو بلایا اور پوچھا:

اے بی بی! تو کون سا عمل کرتی ہے۔ اس نے عرض کیا: یاروح اللہ! صرف اتنی سی بات ہے کہ جب بے وضو ہوتی ہوں، تو وضو کرلیتی ہوں۔ جب وضو کرلیتی ہوں تو نماز پڑھتی ہوں اور جو کوئی اپنی حاجت پیش کرتا ہے، اس کی حاجت روائی کرتی ہوں اور لوگوں کی تکالیف پر صبر کرتی ہوں۔

حکایت: ہمارے بزرگ اس حکایت کو بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک درباری سے کوئی سخت جرم سرزد ہوگیا۔ اس جرم کی پاداش میں بادشاہ نے حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس کا ملک چھوڑ دے۔ درباری گھر لوٹ آیا اور پریشان ہوکر بیٹھ گیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر ملک کیسے چھوڑ دوں۔ اس کی ایک لڑکی تھی، کمال کی عقلمند تھی۔ کہنے لگی: ابوجان! آپ یوں حیران وپریشان کیوں بیٹھے ہیں؟ اس سے قبل تو کبھی میں نے آپ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔ بتایئے نا ابوجان! شاید میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا: میری لختِ جگر! میری پیاری بیٹی! آج تو جی بھر کر میرا دیدار کرلے۔ آج جی بھر کر مجھ سے باتیں کرلے، کیونکہ اب ہمارا وصال دائمی فراق میں تبدیل ہونے والا ہے۔ آج کے بعد تو میری صورت کو ترسے گی۔ بیٹی تڑپ کر بولی: ابو جان! حاکم بدعقل آپ کو مجھ سے کیوں دور کررہے ہیں؟ ایسی کیا بات ہوئی؟ آپ کیوں مایوسی کی

باتیں کررہے ہیں؟

باپ بولا: بیٹی! یہ باتیں کرتے ہوئے میرے دل پر بھی چھریاں چل رہی ہیں، مگر حقیقت بہرکیف حقیقت ہوتی ہے۔اس سے چشم پوشی کسی طور پر بھی ممکن نہیں ہے۔ہونی کو کوئی نہیں روک سکتا۔انسان خواہ لاکھ سعی کرے، مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔یہاں پر انسان کے تمام مادی وسائل دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔یہاں پر انسان خود کو بالکل بے بس محسوس کرتا ہے۔بیٹی بولی، ابوجان! آپ بتائیں تو سہی۔باپ بولا: ہاں بیٹی! تجھے بتانا ہی ہوگا، کیونکہ آج کے بعد میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاؤں گا۔سنو! بیٹی، مجھ سے فلاں جرم سرزد ہو گیا ہے۔ بادشاہ سخت طیش میں ہے۔اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس ملک سے نکل جاؤں۔چوبیس گھنٹے کے اندر ملک چھوڑنا ناممکن ہے۔جب بادشاہ کے پیادے مجھے یہاں موجود پائیں گے، پکڑ کر لے جائیں گے اور بادشاہ مجھے ہلاک کرادے گا۔یہ باتیں سن کر بیٹی مسکرائی۔باپ بولا: بیٹی! کل کو میری موت آنے والی ہے اور تو مسکرا رہی ہے۔بیٹی بولی: ابوجان! آپ فکر نہ کریں۔ان شاء اللہ بادشاہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔بس آپ بے فکر ہو جائیں اور اطمینان سے سو جائیں۔باپ حیران ہوا مگر وہ بیٹی کی ذہانت کا بھی معترف تھا۔ مطمئن ہو گیا کہ چلو دیکھیں کیا ہوتا ہے۔جب وقت گزرنے کے قریب آیا تو بیٹی بولی: ابوجان! آپ مسجد میں چلے جائیں اور نماز کی حالت بنالیں۔وقت مقررہ پر بادشاہ کے درباری اس کی تلاش میں نکلے۔پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر کے قریب مسجد میں مصروفِ نماز ہے۔بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔پیادے شش وپنج میں پڑ گئے کہ وہ نماز میں مصروف ہے، ہم اس کو کیسے پکڑیں۔بادشاہ نے علما سے مشورہ طلب کیا۔علما نے جواب دیا: بادشاہ سلامت! آپ نے اس کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔آپ کے حکم کے مطابق وہ آپ کے ملک سے نکل گیا ہے۔اب وہ بادشاہِ حقیقی کے ملک میں محوِ عبادت ہے۔یہاں پر آپ کی حکومت نہیں ہے۔لہٰذا اس کو قتل کرنے کے احکام واپس لیے جائیں۔بادشاہ بے بس ہو گیا اور اس کو حکمِ قتل واپس لینا پڑا اور یوں نماز کی بدولت اس شخص کی جان بچ گئی۔

تذکرۃ الواعظین، **صفحہ: 7** پر مرقوم ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ نمازی پر اللہ تعالیٰ تین اعزاز فرماتا ہے:

1- فلک سے لے کر اس کے سر تک خیر و برکت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔
2- اس کے پاؤں سے لے کر آسمان کی بلندی تک ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔
3- ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ یہ نمازی بندہ خیال کرتا ہے کہ کس ذات پاک سے یہ راز و نیاز کر رہا ہے تو ہرگز نماز میں کسی اور شے کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ہر قسم کے کرامات و اعزازات نمازی کے لیے ہیں۔

تنبیہ الرجال میں ہے کہ جو شخص پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرے اور کبھی کوئی نماز نہ چھوڑے تو ایسے شخص کے لیے اللہ جل شانہ 13 اعزازات عطا فرماتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- اس کو اللہ سے محبت ہو جائے گی۔
2- اس کا بدن بیماریوں سے پاک و محفوظ رہے گا۔
3- وہ فرشتوں کے حصار میں رہے گا، جو اس کی حفاظت کے لیے مامور ہوں گے۔
4- اس کے اہلِ خانہ پر برکت نازل ہو گی۔
5- اس کے بستر پر پاک لوگوں کے آثار ہوں گے۔
6- اللہ اس کو عذابِ قبر سے بچائے گا۔
7- پل صراط سے آندھی کی طرح گزر جائے گا۔
8- اللہ اس کو دوزخ کے عذاب سے رہائی دے گا۔
9- حساب کتاب کی سختی نہ ہو گی۔
10- قیامت کے روز حضرت محمد ﷺ اس کے شفیع بن جائیں گے۔
11- حق تعالیٰ اس کو مالدار لوگوں کے روبرو خلعتِ اطاعت فرمائے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ اولیاء اللہ کو کوئی غم اور خوف نہیں ہوتا۔
12- سب سے بڑھ کر آخر میں اللہ کا دیدار ہو گا۔

سبحان اللہ! نماز ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے اور جس شخص کو اللہ سے محبت ہو جائے، اسے گویا دونوں عالم کی محبت حاصل ہوتی ہے اور پھر سب سے بڑا انعام یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جمالِ پُرنور کا دیدار کرنے کی سعادت ہو جاتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:8 میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے اور اس کے ادا کرنے میں دس عمدہ باتیں حاصل ہوتی ہیں:

1- دنیا اور عقبیٰ میں عزت و آبرو حاصل ہوتی ہے۔
2- حصولِ علم و نیکی میں قلبی نور حاصل ہوتا ہے۔
3- بدن تمام بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔
4- پروردگارِ عالم کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔
5- عبادتِ الٰہی دعا کے قبول ہونے میں کلیدِ فلک ہے۔
6- نماز قبر کی تاریکیوں میں تنہائی کی رفیق ہوتی ہے۔
7- نماز نیکیوں کے پلڑے کو جھکا دیتی ہے۔
8- حور و قصور کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے میوہ جات کھانے کو ملیں گے۔
9- روزِ محشر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔
10- بہشت کی دل پسند نعمتوں کے علاوہ اللہ کا دیدار ہوگا۔

تنبیہ الغافلین میں حضرت محمد ابن داؤد رحمۃ اللہ علیہ آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ نماز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فرشتوں کی محبت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ نماز انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ ہے۔ نماز معرفتِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ ایمان کی اصل بنیاد ہے۔ دعا اور اعمال کے قبول ہونے کا ذریعہ ہے۔ رزق کی برکت ہے۔ بدن کے لیے باعثِ سرور و راحت ہے۔ دشمنوں کے لیے آلۂ جنگ ہے۔ شیطان کی نفرت کا سبب ہے۔ اللہ کے سامنے سفارش کرے گی۔ ملک الموت کے لیے شفیق ہے۔ قبر کی قندیل ہے۔ قبر کا بچھونا ہے۔ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب ہے۔ موت و زندگی کی انیس ہے اور قبر میں قیامت کے دن تک ساتھ دے گی۔ جب قیامت برپا ہوگی اور میزانِ عدل قائم ہوگا تو نمازی کے لیے سایہ، اس کے سر کا تاج، اس کے جسم کا لباس اور ایسا نور ہوگی جو اس کے سامنے نظر آئے گا۔ نماز جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائے

گی اور اللہ کے حضور نمازیوں کے لیے مغفرت کرے گا۔ میزانِ عمل میں نیکیوں کا پلہ جھکا دے گی۔ پل صراط پر سواری کے کام آئے گی۔ جنت کی کلید بن جائے گی، کیونکہ نماز میں اللہ کی تسبیح ہوتی ہے۔ اس کی حمد، پاکی اور عظمت کا اقرار کیا جاتا ہے۔ الغرض نماز بے شمار دنیاوی و اُخروی فوائد کی حامل ہے۔ اس کے ادا کرنے سے ایمان ٹھیک ہے۔ بصورتِ دیگر ایمان میں شبہ ہے۔

نماز اللہ اور بندے کے درمیان ہر قسم کے ریا، فریب اور دھوکے سے پاک سودا ہے۔ سب سے لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سودے میں انسان کو بے پناہ فوائد دیتا ہے۔ نہ اس سے کوئی قیمت وصول کرتا ہے اور نہ کوئی چیز اس سے لیتا ہے، بلکہ نماز کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیتا ہے کہ قیامت کے دن واپس کی جائے گی اور ہمارے فائدے کی ضامن ہوگی اور پھر اس سودے میں انسان کو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ہمیں یہ سودا منظور کرنا چاہیے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

□□□

نواں وعظ

نمازِ باجماعت کی فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔

ترجمہ: اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ

آج سے ہزاروں لاکھوں سال قبل انسان تنہا زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اسے اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے تنہا ہی جدوجہد کرنا پڑتی تھی، جس کی وجہ سے اس کو ازحد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ زندگی کی ہر لحہ بڑھتی ہوئی ضروریات باہم مل کر زندگی گزارنے کا تقاضا کر رہی تھی۔ مجبور ہو کر انسان نے وقت اور زندگی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے تقاضے کو اپنایا اور مل جل کر ایک معاشرہ تشکیل دیا، جس سے ضروریاتِ زندگی بآسانی حاصل ہونے لگیں۔ مل جل کر رہنے سے میل ملاپ بڑھا اور آپس میں محبت پیدا ہوئی اور اسی محبت کے باعث انسان خود کو پیش آنے والے مصائب کا مقابلہ مل جل کر کرنے لگے اور آہستہ آہستہ یہ میل ملاپ اور اتحاد اتنا بڑھا کہ انسانی زندگی کا جزولاینفک بن گیا۔ مفکروں نے اتحاد کے متعلق بہت کچھ کہا۔ مثلاً ایک نے کہا ''اتفاق میں برکت ہے''۔ اسی کو انگلش میں یوں کہتے ہیں "Strenght is mighty"۔

دنیا میں اتحاد اور اتفاق کی سب سے زیادہ تعلیم دینے والا اسلام ہے۔ اسلام مسلمانوں کو خاص طور پر اور دیگر لوگوں کو عام طور پر اتفاق کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

یعنی اکٹھے مل کر جماعت کی صورت میں نماز ادا کرو، کیونکہ نماز باجماعت پڑھنے سے

آپس میں محبت واخوت پیدا ہوتی ہے اور مساوات قائم ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ نے نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید فرمائی اور بار بار تاکید فرمائی۔

نماز باجماعت پڑھنے سے 27 درجہ زیادہ ثواب ہوتا ہے

مشکوٰۃ، صفحہ: 59 پر حضور ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے کی بجائے باجماعت نماز پڑھنے سے 27 درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْمُنْفَرِدِ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ بڑھ کر ہے۔

یہی نہیں بلکہ نماز باجماعت کے ہزار ہا فائدے ہیں۔

تنبیہ ابواللیث میں ہے: جو شخص ہمیشہ پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے پانچ باتیں مخصوص کرتا ہے:

1- تنگ دستی دور کرتا ہے۔
2- عذابِ قبر سے نجات دے دیتا ہے۔
3- قیامت کے دن اس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔
4- پل صراط سے تیز اُڑنے والے پرندے کی طرح گزر جائے گا۔
5- بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہوگا۔

اور جو شخص پنج وقتہ نماز کی جماعت میں سستی کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بارہ عذابوں میں مبتلا کرتا ہے۔ تین عذاب دنیا میں۔ تین عذاب بوقت مرگ۔ تین عذاب قبر میں اور تین عذاب روز قیامت۔

دنیاوی عذاب یہ ہے

1- کمائی میں برکت نہ رہے گی۔

2- اس کے چہرے سے نیکی اور فلاح کی علامت مٹ جائے گی۔
3- لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت اور عداوت پیدا ہوگی۔

بوقتِ مرگ تین عذاب یہ ہیں

1- جانکنی بھوک کی حالت میں ہوگی۔
2- پیاس کی حالت میں ہوگی۔
3- جانکنی میں اذیت ہوگی۔

قبر کے تین عذاب یہ ہیں

1- منکر اور نکیر کے سوالات سختی سے ہوں گے۔
2- قبر اندھیری ہوگی۔
3- قبر تنگ ہوگی۔

قیامت کے دن کے تین عذاب یہ ہیں

1- حساب وکتاب میں سختی سے کام لیا جائے گا۔
2- اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔
3- جہنم اس پر سخت ہوگی۔

گویا نماز کی جماعت ترک کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں عالم میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور نماز کی جماعت قائم کرنے والا دنیا میں بھی سرخرو ہوگا اور آخرت میں بھی کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

تنبیہ الرجال میں ہے کہ جو شخص نماز پنج وقتہ جماعت سے ادا کرتا ہے، کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو پانچ نعمتیں عطا فرماتا ہے:

1- عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔
2- قبر میں جنت کی خوشبوئیں اور وہاں کی ہوائیں اس کے دماغ کو تر و تازہ کریں گی۔

3- قیامت کے دن حساب وکتاب میں آسانی ہوگی۔
4- پل صراط سے چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گزر جائے گا۔
5- اس کو جنت کی شراب طہور پلائی جائے گی۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 21 پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص نماز فجر با جماعت ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہزار شہدا اور ہزار مجاہدین کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ جنھوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا، گویا اس نے ہزار گھوڑے نمازیوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے دیے۔ اور جس نے نمازِ ظہر جماعت کے ساتھ ادا کی، اللہ تعالیٰ ظہر کی ہر رکعت کے بدلے جنت میں ستر محل تیار کرے گا۔ ہر محل میں 70 لونڈیاں معمور ہوں گی اور جو شخص نمازِ عصر جماعت سے ادا کرے، اللہ تعالیٰ روزِ محشر کی پیاس میں اس کو بہشت کی وہ پاکیزہ اور سربمہر شراب پلائے گا، جس کی مہک مشک کی ہوگی اور وہ آدمی روزِ قیامت ستر آدمیوں کے لیے شفیع بنے گا جو کہ دوزخ کے حق دار بن چکے ہوں گے اور اس کو ہر رکعت کے بدلے بیت اللہ کے 70 حجوں کا ثواب ملے گا۔ اور جو شخص مغرب کی نماز با جماعت ادا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ان بندوں کا مقرر کردہ ثواب دے گا، جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اولیاء اللہ کو کسی قسم کا ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔

اور ایسے شخص قیامت کے دن غمناک نہیں ہوں گے اور ان کا حشر بڑے رتبہ کے شہدا سے ہوگا اور بہشت میں انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہمسائیگی کا شرف پائے گا۔

جو شخص عشا کی نماز جماعت سے ادا کرے، اللہ تعالیٰ اس سے ہر قسم کی بلا اور آفتیں اور امراض دور فرما دے گا۔ ایسے امراض جن میں سے کم تر درجہ کے امراض جنون، جذام اور برص ہیں اور اس کا چہرہ دونوں جہانوں میں چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہوگا۔

سبحان اللہ! کیا ہم ایسی باتوں کا دنیا میں تصور کر سکتے ہیں؟ جو با جماعت نماز ادا کرنے والے نمازی کو اللہ تعالیٰ روزِ محشر عطا کرے گا۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 17,16 پر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نمازِ ظہر کے بعد جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام 70 ہزار فرشتوں کے جلو میں میرے پاس آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں آپ کے لیے دو تحفے لایا ہوں۔ جن میں سے ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہی ہمارا موضوعِ سخن ہے۔

وہ یہ ہے کہ نماز پنج گانہ اپنے وقت پر ادا کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ میری امت کے لیے کیا ثواب ہے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا جب دو آدمی نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں اور تکبیر اولیٰ پا جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر رکعت کے بدلے سو نمازوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اگر چار ہوں تو پھر ہر رکعت کے بدلے چھ سو نمازوں کا ثواب اور اگر پانچ ہوں تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے بدلے دو ہزار دو سو نمازوں کا ثواب اور اگر چھ ہوں تو ہر ایک کے لیے ہر رکعت کے بدلے چار لاکھ آٹھ سو نمازوں کا ثواب، اگر سات ہوں تو ہر ایک کو ہر ایک رکعت کے بدلے 70 لاکھ نمازوں کا ثواب۔ اگر تعداد آٹھ ہو تو ہر ایک کو ہر رکعت کے بدلے انتیس لاکھ نمازوں کا ثواب اور اگر نو ہوں تو ہر ایک کو ہر رکعت کے بدلے تیس کروڑ آٹھ لاکھ نمازوں کا ثواب بلکہ اس سے بھی دو چند اور سہ چند ثواب، اگر دس سے زیادہ ہوں تو ہر ایک کو اس قدر ثواب ملے گا کہ اگر آسمان و زمین کے تمام دریاؤں کی روشنائی بنائی جائے اور دنیا کے تمام درخت قلم بنیں تو ایک رکعت کا ثواب بھی نہیں لکھ سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے کہ جماعت کا وقت ہو گیا۔ مشاہدہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں نے کاروبارِ حیات بند کر دیے اور نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں داخل ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان ہی بزرگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

ترجمہ: یہ ایسے مردانِ خدا ہیں کہ ان کو تجارت اور بیع ذکرِ خدا سے نہیں روکتی۔

سبحان اللہ! قربان جانے کو جی چاہتا ہے۔ اپنے اسلاف پر جو نماز کی جماعت کی از حد پابندی کرتے تھے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 102 پر رسول اللہ ﷺ کے متعلق منقول ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ کمزوری کی حالت یہ تھی کہ بار بار غشی کے دورے

پڑتے تھے۔ لمحاتِ وصال قریب آ رہے تھے۔ آپ بار بار پانی منگواتے مگر وضو نہ کر پاتے۔ آخر ایک مرتبہ وضو فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک دوسرے صحابی کے سہارے سے مسجد تشریف لے گئے۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ پاؤں مبارک زمین پر نہ جمتے تھے۔

مگر آپ جماعت کے لیے مسجد میں جا رہے تھے، کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ کی امت جماعت کی پابندی نہیں کرے گی، اس لیے آپ نے اپنی امت کو اپنے عمل سے یہ تاکید فرمائی کہ اے مسلمانو! دیکھو، ترکِ جماعت نہ کرنا، مگر ہم مسلمان بڑی عجیب قوم ہیں۔ ہم ہر اس بات سے انحراف کرتے ہیں جس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں ہم ہزار بہانے کرتے ہیں۔ کوئی یہ بیان کرتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں اس کی دکانداری میں فرق آتا ہے۔ کوئی اپنے بچے کی بیماری کو بہانہ بناتا ہے اور کوئی اپنی بیوی کی طبیعت کی ناسازگاری کا بہانہ کرتا ہے، مگر یہ سارے بہانے بوگس اور نامعقول ہیں۔ ہمیں دنیا کے نفع کا خیال ہے اور آخرت کا ذرہ بھر خیال نہیں۔ یاد رہے کہ تارکِ جماعت پر اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان لعنت کرتے ہیں۔

درۃ الناصحین، صفحہ: 300 پر یہ حدیث مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَارِكُ الْجَمَاعَةِ مَلْعُوْنٌ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْفُرْقَانِ وَتَارِكُ الْجَمَاعَةِ يَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ فَلَعَنَتْهُ وَتَارِكُ الْجَمَاعَةِ يَبْغُضُهُ اللّٰهُ وَيَبْغُضُهُ الْمَلَائِكَةُ وَكُلُّ شَيْءٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِي الرُّوْحِ وَيَلْعَنُهُ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْحِيْتَانِ فِي الْبَحْرِ

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کے ترک کرنے والے پر توریت، انجیل، زبور اور فرقان میں لعنت کی گئی ہے۔ تارکِ جماعت جب زمین پر چلتا ہے تو زمین اس پر لعنت کرتی ہے اور تارکِ جماعت سے اللہ تعالیٰ اور فرشتے بُغض رکھتے ہیں اور کُل جاندار اشیا بھی اور زمین و آسمان کے کُل فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور دریا کی مچھلیاں بھی۔

نماز کی پابندی کرنے سے دوزخ کی آزادی

اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ بلا ناغہ چالیس دن تک نماز پڑھتا رہے، اس کو دوزخ سے رہائی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ یہ بات ذہنی اختراع نہیں بلکہ اس کے راوی انس بن مالک ہیں اور یہ حدیث مشکوۃ، صفحہ:102 سے لی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَائَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ ۝

حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس دن باجماعت نماز پڑھے اور تکبیر اولیٰ پائے اس کے لیے دو آزادیاں تحریر کردی جاتی ہیں: ایک آزادی دوزخ سے اور ایک آزادی نفاق سے۔

فائدے: اس حدیث پاک میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور تکبیر اولیٰ پانے کا ثواب بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص متواتر چالیس دن تک باجماعت نماز پڑھے اور تکبیر اولیٰ پائے وہ دوزخ اور نفاق سے آزاد ہوجاتا ہے۔ منافق چالیس دن تک متواتر نماز کے ساتھ شریک ہوکر تکبیر اولیٰ نہیں پاسکتا۔ افسوس اس پرفتن زمانے میں نہ تو جماعت کی پابندی کو ضروری خیال کیا جاتا ہے اور نہ تکبیر اولیٰ کا خیال کیا جاتا ہے۔ دراصل ہمارے ایمان نہایت درجہ کمزور ہوچکے ہیں۔ ہم زمانے کی جھوٹی انانیت کی زنجیروں میں اس حد تک جکڑے جاچکے ہیں کہ ہمیں خود کو چھڑانا نہایت دشوار محسوس ہوتا ہے۔

انیس الوعظین، صفحہ:13 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور غمگین ہوکر بیٹھ گئے۔ آنحضور ﷺ نے غمگین ہونے کی وجہ پوچھی تو عرض کی: میرے دس مال بردار اونٹوں کو چور چرالے گئے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: میں سمجھا تھا کہ تمہاری تکبیر اولیٰ جاتی رہی، اس لیے تم غمگین ہو۔ انھوں نے عرض کیا: کیا تکبیر اولیٰ دس مال بردار اونٹوں سے افضل ہے؟ حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تَكْبِيْرَةُ الْاُوْلٰى خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ۝

تکبیر اولیٰ دنیا اور اس میں موجود ہر شے سے بہتر ہے۔

سادات کبریٰ میں ہے کہ جب کوئی مسلمان امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہوکر نماز سے فراغت پاتا ہے تو تکبیر اولیٰ آسمان پر جاکر عرشِ الٰہی کے زیریں بہ ہزار عجز وانکسار کھڑی ہوجاتی ہے۔ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تو کون ہے کہ تیرا چہرہ چودھویں کے روشن چاند کی طرح دمک رہا ہے اور اتنے بلند مقام پر تیرا گزر ہے؟ وہ کہتی ہے کہ میں فلاں مردِ مومن کی تکبیر اولیٰ ہوں۔ جو مسجد میں داخل ہوا اور امام کے ساتھ پوری نماز پڑھی اور میرا ثواب حاصل کیا۔ پس اے اللہ کے مقرب فرشتو! اب مجھے قریب کردو تاکہ میں مقام اجابت کو پاسکوں اور خدائے پاک کے دربار میں اس مردِ مومن کے لیے دعائے مغفرت کردوں اور تم سب مل کر آمین کہو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ مرحبا، پھر سب جمع ہوکر اس نمازی کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جناب باری تعالیٰ سے ندا آتی ہے کہ اے میرے برگزیدہ بندے! میرے اس بندۂ نمازی کی زبان پر جب تکبیر اولیٰ گزری تھی اور وہ پورا لفظ بھی کہنے نہ پایا تھا کہ میں نے اس کو اپنی رحمت سے بخش دیا اور اس کے سب گناہ معاف کردیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس حرف کے بدلے جنت میں ایک محل دے گا۔ اگر اللہ مجھے توفیق دے کہ میں ہزار قرآن ختم کردوں اور پھر مجھے اس قدر ختم قرآن کا کوئی ثواب نہ ملے۔ تو مجھے اتنا غم نہ ہوگا، جتنا کہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ فوت ہوجانے کا صدمہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول تذکرۃ الوعظین، صفحہ: 21 پر منقول ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ:22 پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور ایک کافر کو قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم کے بالوں کے برابر بہشت میں اس کے لیے محل تیار کرائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو اس قدر قوت اور قدرت بخشے کہ میں بغیر کسی قسم کی مجبوری کے تمام کفار کو قتل کرڈالوں اور پھر مجھے اس جہاد کا ثواب نہ ملے تو یہ ثواب نہ ملنے پر مجھے قطعی افسوس نہیں ہوگا، جس قدر نماز کی تکبیر اولیٰ فوت ہوجانے کا صدمہ ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص طالب علم کو راہِ خدا میں ایک درہم دے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو نو لاکھ درہم دے گا۔ اگر دنیا میں نہ ملا تو قیامت کے دن اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق بخشے کہ میں اپنا سارا مال غربا و مساکین پر خرچ کردوں اور میرے پاس ایک چنا باقی نہ رہے اور پھر اس خیرات کا ثواب بھی مجھے نہ ملے تو مجھے غم نہ ہوگا، لیکن اگر نماز کی جماعت کے ساتھ تکبیر اولیٰ نہ پاؤں تو اس کے کھو جانے کا مجھے اس سے بڑھ کر رنج ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار سو اونٹ اور چالیس غلام چوری ہوگئے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو افسردہ پایا۔ وجہ پوچھی تو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ یارسول اللہ! میرے چار سو اونٹ اور چالیس غلام چوری کر لیے گئے۔ رسول اللہ نے فرمایا: میں سمجھا تھا کہ تمہاری تکبیر اولیٰ جاتی رہی، جس کی وجہ سے تم اداس و غمگین ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے یار ابوبکر صدیق نے عرض کیا: کیا تکبیر اولیٰ اتنی اہم ہے؟ جواب ملا، اگر کسی کے پاس اتنے اونٹ ہوں جن سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب مر جائیں تو اتنا افسوس و غم نہیں ہوگا، جتنا افسوس و غم تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا ہوگا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:98)

فتاویٰ مسعودیہ میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ بوقت سحر محوِ خواب تھے۔ ابلیس ان کے پاس آیا، ان کو اٹھایا اور کہا: اے حسن! نماز کو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تکبیر اولیٰ جاتی رہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے پوچھا! اے شیطان! مجھے اس وقت بیدار کرنے سے تیرا اصل مقصد کیا ہے؟ کیونکہ تیری رضا تو اس میں تھی کہ تکبیر اولیٰ اور نماز جاتی رہے اور میں اللہ کے غضب کا شکار بنوں۔ شیطان نے جواب دیا: اے حسن سنو! ایک مرتبہ تم سے تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تھی، جس کا تم کو بے حد صدمہ ہوا اور مسلسل دو ماہ تک تم نے اپنے پیٹ کو سیر ہو کر غذا نہیں دی تھی، جس کی وجہ سے تم کو دس ہزار تکبیر اولیٰ کا ثواب مل گیا۔ پس اس وقت تمہیں بیدار کرنے سے میرا اصل مقصد یہی ہے کہ تمہاری تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو جائے اور تمہیں صدمہ نہ ہو اور تمہیں اس قدر ثواب عظیم نہ ملے اور تم کو بیدار کرنے سے میرا مقصد یہی ہے کہ تم اس قدر ثواب

عظیم سے محروم رہ جاؤ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں کسی ننگے کو کپڑے پہنائے خواہ وہ کپڑے پھٹے پرانے ہی کیوں نہ ہوں اور وہ کپڑے پانے والا اگر نماز ادا کرے اور طلب علم میں مشغول ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کپڑا دینے والے کو بارہ ہزار ریشمی حلّے عطا فرمائے گا، جن کی اقسام ستر ہوں گی اور اس کا جسم نورانی ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ اپنے نئے پرانے تمام قسم کے کپڑے اللہ کی راہ میں دنیا بھر کے غریبوں اور مسکینوں کو دے دوں اور میرے پاس کچھ نقد زر نہ رہے، پھر اس تمام خیرات کا مجھے کچھ ثواب نہ ملے، مجھے اس کا اس قدر رنج نہ ہوگا جتنا کہ نماز جماعت میں امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ فوت ہو جانے پر ہوگا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:90)

مندرجہ بالا اقوال سے یہ بات پوری طرح اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کتنی اہم ہے۔

عشاو فجر باجماعت ادا کرنا ساری رات کے قیام کے برابر ہے

اگر مسلمان نمازِ عشاء اور نمازِ فجر باجماعت ادا کرے تو اتنا ثواب ہے گویا اس نے ساری رات عبادت میں گزاری:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ لَهٗ قِيَامُ نِصْفِ لَيْلَةٍ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ لَهٗ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ۔ (رواہ ترمذی، جلد اول، صفحہ:30)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عشاء باجماعت پڑھے اس کو نصف شب کا ثواب اور جو عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھے اس کو ساری رات کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:97 پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت سلیمان ابن حشمہ جماعت میں شامل نہیں تھے۔ ان کی عدم موجودگی کو حضرت عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی محسوس کیا۔ جب آپ بازار سے گزرے تو راستے میں اس صحابی کا گھر تھا جو نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی والدہ سے ملاقات کی اور عرض کیا: صبح سلیمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نماز کی جماعت میں کیوں حاضر نہیں ہوئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ سلیمان ساری رات مصروفِ عبادت رہے۔ مگر صبح ہوئی تو نیند نے غلبہ پالیا اور سو گئے، جس کی وجہ سے نماز کی جماعت اٹینڈ نہ کر سکے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: صبح کی نماز باجماعت پڑھنا ساری رات عبادت کرنے سے افضل ہے۔

فائدہ: مندرجہ بالا حدیث مبارک اس بات کا پتہ بتاتی ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا بے بہا خزانوں کا دفینہ ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ ہم مسلمان نماز کی طرف سرے سے دھیان ہی نہیں کرتے۔ اگر کرتے ہیں تو جماعت کے متعلق احتیاط نہیں برتتے اور دنیا کی جھوٹی اور عارضی منفعتوں میں پڑ کر اخروی اور بہت بڑے ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ مزید ستم یہ کہ ہمارے ضمیروں پر دولت کی چربی چڑھ چکی ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ کون سا کام کرنے میں ہمیں دولت حاصل ہوگی۔ کس کام کے انجام دینے میں ہمیں دولت حاصل ہوگی۔ معلوم نہیں دولت آج کے وقت کی اتنی اہم شے کیوں بن گئی ہے کہ اس کے لیے بھاگتے ہوئے ہم اپنی آخرت کو بھی فراموش کر چکے ہیں اور دیوانہ وار دولت کا تعاقب کرتے ہوئے اللہ اور اس کی رحمت سے ہر لحظہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 97 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جماعت قضا ہو گئی، جس کا آپ کو قلق ہوا اور آپ نے ایک لاکھ درہم کی اراضی صدقے کے طور پر بانٹ دی۔ آپ کے لختِ جگر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ جس دن کوئی نماز چھوٹ جاتی، اس دن روزہ رکھتے اور ساری رات محوِ عبادت رہتے تاکہ کسی طرح جماعت چھوٹ جانے کی تلافی ہو جائے۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 96 پر مرقوم ہے کہ حضرت عارف باللہ ابو سلیمان درانی نے فرمایا کہ ترکِ جماعت کسی ارتکابِ گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو

جماعت کی نعمت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔ اسی صفحہ پر ایک حکایت درج ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

حکایت: ایک مرتبہ بصرہ کا ایک عابد بازار سے لکڑیاں خریدنے کے لیے گیا۔ بر سرِ بازار اس کو ایک تھیلی نظر پڑی، جس پر سو دینار کے الفاظ لکھے ہوئے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ تھیلی میں سو دینار ہیں۔ ہنوز عابد تھیلی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ تکبیر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے تھیلی کو چھوڑا اور ادائیگی نماز باجماعت کے واسطے مسجد میں داخل ہو گیا۔ اس نے جماعت سے نماز ادا کی اور بازار چلا گیا۔ وہاں سے لکڑیوں کا گٹھا خریدا اور گھر چلا آیا۔ گھر آ کر لکڑیوں کا گٹھا کھولا تو اس میں وہ تھیلی موجود تھی، جس میں سو دینار تھے۔ اس طرح جماعت کی برکت سے اس عابد کو سو دینار کی تھیلی مل گئی۔

حکایت: ادب العلوم، جلد اول، صفحہ: 154 پر مرقوم ہے۔ ابو اسحاق بخاری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں باجماعت نماز ادا نہ کر سکا۔ اس پر میں نے افسوس کیا۔ پھر آپ بطور تعزیت فرماتے ہیں کہ اگر میرا بچہ مر جاتا تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں میری تعزیت کرتے۔ افسوس ہے کہ اہلِ دنیا کے نزدیک دین کے مصائب دنیا کے مصائب سے زیادہ آسان ہیں۔

حکایت: ایک مرتبہ اللہ کے برگزیدہ بندے میمون بن مہران مسجد میں ایسے وقت پر پہنچے جب کہ لوگ نماز پڑھ کر باہر آ رہے تھے۔ آپ نے ترکِ جماعت پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے پڑھا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اور کہا: جماعت میرے نزدیک عراق کی ولایت سے زیادہ محبوب ہے۔

□□□

دسواں وعظ

نمازِ باجماعت نہ پڑھنے کی برائی

نمازِ باجماعت کے کچھ دنیاوی فوائد

آج سے چودہ سو سال قبل یہ دنیا معمورۂ جہالت تھی۔ گلستان اخلاق ہستی کے گلوں کو ظالم اور سفاک ہاتھ بڑی بے دردی سے شاخ اخلاق سے نوچ کر پاؤں تلے روندر ہے تھے اور یہ گلِ اخلاق پاؤں میں پڑے سسک سسک کر انسانوں سے فریاد کر رہے تھے، مگر کسی نے ان کی فریاد نہ سنی اور بے آب وگیاہ دھرتی پر انسان کے قدموں تلے کچلے جاتے رہے اور اپنی بے چارگی و بے بسی پر اشک شوئی کرتے رہے۔ ان کی اشک شوئی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا۔ انسانوں کی اس بے رخی پر قہر آیا اور گلستانِ ہستی کے گل اخلاق پر ترس آیا۔ ان کی فریاد رسی کرنے کو اللہ کی رحمت جوش میں آئی، ظلم کا دور ختم ہوا۔ محمد عربی اپنے ساتھ اسلام کا ضابطہ لیے حراسے اُتر کر سوئے قوم آئے۔ پھر سے اخلاق کے پھولوں کو انسانیت کے گلدانوں میں سجایا جانے لگا اور ان کی خوشبوؤں کو سونگھنے کے لیے سب ایک ہو گئے۔ خداوند عظیم نے ان کی اس جماعت کو برقرار رکھنے کے لیے مواقع پیدا کر دیے تاکہ یہ لوگ پرچم محمد یہ کے تلے یوں ہی اکٹھے رہیں اور ان میں بھی نفاق پیدا نہ ہو۔ ان کے اکٹھا کرنے، انسانوں کے درمیان محبت و بھائی چارہ قائم کرنے کو کچھ عبادتیں اور کچھ تہوار یعنی خوشی کے مواقع مقرر کر دیے تاکہ یہ مل جل کر خوشی منائیں اور ان میں محبت قائم رہے۔

ان عبادات میں سرفہرست پانچ وقت کی نماز ہے۔ جب ایک محلہ کے لوگ پنج وقتہ نماز باجماعت ایک مسجد میں جا کر ادا کرتے ہیں تو ان میں باہمی محبت اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے اسلاف گرامی پنج وقتہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی صاحب مسجد میں نہ آتا تو دوسرے حضرات اس کے متعلق فکر میں پڑ جاتے کہ اللہ خیر کرے، آج

فلاں صاحب مسجد میں کیوں نہیں آئے۔ لوگوں کے اس قدرتی ردِ عمل سے یہ فائدہ ہوتا کہ ہر شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو ترجیح دیتا کہ اس کی غیر حاضری سے لوگوں کو فکر اور تشویش نہ ہو اور اگر فی الواقع ہی تشویش کی بات ہوتی تو لوگ اس کی ہر طرح سے امداد کرنے کو تیار ہوتے۔ غربت و افلاس کا معاملہ ہوتا، اہلِ درد حضرات اس کی مالی امداد کرتے، جس سے غربا کی مدد ہوتی اور امیروں کو ثواب ملتا۔ نیز معاشرے میں توازن پیدا ہوتا۔ اس زمانے میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مگر وہ آپس میں باہمی محبت کی وجہ سے زمانے میں معزز تھے، مگر آج کے مسلمان نے اُمتِ محمدیہ کے دعوے کو صرف زبانی جمع خرچ تک محدود رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان ایک ارب کی تعداد میں ہونے کے باوجود ذلیل وخوار ہیں۔ ان پر مغربی ممالک کا ہوّا چھایا ہوا ہے۔ کیوں نہ ہو ہم مسلمان نماز کو چھوڑ چکے ہیں۔ مسجد میں جانا ترک کر چکے ہیں۔ اللہ کو بھولے جا رہے ہیں اور اللہ ہمیں بھولتا جا رہا ہے، جس کا منطقی نتیجہ مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ قومی شاعر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آج کے مسلمان اور اسلاف کے اس فرق کو یوں واضح کیا:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہم مسلمانوں نے قرآن کے اوصاف اور پاکیزہ تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے۔ اس کے احکامات کو نظر انداز کر دیا۔ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں اسلام کی باتیں عجیب اور فرسودہ لگتی ہیں۔ اس کی بجائے ہم بڑے شوق سے مغربی ممالک کے فیشن کو طرز جدید کا نام دے کر اپناتے ہیں۔ بیل باٹم اور ٹی شرٹ پہن کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی اسلام کے سچے مجاہد ہیں اور بالوں کو کانوں تک بڑھا کر اور منہ میں پان اور ہاتھ میں گولڈ لیف کا سگریٹ اور پاؤں میں لانگ میل شوز پہن کر بازاروں میں یوں چلتے ہیں جیسے کشمیر فتح کرنے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی کیفیت کو بھانپتے ہوئے لکھا تھا

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں یہود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم ہی بتاؤ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

گھر کی نماز منافقانہ عمل ہے

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْماً الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاھِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ ھَاتَیْنِ الصَّلٰوتَیْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ وَلَمْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِیْھِمَا لَاَتَیْتُمُوْھَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَی الرُّکَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰی مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰئِکَۃِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فِیْ فَضِیْلَتِہٖ لَابْتَدَرْتُمُوْہُ الْحَدِیْثُ۔ (رواہ ابوداؤد ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:96)

حضرت اُبی بن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا' فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: یہ دو نمازیں تمام نمازوں میں سے منافقین پر بھاری ہیں۔ ان دو نمازوں کی فضیلت اگر تم کو معلوم ہو تو تم ان کے لیے حاضر ہوتے، اگرچہ گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے آتے۔ بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف جیسی ہے۔ اگر تم اس کی فضیلت جانتے تو ضرور اس کی طرف سبقت کرتے۔

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ گھر کی نماز منافقانہ عمل ہے۔ گھر کی نماز تو اپاہجوں، بیماروں اور خواتین کی نماز ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یُجِبْہُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔ (رواہ الدار قطنی، مشکوٰۃ)

جس نے اذان سنی اور بلا کسی عذر کے مسجد میں جا کر اجابت نہ کی، اس کی نماز نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رسولِ خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیْ فَلَمْ یَمْنَعْہُ مِنْ اِتِّبَاعِہٖ عُذْرٌ تُقْبَلُ مِنْہُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ صَلّٰی قِیْلَ مَا الْعُذْرُ

قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:126)

مَیں نے رسول اللہ کا یہ فرمان سنا کہ جو کوئی مؤذن کی اذان سنے، اس کے اتباع میں اس کو کوئی عذر مانع نہیں، جو اس نے نماز پڑھی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ عرض کیا: عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف یا بیماری۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

رَاَیْنَا وَمَا یَتَخَلَّفُ عَنْھَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ کَانَ الرَّجُلُ یُؤْتٰی بِہٖ یُھَادٰی بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ حَتّٰی یُقَامَ فِی الصَّفِّ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:9)

ہم نے اپنے کو اس حالت میں دیکھا کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا، مگر کھلا منافق اور بے شک مرد (بیمار) کو دو شخصوں کے درمیان چلا کر لایا جاتا یہاں تک کہ اسے صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ بتاتی ہے کہ تنہائی کی نماز ہی نہیں اور جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنا منافقانہ طرزِ عمل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے بہتر نماز جماعت کی نماز اور سب سے بدتر نماز تنہا نماز ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَکْتُوْمٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَدِیْنَۃَ کَثِیْرَۃُ الْھَوَامِ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا فَقِیْدُ الْبَصَرِ فَھَلْ تَجِدُ لِیْ مِنْ رُخْصَۃٍ قَالَ ھَلْ تَسْمَعُ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَیَّ ھَلًا وَلَمْ یُرَخِّصْ۔ (رواہ ابوداؤد، ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:97)

عبداللہ بن مکتوم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مدینہ میں زہریلے جانور اور درندے بکثرت ہیں اور میں نابینا ہوں۔ کیا آپ مجھے (نماز باجماعت) سے رخصت دیتے ہیں؟ پوچھا: کیا تمھیں حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح کی آواز سنائی دیتی ہے۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: جماعت میں حاضر ہوا کر۔ اور رخصت نہ دی۔

جماعت اتنی اہم ہے کہ جتنی روٹی۔ خواہ کوئی نابینا ہو، روٹی اس کو لازمی طور پر چاہیے۔

اس طرح خواہ کوئی نابینا ہو، اس کے لیے بھی جماعت لازمی ہے۔

ترکِ جماعت پر وعید

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ لَا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، جب وہ اکٹھی ہو جائیں تو نماز کا حکم دوں۔ پس اس کے لیے اذان دی جائے، پھر ایک شخص کو حکم دوں جو نماز پڑھائے۔ پھر ایسے لوگوں کے گھر جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور اُن کے گھروں کو جلا دوں۔

پھر ایک روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں خواتین اور بچے نہ ہوتے تو میں گھروں کو جلانے کا حکم دیتا۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، صفحہ:97)

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ اپنی اُمت کے حق میں اتنے رحیم وشفیق ہیں کہ اپنے اُمتی کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کرتے، مگر ترکِ جماعت والوں پر اتنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے گھروں کو جلا دینے کا حکم دینے کو تیار ہیں۔

تارکِ جماعت کو بعد از مرگ سانپ کا عذاب ہوگا

مَاتَ فِیْ زَمَنِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ رَجُلٌ فَقَامُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ فَاِذَا الْکَفَنُ تَتَحَرَّكُ فَنَظَرُوْا فَوَجَدُوْا حَیَّةً مُطَوَّقَةً فِیْ عُنُقِهٖ تَاْکُلُ لَحْمَهٗ وَ تَمُصُّ دَمَهٗ فَاَرَادُوْا قَتْلَهَا فَقَالَتِ الْحَیَّةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لِمَ تَقْتُلُوْنَنِیْ بِلَا ذَنْبٍ وَ لَا خَطَاءٍ فَاِنَّ اللهَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَذِّبَهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَقَالُوْا مَا خَطَاءُهٗ قَالَتْ ثَلَاثُ خَطَایَا اَلْاُوْلٰی کَانَ اِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ لَا

یَجِیْ اَلْجَمَاعَةَ وَالثَّانِیَةُ لَا یُخْرِجُ الزَّکٰوةَ مِنْ مَالِهٖ وَالثَّالِثَةُ لَا یَسْمَعُ قَوْلَ الْعُلَمَاءِ وَهٰذَا جَزَاءُهٗ ۔

مندرجہ بالا حکایت درۃ الناصحین، صفحہ:308 پر مرقوم ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ایک شخص حضرت ابوبکر کے زمانے میں مرگیا۔ لوگ اس کی نمازِ جنازہ کو گئے۔ معلوم ہوا کہ کفن ہل رہا ہے۔ لوگوں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ ایک سانپ گردن میں طوق بن کر لپٹا ہے۔ گوشت کھاتا ہے اور خون پیتا ہے، پس لوگوں نے اسے مارنا چاہا۔ سانپ نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ مجھے کیوں مارتے ہو؟ میرا کچھ گناہ اور خطا نہیں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قیامت کے دن تک اسے عذاب کروں۔ لوگوں نے اس کی خطا پوچھی۔ سانپ بولا: تین خطائیں ہیں: اوّل، جب اذان سنتا تھا تو نماز کے لیے مسجد میں نہیں جاتا، جماعت کے لیے نہیں جاتا تھا۔ دوم، مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تھا۔ سوم یہ کہ عالموں کی بات نہیں سنتا تھا۔ بس اس کی یہ سزا ہے۔

حضرات! اندازہ کیجئے کہ باجماعت نماز نہ پڑھنے والے کو مرنے کے بعد سانپ کے سپرد کر دیا جاتا ہے، جو نافرمان بندے کا خون چوستے ہیں اور گوشت کھاتے ہیں۔

اللہ ہم سب کو نماز باجماعت کی توفیق دے۔

□□□

گیارہواں وعظ

نماز میں خشوع خضوع

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قرآن مجید اللہ وحدہٗ لاشریک کی آخری اور مکمل کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہونے کے علاوہ کلام بے مثل بھی ہے۔ قرآن مجید خداوند کریم کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کائنات عالم میں سب سے عظیم ہستی ہیں۔ انھوں نے تاریخ انسانی کے بہتے ہوئے دھارے کا رخ تبدیل کر دیا۔ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے قرآنِ مجید کی تعلیمات کی وضاحت فرمائی اور ان تعلیمات کی وضاحت کا نام اسلام رکھا، جس میں سب سے زیادہ اہم شے نماز ہے اور ان لوگوں کو حاملِ فلاح قرار دیا جو نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے پارہ 18 سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

بے شک وہ مومن فلاح پانے والے ہیں جو نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

اب کچھ تذکرہ خشوع وخضوع کا کیا جاتا ہے، کیونکہ خشوع کے بغیر نماز ایسی ہے جیسے وہ شخص جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں۔ پاؤں سے اپاہج ہو۔ قوتِ سماعت سے محروم ہو۔ بصارت سے نا آشنا ہو۔ زندگی کی لازمی ضروریات سے محروم یہ شخص بالکل بے کار ہے بلکہ معاشرے کے لیے ایک بوجھ ہے۔ بالکل اسی طرح خشوع کے بغیر نماز بالکل بے کار ہے۔

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ خشوع کیا ہے۔

خشوع کی تعریف

خشوع یہ ہے کہ دورانِ نماز قیام، رکوع وسجود اور دیگر ارکانِ نماز بالکل درست ہوں۔

اگر ارکانِ نماز نامکمل ہوئے تو نماز بھی نامکمل ہوگی۔

انیس الواعظین، صفحہ: 33 پر خشوع کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں، جن کا مفہوم درج ذیل ہے:

خشوعِ شریعت: اعضاو جوارح کا حالتِ سکون میں رکھنا، حالتِ قیام میں مقام سجدہ اور رکوع میں پاؤں اور سجدہ میں ناک کی بینی اور تشہد کے وقت پہلو کو ہدفِ نگاہ کرنا خشوعِ شریعت کہلاتا ہے۔ اس سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔

خشوعِ حقیقت: یہ قبولیت کا صالح ہے۔ نماز میں اللہ کے سوا کائناتِ دوعالم کی ہر شے سے قطع تعلق کر لینا۔ جو پڑھنا اس پر غور کرنا۔ دوزخ اور جنت کے خیال سے بھی ذہن صاف رکھنا خشوعِ حقیقت کہلاتا ہے۔

خشوع کی تیسری قسم یہ بیان کی گئی ہے کہ عبادت مخفی رکھنا یعنی اس طرح عبادت کرنا کہ کسی چیز کی خبر نہ ہو۔ جسم بساطِ مقرب پر اور قلب ونظر دیدارِ الٰہی میں مشغول ہوں۔

خشوع کی اصل تعریف کے ساتھ اگرچہ مندرجہ بالا جزئیات پوری طرح درست ہیں تو نماز کامل ہے، ورنہ ناقص ہے۔ آیئے اب ہم خشوع کی تینوں اقسام پر باری باری بحث کرتے ہیں۔

پہلی قسم یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے اعضا کو ساکن رکھنا۔ اگر قیام میں ہیں تو ہمیں اپنے ہاتھ ناف سے ذرا نیچے باندھنا چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں یا رکوع میں جاتے ہوئے ہاتھ باندھ لیں اور رکوع وسجود جلدی جلدی ادا کریں۔ رکوع اس طرح سے کرنا چاہیے کہ کمر اور سر میں برابری آجائے اور ان میں کوئی نشیب وفراز نہ رہے اور سجدہ میں بھی پانچ بار یا کم از کم تین بار سبحان ربی العظیم اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے اور تشہد میں بھی اطمینان رکھنا چاہیے اور سنت طریقے کے مطابق سلام پھیرے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 28 پر ہے کہ حضرت ادریس بن اویس بیان کرتے ہیں کہ مشہور ولی اللہ حضرت حاتم ایک مرتبہ عصام بن یوسف کے پاس آئے۔ عصام نے ان سے کہا: اے حاتم! کیا تم عمدہ طریقے سے نماز پڑھنا جانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، پوچھا: کس طرح نماز ادا کرتے ہو؟ فرمایا: جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں سب سے قبل کامل طریقے سے وضو کرتا ہوں، پھر نماز پڑھنے کے مقام پر اطمینان کے ساتھ سیدھا کھڑا ہوتا

ہوں۔ یہاں تک کہ میرا ہر عضو حالتِ قرار میں قرار لیتا ہے اور میں کعبہ شریف کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان اور مقام ابراہیم کو اپنے سینے میں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے سر پر دیکھتا ہوں، جو میرا حال جانتا ہے اور میرے دونوں قدم پل صراط پر ہوتے ہیں۔ بہشت میرے داہنی جانب اور دوزخ میرے بائیں جانب اور ملک الموت پیچھے ہوتے ہیں۔ اخیر تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ تکبیر کہتے وقت اپنا محاسبہ کرتا ہوں۔ قرآن غور وفکر سے پڑھتا ہوں۔ رکوع تواضع سے کرتا ہوں اور عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ کرتا ہوں۔ پھر اطمینان کے ساتھ تشہد کے لیے نشست لیتا ہوں اور پھر طریقۂ سنت پر سلام بجالاتا ہوں اور پھر صبر پر معاہدہ کرتا ہوں۔ عصام نے کہا: اے حاتم! واقعی تمہاری نماز ایسی ہے، جس طرح تم نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: ہاں، پھر پوچھا: آپ کتنی مدت سے اس طرح نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں؟ فرمایا: عرصہ تیس سال سے۔ یہ سن کر عصام نے آہ کہا اور گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوئی اور کہا: اللہ کی قسم میں نے اپنی زندگی میں آج تک ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اتنا کہہ کر یکایک غش کھا کر گر پڑے اور جسم خاکی سے روح آسمانوں کی جانب پرواز کرگئی۔

اس کو کہتے ہیں خشوع وخضوع۔ اس کو کہتے ہیں ارکانِ نماز کی ادائیگی۔ کیا ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو اس طرح کی نماز پڑھتا ہو؟ ربِّ واحد کی قسم ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسی نماز نہیں پڑھتا اور نہ پڑھ سکتا ہے۔ ہم تو نماز میں خشوع وخضوع کرتے ہی نہیں اور جلدی جلدی رکوع وسجود کرتے ہیں اور نماز سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں رکوع وسجود میں جلدی کرنے والے کو چور کہا گیا ہے اور کوئی معمولی چور نہیں بلکہ سب سے بدتر چور کہا گیا ہے:

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:26 پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا: کیا تمھیں بتاؤں کہ لوگوں میں سب سے بدتر چوری کرنے والا کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ، فرمایئے! ارشاد ہوا کہ سب سے بدتر چوری کرنے والا وہ ہے جو اپنی نماز کا کچھ حصہ چرا لیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز

کس طرح چوری کی جاسکتی ہے؟ فرمایا: نماز کے رکوع وسجود کو پوری طرح ادا نہ کرنا چوری ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:83 میں حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ، قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بڑا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: نماز کس طرح چوری کرتا ہے؟ فرمایا: وہ نماز کے رکوع وسجود تمام نہیں کرتا۔

عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْزِئُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

(رواہ ابوداؤد، ترمذی ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:82)

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ اپنی پشت رکوع اور سجود میں سیدھی نہ کرے۔

عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضَا صَلٰوتَهٗ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:83)

حضرت شقیق سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود پورا نہیں کرتا۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی، یعنی تیری نماز درست نہیں۔

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ اس بات کی غماض ہیں کہ ارکانِ نماز کی تعدیل ضروری ہے، ورنہ نماز ناقص ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مشکوٰۃ، صفحہ:75 پر مرقوم ہے کہ عہدِ رسالت ونبوت میں ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ نبی کریم ﷺ ملاحظہ فرما رہے تھے۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دے

کر فرمایا: جاؤ اور نماز کا اعادہ کرو، کیونکہ تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے تعمیل حکم کیا اور پھر قیام کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ آپ نے پھر فرمایا: اب بھی نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے تیسری مرتبہ پھر پہلے طرز پر نماز ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی بھی نماز نہیں ہوئی۔ اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہی فرمائیں کہ میں کس طرح سے نماز ادا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: دیکھو جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو سب سے قبل تکبیر کہو۔ اس کے بعد جس قدر قرآن شریف کی تلاوت کر سکتے ہو کرو۔ پھر رکوع ادا کرو، ٹھیک ٹھاک اور اطمینان کے ساتھ رکوع ادا کرنے کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اس کے بعد پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو۔ پھر اٹھ کر سکون کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور پھر سجدہ کرو اور اس طرح جا کر نماز ادا کرو۔

امام اعظم کے نزدیک ارکانِ نماز کی تعدیل واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تعدیل ارکان فرض ہیں اور اس کے بغیر نماز بالکل ہی نہیں ہوتی۔

خشوع کی دوسری قسم یہ ہے کہ دورانِ نماز اللہ کے تصور میں اس حد تک کھو جانا کہ کائناتِ دو عالم کی ہر شے سے بیگانگی رہے۔ نماز میں اس درجہ مشغول ہو جانا کہ اگر کائنات اِدھر کی اُدھر ہو جائے مگر نمازی کو خبر نہ ہو۔

حضرت یعقوب اوتاری رحمۃ اللہ علیہ خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ وہ نماز میں اس درجہ محو ہوا کرتے تھے کہ انھیں کسی شے کی خبر نہ ہوتی تھی۔ تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 27 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ اِدھر سے ایک جیب کترا گزرا اور ان کے اوپر سے چادر لے بھاگا۔ لوگوں نے اسے پکڑا اور کہا یہ چادر ایک بزرگ کی ہے۔ فوراً واپس کر دو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لیے بددعا کر دیں اور تمہارے ساتھ ہم پر بھی عذاب نازل ہو۔ وہ شخص ڈر گیا اور آپ کو چادر اوڑھا دی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا اور چور نے بھی اپنی حرکتِ نارسا کی معافی مانگی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھے قطعاً خبر نہیں کہ کس نے میری چادر اُتاری اور کب اُتاری اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ دوبارہ کس نے اور کب چادر اوڑھائی۔

اسی کتاب کے صفحہ 109 پر مرقوم ہے کہ حضرت مسلم بن سیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے کہ ان کے گھر کو آگ لگ گئی۔ آپ اسی گھر میں نماز ادا کر رہے تھے، جس میں آگ لگ گئی تھی۔ شور وغل مچا اور لوگوں نے آگ بجھا دی، مگر اس شور وغل کے باوجود آپ کو قطعاً خبر نہ ہوئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ گھر میں آگ لگی تھی۔ یہی مسلم بن سیار ایک مرتبہ جامع مسجد میں محوِ نماز تھے۔ آپ کے پہلو میں ستون گر پڑا اور بازار کے لوگوں میں شور وغل مچ گیا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی خبر نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نمازِ نوافل میں محو تھے۔ آپ کے بالکل سامنے آپ کا گھوڑا بندھا ہوا تھا، جس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ ایک چور بغرضِ چوری آیا اور آپ کا گھوڑا بندھا دیکھا اور آپ کو نماز میں مشغول پا کر گھوڑا کھولا اور چلتا بنا۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو اظہارِ تاسف کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: گھوڑا بے خبری میں چوری نہیں ہوا۔ بلکہ جب چور گھوڑا کھول رہا تھا تو مجھے علم تھا، مگر میں کام میں مصروف تھا، جس پر ہزار ہا گھوڑے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کہ نماز کی حالت، خشوع کی برکت سے آپ کا گھوڑا اسی روز واپس آ گیا۔

خشوع کی تیسری قسم یہ ہے کہ قلب ونظر دیدارِ الٰہی میں مشغول ہوں۔ یعنی نماز کے دوران اس بات کا احساس ہو کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ۔ (کشف الغمہ، جلد: 1، صفحہ: 88)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس شان سے کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو (اگر اس مرتبہ کا حامل نہ ہو) اگر تو اس کو دیکھ نہ سکے تو (یوں سمجھ لو) کہ تمھیں وہ دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسی نماز ادا کی جائے تو اس پر بے شمار انوار وثمرات مرتب ہوں گے۔

بلاخشوع نماز نمازی کے منہ پر ماری جاتی ہے

نماز میں خشوع از حد لازمی شے ہے۔ اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اور اس پر آسمانوں کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور گندے کپڑے میں لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماری

جاتی ہے:

وَمَنْ صَلَّاهَا بِغَيْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوْءَهَا وَ لَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوْعَهَا وَلَا رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ تَقُوْلُ خَيَّبَكَ اللهُ كَمَا خَيَّبْتَنِيْ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللهُ لُفَّتْ كَمَا تُلَفُّ الثَّوْبُ ثُمَّ ضَرِبَ بِهَا وَجْهُهٗ۔ (زواجر، جلد اوّل، ص:166)

ترجمہ: جو شخص بے وقت نماز پڑھے اور وضو مکمل نہ کرے اور نماز میں خشوع اور سجدہ رکوع تمام نہ کرے تو ایسی حالت میں نماز سیاہ اور کالی ہوتی ہے اور کہتی ہے: اے نمازی! جس طرح تو نے مجھے برباد کیا، اس طرح اللہ تجھے برباد کرے۔ یہاں تک کہ اللہ چاہتا ہے وہاں جاتی ہے اور اس کو لپیٹا جاتا ہے جیسا کہ پرانا کپڑا لپیٹا جاتا ہے، پھر اللہ اس کو نمازی کے چہرے پر مارتا ہے۔

فائدہ: نماز کی اصل خشوع ہے، اس کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ رکوع، سجود پوری طرح ادا کرنا نماز کا حسن ہے اور ماسوائے اللہ کے کائنات کی ہر شے سے انقطاع کلی لازمی امر ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 28 پر ہے کہ بعض علما نے نماز کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک خاص، دوسری عام۔ خاص نماز یہ ہے کہ نمازی نماز کی توقیر کا خیال رکھے۔ ہیبت و وقار کے ساتھ کھڑا ہو کر خوف و ادب خدا سے رجوع کرے، تعظیم کے ساتھ ادا کرے اور عام نماز یہ کہ غفلت کے ساتھ پڑھی جائے۔ جہالت کے ساتھ کھڑا ہوا، وسوسہ سے پڑھے اور اللہ کی بجائے دنیا کے مشغلوں میں مشغول ہو۔

ایسے نمازی کی حالت اس مجرم شخص کی سی ہے جو اپنے آقا و مالک کے حضور اپنے جرم کی معافی کے لیے حاضر ہو اور اپنے آقا سے معافی مانگے اور جب وہ رکوع کرے تو خود دائیں بائیں منہ پھیرے۔ اسی طرح بادشاہ اس کی حاجت براری نہ کرے گا اور اس کی بات نہ سنے گا۔ جب کہ بادشاہ خفا ہو جائے اور اس پر اپنا عتاب نازل کرے۔ بادشاہ کا متوجہ ہونا اسی صورت میں ہوگا جب کہ بندہ خود اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ یہی حال نماز کا ہے۔ جب بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز کے ارکان کو پورے طور پر ادا نہ کرے تو وہ نماز

بارگاہِ الٰہی میں اجابت کا درجہ حاصل نہیں کرتی، کیونکہ جب ایسی ناقص نماز آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور اپنا تاریک اثر لیے ہوئے وہاں تک پہنچتی ہے تو اس پر آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر وہ نماز پڑھنے والے کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

نماز کو جلدی ادا کرنا منافقت ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص 60)

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ منافق کی نماز ہے کہ سورج کا انتظار کرتا رہے جب کہ وہ زرد ہو جائے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے سنگم میں آ جائے تو کھڑا ہو کر چار چونچیں مارے اور اس میں تھوڑا سا اللہ کا ذکر کرے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا قَلِيْلًا۔

منافقین جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں کمی کرتے ہیں۔

مسلمانو! ذرا اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو، کیا ہم نماز خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یا ہماری نماز منافقانہ نماز ہے۔ اگر ہماری نماز منافقانہ ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس میں خشوع و خضوع اختیار کریں، کیونکہ یہ سنت رسول اور سنت ابراہیمی ہونے کے علاوہ سنت صحابہ بھی ہے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 103 پر ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اجابتِ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ان کے دل کے دھڑکنے کی صدا دو میل تک سنائی دیتی

تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو آپ کے جسم مبارک میں لرزہ کی کیفیت پیدا ہوتی۔ روئے اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا اور فرماتے کہ اب اس امانت کے اُٹھانے کا وقت آگیا ہے کہ جس کو ساتوں ارض وسما بھی نہ اٹھا سکے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر جب نماز میں ہوتے تو ایک سوکھی لکڑی کی طرح ہوتے تھے یعنی وہ اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ جیسے سوکھی لکڑی ہوتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین، صفحہ:108)

حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے فرماتے کہ تم جس طرح چاہو باتیں کرتے رہو۔ مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ (احیاء العلوم، صفحہ:157)

ایک مرتبہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نخلستان میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگاہ آپ کی نگاہ ایک خوبصورت پرندے پر پڑی کہ وہ گھنے اشجار کی شاخوں کے بیچ الجھا ہوا ہے اور نجات کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔ آپ کا خیال اس طرف کھو گیا اور نماز سے غافل ہو گئے، جس سے آپ کو یہ یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعت ادا کی ہیں۔ پس آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ اس کا آپ کو اتنا افسوس ہوا کہ آپ نے وہ نخلستان صدقہ کر دیا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:108)

ایک مرتبہ رات کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاں مہمان آیا۔ آپ نے اس کا بستر نالے کے نیچے بچھایا اور خود چوبارے میں سو گئے۔ نمازِ تہجد کے وقت بیدار ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ سجدہ میں جا کر اس قدر روئے کہ آپ کے اشک سے پرنالہ جاری ہو گیا اور آپ کے اشک کے قطرے مہمان پر گرے۔ اس نے خیال کیا کہ شاید بارش ہو گئی، مگر فلک پر بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ جب چوبارہ پر چڑھ کر دیکھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز سجدے میں رو رہے ہیں اور یوں پھڑک رہے ہیں جیسے الحائد ذبیح پھڑکتا ہے۔ (کشف الغمہ، ص98)

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:27 پر ہے کہ رابعہ بصری نماز پڑھ رہی تھیں۔ جب سجدہ کیا تو چٹائی کا نوکدار تنکا آنکھ میں لگا جس سے آنکھ تباہ ہو گئی، مگر آپ کی محویت دیکھئے کہ آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

انیس الواعظین، صفحہ:33 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاؤں

کی ایڑی میں تیر گڑ گیا، جو نماز کی حالت میں نکال لیا گیا اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوئی۔

حضرات! مقامِ غور ہے۔ کیا ہم سے کوئی نماز میں ایسا خشوع اپنا سکتا ہے کہ آنکھ میں تنکا چبھ جائے اور پاؤں کی ایڑی سے تیر نکال لیا جائے، مگر ہمیں پتہ بھی چلے۔ آج ہمارے مسلمان نماز سے بالکل غافل ہیں۔ اگر پڑھتے ہیں تو اس میں خشوع وخضوع نہیں اپناتے، بلکہ نماز میں ہی دنیا کے کام یاد آتے ہیں۔ خارش اس وقت ہوتی ہے جب نماز پڑھتے ہیں۔ ایک فوجی کو بھی خارش اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ نماز میں ہوتا ہے۔ حالانکہ پریڈ کے دوران اسے مطلق خارش کی شکایت نہیں ہوتی۔

احیاء العلوم، صفحہ:157 پر مرقوم ہے کہ حضرت حلف بن ایوب سے کسی نے پوچھا: نماز میں تم کو مکھیاں نہیں ستاتیں؟ فرمایا: میں کسی ایسی شے کا عادی نہیں، جس سے نماز میں نقصان ہو۔ یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے ہیں۔ محض اس لیے کہ لوگوں میں ان کی تحمل مزاجی کے چرچے ہوں اور پھر یہ اس کو فخریہ طور پر بیان کرتے ہیں اور میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر ایک مکھی کی وجہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:91 پر روایت ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نماز پڑھتے تھے تو آپ کا قلب مبارک یوں جوش کھاتا تھا جس طرح پانی سے بھری ہوئی کوئی دیگ آگ پر جوش کھاتی ہے اور اس سے آواز آتی ہے۔

اللہ ہم سب کو نماز میں خشوع وخضوع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

□□□

بارھواں وعظ

ترکِ صلوٰۃ پر برائی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (سورۂ مریم، رکوع:4)

پس آئیں گے ان کے بعد ایسے نالائق کہ نماز چھوڑیں گے اور خواہش نفسانی کی پیروی کریں گے۔ پس عنقریب وہ غی سے ملاقات کریں گے۔

دنیائے اسلام کے مسلمانو! بے نمازی کو ناخلف اور نالائق کہا گیا ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ غی ہے۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۝ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝ پس وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

غی کیا ہے؟

بہارِ شریعت، جلد سوم میں غی کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ غی جہنم کی ایک وادی ہے، جس کی گہرائی اور گرمی سب سے زیادہ ہے۔ اس وادی میں ایک کنواں ہے، جس کا نام ہبہب ہے۔ جب جہنم کی آگ کے شعلے ختم ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کنوئیں کا منھ کھول دیتا ہے، جس سے وہ ازسرِ نو بھڑکنے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝

جب بجھنے پر آئے گی ہم انھیں اور بھڑک میں زیادہ کریں گے۔

یہ کنواں بے نمازیوں، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں اور والدین کو اذیت دینے والوں

کے لیے مخصوص ہے۔

درۃ الناصحین، صفحہ:296 پر ہے کہ وہب بن منبہ نے غی کی تعریف یہ کی ہے کہ غی ایک غار ہے جو از حد عمیق اور بدرجہ غایت بدبودار ہے۔ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک پڑے تو لاریب یہ دنیا مکمل طور پر فنا ہو جائے۔

رب العالمین احکم الحاکمین سورۂ مدثر میں ارشاد فرماتا ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝

ترجمہ: جب دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اہلِ جنت دوزخیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تم کو دوزخ میں کس چیز نے ڈالا ہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

بے وقت نماز پڑھنے والے کے لیے ویل ہے

نماز نہ پڑھنا از حد خطرناک اور ہولناک ہے۔ اگر کوئی نماز کی قضا کر بھی لے تو بھی ایسے شخص کے لیے سخت وعید ہے۔ ربّ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝

ان نمازیوں کے لیے ویل ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

ویل کے لفظی معنی، تباہی و بربادی کے ہیں۔ یعنی نماز سے غفلت برتنے والے کے لیے تباہی اور بربادی ہوتی ہے۔ جہنم میں ایک ایسی وادی ہے جس کی سختی سے جہنم بھی توبہ کرتی ہے۔ اس سخت وادی کا نام ویل ہے۔ جان بوجھ کر نماز قضا کرنے والوں کے لیے یہی ٹھکانہ ہے۔ نماز نہ پڑھنا از حد ہلاکت خیز ہے۔

حکایت: زواجہ، جلد اوّل، صفحہ:112 پر ایک حکایت مرقوم ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کی ہمشیرہ کی موت ہوگئی، اس کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ اتفاقاً غلطی سے روپوں کی ایک تھیلی مردے کے ساتھ قبر میں دفنا دی گئی۔ جب یاد آیا تو وہ شخص واپس لوٹا اور اپنی بہن کی آخری اور اصلی منزل یعنی قبر سے مٹی ہٹائی تو اس کو پتہ چلا کہ اس کی ہمشیرہ کی قبر

میں شعلے بھڑک رہے ہیں جو اس کی ہمشیرہ کے بدن کو جلا رہے ہیں۔ وہ شخص خوف زدہ ہو گیا اور قبر پر مٹی ڈال دی۔ روتا ہوا گھر واپس آیا اور اپنی والدہ سے پوچھنے لگا کہ اماں جان، میری ہمشیرہ کیا عمل کیا کرتی تھی؟ والدہ نے کہا: تو کیوں پوچھ رہا ہے؟ اس نے سارا ماجرا گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر والدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگی: بیٹے! تیری بہن میں یہ عیب تھا کہ وہ نماز میں سستی کرتی تھی اور بے وقت نماز پڑھتی تھی۔

اسی صفحہ پر ایک اور حکایت درج ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا۔ ایک خاتون نے ہوائے نفسانی سے مغلوب ہو کر زنا کا ارتکاب کر لیا۔ زنا سے حمل ٹھہر گیا اور معینہ مدت کے بعد ایک بچے کی آفرینش ہوئی، جس کو اس نے قتل کر دیا۔ بعد میں احساسِ گناہ ہوا۔ وہ خاتون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں عرض پرداز ہوئی: یا نبی اللہ! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے، جس سے میں توبہ کرتی ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ وہ میرے گناہ بخش دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے گناہ دریافت فرمایا۔ اس کے بتانے پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہوئے اور فرمایا: اے بدکار! یہاں سے چلی جا: کہیں تیری نحوست سے آسمان شعلہ زن نہ ہو جائے، جس کی زد میں آ کر ہم بھی جل جائیں۔ خاتون شرمندہ ہوئی اور واپس لوٹ گئی۔ اسی وقت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور عرض کی: یا نبی اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ نے ایک توبہ کرنے والی کو کیوں نکال دیا۔ کیا آپ نے اس سے زیادہ بُرے شخص کو دیکھا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس سے بُرا کون ہے؟ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: اس سے بُرا وہ ہے جس نے قصداً نماز کو ترک کیا۔

گویا نماز چھوڑنے کی اتنی برائی ہے کہ اس کا گناہ ایک زنا اور قتل سے بھی زیادہ ہے۔

قیامت کے دن بے نمازی پر ذلت سوار ہوگی

جو لوگ نماز ادا نہیں کرتے روزِ محشر ان کی پشت تابنے کی بن جائے گی اور ان پر ذلت و ندامت سوار ہوگی۔ شرمندگی کے باعث وہ اپنی گردنیں جھکا کے رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ۝ (پارہ 29، سورۃ قلم)

جس دن ایک ساق کھولی جائے گی اور سجدے کو بلائے جائیں گے، تو نہ کر سکیں گے۔ نظریں نیچی کیے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ بے شک دنیا میں سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے، جب تندرست تھے۔

ثابت ہوا کہ روزِ محشر بے نمازی کے لیے بڑی پریشان کن ہوگی اور وہ اللہ کے حضور شرمسار ہوگا اور ندامت کے بارے اس کا سر جھکا ہوا ہوگا اور نظریں زمین میں گڑی ہوئی ہوں گی۔

تارکِ صلوٰۃ سے اللہ کا ذمہ بری ہو جاتا ہے

فرض نماز کا چھوڑنا اللہ کو سخت ناپسندیدہ امر ہے۔ تارک الصلوٰۃ کے نفع و نقصان کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار نہیں ہوتا۔ مشکوٰۃ، صفحہ: 18 پر معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے:

قَالَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلَاةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ وَاَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ ۝

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، اگرچہ تو قتل کر دیا جائے یا جلا دیا جائے۔ والدین کی حکم عدولی نہ کرنا، اگرچہ وہ تجھے اہل و عیال سے نکل

جانے کا حکم دیں۔ نماز فرض کو جان بوجھ کر نہ ترک کرنا، کیونکہ جو فرض نماز جان بوجھ کر ترک کرتا ہے، بے شک اللہ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے اور شرابی نہ بننا، بے شک شراب ہر بے حیائی کی جڑ ہے اور گناہوں سے بچنا کہ گناہوں سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جہاد سے دفعۃً نہ دوڑنا اگرچہ ساتھی مارے جائیں اور جب وبا پھوٹ پڑے اور ان میں تو خود ہو تو ثابت قدم رہنا اور اپنی بساط کے مطابق اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرنا۔ تنبیہ کے واسطے ان پر سے اپنا عصا نہ اُٹھانا اور اللہ کے بارے میں ان کو خوف دلاتے رہنا۔

فائدہ: حضرت معاذ بن جبل کے مندرجہ بالا قول میں 'لکڑی (عصا) نہ ہٹانا' سے مراد یہ ہے کہ بچوں کو غلط، ناجائز اور بے ہودہ باتوں پر مار پیٹ سے منع کرنا، کیونکہ بغیر مار سے ان کی تنبیہ نہیں ہوتی اور وہ نڈر ہو کر اپنی من مرضی کرتے ہیں۔ آج کل والدین ابتدائے عمر میں جوشِ محبت میں آکر بچوں کو تنبیہ نہیں کرتے بلکہ ناز و پیار میں ان کی عادتیں بگاڑ دیتے ہیں اور پھر سر پر ہاتھ رکھ کر روتے ہیں۔ مگر اشک شوئی سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ لہٰذا اولاد کو بری باتوں سے نہ روکنا، اولاد کے ساتھ محبت کے پردے میں دشمنی ہے۔ کوئی سمجھدار اور باشعور اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اولاد کے پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور نشتر محض اس وجہ سے نہ لگایا جائے کہ اس کے بچے کو تکلیف ہو گی۔ اس لے بچہ خواہ کتنا روئے چلائے، نشتر کا چرکہ لگانا ہی پڑتا ہے۔ بالکل اس طرح جیسے سونے کو کندن بنانے کے لیے لازمی ہے کہ اس کو آگ میں پھینکا جائے، اس لیے بچے کی بری عادتیں سنوارنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مار پیٹ کی جائے۔

نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کا ہو جائے تو اسے مار پیٹ کر نماز پڑھاؤ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرَ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ ۔ (رواہ احمد، مشکوۃ، صفحہ:58)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے، ان کو

نماز ادا کرنے کا حکم دو۔ جب دس کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو اور بستروں سے ان کو جدا کر دو۔

مندرجہ بالا حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی اولاد کو نماز کا پابند بنانا چاہیے، اس کے لیے لازمی ہے کہ ہم خود بھی نماز کا پابند بنیں۔ کیونکہ نفسیاتی طور پر یہ قاعدہ ہے کہ بچے وہی کرتے ہیں جو ان کے والدین کرتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ گھروں میں جب والدین نماز پڑھتے ہوں تو چھوٹے بچے بھی آکر مصلی پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے والدین کی نقل کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ خود کو نماز کا پابند بنائیں، جبھی ہم اپنی اولاد کو نماز پر قائم کر سکتے ہیں اور اس طرح ہم دربار رسالت میں سرخ روئی حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہمارے لیے تباہی و بربادی کے سامان ہیں، جن سے ہم کسی طور پر نجات حاصل نہیں کر سکیں گے۔

نماز کے چھوڑنے سے دین و دنیا کی تباہی

نماز کا ترک کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور ربِ عظیم گناہ کبیرہ معاف نہیں فرماتا۔ نماز ترک کرنے سے دنیا اور دین کی عظیم دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ ہم اس حقیقت سے خوب اچھی طرح آشنا ہیں، ہمیں خبر ہے، ہمیں علم ہے، ہم جانتے ہیں کہ نماز کے بغیر ہم نجات حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ سراسر خسارے میں رہیں گے، لیکن اس کے باوجود ہم خوابِ غفلت میں از خود محو ہیں اور نماز کو یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ سنبھلو، ہوشیار ہو جاؤ، مسلمانو! جاگ جاؤ، بیدار ہو جاؤ کہ ایک دن ہمیں سو جانا ہے۔ ابدی نیند سو جانا ہے۔ قیامت تک نہ جاگنے کے لیے سو جانا ہے، پھر ہم جاگنے کی اور بیدار ہونے کی تمنا کریں گے، مگر تمنا بر نہیں آئے گی، اس لیے ابھی وقت ہے، یعنی بوجھل مژگاں اوپر اٹھائیے۔ چشمِ حقیقت شناس کھولیے اور نماز کو اپنے لیے سرمایہ حیات بنالیں تاکہ قیامت کے دن ہم اللہ کے حضور پیش ہو سکیں۔ بصورتِ دیگر رسول اللہ ﷺ کے قول کے مطابق ہم دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تباہ و برباد ہوں گے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِيْ يَفُوْتُهُ

صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلَہٗ وَمَالَہٗ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:60)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نمازِ عصر فوت ہو جائے گی، گویا وہ اپنے اہل و عیال سے محروم ہو گیا۔

فائدہ: یوں تو نماز کی فوتگی کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، مثلاً سخت بیماری، کمزوری، لاچاری اور لاغری۔ لیکن عام طور پر نماز کے فوت ہونے کی دو وجوہ ہوتی ہیں: پہلی وجہ یہ کہ انسان اپنی اولاد کے نان و نفقے میں اس حد تک محو ہو جاتا ہے کہ نماز فوت ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ ہے کہ طلبِ مال اور حرصِ زر کی بدولت نماز فوت ہو جاتی ہے۔ ہم مسلمان نماز کے فوت ہو جانے کا کوئی افسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ اتنی افسوس کی بات ہے کہ اتنا افسوس بال بچوں کی ہلاکت اور مال و دولت کے ضیاع کا بھی نہیں ہوتا۔ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بال بچوں کی پرورش بھی تو از حد ضروری ہے۔

میرے برادر! ذرا سوچیں کہ جس اللہ نے آپ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ کیا وہ ان کی حفاظت اور نگہبانی نہیں کر سکتا۔ یقیناً کر سکتا ہے، بشرطیکہ آپ خود کو اس کے دربار میں پیش کر دیں اور سراپا عجز بن کر عرض کریں: اے اللہ تعالیٰ! میں تیری راہ میں حاضر ہوں۔ اب تو ہی میرے بچوں کی پرورش اور نگہبانی فرما۔ اپنی اولاد کے لیے خلوصِ دل سے مانگی ہوئی دعائیں دیکھیں کہ کیسے قبول نہیں ہوتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں نماز چھوڑنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک نماز کے ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس کے اہل و عیال اور مال و دولت سے محروم کر دیا گیا ہے اور وہ اکیلا رہ گیا ہے، لیکن ہم کو اس بات کا کوئی خیال نہیں۔ سیدھی بات ہے۔ میرے دوستو! دنیا میں دو ہی راستے ہیں: ایک صراطِ مستقیم ہے جو پر امن ہے۔ سایہ دار ہے، محفوظ ہے اور سیدھا جنت میں لے جاتا ہے۔ اور دوسرا راستہ پُر خطر ہے، اس میں قدم قدم پر خار سر اُبھارے کھڑے ہیں۔ اس راستے میں ڈاکو اور لٹیرے ہیں جو انسان کی جان و مال کو لوٹ لیتے ہیں۔ یہی نہیں انسان کی عزت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ راستہ بڑا پر خطر ہے اور سیدھا دہکتی ہوئی آگ یعنی جہنم میں لے جاتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ ان دو راستوں کے متعلق وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں کہ اگر نماز پڑھو گے تو سیدھے راستے پر چلو گے اور جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ اور اگر نماز نہیں پڑھو گے تو صراطِ مستقیم سے بھٹک جاؤ گے اور رانگ وے پر پہنچ جاؤ گے۔ جہاں قدم قدم پر ڈاکو تمہارے لیے دار الفنا کے سامان لئے بیٹھے ہیں۔ یہ بات بالکل جھوٹ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے ارشاد فرمانے والے ہمارے پیارے رسول نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں، جو کائنات کے سب سے بڑے محسن ہیں جو ایک عظیم انقلاب کے داعی ہیں۔ انسان کو فرش سے اٹھا کر ہمدوشِ ثریا کرنے والے ہیں، اس لیے یہ بات بالکل سچ ہے اور ہمیں بچنا چاہیے ایسے راستوں سے جن میں قدم قدم پر ڈاکو ہماری جان اور مال لوٹنے کے لیے سر پر کفن باندھے شمشیر بکف بیٹھے ہیں۔ ہم ہی نہیں اغیار بھی نبی کریم ﷺ کے صادق ہونے پر شاہد ہیں۔ ہم ان کے پیروکار ہو کر ان کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ان ہی خطرناک راستوں پر بڑھ رہے ہیں۔

بے نمازی کی نجات نہیں ہوگی

نماز ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے اتنی اہم ہے جتنا بھوک مٹانے کے لیے کھانا ضروری ہے۔ کھانا تناول کرنے کے عمل کو ہم بے دلی سے نہیں کرتے بلکہ دل جمعی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز بھی دل جمعی سے ادا کرنا چاہیے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ ایک دن نماز کا ذکر فرما رہے تھے۔ دورانِ کلام آپ نے فرمایا:

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَّهٗ نُوْرًا وَّ بُرْهَانًا وَّلَا نَجَاةً وَّ كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔

جس نے نماز کی حفاظت کی ہوگی، وہ نماز اس کے لیے نور، برہان اور قیامت کے دن نجات ہوگی اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی ہوگی تو وہ نماز اس کے لیے نہ نور ہوگی، نہ برہان اور نہ قیامت کے دن اس کی نجات ہوگی۔ اور وہ قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کی معیت میں ہوگا۔

فائدہ: قارون بنی اسرائیل کا ایک امجد و کبیر آدمی تھا اور جناب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کزن تھا۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو زکوٰۃ کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں اللہ کے حکم سے انکار کر دیا، کیونکہ زکوٰۃ کے لیے حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے کہا تھا۔ اس سے انکار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال و دولت کے ہمراہ اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ فرعون ایک کافر بادشاہ تھا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی خدائی کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا اور عمان اسی کافر بادشاہ کا نائب اور وزیر اعظم تھا۔ اُبی بن خلف مشرکینِ مکہ میں سے تھا اور اسلام کا شدید دشمن تھا، تاجرانِ مکہ میں سے تھا۔

مولانا ابن حجر مکی زواجہ میں، عبدالرحمٰن صفوری نزہۃ المجالس اور شیخ احمد قشنی مجالسِ سنیہ میں رقم کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قیامت کے دن ان کے ساتھ حشر کیا جائے گا، کیونکہ ان چاروں نے اللہ کی عظمت کا انکار کیا اور بے نمازی بھی اللہ کی عظمت سے انکار کرتا ہے۔ اکثر چھوڑی جانے والی نماز کی ایک وجہ یہ ہے کہ حکومت اور سلطنت کا حصول۔ جس کو حکومت اور سلطنت مل جاتی ہے تو اس کے دماغ میں آٹومیٹیکلی فرعونیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان خود کو اَوروں سے برتر و اعلیٰ خیال کرنے لگتا ہے اور سلطنت کے کاموں میں یوں مشغول رہتا ہے کہ نماز کا دھیان تک بھی نہیں رہتا۔ فرعون بھی سلطنت پا کر اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ اس لیے سلطنت کا کاروبار چلانے والا کا حشر بے نمازی فرعون کے ساتھ جائے گا۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے، مشاہدے کی بات ہے کہ جس شخص کے پاس مال و دولت ہو، وہ نماز سے غافل ہو جاتا ہے۔ مال و دولت کی وجہ سے نماز چھوڑنے والے کا حشر قارون کے ساتھ ہوگا۔ نماز چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان وزارت یعنی ملازمت اور مصاحبت کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے نماز میں سستی کرتا ہے۔ ملازمت کو برقرار رکھنے کے لیے نماز کو چھوڑنے والا شخص قیامت میں ہامان کے ساتھ ہوگا اور تجارت میں مخمورہ کر نماز چھوڑنے والے کا حشر اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

ترکِ نماز کی نحوست

بے نمازی اتنا منحوس ہے کہ اس کی نحوست دوسری اشیا پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:90 پر ایک حکایت درج ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے برگزیدہ بندے آہنگ مسافرت تھے۔ منازل طے کرتے ہوئے برلبِ دریا پہنچے۔ ملاحظہ ہوا کہ دریا کی مچھلیاں ایک دوسرے کو اپنی غذا بنا رہی ہیں۔ بزرگ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دریا میں بھی قحط سالی کا اثر سرایت کرے گا۔ اسی وقت ہاتفِ غیبی سے ندا آئی: اے عبد! اس دریا کی مچھلیاں ایک دوسرے کو کھا رہی ہیں۔ اس کی وجہ قحط سالی نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں سے ایک بے نمازی گزر رہا تھا۔ سفر کی وجہ سے پیاس محسوس کر رہا تھا۔ پانی دیکھ کر پینے کا ارادہ کیا اور چلو بھر کر منہ میں ڈال لیا۔ پانی چونکہ کھارا تھا، اس لیے اس نے منہ کا پانی واپس دریا میں پھینک دیا اور اس بے نمازی کے جھوٹے کی وجہ سے دریا میں قحط کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

حکایت: ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بستی کے قریب سے گزرے، دیکھا کہ اس بستی میں نہریں جاری ہیں۔ جا بجا سایہ دار شجر سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ بستی بڑی بارونق اور جنت کا نمونہ تھی۔ اہلِ بستی کے پاس طعام میں طرح طرح کے لوازمات تھے اور ان کے پاس حسین و خوبصورت لڑکیاں اور لڑکے تھے۔ اس بستی کے مکین بڑے عبادت گزار تھے۔ یہ دیکھ کر سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑی مسرت ہوئی اور آپ آگے بڑھ گئے۔ تین سال کے بعد واپس تشریف لائے تو صورتِ حال بدلی ہوئی تھی۔ نہ سایہ دار درخت تھے، نہ سبزہ کا نام و نشان تھا۔ مکان منہدم تھے اور آبادی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ خداوند عظیم نے جبریل کو وحی دے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے روح اللہ! بات یہ ہے کہ یہاں سے ایک بے نمازی کا گزر ہوا۔ اس نے چشمے پر اپنا چہرہ دھویا۔ پس اس بے نمازی کی وجہ سے چشمے خشک ہو گئے، درخت سوکھ گئے اور بستی تباہ و برباد ہو گئی۔ اے عیسیٰ علیہ والسلام! جب نماز

دین کو گرا سکتی ہے تو دنیا بھی لازمی طور پر تباہ و برباد کر سکتی ہے۔

بعض صحابہ کے نزدیک بے نمازی کافر ہے

یہ حکایت نزہۃ المجالس، صفحہ: 91 پر اور درۃ الناصحین، صفحہ: 306 پر بھی مرقوم ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔

حضرت عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے کسی عمل کو کفر خیال نہیں کرتے، سوائے نماز کے۔

فائدہ: بہت سی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز کا ترک قصداً کفر ہے۔ بعض صحابۂ کرام اور امیر المومنین فاروق اعظم، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، ابوہریرہ اور ابوداؤد کا یہی مذہب ہے۔ اس طرح ائمۂ کرام میں احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک اور امام نخعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ گرچہ امام اعظم ابوحنیفہ، دیگر ائمہ اور بہت سے صحابۂ کرام بے نمازی کو کافر خیال نہیں کرتے۔ پھر بھی کیا یہ معمولی اور کم بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک بے نمازی کافر ہے۔

(بہار شریعت، جلد: 3، صفحہ: 10)

تذکرۃ الواعظین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تین بلاؤں میں مبتلا فرماتا ہے۔ چہرے کا نور اُٹھ جاتا ہے۔ مرنے کے وقت اس کی زبان لڑکھڑا جائے گی۔ مرنے کے وقت زبان پر کلمۂ شہادت نہیں آئے گا۔ لہٰذا بے ایمان مرے گا۔

مجالس الابرار میں آنحضور ﷺ سے مروی ہے کہ جس شخص نے نماز سے غفلت برتی، یہاں تک کہ نماز کا وقت جاتا رہا، اس شخص کو کئی حقبہ تک دوزخ میں جلنا پڑے گا۔ ایک حقبہ اسی برس کا اور ہر برس 360 دن کا ہوگا اور ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ گویا دنیاوی حساب سے ایک نماز چھوڑنے والے کو ایک حقبہ کے لیے دس ارب چھتیس کروڑ اور اسی لاکھ

دن تک یعنی تقریباً دو کروڑ چھیاسی لاکھ اٹھاسی ہزار آٹھ سو ننانوے سال تک جہنم میں جلنا ہوگا۔ یہ صرف ایک حقبہ ہے۔ اللہ جانے کتنے حقبے سزا ملے گی اور پھر یہ سزا ایک نماز چھوڑنے کی ہے۔ جس نے پانچ نمازیں چھوڑیں، اس کا کیا حال ہوگا اور کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو شخص ساری زندگی نماز نہ پڑھے، اس کا کیا حشر ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک دن کسی دوسرے کو نماز کی امامت کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کروں۔ پھر دو مضبوط اور نوجوان آدمیوں کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھوں اور ان لوگوں کے گھروں میں جا کر آگ لگا دوں۔ تباہ و برباد کر دوں جو لوگ اذان کی آواز سنتے ہیں مگر نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں نہیں آتے۔ (تذکرۃ الواعظین)

نماز کے بے شمار فوائد ہیں، دنیاوی بھی اور اُخروی بھی۔ دنیاوی فائدوں میں سے وقت کی پابندی، نظم وضبط، اتحاد و اتفاق، اطاعت و فرمانبرداری عام ہیں اور اخروی فائدے تو اتنے ہیں جن کو خاطر تحریر میں لانا مشکل ہے۔ نماز کی بدولت ہی ہماری نجات ہوگی، ورنہ ہم فلاح نہیں پا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔

بے شک ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 8 پر مرقوم ہے کہ حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہے کہ جس نے نماز کا کوئی وقت اپنی غفلت سے گنوا دیا۔ اس نے خود کو بن چھری کے ہلاک کر دیا اور جس نے دو وقت کی نماز سے غفلت برتی گویا وہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہو گیا اور جس نے تین وقت کی نماز چھوڑی، اس نے حضور ﷺ کی روح کو گور میں تکلیف دی اور جس نے چار وقت کی نماز چھوڑی، اس نے گویا تمام آسمانی کتابوں کی تکفیر کی اور جو شخص پانچوں وقت کی نماز چھوڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نہایت غیض و غضب کے عالم میں ندا کرتا ہے۔ اے نافرمان، باغی! میں تجھ سے بیزار ہوں اور تو مجھ سے الگ ہے، بس میرے آسمان اور زمین سے دور ہو جا اور اپنا کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈ لے۔ ایسا شخص دنیا سے توبہ کرنے سے قبل ہی مر جاتا ہے۔

بے نمازی سے شیطان بھی بھاگتا ہے

تفسیر سورۂ فاتحہ میں ہے: اِنَّ رَجُلًا کَانَ یَمْشِیْ فِی الْبَادِیَةِ فَوَافَقَهُ الشَّیْطَانُ یَوْمًا لَمْ یُصَلِّ الرَّجُلُ الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَلَمَّا صَارَ وَقْتُ الْمَنَامِ اَرَادَ الرَّجُلُ اَنْ یَّنَامَ فَهَرَبَ الشَّیْطَانُ عَنْهُ قَالَ الرَّجُلُ تَهْرَبُ مِنِّیْ فَقَالَ الشَّیْطٰنُ اِنِّیْ عَصَیْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی فِیْ مُدَّةِ عُمْرِیْ مَرَّةً فَکُنْتُ مَلْعُوْنًا وَاَنْتَ عَصَیْتَ فِی الْیَوْمِ خَمْسَ مَرَّاتٍ وَاَخَافُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ یَّغْضَبَ عَلَیْكَ وَیَقْهَرَنِیْ مَعَكَ بِسَبَبِ عِصْیَانِكَ۔

ترجمہ: ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا۔ راستے میں شیطان اس کا ہم سفر ہوا۔ ایک دن اس (شخص) نے نمازِ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء نہ پڑھی۔ جب سونے کا وقت آیا اور اس نے سونے کا ارادہ کیا، پس شیطان اس سے بھاگا۔ اس شخص نے کہا مجھ سے کیوں بھاگتا ہے؟ شیطان نے کہا: عمر میں مجھ سے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی ہوئی پس میں ملعون ٹھہرا اور تو نے آج کے دن پانچ مرتبہ نافرمانی کی۔ پس مجھے خوف خدا تعالیٰ کا ہے کہ وہ تیرے گناہ کے سبب تیرے ہمراہ مجھ پر بھی قہر اور غضب کرے۔ نماز کے بارے میں پنجابی کے مشہور شاعر وارث شاہ لکھتے ہیں:

وارث شاہ نماز دا فرض وڈا
اینوں سروں لاوئے دلبر دا واسطہ ای

وارث شاہ اپنے محبوبِ حقیقی ﷺ کا واسطہ دیتے ہوئے نماز پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں، کیونکہ تارکِ صلوٰۃ سے جانور تک بھی دور بھاگتے ہیں۔

رونق المجالس میں تحصیل بن ابی طالب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محوِ سفر تھا۔ ہم دونوں چلے جا رہے تھے۔ اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور پکار کر کہا: الامان الامان، یارسول اللہ! تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس اونٹ کے پیچھے ایک اعرابی برہنہ شمشیر

ہاتھ میں لیے ہوئے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا ارادہ ہے اس مسکین کے لیے؟ اعرابی نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اس اونٹ کو بھاری قیمت دے کر خریدا ہے۔ مگر اب یہ میری فرماں برداری نہیں کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو ذبح کروں اور اس کے گوشت سے فائدہ لوں۔ نبی کریم ﷺ نے اونٹ سے نافرمانی کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اونٹ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں دیگر اُمور سے تو روگردانی نہیں کرتا، مگر اس کے اعمالِ بد سے نافرمانی کرتا ہوں۔ یہ شخص اس قوم میں سے ہے جو سوئے رہتے ہیں اور عشاء کی نماز ادا نہیں کرتے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر نازل ہو اور میں بھی اس کی لپیٹ میں آ جاؤں اور ناحق مارا جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص سے وعدہ لیا کہ وہ نماز نہیں چھوڑے گا۔ یہ وعدہ لے کر آپ نے اونٹ اس اعرابی کے سپرد کیا اور اونٹ فرماں بردار بن گیا۔

فائدہ: نماز ترک کرنے کی برائی یہ ہے کہ جانور بھی اس سے الرجک ہو جاتے ہیں اور دل سے کام نہیں کرتے۔ نتیجتاً اس کو خسارہ رہتا ہے، لیکن نماز پڑھنے سے جانور بھی خوش ہوتے ہیں اور دل لگا کر کام کرتے ہیں، جس کا منطقی نتیجہ فائدے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

انیس المجالس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک بے نمازی کی برائی اس کے ستر ہمسایوں تک پہنچتی ہے، بلکہ حضرت آدم تک کے سب مومنوں کو پہنچتی ہے۔ کیونکہ جب نمازی تشہد پر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ۔ تو اس کا ثواب تمام مومنین کی ارواح کو پہنچتا ہے، جب کہ بے نمازی اس کے بالکل الٹ ہے۔ یعنی اس کی برائی جملہ مومنین کو پہنچتی ہے۔

بے نمازی کا چہرہ کالے سور کی طرح ہوتا ہے

حدیث پاک میں ہے: رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ یَوْمًا مَعَ اَصْحَابِهٖ وَجَاءَ شَابٌّ مِنَ الْعَرَبِ اِلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ یَبْکِیْ فَقَالَ مَا یُبْکِیْكَ یَا شَابُّ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ اَبِیْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کَفَنٌ وَلَا

غَاسِلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَذَهَبَا إِلَى الْمَيِّتِ فَرَاٰهُ مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ فَرَجَعَا إِلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَا رَأَيْنَاهُ إِلَّا مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَامَ إِلَى الْجَنَازَةِ فَدَعَا فَصَارَ الْمَيِّتُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الْاُوْلٰى وَصَلّٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةَ وَ اَرَادُوا الدَّفْنَ فَرَئٰى كَالْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ يَا شَابُّ اَيَّ عَمَلٍ كَانَ يَعْمَلُ اَبُوْكَ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ كَانَ تَارِكُ الصَّلٰوةِ فَقَالَ يَا اَصْحَابِيْ اُنْظُرُوْا حَالَ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ يَبْعَثُهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِثْلَ الْخِنْزِيْرِ الْاَسْوَدِ نَعُوْذُ بِاللهِ تَعَالٰى مِنْهَا ۔ (بہجۃ الانوار)

ترجمہ: روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ ایک صحابی کے ہمراہ بیٹھے تھے اور ایک نوجوان عرب روتا ہوا در مسجد پر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے نوجوان! تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا: میرے والد نے وفات پائی ہے اور اس کو کفن اور غسل دینے والا کوئی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو حکم دیا، پس یہ دونوں میت کے پاس گئے۔ دیکھا کہ وہ کالے سؤر کی طرح ہے۔ پس دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہم نے اس کو کالے سؤر کی طرح دیکھا ہے۔ پس حضور ﷺ نے اس جنازے کے قریب کھڑے ہو کر دعا مانگی، جس سے مردہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر آنحضور ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ لوگوں نے اسے دفن کرنا چاہا تو وہ پھر کالے سؤر کی طرح ہو گیا۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا: اے نوجوان! تیرا باپ دنیا میں کیا کام کرتا تھا؟ نوجوان نے کہا کہ بے نمازی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے میرے اصحاب! دیکھو بے نمازی کا حال۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کالے سؤر کی طرح اُٹھائے گا۔ **نعوذ باللہ من ذلك۔**

اللہ تعالیٰ سے میری پر خلوص دعا ہے کہ وہ ہم مسلمانوں کو سیدھی راہ پر چلائے اور نماز کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

□□□

تیرہواں وعظ

مشروعیتِ اذان، فضیلتِ اذان، مسائلِ اذان

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اس سے اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھے اعمال کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

برادرانِ اسلام! اس کائنات آب وگِل میں ہر کام کرنے کا ایک اُصول اور باحسن ضابطہ مقرر ہے۔ اگر ہم مقرر کردہ حسین اور با اصول روش سے ہٹ کر کسی کام کو سرانجام دیں گے تو نہ صرف وہ کام درست نہ ہو گا بلکہ دیگر لوگوں کو بھی بُرا محسوس ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے طرح طرح کی غلط فہمیاں عالم وجود میں آ جائیں۔ مثال کے طور پر ہم کسی محفل میں موجود ہیں اور ہمیں کھانا تناول کرنا ہے۔ اب کھانا تناول کرنے کے کچھ ضابطے مقرر ہیں۔ مثلاً اپنے آگے سے کھانا، آہستہ آہستہ اور چبا چبا کر کھانا، کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھوں کو گندگی سے پاک کرنا وغیرہ۔ اب اگر ہم ہاتھوں کو گندگی سے پاک نہیں کرتے، کھانا اپنے آگے سے نہیں کھاتے، بلکہ ہاتھ بڑھا کر دوسروں کے آگے سے کھاتے ہیں اور جلدی جلدی کھاتے ہیں تو ہر دیکھنے والا شخص غلط تاثر لے گا۔ ہاتھ کی گندگی سے یہ سمجھے گا کہ یہ شخص زندگی کے دوسرے اُمور میں بھی گندہ رہنا پسند کرتا ہے اور ہاتھ بڑھا کر کھانا کھانے سے دوسرا شخص یہی گمان کرے گا کہ یہ شخص بدتمیز ہے اور جلدی کھانا اس بات کا غماز ہے کہ زیادہ کھانے سے پیٹ بھرنے کا لالچ ہے۔ نیز یہ کہ یہ شخص لالچی ہے۔ بات یہیں پر ہی اختتام پذیر نہیں ہو جاتی۔ اگر ہم کھانا کھانے کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے کھائیں تو سب سے قبل ہم ہاتھ

دھوتے ہیں اور ہاتھوں سے گندگی اُتار دیتے ہیں۔اس سے ایک تو یہ کہ ہر دیکھنے والا صفائی پسندی کا تاثر لیتا ہے اور دوسرے صفائی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے اور ہمارے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلطَّھَارَۃُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ. اَلطَّھَارَۃُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ. پاکیزگی نصف ایمان ہے۔یعنی پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔گویا صفائی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور اس کا رسول بھی۔اگر ہاتھ نہیں دھوتے تو اللہ بھی ہم سے خوش نہیں ہوگا اور اس کا محبوب بھی ناراض ہوگا۔

اپنے آگے سے کھانا کھانے کا ایک حسین اُصول ہے۔اگر ہم اس سے انحراف کریں گے تو گویا دوسروں کی حق تلفی کریں گے، کیونکہ جب ہم ہاتھ بڑھا کر دوسرے کے آگے سے کھانا لیں گے تو صاف طور پر عیاں ہے کہ ہم دوسرے فرد کے حصے کا کھانا کھا رہے ہیں۔اب یہاں پر ایک بات اور ظہور پذیر ہو سکتی ہے کہ دوسرا فرد ہمارے آگے سے کھانا شروع کر دے گا۔گویا اس طرح سے برائی پھیلتی ہے اور ہم دانستگی میں برائی پھیلانے کا محرک بن جاتے ہیں۔تیسری بات یہ کہ اگر ہم جلدی جلدی کھائیں گے تو ظاہر ہے کہ ہمارا کھانا جلد ختم ہو جائے گا۔اب چونکہ ہم محفل میں ہیں، اس لیے اپنا کھانا کھا کر اُٹھ نہیں سکتے۔لازمی امر ہے کہ ہم دوسروں کے کھانے میں شریک ہوں گے اور اس کا کھانا بھی کھائیں گے، یعنی ہم اکیلے ایک آدمی کی خوراک سے زیادہ کھائیں گے۔صاف ظاہر ہے کہ ہمارا معدہ اس کو ہضم نہیں کرے گا اور ہمیں پیچش کی شکایت ہو جائے گی، جس کے علاج کے لیے ہمیں بالضرور ڈاکٹر چاہیے۔اس کے برعکس اگر ہم آہستہ آہستہ اور چبا کر کھائیں گے تو ایک تو یہ کہ محفل کا ساتھ دیں گے اور دوسرے یہ کہ کھانا ساتھ ہی ہضم ہو کر بعد میں ہمارے لیے باعثِ پریشانی نہیں ہوگا۔اس طرح دیگر اُمورِ زندگی میں بھی کچھ ضابطے اور اُصول مقرر ہیں جو حسین بھی ہیں اور پُر لطف بھی۔اگر ہم ان سے انحراف کریں گے تو سخت خسارے میں رہیں گے۔جس طرح ہر کام کا ایک طریقہ مقرر ہے، اس طرح عبادت کے بلاوے کے لیے بھی ایک طریق کار ہے اور ہر مذہب میں اس کے انداز مختلف ہیں۔ہندو پجاریوں کو عبادت کا بلاوا اس طرح دیتے ہیں کہ عبادت کے وقت مندروں میں گھنٹیاں بجاتے ہیں۔عیسائی گرجا گھروں میں سنکھ بجا

کر اعلانِ عبادت کرتے ہیں۔یہودی اپنی عبادت گاہوں میں ناقوس اور گھنٹی بجا کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ عبادت کا وقت ہو گیا ہے۔سکھ مذہب کے لوگ عبادت کے لیے دوسرے لوگوں کو بلانے کے لیے گردوارے میں طبلے پر چوٹ لگا کر اس کی صدا بلند کرتے ہیں۔جبکہ دینِ اسلام کے پرستار اور شیدائی عبادت کے لیے اذان دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا طریقوں میں سب سے بہترین طریقہ دینِ اسلام کا ہے۔دیگر تمام طرائق جھوٹے، غلط اور باطل ہیں۔نیز تقاضائے عبادت کی نفی کرتے ہیں۔مزید یہ کہ اپنے مقصود کی وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔جب گھنٹی یا ناقوس بجایا جاتا ہے یا طبلہ بجایا جاتا ہے تو اس سے حتمی طور پر یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ طبلہ، یہ گھنٹی اور یہ ناقوس کس مقصد کے لیے بجایا جا رہا ہے۔عبادت کے لیے بجایا جا رہا ہے یا کسی شادی بیاہ کی رسم پر بجایا جا رہا ہے یا کسی اسٹیشن پر ٹرین کی آمد کی اطلاع دی جا رہی ہے، یا کسی اسکول میں چھٹی کا وقفہ ہونے پر گھنٹی بجائی جا رہی ہے، یا کہیں کوئی مداری لوگوں کو اپنے کھیل سے محظوظ کرنے کے لیے ڈھول پیٹ رہا ہے۔

مشروعیتِ اذان

دینِ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو اذان کا حکم دیا ہے۔یہ طریقہ سب طریقوں سے عمدہ اور بہتر ہے۔جس طرح دینِ اسلام دیگر ادیان سے منفرد اور ممتاز ہے، اسی طرح اس میں عبادت کی طرف بلانے کا طریقہ بھی دیگر ادیان کے طریقوں سے منفرد اور ممتاز ہے۔اذان دینے کا آغاز یوں ہوا کہ جب ابتدائے اسلام میں مسلمان مکی کفار سے تنگ آ کر اللہ کے حکم سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر گئے، اس وقت اذان دینے کا رواج نہیں تھا، جس کی وجہ سے نماز کے مقررہ ٹائم پر صحابہ کرام کو جمع ہونے میں دشواری ہونے لگی، کیونکہ بعض اوقات ٹائم کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ایک روز صحابہ کی مجلسِ شوریٰ قائم ہوئی، جس میں مشورہ کیا گیا کہ نماز کے لیے کسی ایسی نشانی یا علامت کو مقرر کیا جائے جس کو دیکھ کر یا سن کر مسلمان آسانی سے جمع ہو سکیں۔کسی نے مشورہ دیا کہ سنکھ بجایا جائے۔کسی نے ڈھول پیٹے جانے کا نظریہ پیش کیا۔ان تمام رائے کو قبول نہ کیا گیا اور یوں معاملہ طے کیے بغیر صحابہ کرام اپنے

گھروں کو لوٹ گئے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی رات کو جب کہ میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں ایک ایسے شخص کو ملاحظہ کیا، جس نے ہاتھوں میں ناقوس تھاما ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: میاں! یہ ناقوس بیچنا پسند کرو گے۔ اس نے مجھ سے ناقوس کا مصرف پوچھا۔ میں نے جواب دیا: اس سے لوگوں کو نماز کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا کہ کیا میں تمھیں لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کا اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں۔ میں نے کہا فرمایئے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا: کہا کرو: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور پھر انھوں نے اقامت بھی کہہ دی۔ صبح ہوئی۔ مَیں بیدار ہوا اور نبی کریم ﷺ کے دربار میں جا کر اپنا خواب عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا: انہا لرؤیا حق ان شاء اللہ۔ ان شاء اللہ یہ خواب برحق ہے۔ لہٰذا تم بلال کو یہ الفاظ از بر کرا دو اور آئندہ سے بلال یہ کلماتِ اذان بلند کیا کریں گے۔ کیونکہ ان کی آواز میں بلند آہنگی ہے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو اذان سن کر حضرت عمر فاروق، نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض پرداز ہوئے: یارسول اللہ! میں نے بھی اس طرح خواب ملاحظہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا:

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی، مشکوۃ، صفحہ: 64)

اور اس طرح اذان کا آغاز ہوا۔ اذان کے کلمات اللہ تعالیٰ کی توحید، نبی کریم ﷺ کی رسالت پر شاہد ہیں۔ مسلمانوں کے لیے بھی بھلائی کے پیامبر ہیں۔ اذان کے شروع میں مؤذن چار مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور چار مرتبہ پیدا کرنے والے کی عظمت اور بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اللہ بڑا عظیم ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اللہ بڑا عظیم ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللہ بڑا عظیم ہے۔ تین مرتبہ برملا اقرار کے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اللہ بڑا ہے، عظیم ہے۔ اس کے بعد اپنے پروردگار کی عظمت اور بڑائی کا ثبوت دیتا ہے کہ اللہ کس طرح عظیم ہے۔ مؤذن بیان کرتا ہے، اس وجہ سے عظیم ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مَیں شاہد ہوں کہ اللہ تعالیٰ لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اگر کوئی لائق عبادت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ باطل ہے اور کذاب ہے۔ اہلِ جہاں کے

دلوں سے اثراتِ ریب زائل کرنے کے لیے اس اعلان اور شہادت کو دہراتا ہے تا کہ دنیا والے اچھی طرح سے سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ واقعی عظیم ہے اور صرف وہی لائق عبودیت ہے۔ پھر اپنے پیارے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور جس طرح پہلے اللہ کی وحدانیت اور لائق عبادت ہونے کی اناؤنسمنٹ دوبارہ کرتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اقرار کو بھی دوبارہ ادا کرتا ہے تا کہ ان کی رسالت میں کسی کو شک نہ رہے۔

مندرجہ بالا تمہید کے بعد مؤذن اصل مضمون کی طرف آتا ہے کہ وہ کیوں اللہ کی عظمت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی دے رہا تھا، اس لیے کہ ان کے حکم کو بجالانے کا ٹائم آ گیا ہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ آؤ نماز طرف۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ آؤ نماز کی طرف۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ آؤ فلاح کی طرف، آؤ فلاح کی طرف۔ یعنی نماز کی طرف اس لیے بلایا جا رہا ہے کہ نماز میں دنیا جہاں کی بھلائیاں پنہاں ہیں۔ ان بھلائیوں کو حاصل کرنے کے لیے نماز کی طرف آؤ، تا کہ تمھیں دنیا جہاں کی بھلائیاں حاصل ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر اللہ کی عظمت کا اقرار کر کے کہتا ہے۔ ہمیں اپنے اللہ کی عظمت کا اعتراف کرنا چاہیے کیونکہ وہ لائق عبادت ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے: لا الہ الا اللہ۔ اللہ ہی معبود ہے، ہمیں اول و آخر اسی کی عبادت کرنا چاہیے۔

مقاماتِ اذان

جب بچہ پیدا ہو تو اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ اس سے بچہ اسلامی اقدار سے روشناس ہوتا ہے۔ اگر کوئی مغموم ہو تو اس کا غم دور کرنے کے لیے اس کے کان میں اذان دی جائے۔ بدمزاج شخص کا مزاج تبدیل کرنے کو اس کے کان میں اذان دینا چاہیے۔ اگر آگ لگ جائے اور کسی طور پر قابو میں نہ آئے تو اس وقت اذان دینے سے آگ بجھ جائے گی۔ اگر جنگل میں مسافر اپنی منزل کا راستہ گم کر بیٹھے تو

اذان کی بدولت راستہ مل جائے گا۔ مرگی کے مریض کے کان میں بھی اذان کہہ سکتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ مرگی کا مرض ختم ہوجائے گا۔ اذان کا ایک مقام میت کے دفن کرنے کے بعد قبر ہے۔ قبر پر اذان دینے کے جوابات میں آسانی ہوجاتی ہے۔ (درمختار، بحوالہ بہار شریعت)

اذان کا ایک موقع وہ بھی ہوتا ہے جب کہ ظالم بادشاہ کے ظلم انتہا کو پہنچ جائیں۔ اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لیے بھی اذان دینی چاہیے۔

اذان سنتِ مؤکدہ ہے

فرض نماز کی ادائیگی کے لیے پانچ وقت اذان دینے کے متعلق سخت تاکید کی گئی ہے۔ اگر کسی علاقے میں اذان نہ دی جائے تو اس کا گناہ سب اہلیانِ علاقہ پر ہوگا اور خلیفۂ اسلام پر لازم ہے کہ ان کو قید کر کے جیل خانہ میں ڈال دے۔ (درمختار)

مؤذن کیسا ہونا چاہیے

اذان دینے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں: مرد ہو، صاحب عقل ہو، بالغ ہو، متقی اور پرہیزگار ہو، وقت کو پہچاننے والا ہو اور آواز میں بلند آہنگی کا حامل ہو۔

جب اذان دینے کا وقت آئے تو کسی اونچے چبوترے پر کھڑا ہو کر دونوں کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر ٹھہر ٹھہر کر اذان دینی چاہیے۔ (عامۂ کتب)

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 53 پر مرقوم ہے کہ فقیہ ابولیث رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤذن کے لیے دس باتوں کی پابندی کرنا لازمی ہے تاکہ اس کو نماز کی اذان کا مکمل کامل ثواب حاصل ہو اور فضیلت کا ثواب حاصل ہو۔

1- نماز کا وقت پہچانے اور اس کا پابند رہے۔

2- نماز کے وقت اختلافات کو محفوظ رکھے اور اس اختلاف کی وجہ سے اذان میں تاخیر نہ کرے۔

3- اگر خود حاضر ہو اور مسجد میں کوئی شخص اذان دے تو اس سے ناخوش نہ ہو۔

4- اذان کے کلمات کو احسن طریقے سے ادا کرے۔

5- اذان دینے پر اللہ سے ثواب کا طالب رہے اور لوگوں پر اپنے عمل کا احسان نہ جتائے۔

6- لوگوں کو احسن اعمال کی ترغیب دے اور بری باتوں سے منع کرے اور امیر و غریب دونوں کے سامنے حق بات زبان پر لائے۔

7- اذان کے بعد امام کا اس حد تک انتظار کرے کہ نمازیوں پر شاق نہ گزرے۔

8- اگر مسجد میں اس جگہ کوئی دوسرا نمازی بیٹھے تو اس پر ناراض نہ ہو۔

9- اذان اور جماعت کے درمیان الگ فرض نماز نہ پڑھے۔

10- ایک مسجد کا پابند ہو کر نہ رہے، کیونکہ اس سے حق تلفی کا اندیشہ ہے اور لڑکوں کی صحبت سے پرہیز کرے۔

فضیلتِ اذان

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 51 پر مرقوم ہے کہ احادیث شریف بتاتی ہیں کہ آنحضور ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیں، جس سے میں بہشت میں داخل ہوجاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی قوم کے مؤذن بن جاؤ تاکہ وہ تمہاری وجہ سے اپنی نماز ادا کرنے کے لیے ٹھیک وقت پر جمع ہوسکیں۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اذان دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے بدلے جنت ملتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین کے اسی صفحہ پر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ درج ذیل آیت مؤذن حضرات کے بارے میں نازل کی گئی ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ وَ عَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اس سے اچھے قول والا کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے، اچھے اعمال

کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔۔۔ یہاں پر اللہ کی طرف بلانے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز کے لیے بلائے اور نیک اعمال سے مقصود یہ ہے کہ اذان اور میان کچھ نوافل وسنت ادا کرے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ مسلم مشکوۃ ص:64)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب سے طویل ہوں گی۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ میں گردن لمبی ہونے کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ لمبی گردنیں ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے اعمالِ صالحہ بکثرت ہوں گے اور اپنے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ نہیں ہوں گے، کیونکہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کسی سے کوئی غلط کام سرانجام پاجائے تو بارِ ندامت سے ان کی گردن جھک جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان مثل گوز کے اس سے دور بھاگتا ہے۔ اتنی دور کہ وہاں تک اذان کی آواز نہ سنائی دے۔ جب اذان تمام ہوتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ پھر جب اقامت پڑھی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے۔ جب ختم ہوجاتی ہے تو آن موجود ہوتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کرو، جو اس سے قبل یاد نہ تھی۔ یہاں تک کہ آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نماز کتنی رکعت پڑھی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيْ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَّ ثَلٰثِيْنَ مِيْلًا۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ، صفحہ:66)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان کی ندا سن کر

شیطان اتنی دور بھاگ جاتا ہے جیسے روحا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ روحا کا مدینہ سے فاصلہ 36 فرلانگ ہے۔

مؤذن کے حق میں جن وانس اور حجر و شجر کی دعائے مغفرت

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:51 پر مرقوم ہے کہ قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اذان دینے والے کی آواز جہاں تک احاطہ کرتی ہے، اس احاطے کی تمام اشیا اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور جتنے لوگ اس کے ساتھ شریکِ نماز ہوں گے، ان سب کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔ نیز ان نمازیوں کے ثواب میں کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی۔ جو شخص ایک سال تک مؤذن کے فرائض انجام دیتا رہے قیامت کے دن وہ شہدا کے زمرے میں سے اُٹھے گا اور جو تین برس تک مؤذن رہے، قیامت کے دن وہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ساتھ اُٹھے گا اور مؤذن کے لیے ہر شے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دریائی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ اس طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ، صفحہ:24)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن و انسان اور کوئی شے مؤذن کی انتہائے آواز نہیں سنتے مگر قیامت کے دن ان کے واسطے گواہی دیں گے۔

مؤذن کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ امین ہیں اور اللہ سے عرض پیرا ہیں کہ: یاالٰہی! ان کو بخش دے۔

مسلمانو! ذرا غور فرمائیں کہ جس کے حق میں سرورِ کائنات ہمارے پیارے رسول ﷺ مغفرت کی دعا کریں کیا اس کی بخشش میں کسی قسم کا کوئی شک موجود رہ سکتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ

ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ۝ (رواہ احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ یا اللہ! تو ہدایت دے اماموں کو اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

مندرجہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مؤذن نبی کریم ﷺ کے نزدیک اتنا محبوب ہے کہ آپ اس کے لیے مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جن کے حق میں نبی کریم ﷺ دستِ دعا پھیلاتے ہیں، کیونکہ ابھی دعا کے الفاظ آپ کے ہونٹوں سے جدا بھی نہیں ہو پاتے کہ ان پر مستجابیت کی اسٹمپ مہر لگ جاتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِباً كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ۝ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ: 65)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغرضِ ثواب سات سال تک اذان دے تو اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھی جاتی ہے۔

تذکرۃ الواعظین کے مطابق جو شخص سات برس تک اذان دیتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے ساتوں طبقوں کے عذاب سے آزادی دے دیتا ہے اور جب مؤذن مرتا ہے تو اس کو عذابِ قبر نہیں ہوتا اور جانکنی کی سختی میں اسے کوئی ایذا نہیں ہوتی اور مدفون ہونے کے بعد فشارِ قبر سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُ رَبُّكَ مِنْ رَاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَأْسِ شَظِيَّةٍ لِلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۝ (رواہ ابوداؤد ونسائی، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ

بکریوں کے چرواہے سے راضی ہوتا ہے، جب وہ پہاڑوں کی چوٹی کے بیچ نماز کے لیے اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ پس عزت اور بزرگی کا حامل رب فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو جو مجھ سے ڈرتے ہوئے اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ بے شک میں نے اس کو معاف کیا اور داخلِ جنت کیا۔

عزیز بھائیو! اب تو اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہا ہے کہ اذان دینے والے کو میں نے نہ صرف معاف کیا بلکہ اس پر اپنی رحمت نازل کی اور اس کو جنت کا حقدار قرار دیا۔

مؤذنین کے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بے پناہ نوازشات ہیں۔ قیامت کے دن مؤذنین مشک و کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے اور خوش و خرم ہوں گے، ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَرَجُلٌ اَمَّ قَوْماً وَهُمْ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ۝

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:65)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ روزِ قیامت تین قسم کے لوگ مشک و کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ ایک اللہ اور اپنے مولا کا حق ادا کرنے والا۔ دوسرا وہ جو قوم کا امام ہو اور عوام اس سے راضی ہوں۔ تیسرا وہ جو دن رات میں پانچوں نمازوں کے لیے اذان کی ندا کرتا ہو۔

بہارِ شریعت حصہ سوم، صفحہ:27 پر مرقوم ہے کہ خطیب اور ابنِ عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مؤذنین کے انجام کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ناقہ پر سوار ہوں گے اور حضرت بلال مؤذنِ رسول کے پیچھے بلند آواز سے اذان پڑھتے ہوئے آئیں گے۔ لوگ ان کو دیکھیں گے تو سوال کریں گے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہاتفِ غیبی ندا دے گا کہ یہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کے مؤذن ہیں۔ قیامت کے دن مؤذنین ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے جب کہ دیگر لوگ مبتلائے فکر ہوں گے۔

مؤذنین ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہوں گے جب کہ دوسرے افراد کو خوف دامن گیر ہوگا۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:750 پر ایک روایت مرقوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزِ محشر سب سے قبل جنت میں داخل ہونے والے انبیائے کرام ہوں گے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے داخل ہونے کے بعد شہدائے کرام کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا اور تین نمبر پر جو گروہ داخل ہوگا، وہ بیت اللہ کے مؤذنین کا ہوگا اور ان کے بعد وہ لوگ داخل ہوں گے جن کو مسجد نبوی کے مؤذن ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور پھر اعمال کے تناسب کے لحاظ سے دیگر مؤذن جنت میں داخل ہوں گے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک حدیث منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان دینے سے اللہ کا عذاب دور ہوتا ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُذِّنَ فِيْ قَرْيَةٍ اَمَّنَهَا اللهُ مِنْ عَذَابِهٖ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ جس بستی میں اذان کہی جائے اللہ تعالیٰ اس دن اس بستی کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

کشف الغمہ کی مندرجہ بالا حدیث اس بات کی عکاس ہے کہ اذان کی بدولت اللہ تعالیٰ کا عذاب دور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر خاص فضل واحسان ہے کہ وہ اذان کے سبب ہمیں اپنی غضب ناکی سے محفوظ و مامون رکھتا ہے، بلکہ یہاں تک کہ مؤذن کے سر پر اپنا دستِ اقدس رکھ دیتا ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث یوں مرقوم ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤذن پر اللہ کی خاص رحمت کا نزول کرتا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرَعَ الْمُؤَذِّنُ فِي الْاَذَانِ وَضَعَ الرَّبُّ يَدَهٗ عَلٰى رَاسِهٖ فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْاَذَانِ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤذن اذان کا آغاز کرتا ہے تو رب اپنا دستِ مقدس اس کے سر پر رکھ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ اذان سے فارغ ہو۔

اذان کی فضیلت یہ ہے کہ خالقِ دوجہاں مؤذن کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے اور اس

شخص کی خوش بختی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، جس کے سر پر اللہ تعالیٰ اپنا دستِ اقدس رکھ دے۔

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤذن لوگ دوسرے لوگوں سے افضل ہوں گے اور دیگر لوگ ان سے کم تر ہوں گے، مگر نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر بہت مہربان ہے۔ اگر ہم مؤذن کی اذان کا جواب دیتے جائیں، اس طرح ہمیں اذان کا ثواب مل جائے گا۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے، کیونکہ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اذان کی یہ فضیلت سنی تو رسول اللہ سے عرض پیرا ہوئے کہ: یارسول اللہ! اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا۔ یارسول اللہ ﷺ مؤذن تو ہم سے افضل ہوں گے اور ہم اس نعتِ عظمیٰ سے محروم رہ جائیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:66) تم بھی ایسا کہو جیسا وہ کہتے ہیں۔ جب اختتام کرے تو دستِ سوال کر، انعامات سے ہمکنار ہوگا۔

مشکوٰۃ، صفحہ:66 پر ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا: لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رَد نہیں ہوتی (بلکہ مستجابیت کا درجہ حاصل کرتی ہے)۔

ہم پر لازم ہے کہ اذان سن کر رحمت دوعالم ﷺ پر درود شریف پڑھیں اور دعا مانگیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب کے صدقے ضرور ہماری دعا کو قبولیت سے نوازے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

خود ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:64)

دعائے وسیلہ درج ذیل ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ وَاٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا دعائے وسیلہ عام کتب میں مرقوم ہے۔

اذان کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 68 پر امام شعرانی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صلاح الدین بن ایوب ایک عادل بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے مؤذنین کے لیے حکم نامہ جاری کیا تھا کہ وہ تمام شہروں میں اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ خداوند کریم اس پر رحمتوں کا نزول کرے۔

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحسن اور محبوب عمل ہے۔ اذان کی اتنی فضیلت ہے کہ اس کے بارے میں ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی التَّاذِیْنِ لَاقْتَتَلُوْا عَلَیْہِ بِالسُّیُوْفِ۔

اگر لوگ اذان کے ثواب کو جانتے تو اذان دینے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف ہو کر لڑتے کہ میں اذان دوں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 52 پر مرقوم ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت خولہ بنت حکیم سلمیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک مریض مرض سے چھٹکارا نہیں پاتا، اس وقت تک ہر روز اس کو ستر شہدا کے عمل کا ثواب اور مرتبہ بخشا جاتا ہے اور جب وہ مرض سے شفایاب ہوتا ہے تو گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی بطنِ مادر سے تولد ہوا ہو اور اگر مرض میں قضائے الٰہی سے مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے حساب وکتاب کے بغیر جنت میں داخل فرمائے گا اور عالم آدمی اللہ کا وکیل ہے۔ اس کی ہر حدیث کے بدلے روزِ قیامت ایک نور عطا کیا جائے گا اور تین ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور دین کے مرد و خاتون طالب

علم اللہ کے خدمت گزار ہیں اور ان کی جزا بہشت کے سوا کچھ نہیں اور پیش امام اللہ کا وزیر ہے، اس کو ہر نماز پڑھانے کے عوض دو ہزار صدیقوں کا ثواب دیا جائے گا اور مؤذن اللہ تعالیٰ کا دربان ہے، اس کو ہر نماز کے بدلے دو ہزار نبیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! مؤذنین کی کیا شان ہے کہ ان کو سب اچھے اعمال سے زیادہ صلہ دیا جائے گا۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 54 پر ہے کہ جنید ابن ضحاک فرماتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے وقت جب کہ مسلمان نماز کے لیے اذان نہیں دیتے تھے۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کے کلمات خواب میں سنے اور پھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کے کلمات یاد کرائے گئے۔ محسنِ انسانیت ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ بلندی پر چڑھ کر اذان دیں۔ بموجب حکم حضرت بلال نے اذان دی۔ اس وقت لوگوں نے مدینہ میں ایک گونج سنی۔ آنحضور ﷺ نے صحابۂ کرام سے ارشاد فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ گونج کیسی ہے؟ عرض کیا گیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اذان دینے پر عرشِ الٰہی تک آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ یہ سن کر حضور ﷺ کے یارِ غار ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ فضیلت خاص بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان کے لیے ہے، یا سب مؤذنوں کے لیے ہے؟ فرمایا: تمام مؤذنوں کے لیے یہی فضیلت ہے۔ نیز فرمایا: مؤذنوں کی روحیں روزِ محشر شہیدوں کی روحوں کے ساتھ ہوں گی اور ہاتفِ غیبی ندا دے گا کہ اذان دینے والے کہاں ہیں؟ پس وہ سب کے سب مشک وکافور کے ٹیلوں پر کھڑے کیے جائیں گے۔

مسائلِ اذان

اذان نماز کے لیے بلاوا ہے۔ اذان دے کر لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ: اے لوگو! کاروبار چھوڑ دو، کیونکہ اب نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اذان کے چند ایک ضروری مسائل ہیں، جن کا جاننا ہر مؤذن کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ ذیل میں چند مسائلِ اذان حاضرِ خدمت ہیں۔

اذان دینے کے لیے ضروری ہے کہ اذان کا وقت ہو

مسئلہ: درمختار میں مرقوم ہے کہ اذان اس وقت پڑھی جائے جب اذان کا وقت شروع ہو جائے۔ وقت سے قبل اذان نہیں پڑھنی چاہیے۔ اگر وقت نہ ہوا ہو اور اذان پڑھنا شروع کر دی تو ایسی صورت میں لازم ہے کہ وقت ہونے پر دوبارہ اذان کے کلمات کہے جائیں۔ نیز اگر اذان دیتے ہوئے نماز کا وقت ہو گیا تو پھر بھی اذان لوٹانا پڑے گی۔

اذان دینا مستحب ہے

مسئلہ: اذان دینا مستحب ہے۔ اگر کوئی فرد گھر پر اذان کہے بغیر نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی نماز مکروہ نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے لیے مسجد کی اذان کافی ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر لوگ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور بعد میں انکشاف ہوتا ہے کہ نماز میں درستگی نہ تھی تو ایسی صورت میں اگر نماز کا وقت موجود ہے تو اذان کا اعادہ کیے بغیر نماز اسی مسجد میں باجماعت ادا کر سکتے ہیں۔ اگر زیادہ وقت نہ گزرا ہو تو اقامت کے ترک کی بھی اجازت ہے، لیکن اگر جماعت ہوئے زیادہ دیر ہو گئی ہو تو اقامت پڑھ لیں۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان پڑھتے ہوئے کانوں کے سوراخ میں انگلیاں ڈالنے کا عمل مستحب ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: کلماتِ اذان رُک رُک کر یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہئیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کو ملا کر ایک کلمہ بنتا ہے۔ اس کے بعد سکتہ کرنا چاہیے اور اس کی میعاد اتنی ہو کہ سننے والا جواب دے سکے۔ اگر سکتہ کے بغیر اگلے کلمات کہہ دیے تو ایسی صورت میں اذان مکروہ ہوگی اور اس کو دوہرانا مستحب ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان کے کلمات کو راگ میں بھی نہیں پڑھنا چاہیے، کیونکہ یہ ناجائز ہے۔ نیز اذان میں لحن حرام ہے۔ مثال کے طور پر اللہ اکبر کی الف کو مدّ کے ساتھ اللہ اکبر پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح اکبر میں بے کے بعد الف کا اضافہ کرنا حرام ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اذان دیتے وقت مؤذن کا رُخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ اگر اذان دیتے وقت رُخ قبلہ کی طرف نہ ہوا تو دی گئی اذان مکروہ ہوگی، جس کو دوہرانا چاہیے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر مؤذن دورانِ اذان داعیِ اجل کو لبیک کہہ گیا۔ زبان رکنے کے سبب رُک گیا۔ بھول گیا اور کوئی بتانے والا نہیں۔ مؤذن کا وضو ٹوٹ گیا اور وہ وضو کے لیے جلد جائے، یا بے ہوش ہو جائے تو ایسی صورت میں ازسرِ نو اذان کہنی چاہیے اور دوبارہ اذان کے لیے اس کی کوئی قید نہیں کہ اذان پہلے والا مؤذن کہے یا کوئی دوسرا مؤذن۔ (درمختار)

مسئلہ: بہارِ شریعت میں ہے کہ دورانِ اذان بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کھنکھارنا نہیں چاہیے، کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ البتہ آواز صاف کرنے کی غرض سے کھنکھارا جا سکتا ہے۔ (درمختار)
اسی طرح دورانِ اذان بات چیت یا گفتگو کی ممانعت ہے۔ اگر گفتگو کر لی جائے تو ایسی صورت میں ازسرِ نو اذان دینا چاہیے۔ (صغیری)

مسئلہ: اذان کے لیے مقام منارہ ہو، خارج از مسجد ہو، اگر مسجد میں اذان دی جائے گی تو مکروہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر چند لوگوں کی نماز قضا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ نماز اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کریں۔ اگر اکیلے فرد کی نماز قضا ہو تو قضا کے لیے اذان و اقامت کہہ سکتا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ہے کہ جنگل میں تنہا ہو۔ اگر جنگل میں نہیں ہے اور قضا کا اظہار کر دیا تو گنہگار ہوگا۔

مندرجہ بالا بیان کردہ مسائل 'عالمگیری' سے لیے گئے ہیں۔ اذان کے متعلق ایک اور مسئلہ جو کہ عالمگیری ہی میں ہے، کچھ یوں ہے کہ اگر اذان دیتے وقت مؤذن سٹ ڈاؤن یعنی بیٹھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دی گئی اذان مکروہ ہوگی، اس کو ازسرِ نو پڑھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اذان کہنے اور اذان کے مسائل پر کاربند رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

چودھواں وعظ

آدابِ مسجد

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝

دسویں پارہ سورۂ توبہ کی بیان کی گئی آیت مقدسہ کے معانی یہ ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر میں وہی لوگ مستعد ہوتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے تو عن قریب یہ لوگ ہدایت والوں میں سے ہوں گے۔

مسجد کی ضرورت

اس نیلے آکاش کی وسعتوں تلے سارے جہاں کی اراضی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مسجد قرار دے دی، یعنی مسلمان کسی بھی جگہ سوائے ”مندر اور گرجا“ وغیرہ کے نماز ادا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے، لیکن ایسی جگہ جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو، پاکیزگی کا نمونہ ہو، ہر کس و ناکس کو اس میں آنے کی اجازت ہو اور اس میں بندگانِ خدا کا اجتماع بھی ہو سکے۔ اس قسم کی چہار دیواری کو عبادت گاہ کہتے ہیں۔ اس عبادت گاہ کو مختلف ادوار میں مختلف نام دیے گئے۔ کسی نے عبادت گاہ کا نام دیا اور کسی نے اس کو بیعہ کے نام سے موسوم کیا۔ کسی نے اس کا نام گرجا رکھا اور کوئی اس کو مندر سے تعبیر کر بیٹھا، لیکن اسلام نے ایسی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھا۔ خداوند کریم کی آخری کتاب، روشن اور رشد و ہدایت کا مرجع، عرفان و آگہی سے مزین کتاب قرآن حکیم نے مسلمانوں کے لیے اس مخصوص عبادت گاہ کا

نام مساجد اللہ رکھا اور ان مساجد کو اللہ کی طرف مضاف فرما کے مساجد کی شرافت کی شہادت دی، کیونکہ یہ اضافہ تشریفی ہے اور یہ محض اس لیے ہے کہ مساجد کی تشریفیت میں کسی کو کلام نہ رہے۔ جیسا کہ ناقۃ اللہ میں اللہ کی طرف اضافت تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے۔ اسی طرح سیف اللہ میں۔ سیف کی اضافت اللہ کی طرف تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے اور اس طرح اسد اللہ میں اسد کی اللہ کی طرف اضافت تعظیمیت اور تشریفیت کے لیے ہے۔

وہ مخصوص جگہ جہاں مسلمان اپنے معبودِ حقیقی کی عظمت و بزرگی کا اقرار کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں، وہ مسجد کہلاتی ہے۔ ان مساجد کو عام فہم زبان میں اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں مسلمان اپنے خالق و مولیٰ کی عبادت نیک نیتی اور خلوص سے کرتے ہیں اور کسی قسم کا ریا اور دکھاوا نہیں کرتے۔ یہاں اپنے رب کے خوف سے آنسو بہاتے ہیں اور کسی قسم کے فعلِ بد کا ارتکاب نہیں کرتے، اس لیے ان کو بطور مجاز بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر کہا جاتا ہے۔ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ مسجد کی تعظیم ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان بلکہ تمام ضروریاتِ زندگی کی آلائشوں اور آسائشوں سے مبرا ہے، اسے ان اشیا کی قطعاً حاجت نہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کا طریقہ اور دعا

مشکوٰۃ، صفحہ: 68 پر مرقوم ہے کہ ایک مسلمان جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے داہنا پاؤں مسجد میں رکھے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ۔ اور مسجد سے باہر آتے وقت بجائے دائیں پاؤں کے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ ۝

انسان کی تخلیق میں مٹی کا دخل ہے۔ مٹی کی تخلیق ہونے کے باوجود اگر انسان اپنے مزاج میں تندی، تیزی، تلخی، فخر، غرور اور نخوت رکھے تو یہ بات اس کو زیب نہیں دیتی۔

مندرجہ بالا الفاظ ادا کر کے انسان اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے، یعنی اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ۝ یا اللہ! مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

یہاں پر انسان اللہ سے اس کی رحمت کا طالب ہے اور مسجد سے باہر نکلتا ہے تو کہتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. یعنی یا اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل اور رحمت کا سوال کرتا ہوں۔

مسجد میں دنیاوی باتوں کی ممانعت

مسجد پاک اللہ کا پاکیزہ گھر ہے، اس میں امن ہے، سکونِ قلب ہے، آشتی ہے۔ اس کا ادب، اس کا احترام ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی توقیر ہمارا شعار ہونا چاہیے اور جس حد تک ہو سکے ہم کو چاہیے کہ اس کا ادب واحترام کرنے کی کوشش کریں اور فضول ومباح قسم کی باتوں سے پرہیز کریں، کیونکہ مسجد میں مباح گفتگو مکروہ ہے۔

مرقات حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ: 71 پر حضرت ابن الہمام شارح ہدایہ سے منقول ہے:

اَلْکَلَامُ الْمُبَاحُ فِی الْمَسْجِدِ مَکْرُوْہٌ تَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ۔

یعنی مسجد میں مباح گفتگو مکروہ ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

مسلمانو! مقام غور وفکر ہے کہ جب مباح گفتگو مسجد میں کراہیت کا باعث ہے تو پھر ناجائز گفتگو تو لازمی طور پر حرام ہوگی۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 71 پر حضرت حصائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں محوِ استراحت تھا۔ اچانک کسی نے مجھ پر کنکریاں پھینکیں، جس سے میری آنکھ کھل گئی۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو رسالت مآب کے دوست حضرت عمر فاروق جلوہ فرما تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ ان دونوں آدمیوں کو ہمارے حضور حاضر کرو۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور بحکم سرکار ان دونوں کو لے کر آپ کے حضور آیا۔ آپ نے ان سے سوال کیا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ منورہ کے باسی ہوتے تو حضور ﷺ کی مسجد میں اونچا بولنے کے جرم میں سزا دیتا۔

اسی طرح کشف الغمہ، صفحہ: 70 پر ایک روایت ہے کہ امیر المومنین حضور سیدنا فاروق اعظم کا یہ دستور تھا کہ جو شخص مسجد میں شور مچاتا آپ اس کو دُرّے مارتے تھے۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے خود فرمایا کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے جائیں، یہاں اشعار سے مراد بے ہودہ اور لغو اشعار ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث مشکوٰۃ، صفحہ: 70 پر مرقوم ہے۔

مسجد میں غُل غپاڑہ حرام ہے۔ مسجد مقدس مقام ہے۔ اس مقام مقدس کی توہین کرنا، اس میں شور مچانا، بُرے اشعار پڑھنا، بہ آواز بلند گفتگو کرنا یہ سب حرام ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 71 پر مرقوم ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے متصل ایک چبوترہ تعمیر کروایا تھا تاکہ لوگ اس پر بیٹھ کر اپنی دنیاوی باتیں کریں اور مسجد میں دنیاوی باتیں نہ کریں۔

مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا حرام ہے، بلکہ آنحضور ﷺ کے ارشاد کے بموجب مسجد میں دنیاوی باتیں کرنا قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا:

یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَکُوْنُ حَدِیْثُهُمْ فِیْ مَسَاجِدِهِمْ فِیْ اَمْرِ دُنْیَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَیْسَ لِلّٰهِ فِیْهِمْ حَاجَةٌ۔ (رواہ بیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ: 71)

لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیاوی اُمور کی باتیں مسجدوں میں کریں گے۔ پس ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، اللہ کو ان کی ذرا حاجت نہیں۔

مسجد میں دنیاوی خرید وفروخت کرنے کی بھی ممانعت ہے

اِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّبِیْعُ اَوْ یَبْتَاعُ فِی الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا یَرْبَحُ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَیْتُمْ مَنْ یَّنْشُدُ فِیْهِ ضَالَّةً فَقُوْلُوْا لَا یَرُدُّ اللّٰهُ عَلَیْكَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ، صفحہ: 70)

ترجمہ: جب تم کسی کو مسجد میں خریدتے یا فروخت کرتے ہوئے پاؤ تو کہو اللہ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے اور جس وقت تم ایسے شخص کو پاؤ جو مسجد میں گمشدہ شے کی تلاش میں ہے، تو کہو اللہ اس کو تجھ پر رد نہ کرے، یعنی وہ شے نہ ملے۔

مسجد کی صفائی

مسجد میں جھاڑو دینا اور مسجد کے در وبام سے جالے وغیرہ صاف کرنا بڑے ثواب کا کام

ہے۔ کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:80 پر روایت ہے کہ مسجد سے صاف کیا گیا کوڑا کرکٹ روزِ محشر حوروں کا مہر بنے گا۔ مسجد کی صفائی بڑے ثواب کا کام ہے۔ مسجد سے مٹھی بھر مٹی نکالنے کا اس قدر ثواب ہے کہ اگر ایک پلڑے میں کوہِ احد اور دوسرے میں ثواب رکھ دیا جائے تو میزان برابر ہوگا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:95 پر نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث یوں مرقوم ہے کہ:

مَنْ اَخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ كَفًّا مِّنْ تُرَابٍ كَانَ ثَوَابُهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ كَجَبَلِ اُحُدٍ۔

جس کسی نے مٹھی بھر مٹی مسجد سے نکالی، اس کا ثواب اُحد پہاڑ کے وزن کے برابر ہوگا۔

مسجد کو غلاظت اور گندگی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ مسجد میں ریح خارج کرنا بھی آدابِ مسجد کے خلاف ہے۔ مسجد کو جھاڑو سے صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔ مٹی کا تیل جلانے سے احتراز کیا جائے۔

کشف الغمہ، صفحہ:80 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مسجدوں کو صاف اور خوشبودار رکھا جائے۔ نیز مسجد کو بدبودار اشیا سے محفوظ رکھا جائے۔ بدبودار اشیا مثلاً مولی، لہسن اور پیاز مسجد میں نہیں لانا چاہیے۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ يَتَاَذّٰى مِمَّا مِنْهُ الْاِنْسُ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:68)

جو شخص اس درخت (پیاز) کی بدبودار شے کھائے تو ہماری مسجد سے قریب نہ ہو۔ بے شک اس سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے، جیسے کہ انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

اس طرح مسجد میں تھوکنا اور ناک صاف کرنا ممنوع ہے اور مسجد کی چٹائیوں کو تھوک وغیرہ سے صاف کرنا ناجائز ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:69)

مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو ختم کرنا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:71 پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور

ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو مسجد کی دیوار پر کھنکھار لگا ہوا تھا۔ آپ ﷺ بڑے ناراض ہوئے اور ناراضگی کے تاثرات روئے اقدس پر ظاہر ہوئے اور پھر آپ نے اپنے دستِ اقدس سے صاف کیا۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث ہے:

عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِيْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِيْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُّ فِيْ مَسَاوِيْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:69)

مجھ کو میری اُمت کے اعمالِ حسنہ اور اعمالِ بد دکھائے جاتے ہیں تو میں نیک اعمال میں سے اس موذی شے کو دیکھتا ہوں، جس کو راستے سے ہٹایا گیا ہو اور بُرے اعمال میں سے کھنکھار کو دیکھتا ہوں جو مسجد میں ہو اور دفن نہ کیا گیا ہو۔

مساجد کو روشنی سے مزین کرنا بہت ہی برکت کا باعث ہے۔ جو مسجد میں شمع روشن کرتا ہے تو ملائکہ اس وقت تک اس شخص کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں جب تک کہ شمع روشن رہتی ہے۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:81 پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

مَنْ عَلَّقَ قِنْدِيْلًا مُسْرَجًا فِيْ مَسْجِدٍ صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَطْفَاَ ذٰلِكَ الْقِنْدِيْلُ وَمَنْ بَسَطَ فِيْهِ حَصِيْرًا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يَتَقَطَّعَ ذٰلِكَ الْحَصِيْرُ۔

جو شخص مسجد میں شمع روشن کرے، اس پر ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس وقت تک کہ وہ شمع بجھ جاتی ہے اور جو شخص مسجد میں ایک چٹائی بچھائے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں اُس وقت تک کہ وہ چٹائی ٹوٹ نہ جاتی ہو۔

مندرجہ بالا ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک طرف مسجد میں روشنی کرنے کے باعث رحمت ہے تو دوسری طرف مسجد میں چٹائی بچھانا بھی رحمت کا موجب ہے۔

مسجد میں روشنی کرنے سے تربت منور ہوگی

کشف الغمہ میں امام شعرانی نقل فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں جب حضرت

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ مسجدوں کو قنادیل سے روشن ہوئے دیکھتے تو یہ دعا فرماتے:

نَوَّرَ اللّٰهُ عَلٰى عُمَرَ فِىْ قَبْرِهٖ كَمَا نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا ٥ (جلد اوّل، صفحہ:80)

اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ وہ ہماری مساجد کو روشن کرتا ہے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 48 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک نیتی کے ساتھ فقط اللہ کے واسطے چالیس دن تک مسجد میں چراغ روشن کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بارہ نعمتوں سے سرفراز کرے گا:

1- دوزخ اُس کے جسم پر حرام کردے گا۔
2- دوزخ کے دروازے اس پر بند کر دیے جائیں گے۔
3- جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لیے کھول دیے جائیں گے۔
4- قبر کے فشار کی سختی سہل ہو جائے گی۔
5- روزِ محشر اس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔
6- اس کے رزق میں برکت ہوگی۔
7- قیامت کے دن اس کو صالحین کی جماعت میں سے اٹھایا جائے گا۔
8- روزِ محشر اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح منور ہوگا۔
9- ہر روز رات کو صبح تک اللہ کے فرشتے اس کے نگہبان رہتے ہیں۔
10- ہزار درہم اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔
11- اللہ تعالیٰ دین اور دنیا میں اس کی 80 حاجتیں برلائے گا۔
12- بہشت میں اس کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمسائیگی کا شرف دیا جائے گا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ صرف چالیس دن مسجد میں چراغ جلانے سے اللہ تعالیٰ کتنی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔

مساجد کو آباد کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے مسجد کی

خبر گیری کرنے والوں کو ایماندار قرار دیا۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُ لَهٗ بِالْاِيْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ٥ (رواہ ترمذی وابن ماجہ والدارمی، مشکوٰۃ، صفحہ 69)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد کی خبر گیری کرتا ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی لوگ اللہ کی مساجد کو آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

انیس الواعظین، صفحہ: 146 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا: حُبُّ الْمَسَاجِدِ مِنَ الْاِيْمَانِ، مسجد کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔

مسجد کی فضیلت

مشکوٰۃ، صفحہ 68 پر مرقوم ہے:

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا ٥

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شہروں میں مساجد اللہ کو محبوب ہیں اور شہروں میں سب سے ناپسندیدہ بازار ہیں۔

فائدہ: مساجد اللہ کے گھر ہیں اور پاکیزگی کے نمونے ہیں۔ اس میں آ کر انسان وقتی طور پر ہر شے سے ناطہ توڑ کر اپنے خالق حقیقی سے ہم کلام ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے پاروں کی تلاوت کی جاتی ہے۔ تسبیح و تہلیل کے ورد ہوتے ہیں۔ ہر برائی سے بچنے کے لیے مسجد بہترین پناہ گاہ ہے۔ اس لیے مساجد کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور بازاروں میں حرص و ہوس، طمع اور لالچ کی کثرت ہوتی ہے، لیکن دین میں جھوٹ، بے ایمانی اور ناجائز منافع خوری ہوتی ہے۔ دوسروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے، اس لیے بازار اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان کے مقابلے میں مساجد اللہ تعالیٰ کو

بہت محبوب ہیں۔

مساجد کی تعمیر بھی ایک احسن عمل ہے۔ جو شخص مسجد تعمیر کرواتا ہے، اس کے لیے جنت میں ایک خوبصورت محل تیار کیا جاتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:68 پر ہی ایک اور حدیث حضرت عثمان سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے لیے مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مکان بناتا ہے۔

مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب گھر میں نماز پڑھنے سے 25 گنا زیادہ ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى الصَّلٰوةِ فِيْ بَيْتِهٖ وَ فِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّ عِشْرِيْنَ ضِعْفًا۔

مرد کی نماز باجماعت (مسجد میں) گھر اور بازار کی نماز سے 25 گنا زیادہ درجہ رکھتی ہے۔

انیس الواعظین، صفحہ:165 پر مرقوم ہے کہ جب بندۂ مومن نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے باہر نکلتا ہے تو فلک سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے: اے اللہ کے ولی! اب از سرِ نو عمل کر۔ اس لیے کہ تیرے پہلے گناہ اللہ نے معاف فرمادیے۔ نیز جو شخص اذان سنتا ہے اور باوضو ہو کر مسجد میں جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کے ہر قدم کے بدلے جنت میں اس کے لیے سو محل تعمیر کرو۔ ہر محل میں سو گھر اور ہر گھر میں سو کھڑکیاں اور ہر کھڑکی میں ایک تخت اور ہر تخت پر ایک فرش اور ہر فرش پر حوروں میں سے ایک حور اور ہر حور کے سامنے لونڈیاں اور غلام کھڑے ہوں اور ہر غلام کے ہاتھ میں بہشتی میووں میں سے ایک میوہ ہو۔

سبحان اللہ! مسجد میں جانے کا کتنا اجر ہے کہ ہر قدم پر ہمارے لیے بے شمار نعمتیں ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ:68 پر ایک حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرقوم ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَّ شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ

بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللهَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات اشخاص کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عدل کرنے والا امام۔ اللہ کی راہ میں جوانی خرچ کرنے والا جوان اور وہ مرد جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہے، جس وقت اس سے نکلتا ہے یہاں تک کہ واپس اس کی طرف لوٹے۔ دو اشخاص جو اللہ کے واسطے باہم محبت رکھتے ہیں۔ اسی کی محبت میں جمع ہوتے ہیں اور اسی کی محبت میں جدا ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اشک شوئی کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے کوئی حسین وجمیل اچھے خاندان کی خاتون لبھائے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایک وہ شخص کہ اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے داہنے ہاتھ سے جو کچھ خرچ ہو، اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:96 پر مرقوم ہے: ایک مسلمان قوتِ بصارت سے محروم تھا، لیکن پنج وقتہ نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں باجماعت باقاعدگی سے حاضری دیتا تھا، چونکہ قوتِ بصارت سے محروم تھا، جس کی وجہ سے راستے میں ٹھوکریں لگتیں، جس سے وہ گرجاتا اور اس کے کپڑے خراب ہوجاتے اور بعض اوقات زخمی بھی ہوجاتا۔ اس کی گھر والی اس پر اس سے لڑتی کہ تو مسجد جاتا ہے جس کی وجہ سے کپڑے خراب اور گندے کرلاتا ہے۔ ایک دن اس کی بیوی اس سے خوب لڑی، جس کا اس شخص کو ازحد افسوس ہوا۔ اسی عالمِ حسرت ویاس میں وہ سوگیا۔ جب بیدار ہوا تو باجماعت نماز پڑھنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کو بینائی عطا فرمادی۔

مسجد تک چل کر جانا ثواب ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ مسجد نبوی کے اردگرد کچھ جگہ بے مصرف

تھی۔ بنوسلمہ ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلے نے مسجد کے قریب والی جگہ نقل مکانی کی کوشش کی۔ آنحضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا۔ کیا تم مسجد کے قریب آنا چاہتے ہو۔ انھوں نے عرض کی: ہمارا ارادہ کچھ ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یَابَنِیْ سَلِمَةَ دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:68 متفق علیہ)

ترجمہ: اے بنی سلمہ! اپنے گھروں کو لازم پکڑ لے۔ یعنی وہیں قیام کرو۔ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جائیں گے۔ اپنے گھروں میں قیام کرو۔ تمہارے قدموں کے نشان تحریر کیے جائیں گے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی۔ (متفق علیہ)

لوگوں میں ثواب کے لحاظ سے بڑا وہ شخص ہے جو دور سے چل کر آنے والا ہے۔

اندھیرے میں ادائیگی نماز کے لیے جانا روزِ محشر نورِ کامل ملنے کا باعث ہے۔

عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِی الظُّلَمِ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد و مشکوٰۃ، صفحہ:69)

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو نورِ کامل کی خوش خبری سنادو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسجد میں نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسجد کا ادب واحترام کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

□□□

پندرہواں وعظ

رمضان شریف کے مسائل

تیسرے پارے کی سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔

برادرانِ اسلام! رمضان المبارک کا مہینہ مقدسیت، مطہریت، مکرمیت، سعیدیت میں دوسرے تمام مہینوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ اس ماہِ سعید کی ایک ایک گھڑی رحمت باری تعالیٰ سے معمور ہوتی ہے۔ سعید الفطرت ارواح بڑی بے چینی سے اس ماہِ سعید کا انتظار کرتی ہیں، تاکہ وہ اللہ کی رحمت حاصل کرکے نجات کے لیے سامان کرلیں۔

قرآنِ مجید کا نزول

اس ماہِ سعید کی عظمت اس بات سے عیاں ہے کہ اللہ کی آخری کتاب اسی ماہِ مقدس میں لوحِ محفوظ پر اُتاری گئی اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ حسبِ ضرورت 23 برس میں نبی کریم ﷺ پر مکمل طور پر نازل ہوئی۔ اس کے علاوہ یہی وہ مقدس ماہ ہے، جس کی یکم یا تین تاریخ کو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے ہاں مقامِ خاص حاصل کیا، یعنی ان پر صحائف کا نزول ہوا۔ اسی ماہِ مقدس کی آٹھ یا بارہ تاریخ کو سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زبور شریف نازل ہوئی۔ اس ماہ کی چھ تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل ہوئی۔ بارہویں یا تیرہویں تاریخ کو انجیل مقدس حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔

گویا اس رمضان المبارک کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ یہ اسلام سے قبل

کے واقعات تھے۔ دورِ اسلام میں بھی اس ماہ کو بڑی فضیلت حاصل رہی ہے۔ اسی ماہ کی 17ر تاریخ کو وہ مشہور جنگ ہوئی جو جنگ بدر کے نام سے موسوم ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد صرف 313 تھی۔ اسی ماہ کی 21ر تاریخ کو اسلام اپنے ایک بہادر، نڈر، بے باک اور جرأت مند خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محروم ہوگیا۔ اسی رمضان المبارک میں جبریل امین مکمل قرآن مجید سراپا نور حضور ﷺ کو سناتے اور بعض روایات میں ہے کہ سارا قرآن مجید حضور ﷺ خود جبریل کو سناتے۔ سیدنا امام ائمہ کشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ماہِ سعید میں 61ر مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ ایک قرآن دن میں ایک رات میں اور ایک نماز تراویح میں۔ امام شافعی اس ماہ میں 60 مرتبہ قرآنِ مجید ختم کیا کرتے تھے۔

مشارق الانوار میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کا آغاز ہونے میں صرف ایک روز باقی رہ جاتا تو آپ لوگوں کو جمع کر کے ان سے خطبہ دیتے کہ: اے لوگو! تیار ہو جاؤ، رمضان المبارک آپہنچا۔ اپنے لباس پاکیزہ اور صاف پہنو۔ اس کی تعظیم و توقیر کرو، کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ نیکی سب سے بڑھ کر ہے۔ اچھے اعمال کرو۔ اس ماہ میں ایک کی دو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس ماہ میں جو شخص قرآن مجید تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہر حرف کے بدلے جنت کا ایک باغ عنایت فرمائے گا۔ جس کے درخت ایسے لاجواب اور بے مثال اور اتنے بلند و بالا ہوں گے کہ دنیا میں ان کی تمثیل نہیں ہے۔ ہر پیڑ کے نیچے 70 ہزار فرشتے ہوں گے جو قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 336 پر ہے۔ حضرت اعمش سے مروی ہے کہ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ جس طرح کہ ایک حج سے دوسرے حج تک ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

تذکرۃ الواعظین میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اور کل مناسک ادا کیے اور کسی فحش کا مرتکب نہیں ہوا تو اس کے تمام کبیرہ و صغیرہ گناہ معاف کردیے جائیں گے اور تسبیح و تہلیل کے عوض اس کے جنت میں زمرد سے ایک مکان تعمیر کیا جائے گا جو یاقوت کی پچکاری سے مزین ہوگا۔ اس کے درمیان ایک

سرخ خیمہ یاقوت ہوگا۔ اس خیمے میں ایک حور ہوگی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوں گے، جن کی چمک سے دنیا روشن ہو جائے گی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب شعبان کی آخری رات ہوتی ہے تو زمین و آسمان کے ملائکہ امت کے مصائب یاد کر کے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: اے حبیب! کون سی مصیبت؟ آپ نے فرمایا کہ صدقہ اس مہینے میں قبول کیا جاتا ہے۔ دعا مستجاب ہوتی ہے، گناہوں کی مغفرت کی جاتی ہے، نمازیں قبول ہوتی ہیں، نیکیاں دو چند کردی جاتی ہیں، حوریں سنگار کر کے آواز دیتی ہیں کہ ہے کوئی جو ہم سے شادی کرے اور جھروکوں میں کھڑی داروغۂ جنت رضوان سے پوچھتی ہیں کہ: یہ رات کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ رمضان کی پہلی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اے رضوان! جنت کے دروازے کھول دو اور اے خازنِ دوزخ! دوزخ کے دروازے بند کردو۔ جبریل کو حکم ہوتا ہے کہ: جبریل! زمین پر جاؤ اور شیاطین کو قید کر کے دریا میں پھینک دو تاکہ اُمتِ محمدیہ کو وسوسوں سے پریشان نہ کرسکیں اور اس رات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہے کوئی حاجت مند کہ میں اس کی حاجت روائی کروں؟ ہے کوئی سائل کہ اس کا سوال پورا کیا جائے؟ اور ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کردوں؟ اور ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اس پر اپنی رحمتوں کا نزول کردوں؟ اور افطار کے وقت اللہ تعالیٰ مستحق عذاب کے مجرموں کو معاف فرماتا ہے اور جمعہ کے 24 گھنٹوں کے ہر لمحے میں ہزار مجرم آزاد کیے جاتے ہیں اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو اس دن اتنے مجرم معاف کیے جاتے ہیں جتنا کہ کُل مہینے میں معاف کیے جاتے ہیں

مشکوٰۃ، صفحہ: 173,172 پر حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کے آخری دن وعظ فرمایا: اے لوگو! تمہارے ہاں ایک عظیم بابرکت مہینہ مہمان آرہا ہے۔ اس مہینے میں ایک رات ایسی آتی ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کیے اور راتوں کو خدا کی عبادت میں قیام کرنے کو وسیلۂ ثواب بنایا۔ یعنی جو شخص اس ماہ میں نوافل ادا کرے گا، اس کو فرض ادا کرنے کا اجر ملے گا اور اگر فرض ادا کرے گا تو ۷۰ر فرائض کا ثواب ملے گا۔ یہ مہینہ صبر کے لیے ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ نیز یہ مہینہ

ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں مومن کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جو روزہ افطار کرے تو اس کے گناہوں کی مغفرت ہے اور اس کی گردن آگ سے آزاد کرلی جائے گی اور روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار کے اجر کے برابر بغیر کم ہوئے اجر ملے گا۔ صحابہ نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا: ہم سے ہر ایک کے پاس دوسرے کو افطار کرانے کے لیے کوئی شے نہیں ہوتی۔ حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ ثواب ہر اُس شخص کو دے گا جو دوسروں کے افطار کے واسطے ایک گھونٹ دودھ یا ایک گھونٹ پانی دے اور جو شخص روزہ دار کو کھانا کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا اور وہ کبھی پیاس محسوس نہیں کرے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔ اس مہینے کا اوّل عشرہ رحمت، درمیانی عشرہ مغفرت اور آخری عشرہ جہنم سے آزادی کے واسطے ہے۔ جو اپنے غلام آزاد کرے گا اللہ اس کو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

حدیث پاک کی تشریح

حضور ﷺ کا شعبان المعظم کے آخری دن خطبہ دینا ہمیں اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ خبردار رمضان شریف کی متبرک گھڑیاں فضول اور لغو باتوں میں نہ گزاریں، فلک پر جوں ہی چاند نظر آئے، ہمہ تن اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 38,37 پر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میری اُمت رمضان شریف کی برکتوں کی حقیقت پالے تو یہی تمنا کرے کہ اے کاش! سارا سال ہی رمضان رہے، کیونکہ رمضان شریف میں سونا عبادت ہے۔ جاگنا عبادت ہے۔ جس نے رمضان شریف کے اوّل تا آخر روزے پابندی سے رکھے، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے تولد ہوا ہو۔

آگے ایک روایت ہے کہ قیامت کے دن روزہ داروں کے سامنے نعمت خوان رکھے ہوں گے، جس میں سے وہ کھانا کھا رہے ہوں گے۔ دوسرے لوگ حیران ہوں گے کہ کیا عجیب بات ہے کہ ہم تو حساب میں مبتلا ہیں اور یہ کھا رہے ہیں۔ باری تعالیٰ کی طرف سے جواب

آئے گا کہ یہ لوگ رمضان میں روزے رکھتے تھے اور تم لوگ روزے کھاتے تھے۔

دُرّۃ الناصحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہوتی ہے تو عرشِ عظیم کے نیچے سے مثیرہ نامی ہوا چلتی ہے، جو بہشت کے درختوں کے پتوں کو ہلاتی ہے۔ اس ہوا کے چلنے سے ایسی دلکش آواز بلند ہوتی ہے کہ اس سے بہتر آواز کسی نے نہیں سنی۔ حوریں اس ہوا کو دیکھتی ہیں اور اللہ سے عرض کرتی ہیں کہ اے باری تعالیٰ! اپنے بندوں میں سے ہمارے لیے خاوند مقرر فرما۔ روزہ داروں کے سوا کوئی ایسا نہیں ہوگا، جس کو حوروں میں سے عطا ہوگی۔ ان حوروں کے واسطے سرخ یاقوت سے بنا ہوا ایک تخت ہے، ہر تخت پر ستر نعمت خوان اقسام کھانوں سے بھرے ہوئے۔ یہ سب نعمتیں روزہ داروں کے لیے ہوں گی اور ان نیکیوں کے علاوہ جو روزہ دار نے رمضان شریف میں کیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ میں نے اُمت محمدیہ کو دو نور عطا کیے ہیں تا کہ وہ دو اندھیروں کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ وہ کون سے دو نور ہیں؟ ارشاد ہوا کہ نورِ رمضان اور نورِ قرآن۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ وہ دو اندھیرے کون کون سے ہیں؟ فرمایا: ایک تو قبر کا اندھیرا ہے اور دوسرا اندھیرا روزِ قیامت کا ہے۔

حکایت: ایک شخص جس کا نام محمد تھا، وہ تمام سال نماز نہ پڑھتا تھا۔ جب رمضان شریف کا متبرک مہینہ آتا تو وہ خوشبودار کپڑے پہنتا اور نماز پڑھتا اور اپنی قضا ہونے والی نماز کو بھی پڑھتا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ مہینہ رحمت، برکت اور توبہ و مغفرت کا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے میرے اسی عمل سے بخش دے۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اللہ نے مجھے معاف کر دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ میں رمضان کی تعظیم و توقیر کرتا تھا۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کی کیا کیا برکات ہیں۔ اللہ ہم سب کو رمضان شریف کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

سولہواں وعظ

رمضان شریف کے فضائل

رمضان شریف اللہ تعالیٰ کا عظیم البرکت مہینہ ہے۔اس کے فضائل بے شمار ہیں جن کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔رمضان المبارک وہ مہینہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بے پایاں بارش کرتا ہے اور اپنا جود و کرم ہر خاص و عام کے لیے عام کر دیتا ہے۔

رمضان میں جنت کے دروازے کھلنا

رمضان المبارک عظیم البرکت مہینہ ہے۔اس کی آمد پر دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيٰطِيْنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:173)

ترجمہ: رمضان کی آمد پر فلک کے سارے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر کے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابندِ سلاسل کر دیا جاتا ہے اور ایک روایت کے مطابق رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

فائدہ: سبحان اللہ! رمضان المبارک واقعی کتنا عظیم مہینہ ہے کہ جب فلک پر ماہِ رمضان کا چاند طلوع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عظمیٰ کی تجلیاں جنت کی خوشبو میں بسا کر فلک سے برساتا ہے۔جہنم کے دروازے مقفل کرا دیے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا ازلی دشمن شیطان ابلیس رذیل اسیر سلاسل کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ امتِ محمدیہ کو نیک اعمال کرنے سے بہکا نہ سکے۔اسی کی بدولت اس متبرک مہینہ میں عصیاں کے بادل چھٹ

جاتے ہیں۔تقویٰ و پرہیزگاری کی پاکیزہ ہوائیں چلتی ہیں، جن سے سارا گلستانِ ہستی عنبر نشاں بن جاتا ہے۔جب گلشن میں طرح طرح کے پھول کھلتے ہیں تو تیز ہوائیں چلتی ہیں اور ان کے خرمنِ ہستی کو رفیق خاک کر جاتی ہے۔اسی طرح تقویٰ و پرہیزگاری کے گلشن میں بہکاوے کی تیز ہوائیں چلنا چاہتی تھیں، مگر رمضان المبارک میں تقویٰ و پرہیزگاری کے گلشن میں ایسے پھول کھلتے ہیں کہ جن کی خوشبو اور مہک سے پھر گلستانِ اُمت میں وجد آتا ہے۔

عقل، اللہ کا انسان کے لیے سب سے بڑا عطیہ ہے۔عقل کی بدولت انسان نے صفحۂ ہستی پر ہزار گلکاریاں کی ہیں۔بعض ناسمجھ لوگ اس بات پر معترض ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے میں شیاطین اسیر سلاسل کر دیے جاتے ہیں۔اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا تو کچھ لوگ رمضان المبارک میں بھی مرتکب گناہ کیوں ہوتے ہیں۔اس کے جواب میں مشائخ عظام نے کئی دلیلیں دی ہیں۔جہاں تک شیاطین اسیر سلاسل کرنے کا ذکر ہے تو ان شیاطین سے مراد سرکش شیاطین ہیں اور گناہ ان غیر سرکش شیاطین کی محنت کا ثمرہ ہوتے ہیں۔

دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر اس ماہِ متبرک میں شیاطین بند کر دیے جاتے ہیں، مگر چونکہ گیارہ ماہ شیطان انسان کو بہکانے میں لگا رہتا ہے اور انسان کے خیالات کو فاسد کر دیتا ہے، جس سے انسانی ذہن گناہوں سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اس شعر کی تفسیر بن جاتا ہے: ؎

اتنے مانوس ہو گئے ہیں صیاد سے ہم
جو رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی شخص عطار نہ بھی ہو لیکن وہ عطار کی صحبت میں بیٹھا رہے تو جب وہ اٹھے گا تو اس کے جسم اور لباس سے عطر کی خوشبو ضرور آئے گی۔اس طرح گو کہ شیطان بند کر دیے جاتے ہیں، مگر انسانی ذہن گیارہ ماہ شیطان کی صحبت میں رہتا ہے، اس لیے انسانی ذہن پر اس کی تہہ بڑی گہری جم جاتی ہے، پس لوگ اسی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

رمضان پاک کے لیے جنت کی تزئین

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی شخصیت کو آنا ہو تو شہر کی خوب صفائی کی جاتی ہے۔ اس کا استقبال کرنے کے لیے جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں اور اس کے لیے بطورِ خاص اسٹیج تیار کیا جاتا ہے۔ اس طرح رمضان المبارک کی آمد پر جنت کو سجایا جاتا ہے اور حورانِ جنت تزئینِ حسن کر کے اپنے مجازی خداؤں کو دل نشین جملوں سے مخاطب کرتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلٰى قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ اَعْيُنُنَا وَ تَقَرُّ اَعْيُنُهُمْ بِنَا۔ (رواہ بیہقی فی شعب الایمان ومشکوٰۃ)

بے شک جنت ابتدائی سال سے آئندہ سال تک رمضان المبارک کے لیے سجائی جاتی ہے اور فرمایا کہ رمضان شریف کے پہلے دن بہشت کے درخت کے برگ و بار کے زیریں حصے سے بڑی اور سفید آنکھوں والی حوروں کے لیے ہوا چلتی ہے اور وہ کہتی ہیں: اے پروردگار! اپنے بندوں میں ایسے بندوں کو ہمارا شوہر بنا جن کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں ٹھنڈک پڑے اور جب وہ ہمیں دیکھیں تو ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑے۔

رمضان شریف کی ہر شب میں اُمت کی مغفرت

رمضان کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ اس لحاظ سے بھی افضل ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے ہر کس و ناکس پر کھول دیتا ہے، اپنی رحمت کی بے پایاں بارش کرتا ہے۔ دریائے مغفرت موج میں آجاتا ہے اور ہر رات کو ساٹھ ہزار گنہگاروں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور قیدِ جہنم سے رہائی دے دی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى انْفِجَارِ الصُّبْحِ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ تَمِّمْ وَ اَبْشِرْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ اَبْصِرْ هَلْ مِنْ

مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهٗ هَلْ مِنْ تَائِبٍ يُتَابُ عَلَيْهِ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهٗ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطٰى سُؤْلَهٗ وَ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ سِتُّوْنَ اَلْفًا فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ اَعْتَقَ اللّٰهُ مِثْلَ مَا اَعْتَقَ فِيْ جَمِيْعِ الشَّهْرِ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً سِتِّيْنَ اَلْفًا۔ (زواجر، جلد اوّل، صفحہ:161)

رمضان شریف کی ہر شب کو ایک منادی آسمانوں میں صبح کے طلوع ہونے تک یہ ندا کرتا ہے: اے اچھائی مانگنے والے! ختم کر (اچھائی مانگنا) اور خوش ہو جا اور اے شریر، شر سے باز آجا اور عبرت حاصل کر۔ کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے کہ اس کی طلب پوری کی جائے؟ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے؟ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ رمضان کی ہر شب میں افطار کے وقت ساٹھ ہزار گنہگاروں کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے اور روزِ عید کو سارے مہینے کے برابر گنہگاروں کی بخشش کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ سے مروی ہیں:

يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوْفّٰى اَجْرُهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ۔

رمضان کی آخری رات میری امت کی بخشش ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہے۔ فرمایا: نہیں، کام کرنے والے کو اُس کی اجرت دی جاتی ہے۔ جب کہ وہ کام مکمل کرے۔

ماہِ رمضان کی افضلیت

بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے خداوندِ عظیم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ پیغمبر کو ایک خاص مقام اور خاص رتبہ عطا فرمایا، لیکن سب سے زیادہ عظیم مقام اور عظیم رتبہ حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا اور ان ہی کو سب سے زیادہ مکرم اور افضل بنایا۔ اسی طرح کچھ پیغمبروں پر کتب نازل فرمائیں، مگر سب سے افضل کتاب قرآن مجید

سب سے افضل نبی حضرت محمد ﷺ پر اُتاری۔ سب سے افضل کتاب سب سے افضل نبی پر سب سے افضل مہینے میں ہی نازل فرمانی چاہیے تھی۔ اس لیے اس کتاب کے نزول کے واسطے سب سے افضل مہینے کا انتخاب ہوا۔ وہ مہینہ رمضان شریف ہے، کیونکہ افضل کتاب افضل نبی پر افضل مہینے میں ہی نزول فرمائی جانی تھی۔

بستان الواعظین میں ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے تھے، مگر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام کو زیادہ عزیز اور محبوب رکھتے تھے۔ اسی طرح بارہ مہینوں میں سے رمضان شریف ربِ لاشریک کو دوسرے مہینوں سے زیادہ محبوب ہے، جس طرح اللہ کریم نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ السلام کی بدولت گیارہ بھائیوں کی خطا معاف فرمادی تھی، اسی طرح رمضان شریف میں دوسرے گیارہ ماہ کی سرکردہ خطائیں معاف فرمائی جاتی ہیں۔

رمضان شریف کا ناقدر شناس ہلاک ہوگا

رمضان شریف رحمت، بخشش اور مغفرت کا مہینہ ہے۔ اس میں کثرت سے عبادت کرنا چاہیے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردے۔ جو شخص رمضان شریف میں بھی اپنے بُرے اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے، یقیناً وہ بدقسمت ہے۔ اس نے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعْنَا مِنْکَ الْیَوْمَ شَیْئًا مَا کُنَّا نَسْمَعُہٗ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ عَرَضَ فَقَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَکَ رَمَضَانَ فَلَمْ یُغْفَرْ لَہٗ فَقُلْتُ اٰمِیْنَ فَلَمَّا رَاَیْتُ الثَّانِیَۃَ قَالَ بَعُدَ مَنْ ذُکِرْتَ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ قُلْتُ اٰمِیْنَ فَلَمَّا رَاَیْتُ الثَّالِثَۃَ قَالَ بَعُدَ اَدْرَکَ اَبَوَیْہِ عِنْدَہُ الْکِبَرُ اَوْ اَحَدَھُمَا فَلَمْ یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ قُلْتُ اٰمِیْنَ۔ (زواجر، صفحہ:160)

سب لوگ منبر کے پاس حاضری دیں۔ ہم سب لوگ منبر کے پاس حاضر ہوئے۔ منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے حضور صلی اللہ ﷺ نے فرمایا: آمین، اور دوسری سیڑھی

پر قدم رکھتے ہوئے فرمایا: آمین، اور منبر کے تیسرے سرے پر رونق افروز ہو کر فرمایا: آمین۔ جب منبر سے نیچے تشریف لائے عرض کی: آج آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہ سنی تھی۔ فرمایا: بے شک جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے عرض کی کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو رمضان شریف میں مغفرت سے محروم رہے، میں نے کہا آمین۔ دوسری پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جو آپ کا ذکر سنے اور آپ پر دُرود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین۔ تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس کے ماں باپ دونوں یا ایک کو بڑھاپا آئے، مگر وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے، میں نے کہا آمین۔

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ السلام سب سے عالی مقام دربار میں آکر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں اور اس دعا پر سب سے مقدم ہستی اپنے ہونٹوں سے آمین کہہ کر اس دعا کی مستجابیت پر مہر ثبت کر دیتی ہے۔ ایک شخص وہ ہے جس کے سامنے نبی کریم کا اسم گرامی لیا جائے تو وہ آپ پر ادب سے درود نہ بھیجے، تو گویا اس نے خود کو اوندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارا۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقدم ہستی اللہ کو نبی کریم ﷺ کی ہستی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی اس مقدم ہستی پر درود نہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ پھر ایسے شخص کو رحمت کی امید نہ رکھنا چاہیے۔ بعض علمائے کرام نے آپ کے نامِ اقدس پر درود شریف پڑھنا واجب قرار دیا ہے، خواہ نام نامی ہزار مرتبہ ہی کیوں نہ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ایسے شخص کو بخیل اور شقی القلب کہا گیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں ہے کہ ایسا بخیل اور شقی القلب انسان حضور کی زیارت سے محروم رہتا ہے۔

جبریل علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایسے شخص کے حق میں بھی بددعا کی ہے کہ جس کی زندگی میں اس کے والدین ضعیف ہو جائیں اور ان کی خدمت نہ کرے تو ایسے شخص پر خداوندی عتاب لازم ہو جاتا ہے۔ کثیر احادیث میں ہے کہ جو شخص بڑھاپے میں اپنے والدین کی خدمت نہ کرے گا، ان کی نافرمانی کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ایک حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ ایک مرتبہ دربارِ رسالت میں ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) والدین کا مجھ پہ کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو ان کی

خدمت کرے گا، اس کا کہنا مانے گا، ان کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ تیرے لیے جنت یعنی اس کے بدلے میں تجھے جنت ملے گی اور اگر تو نے ان کی فرمانبرداری نہ کی تو وہ تیرے لیے جہنم یعنی اس کا بدلہ تجھے جہنم کی صورت میں ملے گا۔ ان کی ناراضگی تیرے لیے باعث جہنم اور رضامندی تیرے لیے باعث جنت ہے۔ ایک حدیث ہے کہ فرمانبردار بیٹا جب محبت کی نگاہ سے والدین کی طرف دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک مقبول حج کا ثواب دیتا ہے اور اس عطا میں ہرگز کمی نہیں کرتا۔ گویا والدین کے چہرے پر محبت بھری نگاہ ڈالنا بھی افضل ترین عبادت ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) میں جہاد میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا تیری والدہ باحیات ہے؟ جواب دیا: جی ہاں، ارشاد ہوا۔ جہاد میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اپنی والدہ کی خدمت کر کہ والدہ کے قدموں تلے جنت ہے۔ یعنی والدہ کی خدمت کرنے سے ہی جنت ملتی ہے۔

جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کے متعلق بھی بددعا کی ہے جو رمضان شریف جیسے متبرک مہینے میں خوابِ غفلت میں رہے اور معاصی میں وقت گزار دے۔ اللہ کی عبادت نہ کرے۔ حالانکہ رمضان شریف کا مہینہ اپنے اندر رحمت خداوندی کی سعادتیں سمائے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی بارش عام ہوتی ہے۔ ایسے میں بھی کوئی شخص رحمت سے محروم رہ جائے تو اس کی بدقسمتی کے سوا اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ماہِ صیام کا احترام

مقدس، معطر، مکرم، مطہر، محترم مہینے کا احترام سب پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو دین میں بڑی سہولتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس نے ہم پر روزہ فرض کیا ہے، مگر ساتھ ہی یہ سہولت بھی عطا فرمائی کہ حیض اور نفاس والی خواتین روزہ چھوڑنے کی مجاز ہیں۔ بچے بھی روزے کی فرضیت سے مستثنیٰ ہے۔ بیمار، کمزور اور مسافر بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت رکھتے

ہیں، لیکن دوسرے عاقل، بالغ، صحت مند لوگوں کو روزے ضرور رکھنا چاہیے اور اگر اپنی کوتاہی کی بدولت یا دیگر کسی امر کی وجہ سے روزے نہ رکھیں تو انہیں چاہیے کہ کم از کم رمضان شریف کا احترام ضرور کریں۔ روزہ داروں کو مذاق کا نشانہ نہ بنائیں کہ روزہ رکھنے سے میاں کانجڑی پہلوان بنتے جا رہے ہیں۔ ہمیں معاشرے میں تجارت جیسے مقدس و عظیم پیشے سے متعلق چاہیے کہ بے روزہ داروں کے کھانے کی اشیا سرِعام فروخت نہ کریں۔ نہ ہی خود سرِعام کھائیں، پئیں۔ نہ ہی لوگوں کے سامنے سگریٹ پئیں اور حقہ نوشی کریں۔

درمختار میں ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں سرِعام کھائے، اسے قتل کر دیا جائے ایسا تبھی ممکن ہے کہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو، ورنہ اس کمین اور نازیبا حرکت ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ: 136 پر رمضان شریف کے احترام کے متعلق ایک حکایت درج ہے کہ بخارہ کے شہر میں ایک مجوسی رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رمضان شریف میں مجوسی اپنے بیٹے کے ساتھ مسلمانوں کے بازار سے گزر رہا تھا۔ اس کا بیٹا کھا رہا تھا۔ مجوسی نے یہ دیکھ کر اپنے بیٹے کے رخسار پر طمانچہ مارا اور ناراضگی سے کہا تم کو رمضان شریف کے مہینے میں مسلمانوں کے بازار میں کھاتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔ لڑکے نے جواب دیا: ابوجان! آپ بھی تو رمضان شریف میں کھاتے ہیں۔ والد نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، میں کھاتا ہوں، مگر اپنے گھر میں کھاتا ہوں۔ لوگوں کے سامنے نہیں کھاتا اور اس ماہ کی حرمت کی تذلیل نہیں کرتا۔

جب وہ شخص وفات پا گیا تو کسی برگزیدہ ہستی نے عالمِ خواب میں اس کو جنت میں محوِ خرام دیکھا۔ حیرانی سے پوچھا کہ تُو مجوسی تھا، جنت میں کیسے آ گیا؟ کہنے لگا: واقعی میں مجوسی تھا، لیکن جب وقتِ مرگ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے احترامِ رمضان کی برکت سے مجھے ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور اب جنت مجھے احترامِ رمضان ہی کی بدولت ملی ہے۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کے احترام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرما کر جنت نواز دی۔

رمضان پاک کی احترام کی برکت

رمضان شریف کا اجر سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ جن لوگوں نے آج رمضان شریف کا احترام کیا، کل قیامت کے دن رمضان شریف ان کا احترام اس طرح کرے گا کہ ان کا ہاتھ پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے عزت ووقار کا تاج پہنانے کی درخواست کرے گا۔

رُوِیَ اَنَّ رَمَضَانَ یَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْ صُوْرَةٍ حَسَنَةٍ فَیَسْجُدُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ فَیُقَالُ لَهٗ خُذْ بِیَدِ مَنْ عَرَفَ حَقَّكَ فَیَأْخُذُ بِیَدِ مَنْ عَرَفَ حَقَّهٗ وَیَقِفُ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَیُقَالُ لَهٗ مَا تُرِیْدُ فَیَقُوْلُ یَارَبِّ تَتَوَجَّهَ بِتَاجِ الْوَقَارِ فَیُتَتَوَّجُ۔ (نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:137)

روایت ہے کہ قیامت کے روز رمضان شریف حسین صورت میں تشریف لائے گا۔ اللہ کو سجدہ کرے گا۔ اس سے کہا جائے گا کہ جس نے تیرا احترام کیا، اس کا ہاتھ پکڑ لو بس وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے گا، جس نے اس کی قدر کی ہوگی۔ بس پوچھا جائے گا کہ کیا طلب کرتا ہے؟ عرض کرے گا پروردگار! اس کو عزت اور توقیر کا ہار پہنا۔ پس ہار پہنا دیا جائے گا۔

□□□

سترہواں وعظ

رمضان کے روزہ کی فرضیت اور اس کی حکمت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔
(سورۂ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والے لوگو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے قبل کی اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ یہ گنتی کے دن ہیں اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے بعد کے دنوں میں رکھ لے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو وہ ایک مسکین کا کھانا بدلے میں دے۔ پھر جو اپنی طرف سے زیادہ نیکی کرے، اس کے لیے بہتری ہے۔ اگر تم جانو کہ روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے۔

روزے کی فرضیت

اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے بعد ہر مسلمان پر نماز فرض قرار دی گئی ہے۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔ تفسیر خازن میں نماز اور روزوں کی فرضیت میں صرف یہ فرق ہے کہ نماز شب معراج کو فرض ہوئی اور مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جب کہ روزے 10 رشوال سنہ 2 ہجری کو فرض ہوئے۔

اس آیت میں روزوں کی فرضیت کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرضیت کو پیارے اور از حد دل نشین انداز میں بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا روزہ اُمت محمدیہ کو ایمان کا وصف عطا فرمایا اور جب روزوں کی فرضیت کا حکم ارشاد فرمایا تو کہا: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو ایمان کی صفت سے یاد فرمایا۔ اگر کوئی یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ یا اور کوئی مذہب روزے رکھے گا تو اس کو سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ ان کا اللہ کی وحدانیت پر یقین نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا یقین نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کو روزہ رکھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں، البتہ مومن روزے رکھے گا۔ اس پر اللہ کی خاص عنایات ہوں گی۔ نیز اللہ نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی دل سے اور زبان سے اللہ کی توحید کا اقرار کرنے کے بعد ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ دوسرے لفظوں میں روزہ کو ایمان کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ اسلام میں عبادات دو طرح کی ہیں: مالی اور جسمانی۔ مالی عبادات میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے۔ جب کہ جسمانی عبادات میں نماز اور روزے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ روزہ رکھنا بڑی کٹھن بات معلوم ہوتی ہے۔ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنا اور نفسانی خواہش کو زیر کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے روزہ داروں کی تسلی و تشفی کے لیے فرمایا: كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یہ تم سے قبل کی اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے۔ یعنی یہ عبادت صرف ہم مسلمانوں پر فرض قرار نہیں دی گئی بلکہ کوئی بھی اُمت اِس عبادت کی ادائیگی سے محروم نہیں تھی۔ کائنات کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ہر ماہ کی ۱۳ویں، ۱۴ویں، ۱۵ویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ ان ایام کو ایام بیض کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہی روزے اُمتِ محمدیہ کے لیے نوافل قرار دیے۔ ان کو نفلی روزہ کہتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کی امت پر یوم عاشورہ اور ہر مہینہ کا روزہ فرض تھا۔ حضرت موسیٰ روح اللہ کی امت پر ماہِ رمضان میں روزے فرض تھے۔ موسم

بدلنا قدرت کا ایک عجیب کھیل ہے۔ کبھی سردی کبھی گرمی، کبھی بہار اور کبھی خزاں۔ اسی طرح رمضان شریف کبھی سردیوں میں آتا اور کبھی گرمیوں میں۔ جب سردیوں میں رمضان شریف آتا تو حضرت عیسیٰ کی اُمت روزے رکھ لیتی۔ مگر گرمیوں میں آتا تو کہتے کہ ایسی گرمیوں میں کون روزے رکھے۔ سردیوں کے روزے ہی ٹھیک ہیں۔ چلو سردیوں میں ۳۰ دن کی بجائے پچاس روزے رکھ لیں گے۔ یعنی ۲۰ روزے زائد رکھ لیں گے۔ اس طرح کسر نکل جائے گی۔ (تفسیر عزیزی، جلد اوّل، صفحہ: 639)

اسی صفحے پر آگے چل کر حضرت علی کا یہ ارشاد مرقوم ہے کہ روزہ اصلی اور سب سے قدیم عبادت ہے۔ تمام امتوں پر اس کی فرضیت رہی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ السلام سے لے کر آج تک روزہ کسی نہ کسی شکل میں فرض رہا، اس لیے یہ مت سوچو کہ یہ تکلیف دہ عبادت صرف مسلمانوں کے لیے ہی ہے۔

روزہ ایک عظیم عبادت ہے۔ یہ تمام امتوں پر فرض رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ نعمت سب امتوں کو عنایت فرمائی تاکہ ہر امت خداوند عظیم کے فضل و کرم سے محروم نہ رہے تو پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک نعمت تو سب امتوں پر عنایت کرتا اور اپنے پیارے محبوب باعثِ تخلیق دو عالم حضرت محمد ﷺ کی امت کو اس نعمت سے محروم رکھتا، اس لیے اپنی رحمت سے امت محمدیہ کو مستفید فرمانے کے لیے روزے فرض کیے گئے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ شاعر نے کہا ہے کہ:

یہ نیرنگیاں لا اُبالی نہیں   کوئی پردہ نغمے سے خالی نہیں

خداوند عظیم نے کائنات کی کوئی شے بھی فضول اور بے فائدہ نہیں بنائی، بلکہ ہر شے میں کوئی نہ کوئی فائدہ پوشیدہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سب فائدہ خداوند عظیم کا ذاتی فائدہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے۔ اس کو کسی فائدے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب نیرنگیاں تو اللہ نے بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے بنائی ہیں۔ چونکہ روزے اللہ تعالیٰ نے خاص امت محمدیہ پر نازل فرمائے ہیں، اس لیے روزوں کا فائدہ بھی اُمتوں کے لیے ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

متقی سے مراد پرہیزگار بن جاؤ، ہے۔ پرہیزگار سے مراد یہ ہے کہ ہر برے کام سے اجتناب برتنا اور ہر نیک کام میں اللہ کی رضا ورغبت کا خیال رکھنا اور جب انسان ہر کام میں اللہ کی رضا ورغبت کا خیال رکھنا شروع کرتا ہے تو پھر اس کی دنیا کے امور سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کا بن جاتا ہے اور جب کوئی اللہ کا بن جائے تو پھر اللہ اس کا بن جاتا ہے اور جب اللہ کسی کا بن جائے تو انسان کی نجات لازمی ہو جاتی ہے اور دنیا جہاں کی تمام نعمتیں یعنی سرمدی اور ابدی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ ایسی ایسی نعمتیں جن کا ذکر کبھی نہ سنا ہو اور جن کو آنکھ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ حتی کہ ان کا خیال بھی دل میں گزرا ہوگا۔

روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے اور بھوکا پیاسا رہنے سے بدن میں کمزوری آجاتی ہے، جس کی وجہ سے سب اعضا سست ہو جاتے ہیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں، نہ ہی آنکھ میں کسی فضول شے کی طرف دیکھنے کی رغبت باقی رہی ہے، نہ ہی زبان کو ناجائز کہنے کی سکت اور نہ ہی کان فضول باتیں سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ پاؤں سے کسی ناجائز فعل کرانے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ہر برا اور ناجائز فعل کرنے سے قبل یہ احساس ہوتا ہے کہ میرا روزہ ہے۔ لہٰذا مجھے اس برے کام سے باز رہنا چاہیے۔ مسلسل ایک ماہ کی مشق سے انسان ان باتوں کا عادی ہو جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کا نفسِ امارہ مردہ ہو جاتا ہے اور انسان کا قلب ہر قسم کے میل سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے اسی نفرت کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اسی کو روزوں کی حکمت کہا جاتا ہے۔ یہی روزوں کا فلسفہ ہے اور یہی روزوں کی افادیت ہے، جس کو قرآن مجید میں لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے پیارے الفاظ سے موسوم فرمایا گیا ہے۔

روزہ دار روزوں سے ضبطِ نفس کا بہترین درس حاصل کرتا ہے۔ بھوک انسان سے کھانے کا تقاضا کرتی ہے۔ حلق سوکھنے پر پانی کا تقاضا کرتا ہے، مگر انسان کو روزے کا احساس ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنی ہر خواہش کو زیر کر لیتا ہے۔ اسی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری رکھا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خواہشاتِ نفسانی پر قابو پا کر انسان خود پر مکمل کنٹرول کرنا سیکھ جاتا ہے اور مکمل طور پر حاکم بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق اتنی ہیں کہ عقلِ انسانی شاید قیامت تک ان کا احاطہ نہ کر سکے۔ ان ہی مخلوقات میں فرشتے بھی ایک مخلوق ہیں جو بعض صفات میں انسان سے ماورائی مخلوق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان کو کھانے پینے کی خواہشات سے آزاد فرمایا ہے۔ نیز ان کو خواہش جماع بھی نہیں ہے۔ اسی طرح رمضان شریف میں انسان کھانے پینے سے اجتناب برتتا ہے اور جماع سے بھی گریز کرتا ہے۔ گویا روزہ انسان کو اوصافِ ملائکہ سے متصف کر کے سرفرازی سے ہمکنار کرتا ہے۔

تقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ روزوں کا عام زندگی میں بھی بڑا فائدہ ہے۔ روزہ انسان کو مساوات کا درس دیتا ہے۔ روزے کی حالت میں بھوکا پیاسا رہنے سے بھوک اور پیاس کا احساس جاگ اُٹھتا ہے اور دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے۔ روزہ امیروں کو خفت میں ڈال کر ان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تم صرف ایک ماہ بھوک اور پیاس کی سختی برداشت کرتے ہو اور یہی تم پر مشکل بن جاتی ہے۔ ذرا خیال کرو ان غریب لوگوں کا اور ان کے بال بچوں کا جو سارا سال پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھا سکتے، ان پر رحم کرنا تمہارا اخلاقی فرض ہے۔ ایسا کرنا ہی تمہارے لیے باعثِ نجات ہے۔ بصورتِ دیگر تم مومن کہلانے کے حقدار نہیں۔

ابن عباس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ: 424)

میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے سنا کہ وہ مومن نہیں، جو خود تو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ روزہ ہمیں مساواتِ نسلِ انسان کی تربیت دیتا ہے۔ روزوں کے فوائد بے شمار ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ انسان کی ذاتی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں صبح سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنے سے جسم کے بہت سے فاسد مادّے گل سڑ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ روزہ رکھنے سے جسم کا وہ زائد گوشت گل سڑ جاتا ہے جو خوراک کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ شکمی امراض زیادہ

کھانے کی بدولت لاحق ہوتے ہیں، اسی لیے حدیث شریف میں زیادہ کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اور کم کھانا باعثِ محمود فرمایا گیا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ سے ارشاد فرمایا:

دَاوِمِیْ قَرْعَ بَابَ الْجَنَّةِ قَالَتْ بِمَاذَا قَالَ ﷺ بِالْجُوْعِ۔

(احیاء العلوم امام غزالی، جلد اوّل، صفحہ:238)

اے عائشہ! ہمیشہ جنت کے دروازے پر دستک دیتی رہا کرو۔ عرض کی کس چیز سے؟ فرمایا! بھوک سے۔ روزے کی حالت میں انسان کا عقیدہ اپنے رب کے متعلق پائیدار ہوتا ہے کہ رب ہر جگہ موجود ہے۔ رب تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ اسی عقیدے کی بنا پر روزہ دار بھوک اور پیاس کی شدت کے عالم میں بھی چوری چھپے کھانے سے بھی گریز کرتا ہے، کیونکہ اس پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہے کہ گرچہ یہ عمل سب سے مخفی اور پوشیدہ ہے، مگر میرا رب میرے دل کا سارا حال جانتا ہے، اس لیے مجھے اس بات سے باز رہنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں روزہ اللہ تعالیٰ کی سماعت و بصارت کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کرتا ہے۔

اَیّامًا معدودات

روزہ سراپا فوائد ہے اور کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ روزہ داروں ہی کے لیے فائدہ مند ہے۔ روزے سے نفسِ امارہ کی کسور ہوتی ہے، مگر دل میں پھر بھی یہ خیال جنم لیتا ہے کہ گرچہ روزہ سراپا فوائد ہے، برکت اور خیر کا منبع ہے، مگر کامل ایک ماہ بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنا بڑا دل گردے کا کام ہے۔ اس مایوس کن حقیقت سے واقف اللہ تعالیٰ اس مایوس کن اور گمراہ خیال کے اثر کو زائل کرنے کی خاطر امت مسلمہ کی دل جوئی کے لیے فرماتا ہے: اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ یعنی گنتی کے دن۔ اے ایماندارو! اپنے دلوں کو تھوڑا مت کرو۔ یہ تکلیف طویل مدت کے لیے نہیں ہے، بلکہ گنتی کے چند دن ہیں جو ایک ایک کر کے گنتے ہوئے جلد ہی ختم ہو جائیں گے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا۔ اس وضاحت پر بھی دماغ میں وسوسہ پیدا ہوتا کہ مانا

کہ یہ تکلیف گنتی کے چند دنوں کے لیے ہے، مگر مسافر اور بیمار لوگ ایک دن کی بھی تکلیف کیسے گوارا کر سکیں گے۔ اس احساسِ مشکل کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔

اے ایمان والو! تمہارا رب بڑا رحیم و کریم اور مہربان ہے۔ وہ تم کو تکلیف میں دیکھنا نہیں چاہتا، بلکہ جب تم سخت بیماری میں مبتلا ہو جاؤ، یا شرعی سفر میں ہو تو تمھیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، جن کی قضا تم عالمِ صحت میں ادا کر سکتے ہو۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ۔ اتنی ساری رعایتوں پر بھی دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ نفس امارہ یہ نکتہ پیدا کرتا ہے کہ چلو مان لیا کہ یہ گنتی میں چند دن ہیں۔ یہ بھی مان لیا کہ بیمار اور مسافر روزہ عالم صحت تک چھوڑنے کے مجاز ہیں، مگر کمزور، لاغر اور بوڑھے افراد سے روزہ کی تکلیف کیونکر برداشت ہو سکے گی۔ اسی وسوسہ کو رد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔

یعنی جو لوگ لاغر، کمزور اور ضعیف العمر ہیں کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی تکلیف برداشت نہ کر سکیں گے تو ایسے لوگ صبح و شام مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلا دیں یا ہر روزے کے عوض نصف صاع کسی مسکین کو دے دیں۔ ان کو روزہ کا مکمل ثواب ملے گا۔ پھر ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ۔ اگر کوئی زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہے تو وہ ایک مسکین کی بجائے دو مسکینوں کو کھانا کھلائے اور نصف کی بجائے پورا دے دے کیونکہ جتنا زیادہ احسان کرے گا، اتنا ہی زیادہ اجر دیا جائے گا۔ پھر ارشاد فرمایا: وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

اگر تم روزہ رکھو گے تو تمہارے لیے ہی فائدہ مند ہے، کیونکہ روزہ کی فضیلت بہت ہے۔ گرچہ تم سفر میں ہو یا بیمار ہو، کمزور اور لاغر تب بھی روزہ رکھ لو، تو تمہارے لیے ہی بہتر ہے، کیونکہ سفر میں دوسروں کے ساتھ تم روزہ رکھ سکو گے۔ جب کہ اکیلے تمھیں مشکل آئے گی۔ اللہ ہم سب کو روزہ کامل رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

□□□

اٹھارہواں وعظ

روزہ کی فضیلت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (سورۂ زمر)

ترجمہ: صابروں کو ہی ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔

مزدور مزدوری اس لیے کرتا ہے کہ مزدوری کا اس کو معاوضہ ملتا ہے۔ اگر مزدوری معقول ہوگی تو فطری اور قدرتی طور پر مزدور اپنے کام کو برضا و رغبت کرے گا اور اگر مزدوری نامعقول ہوگی تو قدرتی طور پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ مزدور اپنے کام کو ختم کرنے کے لیے زیادہ دلچسپی نہیں لے گا۔ کوئی بھی مالک کسی بھی کارکن کی مزدوری میں اضافہ اس لیے کرتا ہے کہ ورکر اپنے کام کو دل جمعی، دلچسپی اور رضا و رغبت سے اور احسن طریقے سے انجام دے۔

اسی طرح اسلام نے اگر کسی عبادت کو انسان پر لازم، ضروری اور واجب یا فرض قرار دیا ہے تو اس عبادت اور عمل کے کرنے کا اجر و ثواب بھی بتایا، تاکہ لوگ اس عمل یا عبادت کے کرنے میں سستی یا کاہلی اور غفلت سے کام نہ لیں، بلکہ جوش، جذبہ اور تندہی سے اس عمل یا عبادت کو سرانجام دیں۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ نے عبادت الصوم ہم مسلمانوں پر فرض فرمائی اور ساتھ ہی اللہ نے قرآن مجید میں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس عبادت کے ثواب اور اجر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی تاکہ لوگ اس کو فقط ایک تکلیف دہ عبادت سمجھ کر نہ چھوڑ دیں بلکہ اس تکلیف دہ عبادت کے پر تکلف اور پرتعیش انجام کو دیکھتے ہوئے اس عبادت کو بہ طریق احسن انجام دیں۔ قرآن مجید میں جابجا اس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ چند ایک آیات نذر قارئین ہیں:

پہلی آیت: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (سورۂ زمر)

صابروں کو ہی ان کا بھرپور بے حساب اجر دیا جائے گا۔

فائدہ: صبر کے معانی یہ ہیں کہ اگر کسی برے وقت میں انسان کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑے تو ہنستے مسکراتے ہوئے ان تکالیف کو برداشت کرے اور کاتبِ تقدیر کی رضا پر راضی رہے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ السلام پر مصائب آئے۔ انھوں نے سب برداشت کیے اور اللہ کی رضا پر شاکر رہے۔ حتیٰ کہ ان کے سارے بدن میں کیڑے پڑ گئے، مگر آپ ذرا بھی شاکی نہ ہوئے۔ فقط اتنا عرض کیا: اے باری تعالیٰ! میرے سارے بدن میں کیڑے پڑ جائیں گے مگر میری زبان محفوظ رہے تاکہ اس سے تیری حمد و ثنا بیان کرتا رہوں۔

اللہ اللہ! کیا شان ہے کہ سارے بدن میں کیڑے پڑ گئے اور پھر بھی شکایت نہیں ہے۔

صبر کی ایک مثالِ بے مثال ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے طائف کے میدان میں قائم کی کہ جب آپ نے اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ کا سارا جسم اطہر لہولہان ہوگیا۔ اسی حالت میں فرشتہ جبریل حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) اگر حکم ہو تو اس بستی پر ایسا پر ماروں کہ ساری بستی کو تباہ کردوں، مگر قربان جائیے شانِ رسالت پر، فرمایا: نہیں۔ میں سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں، زحمت بنا کر نہیں۔ آپ نے ایسے عالم میں ہاتھ اٹھا کر رحمت خداوندی کے حضور عرض کی کہ یااللہ! ان کو ہدایت نصیب فرما۔ یہ تیرے پیغمبر کی شان سے واقف نہیں ہیں۔ اس وقت ہمارا موضوعِ سخن حضور ﷺ کی صابریت نہیں ہے، ورنہ ان کی ساری زندگی اوّل تا آخر ایسے ہی بے شمار واقعات سے مزین ہے۔

ہاں تو قارئین کرام، عرض کیا جا رہا تھا: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ صابروں ہی کو ان کا بھرپور بے شمار اجر دیا جائے گا۔

ظاہری طور پر روزہ بھی ایک تکلیف دہ امر محسوس ہوتا ہے، کیونکہ عالم روزہ میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک بھوکا پیاسا رہنے کی تکلیف برداشت کرنا ہوتی ہے، جس کو روزہ دار اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس پر برداشت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ صبر اور نماز کے ساتھ مدد کا حصول کرو۔۔۔

اس مقام پر مفسرین کرام نے صبر کا معنی روزہ بیان کیے ہیں۔

امام غزالی کے نزدیک صبر کے معانی روزہ کے ہیں اور صابرین سے مراد روزہ دار ہیں۔

یعنی امام غزالی کی اس تشریح کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ روزہ داروں کو ان کے روزوں کا ان گنت ثواب دے گا۔ دیگر عبادات کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا ہوسکتا ہے، مگر روزہ کا جو ثواب اور اجر ہوگا وہ کسی حساب کتاب میں نہیں آسکے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ ایک ایسی عظیم عبادت ہے جس کے ثواب کا تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا۔

(احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ:338)

دوسری آیت: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ سجدہ)

کسی نفس کو آنکھ کی اس چھپی ہوئی ٹھنڈک کا علم نہیں جو ان کے کاموں کا صلہ ہے۔

فائدہ: دنیا دار العمل ہے۔ اس کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے، یعنی جو کچھ اعمال یہاں کیے جائیں گے ان کا صلہ ہمیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دے گا اور اگر اعمال نیک ہوں گے تو ان نیک اعمال کا صلہ اللہ تعالیٰ ایسی نعمتوں سے دے گا، جن کا نظارہ کرتے ہی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اعمال سے مراد روزے ہیں۔ (احیاء العلوم، صفحہ:338)

یعنی روزوں کا صلہ ایسی نعمتیں ہوں گی جو آنکھوں سے کبھی نہ دیکھی ہوں گی۔ ایسی نعمتیں جن کے تذکرے کبھی کانوں میں نہ آئے ہوں گے، جن کا دل نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ ان کا نظارہ کرنے سے آنکھ میں ٹھنڈک پڑ جائے گا۔ **الحمدلله رب العالمين۔**

تیسری آیت: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ۔ (سورۂ حاقہ)

کھاؤ اور نوش کرو۔ یہ صلہ ہے اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں گزرے دنوں سے مراد دار العمل یعنی دنیا ہے اور اس دنیا میں کیے گئے اعمالِ نیک کا صلہ یہ ہے کہ کھانے کے لیے خوش ذائقہ میوہ جات ہوں گے اور پیاس

میں پینے کے لیے شراباً طہورا یعنی پاکیزہ شراب کے بلوریں جام ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت وکیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایام الخالیہ سے مراد ایام صیام ہیں۔ (احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 134)

دوسرے الفاظ میں اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ٹھہرا کہ ایام الخالیہ میں یعنی روزوں کے دنوں میں جو شخص رضائے مولا اور حبیب خدا کے لیے اچھے اور نیک اعمال کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے صلے میں میوہ ہائے بہشت کھانے کے لیے اور پینے کے لیے پاکیزہ اور خوشبودار شراب عنایت فرمائے گا۔ **الحمدلله رب العالمين۔**

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:135 پر ایک روایت مرقوم ہے کہ قیامت کے دن جب حضرت اسرافیل صُور پھونکیں گے تو روزے دار اپنی قبور سے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ جنت کے نگران فرشتے رضوان کو حکم دے گا کہ روزے دار بھوکے اور پیاسے ہیں، ان کو ان کی خواہش کے مطابق جنت کے کھانوں سے ان کی تواضع کرو۔ اس وقت رضوان یہ ندا کرے گا: اَیُّهَا الْغِلْمَانُ وَالْوِلْدَانُ۔ اے خادمانِ بہشت! جنت کے طباقوں میں جنت کا کھانا سجا کر لاؤ۔ اس وقت خادمانِ بہشت میوہ جات اور خوش ذائقہ شراب لے کر روزہ دار مرد اور خواتین کا استقبال کریں گے اور کھانے پینے کی اشیا پیش کر کے کہیں گے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓــٴًـۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ۔

ان روزوں کی برکت سے جو تم نے دنیا میں رکھے۔ اب یہ عمدہ کھانے اور لذیز شراب کھاؤ پیو۔

روزوں کی عظمت اور ان کے عظیم اجر کے متعلق قرآنِ حکیم میں ہی بیان نہیں بلکہ ہمارے رسول مقبول ﷺ نے بھی روزوں کی عظمت اور ان کے عظیم اجر کے متعلق ارشاد فرمایا:

پہلی حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:173)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس

نے ایمان کی حالت میں اور ثواب سمجھ کر رمضان کے روزے رکھے تو اس کے پہلے کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! رمضان شریف کے روزے رکھنے سے پہلے کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ معاملہ تو دنیا میں ہے۔ آخرت میں اللہ جانے کیا اجر ہوگا۔

دوسری حدیث: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِأَةٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ یَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَ طَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ وَ الصِّیَامُ جُنَّةٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:173)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ ابن آدم کے ہر کام میں اضافہ کیا جاتا ہے، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، مگر روزہ (کہ اس کا ثواب بے شمار ہے) میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا صلہ دوں گا۔ روزہ دار اپنی خواہش اور کھانا میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اللہ کا دیدار کرنے کے وقت اور روزہ دار کے منہ کی بُو کستوری کی خوشبو سے زیادہ اللہ کے نزدیک پسند ہے اور روزے ڈھال ہیں۔

فائدہ: نیک اعمال کا صلہ اللہ تعالیٰ جتنا چاہے دے دیتا ہے، مگر عمل کرنے والے کی نیت بھی دیکھتا ہے۔ کسی کو دس گناہ کسی کو بیس گنا اور کسی کو سات سو گنا ثواب دیا جاتا ہے۔ عمل میں عامل کے خلوص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے، جس قدر خلوص زیادہ ہوگا، اجر اسی قدر زیادہ ہوگی اور اخلاص میں جس قدر کمی ہوگی، اتنا ہی ثواب کم ملے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ملاحظہ فرمائیے کہ روزہ کے بارے میں خلوص وغیرہ کا کوئی جھگڑا ہی نہیں، کیونکہ اس کا ثواب بے شمار ہے، کیونکہ روزہ فقط اور فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا اجر دینے والا ہے۔ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ. یعنی روزہ مرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ دیگر عبادات میں دھوکہ یا فراڈ اور دکھاوا ہو سکتا ہے، مگر

روزہ میں نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نماز اس لیے پڑھتا ہو کہ لوگ اسے نمازی کہیں اور اسے اچھا سمجھیں۔ زکوٰۃ اس لیے دیتا ہو کہ لوگوں میں اس کی رحم دلی کے چرچے ہوں، حج اس لیے کرتا ہو کہ شہرت ملے اور لوگ اسے الحاج کہہ کر پکاریں، مگر روزہ میں کوئی دکھاوا نہیں ہے، کیونکہ کسی فرد کو پتہ نہیں چلتا کہ فلاں شخص روزے سے ہے یا نہیں۔ یہاں پر ایک اور بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دیگر عبادات کا ثواب دوسرے لے جا سکتے ہیں، مگر روزہ صرف اللہ کے لیے ہے، اس کا حق کسی دوسرے کو نہیں دیا جائے گا۔

ابن عُیینہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز ایک روزہ دار اللہ کے دربار میں حساب کتاب کے لیے پیش ہوگا۔ وہ شخص لوگوں کے حقوق کا مقروض ہوگا۔ حقدار آئیں گے اور اس کی نیکیاں لیتے جائیں گے۔ کوئی اس کی نمازوں کا ثواب لے جائے گا اور کوئی اس کے حج کا ثواب لے جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس صرف روزہ کا عمل باقی رہ جائے گا، مگر ابھی بھی حقوق العباد اس پر واجب ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ روزہ تو میرا ہے، اس کا ثواب کسی دوسرے کو نہ دیا جائے گا اور حقداروں کو اپنی طرف سے حق عطا فرمائے گا اور روزے دار کو روزہ کی بدولت جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہ مطلب اس وقت ہوگا جب اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ پڑھا جائے۔ اگر اَنَا اُجْزٰی بِهٖ پڑھا جائے تو مطلب ہوگا کہ روزہ کی جزا خود میں (اللہ) ہوں، یعنی نماز اور حج کا صلہ جنت ہے، مگر روزے کا صلہ صاحب جنت ہے، یعنی اور عبادت سے تو جنت ملے گی، مگر روزہ سے اللہ تعالیٰ ملے گا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ۔

روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب کا دیدار کرنے کے وقت۔ افطار کے وقت کی خوشی ظاہر ہے کہ بھوک اور پیاس سے پیٹ اور حلق خشک ہو گئے تھے، پس کھانا کھانے سے بھوک ختم ہو گئی اور پانی پینے سے پیاس بجھ گئی۔ جسم میں

تازگی اور توانائی آگئی۔ ایک نئی زندگی ملی اور خوشی حاصل ہوئی۔ دوسری خوشی یہ ہے کہ روزہ دار اپنے روزے کی بدولت جنت میں جگہ پالے گا، جہاں اسے تمام قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی اور ان نعمتوں سے اسے خوشی اور لطف ملے گا۔ پھر اسے اللہ کریم کا دیدار ہوگا، جس کی خوشی میں وہ جنت کی تمام خوشیوں کو فراموش کر دے گا اور بھول جائے گا۔ فقط اللہ تعالیٰ کے دیدار کی ہی خوشی اسے یاد رہے گی۔

روزہ دار کے منہ کی بو

روزے کی حالت میں بھوکا اور پیاسا رہنے سے منہ میں ایک طرح کی بُو پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل باتیں علم میں آتی ہیں:

1- اللہ تعالیٰ روزِ قیامت روزہ دار کے منہ کی بُو کا بدلہ اس خوشبو سے دے گا جو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی۔

2- جب قیامت کے روز روزہ دار قبور سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے ایک ایسی خوشبو نکلے گی جو کستوری سے بہتر ہوگی۔

3- یہ خوشبو بابِ محبت سے بھی ہو سکتی ہے کہ عشق و محبت کی خوشبو ہزارہا کستوریوں کی خوشبو سے بہتر ہے۔ بلاشبہ روزہ دار کے ساتھ اللہ کی محبت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے منہ کی بُو مشک اور کستوری کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

روزہ ڈھال ہے

ارشادِ باری ہوتا ہے: اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ۔ روزہ ڈھال ہے۔

میدانِ کارزار میں سپاہی کے پاس دو اشیا لازمی طور پر ہوتی ہیں: ایک تلوار جو کہ سپاہی دائیں ہاتھ میں رکھتا ہے اور دوسری ڈھال جو کہ بائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ڈھال لوہے کی بنی ہوئی ایک حفاظتی خول ہوتی ہے، جس سے انسان اپنا بچاؤ کرتا ہے۔ اس طرح زندگی میں انسان کا ہمہ وقت شیطان سے پالا رہتا ہے۔ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ پس اس

کے واروں سے بچنے کے لیے روزہ بہترین ڈھال ہے۔ روزہ سے ایک تو انسان شیطان کے شیطانی حملوں سے محفوظ رہے گا۔ دوسری طرف روزِ قیامت نارِ جہنم سے اپنا بچاؤ کر سکے گا۔

تیسری حدیث: اس حدیث کو بیہقی نے روایت کیا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَيْ رَبِّ اِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ، صفحہ:173 پر مرقوم ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزے اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزے عرض کریں گے: اے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے روکا ہے، پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔

قرآن عرض کرے گا: میں نے اس کو رات میں سونے سے روکا ہے، اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس شفاعت قبول کی جائے گی۔

فائدہ: روزِ قیامت بڑا سخت دن ہوگا۔ ہر شخص کو اپنی فکر ہوگی۔ کوئی کسی کا دوست اور ساتھی نہ ہوگا۔ ہر کوئی ہر کسی کو چھوڑ جائے گا، ایسے نازک وقت میں بھی روزے اور قرآن انسان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے۔

چوتھی حدیث: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مَعَهُمْ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ فَيَدْخُلُوْنَ مِنْهُ فَاِذَا اُخِرُهُمْ اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ۔ (رواہ مسلم)

سہل بن سعد راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کو ریان کہا جاتا ہے۔ قیامت کے روز اس دروازے سے روزے دار داخل ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی بھی اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے گا۔ کہا جائے گا: کہاں ہیں روزے

دار؟ پس وہ اس دروازے سے داخل ہوں گے۔ جب آخری روزہ دار داخل ہو جائے گا تو دروازہ بند ہو جائے گا اور کوئی بھی اس میں سے داخل نہ ہو سکے گا۔

فائدہ: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں سے ایک کا نام ریان ہے۔ اس دروازے کی خوبی یہ ہے کہ یہ فقط روزہ داروں کے لیے مخصوص ہوگا اور جو کوئی اس دروازے سے گزرے گا، اس کی پیاس ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی یا اس کو ایسا شربت پلایا جائے گا، جس سے ان کی تشنگی بالکل ختم ہو جائے گی۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:643)

خداوند عظیم ہم سب کو پابندی سے روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم بھی اس کی خاص عنایات حاصل کر سکیں اور اس خاص دروازے سے گزر کر جنت میں داخل ہوں۔ آمین! ثم آمین!!

□□□

انیسواں وعظ

سحر و افطار کا بیان اور ترکِ صوم کی برائی

ترکِ صوم کی برائی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ۔ (رواہ ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رمضان میں ایک دن بغیر کسی مرض اور رخصت کے افطار کرے تو تمام عمر کے روزے اس کی قضا نہیں بن سکتے، اگرچہ وہ روزہ رکھے۔

فائدہ: رمضان شریف کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور خاتون پر فرض ہیں اور ان کا اجر و ثواب بھی ان گنت ہے۔ جو شخص بغیر کسی شرعی عذر اور رخصت کے روزہ چھوڑے، مثلاً بیمار بھی نہ ہو، لاغر اور کمزور بھی نہ ہو، مسافر بھی نہ ہو، ضعیف العمر بھی نہ ہو اور پھر بھی روزہ چھوڑ دے تو اس روزے کی قضا میں اگر ساری عمر بھی روزے رکھے جائیں، تب بھی روزے کی قضا نہ ہو سکے گی۔

بعض علمائے کرام اس حدیث کے ظاہری معانی لیتے ہیں۔ جمہور فقہا کے نزدیک اگر رمضان شریف کا روزہ بغیر کسی عذر کے نہ رکھے اور بعد میں ایک دن روزہ رکھ لے تو قضا پوری ہو جائے گی اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اگر کسی نے بحالتِ روزہ جان بوجھ کر کچھ کھایا پیا، یا روزہ توڑ ڈالا تو اس کی قضا ایک کے بدلے دو ماہ کے روزے رکھنے سے مکمل ہو جائے گی۔ مگر وہ برکت ہاتھ نہیں آ سکے گی جو رمضان شریف میں ملتی ہے۔ یہ اسی صورت میں ہے کہ روزہ کی قضا کرے، لیکن اگر بالکل ہی نہ رکھے۔ جیسا کہ اس پر آشوب زمانے میں ہو رہا ہے کہ رمضان شریف میں

نہ روزے رکھتے ہیں اور نہ ہی عمر میں ان کی قضا کرتے ہیں، وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں۔

اسلام کی عظیم الشان بلڈنگ کی تعمیر پانچ بنیادوں پر استوار کی گئی ہے۔ اللہ کی توحید کا اقرار کرنا اور حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا، اس کے بعد دیگر ارکان یہ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ایسے مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے جو مردم شماری میں مسلم شمار ہوئے ہیں، مگر وہ ان چاروں میں سے ایک کے ادا کرنے والے بھی نہیں۔ سرکاری کاغذات میں تو مسلم لکھے جاتے ہیں مگر اللہ کے حضور ان کا شمار کامل مومن میں نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ملاحظہ ہو:

قَوَاعِدُ الدِّیْنِ ثَلٰثَةٌ عَلَیْهِنَّ بُنِیَ الْاِسْلَامُ مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ الْمَكْتُوْبَةُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ۔

یہ ارشاد زواجر، جلد اول، صفحہ: 158 سے لیا گیا ہے۔ اسلام کا ضابطہ اور دین کی بنیاد تین چیزیں ہیں، جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ جو کوئی ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دے گا، پس وہ اس کے ساتھ کافر ہے کہ جس کا خون حلال ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: اللہ کی وحدانیت کی گواہی، فرض کردہ نماز اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

ابن عباس کے نزدیک نماز اور رمضان شریف کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ ان کے یہاں بغیر کسی شرعی عذر کے انھیں چھوڑنے والا کافر ہے اور جناح الامام خلیفۂ اسلام تعزیراتِ اسلامی کی رو سے قتل کرسکتا ہے۔ جمہور علما کے نزدیک یہ روایات اتنی درست نہیں یعنی یہ کہ جو شخص رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت سے انکار کرے وہ کافر ہے، لیکن بہر حال بغیر کسی شرعی وجہ کے روزہ چھوڑنے والے فاسق ہوتے ہیں۔ ان کے فاسق ہونے میں کسی کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

سحری کا کھانا

رمضان شریف کے روزے کے لیے سحری کھانا باعثِ برکت ہے۔ خواہ ایک دو لقموں یا کھجور کے چند دانوں سے بھی سحری کھائی جائے۔ سرکارِ دوعالم کا ارشاد ہے:

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ السُّحُوْرَ بَرَكَةٌ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ: 175)

سحری کھانے سے پیٹ کو کچھ آسرا ہو جاتا ہے اور بدن میں سارے دن کی بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی تاب آجاتی ہے۔

نزولِ رحمت

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ۔ (نزہۃ المجالس، جلد: 1، صفحہ: 138)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

رمضان شریف کے روزے کے لیے جب انسان سحری کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ میرا بندہ میرے واسطے روزہ رکھ رہا ہے اور خوش ہو کر اس پر رحمت کا نزول کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے حق میں رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

سحری کھانا شعارِ اسلام

سحری کے وقت اُٹھنا اور کھانا کھانا اسلامی شعار ہے جو کہ کسی دوسرے کو عنایت نہیں کیا گیا۔ اہلِ کتاب بھی اس سعادت سے محروم ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ۔ (رواہ مسلم)

ہم اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا ہے۔ سحری پر اٹھنا اور کھانا اُمتِ مسلمہ کے لیے یوں بھی ضروری ہے کہ یہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی اور دیگر صحابۂ کرام کی سنت ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سحری کے وقت بیدار ہوتے تھے اور کھانا تناول فرماتے تھے۔ اس لیے جو کام ہادیٔ برحق ﷺ اور صحابۂ عظام نے کیا ہو ہم اس کام کو چھوڑنے کے مجاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ کھانا تناول کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

افطار

جب سورج نظروں سے اوجھل ہو جائے تو یہ دعا پڑھتے ہوئے اللہ کے دیے ہوئے رزقِ حلال سے افطار کرے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

افطاری سورج کے مکمل غروب ہونے پر کرنا چاہیے۔ مگر اتنی تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے

کہ آسمان پر ستارے جھلمل جھلمل کرنے لگیں، ایسا کرنا خالی از کراہیت نہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا وَلَا يَنْتَظِرُوْنَ بِفِطْرِهِمِ النُّجُوْمَ۔ (کشف الغمہ، صفحہ:201)

لوگ یعنی اُمت ہمیشہ خیر میں رہے گی جب کہ وہ روزہ جلدی افطار کریں اور افطاری میں ستاروں کا انتظار نہ کریں۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ہمیشہ دین اسلام غالب رہے گا جب کہ لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں، کیونکہ یہود اور نصاریٰ افطار میں تاخیر کرتے ہیں۔

یہ احادیث مبارکہ ہمیں بتاتی ہیں کہ افطاری میں تاخیر باعثِ کراہیت اور عجلت باعثِ برکت ہے۔ مگر ایسی بھی نہ ہونا چاہیے کہ ابھی روزہ کے وقت میں کچھ وقت رہتا ہو اور روزہ افطار کرلیا جائے۔ اس سے ایک تو روزہ کا ثواب جائے گا اور دوسرے سارے دن کی محنت شاقہ ضائع ہوگی۔ ربّ تعالیٰ اس کو قطعاً پسند نہیں کرتا، بلکہ ناراض ہوگا۔

زواجر، جلد اوّل، صفحہ:159 پر ابن خزیمہ اور ابن حبان کی اپنی اپنی صحیحین میں یہ روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک رات میں محوِ خواب تھا۔ میں نے دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس حاضر ہوئے اور میرے دونوں بازو پکڑ کر مجھے ایک پہاڑ کی طرف لے گئے اور مجھ سے کہا کہ اس پہاڑ پر چڑھیں۔ میں نے کہا میں اس پہاڑ پر نہیں چڑھ سکتا۔ انھوں نے کہا: ہم اس کو آسان کیے دیتے ہیں۔ پس میں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ جب میں نے پہاڑ کا نصف راستہ طے کیا تو مجھے کچھ سخت آوازیں سنائی دیں۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: ایسے لوگوں کی آوازیں ہیں جو جہنمی ہیں۔ پھر وہ مجھے آگے لے گئے۔ وہاں ایک قوم پر نظر پڑی کہ گردن کے بل لٹکی ہوئی ہے اور عذاب کے فرشتے ان کی باچھیں چیر رہے ہیں۔ ان چیری ہوئی باچھوں سے خون جاری ہے۔ میں نے دونوں سے پوچھا کہ یہ

لوگ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے قبل ہی روزہ افطار کرلیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل کی پناہ میں رکھے اور ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ ہم وقت سے پہلے روزہ افطار نہ کریں تاکہ اس دلدوز انجام سے بچ جائیں۔ لہٰذا ہمیں غروب آفتاب کا یقین ہونے پر روزہ افطار کرنا چاہیے۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیے

صبح کے وقت سحری میں جو جی چاہے کھالے اور افطاری بھی ہر حلال رزق سے جائز ہے، مگر طاق کھجوروں سے افطار کرنا بہت ثواب دہ ہے اور اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو افطاری پانی سے کرنا چاہیے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَاِنَّهٗ طُهُوْرٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، ترمذی و ابوداؤد، و ابن ماجہ)

جب تم میں سے کوئی افطار کرے، اسے چاہیے کہ کھجوروں سے افطار کرے کہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجوریں نہ پائے تو پانی پر افطار کرے کہ یہ پاک کرنے والا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:175، ترمذی و ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم نماز (مغرب) سے قبل تر کھجوروں سے روزہ افطار کرتے۔ اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے، اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ بھر لیتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اگر کھجوریں نہ ملتیں تو اس مقصد کے واسطے پانی کا استعمال کرتے تھے۔

خداوند عظیم ہم سب کو نبی کریم ﷺ کے فعل کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!!

□□□

بیسواں وعظ

روزہ کے آداب ودرجات

قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا۔ (رواہ نسائی، صفحہ:241)

روزہ کے درجات

روزہ کے معانی روکنے کے ہیں۔ مگر اصطلاح میں روزہ سے مراد صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور دیگر خواہشاتِ نفسانی سے باز رہنا روزہ کہلاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روزہ تین قسم کا ہے: روزے کی ایک صورت یہ ہے کہ پیٹ کو کھانے پینے سے روکنا اور جماع سے اجتناب برتنا، یہ روزے کی عام قسم ہے۔ روزے کی دوسری قسم خاص روزہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس روزہ سے مراد کھانے پینے اور جماع کے علاوہ اپنے تمام اعضا کو برائی سے روکنا ہے۔

روزے کی تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو تمام کاموں سے ناطہ توڑ کر فی الوقع صرف اور صرف اللہ کی طرف متوجہ کرنا۔ یہ روزے کی خاص الخاص قسم ہے اور یہی روزے کی اعلیٰ ترین اور افضل ترین قسم ہے۔ (احیاء العلوم، ج اوّل، صفحہ:241)

روزے کی ان تمام اقسام کا ثواب بھی الگ الگ ہے۔ عام روزہ پر عام ثواب اور خاص روزہ پر خاص ثواب اور خاص الخاص پر خاص ثواب سب سے زیادہ اور بے شمار ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف اس بات کی شاہد ہے:

قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ للّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الصِّیَامُ جُنَّۃٌ مَالَمْ یَخْرِقْھَا۔ (نسائی، جلد اوّل، صفحہ:241)

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

فرماتے ہوئے سنا کہ روزہ ڈھال ہے، جب تک اس کو پھاڑا نہ جائے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ روزہ، روزہ دار کے لیے ڈھال ہے۔ ڈھال ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آدمی دشمن کے حملوں سے ڈھال کے ذریعے اپنی جان کا بچاؤ کرتا ہے، اسی طرح مسلمان اپنے ایمان کی حفاظت اور شیطان کے مکر سے بچنے کے لیے روزہ سے ڈھال کا کام لیتا ہے۔ اس طرح مسلمان گناہوں اور وسوسوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ روزہ ڈھال ہے، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اگر کوئی گنہگار دوزخ میں بدقسمتی سے چلا بھی گیا تو دوزخ کی آگ سے محفوظ کرنے کے لیے روزہ ڈھال ہے، بشرطیکہ روزہ پھٹ نہ جائے۔ اگر پھٹ گیا تو پھر مومن کے کسی کام نہ آسکے گا۔ روزہ کیوں کر پھٹ سکتا ہے، کیا یہ کوئی ڈھول ہے جو پھٹ جاتا ہے۔ روزہ سے پھٹنے کے متعلق کسی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) روزہ کس شے سے پھٹ جاتا ہے۔ ارشاد ہوا: جھوٹ اور غیبت روزے کو پھاڑ دیتے ہیں۔

بعض علمائے کرام ظاہری حدیث منقول کرتے ہیں کہ جس طرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جمہور علما نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹتا نہیں، ہاں اس سے روزے کی نورانیت جاتی رہتی ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ سخت بھوک لگی ہو تو پانی کا شربت پینے سے بھوک ختم نہیں ہوجاتی۔ البتہ بدن میں تازگی اور توانائی کا احساس ضرور جاگ اٹھتا ہے۔ اسی طرح اس کے بالکل برعکس معاملہ یہاں ہے کہ جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں البتہ اس کی نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

روزے کی اعلیٰ ترین قسم یہ ہے کہ انسان کھانے پینے اور جماع سے اجتناب ہی نہ برتے بلکہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے اپنے ہر عضو کو روزے کا پابند کرے تاکہ روزہ صحیح سلامت رہے اور اجروثواب بھرپور ملے۔

آنکھ کا روزہ

آنکھ کے روزے سے مراد یہ ہے کہ ان نگاہوں کی بصارت سے اللہ تعالیٰ کی کاریگری دیکھے اور یہ کہے: اے مولا! تو نے یہ سب اشیا بلا مقصد پیدا نہیں کیں بلکہ ان میں تیری عظمت کی ہزارہا حکمتیں اور نشانیاں موجود ہیں۔ آنکھوں کے روزے سے مراد یہ ہے کہ ان کی بصارت سے قرآن حکیم کی سورتوں کو ملاحظہ کرے۔ بصارت کو بے فائدہ ناولوں کی تحریروں میں ضائع نہ کریں۔ آنکھ سے کسی برائی کا مشاہدہ نہ کرے اور آنکھ سے نہ ہی خوبصورت خواتین اور بچوں کو بغیر ضرورت کے دیکھے، کیونکہ اس سے نفس کے بہکنے کے امکانات ہیں۔ نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِبْلِيْسُ لَعْنَةُ اللهِ فَمَنْ تَرَكَهَا خَوْفاً مِنَ اللهِ آتَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اِيْمَاناً يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِيْ قَلْبِهٖ۔ (احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ:214)

ابلیس ملعون کے تیروں میں سے ایک تیر نظر ہے، جو اللہ کے خوف سے اس سے پناہ مانگے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسا نورانی ایمان عطا فرماتا ہے، جس کی حلاوت اور خوف وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

نظر پر پورا پورا کنٹرول ہونا چاہیے، کیونکہ یہی سب بربادیوں کی جڑ ہے۔ نہ نظر کسی غیر محرم خاتون پر پڑے گی، نہ دل میں وسوسے جنم لیں گے اور نہ ہی ہمارے دل میں اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی خواہش کروٹیں لیں گی۔

زبان کا روزہ

زبان کے روزے سے مراد یہ ہے کہ زبان کو ہر لمحہ اللہ کی یاد میں محو رکھنا چاہیے۔ کلمۂ طیبہ، تلاوتِ کلام پاک، درود شریف اور توبہ واستغفار وردِ زبان رہنا چاہیے۔ زبان کو جھوٹ، غیبت، لغو، فضول اور بے ہودہ باتوں سے بچایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرَءٌ صَائِمٌ۔ (مشکوۃ، صفحہ:173)

جب کسی کا روزہ ہو تو بے ہودہ بکواس نہ کرے اور نہ ہی چیخے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا جھگڑے، کہہ دینا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔

فائدہ: روزہ دار کو ہرزہ گوئی، بکواس، گالی گلوچ سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی تم سے گالی گلوچ کرے اور جھگڑے تو بھی تم لڑنے جھگڑنے اور ہرزہ گوئی سے اجتناب برتو۔ اگر دوسرا سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو اس سے کہہ دو کہ میں تمھیں ایسی بے ہودہ باتیں نہیں کہہ سکتا، کیونکہ میں روزے میں ہوں۔ اس پر بھی دوسرا باز نہ آئے تو پھر خود کو سمجھائے کہ چونکہ میرا روزہ ہے، اس لیے مجھے ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نیز روزہ دار کو غیبت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: اَلْغِيْبَةُ تُفْسِدُ الصَّوْمَ۔ غیبت روزہ کے نور کو لے جاتی ہے۔

احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ:241 پر حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ:

خَصْلَتَانِ يُفْسِدَانِ الصِّيَامَ اَلْغِيْبَةُ وَالْكِذْبُ۔

یعنی جھوٹ اور غیبت دو ایسی خصلتیں ہیں جو روزے کی نورانیت کو ضائع کر دیتی ہیں۔

حکایت: آج سے چودہ سو سال قبل جب خورشیدِ رسالت اپنی تمام تر ضیا پاشیوں کے ساتھ جبینِ فلک پر ضوفشاں تھا، ایسے عالم میں دو خواتین نے روزہ رکھا۔ جب دن کا آخری حصہ رہ گیا تو ان کو شدید بھوک اور پیاس کے غلبے نے نڈھال کر دیا اور وہ قریب المرگ ہو گئیں۔ انھوں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔ آپ نے ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا کہ اس میں قے کریں۔ جب حکم کے مطابق انھوں نے قے کیں تو اس میں گوشت کے لوتھڑے اور خون کے قطرے نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انھوں نے قادرِ مطلق کی عطا کی ہوئی حلال روزی سے روزہ رکھا، مگر حرام کھاتی رہیں، یعنی غیبت کرتی رہیں۔ یعنی انھوں نے دوسرے کے گوشت کے لوتھڑے اور خون کے قطرے پیے ہیں۔ بالفاظ دیگر غیبت دوسروں کا گوشت کھانے اور خون پینے کا دوسرا نام ہے۔

احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ:241 کی اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ غیبت اور دوسرے گناہوں کا ارتکاب کرنے سے اس کا براہ راست اثر روزے پر پڑتا ہے، جس کی

وجہ سے روزہ کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے جب کہ اس کے برعکس نیکوکاروں کو روزہ کی سختی محسوس بھی نہیں ہوتی۔

تعریفِ غیبت

حضرت محمد ﷺ نے اپنے صحابہ کو جمع کر کے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا شے ہوتی ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا: ناد انوں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کسی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی بات کا تذکرہ کسی دوسرے سے کرنا جو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اگر وہ بات یعنی بیان کی جانے والی بات فی الواقع دوسرے میں موجود ہو تو؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ بات اس میں موجود ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ شخص اس بات کا حامل نہیں تو وہ بہتان ہے جو کہ غیبت سے بڑھ کر گناہ ہے۔ (مسلم، مشکوۃ، صفحہ: 241)

اسی طرح بحالتِ روزہ جھوٹ سے بچنا چاہیے، کیونکہ کذب کرنے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ (مشکوۃ، صفحہ: 167)

جو شخص جھوٹ اور بُرے اعمال نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی پرواہ نہیں۔

مشکوۃ، صفحہ: 42 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ ایک کو عذاب دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ غیبت کیا کرتا تھا اور دوسری قبر کا مردہ پیشاب کے بارے میں محتاط نہ رہتا تھا۔

اس حدیث سے تین چیزوں کی وضاحت ہوتی ہے: اوّل یہ کہ غیبت کی برائی ثابت ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ پیشاب کے سلسلے میں احتیاط نہ برتنے کی برائی کا ذکر ہے کہ اس سے عذاب ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کے علمی کمال کی روشن دلیل ملتی ہے کہ قبروں میں مُردوں کا مخفی حال بتا دیا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس کو علمِ غیب کہتے ہیں اور اس سے

بڑھ کر علمِ غیب یہ ہے کہ برسوں کے مرے ہوئے مُردوں کی برائیوں کی خبر دے رہے ہیں کہ ان کو فلاں برائی کے ارتکاب کرنے کے سلسلے میں عذاب ہو رہا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

کان کا روزہ

جس طرح نظروں اور زبان کا روزہ ہے، اسی طرح کان کا روزہ بھی ہے۔ بحالتِ روزہ قرآن مجید کی تلاوت سے سماعت کو مستفید کرنا چاہیے، بکواس اور جھوٹی باتیں سننے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ جھوٹ سننا بھی گناہ ہے۔ جھوٹ بول کر انسان ناجائز منافع حاصل کرتا ہے۔ اس واسطے خداوند عظیم نے جھوٹ بولنے والے کو حرام خور فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ۔

ترجمہ: جو جھوٹ سنتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔

غیبت سننے سے کان کو بچانا چاہیے۔ اگر دوسرا کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کو کہہ دے کہ بھیا! تم کیوں کسی کی غیبت کرتے ہو؟ علاوہ ازیں میرا روزہ ہے، اس لیے میں تمہاری باتیں سننے سے معذرت کرتا ہوں۔

تیسرے یہ کہ غیبت سننا بھی غیبت کرنے کی برائی کے برابر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلْمُغْتَابُ وَالْمُسْتَمِعُ شَرِيْكَانِ فِي الْاِثْمِ۔ (احیاء العلوم جلد: 1، صفحہ: 242)

غیبت کرنے والا اور غیبت سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں اور گنہگار ہیں۔ آج کل ہم مسلمان روزے تو رکھتے ہیں مگر سارا دن صبح سے شام تک ٹیپ ریکارڈ میں فلمی اور فحش گانے سنتے ہیں اور اپنے روزے کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے کانوں کی حفاظت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

ہاتھ پاؤں کا روزہ

ہاتھ کا روزہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اچھے اعمال کرے۔ ان ہاتھوں سے قرآن مجید پکڑے اور علمائے کرام سے مصافحہ کرے اور ہو سکے تو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے۔ ہاتھ

کے نیچے جتنے بال آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اتنے درجے بلند کرے گا اور اتنی ہی نیکیاں عطا کرے گا۔ اپنے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ کرے، نہ رشوت قبول کرے، نہ کسی کا مال چرائے، نہ کسی کی چیز پر ہاتھ رکھے اور پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ اپنے پاؤں پر چل کر کسی برائی کے کام کی طرف نہ جائے۔ پاؤں سے چل کر مسجد میں جائے اور اپنے پاؤں کو محتاجوں کے کام میں لائے کہ ان سے ان کا کوئی کام کردے۔ اپنے پاؤں کو غلاظت اور گندگی سے پاک رکھے اور ان کو ہر بُرے کام کے ارتکاب سے باز رکھے۔

پیٹ کا روزہ

کھانے پینے سے پرہیز کرنا پیٹ کا روزہ ہے، مگر اصل روزہ یہ ہے کہ حلال کمائی اور رزقِ حلال سے روزہ رکھے اور حلال کمائی سے روزہ افطار کرے۔ اگر کسی شخص نے حرام کی کمائی مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب دھوکہ اور ریاکاری سے حاصل کیے ہوئے مال سے روزہ رکھا اور افطار کیا تو اس شخص کا حال یہ ہے کہ مرض سے بچنے کے لیے دوائی کا استعمال کیا، مگر دوائی میں ذرا سا زہر ملالیا تو وہ دوائی خواہ کتنی بھی عمدہ ہوگی، مگر چونکہ اس میں زہر کی ملاوٹ ہے، اس لیے اس دوائی کا کھانے والا ضرور ہلاک ہوگا، اسی طرح افطار کا حال ہے کہ افطاری حلال کمائی کے رزق سے کرنا چاہیے اور پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے۔ پیٹ بھر کر کھانے سے روزے کا مقصدِ اعلیٰ فوت ہوجائے گا، کیونکہ جب پیٹ کو کسی شے کی طلب ہی نہیں ہوگی تو دوسروں کے بھوک اور پیاس کا احساس کیسے ہوگا اور دل میں دوسرے کے لیے ہمدردی کے جذبات کیسے اجاگر ہوں گے۔

۔ ۔ ۔م صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا مَلَأَ اٰدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنِہٖ۔

۔ ۔ ۔ کا بھرنا ۔ ۔ ۔ نہیں جتنا کسی پیٹ کا بھرنا ناپسند ہے۔

۔ ۔ ۔ ی یہ بات اس ۔ ۔ ۔ وئی شے تمہارے برتن میں ہی پڑی پڑی خراب ہو جائے اور دوسرا بھوکا رہے۔

یَحْسَبُ اِبْنُ اٰدَمَ اُكُلَاتٍ یُّقِمْنَ صُلْبَہٗ۔

ابن آدم کے لیے کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں۔

فَاِنْ لَّا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِّطَعَامِہٖ وَ ثُلُثٌ لِّشَرَابِہٖ وَ ثُلُثٌ لِّنَفْسِہٖ۔

اگر کھانے پر بالکل تُل جائے تو ایک تہائی طعام اور ایک تہائی پانی اور ایک تہائی کی جگہ سانس لینے کے لیے رکھ چھوڑے تاکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور معرفت کا ذریعہ بن سکے۔

الغرض ہم کو اپنے تمام اعضا کا روزہ رکھنا چاہیے، کیونکہ تمام اعضا کے روزہ رکھنے سے ہی اکمل اور کامل روزہ ہوگا، ورنہ سارا دن بھوکے اور پیاسے تڑپنے کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَ كَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:177)

بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو بھوک اور پیاس کے سوا کوئی ثواب نہیں ملتا۔

یعنی بعض اصحاب روزہ تو رکھتے ہیں مگر اپنے اعضا کو برائیوں سے نہیں بچاتے، اس لیے ان کا ثواب ضائع ہوجاتا ہے اور رات کو ان کا تراویح پڑھنا بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔

□□□

اکیسواں وعظ

شبِ قدر کے فضائل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۔ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۔ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۔ (سورۂ قدر)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس کو شبِ قدر میں نازل کیا اور تمھیں کیا خبر کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اللہ کی اجازت سے ہر حکم لے کر زمین پر اُترتے ہیں۔ سلامتی ہے اس رات طلوعِ فجر تک۔

وجہ تسمیہ اور بزرگی شب قدر

رمضان شریف اوّل تا آخر رحمتوں کا خزینہ ہے۔ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں ہوتا ہے، مگر شب قدر سارے رمضان شریف کی سردار ہے، کیونکہ یہ مرجع برکات اور پیام حسنات وخیرات ہے۔ یہی وہ افضل اور مقدس رات ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آجاتا ہے۔ دریائے رحمت میں طغیانی آجاتی ہے، جو ہر گنہگار کے ہر گناہ کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جاتی ہے اور بنجر کھیتی کو سرسبز وشاداب کرنے کے لیے دریا کی تند وتیز لہروں کو دور دور تک پھینکتی ہے، تاکہ کوئی بھی کھیتی خشک نہ رہنے پائے۔ یہ وہ مقدس رات ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں پوری سورۂ قدر نازل کی گئی اور اس کا نام شب قدر یا لیلۃ القدر یعنی قدر اور عزت والی رات رکھا گیا ہے، کیونکہ اسی مقدس رات میں اللہ کے بندوں کی اصلیت کا علم ہوتا ہے اور ان کے مراتب سے ملائکہ واقف ہو

جاتے ہیں۔ اس رات کا نام شب قدر اس لیے بھی ہوسکتا ہے کہ قدر کے معانی بزرگی کے بھی ہیں اور اس رات کو دیگر راتوں پر بزرگی اور برتری حاصل ہے، اس لیے اس کا نام لیلۃ القدر رکھا گیا۔

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ کسی ایک فرد کو دیگر افراد پر ترجیح دیتے وقت کئی باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے، مثلاً اس کی تعلیم دوسروں سے زیادہ ہے۔ اس کی قابلیت دوسرے سے زیادہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح لیلۃ القدر کو دوسری راتوں سے افضل قرار دیتے وقت چند باتیں ذہن میں آتی ہیں: سب سے پہلی بات یہ کہ اس رات کو دوسری راتوں سے اس لیے افضل قرار دیا گیا ہے کہ اس رات میں سرشام طالب سحر کے لیے اللہ کی خصوصی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اور تجلّی الٰہی بندگانِ خدا پر خاص توجہ دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس رات کی عبادت میں ایک عجیب دلکش اور خوش کن کیفیت اور لذت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ اس رات میں ملائکہ اور سردار ملائکہ روح الامین اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیک اور صالح بندوں کی قدم بوسی اور زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ رشد وہدایت کا منبع قرآن مجید اسی مقدس رات میں نازل ہوا، جو کہ عظیم تر سعادت ہے۔ شب قدر کی فضیلت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اسی مقدس شب میں تخلیق ملائکہ انجام پائی۔ پانچویں یہ کہ اسی رات میں جنت کو باغات سے مزین کیا گیا۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ اسی مقدس رات میں حضرت آدم کی آفرینش کے سامان اکٹھا کیے گئے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کی بنا پر شب قدر کو دیگر راتوں سے برتری اور بندگی عطا کی گئی۔ اس رات کے تقدس کے کیا کہنے۔ اس رات میں دریاؤں کے نمکین پانی میں مٹھاس کی ملاوٹ ہوجاتی ہے۔

صحیح روایت ہے کہ عثمان ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام نے آپ سے عرض کیا: اے آقا! مجھے کشتی بانی کرتے ایک عرصہ گزرا۔ میں نے دریا کے پانی میں ایک عجیب بات محسوس کی، جس کو میری عقل تسلیم کرنے سے منکر ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا عجیب بات ہے؟ عرض کیا: اے آقا! ہر برس میں ایک ایسی رات آتی ہے کہ جس میں دریا کے پانی میں

مٹھاس کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے غلام سے فرمایا کہ اس بار خیال رکھنا جیسے ہی رات میں پانی مٹھاس آلودہ ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ جب رمضان کی ستائیسویں رات آئی تو خادم نے آقا سے عرض کی: آقا! آج دریا مٹھاس کی ملاوٹ سے تابدار ہے۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:257)

شب قدر کے مخفی ہونے کی وجہ

کسی بڑی شخصیت کی کسی خاص مقصد کے لیے آمد اور روانگی عام لوگوں سے مخفی رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح شب قدر کو مخفی رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت آتی ہے، جس میں مانگی ہوئی ہر دُعا بالضرور اللہ کے فضل وکرم سے پوری ہوتی ہے اور ہر دن پانچ نمازوں میں ایک نماز دوسری نمازوں سے زیادہ افضل ہے۔ مگر یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی نماز کو افضلیت حاصل ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک سو ایک ناموں میں سے ایک نام کو افضلیت حاصل ہے، جس کو اسم اعظم کہتے ہیں۔ مگر درست طور پر معلوم نہیں کہ کون سا نام اسم اعظم ہے۔ اسی طرح شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں موجود ہے، مگر درست طور پر معلوم نہیں کہ کون سی رات قدر کی رات ہے۔ اس کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ نیکی اور خیر کے کاموں میں غفلت، سستی، لاپرواہی نہ برتیں، بلکہ جوش، جذبے اور لگن سے نیک کام انجام دیں۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:258، پارہ:30)

اگر شب قدر کی وضاحت کر دی جاتی کہ فلاں رات کو ہے تو آج کل کے لطیف مزاج لوگ روزے سے چھٹی لے لیتے اور کہتے کہ جی! شب قدر میں جاگ کر معافی مانگ لیں گے۔

سورۂ قدر کی شانِ نزول

ایک مرتبہ حضرت محمد ﷺ تشریف فرما تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ عبادت کا ذکر چل رہا تھا۔ باتوں باتوں میں بنی اسرائیل کے ایک شخص شمعون نامی کا تذکرہ چل پڑا کہ وہ ہزار ماہ ربّ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا اور جب رات ہوتی تو وہ ساری رات قیام وسجود میں گزارتا۔ صحابۂ کرام نے پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ

میں عرض کیا: یارسول اللہ! ہم عبادات میں بنی اسرائیل کے عابد جیسا مقام اور مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو بہت تھوڑی عمر عطا ہوئی ہے۔ ساٹھ ستر سے کسی کی بھی عمر زیادہ ہو ہی نہیں پاتی۔ لہٰذا ہم بنی اسرائیل کے اس عابد جیسا مقام اور مرتبہ کیسے حاصل کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں ہماری قلیل عمروں میں سے کچھ حصہ عالم نیند میں گزر جاتا ہے اور کچھ بیماریوں کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور عبادات کے لیے بڑا تھوڑا وقت ملتا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کے لوگ عبادت میں ہم سے بڑھ جائیں گے۔ یہ سن کر ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رُخ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ دل میں حزن وملال کے سائے لہرا گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل فرشتہ کو نبی ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور سورۂ قدر نازل فرما کر ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے حبیب! اگر تیری اُمت کا جام حیات بہت جلد چھلک جاتا ہے تو میں نے سال میں ایک ایسی رات عنایت فرما دی ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہوگا۔ (تفسیر عزیزی، ص257)

تفسیر عزیزی میں حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس سورہ کا شانِ نزول یوں بھی بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنی اُمت اور دوسری اُمتوں کی عمروں میں توازن کیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری امتوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طویل عمریں دی ہیں، مگر آپ کی امت کی عمریں نہایت قلیل ہیں۔ قلب مقدس میں خیال پیدا ہوا کہ میری امت دوسری امت سے نیک اعمال میں نہیں بڑھ سکے گی، کیونکہ دوسروں کی عمریں طویل ہیں اور میری امت کی عمریں قلیل ہیں۔ یہ گمان کر کے آپ کے چہرۂ اقدس پر رنج کے آثار نمودار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی تسلی کی خاطر وحی نازل فرمائی: اے محبوب! اس خیال کو دل سے نکال دو۔ میں نے تمہاری اُمت کو شب قدر عنایت فرمائی ہے، جس میں کی گئی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہوگی۔

سورۂ قدر کی مختصر تفسیر

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ بے شک ہم نے اس

کو نازل کیا یعنی رات قدر کے۔ قرآن مجید پہلے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اب نبی کریم پر نازل کرنا چاہیے۔ لہٰذا لوحِ محفوظ سے قرآن مجید بیت العزت پر اُتارا گیا اور 23 سال کے عرصے میں ضرورت پڑنے پر نبی کریم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔

قرآن مجید اللہ کی مکمل کتاب ہے۔ اس میں شک وشبہ کی معمولی بھی گنجائش نہیں ہے۔ عملی زندگی کا کوئی گوشہ اور حکمت کا کوئی نقطہ قرآن حکیم سے ماورا نہیں۔ اس میں ہر قسم کے مسائل کا صحیح اور درست حل موجود ہے۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل اور کامل کتاب ہے۔ ایسی بابرکت اور عظیم کتاب کا شب قدر میں نزول ہونا ہی شب قدر کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ کا کلام شب قدر کی عظمت کا شاہد ہے۔ اس پر بھی حق تعالیٰ جل شانہ نے مزید ارشاد فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ تم نادان ہو، کم علم ہو، نہیں جانتے۔ شب قدر کی اصلیت اور ماہیت کیا ہے۔ اس کی فضیلت کا تم کیا اندازہ کرسکو گے۔ یہ بڑی عظیم رات ہے۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ خود ہی وضاحت فرماتا ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے، چونکہ شب قدر عبادت کے لیے مختص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شب قدر میں کی گئی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ یعنی ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار ماہ کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کئی ہزار ماہ کی عبادات کا ثواب عنایت فرمائے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۝

اس رات میں فرشتے اور جبریل امین رب کی اجازت سے ہر حکم لے کر زمین پر نازل ہوتے ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں کہ جب اللہ نے تخلیق آدم کی تکمیل کی تو ملائکہ نے بارگاہ ربانی میں عرض کیا: الٰہی! تو نے اس کو کیوں پیدا کیا؟ یہ زمین میں جا کر لڑائی جھگڑا کرے گا۔ فساد برپا کرے گا اور اپنے مقاصد کی خاطر دوسروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے گا۔ کیا عبادت کے لیے ہم فرشتوں کی تعداد کم ہے؟ رب کریم نے ارشاد فرمایا: اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں وہ جانتا ہوں جس سے تم لاعلم ہو۔ آج شب قدر میں فرشتوں کو بھیج کر جواب کی تفصیل عملی

طور پر دکھائی جا رہی ہے۔ اے فرشتو! دیکھو تم کہتے تھے کہ یہ زمین پر جا کر فساد اور خوں ریزی کرے گا۔ دیکھو، یہ میری عبادت میں مصروف ہیں۔ اپنے گناہوں سے استغفار کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر فرشتے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لیں گے اور معذرت طلب کریں گے اور خدا کی عبادت میں محو رہنے والے بندگان کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے: هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ سلامتی ہے وہ طلوعِ فجر تک۔ یعنی ساری رات میں ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔ یہ رات سانپ، بچھو، دیگر کیڑے مکوڑے، بلاؤں، آفتوں اور شیطانوں سے بالکل محفوظ ہے۔ یہ رات مکمل طور پر سلامتی کی ضامن ہے۔ اس رات میں روح الامین فرشتوں کے ہمراہ جھنڈے لے کر زمین پر اُترتے ہیں۔ ایک جھنڈا نبی کریم کے روضۂ انور پر گاڑتے ہیں۔ دوسرا کعبہ پر۔ ایک جھنڈا بیت المقدس پر اور چوتھا اور آخری جھنڈا زمین و آسمان کے درمیان لہرا دیتے ہیں۔ پھر جبریل تمام فرشتوں کو انسانی عالم میں پھیل جانے کا حکم دیتے ہیں اور وہ کسی گھر کو ایسا نہیں چھوڑتے، جس میں وہ داخل نہ ہوتے ہوں۔ جس گھر میں جو شخص یادِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے، فرشتے اس کو سلام کہتے ہیں۔ اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ مصافحہ کرتے وقت انسان پر رقت طاری ہو جاتی ہے، مگر یہ کیفیت وہی محسوس کرتا ہے جو صدقِ دل سے یادِ الٰہی میں مشغول ہو۔

قرآن مجید کی اس ظاہراً چھوٹی سی سورہ میں شب قدر میں قرآن مجید کے نزول کے علاوہ اس کی اصلیت اور اس کی ہزار حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے بھی اس رات کی عظمت کے بارے میں ارشاد فرمایا: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۝ (بخاری، جلد اوّل، صفحہ: 270)

جو شخص شب قدر میں ایمان اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے قیام کرے تو اس کے سارے پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: قیام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑا ہوا۔ اور قیام نماز میں کیا جاتا ہے۔ یعنی حکم دیا گیا کہ اگر تم اپنی بخشش کروانا چاہتے ہو تو اس رات میں قیام کرو۔ یعنی نماز پڑھو، تلاوتِ کلام مجید کرو، تسبیح وتہلیل میں وقت صرف کرو۔ اس واسطے قیام نہ کرو کہ لوگ دیکھ کر کہیں کہ یہ

شخص بڑا نیک ہے۔ ساری رات عبادت کرتا ہے۔ اس طرح یہ دکھاوا بن جائے گا اور اللہ دکھاوے کے کاموں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس لیے شب قدر میں خلوصِ نیت سے اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے کھڑا ہونا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلے کے سارے گناہ معاف کردے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ، صفحہ:173)

بعض لوگ بلکہ اکثر لوگ شب قدر جیسی عظیم المرتبت رات بھی غفلت اور سستی میں گنوا دیتے ہیں۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنی نیند قربان کرکے 80 برس کی عبادت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہمیں تو نیند پیاری ہے۔ اگر ہماری نیند پوری نہ ہوئی تو ہمیں بخار چڑھ جائے گا اور بخار چڑھنے سے ہمارے کاروبار پر اثر پڑے گا۔ ہماری صحت کمزور ہوجائے گی۔ لہٰذا ہم اس رات میں جاگنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اگر ہمارے دلوں میں تڑپ اور جذبہ ہوتا تو ایک رات کیا اپنی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضاجوئی کے حصول کے لیے جاگتے، مگر ہم میں جوش و جذبہ اور دین اسلام کی تڑپ موجود نہیں ہے۔ ہمارا احساس مرچکا ہے۔ ہمارے دلوں پر غفلت کی دبیز تہیں جم چکی ہیں۔ ہمارے ضمیر مردہ ہوچکے ہیں۔ ہماری غیرت دم توڑ چکی ہے۔ مجموعی طور پر ہم مرچکے ہیں۔ یہ کیسی زندگی ہے کہ ایک ساتھ مر رہے ہیں اور جینے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم تباہی کے مہیب گڑھوں کی طرف جان بوجھ کر بڑے شوق کے عالم میں بڑھے چلے جارہے ہیں۔ ہم اپنے اسلاف کے عظیم الشان کارناموں سے مرتب ہونے والی تاریخ کے چہرے پر سیاہ کالک ملنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ہمیں فقط اور فقط اپنا مفاد عزیز ہے۔ اس کے لیے خواہ کتنے ہی دوسرے مسلمانوں کے مفاد کو پس پشت ڈالنا پڑے، کتنے افراد کی عزت وناموس کا چراغ گل کرنا پڑے۔ ہمیں اپنا ذاتی، ظاہری اور عارضی مفاد اس قدر عزیز ہے کہ ہم اس کے لیے دوسروں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ہم تاریخ کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانے میں مصروف عمل ہیں۔ اغیار کو طعنہ دینے

والے آج خود نفسا نفسی کے عالم میں مبتلا ہیں۔ ہم مسیحائی کرنے والے تھے، مگر آج خود ہمیں کسی مسیحا کی ضرورت ہے۔ ہم دوسروں کی محفل میں چراغ جلانے والے تھے۔ آج ہماری محفل میں مہیب اندھیرے اپنا ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ہماری شمع جس سے اغیار بھی جلا حاصل کرتے تھے، آج وہی شمع بھڑک رہی ہے، مگر اس کی روشنی بہت کم ہے۔ اتنی کم ہے کہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے اندھیرے میں نظر ہی نہیں آرہی اور ان مہیب اندھیروں میں ہم ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے قعر مذلت میں بڑی تیزی سے گرتے چلے جارہے ہیں۔

خداوند عظیم سے پُرخلوص اور عاجزانہ دعا ہے کہ خداوند عظیم ہمیں ایمان کی روشنی سے سرفراز فرمائے تاکہ ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے مہیب اندھیرے ختم ہوجائیں اور ہم اپنا سفر بخیر وخوبی طے کریں۔ آمین! ثم آمین!

شب قدر کون سی رات ہے

شب قدر کے تعین میں علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علمائے کرام اس رات کو سال کے دائرے میں شمار کرتے ہیں کہ کبھی وہ رمضان میں آتی ہے اور کبھی غیر رمضان میں آتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ رمضان شریف میں آتی ہے اور خاص طور پر اسی کے ساتھ ہے۔ یہاں پر بھی علمائے کرام الجھن کا شکار ہیں کہ اگر شب قدر رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پوشیدہ ہے۔ 21،23،25،27 اور 29 تاریخ۔ ان تاریخوں میں سے کسی ایک میں بھی شب قدر ہوسکتی ہے اور کسی سال 21 کو آتی ہے تو کسی سال 23 اور کسی سال 25 کو آتی ہے۔ 21 سے لے کر 29 تک کی طاق راتوں میں پھرتی رہتی ہے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف کی 27 ویں رات ہوتی ہے۔ اپنے بیان کی درستگی کے لیے انھوں نے دو طرح سے وضاحت فرمائی ہے:

اوّلاً یہ کہ لیلۃ القدر کا لفظ 9 حرفوں پر مشتمل ہے۔ یہ کلمہ ساری سورۂ قدر میں تین مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح ۳ کو 9 سے ضرب دینے سے 27 حاصل ہوتا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ شب قدر 27 ویں کو ہوتی ہے۔ دوسری توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ سورہ 30 الفاظ سے

مزین ہے۔ ستائیسواں کلمہ بھی ہے، جس کا مرکز لیلۃ القدر ہے۔ گویا خداوند عظیم کی طرف سے عقل مندوں اور اللہ والوں کے لیے یہ اشارہ ہے کہ رمضان شریف کی 27 ویں رات کو شب قدر ہوتی ہے۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:259)

شب قدر کے تعین کے سلسلے میں علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کسی خاص تاریخ کو معین نہیں ہے، بلکہ تمام دنوں کے راتوں میں آتی ہیں۔ اس امر سے فقط وہ لوگ ہی واقف ہو سکتے ہیں جو اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد میں گزارتے ہیں، جن کو اپنا مفاد عزیز نہیں، بلکہ وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنا تن، اپنا من، اپنا دھن، اپنا وقت اور اپنی زندگی فلاحِ انسانیت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے دوست ہیں، وہ لوگ جن کو باطنی بصارت عنایت کی گئی ہے، جس بصارت سے وہ آنے والے مہیب مظہرات کو دیکھ لیتے ہیں، جس بصارت سے وہ گنہگاروں اور عاصیوں کی تقدیر بدل ڈالتے ہیں، جس سے وہ چوروں کو بھی مقام ابدالیت عطا کر دیتے ہیں، اسی بصارت سے وہ شب قدر کا آغاز معلوم کر لیتے ہیں۔
(کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:214)

علاماتِ شب قدر

ہر شے کی پہچان کے لیے کچھ نشانیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً بارش ہونا ہو تو آسمان پر سیاہ ابر چھا جاتے ہیں اور جب قیامت قریب آئے گی تو لوگ شراب کا استعمال بکثرت کریں گے۔ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا شروع ہو جائے گا۔ اسی طرح شب قدر کی پہچان کے لیے بھی کچھ نشانیاں مخصوص ہیں، جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ رات شب قدر کی ہے۔ اس کی چند علامتیں مخصوص ہیں جو شب قدر کی آمد کا اعلان ہوتی ہیں۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:241 پر امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ مرقوم کرتے ہیں کہ شب قدر صاف اور شفاف ہوگی، نہ گرمی کی حدت ہوگی اور نہ سردی کی شدت، موسم معتدل ہوگا، ہوا نہ ہوگی، فلک پر بادل نہ ہوں گے۔ اس رات بارش بھی نہ ہوگی اور نہ ہی شیاطین کو مارنے کے لیے ستاروں کو کسروں میں تبدیل کیا جائے گا۔ اس رات کی صبح کو خورشید بغیر شعاع کے

طلوع ہوگا۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ جب شب قدر تشریف لاتی ہے تو اس کی برکت سے سمندروں اور دریاؤں کے پانی میں مٹھاس کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔ ماسوائے انسان و جنات کے کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی بزرگی کے اعتراف میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے، مگر ان باتوں کا علم ہر کس و ناکس کو نہیں ہوتا، بلکہ جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، ہر وقت محوِ معاش رہنے والوں کو اس رات کے حالات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اس قابل ہی نہیں ہوتے۔ ان میں قوتِ ظرف ہی نہیں ہوتی کہ ان کو یہ نظارے دکھلائے جا سکیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ تو ہر کسی کو قلبی بصارت عطا کرنے کے لیے تیار ہے، مگر کوئی قلبی بصارت حاصل کرنے کے لیے اپنے ہونٹوں سے صدا بلند تو کرے، کوئی ہم سے مانگے تو سہی، مگر افسوس کہ کوئی طالب ہی نہیں ہے۔

شب قدر کا فائدہ

اس رات کے بے شمار فوائد ہیں۔ اس مقدس رات میں اللہ تعالیٰ ہر فرد کی مغفرت قبول فرماتا ہے۔ اس مقدس رات میں عبادت کا ثواب ہزار ہا گنا زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ ثواب اور مغفرت کے علاوہ اس رات کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے، جس میں مانگی ہوئی ہر دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرتی ہوئی سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال کر جاتی ہے۔ اس رات میں ہم کو ایسی دعا لبوں پر لانی چاہیے جو دونوں جہانوں میں انسان کے لیے فائدہ دے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پر آس رکھتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے دعا مانگنا چاہیے، کیونکہ حدیث شریف سے اسی بات کا اشارہ ملتا ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ

اللهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَىُّ لَيْلَةُ الْقَدْرِ، مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِىْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّىْ ۰ (رواہ احمد وابن ماجہ وترمذی، مشکوۃ، صفحہ:182)

ترجمہ: حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر مجھے شب قدر کا علم ہوجائے تو میں اس میں کیا دعا مانگوں؟ فرمایا: یہ دعا کرنا کہ: اے مولا! تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو دوست رکھنے والا ہے، مجھے معاف کردے۔

نوافلِ لیلۃ القدر

شب قدر بڑی عظیم البرکت ہے۔ اس میں نوافل کی ادائیگی باعثِ سعادت ہے، مگر کتابوں میں مندرجہ ذیل طریقے درج ہیں:

1- چار رکعت نوافل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ تکاثر ایک دفعہ اور سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے: اوّل بوقتِ مرگ سکرات میں آسانی ہوگی۔ دوسرے عذابِ قبر سے محفوظ و مامون رہے گا۔ (نزہۃ المجالس، جلد1، صفحہ:129)

2- دو رکعت نماز نفل ادا کرے۔ اس ترکیب سے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص سات بار پڑھے۔ دوسری رکعت کے بعد تشہد پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ کر سات مرتبہ استغفر اللہ کا ورد کرے۔ ابھی جگہ چھوڑنے بھی نہ پائے گا کہ اللہ کی رحمت اس پر اور اس کے والدین پر جلوہ فگن ہوجائے گی۔ (تفسیر یعقوب پرتی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مقدس رات میں جاگ کر عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہم بھی تجلیاتِ الٰہی سے سرشار ہوسکیں۔ آمین

□□□

باءیسواں وعظ

فضیلتِ اعتکاف اور صدقۂ فطر کی واجبیت

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۰
وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِى الْمَسَاجِدِ ۰ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۰ (سورۂ بقرہ، پارہ:2)

ترجمہ: اور خواتین سے مباشرت نہ کرو، جب تم مسجد میں اعتکاف کرو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور اللہ اپنی نشانیاں یوں ہی لوگوں سے بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اعتکاف کے متعلق ارشاد فرماتا ہے اور ساتھ ہی اعتکاف کرنے یعنی متقی بننے کے چند ضابطے اور اصول بھی ارشاد فرمائے تاکہ لوگوں کو متقی بننے میں آسانی رہے اور دقت پیش نہ آئے۔

تعریفِ اعتکاف

وہ مسجد جہاں اذان اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہو۔ اس میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مقصد لے کر قیام کرنا اعتکاف کہلاتا ہے اور اعتکاف کرنے والا معتکف کہلاتا ہے۔

اقسامِ اعتکاف

اعتکاف کی تین اقسام ہیں:

اوّل یہ کہ منت مانی ہو کہ خداوند عظیم کے فضل واحسان سے فلاں کام بخیر وخوبی انجام پاجائے یا میرا فلاں عزیز بیماری سے نجات حاصل کرکے ہمکنار ہو تو میں اللہ کے فضل اور احسان کا شکر ادا کرنے کے لیے اتنے دن تک اعتکاف کروں گا۔

دوسری قسم سنتِ مؤکدہ کہلاتی ہے۔ یعنی بیسویں رمضان کو سورج غروب ہوتے وقت

اعتکاف کی نیت کرتے ہوئے مسجد میں موجود ہو اور پورے عشرے میں اعتکاف کرے، یعنی مسجد میں ہی قیام کرے اور عید الفطر کا چاند دیکھ کر اتمام اعتکاف کرے۔

اعتکاف کی تیسری قسم نفلی اعتکاف کی ہے۔ یعنی غیر مشروط ہے، نہ روزہ ہونا لازمی ہے اور نہ ہی خاص وقت مقرر ہے بلکہ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کرے کہ میں اللہ کی رضا جوئی کے لیے اتنے وقت تک مسجد میں قیام کر رہا ہوں جب تک وہ مسجد میں نماز، تسبیح وتہلیل اور تلاوتِ کلام مجید میں محو رہے گا، معتکف رہے گا اور جب مسجد سے چلا جائے گا تو اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔ یہ اعتکاف عارضی طور پر ہوتا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کی دوسری قسم جو کہ سنت مؤکدہ ہے، یہ سنت علی الکفایہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر سارے شہر یا سارے گاؤں میں سے ایک شخص بھی معتکف ہو جائے گا تو اس کا اعتکاف سب گاؤں والوں کی طرف سے بھی ہوگا۔ اگر سب چھوڑ دیں تو سب سے جواب طلبی ہوگی۔ (درمختار)

جس طرح نمازِ جنازہ میں ہے کہ اگر چند لوگ بھی نمازِ جنازہ ادا کریں تو یہ سب اہلِ شہر کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب سے جواب طلبی ہوگی۔

فضیلتِ اعتکاف

معتکف یعنی اللہ کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لیے مسجد میں قیام کرنے والا اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں ہی اپنے سب گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے گھر میں بسیرا کر لیا۔

ہماری عام اور معاشرتی زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی ذی وقار اور صاحب حیثیت کے ہاں کوئی شخص مہمان بن کر جائے تو وہ اس کی عزت وتوقیر کرتا ہے، خواہ جانے والا اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، تو پھر خداوند عظیم جو کہ تمام داتاؤں کا داتا ہے، اگر اس کے گھر میں کوئی مسلم جا کر پناہ طلب کرے تو کیا خداوند عظیم اس کی خاطر مدارت نہیں کرے گا۔ جب ایک عام شخص اپنے ہاں آنے والوں کی عزت وتوقیر کرتا ہے تو خداوند عظیم اپنے ہاں آنے والے کی عزت وتوقیر کیوں نہ فرمائے گا؟

اعتکاف کی فضیلت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے کئی مواقع پر گوہر افشانی فرمائی، ایک مرتبہ فرمایا: قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَكَفَ عَشْرَ رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:212)

ترجمہ: حضرت علی کے صاحبزادے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ مقبول ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ رمضان کے آخری عشرے میں معتکف ہونا دو حج اور دو عمرہ کرنے کے برابر ہے۔

ایک اور موقع پر یہ ارشاد فرمایا: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اعْتَكَفَ مَا بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِصَلٰوةٍ وَقُرْآنٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَبْنِيَ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:212)

ترجمہ: پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مسجد میں مغرب سے لے کر عشاء تک معتکف رہے (یعنی اللہ کی رضا کے لیے قیام کیے رہے) اور نماز وقرآن مجید کی تلاوت کے سوا کلام نہ کرے تو اللہ پر لازم ہے کہ اپنے کرم سے اس (معتکف) کے لیے جنت میں محل تیار کرے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ أَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ۔

ترجمہ: ہمارے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے جو شخص رضائے حق کے لیے ایک دن بھی مسجد میں قیام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کی آڑ بنا دے گا، جن کی مسافت آسمان وزمین کی مسافت سے بہت زیادہ ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:183 پر فضیلتِ اعتکاف کے متعلق ابن عباس سے روایت ہے، جس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرِى

لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَامِلَ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی رضا کے لیے مسجد میں قیام کرنے والے (معتکف) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ معتکف اعتکاف کی بدولت گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیوں کا اتنا ثواب حاصل کرتا ہے جیسے اس نے تمام نیکیاں ہی کی ہیں۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد میں دو بڑے فائدے پوشیدہ ہیں، جن کی وضاحت فرمائی گئی کہ معتکف اعتکاف کی برکت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ فائدہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا فائدہ نہیں، کیونکہ جب انسان گناہوں سے محفوظ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوگا۔ جب اللہ کا مقرب ہوگا تو اس پر اللہ کی خصوصی رحمتوں کا نزول ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اعتکاف کے عالم میں ہونے کی وجہ سے انسان، بہت سے نیک اعمال میں شریک نہیں ہوسکتا (مثلاً نمازِ جنازہ، مریض کی عیادت اور مظلوم کی اعانت وغیرہ) مگر اللہ کی رحمت ملاحظہ ہو کہ معتکف حضرات کو ان سب نیک اعمال کا بھرپور ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کرنے کے لیے مسلمان مرد کو مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھنا چاہیے۔ جب کہ خاتون اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ اگر گھر میں مسجد نہ ہو تو گھر کا ایک گوشہ اس مقصد کے لیے استعمال کرے۔

معتکف مرد اور خاتون بغیر کسی شرعی اور طبعی عذر کے اپنی جگہ سے باہر نہ نکلیں، ورنہ ان کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مثلاً رفع حاجت کے لیے اپنی جگہ چھوڑنے کے مجاز ہیں، مگر بغیر وجہ اپنی جگہ چھوڑیں گے تو ان کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا، کیونکہ ان کا یہ عمل فقط اللہ کی رضا کے لیے نہیں رہے گا بلکہ اس میں ان کی اپنی رضا بھی شامل ہوجائے گی اور اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

صدقۂ فطر کی واجبیت کی حکمت

گرامی قدر! اُلجھنیں انسانی زندگی کا حصہ ہیں، لیکن خداوند عظیم نے ہر الجھن کا حل بھی تجویز فرمادیا۔ مثلاً بیماری میں دوا پلادی، اس طرح بعض اوقات جھوٹ ہرزہ گوئی سے روزہ

بیمار پڑ جاتا ہے، تو روزے کی بیماری دور کرنے کے لیے صدقۂ فطر واجب قرار دیا گیا تاکہ روزے کی صحت بحال رہے اور ہمیں پورا پورا فائدہ رہے۔

صدقۂ فطر کے واجب ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عید کا دن خوشیوں اور مسرتوں کا دن ہے۔ ہر مسلمان کا دل خوشی سے معمور ہوگا۔ اس خوشی اور مسرت کے موقع پر گھروں میں عمدہ عمدہ پکوان تیار کیے جائیں گے۔ طرح طرح کی لذیذ ڈشیز تیار کی جائیں گی۔ لوگ عمدہ کپڑے زیب تن کرکے نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے مسجدوں میں جائیں گے، مگر عمدہ پکوان کے ساتھ طرح طرح سے پُرمزہ ڈشیز پکوان اور عمدہ کپڑے سلوانا امیروں کے لیے آسان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان سے ان کے پاس دولت ہے، مگر مفلس و نادار لوگ ایسی خوشیوں سے محروم رہتے ہیں۔ معمولی کھانے کا انتظام کرنا بھی ان کے بس میں نہیں۔ چہ جائیکہ وہ عمدہ عمدہ کھانے اور اپنے بال بچوں کے لیے عمدہ کپڑے سلوا سکیں۔ معاشرے کی اس ناہمواری کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے متمول اور صاحبِ ثروت لوگوں پر صدقۂ فطر واجب قرار دیا تاکہ غریب لوگ اپنے بال بچوں کے لیے کھانے وغیرہ کا انتظام کرسکیں۔ عید کے پُرمسرت موقع پر وہ کسی احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں اور دوسرے افراد کی طرح وہ بھی عید سعید کی خوشیوں میں دوسرے کے ہم رکاب ہوسکیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنَ۔

(رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ، صفحہ: 160)

دیلمی وخطیب وابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندے کا روزہ زمین و آسمان کے درمیان اس وقت تک معلق رہتا ہے جب تک کہ صدقۂ فطر ادا نہ کرے۔

صدقۂ فطر کے کچھ مسائل

صدقۂ فطر ہر مسلمان پر جو کہ آزاد ہے، صاحبِ نصاب ہے اور نصاب ایسا کہ حاجتِ

اصلیہ سے فارغ ہوتو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ صدقۂ فطر گھر کے تمام افراد کی طرف سے ادا کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں مرد وخاتون، عاقل وبالغ اور بہت زیادہ مالدار ہونے کی کوئی شرط نہیں۔

درمختار میں ہے کہ مرد صاحب نصاب پر اپنی نابالغ اولاد کا صدقۂ فطر واجب ہے۔ نیز صدقۂ فطر سے روزہ شرط نہیں۔ بلکہ صدقہ اس پر بھی واجب ہے، جس نے بلا عذر یا باعذر روزے نہیں رکھے۔ اسی کتاب میں ہے کہ مرد پر اپنی اہلیہ اور بالغ اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں خواہ وہ اپاہج ہوں اور ان کے تمام نان ونفقہ اس کے ذمے ہوں۔

صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں یا اس کا آٹا، نصف صاع۔ اگر گیہوں اور آٹا نہ ہو تو ستّو بمقدار نصف صاع۔ اگر یہ تینوں اشیا نہ ہوں تو ان کے بدلے میں کھجور بمقدار پورا صاع صدقۂ فطر کے لیے واجب ہے۔

انسان کی طبیعت جدّت طراز ہے۔ پہلے زمانے کے اُصول اور خیالات اب قدیم اور فرسودہ خیال کیے جاتے ہیں، ان کے لیے نئے قوانین اور نئے اصول وضع کرلیے جاتے ہیں۔ نئے ضابطے بنالیے جاتے ہیں۔ زمانے کی اقدار تبدیل کردی جاتی ہے۔ اس طرح پہلے زمانے میں نصف صاع کی مقدار کسی اور حساب سے شمار کی جاتی تھی، مگر آج کے زمانے میں ہمارے یہاں تولوں کے اعتبار سے ساڑھے چار سیر احتیاط ہے اور پورے صاع کی مقدار ۹ سیر فی کس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدقۂ فطر پورا پورا ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

□□□

بیسواں وعظ

فضیلت یوم جمعہ

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ جمعہ، آیت:9)

قرآن مجید کے اٹھائیسویں پارے کی مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ:

اے اہل ایمان! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے بڑھو اور خرید وفروخت ترک کردو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم دانا ہو۔

شانِ نزول

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ مسجد میں اپنی تشریف آوری کا اعلان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یوں ہوا کہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگ خرید وفروخت میں مشغول ہوگئے اور صرف 12/افراد آپ ﷺ کے ہمراہ رہ گئے۔ اسی سبب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ:34)

فرضیتِ صلوٰۃِ جمعہ کی حکمت

حضرت محمد ﷺ اسلام جیسے مقدس اور عظیم دین کو لائے۔ دین اسلام نے ایک دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض قرار دی اور نماز باجماعت کی بھی بڑی سختی سے تاکید فرمائی، مگر جماعت کو اس قدر لازمی قرار نہیں دیا کہ اگر انسان جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو نماز کی ادائیگی ہی نہ کرسکے، لیکن ہفتے بھر میں ایک دن ایسی نماز فرض قرار دی، جس کی ادائیگی کی خاطر جماعت میں حاضر ہونا لازمی قرار دیا۔ اگر جماعت میں شامل ہوکر نماز کی ادائیگی کی تو ٹھیک، ورنہ نماز کی ادائیگی مشکوک ہوگی۔

ہفتہ بھر میں ایک نماز کی ادائیگی کی خاطر جماعت میں شامل ہونے کی لازمی پابندی مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اہلِ اسلام ہفتہ میں ایک دن ایک مرکز میں جمع ہوں۔ ایک دوسرے کو اپنے واقعات وحالات سے آگاہ کرتے رہیں۔ ایک دوسرے کے رنج وغم کو اپنا رنج وغم خیال کریں، نیز مسلمانوں کو اسلام کے مسائل سے آگاہی ہو۔ لوگوں میں باہمی محبت فروغ پائے اور غیر مسلم اقوام اسلام کے رعب ودبدبے تلے رہیں۔ اسی وجہ سے ہفتہ بھر میں ایک نماز کی جماعت لازمی قرار دی اور ہفتہ بھر کے دنوں میں سیاسی مقصد کے واسطے جمعہ کا دن منتخب کیا گیا اور دن کی مناسبت سے نماز کا نام نمازِ جمعہ رکھا گیا۔

فضائلِ یومِ جمعہ

خداوند کریم کو سب دنوں سے پیارا دن جمعہ ہے۔ اپنے آخری کلام قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ جمعہ کی فضیلت کا اس بات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بڑی دھوم دھام سے آتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی جمعہ کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ اَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ اَزْهَرُ ۔ (رواہ البیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:21)

رسولِ پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جمعہ کی رات روشن اور جمعہ کا دن چمک دار ہے۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ يَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ يُصَلِّ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔
(رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز مجھ پر درود کی کثرت کرو۔ بے شک وہ گواہی دیا گیا ہے، جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

کوئی ایک بھی مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر وہ مجھ کو پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ فراغت حاصل کرے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: بعد از موت بھی؟ فرمایا: لاریب اللہ نے زمین پر انبیا کے اجسام کو کھانا حرام کردیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ (اسے) رزق دیا جاتا ہے۔

جمعہ کی فضیلت کے بارے میں ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں روایت کی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:119)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور اس دن کے سوا قیامت قائم نہ ہوگی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک حدیث مروی ہے جو یوم جمعہ کی فضیلت کی عکاس ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ۔ (رواہ احمد، ترمذی مشکوٰۃ ص 121)

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو انتقال کرے، اللہ اس کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:107 پر حضرت ابویعلیٰ، انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت مرقوم ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور رات میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں اور ہر گھنٹے میں اللہ تعالیٰ چھ لاکھ آدمی جہنم سے آزاد کرتا ہے، جن پر دوزخ لازمی ہوچکی ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! ایک گھنٹہ میں چھ لاکھ کی دوزخ سے آزادی۔ اگر چوبیس کو چھ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ایک سو چوالیس لاکھ ہوتا ہے۔ گویا جمعہ کے دن ایک سو چوالیس لاکھ افراد جہنم سے رہائی پاتے ہیں۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ:35 پر مرقوم ہے کہ زردان اپنے استادِ محترم کے ہمراہ حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کے دن کی آمد ہوتی ہے تو بحکم خداوند قدوس تمام ملائکہ بیت المعمور میں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام چاندی کے سفید روشن مینارے پر چڑھ کر اذان دیتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یاقوت کے سرخ مینارے پر کھڑے ہو کر ملائکہ سے خطاب کرتے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ جمعہ پڑھاتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر کہتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد بلند آہنگی سے حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنی اذان کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مؤذن کو بخشا۔ حضرت میکائیل کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنے خطبہ کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے خطبہ پڑھنے والوں کو بخش دیا۔ اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں: اے فرشتو! گواہ رہنا، میں نے اپنی امامت کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اماموں کو بخشا۔ حضرت عزرائیل کہتے ہیں: اے ملائکہ! گواہ رہنا، میں نے اپنی تکبیرات کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے تکبیر خوانوں کو بخشا۔ پھر تمام ملائکہ کہتے ہیں: اے فرشتگانِ خدا! گواہ رہنا، ہم نے اپنی نماز کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مقتدیوں کو بخشا۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو ندا دیتا ہے۔ تم ہمارے حضور اپنی سخاوت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ سخاوت اور جود وکرم کا سرچشمہ تو ہم ہیں۔ ہم تو سب کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے برگزیدہ بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو بخش دیا ہے اور روزِ محشر ہم بغیر حساب وکتاب داخل جنت کریں گے۔

جمعہ کے روز غسل کرنا، خوشبو لگانا، اچھے لباس زیب تن کرنا باعثِ ثواب ہیں۔ ہفتہ بھر میں جمعہ ایک دن ایسا مقرر کیا گیا ہے، جس دن مسلمانوں نے اجتماع کی صورت میں اپنے خالق حقیقی کی عبادت کے لیے جامع مسجد میں جمع ہونا ہوتا ہے۔ جمعہ کا دن عید کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن غسل کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرنا بہت اچھی بات ہے۔ علاوہ ازیں اگر بدن میلا ہوگا تو میل کی وجہ سے جسم کے مساموں سے نکلنے والا پسینہ بدبودار ہوگا، جس سے دوسرے نمازیوں کی طبع پر یہ بات گراں گزرے گی۔ اس واسطے

ہمارے پیارے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم شب اسرا کے دولہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لوگوں کو روزِ جمعہ غسل کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرنا اور خوشبو لگانا صرف اسی لحاظ سے ہی ضروری نہیں کہ اس سے دیگر نمازیوں کی طبائع پر گراں ہوگی بلکہ جمعہ کے دن غسل کرنے سے آخرت میں بھی بے شمار فوائد ہیں:

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُھْرٍ وَیُدْھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یَنْصُتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی ۝ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:133)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور پاکیزگی حاصل کرے اور مقدور بھر اپنا تیل استعمال کرے، پھر اپنے گھر سے خوشبو لگائے، پھر مسجد کی طرف جائے اور دو اشخاص میں تفرقہ نہ ڈالے اور پھر نماز پڑھے جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے، جس وقت امام خطبہ پڑھے تو چپ ہو جائے تو اس کے پچھلے جمعہ سے لے کر اس جمعہ تک سرزد ہونے والے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اوس بن اویس روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَ اغْتَسَلَ وَبَکَّرَ وَابْتَکَرَ وَمَشٰی وَلَمْ یَرْکَبْ وَ دَنَا مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ یَلْغُ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ عَمَلُ سَنَۃٍ اَجْرُ صِیَامِھَا وَ قِیَامِھَا ۝ (رواہ الترمذی و ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:122)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے روز نہلائے اور خود نہائے اور اوّل وقت (مسجد میں) آئے اور خطبہ کے آغاز میں شرکت کرے اور پیدل آئے، سواری پر نہ آئے اور امام کے نزدیک رہے۔ خطبہ سنے اور لغو کام نہ کرے تو اس کے لیے ہر قدم کے بدلے سال بھر کا عمل ہے۔ ایک سال کے روزے اور راتوں کے قیام کا اس کے لیے اجر ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: مَنْ غَسَّلَ یعنی کہ جو نہلائے۔ اس کے تین مطالب ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے کپڑوں کو غسل دے، یعنی ان کو دھوئے۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے فرد کے لیے نہانے کے اسباب اور سامان مہیا کر دے، یعنی دوسرے کے لیے پانی، صابن اور تیل کا انتظام کر دے۔ تیسرے یہ کہ اپنی اہلیہ سے صحبت کرے تاکہ اس کو غسلِ جنابت کی حاجت ہو۔ اس سے ایک تو یہ ہوگا کہ دل میں زنا کا خیال نہیں آئے گا اور دوسرے نماز میں خوب دل لگے گا۔

نزہۃ المجالس، جلد: اوّل، صفحہ: 111 پر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ جب مرد اور خاتون غسل کرتے ہیں تو ان کے جسم سے بہنے والے پانی کے ہر قطرے سے ایک فرشتہ تخلیق کیا جاتا ہے جو مرد اور عورت کے لیے تا محشر استغفار کرتا رہے گا۔

اسی طرح جمعہ کے روز عمدہ یعنی صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرنا ثواب ہے۔ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 112 کی ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ جمعہ کے دن نئے کپڑے زیب تن فرماتے۔

جمعہ کے روز بالخصوص اور دیگر ایام میں بالعموم سفید کپڑے پہننا محبوب عمل ہے:

اِلْبِسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبِیَاضِ فَاِنَّھَا اَطْیَبُ وَاَطْھَرُ وَ کَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ ۰ (رواہ الترمذی، نزہۃ المجالس، صفحہ: 112)

سفید لباس پہنو کیونکہ وہ عمدہ اور زیادہ پاکیزگی والا ہوتا ہے اور ان ہی سے اپنے مُردوں کو کفن دو۔

اس طرح دیگر ایام میں بالعموم سر پر ٹوپی اور جمعہ کے روز بالخصوص دستار باندھنا افضل ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلٰی اَصْحَابِ الْعَمَائِمِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔

بے شک اللہ کے ملائکہ اور خود اللہ دستار باندھنے والوں پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث کشف الغمہ، صفحہ: 142 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 112 پر مرقوم ہونے کے علاوہ احیاء العلوم، جلد اوّل، صفحہ: 187 پر بھی درج ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 122 پر مرقوم ہے کہ آنحضور ﷺ جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے اپنے سر اقدس پر سیاہ عمامہ اوڑھتے اور اس کی دونوں طرفین اپنے شانوں کے درمیان لٹکاتے۔

اس طرح نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 112 پر ایک روایت یوں مرقوم ہے کہ جو شخص دستار باندھ کر نماز پڑھے، اس شخص کی نماز بغیر دستار نماز پڑھنے والے کی نماز سے 25 گنا زیادہ درجہ افضل ہوتی ہے اور دستار باندھ کر جمعہ پڑھنے والے کا جمعہ بغیر دستار باندھنے والے کے جمعہ پڑھنے کے جمعہ سے 70 درجہ افضل ہے۔

جمعہ کے روز گردنیں پھلانگنا منع ہے

جمعہ کے روز بعض دوست احباب دیر سے آتے ہیں اور اگلی صف میں جگہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جاتے ہیں۔ ایسا کرنا گناہ اور ناجائز ہے، کیونکہ اس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ بے شک اگلی صف میں بیٹھنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس زیادہ ثواب کے لیے یہ بھی تو ضروری نہیں کہ دوسروں کو تکلیف دی جائے۔ اگر لازمی طور پر زیادہ ثواب حاصل کرنا ہے تو جلدی اور پہلے آنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر مسجد میں جس جگہ اور جہاں جگہ مل جائے، وہیں بیٹھ جانا چاہیے، خواہ اگلی صف ہو یا پچھلی۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اتَّخَذَ جِسْرًا اِلٰی جَھَنَّمَ ۰ (رواہ الترمذی، صفحہ: 122، مشکوٰۃ)

جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں کو پھلانگا گویا اس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اسی طرح زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 123 پر حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت منقول ہے:

قَالَ جَاءَ رَجُلٌ یَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِجْلِسْ فَقَدْ اٰذَیْتَ۔

حضرت عبد اللہ بن بسر سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے روز لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا۔ نبی کریم ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ تم

نے (لوگوں کو) اذیت دی۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے روز گردنیں پھلانگنا ممنوع ہے۔ گو کہ اگلی صف میں بیٹھنے سے زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ پہلے آکر اگلی صف میں نشست حاصل کی جائے۔ بصورت دیگر اگلی صف میں جگہ حاصل کرنے کے لیے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا ممنوع ہے، بلکہ اس سے، بجائے ثواب کے گناہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ جمعہ کے روز سویرے سویرے پاکی حاصل کر کے یعنی بغلوں کے بال اور موئے زیرِ ناف صاف کر کے، نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن لیں اور جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت چھوڑ کر اللہ کے ذکر کے لیے مسجد میں جا کر اگلی صف میں جگہ حاصل کر لیں اور زیادہ ثواب حاصل کریں اور جمعہ کے دن مسجد میں خوشی خوشی حاضر ہوں۔

انیس الواعظین، صفحہ: 200 پر مرقوم ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن آنے سے خوش ہوتا ہے، اللہ اس کی خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جس کے ۱۰ ر لاکھ سر ہوتے ہیں۔ ہر سر میں دس لاکھ چہرے اور ہر چہرے میں دس لاکھ دہن ہوتے ہیں اور ہر دہن میں دس لاکھ زبانیں ہوتی ہیں اور ہر زبان میں دس لاکھ نعت ہیں۔ قیامت تک وہ فرشتہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی تمام عبادات کا ثواب اس خوشی کرنے والے کو ملتا ہے اور اللہ اس کو خوشی دے گا، ملال کے دن میں جس کے بعد اس کو کبھی غم نہ ہوگا۔

قارئین کرام! اگر دس لاکھ سر ہوں اور ہر سر میں دس لاکھ چہرے ہوں تو اس حساب سے دس کھرب چہرے ہوئے اور اگر ہر چہرے میں دس لاکھ دہن ہوں تو مجموعی دہن کی تعداد دس سنکھ ہوئی جو کہ انسان کی گنتی کا آخری اسٹیج ہے اور اگر ہر دہن میں دس لاکھ زبانیں ہوں تو زبانوں کی مجموعی تعداد ایک کروڑ سنکھ ہوئی۔ گویا ایک کروڑ سنکھ زبانوں سے اللہ خداوند تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کا ثواب اس خوشی کرنے والے کو ملتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے جمعہ کے مبارک دن کی۔ انسانی ذہن تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے کہ ہم جمعہ کے روز نہا دھو کر نمازِ جمعہ کے لیے حاضر ہوں۔ آمین!

□□□

چوبیسواں وعظ

جمعۃ الوداع کی تعلیم

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سورۂ نحل، پارہ:14)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انصاف، نیکی اور رشتے داروں سے احسان کرنے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی و بری باتوں سے منع فرماتا ہے اور سرکشی سے۔ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

برادرانِ امتِ مسلمہ! خداوند عظیم کے سوا کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ستاروں سے لے کر سورج تک، نہروں سے لے کر سمندروں تک، زمین سے لے کر آسمان تک، ریت کے معمولی ذرے سے لے کر بلند و بالا پہاڑوں تک، نالی میں رینگنے والے حقیر ترین حشرات سے لے کر اشرف المخلوقات انسان تک، کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ جو شے بھی اس جہاں میں آئی اسے ایک نہ ایک روز ختم ہونا ہے۔

فرعون زمین پر بڑا بن بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو خدا کا سمجھ لیا اور خود کو لافانی سمجھنے لگا۔ اپنی جھوٹی خدائی کی بلند و بالا عمارت تعمیر کر دی۔ اچانک ایک طرف سے اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سچائی کی تلوار ہاتھ میں لیے نمودار ہوئے اور آن واحد میں خدائی دعویدار فرعون کی جھوٹی خدائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور یہ ثابت کر دیا کہ فرعون جیسے بڑے بھی فانی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق و صداقت کی آندھی بن کر نمرود کے ظلم و ستم کی آگ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا کر یہ ثابت کر دیا کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے ظلم و ستم اور جھوٹ کے خلاف سر دے کر ثابت کر دکھایا کہ

کائنات کی ہر شے فانی ہے۔

واقعی کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ہر روز سر شام فلک پہ لاکھوں ستارے جھلملاتے ہیں اور صبح ہونے سے قبل ہی چشم تماشا کو حیران چھوڑ کر روپوش ہو جاتے ہیں اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے۔ ہر روز سورج بڑی آن بان سے کرۂ فلک پر طلوع ہوتا ہے اور دس بارہ گھنٹے عالم انسانیت کو اپنی عظمت سے مرعوب کرنے کے بعد غروب ہو جاتا ہے۔ موسم بھی بڑی طراری کے ساتھ آتے ہیں، مگر جلد ہی حوادثِ زمانہ سے گھبرا کر گزر جاتے ہیں۔ انسان بھی اس دنیا میں آتا ہے، اس کے آنے پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں، مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں، باجے اور اسپیکر بجائے جاتے ہیں، مگر چند ہی دن گزار کر انسان سب کو روتا دھوتا چھوڑ کر اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ اس وقت اسے حکیم لقمان کی گولیاں بھی نہیں بچا سکتیں۔ کیونکہ دنیا میں قیام کرنے کے لیے اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ وقت بڑی عجیب چیز ہے۔ یہ گزرتا ہی رہتا ہے۔ لاکھ کوشش کریں، کروڑہا جتن کریں، مگر یہ نہیں رکتا بلکہ گزرتا ہی رہتا ہے اور اپنے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف اشیا لے جاتا ہے، مگر بعض اوقات بعض چیزیں انسان کے لیے لاتا بھی ہے۔

یہ وقت کی ہی مہربانی ہے کہ اس کی گردش سے رحمتوں کا مہینہ تشریف لاتا ہے، مگر ایک طرح سے افسوس کی بات ہے کہ وقت کی گردش کے سامنے رمضان شریف بھی نہیں ٹھہرتا، بلکہ چند دن رہ کر گزر جاتا ہے۔

خداوند عظیم کا یہ نورانی، محترمی، مکرمی ماہ ایک مہمان کی حیثیت سے ہمارے گھر آیا ہوا تھا، جس کی وجہ سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازوں پر قفل لگ جاتے ہیں۔ اب یہ مہینہ رخصت ہونے کو ہے، اس کے ساتھ ہی رحمت کے دروازے بند ہو جائیں گے اور دوزخ کے دروازوں کے قفل کھل جائیں گے۔ پہلے تو رحمت کے دروازے کھلے تھے جو چاہے اس میں بن پوچھے داخل ہو سکتا تھا، مگر اب یہ بند ہو چکے ہیں۔ اب انھیں کھولنے کے لیے ان پر دستک دینا ہوگی۔ دوزخ کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے ہمیں سخت جدو جہد کرنا پڑے گی۔ ورنہ یہ ہمیں اپنے اندر نگلنے کے لیے بھیانک جبڑے کھولے ہوئے ہے اور ادھر رحمت کے

دروازے بھی بند ہو چکے ہیں اور ہم بھاگ کر اس میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ اس مبارک مہینہ میں شیاطین پابہ سلاسل تھے، وہ ہم پر اپنے شیطانی وار نہیں کر سکتے تھے، مگر اب وہ آزاد ہیں۔ ان کے شیطانی واروں سے بچنے کے لیے ہمیں دانتوں پسینہ آجائے گا۔ اس مبارک مہینہ میں معاشرے میں فسق و فجور کی ظلمتیں خلوص اور نیک دلی کی روشنی میں بدل چکی تھی۔ صرف اس روشنی کے پھیلنے کی دیر تھی کہ سارے عالم میں چراغاں ہو جاتا ہے۔ اب یہ متبرک اور مقدس مہینہ ہم کو داغ مفارقت دیے جا رہا ہے۔ یہ مہینہ چونکہ اللہ کی طرف سے آیا تھا، اب اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور اللہ سے بتائے گا کہ اس کے بندوں میں سے کس کس نے مہمانداری کے اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے اس کی عزت و توقیر کی اور کس کس نے بے اعتنائی برتی۔ جس کسی نے رمضان شریف کی عزت و توقیر میں ایک لمحہ کے لیے غفلت نہ برتی ہوگی، یہ رمضان شریف کا مہینہ ایسے شخص کے لیے رحمت باری میں بخشش کی سفارش کرے گا اور جس کسی نے رمضان شریف سے بے اعتنائی کا رویہ اپنایا، اس سے منھ موڑا، اس کو گراں خیال کیا، رمضان شریف کا مہینہ ایسے لوگوں سے قطعاً خوش نہیں ہوگا اور خداوند عظیم کے حضور اس کی شکایت کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شکایت کرنے پر غیض و غضب میں آجائے اور پھر ایسے لوگوں کا مقدر تباہی و بربادی اور ذلت کے سوا کیا رہ جائے گا۔

ہم وقت کے از حد ممنون ہیں کہ اس کی گردش ہمارے لیے ایک مہینہ کو لاتی ہے جو رحمتوں کا خزینہ ہے، جو ہمارے لیے باعثِ نجات ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطے کا نام ہے۔ ہر سال اللہ وحدہٗ لاشریک اس ضابطے کی وضاحت کے لیے رمضان شریف کو بھیجتا ہے تاکہ لوگ ضابطے سے روشناس ہو جائیں اور اس پر عمل کر کے اپنے لیے نجات کے سامان کریں۔

ضابطے کی تشریح

یوں ہی رمضان شریف کا قمر اپنی تابانیوں سے اہلِ جہاں کو ضوفشاں کرنے کے لیے فلک پر آویزاں ہوتا ہے تو سارے عالم کے مسلمانوں میں جوش و خروشِ ایمانی کی ایک تیز لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہر شخص شاداں و فرحاں رمضان شریف کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف

ہو جاتا ہے اور اپنے روزمرہ کی مصروفیات سے مندرجہ ذیل تبدیلیاں لاتا ہے:

1- افراطِ صلوٰۃ
2- رغبتِ تلاوت قرآن مجید
3- کھانے پینے سے اجتنابیت شکم
4- عملِ زوجیت سے گریز

افراطِ صلوٰۃ

اُمت محمدیہ ﷺ پر دن میں پانچ مرتبہ نماز فرض قرار دی گئی ہے۔ رمضان شریف میں پنج گانہ نماز کے علاوہ ہر شب کو بیس رکعت نماز تراویح سنت قرار دی گئی۔ عام دنوں کی بہ نسبت رمضان شریف میں 20 رکعتوں کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رمضان شریف ہمیں نماز پڑھنے کی طرف رغبت دلاتا ہے اور ہر روز بلاناغہ ہمیں اس کی مشق کرواتا ہے تاکہ ہمیں نماز پڑھنے کی عادت پڑ جائے اور ہم روزانہ پنج گانہ نماز کو گراں اور ثقیل خیال نہ کریں بلکہ شوق اور وارفتگی سے نماز ادا کریں۔

گویا رمضان شریف سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اگر ہم رمضان شریف کے احترام میں نمازِ تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے رہے تو ہمیں نماز کی ادائیگی میں مشکل نہ رہے گی اور رمضان شریف گزر جانے کے بعد بھی سارا سال پنج گانہ نماز کی ادائیگی بہ احسن طریقے سے انجام دیں گے، کیونکہ نماز ہی ذریعہ نجات ہے۔ نماز ہی ہماری فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ مگر ہم مسلمان بڑے خود غرض، مطلب پرست اور موقع پرست ہیں۔ ادھر رمضان رخصت ہوا اور اُدھر ہم نے پورے سال کے لیے نماز اور مسجد کو الوداع کہا اور اس کی ایک بڑی ہی نامعقول دلیل دیتے ہیں کہ جی ہم نے رمضان شریف میں ایک نماز پڑھ کر سات سو نمازوں کا ثواب حاصل کر لیا ہے، اس لیے اب ہمیں سارا سال نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

صد افسوس! ہمارے مسلمان کتنی بے معنی سی سوچ کے حامل ہیں۔ نماز کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔ نماز ہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر کافر اور مسلم میں امتیاز ہوتا ہے۔

خالقِ دو جہاں، مالکِ دو جہاں، احکم الحاکمین، مالک یوم الدین نے ارشاد فرمایا ہے:

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

قائم کرو نماز اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

یعنی اگر ہم نماز قائم نہ کریں گے تو ہم مشرکوں میں ہو جائیں گے، جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

عام زندگی میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی کام از حد ضروری اور اہم ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے مالک اپنے ملازم سے زور دے کر بار بار تاکید کرتا ہے تاکہ کہیں وہ کام رہ نہ جائے۔ اس طرح ہمارے رب کریم نے ہمیں نماز قائم کرنے کے لیے قرآن مجید میں سات سو مرتبہ ارشاد فرمایا۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے بھی نماز کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی اور اسے دین کا ستون قرار دیا:

اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّيْنَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ۔

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا، اس نے گویا دین کو گرا دیا۔

دین اسلام کی بلند و بالا اور پُرشکوہ عمارت نماز کے سہارے قائم ہے۔ ذرا سا بھی نماز اِدھر اُدھر ہو تو اسلام کی عظیم الشان عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور جس عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں وہ عمارت دھڑام سے گر جایا کرتی ہے۔ اس لیے مسلمان بھائیو! آیئے ہم سب آج رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں اللہ کے حضور حاضر ہو کر خداوند عظیم کو حاظر و ناظر جان کر یہ وعدہ کریں کہ ہم سب حتی الوسع نماز قائم کریں گے اور ذرا بھی غفلت سے کام نہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وعدے کا پاس کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تلاوتِ قرآن مجید

رمضان شریف کا مہینہ تشریف لایا، گویا خزاں کے دن گزر گئے اور بہاریں اپنے جلو میں کوئل کی کوکو لیے آن موجود ہوئیں۔ گلستانِ گوش گوئل کی کوکو اور پپیہے کی سریلی باتوں سے

جھوم اٹھا۔ ہر گھر اور مسجد میں کوئل اور پپیہے کی نغمگی سے لطف اندوز ہو کر گلستانِ گوش کو فردوسِ گوش بنایا جانے لگا۔ گلستانِ ہستی کے جس گوشے میں نکل جائیں، جس قریہ میں چلے جائیں، اس گوشے اور اس قریے سے دل فریب نغمے پھوٹ رہے ہوں گے اور وہ نغمے آج کل کے بے ہودہ فلمی نغموں میں سے نہیں۔ معاذ اللہ! بلکہ وہ نغمے قرآن مجید کے مقدس نغمے ہیں، جن کے سننے اور کہنے سے انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ فلمی نغموں کی طرح نہیں کہ جن کے سننے اور کہنے سے انسان کے نامۂ اعمال کی سیاہی مزید گہری ہو جاتی ہے۔ یہ وہ نغمے بھی نہیں، جن کے رکھنے والے آج کل کے لوفرانہ سوچ رکھنے والے شاعر ہیں بلکہ یہ تو وہ نغمے ہیں جن کو خداوند عظیم نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے لیے تخلیق کیا۔ یہ وہ نغمے نہیں جن سے صرف نفسانی خواہشات بھڑکتی ہیں، بلکہ یہ تو وہ نغمے ہیں جو نہ صرف قلب ونظر بلکہ انسان کی روح تک کو سکون بخش کر خوشی سے سرشار کر دیتے ہیں۔ روح کو کیف ومستی کا عالم عطا کر دینے والے ان ہی مقدس نغموں سے سارا گلستانِ ہستی گونج اُٹھتا ہے۔ ہر لسانِ گل پر ان ہی مقدس نغموں کے بول ہوتے ہیں۔ فضا عجیب نغمگی سے معمور ہوتی ہے۔ ہر طرف یہی مقدس نغمے زبان زد عام ہوتے ہیں جو کہ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ رمضان شریف کے علاوہ بھی ہم ان نغموں کو گنگناتے رہیں، کیونکہ قرآن مجید کے ان نغموں کا ایک حرف گنگنانے سے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اگر ہم پورا نغمہ نہیں گنگنا سکتے تو کم از کم نغمے کا کچھ حصہ ہی ہر روز گنگنا لیا کریں گے تا کہ خداوند عظیم کے حضور کچھ منہ لے کے جائیں۔

عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور اس کی تعلیم دے۔

نبی کریم ﷺ نے عزت وتوقیر اور عظمت وبڑائی کا ایک حصار مقرر کر دیا ہے۔ مادی دنیا کے کم عقل انسان خود ساختہ معیار بنائے پھرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عظمت اور بڑائی کا حامل وہ شخص ہے جس کے پاس بے شمار دولت ہے، جس کی کاریں ہیں، جس کا بزنس وسیع

ہے۔ کسی کی سمجھ میں یہ آیا کہ آج عزت وتوقیر اس کی ہے جو عنانِ حکومت کا علمبردار ہے، جس کے پاس وزارت کی مضبوط کرسی ہے۔ کسی نے عزت وتوقیر کا معیار یہ بتایا کہ جس کے پاس بے شمار زمینیں ہیں۔ کسی نے یہ کہا کہ عزت اس کی ہے جس نے کالج سے گریجویٹ کی ڈگری لی ہے، جس نے وکالت کی موٹی موٹی کتابوں میں مغزماری کی ہے، جس نے پی ایچ ڈی کی سند لی ہے، مگر افسوس کہ ساری دنیا ہی دھوکہ کھا گئی۔ یہ ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ بیٹھی۔ ہر کسی نے اپنی سمجھ کے مطابق عزت وتوقیر کے الگ الگ معیار مقرر کر لیے۔

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: دنیا والو! تم غلطی پر ہو، تم نے عزت کے معیار کو غلط سمجھا ہے۔ عزت اس کی نہیں، جس کے پاس کاریں ہیں، جس کے پاس کوٹھیاں ہیں، جس کے پاس زمینیں ہیں۔ عزت اس کی بھی نہیں جس نے کالج میں ۱۶ رسال ضائع کر کے ایم اے کی ڈگری اور وکالت کا ڈپلومہ حاصل کیا ہے، بلکہ اس کی عزت ہے، عظیم وہ ہے، بڑائی اس میں ہے کہ جس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور پھر دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔ یہی عزت کا معیار ہے۔ یہی عزت کا اسٹینڈرڈ ہے۔ (رواہ احمد الترمذی ابوداؤد)

مشکوٰۃ، صفحہ:184 پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ اٰخِرُ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا۔

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھ اور ترتیل سے پڑھ، جیسا کہ دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا۔ بے شک تیری منزل آخری آیت پر ہوگی، جس کو تو پڑھے گا۔

آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا چاہیے

جو لوگ اس دنیا میں قرآن مجید کی تلاوت سچے دل سے کرتے رہے ہوں گے، قیامت کے دن اللہ ایسے لوگوں سے کہے گا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے پل صراط سے گزر جاؤ اور جس جگہ تم آخری آیت تلاوت کرو گے، وہ جگہ تمہاری منزل بنا دی جائے گی۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم حیاتِ معاصی سے تائب ہو جائیں اور سچے دل سے نماز

پڑھیں اور روزانہ بلاناغہ قرآن مجید پڑھا کریں۔ اگر ہم خود ہی قرآن مجید کی تلاوت نہ کر سکتے ہوں تو ہمیں چاہیے کہ کم از کم اپنی اولاد کو زیورِ تعلیم القرآن سے آراستہ وپیراستہ کر دیں تاکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر ہمارے سروں پر نورانی تاج جما کر ہمیں آراستہ وپیراستہ فرمائے گا۔ الحمد للہ رب العالمین۔

رواہ ابوداؤد واحمد، مشکوٰۃ، صفحہ:186 پر حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

رسول اللہ صلی اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس میں موجود باتوں پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج کی روشنی سے تیز ہوگی، جب کہ وہ دنیا کے گھروں میں۔ پھر جس نے خود عمل کیا تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، وہ کس منصب پر فائز ہوگا۔

والدین کے حقوق پر اللہ تعالیٰ نے بڑا زور دیا ہے۔ اگر ہم ساری زندگی بھی ان کی فرماں برداری کرتے رہیں گے تو ان کے معمولی سے احسان کا بدلہ نہیں چکا سکیں گے کہ روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کریں، تاکہ قیامت کے دن ہمارے والدین کے سروں پر نورانی کرنوں کا تاج رکھا جائے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔

(رواہ الدارمی، مشکوٰۃ، صفحہ:186)

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اگر قرآن مجید کو کسی چمڑے میں رکھ کر آگ میں پھینکا جائے تو وہ جلنے سے محفوظ رہے گا۔

فائدہ: محدثین کرام نے اس حدیث کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ چھوٹی یعنی چمڑے سے مراد عام چمڑا ہے، یعنی شیر، بیل، گائے، بکری وغیرہ کا چمڑا اور آگ سے عام آگ مراد ہے، جن

سے گھروں اور ہوٹلوں میں کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں معانی یہ نکلتے ہیں کہ اگر قرآن مقدس کو کسی بھی جانور کے چمڑے میں بند کر کے آگ میں ڈالا جائے تو آگ قرآن مجید کو جلانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ یہ قرآن مجید کا خاص کرشمہ ہے، جو نبی کریم ﷺ کی عظمت کی دلیل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چمڑے سے مراد انسان کے جسم کی کھال ہو اور اس میں قرآن مجید ہو، تو دوزخ کی آگ میں پھینکا جائے تو دوزخ کی آگ بھی جرأت نہیں کر سکتی، وہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ جس شخص کے سینے میں قرآن مجید محفوظ ہوگا، اگر کسی دوسرے گناہ یا جرم کی پاداش میں اسے دوزخ میں ڈالا بھی گیا تو قرآن مجید کی برکت سے آگ اس کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گی۔

قرآن مجید اللہ کا نازل کردہ ایک نادر الوجود نسخہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب یا کسی دوسری قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ تمام قسم کے کلاموں سے افضل ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

فَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ۔

ترجمہ: قرآن مجید تمام کلاموں سے ایسے افضل ہے جیسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے۔

قرآن مجید اللہ کی پاک اور آخری کتاب ہے، جو ہمارے پیارے رسول ﷺ پر نازل ہوئی تاکہ اُمتِ محمدیہ اس پر عمل کر کے اپنے نجات کے سامان تیار کرے۔ اس مقدس کتاب میں زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی مسئلہ خواہ ذاتی ہو، انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، ایسا نہیں جس کا حل قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ کتابِ زندگی کے تمام گوشوں کو بڑی وضاحت سے اُجاگر کرتی ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے انسان دنیاوی اور اُخروی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید علم الٰہی کا خزانہ ہونے کے علاوہ بے مثل بھی ہے، جس کا مقابل آج تک نہ ہو سکا اور نہ قیامت تک ہو سکے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر ہم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

مسلمانو! میں تمہارے لیے دو اشیا چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو کبھی

گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور دوسری شے اللہ کی پاک کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ پس اگر ہم قرآن شریف پر عمل پیرا رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے اور سیدھی راہ پر چلیں گے، سیدھی راہ پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ میں ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

ہمیں چلا سیدھے راستے پر۔ اس راستے پر جس پر چل کر لوگوں نے انعام حاصل کیے۔

پس سیدھی راہ پر چلنے کو خداوند عظیم انعام سے نوازتا ہے اور جس شخص پر اللہ کی نعمتوں کی نوازش ہو، اس جیسا خوش بخت اور کون ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آج کل کے ہمارے نوجوانوں میں گمراہی ہے۔ وہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے بھی فحش لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فلمی گانے اور فلم کورس پڑھتے ہیں، بلکہ بڑے شوق سے یاد کرتے ہیں اور بازار سے ان کے کیسٹ بھرواتے ہیں تاکہ جب جی چاہے اپنی پسند کا گانا سنا جاسکے۔ افسوس صد افسوس! یہی ہمارے وہ نوجوان ہیں جنھوں نے آگے چل کر ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھالنی ہے، اسلام کے سچے غازی بننا ہے۔

کیا یہ اسلام کی کوئی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ کیا ہم ان سے کوئی توقعات وابستہ کرسکتے ہیں؟

اے کاش! ہمارے ان جیالوں کی طرز سوچ بدل جائے۔ فلمی گانوں کی بجائے قرآن مجید کی سورتیں یاد کریں تاکہ ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی کچھ ہلکی ہوجائے اور ہم اللہ کی رحمت کے اُمیدواروں کی صف میں شامل ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کھانے پینے سے اجتناب

ضابطے کی تیسری شق جس کی رمضان شریف وضاحت فرماتا ہے، وہ ہے شکم یعنی پیٹ کو

کھانے پینے کی اشیا سے روکنا۔

غذا انسانی زندگی کے لیے ایک اہم جزو ہے۔ زندہ رہنے کے لیے ہر ذی روح کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، مگر غذا اگر زیادہ مقدار میں استعمال کی جائے تو یہ غذا کی بجائے زیاں بن جاتی ہے۔

رمضان شریف میں انسان صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے کی اشیا سے اپنے شکم کو محروم رکھتا ہے، جس سے پیٹ کو کم غذا کی عادت پڑ جاتی ہے اور انسان زیادہ کھانے کے نقصانات سے محفوظ ہوجاتا ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ رمضان شریف میں انسان اپنے پیٹ کو اشیائے خورد جو کہ حلال ہوتی ہیں، سے بھی محروم رکھتا ہے۔ دیگر ایام میں اپنے پیٹ کو کم از کم حرام اور مشتبہ اشیا سے بچائے رکھے، نہ کہ پیٹ کا دوزخ پُر کرنے کے لیے حلال وحرام کا خیال بھی نہ رکھے اور پیٹ کو بھنگ، شراب، چرس، چوری اور مالِ حرام اور ایسی ہی دیگر ممنوعہ صفات کے مال سے نہ بھرے، بلکہ حلال کمائے اور حلال کھائے، کیونکہ یہی تقویٰ ہے۔ یہ ایمان کی نشانی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رُسل عظام کے لیے حلال کھانے اور حلال کمانے کا حکم صادر فرمایا

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتٍ وَاعْمَلُوْا ۝

اے رسولو! حلال کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔

رزقِ حلال اور اچھے اعمال کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس کا حکم دے رہا ہے، فقط یہی نہیں، اُمتِ مسلمہ کے لیے بھی ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۝

اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے رزقِ حلال سے کھاؤ۔

مگر آج ہمارے مسلمان گمراہ ہوچکے ہیں، اپنی راہیں کھوچکے ہیں، ہوسِ زر نے ان کو دیوانہ بنا رکھا ہے، مال کی حرص میں یہ چوری کرتے ہیں، جرائم کی پردہ پوشی کرکے اس کے بدلے میں رشوت وصول کرتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور ملاوٹ تو ہمارے تاجروں کا فرضِ اوّلین ہے۔ مال جمع کرنے کی حرص میں ہم اسمگلنگ جیسے گھناؤنے جرم کا

ارتکاب کرنے سے بھی نہیں پیچھے ہٹتے۔ اپنے ملک کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔ مال جمع کرنے کے لیے ہم اپنے ضمائر تک بیچ ڈالتے ہیں۔ چاندی کے یہ چند کھنکتے ہوئے سکے جو دنیا ہی میں رہ جائیں گے، ہم ان کے لیے دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ کیوں ڈالتے ہیں؟ ہم اپنے دل کی صدا کو کیوں دباتے ہیں، ہم اپنے ضمیر کیوں بیچ ڈالتے ہیں، ہمارے ان گناہوں کا بدلہ ہمیں آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی ملے گا۔ جب سخت بیمار ہوں، یا کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں تو یہ عیاش بدمعاش، چور، ڈاکو، حرام خور، اللہ کے حضور طویل دعائیں مانگتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر کسی کے حقوق کو پامال کریں۔ ملک کی جڑیں کھوکھلی کریں۔ ایسے بدنیت افراد کی دعائیں کیونکر ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کر سکتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو کہ طویل مسافت طے کر کے آیا ہو۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار سے اَٹے ہوئے ہوں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہے: يَارَبِّ يَارَبِّ وَ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔

یہ حدیث مشکوٰۃ شریف، صفحہ: 241 پر مرقوم ہے اور اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اے میرے رب، اے میرے رب: حالانکہ اس کا کھانا حرام اور پینا حرام، اس کا لباس اور اس کی غذا حرام ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی؟

یہ الفاظ رحمۃ للعالمین سرورِ دو جہاں ﷺ کے ہیں، جن کی عظمت میں کسی کو کلام نہیں، وہ عظیم پیغمبر فرما رہے ہیں کہ لباس، طعام، مشروب اور غذا حرام کھانے والے کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

حرام خور کے لیے دوزخ لازم ہے۔ جو شخص حرام کھانے سے صحت مند ہو وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ (رواہ احمد و بیہقی، صفحہ: 242)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ گوشت جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام سے پیدا

ہوگا اور یہ گوشت جس کی پیدائش حرام سے ہو قابلِ دوزخ ہے۔

گویا حرام کھانے میں ہمارے جسم میں جو گوشت پیدا ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اسے دوزخ میں اذیت دی جائے گی۔ حرام کے متعلق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد فرماتے ہیں: مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلٰوةً مَّا دَامَ عَلَيْهِ۔

اگر کوئی شخص 10 درہم سے کپڑا خریدے جس میں سے ایک درہم حرام کا ہو، جب تک کپڑا اس پر رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم حرام کے مال سے ہر ممکن طور پر پرہیز کریں اور حرام کھانے سے بچیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس کی ترغیب دیں اور یہی کوشش کریں کہ ہمارا ہر لمحہ رزقِ حلال کمانے میں صرف ہو، کیونکہ حلال کمانے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد محوِ خواب ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرے اور تسبیح و تہلیل و نوافل میں صبح فجر تک مصروف و مشغول رہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سا ثواب دیتا ہے، لیکن اس کے مقابل نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد سو جانے والے شخص کو اس جاگنے والے کی بہ نسبت زیادہ ثواب دیتا ہے بشرطیکہ سونے والا رزقِ حلال سے اپنی اور اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہو۔

سبحان اللہ! ماشاء اللہ، الحمد للہ رب العالمین، کیا شانِ باری ہے کہ اللہ تعالیٰ رزقِ حلال کمانے والے کو ساری رات حالتِ بیداری کی عبادت سے بھی زیادہ ثواب عنایت کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے: الکاسب حبیب اللہ۔ رزقِ حلال کمانے والا اللہ کا دوست ہے۔

اپنے ہاتھوں سے محنت کرنا اور خون پسینہ ایک کر کے روزی کمانا اور اپنے بچوں کی اور اپنی پرورش کرنا اللہ کے نزدیک ایک بڑا محبوب عمل ہے۔ رزقِ حلال کمانے والے کو اللہ اپنا دوست رکھتا ہے اور قیامت کے دن رزقِ حلال کمانے والے کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

سبحان اللہ! رزق حلال کی کتنی برکت ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرام و حلال کے متعلق بڑی احتیاط برتا کرتے تھے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 258 پر حضرت زید بن ارقم سے ایک حکایت منقول ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک غلام تھا، جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ ہر شام کو کھانا پہنچایا کرتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا تناول فرمانے سے قبل اس غلام سے دریافت فرما لیا کرتے تھے کہ یہ کھانا حلال طریقے سے حاصل ہوا ہے یا حرام طریقے سے۔ جب کھانے کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو کھانا تناول فرماتے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کھانا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس غلام سے بن پوچھے ایک لقمہ اٹھا کر داخلِ دہن کر لیا۔ غلام نے عرض کیا: اے آقا! آج سے قبل تو آپ کھانا تناول فرمانے سے قبل کھانے کے متعلق اطمینان فرما لیا کرتے تھے کہ آیا یہ حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہے کہ اس کے حصول میں حرام طریق شامل ہیں۔ مگر آج آپ نے خلافِ معمول کھانے کے متعلق استفسار نہیں فرمایا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکے اور فرمایا: افسوس کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے مجھے پوچھنا یاد نہ رہا۔ اب بتاؤ، یہ کیسا کھانا ہے؟ غلام نے عرض کیا: زمانۂ جاہلیت میں مَیں نے ایک شخص کے لیے صفائی وغیرہ کا کام کیا تھا، جس کا معاوضہ اس شخص نے آئندہ زمانے میں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ آج بائی چانس میرا اُدھر سے گزر ہوا تو میری اس پر نظر پڑی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں شادی ہے اور دعوتِ طعام ولیمہ ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے ان کو ان کا وعدہ یاد دلایا اور انھوں نے مجھے یہ کھانا دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہو گئے۔ روئے اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ قے کرنے لگے کہ وہ لقمہ حرام جو پیٹ میں چلا گیا ہے، کسی طور سے باہر نکل جائے، لیکن وہ لقمہ باہر نہ نکلا۔ اس کوشش اور محنت سے آپ کے روئے تاباں کی تابانی ختم ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ گرم پانی نوش فرمائیں تو وہ لقمہ نکل آئے گا۔ چنانچہ آپ نے گرم پانی پی کر قے شروع کی، حتی کہ وہ لقمہ آپ کے حلق سے نکل گیا۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ نے یہ ساری محنت اور مشقت صرف ایک لقمے کے لیے اٹھائی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ہاں، کیونکہ آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ شبِ اسرا کے دولہا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ایسے

لوگوں پر حرام کر دی ہے۔ جو حرام طریقے سے غذا حاصل کرتے ہیں اور اپنے شکم کو حرام سے بھرتے ہیں۔

ہمارے پیارے رسول ﷺ کے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال ہے کہ ایک لقمہ حرام اندر جانے سے کتنی اذیت برداشت کرتے ہیں، مگر ایک ہم ہیں کہ حرام و حلال کی تمیز کو یکسر ختم کر چکے ہیں۔ نہ حرام کا خیال کرتے ہیں اور نہ حلال کا۔ ہوسِ زر نے ہماری عقلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور ہم دن رات حرام کمانے اور کھانے میں لگے رہتے ہیں۔ کیا قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ کی شفقت کی امید رکھیں گے۔ خداوند عظیم ہم سب کو رزقِ حلال کمانے اور کھانے کی توفیق بخشے کہ جس سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔

عملِ زوجیت اور لواطت سے اجتناب اور گریز

ضابطے کی چوتھی شق یہ ہے کہ انسان اپنے نفسِ امارہ کو جماع اور خواہشِ جماع سے روکے۔ بحالتِ روزہ اپنی منکوحہ سے بھی جماع کرنا ممنوع ہے تاکہ مسلمان غیر رمضان میں اپنے نفس پر قابو رکھے اور زنا جیسی ذلیل لعنت سے محفوظ رہے۔ زنا کی خواہش بڑی شدت سے انسان کے دل میں کروٹ لیتی ہے۔ جوانی کا نیا جوش ہوتا ہے۔ جذبے منہ زور ہوتے ہیں اور پھر یہی جوش اور یہی جذبے زنا جیسی حرکت کا ارتکاب کرنے پر اُکساتے ہیں اور انسان کو عقل و دانش سے بیگانہ کرتے ہیں۔ اس لیے رمضان شریف میں عملِ زوجیت سے منع فرمایا گیا ہے کہ انسان رمضان شریف میں اپنی سوچ کو قابو رکھنے پر قادر ہو جائے اور زنا جیسی بے حیائی سے اپنا دامن بچائے رکھنے کا عادی ہو جائے۔ کیونکہ زنا بہت بُری شے ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی بے حیائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ قریب نہ جاؤ زنا کے، کیونکہ وہ بے حیائی اور راہِ بد ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 18 پر زنا کے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ جب انسان زنا کرتا ہے، تو اس سے ایمان خارج ہو جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر آ کر کھڑا ہو

جاتا ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے کتنی سختی سے وعید فرمائی ہے کہ جب انسان زنا کرے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور جب آدمی سے ایمان خارج ہو جائے تو آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

اگرچہ محدثین کرام نے اس سے مراد نورِ ایمانی لیا ہے۔ کتنے نوافل کا ثواب ہوگا ہمیں اپنا ایمان نور سے خالی کرنے کا۔ سوائے اس کے ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی بلیک سے اور بلیک ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر نگاہِ رحمت نہیں ڈالے گا۔ ہم بے حیا اور گمراہ بن جائیں گے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ ہمارے نوجوان جوانی کو دیوانی اور مستانی کہہ کر خود ہی اپنے جنسی جذبات کو ہوا دیتے ہیں اور جوانی کے منہ زور جذبوں کے آگے بڑی خوشی کے ساتھ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اس سے انھیں کیا حاصل ہوتا ہے؟ فقط دو لمحوں کی جھوٹی خوشی اور دو لمحوں کی عارضی مسرت۔ اس کے بدلے میں قیامت۔ کے دن جب سوال ہوگا تو اس وقت یہ کیا جواب دیں گے۔ آج بڑا ہی اُلٹا زمانہ آچکا ہے کہ جہاں نئی تہذیب نے اپنے قدم رکھے، وہیں زنا کے بارے میں نت نئے اور مفید قوانین وضع ہونے لگے کہ ٹیکس دو اور زنا کرلو۔ کیونکہ اس سے ملک وملت کو فائدہ ہوتا ہے۔ اولاً یہ ٹیکس سے حکومت کی معاشی حالت سنبھلے گی اور دوم یہ کہ ملک میں ہنر مند اور پیارے بچوں کی فراوانی اور ارزانی ہوگی۔ جو آگے چل کر ایک نہ ایک دن ملک کے روشن اور سنہرے مستقبل کو رات میں سیاہی کی طرح تاریک کر دیں گے اور زمانے میں بدنام ہو کر پیدا ہوا کریں گے۔ قوم کو بُری راہوں پر چلنا سکھائیں اور ان کو بے ہودگی کی تعلیم دیں گے اور اس طرح یہ قانون بھی نافذ کیا جاتا ہے کہ اگر زنا خوشی سے ہو تو زنا نہیں بلکہ وہ عین ثواب ہے۔ شاید وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دوسری کی خوشی کی خاطر کچھ کرنا انسانیت کی عظمت کی نشانی ہے۔ لیکن اگر ٹیکس ادا کیے بغیر اور بالجبر زنا کیا تو یہ قانوناً اور شرعاً حرام قرار پاتا ہے، کیونکہ ایسے زنا ملک وملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے اور پھر دوسروں کی دل آزاری بھی تو ہوتی ہے۔

افسوس صد افسوس! کاش اے کاش! انھیں کہیں سے کوئی بندۂ خدا عقل کی پڑیا لادے، جس سے ان کے دماغوں اور ضمائر پر چھائی ہوئی دُھند کان کی طرح پھٹ جائے اور قلب و

نظر میں نورِ ایمانی سما جائے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے، خواہ اس کو کسی شکل میں کیوں نہ کیا جائے۔ پھر یہی نہیں اس کے علاوہ یہ لوگ ایک انسانیت سوز بعید از اخلاق اور خلافِ فطرت فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی خواتین اور لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے لواطت کرتے ہیں اور لوگ لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا: مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ۔

یعنی لواطت کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (نزہۃ المجالس، جلد دوم، صفحہ:8)

لواطت ایک ذلیل فعل ہے۔ بعید از اخلاق اور انسانیت سوز فعل کے مرتکب حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ فعل ان کی اپنی صحت وتندرستی کے لیے بھی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو صرف اس بنا پر تباہ وبرباد کیا تھا کہ وہ قوم لواطت بازی کیا کرتی تھی۔ رمضان المبارک ہمیں زنا اور لواطت سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خداوند عظیم سے التجا ہے کہ وہ ہمیں اس ضابطے پر پورا پورا عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے دامانِ رحمت کے سائے میں رکھے، نیز ہر قسم کی بے حیائی سے بچائے۔ آمین، ثم آمین۔

□□□

پچیسواں وعظ

نمازِ جمعہ کی فرضیت اور ترکِ جمعہ کی وعید

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ جمعہ، پارہ: 28)

ترجمہ: اے اہلِ ایمان! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے بڑھو اور خرید و فروخت ترک کردو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم دانا ہو۔

جمعہ عین فرض ہے

درمختار میں ہے کہ جمعہ کی فرضیت نمازِ ظہر سے مؤکد ہے اور جس کسی نے اس کا انکار کیا، اس نے کفر کیا، کیونکہ نمازِ جمعہ کی فرضیت نصِ قطعی سے ثابت ہے اور نصِ قطعی کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ کلام مجید میں خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ ۔ جب اذان ہو جائے، اللہ کی طرف بلایا جائے۔ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ۝ جمعہ کے دن فَاسْعَوْا ۝ دوڑو، بڑھو، سعی کرو۔ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۝ اللہ کے ذکر کی طرف۔ اللہ کو یاد کرنے کے لیے وَذَرُوا الْبَيْعَ اور خرید و فروخت ترک کردو، لین دین بند کردو۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ۝ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم دانا ہو۔ اگر تم علم رکھتے ہو۔ اگر تم جاننے والے ہو۔ یعنی پوری آیتِ مقدسہ کا مفہوم یہ ہوا: اے اہلِ ایمان! اے دین اسلام کے پیروکار لوگو! اے خدا کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کرنے والو! جمعہ کے دن جب اذان ہو جائے، تمھیں اللہ کی طرف بلایا جائے تو تم خرید و فروخت بند کرکے، لین دین ترک کرکے، اللہ کے نام مبارک کا ذکر کرنے کے لیے دوڑو،

بھاگو، بڑھو، سعی کرو اور تمھیں ضرور ایسا کرنا چاہیے، کیونکہ ایسا کرنا ہی تمہارے واسطے، تمہارے حق میں دانائی ہے۔ تمھیں علم ہے اور تم جاننے والے ہو۔

ذکر اللہ کے معانی مفسرین کی کثرت نے "خطبۂ جمعہ" لیے ہیں۔ یہاں پر امر کا صیغہ حکمیہ طور پر تاکید کی گئی ہے اور صیغۂ امر، صیغۂ حکم یا حکمیہ تاکید و جوبیت کے لیے وارد ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ بات لاریب سچ ہوئی کہ جمعہ کی نماز فرض ہے، جس کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے، جس کی ادائیگی سے کسی کو چھوٹ نہیں ہوتی۔ لہٰذا نمازِ جمعہ کی فرضیت سے انکار کرنے والا کافر اور لادین ہوتا ہے۔ اور اذان سے مراد پہلی اذان ہے نہ کہ دوسری۔ پہلی اذان سن کر خرید و فروخت بند کردینی چاہیے، لین دین، کاروبار، کھانا وغیرہ سب چھوڑ دینا چاہیے۔ جیسے ہی جمعہ کی اذان ہو، دکانیں فوری طور پر بند کردینا چاہئیں۔ کھیتی باڑی ترک کردینا چاہیے۔ غرض کہ ہر وہ کام جس کے ادا کرنے کی بنا پر نمازِ جمعہ کے لیے تاخیر ہو، فوری ترک کرکے مسجد میں اللہ کی یاد میں محو ہوجانے کے لیے بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے پہنچنا چاہیے، کیونکہ یہی حکمِ ربی ہے، جس سے سرتابی کرنا سخت گناہ ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ۝ (متفق علیہ)

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو ملائکہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ سب سے قبل آنے والے کو پھر اس کے بعد آنے والے کو لکھتے رہتے ہیں۔ سویرے آنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اونٹ قربان کیا، پھر اس کی مثال جیسے کسی نے گائے کی قربانی دی، پھر مینڈھے کی، پھر مرغی بعد ازاں انڈے کی قربانی کی۔ جس وقت امام آتا ہے، ملائکہ اپنے کاغذات تہہ کرتے ہیں اور ذکر یعنی خطبہ سماعت کرتے ہیں۔

فائدہ: جمعہ کے دن سب سے قبل مسجد میں آنے کا یہ اجر ہے کہ اونٹ کی قربانی پیش

کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ نہ اس پر کوئی خرچ آتا ہے اور نہ ہی اس میں کچھ وقت ہوتی ہے۔ بس صرف اور صرف یہی کرنا ہے کہ جلدی اور سب سے قبل مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے آئے اور بیٹھے بٹھائے جنت میں اونٹ قربان کرنے کا ثواب حاصل کر لیا، مگر افسوس صد افسوس کہ آج کے اس پر خطر دور میں ہم مسلمان اسلام سے اس قدر بے گانہ ہو چکے ہیں کہ ہمیں نہ اللہ کے ارشاد کی پرواہ ہے اور ہم حضرت محمد ﷺ کے ارشاد مبارک پر بھی عمل نہیں کرتے۔

اوّل تو ہم جمعہ پڑھتے ہی نہیں۔ اگر پڑھنے کی زحمت گوارہ کر لیں تو ایسے وقت میں آتے ہیں جب کہ انڈے کی قربانی کا وقت بھی نکل جاتا ہے اور ملائکہ اپنے کاغذات فائلوں میں بند کر کے خطبہ سننے میں محو ہوتے ہیں۔ دراصل آج ہم مسلمانوں کے ضمائر پر شدید غفلت طاری ہو چکی ہے۔ ہمارے ضمائر پر تاریکی کے دبیز بادل چھائے ہوئے ہیں اور ہم مذہب اسلام سے بہت ہی دور جا چکے ہیں۔

آج بیت المقدس پر یہود قابض ہیں۔ مسلمانوں کے قابل ہزار احترام مقام خانہ کعبہ پر مفسدین قبضہ کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔ آج ایران کو امریکہ فوجی طاقت کی دھمکی دے رہا ہے۔ آج افغانستان میں امریکہ اپنی من مانی کر رہا ہے۔ وہاں انسانیت کا چہرہ مسخ کیا جا رہا ہے۔ اخلاقیات کی دھجیاں اُڑائی جا رہی ہیں۔ مجاہدین کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ مساجد کو شہید کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی بے حرمتی کی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے ہے اور اس کا سبب فقط یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے اسلاف کی روایات کو فراموش کر چکے ہیں۔ ہم اسلام سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ہم قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ ہم اندھا دھند یورپ کی تقلید کرنے کے شوق میں تباہی و بربادی کی جانب گامزن ہیں اور گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ جہالت کے عمیق کنوئیں میں گرتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیاوی اُمور میں تو ٹکے ٹکے کے لیے سرگرداں رہتے ہیں اور دینی اُمور میں اونٹ کی قربانی جتنے ثواب کو بھی پسند نہیں کرتے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کا معاملہ ایک پرندے کا سا ہے۔ آخرت

پرندہ ہے اور دنیا اس کا سایہ ہے۔ اگر تم سائے کو پکڑنے کی کوشش کرو گے تو نہ تو پرندہ ہاتھ آئے گا اور نہ ہی سایہ حاصل کر سکو گے اور اگر تم پرندہ پکڑنے کی کوشش کرو گے تو پرندے کے ساتھ ساتھ اس کا سایہ بھی تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔ یعنی اگر ہم دنیا کے لیے سعی کریں گے تو دنیا بھی گنوائیں اور آخرت میں بھی رسوائی ہو گی اور اگر ہم آخرت کے لیے سامان کریں گے اور اسے سنوارنے کی کوشش کریں گے تو دنیا اور آخرت خود سنور جائے گی۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 121 پر ایک حدیث مرقوم ہے، جس سے نمازِ جمعہ کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوْ اِمْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ باجماعت ہر مسلمان پر حق ہے، واجب ہے سوائے چہار کے، غلام مملوک پر اور عورت پر، بچے پر اور مریض پر۔

مندرجہ بالا حدیث سے جمعہ کی فرضیت ظاہر ہوتی ہے اور جمعہ کی تاکید باجماعت کے لیے کی گئی ہے۔ جماعت کے بغیر جمعہ ہی نہیں۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوْ اِمْرَأَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللهُ عَنْهُ وَاللهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس پر جمعہ لازم ہے۔ سوائے اس کے جو مریض ہو، مسافر ہو، یا عورت یا لڑکا غلام ہو، پس جو شخص لاپرواہی، کھیلنے اور تجارت کی وجہ سے اس سے بے پروائی کرتا ہے تو اس سے اللہ بے پرواہ ہے اور تعریف کیا ہوا ہے۔

آج نمازِ جمعہ ترک کرنے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دنیاوی اُمور سے فرصت نہیں ملتی، اس لیے نمازِ جمعہ ادا نہیں کر سکتے۔ افسوس صد افسوس! کتنے لچر عذر کا سہارا لیتے ہیں

ہم، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم دنیاوی اُمور کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا نہ کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرو اور جمعہ کی اذان سنتے ہی سب کام چھوڑ دو۔ خرید وفروخت، لین دین، کھیتی باڑی اور دیگر تمام دنیاوی اُمور چھوڑ دو اور اللہ کے ذکر کے لیے مسجد میں آ جاؤ۔ تو پھر ہم اللہ کے حکم سے سرتابی کی مجال کیونکر کریں۔ جہاں اللہ کا حکم آجائے، وہاں ہم کسی عذر کو تاویل نہیں بنا سکتے، خواہ وہ حکم انسانی عقل وفہم اور شعور وتمیز سے کتنا ہی بالا کیوں نہ ہو۔ ہمیں ہر حال میں سرِ تسلیم خم کرنا ہے، کیونکہ امرِ ربی ہے۔ دوسرے اگر ہم اپنے تمام کام چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے نمازِ جمعہ ادا کریں گے تو کیا اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ڈالے گا۔ ایک تیسری بات اس لیے بھی کہ جمعہ کی برکت سے ہمارے وہ کام سرانجام پا جائیں گے جو ہمیں اس روز کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم جمعہ کی نماز کا ثواب بھی حاصل کرسکیں گے۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔ اس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کب مہربان ہوجائے اور اگر ہم اپنے دنیاوی اُمور میں الجھ کر نمازِ جمعہ ترک کردیں تو اللہ تعالیٰ کو ہم ایسے بے پرواہ شخص کی کوئی پرواہ نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ مہربانی نہ فرمائے گا تو پھر زمانے میں کون سا دَر ایسا ہے، جہاں سے مہربانی اور لطف وکرم کی نظریں ہوں گی؟

نزہۃ المجالس، پہلی جلد، صفحہ:9 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ پچھلے وقتوں میں شہر سمرقند میں ایک شخص رہا کرتا تھا۔ وہ شخص ہمہ وقت فسق وفجور میں محو رہتا اور گناہوں سے آلودہ رہتا، لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ شخص گناہوں سے تائب ہوگیا اور نیک زندگی اختیار کرلی۔ اس شخص کا قول ہے کہ اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ جمعہ کا مبارک دن تھا اور میرے ذمے کئی کام تھے۔ سب سے پہلا کام یہ تھا کہ میرا گدھا جنگل میں بھاگ گیا تھا۔ مجھے اس کی تلاش میں جنگل کو جانا تھا۔ دوسرے میرا باغ خشک ہوگیا۔ اس کی آبیاری کی ضرورت تھی اور پانی کی باری بھی اسی دن تھی۔ میرا ہمسایہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ بھائی پانی دینا ہے تو دے لو، ورنہ موقع ہاتھ نہ آئے گا اور میرا تیسرا کام یہ تھا کہ چکی پر گندم پسنے کے لیے دی تھی اس کا آٹا بھی گھر لانا تھا۔ اتنے سارے کام تھے اور نمازِ جمعہ کا وقت قریب آگیا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ گدھے کی تلاش کروں، باغ کو سیراب کروں، آٹا لینے جاؤں یا نمازِ جمعہ ادا کروں۔ آخر میں نے سب کام چھوڑ دے

اور نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے چلا گیا۔ نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر آیا تو پتہ چلا کہ میرے سارے کام از خود سرانجام پاگئے ہیں۔ میرے گدھے کے پیچھے (جو جنگل کو بھاگ گیا تھا) ایک بھیڑیا لگ گیا۔ گدھا ڈر کے مارے بھاگا اور گھر آگیا اور میرے ہمسائے کی زمین کا پانی ٹوٹ کر سارا پانی میرے باغ میں آگیا اور پسا ہوا آٹا بھی از خود میرے گھر آگیا، کیونکہ ایک شخص نے غلطی سے میرے دانوں کی بوری پسوالی۔ جب وہ بوری لے کر میرے گھر کے پاس سے گزرا تو میری بیوی نے بوری پہچان لی اور آٹا اپنے گھر رکھوالیا۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ جمعہ پڑھنے کی برکت سے میرے سارے کام از خود درست طریقے سے سرانجام پاگئے ہیں اور مجھے ان کے لیے تگ ودو بھی نہیں کرنا پڑی، تو میں نے فوراً گناہوں سے توبہ کرلی۔

سبحان اللہ! یہ ہے جمعہ کی برکت کہ سارے کام از خود درست طریق پر سرانجام پائے ہیں۔

ترکِ جمعہ پر وعید

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نمازِ جمعہ کے فضائل بتائے اور ساتھ ہی نمازِ جمعہ بلاوجہ ترک کرنے والوں کے لیے سخت وعیدیں بھی وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیں تاکہ ایک طرف لوگ فضائل سے استفادہ کرسکیں اور دوسرے عذابِ الٰہی کا مورد بھی نہ بننے پائیں۔

نمازِ جمعہ ترک کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور دلوں پر غفلت کے ایسے دبیز پردے پڑ جاتے ہیں کہ آئندہ نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی اور جس شخص میں نصیحت قبول کرنے کی حس نہ ہو، حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنا اس کے بس میں نہیں رہتا اور جو شخص حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو، وہ مٹ جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور کے بڑے جلیل المرتبت صحابی تھے۔ ان کا ارشاد سماعت فرمائیں:

سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ مِنْ وَّدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

ہم نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ البتہ قوم اپنے جمعہ کے ترک کرنے سے باز آجائے، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے

مندرجہ بالا حدیث میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ جمعہ ترک نہ کریں، ورنہ قلوب پر غفلت کی مہر لگ جائے گی۔

عَنْ اَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا طَبَعَ اللهُ عَلٰى قَلْبِهٖ ٭ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ صفحہ:121)

حضرت ابوجعد ضمیری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص تین بار جمعہ سستی کے سبب چھوڑ دے، اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ ٭ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ سے پیچھے رہ جانے والی قوم کے بارے میں فرمایا: تحقیق میں نے ارادہ کیا کہ ایک مرد کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور میں ان لوگوں کے مکانات جلا ڈالوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

جمعہ چھوڑنے والوں پر رسول اللہ ﷺ اس قدر ناراض ہیں کہ ان کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلٰثًا ٭ (رواہ الشافعی، مشکوٰۃ، صفحہ:121)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بلا عذر جمعہ ترک کرتا ہے، اس کو ایسی کتاب میں منافق لکھا جائے گا جو نہ مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے۔

مسلمانو! ذرا اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے ضمائر کو ٹٹولیں۔ کیا ہم بلا عذر جمعہ

ترک نہیں کرتے، بلکہ جمعہ کے دن کو ہم عیاشی و فحاشی جیسے فضول کاموں میں گنوا دیتے ہیں۔ نہ صرف دنیا میں اپنا وقت اور پیسہ گنواتے ہیں بلکہ آخرت میں بھی عذاب الٰہی کے سامان کرتے ہیں۔

مسلمانو! خدارا سنبھل جاؤ اور خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارو۔ آج سے کئی برس قبل مسلمانوں کی اسی حالت زار کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

نہ مانو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

(بانگ درا)

اور آج اگر ہم نے اپنے انداز نہ بدلے، اپنی روش تبدیل نہ کی اور بدستور اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے روگردانی کرتے رہے، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے اور اپنی من مانی کرتے رہے، نفسانی خواہشات کے غلام بنے رہے، عیاشی، فحاشی اور دنیاوی اُمور میں پڑ کر نماز جمعہ ترک کرتے رہے تو نہ صرف ہمارے دلوں پر مہر لگ جائے گی، بلکہ ہمارا نام منافقین کی صف میں شامل کیا جائے گا۔

مسلمانو! غور کرو، کیا تم اپنے قلوب کو مردہ بنانے کی خواہش مند ہو، کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے نام منافقین کی لسٹ میں تحریر کیے جائیں۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو بے شک نماز جمعہ ترک کرتے رہو اور اگر ان باتوں سے دل میں ذرا سا بھی خوف خدا نے جنم لیا ہے تو نماز جمعہ کی پابندی کرو، کیونکہ اسی میں ہماری بہتری ہے اور یہ بات ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز جمعہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

□□□

چھبیسواں وعظ

عید الفطر کے بیان میں

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قرآن مجید کے دوسرے پارے کی اس آیتِ مقدسہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو، اور اللہ کی بڑائی بولو، اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت کی اور کہیں تم شکر گزار ہو۔

یوم عید الفطر بخشش کا دن ہے

عید کا لفظ 'عود' سے نکلا ہے جس کے معنی لوٹ آنے کے ہیں۔ عید کا دن بھی چونکہ ہر سال لوٹ کر آتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں۔ یہ دن اسلام کے پیروکاروں کے لیے مسرت و شادمانی کا دن ہوتا ہے۔ سارا سال غموں کی چکّی میں پسنے والا بھی اس روز اپنے ہر غم سے بے نیاز ہو کر عید کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ عید کا دن بجا طور پر جنت کا دن کہلانے کا مستحق ہے۔ یہ دن بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور خواتین کے لیے یکساں طور پر شگفتگی و تازگی کا پیام لاتا ہے۔ اہلِ اسلام کے لیے اس دن سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہدف اجابت کا سینہ چاک ہوتا ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے گناہگاروں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی جو کہ زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 161 پر مرقوم ہے، ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے:

نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلٰى اِنْفِجَارِ الصُّبْحِ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ تَمِّمْ

وَ اَبْشِرْ وَ يَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ اَبْصِرْ هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ يُّغْفَرُ لَهٗ هَلْ مِنْ تَائِبٍ يُّتَابُ عَلَيْهِ هَلْ مِنْ دَاعٍ يُّسْتَجَابُ لَهٗ هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُّعْطٰى سُؤْلَهٗ وَ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ كُلَّ فِطْرٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ كُلَّ لَيْلَةٍ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ سِتُّوْنَ اَلْفًا فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ اَعْتَقَ فِيْ جَمِيْعِ الشَّهْرِ ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً سِتِّيْنَ اَلْفًا ۝

رمضان المبارک کی ہر شب طلوعِ صبح تک ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے طالبِ گار بھلائی (نیکی کو) پورا کر اور خوش ہو اور شر کے طالب گناہوں سے رُک جا اور (عبرت کے لیے دیکھ (غور کر) کہ کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے۔ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کیا کوئی سوالی ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رمضان المبارک کے مہینے میں ہر شب بوقت افطاری ساٹھ ہزار آدمیوں کو دوزخ سے آزادی دیتا ہے اور جب شوال المکرم کا دن آتا ہے تو جس قدر گناہ گار سارے ماہ میں آزاد کیے، اس کے برابر (عید کے دن) دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

قارئین گرامی! اس حدیث پاک میں خاص طور پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں ہر شب بوقت افطاری ساٹھ ہزار افراد کو جہنم سے آزادی کا پروانہ جاری کرتا ہے اور سارے مہینے کے برابر عید کے روز دوزخیوں کو دوزخ سے رہائی دیتا ہے۔ تو گویا حساب یہ ہوا کہ ہر شب ساٹھ ہزار افراد کی بخشش تو پورے ماہ یعنی 29 دن میں کتنے افراد کی بخشش ہوئی (بعض ماہ میں ۳۰ دن بھی ہوتے ہیں، لیکن ہم 29 ہی لے رہے ہیں) اس کے لیے ہم ساٹھ ہزار کو 29 سے ضرب دیتے ہیں۔ ضرب دینے سے جو جواب آیا، اس سے پتہ چلا کہ سارے ماہ یعنی 29 دنوں میں سترہ لاکھ چالیس ہزار افراد کو دوزخ سے آزاد کیا جاتا ہے۔ یہ تو بات ماہِ رمضان المبارک کی بخشش کی ہوئی، لیکن عید کے روز اس سے بھی زیادہ افراد کی بخشش ہوتی ہے اور یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر اضافہ کرتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 182 پر ایک اور حدیث مبارکہ ملاحظہ کریں۔ اس کو شعب الایمان میں بیہقی نے بھی روایت کیا ہے: فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمُ فِطْرِهِمْ بَاهٰى

بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ مَا جَزَاءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهُ. قَالُوْا رَبَّنَا جَزَائُهُ اَنْ يُوَفّٰى اَجْرُهُ قَالَ مَلَائِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَ إِمَائِي قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَاءِ وَعِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ وَ كَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَهُمْ ؀

جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتا ہے اور فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس مزدور کو جو اپنی خدمت (مزدوری) پوری پوری ادا کرے کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اُجرت پوری پوری ادا کی جائے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے میرے فریضے کو پورا کر دیا ہے، پھر دعا کے لیے چلاتے ہوئے عیدگاہ کی طرف نکلے ہیں۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم اور بلندیِ مرتبہ کی قسم! میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر ارشاد فرمایا: لوگو! پس جاؤ میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیے ہیں اور تمہاری بدیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ سرکارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

اس حدیث پاک نے یہ بات واضح کر دی کہ روزِ عید کو ہدفِ اجابت کا سینہ چاک ہوتا ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہوتا ہے اور اہلِ اسلام پر خداوند کریم کی یہ رحمت عظمیٰ ہے، جس کا شکرانہ ادا نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں کفرانِ نعمت بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ؀

اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور کہیں تم شکر گزار ہو۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 362 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ عید کے روز اللہ تعالیٰ زمین پر کچھ فرشتوں کا نزول کرتا ہے، جو ندا کرتے ہیں۔ اے محمد (ﷺ) کے امتیو! چلو اور اپنے اس پروردگار کے حضور میں آؤ جو لازوال بخشش والا ہے، تھوڑے سے تھوڑا نیک عمل بھی قبول فرماتا ہے اور بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ پھر جب سب لوگ میدانِ عیدگاہ میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرشتوں سے فرماتا ہے: اے فرشتو! تم نے دیکھا کہ اُمتِ محمدیہ پر میں نے رمضان کے روزے فرض کیے تھے۔ انھوں نے مہینہ بھر کے روزے رکھے، مسجدوں کو آباد کیا، میرے کلام پاک کی تلاوت کی۔ اپنی خواہشوں کو روکا اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کی۔ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اور اب ادب سے اظہارِ تشکر کے لیے میری بارگاہ میں حاضر ہیں۔ مَیں ان کو بہشت میں ان کے اعمال کا بدلہ دوں گا۔ پھر ارشاد فرماتا ہے: اے اُمتیانِ محمد! جو چاہو مانگو۔ اپنے عزت و جلال کی قسم! اس موقع پر جو مجھ سے مانگو گے، مَیں دوں گا اور تم عیدگاہ سے پاک وصاف ہو کر نکلو گے۔ تم مجھ سے خوش ہو اور میں تم سے راضی ہوں۔ یہ ارشاد سن کر ملائکہ خوش ہوتے ہیں اور اس اُمت کو بشارت دیتے ہیں۔

جشنِ عید الفطر میں غربا کی امداد

عید کا دن ہر لحاظ سے خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً خوبصورت لباس زیب تن کرنا، اچھے اچھے کھانے پکانا اور کھانا، اس کے علاوہ اپنے دوست احباب کو گفٹ دینا بھی خوشی کا اظہار ہے۔ بچوں کے لیے ان کی خوشی کے سامان کا اہتمام کرنا بھی اظہارِ خوشی کے زمرے میں آتا ہے۔ گویا عید کے دن ایک جشنِ مسرت ہوتا ہے۔ اس جشن کے لیے ہمیں ممنونِ اسلام ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں یہ جشن عنایت کیا ہے۔ دراصل اسلام اس امر کا خواہاں ہے کہ انسان مسرت وشادمانی کی زندگی گزارے۔ رنج وغم کی تصویر نہ بنے۔ پس اس مقصد کے واسطے اسلام نے ہمیں بھی جشنِ عید کی خوشیوں سے اور جشنِ عید کے ہنگاموں سے فرط اُٹھانے اور لطف اندوز ہونے کی اجازت دی ہے۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس لیے یہ یکساں طور پر سب کی بھلائی کا خواہاں ہے اور

اس میں امیر و غریب رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے جشنِ عید کے ہنگاموں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت فقط محدود حلقے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے تمام پیروکاروں کو جشن عید کی خوشیوں سے حظ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ اب اس ضمن میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ امیر ہیں وہ تو عید کے جشن طرب سے لطف اندوز ہو سکیں گے، مگر جو غریب ہیں تو وہ کیسے جشن عید کی خوشیوں میں شریک ہوں گے، تو اسلام نے ان کے درد کا احساس کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو جو کہ صاحب مال و زر ہیں، یہ حکم دے رکھا ہے کہ قبل اس کے کہ تمام بزمِ طرب کی ہنگامہ آرائیاں منعقد کرو، اس بات کا جائزہ لے لو، مشاہدہ کر لو ان لوگوں کا جو مذہبی ناطے سے تمہارے بھائی ہیں۔ مگر وہ مفلسی و ناداری کی وجہ سے عید کے جشن میں تمہارے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔ اپنی مانگ سجانے سے قبل ان کی مانگ میں خوشی کا سیندور بھر دو، تاکہ وہ تمہارے ساتھ جشن عید کی ہنگامہ آرائیوں میں بھرپور حصہ لے سکیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو سکے۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا تو تمہارے نادار اور مفلس بھائی تمہاری خوشیوں کے ساتھی نہ بن سکیں گے۔ تمہارے ساتھ جشن عید سے لطف اندوز نہ ہو سکیں گے اور ایسی صورت میں تم خود ہی اپنی محفل کے روحِ رواں ہو گے اور تمہارا جشن ادھورا رہے گا، کیونکہ اس وقت تک جشن مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص کے بغیر ہر شخص اس میں شرکت نہ کرے، اپنے وجود سے رونقِ جشن نہ بنے اور جب جشن مکمل نہ ہوگا تو خوشی کیسی؟ نامکمل جشن سے اگر چند افراد خوش ہو جائیں تو قوم کے دیگر افراد مفلسی و ناداری کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ اپنی حسرتوں اور خواہشوں کا لاشہ اپنے کاندھوں پر اُٹھائے در در رُسوا ہوتے رہیں گے۔ غم و یاس کی تصویر بنے نوحہ کناں ہوں گے۔ یہ سوچ انھیں پاگل کیے دے گی کہ زردار کیسے لوگ ہیں کہ جن کو اپنے نادار بھائیوں کے رنج و غم کا قطعاً کوئی احساس نہیں۔

زردار جگہ جگہ پر خوشی کی محفلوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور بے زر موڑ موڑ پر سارے جہاں کے درد کو اپنے قلب و جگر میں محسوس کرتا ہے۔ زردار زندگی بھر شہرت میں کھیلتا ہے۔ مر جاتا ہے تو بھی اپنی قبر کو مزار کے قالب میں ڈھال کر اپنی موت کو وجہ تشہیر بنا لیتا ہے اور بے زر

گمنام گلیوں میں پیدا ہو کر گمنامی کی زندگی گزار کر گمنام وادی میں گمنام ہو جاتا ہے۔

قارئین گرامی! یہ ٹھیک ہے کہ دولت سے زردار اپنے لیے خوشیوں کے جائز سامان کر سکتا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ عید کے روز بھی وہ جشن کی خوشیوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ لیکن قارئین گرامی! وہ خوشی کہ جس میں صرف چند افراد شریک ہوں دراصل اسے خوشی نہیں کہنا چاہیے، وہ غم ہوتا ہے۔ وہ جشنِ مسرت نہیں ہوتا بلکہ اسے بزمِ سوگ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ جس جشن فرقتیں قربتوں میں نہ بدلیں، وہ جشن نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہماری خوشی اور بڑائی اسی میں ہے کہ جشنِ عید کی ہنگامہ آرائیوں سے ملت کا ہر فرد لطف اندوز ہو اور ہر قلب میں خوشی کے سوتے پھوٹیں۔

برادرانِ اسلام! آج کے اس ترقی یافتہ دور میں چادر اور چہار دیواری کو بڑی زبردست اہمیت دی جا رہی ہے اور اس چادر اور چہار دیواری کے تحفظ کے لیے اربابِ اقتدار بڑا زور دے رہے ہیں۔ لیکن اگر ہم بنظرِ غائر اپنے ماحول کا مشاہدہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ چادر اور چہار دیواری کے تحفظ کے باوجود ایسے ان گنت گھرانے ہیں جن کی بیٹیوں کے کھلے بال اور ننگے سر اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ بیٹیاں اپنی مانگ چھپانے کے لیے اور اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے چادر کو ترس رہی ہیں۔ یہ بیٹیاں ہم سے عصمت کی پاسبانی کے لیے چادر کا تقاضا کر رہی ہیں، کون ہے جو ان کی طلب پوری کرے گا؟ ان کے ننگے سروں کو چادر سے ڈھانپے اغیار ان کی طلب کا شاخسانہ نہیں بنیں گے۔

برادرانِ عزیز! ان کے ننگے سروں کو ڈھانپنے کے لیے آسمان سے کسی پیکرِ نوری کا نزول نہیں ہوگا بلکہ ہمیں کو یہ بار اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے اور اگر ہم میں اس (بار) کو اٹھانے کی ہمت نہیں تو ہمیں ڈوب مرنا چاہیے، اس لیے کہ جب کسی قوم کی بیٹیاں ننگے سر ہو جائیں تو اصل میں فقط بیٹیاں ننگے سر نہیں ہوتیں بلکہ اس قوم کی غیرت کا جنازہ نکلا کرتا ہے اور وہ قومیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتیں جو بے غیرت ہو جاتی ہیں۔

اگر ہم اپنے ماحول کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو ہمیں بھی معلوم ہوگا کہ ہماری قوم کے ایسے نوجوان جن کو آگے چل کر طارق کے پاسبان بننا ہے، قاسم کے جانشین ہونا ہے، سلطان

صلاح الدین ایوبی کے مشن کی تکمیل کرنا ہے، قبلۂ اوّل کے مسلمانوں کو صیہونیت سے نجات دلانا ہے۔ ایسے نوجوان جن کو آگے چل کر محمود غزنوی کی پیروی کرنا ہے، جن کو نورِ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانے کا فریضہ انجام دینا ہے اور اسلام کو ذی شان بنانا ہے۔ قوم کے ایسے نوجوان آج فقط اس لیے موت کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی بیماری کے علاج کے لیے پیسہ نہیں رکھتے۔ ان کے پاس ڈاکٹر کو اور حکیم کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو فقط مفلسی و ناداری کا اعزازی نشان ہے، جس کو وہ اپنے گلے کا ہار بنائے، سراپا داستانِ غم بنے، سارے جہاں کا درد اپنے جگر میں سموئے اور قلب میں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کے وصال کی آرزو چھپائے گلی گلی اور در در رسوا ہو رہے ہیں۔

معزز قارئین! اگر ہم ذرا غور کریں تو ہم پر یہ روح فرسا حقیقت منکشف ہوگی کہ ہماری قوم میں بعض ایسے نوجوان بھی ہیں، جن کے ابدان سوکھے ہوئے ہیں۔ ان کی ایسی حالت کا سب سے بڑا محرک 'مفلسی و ناداری' ہے۔ ان کے گھروں میں دو وقت چولہا گرم کرنے کے لوازمات بھی نہیں ہوتے۔ ایسے نوجوان زندہ لاش کی طرح ہوتے ہیں۔

جب قوم کی مفلسی و ناداری کا یہ عالم ہو تو جشنِ عید پُر کیف نہیں رہے گا۔ جشنِ عید کو پُر کیف اور ہمہ گیر بنانے کے لیے ہمارے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنَ۔ (ابوداؤد، مشکوۃ، صفحہ:160)

لازم قرار دیا رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو کہ بے ہودہ کلام سے روزے کی طہارت ہو جائے اور مسکینوں کے لیے کھانا بن جائے۔

بلکہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کیا جائے، اس وقت تک روزہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے۔

(خطیب ابن عساکر، دیلمی)

قارئین کرام! یہ اہتمام اس لیے فرمایا گیا تاکہ جشنِ عید کے ہنگاموں میں ہر فرد شرکت کر سکے اور ساری قوم خوشی و مسرت سے ہمکنار ہو سکے۔

نرالی تقریب

اسلام کے علاوہ دنیا میں دیگر کئی مذاہب موجود ہیں، لیکن تمام مذاہب مل کر بھی اسلام کی برابری نہیں کر سکتے۔ اسلام کی ہر بات سراپا حسن ہے۔ سراپا بے مثال ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اس امر سے تہی دست ہیں کہ وہ اسلام کی کسی شے کی بھی نظیر اور تمثیل دکھا سکیں۔ دنیا کے تمام مذاہب تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام کی ہمسری نہیں کر سکتے۔ احکامات میں نہ عبادات میں۔ دنیاوی اجر میں نہ اُخروی اجر میں، انفرادی زندگی میں نہ اجتماعی زندگی میں۔ غرض یہ کہ کسی رُخ اور کسی معاملے میں بھی کوئی مذہب اسلام کی برابری نہیں کر سکتا۔

اسلام نے دنیائے عالم کے لیے، نوعِ انساں کی رشد و ہدایت کے لیے جو شمع قرآن مجید کی کتابی صورت میں اہلِ عالم کے سامنے پیش کی ہے، اس کی سارے دو عالم میں کوئی نظیر نہیں۔ یہ شمع سب سے منفرد اور جداگانہ ہے۔ اس کی روشنی کے سامنے سب روشنیاں ماند ہیں۔ یہی حقیقی اور اصلی روشنی ہے، جس کی حدود میں سفر کرنا ہی ہمیں فلاحِ دارین سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے ایسے ضابطے اور اصول بھی عالم کو بتائے ہیں جو ہر لحاظ سے انوکھے اور عالمگیر ہیں۔ اسلام کے ان ہی بتلائے ہوئے ضابطوں میں سے ایک ضابطہ رمضان ہے۔

رمضان کے سارے ماہ لوگوں کو یہ درس دیا جاتا ہے، لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے، ان کو یہ بتایا جاتا ہے کہ تمہارا نفس شرپسند ہے۔ شرارت اس کی رگ رگ میں سرایت ہے۔ اس میں غرور ہے، تکبر ہے، نخوت ہے اور عصیان کے طوفان ہیں جو تمہارے ایمان کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گے۔ اس لیے سنبھلو اور ان طوفانوں سے بچاؤ کے لیے ان کے آگے عجز و انکساری، فراخدلی، حوصلگی کے میٹریل سے تحمل و بردباری اور صبر و برداشت کا مضبوط بند باندھ دو، تاکہ طوفان اس بند سے ٹکرا کر اپنا زور کھو بیٹھے اور تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

رمضان کے پورے ماہ میں انسانوں کو یہ بتایا جاتا ہے، ان کو اس امر کی تلقین کی جاتی ہے کہ: اے لوگو! کذب، فریب، دغابازی، کانٹوں بھری راہ کے مقام میں یہ راہ تم کو جہنم کی طرف لے جائے گی، اس لیے ان سب مقامات سے گریز کرو اور اس کی بجائے راست گوئی، راست روی اور خلوص دلی، صراطِ مستقیم کی منازل ہیں اور صراطِ مستقیم جنت میں لے

جاتی ہے۔اس لیے صراطِ مستقیم اپناؤ اور دنیا کی سب طاقتوں سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے حضور سربسجود ہو جاؤ، اس لیے دنیا کی ساری طاقتیں جھوٹی ہیں اور اللہ کی طاقت دائمی ہے۔پھر اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا صدقِ دل سے اقرار کرو اور ان کے سچے خادم اور غلام بن جاؤ۔اگر تم کو بھوکے پیاسے رہ کر اپنے فرائض انجام دینا پڑیں تو کسی ہچکچاہٹ کو رکاوٹ مت بننے دو۔اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، ایک ہو جاؤ اور اپنے کردار میں وہ بلندی اور عظمت پیدا کرلو جو اغیار کو ہلا دے اور جس کے روبرو رفعت ہفت افلاک بھی ہیچ ہو جائے اور جو سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال کردے۔کردار کی اسی عظمت کو اپنی پہچان، نشانی اور اپنا شعار بنالو اور ان شاء اللہ کامیابی دو جہاں بالضرور تمہاری قدم بوسی کرے گی۔

حضرات گرامی! یہ ضابطہ دراصل ایک ٹریننگ ہے جو کسی سپاہی کو میدان میں لڑنے سے قبل دی جاتی ہے اور یہ ضابطہ دراصل ایک ریہرسل ہے جو کسی کردار کی ادائیگی سے قبل کی جاتی ہے اور یہ ضابطہ دراصل ایک بنیاد ہے، جس پر عمارت تعمیر کی جاتی ہے اور یہ ضابطہ اس لیے نافذ کیا گیا تاکہ ایک ماہ کی مسلسل کوشش پیہم سے قلب و جگر میں تقویٰ پیدا ہو جائے اور دل و دماغ پاکیزگی سے معمور ہو جائیں اور لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرسکیں۔ان نعمتوں کا جو اللہ نے ان پر رمضان شریف اور عید کے دن کی ہیں۔

یہ مسلمانوں کی تقریب عید ہوتی ہے، جس میں لوگ پاکیزہ دل و دماغ اور تقویٰ سے معمور ہو کر اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، لیکن برعکس اس کے دیگر مذاہب کی تقریبات کچھ اس طرح ہوتی ہیں کہ ان میں کھیل اور تماشے کیے جاتے ہیں۔راگ و رنگ عیش و نشاط اور نکہت و نور سے معمور چکیلے ابدان کو جانِ تقریب بنایا جاتا ہے۔ایسی تقریبات دراصل ایک چوٹی ہوتی ہیں، جس پر کھڑے ہوئے لوگ اندھیاروں میں اپنی راہ تلاش کرنے میں محو ہوتے ہیں اور کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر نشیب میں لڑھک جاتے ہیں، جہاں مہیب گھاٹیاں اور گڑھے اپنے ہیبت ناک جبڑے کھولے ان کے منتظر ہوتے ہیں۔ایسے وقت میں وہ نہ کچھ کرسکتے ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کے لیے کچھ کرسکتا ہے۔پس تباہیاں ان کا مقدر بن جاتی ہیں۔

درسِ اتحاد

قارئین گرامی! جب بچہ سنِ شعور کو پہنچ جاتا ہے تو اسے تعلیماتِ اسلامیہ میں اتحاد اور اجتماعیت سے روشناس کرایا جاتا ہے، کیونکہ اتحاد میں برکت ہے۔اتحاد بڑی اہم چیز ہے۔ایک قطرۂ آب کی حیثیت کیا ہے؟ مگر جب یہی قطرے آپس میں اتحاد کرتے ہیں تو ابر کرم کی صورت میں پل بھر میں جل تھل کر ڈالتے ہیں، سوکھی کھیتی ہری کر ڈالتے ہیں اور ان ہی قطروں کی ہم آہنگی ایسے طوفان کو جنم دیتی ہے جو ایک عالم کو خس و خاشاک کی مانند بہالے جاتے ہیں۔ایک ننھے منے سے ستارے کی کیا حقیقت ہے، مگر جب یہی ستارے آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں تو راتوں کو دلہن کی طرح سجا دیتے ہیں۔

یہی حال قوموں کا ہے۔اتحاد ہی کی بدولت قومیں سنورتی ہیں اور ترقی کی راہ پاتی ہیں۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور ان میں اتفاق، اتحاد اور یگانگت پیدا فرمائی اور تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں نے اتفاق و اتحاد کو اپنائے رکھا، کامیابی ان کی قدم بوسی کرتی رہی۔قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ان کی ٹھوکر پا سے صحرا و دریا دونیم ہو گئے اور ان کی ہیبت سے پہاڑ سٹ کر رائی ہو گئے اور وہ راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر سے اڑا گئے۔فتح و نصرت کے پھریرے لہراتے کامیابیوں کی جانب رواں دواں رہے، لیکن جب مسلمانوں کا ناطہ مرکز سے ٹوٹ گیا، تفرقہ پرستی ان میں جاگزیں ہوئی اور وہ امتیازات کے تفاخری قفس سے محبت کرنے لگے، دلوں میں نفاق کا پردا پھوٹا تو ان کی شان و شوکت، ان کا رعب و دبدبہ اور ان کی شوکت و سطوت سب خوابِ پریشاں کی طرح بکھر گئے اور وہ اوجِ ثریا سے تحت الثریٰ میں گر گئے۔ان کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ زمانے میں ذلیل و رسوا ہوئے۔علامہ اقبال نے مسلمانوں کو درسِ اتحاد دیتے ہوئے فرمایا:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا ۔۔۔ نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

اگر آج بھی مسلمان اتحاد کو اپنا لیں تو ان کو وہ مرتبہ اور مقام حاصل ہو جائے کہ جس کو ہر مقام امتیاز سے بولا جاتا ہے۔اگر آج بھی مسلمان اتحاد کر لیں تو ان شاء اللہ پھر کوئی طاقت

ان پر غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ سپر پاور امریکہ، رشیا، چین اور برطانیہ سب ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائیں۔ اگر آج مسلمان اپنے اپنے قفس سے نکلیں اور آپس میں متحد ہوجائیں تو ان کو پھر ماضی جیسی شان وشوکت حاصل ہوسکتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔

عناصرِ قدرت زنجیر کی لڑیوں کی مانند باہم مربوط ہوکر پوری یکجہتی کے ساتھ نظام قدرت چلا رہے ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی نفاق پیدا ہوجائے تو سارا نظام قدرت آن واحد میں درہم برہم ہوجائے۔ گویا سارا نظام قدرت عناصر قدرت کے اتفاق کے سہارے چل رہا ہے۔

اسی اتحاد سے مسلمانوں کے قلوب وجگر کو معمور کرنے کے لیے آج کے دن اجتماع کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اجتماع ہزاروں افراد کا اجتماع ہوتا ہے جو صرف ایک امام کی آواز پر بے چوں وچرا حرکت کر رہا ہے۔ امام کی آواز پر سب کے سب جھک جاتے ہیں اور امام کی آواز پر سب اُٹھ پڑے ہیں اور امام کی آواز پر سب بیٹھ جاتے ہیں۔ جسمانی ہم آہنگی کے اس نظارے میں بڑی لذت اور بڑا ہی دلکش سرور ہوتا ہے۔

دراصل جسمانی ہم آہنگی کے روپ میں یہ ایک اقرار ہوتا ہے کہ: یا اللہ ہم اپنی نمازیں تیرے لیے پڑھتے ہیں، قیام وسجود تیرے لیے کرتے ہیں اور زندگی کے ہر امر میں تجھ کو امین کرتے ہیں۔ یہ اقرار حکم خداوندی کی اطاعت کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

بے شک میری نمازیں، میری قربانیاں، میری حیات اور میری موت سب اللہ کے لیے ہیں۔

جب مسلمان کے تمام افعال حتی کہ مرنا اور جینا بھی اللہ کے لیے ہوجائے تو گویا مسلمان اللہ کا ہوجاتا ہے اور جب کوئی اللہ کا ہوجائے تو اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔ فرقتیں قربتوں میں بدل جاتی ہیں اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا وصال ہوجاتا ہے اور اس کو فلاحِ دارین مل جاتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے پرخلوص دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس امر کی توفیق بخشے کہ ہم اپنے اپنے قفس سے نکل کر باہم متحد ہوجائیں۔ آمین ثم آمین۔ □□□

ستائیسواں وعظ

زکوٰۃ کی پہلی تقریر

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔

(پارہ 1، سورۂ بقرہ)

مندرجہ بالا آیات میں نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز فرض قرار دی گئی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی بھی لازمی اور ضروری قرار دی گئی ہے۔ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ شب اسرا کے دولہا نے بھی اسلام کی بنیادوں کا تذکرہ فرمایا تو نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا۔

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ 12)

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ اس پر شاہد رہنا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے خاص بندے اور رسول ہیں۔ نماز کی پابندی کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

مفہوم زکوٰۃ

زکوٰۃ کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی پاکی ہے کہ اگر مال کی زکوٰۃ نکل جائے گی تو مال پاکیزہ ہوجائے گا۔ جس کے کھانے سے نور پیدا ہوگا۔ عبادت میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے معانی یہ بھی ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا گناہوں سے پاک صاف

ہو جاتا ہے۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام مبعوث فرمائے گئے، لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی زکوٰۃ فرض قرار نہیں دی گئی، اس لیے کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

ان دونوں معانی سے الگ زکوٰۃ کا ایک معنی ''بڑھنا'' بھی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مال بھی بڑھتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

لغت میں زکوٰۃ کے معانی پاکیزگی کے ہیں اور شریعت میں زکوٰۃ مال کے اس حصے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور مقرر کردہ حدود میں رہ کر معاشرے کے غریب اور نادار لوگوں کو دیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور ہر ایسے آزاد، عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض قرار دی گئی ہے، جس کی ملکیت میں ایک سال تک نصاب کی مقدار کے برابر مال موجود ہے۔ نصاب سے مراد مال کا وہ کم از کم اندازہ ہے جو شریعت نے زکوٰۃ کے قابل وصول ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔ جو شخص نصاب کی مقدار سے کم مال کا حامل ہوگا، اس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔

نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان کے برابر کی مالیت ہے اور مدت ایک سال ہے۔ یعنی جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا ان کی مالیت کے برابر نقدی یا سامانِ تجارت، اپنی حاجات و ضروریاتِ زندگی سے زائد اور فارغ ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا فرض ہے۔

علاوہ ازیں زمین کی تھوڑی مالیت پیداوار پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ یونہی فصل تیار ہو جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہے۔ نہری اور چاہی زمین سے بیسواں اور بارانی زمین سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اس میں سال کا گزرنا فرض نہیں۔ مویشیوں اور جانوروں کا مالک ہونے کی صورت میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ بھیڑ، بکریوں کا نصاب کم از کم چالیس اور بھینس گائیوں کا کم از کم تیس اور اونٹوں کا کم از کم پانچ ہے۔ گھریلو استعمال کی اشیا فرنیچر، سواری کے جانور، سائیکل، موٹر اور ہتھیار، ذاتی کتب خانہ اور رہن شدہ جائیداد کی صورت میں زکوٰۃ فرض

نہیں۔ بچہ اور دیوانہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ مقروض جس کو قرضہ ادا کرنا ہو، اس پر اتنا قرض ہو کہ ادا کرنے کے بعد اس کے پاس نصاب جتنا مال باقی نہ رہے تو اس پر بھی زکوٰۃ لازم نہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ کی حکمت

خداوند کریم اپنے آخری کلام قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

ہر جاندار جو زمین میں ہے، اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

کلام مجید کی مندرجہ بالا آیت مقدسہ سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ سارے جہانوں کی مخلوق کے رزق کی نگہبانی کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹے سے پتھر کے اندر رہنے والے ایک چھوٹے سے کیڑے کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ یہ وعدہ فرمایا ہے کہ رزق کا ذمے دار وہ خود ہے اور اپنے اس وعدے کی تکمیل اس نے یوں فرمائی کہ اس کائناتِ فانی میں دو طرح کے انسان کی تخلیق کی۔ انسانوں کی پہلی قسم کو مال و دولت سے نوازا اور دوسری قسم کو غریب بنایا۔ پہلی قسم کے لوگوں کو مال و دولت سے نواز کر اپنے وعدے کی تکمیل کی اور غریبوں کے ساتھ وعدے کی تکمیل یوں کی کہ امیر لوگوں نے سونے چاندی، مالِ تجارت کی موجودگی کی صورت میں زکوٰۃ فرض قرار دی۔ نیز اراضی کی انکم پر عشر اور عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر واجب قرار دیا اور حکم فرمایا کہ زکوٰۃ عشر اور صدقے کا مال غریبوں میں تقسیم کرو تاکہ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے لیے ضروریاتِ زندگی دستیاب کر سکیں۔

یہاں پر ایک چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ زکوٰۃ عشر اور مال صدقہ بظاہر امیر لوگ دیتے ہیں اور فقیروں کو دیتے ہیں۔ اصل میں وہ زکوٰۃ عشر اور مال صدقہ اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے اور رب العالمین اپنے وعدے کی تکمیل کی خاطر وہ مال غربا کو دے دیتا ہے۔

زکوٰۃ وصدقہ دینے کے فوائد

زکوٰۃ اور صدقے کی ادائیگی بے شمار اور ان گنت فوائد کا گنجینہ ہے۔ زکوٰۃ کا سب سے

پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس کی ادائیگی سے انسان کے ایمان کی پختگی ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ سے قوم کے غریب، نادار اور مفلس عزیز و اقربا کی پرورش ہوتی ہے اور ان کو اپنا پیٹ پالنے کے لیے غیروں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرنا پڑتا، جس سے صاحبِ مال کی عزت و آبرو میں اضافہ ہوتا ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے غربا اور مساکین کی دعائیں حاصل ہو جاتی ہیں اور سنا ہے کہ غریبوں اور مساکین وغیرہ کی دعائیں زیادہ زود اثر اور پر اثر ہوتی ہیں۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال پاکیزگی کا حامل ہو جاتا ہے اور پاکیزہ اشیا کا اثر بھی پاکیزہ ہوا کرتا ہے۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ایک روپے کے بدلے میں سات سو روپے ملیں گے اور اللہ تعالیٰ جود و کرم کرے تو ایک روپے کے عوض ان گنت روپے دے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے تیسرے پارے کی سورۂ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات بالیں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے، جس کے لیے چاہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے پر کوئی طعنہ زنی نہ کر سکے گا کہ اتنا مالدار اور امیر و کبیر ہونے کے باوجود اتنا بخیل اور کنجوس ہے کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، نیز فقرا اس کے دشمن نہ بنیں گے۔

کشف الغمہ، صفحہ: 178 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَدّٰى زَكٰوةَ مَالِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهٗ۔

جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، بے شک اس سے اس کا شر دور ہو جاتا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کا ساتواں فائدہ یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے قلب میں پاکیزگی آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے دسویں پارے کی سورۂ توبہ کی تیسری آیت میں فرماتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۝

(اے محمد!) آپ ان کے مالوں سے (جس کو وہ لائے ہیں) صدقہ لے لیجیے، جس کے ذریعے آپ ان کے دلوں کو پاک اور صاف کر دیں گے۔

عزیزانِ گرامی! قرآن و حدیث سے یہ بات ثبوت کی تکمیل کو پہنچی کہ ادائیگی زکوٰۃ اور ادائیگی صدقہ سے مسلمانوں کا اپنا ذاتی، دینی اور دنیاوی فائدہ ہے۔ اُصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے سرمایہ دار بھائی ادائیگی زکوٰۃ میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، لیکن حیف صد حیف کہ آج کل کے دور میں مسلمان ادائیگی زکوٰۃ کو ایک بوجھ تصور کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کے ٹیکس کو ادا کرتے ہیں، مگر اس مقدس مذہبی فریضے کی ادائیگی کو گراں خیال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں جی! یہ سائنس کا دور ہے۔ انسان کی ترقی اور ارتقا کا دور ہے۔ واقعی یہ سائنس کا دور ہے اور یقیناً یہ انسان کے ارتقا اور انسان کی ترقی کا دور ہے۔ ذرا نگاہِ بینا کھولیے، ارد گرد نظر دوڑائیے، ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، سیکڑوں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں آپ کو ایسے بدکردار عناصر نظر آئیں گے جو انسانیت اور اخلاق کے نام پر روپے پیسے کا بے دریغ خرچ کر رہے ہوں گے۔ اپنے جھوٹے اور مصنوعی وقار اپنی جھوٹی اور مصنوعی و عارضی شہرت و عزت اور آبرو میں اضافے کی خاطر روپے پانی کی طرح بہا رہے ہوں گے۔ اپنے آرام کی خاطر اے سی سے مزین کاریں خرید رہے ہوں گے۔ ٹی وی اور فریج خرید رہے ہوں گے، مگر یہاں پر اللہ کے نام کی خاطر روپے کا سوال آئے گا، یہ لوگ خود کو جدی پشتی کنگال ظاہر کرنا اپنا فریضۂ اوّلین خیال کرتے ہیں۔

لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہو۔ بیچ میں چند خسرے بے ہنگم انداز میں ناچ رہے ہوں، تو یہ لوگ ان کے اس بے سرے ناچ پر نوٹوں کی بارش کر دیں گے۔ سینما میں لوفرانہ فلم لگی ہو تو یہ لوگ اس فلم کو دیکھنے کی خاطر گیلری یا باکس ٹکٹ بلیک میں حاصل کریں گے اور پھر کہیں گے کہ بڑی سپر ہٹ فلم تھی۔

تمام اور ہر قسم کے فضول اُمور میں روپے ضائع کریں گے اور اس کا انھیں کوئی افسوس نہیں ہوگا، مگر راہِ خدا میں ایک پائی بھی خرچ کرنا ان کے لیے موت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا حکیم ہے، علیم ہے، اسے معلوم تھا کہ ہم مسلمان ذلت کی پستیوں میں گر جائیں گے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو گراں خیال کریں گے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار بلکہ چوراسی بار زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال صرف کرنا ہمارے اپنے لیے ہی بہتری کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا تُنْفِقُوْنَ مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۔

تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے، تمہارے اپنے لیے ہی فائدہ مند ہے۔

ہمارے اس معاشرے میں فقط امیر طبقہ ہی ادائیگی زکوٰۃ وصدقات میں بخل سے کام نہیں لیتا بلکہ درمیانی طبقہ بھی ایسے معاملات میں حیل وحجت سے کام لیتا ہے۔ بالعموم جب جیب میں پیسے نہ ہوں تو ہم سے کوئی سوال کرے تو ہمارے دل میں اس کے لیے ہزارہا ہمدردیاں پیدا ہوتی ہیں اور جب ہماری جیب میں پیسے ہوں تو ہمارے دل میں اپنے لیے ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ ہزارہا خواہشیں جنم لیتی ہیں اور ہمارا دل پیسہ خیرات کرنے سے گریز کرتا ہے۔ حالانکہ اس میں ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 192 پر مرقوم ہے کہ آج سے کئی صد سال قبل جب کہ حضرت عیسیٰ کا دورِ نبوت تھا۔ ایک واشرمین تھا، دھوبی تھا، جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ لوگ اسے کپڑے دھونے کے لیے دیتے تھے۔ وہ واشرمین کپڑے تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ لوگ اس کے اس رویے سے عاجز آ گئے اور مل کر حضرت عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیرا ہوئے کہ: یا نبی اللہ! فلاں واشرمین ہمارے کپڑے تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کے لیے بددعا فرمائیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ اقدس دعا کے لیے اٹھائے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَهْلِكْهُ۔ یا اللہ! اسے ہلاک فرما۔ لوگ مطمئن ہو کر گھروں کو لوٹ گئے کہ آپ کی دعا ضرور ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرے گی اور ہمیں واشرمین کے شر سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ دوسرے دن واشرمین کپڑے دھونے کی غرض سے گھاٹ کی طرف

روانہ ہوا اور دوپہر کا کھانا ساتھ لے لیا جو ۳/عدد روٹیوں پر مشتمل تھا۔

واشرمین راستے میں ہی تھا کہ اس راستے میں ایک سائل ملا، جس نے واشرمین کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ واشرمین نے اس کو ایک روٹی خیرات کے طور پر دے دی۔ سائل نے خوش ہو کر واشرمین کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے آسمانی بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ واشرمین کو یہ دعا اچھی لگی، پسند آئی اور اس نے خوشی کے عالم میں دوسری روٹی بھی سائل کو دے دی۔ سائل نے پھر دعا کی: اللہ تجھے ارضی بلاؤں کے شر سے اپنی امان میں رکھے۔ واشرمین نے خوش ہو کر تیسری روٹی بھی سائل کو دے دی۔ سائل نے پھر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ تجھے اور توفیق بخشے۔ یہ دعا کر کے سائل رخصت ہو گیا اور واشرمین گھاٹ پر پہنچ گیا اور واشنگ میں محو ہو گیا۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا شرفِ قبولیت حاصل کر چکی تھی اور دعا کی تکمیل کی خاطر ایک خوفناک اژدہا اس کے کپڑوں میں چھپ گیا تھا تاکہ واشرمین کو ڈنک سے ہلاک کر ڈالے، مگر جب واشرمین نے کپڑوں میں ہاتھ داخل کیا تو سانپ نے ڈنک مارنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا اور واشرمین بہ سلامت گھر آ گیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں کو سخت حیرانی ہوئی، وہ تو گمان کر رہے تھے کہ آج واشرمین واپس نہ آسکے گا۔ مل کر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیرا ہوئے کہ: یا نبی اللہ! واشرمین بحفاظت آ گیا ہے۔ آپ نے اس واشرمین کو بلایا اور اس سے سوال کیا کہ تو نے کس نیک عمل کی ادائیگی کی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: حضرت! میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا، مگر ایک سائل کو تین روٹیاں دی تھیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سانپ سے سوال کیا کہ تو نے اس کو ڈنک کیوں نہ مارا؟ سانپ نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ کی دعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو چکی تھی اور حکم خداوند سے اس کو ڈنک مارنے کے ارادے سے اس کے کپڑوں میں داخل ہو چکا تھا، مگر واشرمین نے جب سائل کو تین روٹیاں صدقے میں دیں تو اس صدقے کی برکت سے فرشتے نے میرے منہ میں لگام ڈال دی، جس کے باعث میں اس کو ڈنک نہ مار سکا۔ واشرمین نے سانپ کی گفتگو سماعت کی اور خلوصِ دل سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے نیکوکار بن گیا۔

نزہتہ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 191 پر مندرجہ بالا حکایت سے قبل ایک اور حکایت منقول ہے، جس سے بخوبی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صدقے کی برکت سے انسان پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ کے برگزیدہ بندے ہوکر گزرے ہیں۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ محفل لگائے بیٹھے تھے اور وعظ ونصیحت کی باتیں بیان کررہے تھے۔ دورانِ وعظ مجلس میں سے ایک سائل اٹھا اور آپ سے چار درہم کا سوال کیا۔ منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو کوئی اس شخص کو چار درہم دے گا، میں اس کے حق میں چار دعائیں کروں گا۔ آپ کی محفل میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو کہ ایک یہودی کا غلام تھا۔ وہ اٹھا اس نے سائل کو چار درہم دیئے۔ آپ نے پوچھا: تیری پہلی دعا کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں ایک یہودی کی غلامی میں ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس غلامی سے نجات دلائے۔ منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی اور اس سے اگلی دعا کی بابت دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا: میں مفلس ہوں، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دولت سے نوازے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور تیسری دعا کی بابت سوال کیا۔ اس نے عرض کیا: میں جس شخص کا ملازم ہوں وہ یہودی ہے، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبولِ اسلام کی توفیق بخشے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور چوتھی دعا کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے عرض کیا: میں معاصی کار ہوں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے مالک کی مغفرت فرمائے۔ آپ نے یہ دعا بھی فرمائی اور مجلسِ وعظ اختتام پذیر ہوئی۔ وہ شخص اپنے مالک کے پاس آیا۔ مالک نے تاخیر سے آنے کا سبب پوچھا: اس نے جواب دیا کہ آج میں منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محفل وعظ میں چلا گیا تھا۔ وہاں چار درہم کے بدلے چار دعائیں حاصل کرکے آرہا ہوں۔ یہودی آقا کہنے لگا ذرا بتاؤ تو وہ کون سی دعائیں تھیں؟ اس نے جواب دیا: پہلی دعا یہ تھی کہ اللہ مجھے آزاد کرے۔ مالک نے کہا: جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ غلام نے کہا: میری دوسری دعا یہ تھی کہ اللہ مجھے دولت سے نوازے۔ مالک نے فوری چار ہزار درہم اس کے سپرد کردیے۔ غلام نے اپنی تیسری دعا بیان کی اور اللہ تعالیٰ میرے یہودی مالک کو دولت ایمان سے سرفراز کرے۔ یہ سن کر یہودی کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ غلام نے کہا: میری چوتھی دعا یہ تھی کہ خداوند کریم مجھے اور میرے مالک کو معاف کردے۔ مالک نے کہا کہ گناہوں سے مغفرت میرے بس کا روگ نہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ یہ گفتگو ہوئی اور آقا و خادم اپنا کام ختم کرنے کے بعد محوِ خواب ہوگئے۔ حالتِ خواب میں مالک نے دیکھا: ہاتف غیبی ندا کررہا ہے کہ: اے غلام کے مالک! جس پر تو قادر تھا وہ تو نے کردکھایا۔ میری قدرت والا تو نہیں کرسکا۔ لو میں اسے کیے دیتا ہوں، جا میں نے تمھیں اور تمہارے غلام کو گناہوں سے بخش دیا۔ نہ صرف تمھیں اور تمہارے غلام کو بلکہ تمام اہلِ محفل کو بھی معاف کردیا۔

قارئین گرامی! یہ ہے کہ صدقے کی برکت کہ ایک کے صدقہ دینے سے دیگر اہلِ مجلس بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار بن گئے۔

اسی طرح کی ایک حکایت تذکرۃ الاولیا، صفحہ: 57 پر درج ہے، ذرا ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں مناسک حج کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو حرم شریف میں ایک ساعت کے لیے سوگیا۔ عالم نیند میں دیکھا کہ فلک سے دو ملائکہ کا نزول ہوا ہے۔ ایک نے دوسرے سے سوال کیا کہ امسال کتنے لوگ مناسک حج کی ادائیگی کے لیے آئے تھے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ اس سال حج کی ادائیگی کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ پہلے فرشتے نے سوال کیا کہ چھ لاکھ میں سے کتنے کا حج شرفِ قبولیت سے نوازا گیا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ چھ لاکھ میں سے ایک کا بھی حج شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرسکا۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے دل میں ہوک اٹھی۔ میرا دل اضطراب کا شکار ہوگیا اور میں ایک عجیب بے چینی محسوس کرنے لگا کہ اس قدر لوگ راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے صحرا اور سمندر کا سفر کرکے حج کی ادائیگی کے لیے آئے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ کیا ان کی تمام مشقتیں بے کار ہوگئیں۔ اتنے میں فرشتے نے مزید کہا کہ ملک شام کے شہر دمشق میں ایک شخص رہتا ہے جو کہ پارہ دوزی کا کام کرتا ہے۔ اس کا نام علی بن الموافق ہے۔ وہ حج کے لیے نہیں آیا، لیکن اس کے باوجود اس کا حج قبول کرلیا گیا ہے اور اس کے صدقے سے اللہ تعالیٰ نے چھ لاکھ

حجاج کو مغفرت سے نوازا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ میرے دل میں جستجو پیدا ہوئی کہ اس مردِ مومن کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے، جس کے صدقے میں چھ لاکھ انسانوں کا حج قبول کیا گیا۔ چنانچہ میں نے شام کا سفر اختیار کیا۔ دمشق تک رسائی حاصل کی اور اس شخص کا گھر تلاش کیا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک شخص نمودار ہوا۔ میں نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا: میرا نام علی بن الموافق ہے۔ میں نے کہا کہ میں ملک عرب سے آپ سے چند باتیں کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس نے کہا: فرمایئے۔ میں نے پوچھا: سب سے قبل یہ بتایئے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: پارہ دوزی کرتا ہوں۔ میں نے کہا: میں نے خواب میں اس طرح سنا کہ آپ حج کو نہیں آئے اور آپ کا حج قبول ہے۔ نیز آپ کے طفیل چھ لاکھ لوگوں کی مغفرت کی گئی ہے۔ اس شخص نے میرا نام پوچھا: میں نے کہا: عبداللہ بن مبارک۔ یہ سن کر اس شخص نے زور سے نعرہ مارا اور ہوش سے بے گانہ ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آیا تو میں نے پوچھا: مجھے اپنی بابت کچھ بتلایئے۔ اس شخص نے کہا کہ مجھے تیس سال سے حج کی آرزو تھی، لیکن میری یہ آرزو کسی طور پر پوری نہ ہوتی تھی۔ بالآخر میں نے پارہ دوزی کا کام شروع کیا اور پارہ دوزی سے تین ہزار درہم جمع کیے اور ارادہ کیا کہ امسال ضرور حج کے لیے جاؤں گا۔ ایک دن میری حاملہ بیوی نے کہا کہ آج ہمسایے نے گوشت پکایا ہے، جس کی خوشبو آرہی ہے۔ میرا دل گوشت کھانے کو چاہ رہا ہے۔ جاؤ اور میرے لیے گوشت لاؤ۔ میں گیا اور ہمسایے سے کہا: میری بیوی حاملہ ہے اور اس کا جی گوشت کھانے کو چاہ رہا ہے اور تم نے آج گوشت پکایا ہے۔ تھوڑا سا دے دو۔ ہمسایہ کہنے لگا کہ گوشت میرے لیے حلال اور تمہارے لیے حرام ہے۔ میں نے وجہ پوچھی: اس نے کہا: سات دن ہوئے، میرے بچے بھوکے تھے۔ آج جنگل میں بائی چانس میری نظر اس مردار گدھے پر پڑی۔ میں گوشت کا ٹکڑا کاٹ لایا اور وہی پکایا۔ یہ سن کر میں بے قرار ہو گیا اور میری جان کو آگ لگ گئی۔ فوراً گھر واپس آیا اور وہ تین ہزار درہم جو میں نے حج کی نیت سے جمع کیے تھے، اٹھائے اور دوبارہ ہمسائے کے گھر گیا اور درہم دے کر کہا: اس سے اپنی اور بال بچوں کی کفالت کرو، بس یہی میرا حج ہے۔

سبحان اللہ! 3 ہزار درہم صدقہ دینے سے حج بھی ہو گیا اور چھ لاکھ انسانوں کے حج بھی قبول ہو گئے۔ الحمد للہ

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 74 پر مرقوم ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک خاتون گود میں اپنے بچے کو لیے جا رہی تھی۔ راستے میں ایک بھیڑیا آگیا اور اس نے بچہ چھین لیا۔ وہ بھیڑیئے کے تعاقب میں دوڑی۔ اسی حالت میں ایک فقیر نے اس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا۔ اس بڑھیا کے پاس ایک روٹی تھی۔ اس نے سائل کو دے دی۔ اتنے میں بھیڑیا واپس آیا اور اس خاتون کا بچہ اس کے حوالے کر دیا۔ یہ دیکھ کر سائل نے کہا: ایک لقمے کے بدلے اللہ نے ایک بہتر لقمہ واپس دے دیا۔ اللہ ہم سب کو زکوٰۃ و صدقات کی توفیق بخشے۔ آمین!

□□□

اٹھائیسواں وعظ

زکوٰۃ کی دوسری تقریر

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (سورۂ توبہ)

ترجمہ: اور ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور نیک ہو جائیں، تو جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

ہر شخص غنی بننا چاہتا ہے

عام مشاہدہ ہے کہ جب کوئی فاقہ کش نادار، مفلوک الحال کسی امیر، غنی اور وسیع القلب شخص کو راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرتے ہوئے ملاحظہ کرتا ہے تو بے اختیار اس کے دل میں خواہش جنم لیتی ہے کہ میں بھی اس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں، مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہتا ہے کہ میں غریب اور مفلوک الحال ہوں، کہاں سے راہِ خدا میں خرچ کروں۔ مگر جذبۂ شوق کی فراوانی اسے مجبور کرتی ہے اور وہ سرد آہ بھر کر خیال کرتا ہے کہ کاش! اللہ مجھے بھی دولت دیتا۔ پھر وہ مزید خیال کرتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنا فضل فرمائے اور مجھے مال و دولت سے نوازے تو میں وہ مال راہِ خدا میں خرچ کروں گا۔ فقیروں اور حاجت مندوں کی حاجت براری کروں گا۔ یتیموں کی پرورش کروں گا اور غریب طلبا کے لیے ایک مدرسہ تعمیر کروں گا، جہاں غریب طلبا مفت تعلیم حاصل کر سکیں گے اور ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کراؤں گا۔ کنوئیں کھدواؤں گا تا کہ خلق خدا کو فائدہ ہو۔ سڑکوں کے کنارے درخت لگواؤں گا تا کہ

مسافروں کو گرمی کی شدت سے تکلیف نہ ہو۔

غرض کہ ہر قسم کے نیک اعمال میں اپنی دولت صرف کرنے کا خیال کرتا ہے۔ اس کی پرخلوص دعا جب ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کرتی ہے اور سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ ہو جاتا ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے کرم سے اسے دولت سے نوازتا ہے تو پھر اس کا ہر انداز بدل جاتا ہے۔ غربت اور مفلسی میں دال اور سوکھی روٹی کھاتا تھا۔ دولت ملتے ہی دال اور روٹی بری لگنے لگی۔ دال اور روٹی کی جگہ مرغن لذیذ اور شائستہ غذائیں مستعمل ہونے لگتی ہیں۔ یتیموں کی پرورش کی بجائے اپنے نفس کی پرورش ہونے لگتی ہے۔ فقیروں اور حاجت مندوں کی حاجت براری کے بجائے نفس کی حاجت براری ہونے لگتی ہے۔ غریب طلبا کے لیے مدرسے تعمیر کرنے کے بجائے اپنی رہائش کے لیے کاشانہ اور آشیانہ تعمیر کیا جاتا ہے۔ مسجد کی تعمیر خواب وخیال ہو جاتی ہے۔ دو روپے گز کا سوتی کپڑا بدن پر گراں گزرتا ہے اور 100 روپیہ گز بلکہ اس سے بھی زیادہ مہنگا کپڑا لباس کے لیے لیا جاتا ہے۔ مخمل و ریشم کے بستر، عمدہ فرنیچر کے بنے ہوئے پلنگ پر بچھا کر سویا جاتا ہے۔ اندازِ فکر و نظر بدل جاتے ہیں۔ غربت میں گردن جھکا کر چلتا تھا، دولت ملتے ہی گردن بلکہ پورا بدن اکڑا کر چلنے لگتا ہے۔ نگاہوں میں دولت کا خمار چھا جاتا ہے، اسے غریب اور نادار نظر ہی نہیں آتے اور اسے اگر کوئی محمود وایاز کی سچی حکایت سنا دے تو بجائے اس سے سبق حاصل کرنے کے اس سے کان بند کر لیتا ہے اور اس حکایت کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

خداوند کریم سے کیے ہوئے تمام وعدوں کو یکسر بھلا دیتا ہے۔ اسے اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا خیال ہی نہیں آتا اور جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو اعتراض کرتا ہے کہ یہ دولت تو اس نے خود اپنے بازوؤں کی محنت سے حاصل کی ہے۔ اس لچر عذر کو بہانہ بنا کر راہِ خدا میں خرچ کرنے سے فرار حاصل کرتا ہے۔

وعظ کے آغاز میں بیان کی گئی آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ایسے ہی لوگوں کی وضاحت فرمائی گئی ہے جو غربت کی حالت میں تو دولت کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، مگر جب اللہ

تعالیٰ ان کو اپنے فضل وکرم سے دولت سے سرفراز فرماتا ہے تو وہ اس دولت کو اپنے خون پسینے کی کمائی کہتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔

شانِ نزول

یہ اس زمانے کا تذکرہ ہے جب خورشید نبوت کی نورانی شعاعوں سے سارا عالم معنویت کے قالب میں ڈھل رہا تھا۔ گلشنِ ہستی پر بہار اپنا خمار جمارہی تھی اور اہلِ خرد اپنی اپنی نجات کے سامان کر رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مدینۃ الرسول میں ایک نادار مفلس شخص رہا کرتا تھا، جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا۔ غربت ومفلسی کے ہاتھوں تنگ آکر ایک دن وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اے غریبوں اور مفلسوں کی دستگیری کرنے والے! نبیوں میں رحمت کا لقب پانے والے! میں ایک غریب اور نادار شخص ہوں۔ اللہ سے گزارش فرمایئے کہ وہ مجھے اپنے فضل سے مال ودولت سے نوازے۔ بارگاہِ نبویہ سے ارشاد کیا گیا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال زیادہ مال سے اسی سبب بہتر ہے کہ تھوڑے مال پر شکریہ ادا کیا جاسکتا ہے اور زیادہ مال پر شکریہ ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ حکم سن کر ثعلبہ واپس چلا گیا، مگر جذبۂ شوق کی فراوانی اسے دربارِ نبوی میں لے آئی اور اس نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) اللہ سے دعا فرمایئے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے مجھے مال دار بنائے اور مجھے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو برحق رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اگر وہ مجھے مال سے نوازے گا تو وہ مال راہِ خدا میں خرچ کروں گا اور ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ یہ سن کر آنحضور ﷺ نے اپنے دستِ اقدس دعا کے لیے اٹھائے۔ گلِ مقدس کے پتیوں جیسے ہونٹوں کو جنبش کی اور ثعلبہ کے مال میں برکت کی دعا فرمائی۔ آنحضور ﷺ کی دعا ہو اور قبولیت کا صالحہ حاصل نہ کرے، یہ ناممکن ہے۔ آنحضور ﷺ کی دعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور نتیجتاً ثعلبہ کے مال میں برکت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کی بکریوں میں اضافہ فرمادیا اور اس قدر اضافت دی کہ اس کی بکریوں کے لیے مدینہ میں جگہ تنگ ہوگئی۔ ثعلبہ نے بکریوں کی دیکھ بھال اور ان کی رہائش کے لیے جنگل میں ڈیرہ جمالیا اور ہمہ وقت

بکریوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہنے لگا۔ پہلے نماز ادا کرتا تھا، اب جمعہ سے بھی گیا۔ آنحضور ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ ثعلبہ نماز اور جمعہ میں مسجد میں حاضر نہیں ہوتا تو انھوں نے صحابۂ کبار سے ثعلبہ کے متعلق دریافت فرمایا: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جواب دیا: یارسول اللہ! (ﷺ) اس کے مال میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر زیادتی پیدا فرمائی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ان کی رہائش نہیں رہی۔ لہٰذا وہ اپنا مال لے کر جنگل میں چلا گیا اور اب صورت حال یہ ہے کہ جنگل کی کئی وادیاں بھی اس کے مال سے پُر ہیں اور جنگل میں اس کے لیے جگہ نہیں رہی۔ یہ سن کر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا کہ ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے۔

گردشِ لیل ونہار جاری رہی۔ چرخِ نیلی فام کا پہیہ تیزی کے ساتھ گھومتا رہا اور وہ گھڑی آن پہنچی، جس میں آنحضور ﷺ نے اپنے نائبین کو ملک کے اُمرا سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا اور اپنے عامل بیرونی علاقوں میں زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے روانہ فرمائے۔ جن اُمرا اور روسا کے پاس عامل پہنچے، انھوں نے اپنے صدقات آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں روانہ فرمائے۔ آپ ﷺ کے عاملین زکوٰۃ وصول کرنے کی غرض سے جب ثعلبہ کے پاس گئے تو یہ کہہ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا کہ یہ ٹیکس ہے۔ جاؤ فرصت کے لمحات میں سوچوں گا اور پھر زکوٰۃ ادا کروں گا۔ عاملین ثعلبہ کا یہ جواب سن کر دربارِ نبویہ میں واپس آئے۔ ابھی انھوں نے ثعلبہ کا کوئی پیغام آنحضور ﷺ سے عرض نہیں کیا کہ آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا: اے ثعلبہ افسوس ہے! اے ثعلبہ افسوس ہے! تو نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا ہے۔ جب عاملین نے ثعلبہ کا جواب دربارِ نبوی میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔

اللہ تعالیٰ کی غیرت کو جوش آیا اور اسی وقت اس وعظ کے آغاز میں بیان کی گئی آیت کا نزول ہوا۔ اس آیت مقدسہ میں ثعلبہ کے بخل اور اعتراض کرنے پر اس کی مذمت کی گئی۔ ثعلبہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی مذمت کی گئی ہے اور مذمت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوا کہ اب میں لوگوں میں بدنام ہوجاؤں گا اور لوگ مجھے بخیل اور کنجوس کے نام سے پکاریں گے اور میری ساری عزت اور امارت کا بیڑا غرق ہوجائے گا، اس

لیے اس نے زکوٰۃ کا حساب کتاب کیا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے واسطے آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا ہوں، میری زکوٰۃ قبول کی جائے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ! اپنی زکوٰۃ واپس لے جا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس امر کا حکم دیا ہے کہ میں تیری زکوٰۃ قبول نہ کروں۔ آنحضور ﷺ کے لب اقدس سے یہ جواب سن کر ثعلبہ واپس لوٹ گیا اور اپنے سر کے بالوں کو مٹی سے پراگندہ کر لیا۔ گردشِ لیل ونہار جاری رہی اور چشم فلک نے آنحضور ﷺ کے وصال کا جاں گداز منظر دیکھا اور آنحضور ﷺ کے دین کی احیا کی خاطر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کا ذمہ سنبھالا۔ ثعلبہ نے موقع غنیمت جانا اور زکوٰۃ لے کر دربار صدیقی میں حاضر ہوا، مگر انھوں نے یہ کہہ کر زکوٰۃ وصول کرنے سے انکار کر دیا کہ جب میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے زکوٰۃ قبول نہیں کی تو میں زکوٰۃ قبول کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ یہ سن کر ثعلبہ واپس چلا گیا اور پھر وہ روح فرسا لمحہ آیا جب کہ آنحضور ﷺ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور خلافت کا بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ثعلبہ ایک بار پھر ناکام و نامراد لوٹ گیا۔ گردش لیل ونہار نے انسانیت پر ایک اور ظلم ہوتے دیکھا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اللہ نے اپنے پاس بلا لیا اور خلافت کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد کیا گیا۔ گردش لیل ونہار ابھی زکوٰۃ کی گھڑی اپنے ساتھ نہیں لائی تھی کہ ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر مدارک، جلد دوم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کوڑھی تھا۔ دوسرا قوتِ بصارت سے محروم تھا اور تیسرا شخص گنجا تھا۔ تینوں ہر وقت اپنی کم مائیگی پر ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے تھے۔ ایک دن اللہ نے ان کی آزمائش کرنے کی غرض سے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ انسانی قالب اختیار کر کے سب سے پہلے کوڑھی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: میری خواہش ہے کہ مجھے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل جائے تا کہ میں بھی لوگوں میں بیٹھ سکوں اور لوگ مجھ کو قابلِ نفرت نہ جانیں۔ فرشتے نے کہا کہ

میں تیری یہ خواہش پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ فرشتے نے اپنا ہاتھ اس کوڑھی کے جسم پر پھیرا، جس سے آن واحد میں کوڑھی کا کوڑھ زدہ جسم خوبصورت جسم بن گیا۔ فرشتے نے پھر سوال کیا۔ اے شخص! تیرا سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے زیادہ پیارا مال اونٹ ہے۔ فرشتے نے اس کو ایک اونٹنی دی اور پھر برکت کی دعا کی۔ اس عمل سے فارغ ہو کر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے سوال کیا کہ تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: میری خواہش ہے کہ میرے سر پر عمدہ قسم کی زلفیں ہوں تا کہ لوگ مجھ پر طعنہ زنی نہ کر سکیں اور میں لوگوں میں اٹھ بیٹھ سکوں۔ فرشتے نے کہا: تیری یہ خواہش میں پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے گنجے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ فوراً اس کی چندیا پر زلفیں اُگ آئیں، جن کو دیکھ کر گنجا خوشی سے جھوم اٹھا۔ فرشتے نے پوچھا: تیرا سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے پسندیدہ چیز گائے ہے۔ فرشتے نے اس کو ایک گائے دی جو کہ چند دنوں بعد حمل سے فارغ ہونے والی تھی۔ اس کے بعد فرشتہ اس شخص کے پاس آیا جو بصارت سے محروم تھا۔ اس سے فرشتے نے سوال کیا: اے نیک بخت! تیری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا: سنا ہے کہ یہ دنیا بہت حسین ہے۔ اس میں بڑے دل نشین نظارے ہیں، خوبصورت عمارتیں ہیں، عالیشان محلات ہیں، پہاڑ ہیں، درخت ہیں، نہریں، دریا اور سمندر ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس دنیا کا نظارہ کروں، مگر چونکہ بینائی سے محروم ہوں، اس لیے صرف سوچ کر رہ جاتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ مجھے نظر مل جائے تا کہ میں اس حسین دنیا کا نظارہ کر سکوں۔ فرشتے نے کہا: تیری یہ خواہش میں پوری کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، اس کی بینائی لوٹ آئی۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: تجھے سب سے پسندیدہ مال کون سا ہے؟ کہنے لگا: مجھے سب سے پسندیدہ بکری ہے۔ فرشتے نے اس کو بکری دی اور برکت کی دعا کی اور واپس لوٹ گیا۔ گردشِ لیل ونہار جاری رہی اور کوڑھی کو ملنے والی اونٹنی نے بچے جنم دیے۔ اس طرح گنجے کی گائے نے بھی بچے جنم دیے اور اندھے کی بکری نے بھی بچے جنم دیے۔ گردشِ لیل ونہار جاری رہی اور تینوں کے مال میں اضافہ ہوتا گیا۔ جب وہ اچھے خاصے مالدار بن گئے تو اللہ کے حکم سے پہلے والا فرشتہ تینوں کے امتحان کی غرض سے زمین پر آیا۔ انسانی قالب اختیار کیا اور سب سے پہلے

کوڑھی کے پاس گیا۔ کہنے لگا: حضور میں ایک غریب مسافر ہوں، وطن کی یاد ستا رہی ہے، مگر سوائے اللہ اور تیرے کوئی وسیلہ نہیں کہ جس کے ذریعے وطن جا سکوں۔ میں تجھ سے اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، جس نے تجھے اچھا رنگ دیا اور عمدہ جلد دی اور مال و زر کی کثرت سے ہمکنار کیا ہے۔ اللہ کے نام پر صرف ایک اونٹنی کا سوال کرتا ہوں تا کہ وطن واپس لوٹ سکوں۔ کوڑھی کہنے لگا: اے مسافر! اے سائل! حقداروں کے حقوق کی ایک لائن لگی ہوئی ہے، جن کی ادائیگی مشکل ہے، اس لیے تجھے کیا دوں فرشتہ بولا: (حضور!) میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں، آپ کے بیک گراؤنڈ سے خوب آشنا ہوں۔ ایک وقت تھا جب کہ آپ کوڑھ کے مرض میں مبتلا تھے، لوگ آپ سے نفرت کرتے اور آپ مفلسی و ناداری کی زندگی گزارا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو آپ کی حالتِ زار پر رحم آیا اور آپ کو کوڑھ کے مرض سے نجات دلا کر مال و دولت سے سرفراز فرمایا۔ اب آپ پر لازم ہے کہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی کریں۔ سچی باتیں بہت کڑوی ہوا کرتی ہیں اور بعض اوقات تو زہر لگتی ہیں۔ کوڑھی یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فرطِ غضب سے اس کا شریر بربط کے تار کی طرح لرزنے لگا۔ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے بولا: گستاخ ایک تو بھیک مانگتا ہے، دوسرے جھوٹے الزامات بھی لگاتا ہے۔ ارے میاں! ہم تو جدی پشتی اُمرا ہیں اور ہمارا گورا رنگ تو پیدائشی ہے۔ فرشتہ بولا: بابو صاحب! اگر آپ جھوٹ بول رہے ہیں تو آپ کو اللہ پھر پہلے جیسی حالت میں لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے مال کو ہلاک کر دیا اور وہ پہلے کی طرح کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے بعد فرشتہ گنجے کی شکل اختیار کر کے اس گنجے کے پاس گیا اور کہا: جناب! میں ایک غریب و نادار اور مفلس مسافر ہوں۔ وطن جانا چاہتا ہوں، مگر اللہ اور آپ کے سوا کوئی وسیلہ نہیں۔ اللہ کے نام پر آپ سے ایک گائے کا سوال کرتا ہوں تا کہ وطن واپس جا سکوں۔ گنجا کہنے لگا: میاں! پہلے ہی بہت حقوق ہیں، تجھے کہاں سے دوں۔ فرشتہ بولا حضور میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ گنجے ہوا کرتے تھے، نادار اور مفلسی کی زندگی گزارا کرتے تھے، پھر اللہ نے آپ پر اپنا فضل فرمایا اور آپ کو عمدہ زلفیں دیں اور مال و دولت سے نوازا۔ لوگ پہلے آپ سے نفرت کیا کرتے تھے۔ گنجا یہ سن کر غضبناک ہو گیا۔ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے بولا: ایک تو بھیک مانگ رہا ہے اور

دوسرے ٹکے ٹکے کی باتیں بنا رہا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ ارے میاں! یہ خوبصورت زلفیں تو پیدائشی ہیں اور مال و دولت تو ہمیں اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتہ بولا: حضور! اگر آپ غلط بیان فرما رہے ہیں تو اللہ آپ کو پھر پہلے جیسی زندگی دے دے۔ اللہ نے فوری طور پر اس کے مال کو ہلاک کر دیا اور اس کو پھر سے گنجا بنا دیا۔ اس کے بعد فرشتہ اس شخص کے پاس آیا جو کسی زمانے میں قوتِ بصارت سے محروم اور مفلسی و ناداری کی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس آ کر فرشتہ بولا: حضور! میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں، آپ کسی زمانے میں اندھے ہوا کرتے تھے اور مفلسی اور ناداری کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ نے آپ کو نظر بخشی اور مال و دولت سے نوازا۔ میں اسی اللہ کے نام پر آپ سے ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ اپنے وطن واپس جا سکوں۔ کچھ باتیں بہت کڑوی ہوتی ہیں اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ان کا سامنا کیا جائے اور جو لوگ ان کا سامنا کرتے ہیں وہی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ نابینا شخص نے بھی ایسا ہی کیا اور جواب دیا: ہاں، میرے بھائی! کسی زمانے میں میں واقعی اندھا ہوا کرتا تھا اور مفلسی کی زندگی گزارا کرتا تھا۔ پھر اللہ نے مجھے نظر اور مال و دولت سے نوازا۔ لہٰذا اس کے نام پر جتنی بکریاں چاہے لے لو اور جتنی چاہے چھوڑ دو۔ فرشتہ بولا: مجھے آپ کے مال کی ضرورت نہیں۔ ہاں، آج تمہارے ساتھیوں کا اور تمہارا امتحان تھا۔ تمہارے دونوں ساتھی امتحان میں فیل ہو گئے اور کامیابی نے تمہارے قدم چوم لیے ہیں۔ اللہ تمہارے مال میں اور زیادتی دے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:165)

قارون کا عبرتناک قصہ

عزیزانِ گرامی! خزائن العرفان میں قارون نامی فرد کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو کہ بنی اسرائیل کا ایک غریب، مفلس، نادار اور مفلوک الحال شخص تھا۔ زندگی سے بے زار موت کا خواہاں تھا۔ اس کی غربت، مفلسی، ناداری اور مفلوک الحالی پر ترس کھا کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو علم کیمیا سے آشنا کر دیا۔ علم کیمیا ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے رانگ کو چاندی اور تانبے سے گولڈن حاصل کیا جا سکتا ہے۔ قارون کو جب یہ علم آیا تو اس کے

وارے نیارے ہو گئے۔ وہ تانبا سے گولڈن حاصل کرتا اور چند دنوں میں مالدار ہو گیا۔ بنی اسرائیل میں اس کے چرچے ہونے لگے۔ آخر شریعت موسوی میں زکوٰۃ کا حکم آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قارون کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو حکم دیا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قارون کے محسن تھے۔ انھوں نے اسے غربت کی اندھیاری گلیوں سے نکال کر دولت کے روشنی میں لاکھڑا کیا تھا۔ اس نے آپ کے احسان کو یاد کرتے ہوئے آپ سے وعدہ فرمایا کہ اپنے مال مویشیوں کی زکوٰۃ نکالے گا۔ حضرت موسیٰ واپس تشریف لے آئے اور قارون نے مالِ زکوٰۃ کا حساب کیا۔ خزانے کا ایک بہت بڑا حصہ بطورِ زکوٰۃ دینا پڑتا تھا۔ جان ہی تو نکل گئی، روح نکل گئی، دل تھام کر رہ گیا کہ اتنا مال راہِ خدا میں دوں۔ اگر ہر سال اسی طرح زکوٰۃ دیتا رہا تو میرا کباڑہ ہو جائے گا۔ اسے کسی طور پر یہ گوارہ نہ ہوا کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔ زکوٰۃ نہ دینے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے سرمایہ داروں کو جمع کیا اور ان کو مخاطب ہو کر کہنے لگا: اے بنی اسرائیل! تم ہر معاملے میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تسلیم کرتے ہو، ان کی پیروی کرتے ہو، وہ جو کہتا ہے وہی کرتے ہو۔ تمہارے سیاہ و سپید کا مالک وہی ہے۔ اب وہ تم سے تمہاری محنت سے کمایا ہوا مال بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بتاؤ، تمہاری کیا رائے ہے؟ سرمایہ داروں کا سب سے بڑا خیال اور آرزو یہی ہوتی ہے کہ ان کا مال محفوظ رہے، بڑھے اور ترقی کرے۔ سب کہنے لگے: آپ جو کہیں گے وہی ہم کریں گے۔ کیونکہ سارے بنی اسرائیل میں آپ معتبر اور امیر ہیں، آپ ہمارے لیڈر اور سردار ہیں، اس لیے جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے گی۔ قارون مطمئن ہو گیا کہ سارے سرمایہ داروں کی حمایت اس کے حق میں ہے۔ کہنے لگا: فلاں جگہ ایک بدکار اور فاحشہ خاتون رہتی ہے۔ اس کے پاس جاؤ اور اس کو انعام کا لالچ دے کر اس بات پر رضامند کرو کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام گناہ عائد کرے۔ ایسا ہوا تو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔
سب نے اس بات پر لبیک کہا اور قارون کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ اب قارون نے اس بدکار اور فاحشہ خاتون کو ایک ہزار اشرفی، ایک ہزار روپے کا لالچ دیا اور بہت سے وعدے کیے اور

اس خاتون کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام تراشی کرے۔ روپیہ تو بڑے بڑوں کے پائے استقلال میں لغزش ڈال دیتا ہے۔ بے چاری فاحشہ خاتون کس زمرے میں آتی ہے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے دن قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور بارگاہِ موسوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا نبی اللہ! آج بنی اسرائیل آپ کا وعظ سننے کے لیے جمع ہیں اور بے چینی سے آپ کے منتظر ہیں۔ چنانچہ تشریف لے چلیے اور ان کی علمی تشنگی کو بجھائیے۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے۔ اولاً ربّ قدوس کی حمد و ثنا کی، بعد از حمد و ثنائے ربِ قدوس حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعظ شروع فرمایا۔ وعظ کے دوران آپ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! چوری کرنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، جو بہتان تراشی کرے گا اس کی سزا 80 کوڑے ہیں اور اگر کوئی شخص غیر شادی شدہ ہو کر کسی غیر خاتون سے زنا کرے گا تو اس کو 100 کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر شادی شدہ ہے تو اس کی سزا سنگساری ہے، جو اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ اس کی روح اس کے جسدِ خاکی سے ناطہ توڑ کر عالمِ ارواح کی جانب پرواز نہ کر جائے۔
قارون کے مطلب کی بات آچکی تھی، لہٰذا قطع کلامی کرتے ہوئے بولا: کیا یہ حکم سب پر یکساں طور سے نافذ ہے۔ خواہ وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں، حکم یکساں طور پر سب کے لیے نافذ ہے۔ اس میں کسی کی تفریق نہیں، حتیٰ کہ یہ حکم مجھ پر بھی لاگو ہے۔ قارون کہنے لگا: بنی اسرائیل کے خیال میں آپ نے فلاں خاتون سے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو میرے روبرو کیا جائے۔ قارون نے اس خاتون کو بلایا۔ جب وہ آپ کے روبرو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے خاتون! تجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس نے بنی اسرائیل کے لیے دریا کو پار کیا اور اس میں سے بنی اسرائیل کے واسطے گزرگاہیں بنائیں اور جس نے تورات کا نزول فرمایا: اے خاتون سارا ماجرا سچ سچ بیان کر۔ خاتون پر نبوت کا رعب چھا گیا، اس پر رعب طاری ہو گیا اور اسی خوف کے عالم میں اس کے لبوں سے سچی بات نکل گئی: حضور! قارون جو کچھ مجھ سے کہلوانا چاہتا تھا، خدا کی قسم وہ سب کذب اور غلط ہے۔ قارون نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں آپ پر الزام تراشی کروں تو وہ مجھے

بکثرت مال وزر سے نواز دے گا۔ بس اس وجہ سے میں بہک گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر افسردہ ہوئے اور روتے ہوئے اپنے اللہ کے حضور سر بسجود ہو گئے اور عرض کرنے لگے: اے رب! اگر میں واقعی تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے قارون کو مغضوب فرما! اس پر اپنا عذاب نازل کر۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو وحی دے کر بھیجا کہ اے موسیٰ! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ وہ آپ کی فرماں برداری کرے۔ آپ جو حکم دیں گے، زمین آپ کے حکم کی تعمیل کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر بولے اے بنی اسرائیل! تم میں سے جو قارون کا ساتھ دینے والا ہے، وہ قارون کے ساتھ رہے اور جو میرا ساتھی ہے وہ اس کا ساتھ چھوڑ دے اور میرے پاس آ جائے۔ ایک ایک کر کے سب نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ سرمایہ دار جو قارون کے منصوبے میں شریک تھے، قارون سے الگ ہو گئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر غضب ڈھائیں گے اور ہم بھی اس کی زد میں آ جائیں گے، اس لیے وہ بھی قارون سے جدا ہو کر حضرت موسیٰ کی طرف ہو گئے، مگر دو شخص جو خود کو قارون کا وقار خیال کرتے تھے، قارون کے ساتھ رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین سے مخاطب ہو کر بولے: اے زمین! قارون اور اس کے ساتھیوں کو گرفت میں لے لے۔ چنانچہ زمین شق ہو گئی اور قارون بمعہ اپنے ساتھیوں کے گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ حضرت موسیٰ نے دوبارہ زمین کو حکم دیا تو وہ کمر تک زمین میں دھنس گئے۔ سہ بار آپ نے یہ حکم دیا تو وہ گردنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ اب قارون اس کے ساتھیوں کو ہوش آیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منت سماجت کی۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا وعدہ کیا، مگر آپ نے ذرا بھی دھیان نہ دیا اور زمین کو حکم دیا کہ ان کو کشش کرتی رہے۔ ایسا ہی ہوا اور وہ زمین میں بالکل دھنس گئے۔ ایک روایت کے مطابق تا قیامت وہ زمین میں دھنستے ہی جائیں گے۔

بعض کم فہم اور بدظن لوگ معترض ہوئے کہ (معاذ اللہ) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو اس لیے زمین میں دھنسایا ہے کہ ان کے عظیم الشان خزانے پر قبضہ کر سکیں۔ ان کے اعتراض کو رد کرنے کے لیے ان کے خیال کو باطل کرنے کے لیے، ان کی غلط فہمی دور

کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی: یا اللہ! قارون کے ہمراہ اس کا مال بھی چلا جائے۔ آپ کی دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور قارون کے تمام کے تمام اموال و خزائن زمین میں دھنس گئے۔ جو اَب قیامت تک کے لیے قارون کے ساتھ دھنسے رہیں گے۔

فائدہ: انسان اس زندگی میں اس فنا ہو جانے والی زندگی میں دولت کمانے کے لیے کیا کوششیں کرتا ہے، ہیرا پھیری، چوری ڈکیتی، فراڈ دھوکہ دہی اور فریب سے دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی دولت میں اضافے کی غرض سے اپنی دولت سے مساکین و محتاجوں کے حقوق کو بھی پس پشت ڈال دیتا ہے اور ہر دم، ہر گھڑی گزرنے والے ہر لمحے میں وہ یہی گمان کرتا ہے کہ کسی طرح اس کی دولت میں اضافہ ہو، خواہ اس کے لیے غریبوں، محتاجوں اور مسکینوں کا خون ہی کیوں نہ چوسنا پڑے، مگر کتنا نادان اور انجان ہے یہ انسان، اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کی خاطر ہر جائز و ناجائز طریق سے دولت کماتا ہے۔ مگر کیا یہ نہیں جانتا کہ یہ دولت اس کی جاگیر اور میراث نہیں ہے۔ یہ دولت ایک روز اس سے چھین لی جائے گی اور کسی قابل کے سپرد کر دی جائے گی۔

خزائن العرفان کے مندرجہ بالا بیان کردہ واقعہ سے ہم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو جاتی ہے کہ دولت پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے دولت سے نوازے، جس کو چاہے کنگال کرے۔ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ سلطان کو فقیر اور فقیر کو سلطان کر دے، جس سے چاہے سلطانی چھین لے اور جس کو چاہے سلطانی دلائے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

یہ اس کی مرضی ہے جدھر چاہے ادھر کر دے

اے کاش! ہم مسلمان عقل سے ہمکنار ہو جائیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت کمانا چھوڑ دیں۔ غریبوں، محتاجوں اور مساکین کی حق تلفی نہ کریں۔ اے کاش! ہمیں عقل آ جائے، اے کاش! اے کاش!!!

قرآنی حکایت

قارئین گرامی! آپ نے محتاجوں، غریبوں اور مساکین کی حق تلفی کا واقعہ ماخذ خزائن العرفان ملاحظہ کیا اور آپ نے دیکھا کہ جو لوگ دولت کے نشے میں غربا، محتاجوں اور مساکین کے حقوق کی تلفی کرتے ہیں، غربا، مساکین اور محتاجوں کے حقوق غصب کرتے ہیں، ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا واقعہ سے قارون اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں غور کریں کہ انھوں نے غربا، مساکین اور محتاجوں کی مدد نہ کی۔ ان کے حقوق غصب کیے، ان کے حقوق کی تلفی صرف اس لیے کی کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے اور اس میں گھاٹا نہ پڑ جائے۔ اس کا انجام انھیں یہ بھگتنا پڑا کہ اب وہ قیامت تک کے لیے زمین میں مع اپنے خزانوں کے دھنستے رہیں گے۔

یہ واقعہ تو خزائن العرفان سے لیا گیا ہے، جس پر ناقدین اعتراض کر سکتے ہیں۔ اس مسئلے کے متعلق اب ایک قرآنی حکایت بیان کی جاتی ہے تاکہ سب کو یقین آجائے کہ مساکین وغربا کے حقوق کی تلفی کرنے والا بالآخر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

یہ حکایت قرآن مجید کے اُنتیسویں پارے کی سورۂ قلم میں مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

صفائے یمن سے دو فرسنگ کے فاصلے پر برسر راہ ضروان نامی ایک باغ تھا۔ یہ باغ ایک صالح اور نیک بندے کی ملکیت تھی۔ یہ شخص بہت فیاض اور رحم دل تھا۔ جب بھی اس کا باغ میں جانا ہوتا تو فقرا کو بلا کر باغ کے صحن میں گرے ہوئے تمام میوے اُٹھوا دیتا۔ فقرا اسے دعائیں دیتے۔ جب میوے اور پھل توڑنے کا وقت آتا تو تمام پھل کا دسواں حصہ خیرات کرتا تھا۔

عزیزانِ گرامی! یہ دنیا فانی ہے، اس کی ہر شے فانی ہے۔ ہر شخص ہر شے کو ایک نہ ایک روز ختم ہو جانا ہے۔ وہ شخص بھی فانی تھا، جام فنا نوش کر گیا۔ ویسے بھی سنا ہے کہ جو لوگ رند اور پارسا ہوتے ہیں، ساقی ان کو جلد ہی جام فنا نوش کرنے کے لیے دے دیتا ہے۔ ہاں تو وہ شخص جام فنا نوش کر گیا۔ یا یوں کہہ لیں کہ اس کا جام حیات چھلک پڑا اور وہ اس دنیائے فانی کو

ہمیشہ کے لیے سات سلام کر گیا۔ بعد از فنا اس کے تین بیٹے 'ضروان' کے وارث ہوئے۔ انھوں نے باہم سرجوڑ کے مشورہ کیا کہ باغ کے میوہ جات کنبہ کی نسبت سے قلیل المقدار ہیں۔ اگر ہم اپنے والد محترم کی پیروی کرتے ہوئے خیرات کرتے رہے تو تھوڑے ہی عرصہ میں کنگال بینک کے منیجر کی پوسٹ سنبھالیں گے اور ہمارا کنبہ فاقہ کشی کرے گا۔ اس وقت باغ سے میوے توڑنے کا وقت تھا اور میوہ اُتارتے وقت فقرا جمع ہو جایا کرتے تھے تاکہ خیرات حاصل کر سکیں۔

نیک اور صالح مرحوم شخص کے تینوں صاحبزادوں نے ایک دوسرے سے قسمیہ پیمان باندھا کہ سویرے تڑکے جب کہ ساری دنیا نیند کے جھولے میں سپنوں کی لوریاں سن رہی ہوں گی، باغ میں جا کر میوہ توڑ لیا جائے گا تاکہ غربا و مساکین بے خبر رہیں اور خیرات حاصل کرنے نہ آسکیں۔

قرآن مجید کے اُنتیسویں پارے کی سورۂ قلم میں ارشاد ہے: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ۔ جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح ہوتے ہی ضرور اس کھیت کو کاٹ ڈالیں گے۔ انھوں نے صبح کا وقت اس لیے مقرر کیا تھا کہ مساکین کو خبر نہ ہو اور فقرا خیرات لینے نہ آسکیں۔ انہوں نے آپس میں قسمیہ پیمان باندھے، مگر ان شاء اللہ نہ کہا، وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ یعنی ان شاء اللہ کہے بغیر قسمیں کھائیں اور نیند کے جھولے میں سپنوں کی لوریاں لینے لگے۔ بڑے خوش اور بڑے شاد تھے کہ ہم اپنے باغ کا میوہ فقیروں میں خیرات نہیں کریں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کی کارروائی سے باخبر نہ ہو سکے گا، مگر وہ نادان تھے، بھول گئے کہ اللہ ان کے سارے منصوبے سے آگاہ ہے۔ ان تمام ارادوں سے باخبر ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری کہ وہ فقیروں اور مساکین کے حقوق کی تلفی کریں۔ اللہ نے ان کے باغ کو ہی اُجاڑ دیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہے: فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ۔ تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری والا پھیری کر گیا اور وہ سوتے تھے، یعنی اللہ کے حکم سے ایک بلا آئی بشکل آگ، جس نے باغ کو تباہ کر دیا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی: فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ، صبح رہ گیا (باغ) پھل ٹوٹا ہوا۔ اب یہ صبح

سویرے اٹھے اور ایک دوسرے کو جگایا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِیْنَ۔ صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا: اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِیْنَ۔ سویرے اپنی کھیتی کو چلو اگر تمھیں کاٹنی ہے، فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ یَتَخَافَتُوْنَ۔ اور چلے تو آپس میں کہتے جاتے تھے (چپکے چپکے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے) اَنْ لَّا یَدْخُلَنَّهَا الْیَوْمَ عَلَیْكُمْ مِّسْكِیْنٌ۔ ہرگز آج کوئی مسکین تمہارے باغ میں نہ آنے پائے: وَّغَدَوْا عَلٰی حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ۔ اور لڑکے چلے اپنے ارادے پر (خود کو) قادر خیال کرتے ہوئے (کہ آج کسی فقیر کو خبر نہ ہونے دیں گے اور تمام کا تمام پھل اپنے قبضے میں کریں گے: فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ۔ پھر جب دیکھا کہ میوہ کا نام و نشان نہیں، بولے، بے شک ہم راستہ بھٹک گئے۔ یعنی جب وہ باغ میں پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کوئی پھل نہیں ہے، باغ اُجڑا پڑا ہے، تو لڑکے حیران ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ شاید ہم غلطی سے کسی اور کے باغ میں آگئے ہیں۔ ہمارا باغ ایسا اُجڑا ہوا تو نہیں تھا۔ ہمارا باغ تو میوہ سے بھرپور تھا۔ ہمارے باغ کی ہر ڈالی میوے سے لدی ہوئی تھی، مگر یہ باغ تو اُجڑا پڑا ہے اور اس میں پھل کا نام و نشان تک نظر نہیں آرہا ہے۔ مگر ذرا اردگرد نظر دوڑائی، باغ کی نشانیاں دیکھیں اور پہچان گئے کہ یہی ہمارا باغ ہے۔ مگر اب اُجڑ چکا ہے، یہ حالت دیکھ کر بولے: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۔ بلکہ ہم محروم نصیب ہوئے (یعنی مسکینوں کو نہ دینے کی نیت سے ہم اس باغ کے منافع سے محروم ہوگئے: قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ۔ ان میں جو سب سے بزرگ (دانشمند) تھا، بولا کیا تم سے نہ کہتا تھا کہ کیوں تسبیح نہیں کرتے (اور اس بُرے ارادے سے باز آکر تائب کیوں نہیں ہوتے اور نعمت خداوندی پر کیوں شاکر نہیں ہوتے) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَلَاوَمُوْنَ۔ اب ایک دوسرے کی ملامت کرتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

انسان اپنی غلطی کا اعتراف اس وقت کرتا ہے جب اس کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ مرحوم شخص کے تینوں صاحبزادوں کو بھی اپنی غلطی کا احساس تبھی ہوا جب کہ ان کو غلطی کا خمیازہ باغ کے پھل سے محروم ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ کہنے لگے: یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا

طٰغِیْنَ۔ ہائے خرابی ہماری، بے شک ہم سرکش تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرانہ ادا نہ کیا اور اپنے اسلاف کے طریق صالح سے منہ موڑ بیٹھے: عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ۔ اور امید ہے کہ ہمارا رب اس سے بہتر بدلے دے۔ ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ انھوں نے صدقِ دل سے توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ ایسے فاسد خیال کو دل میں جگہ نہیں دیں گے اور ہمیشہ اللہ کی جانب راغب رہیں گے اور جب انسان اللہ کی طرف رغبت کرتا ہے، اللہ سے ناطہ جوڑتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس شدت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے کہ برسات کے بھرپور موسم میں آسمان سے کالے سیاہ بادل بارش برساتے ہیں۔ دنیا جہان کی مسرتیں، خوشیاں، کامیابیاں، کامرانیاں اور شادمانیاں اس کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہیں۔ ساری کائنات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اس شخص سے ناطہ جوڑتا ہے جو اللہ سے ناطہ جوڑتا ہے اور جس نے خود اللہ تعالیٰ سے ناطہ جوڑا اس کو خدائی مل جاتی ہے۔ اس ناطے پر "ہفت اقلیم" ہزاروں، لاکھوں بلکہ ان گنت تعداد میں قربانی کی جاسکتی ہیں۔ اس ناطے کے سامنے شانِ قیصر و کسریٰ حقیر ترین شش پایہ حشرات سے بھی حقیر ہو جاتی ہے۔ ایسے شخص پر زمین و آسمان بھی رشک کرتے ہیں اور اس طرح جب انھوں نے اللہ سے رغبت کی تو اللہ نے ان پر اپنی نعمت کا نزول کیا اور باغ ضروان کے بدلے ان کو ایک بہتر باغ عطا کیا جو حیوان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس باغ میں پیداوار کی فراوانی کچھ اس غضب کی ہوتی تھی کہ اس کے انگوروں کا ایک خوشہ اس قدر جسیم ہوا کرتا تھا کہ اس کو لے جانے اور اُٹھانے کے لیے گدھے کی ضرورت ہوتی تھی۔ قرآن مجید کے انتیسویں پارے کی سورۂ قلم کا یہ واقعہ "خزائن العرفان" میں مرقوم ہے۔

□□□

انتیسواں وعظ

تارکِ زکوٰۃ کے لیے وعید

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (سورۂ توبہ)

ان آیاتِ مقدسہ میں تارک الزکوٰۃ کے انجام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے:

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیں جو اس روز واقع ہوگا جب اس کو (سونے چاندی) آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے پیشانیاں اور کروٹیں اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہہ دیا جائے گا) یہ ہے وہ مال جو تم اپنے لیے جوڑ کر رکھتے تھے۔ اب اس جوڑنے کا مزا چکھو۔

برادرانِ گرامی! آج کے اس پرفتن دور میں انسان حرص وہوس کا پتلا بن چکا ہے۔ اس کا مطمع نظر فقط اور فقط اپنے بینک بیلنس میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ ہر جائز و ناجائز طریق سے اپنی دولت میں اضافہ کرنا فرضِ اولین تصور کرتا ہے، مگر یہ انسان اس بات پر سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا کہ اس کائنات آب وگل کے خالق و مالک کو (جو ہمیں مال و دولت سے نوازتا ہے) اس طرح سے مال و دولت کو جمع کر کے رکھنا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا شدید طور پر ناگوار ہے اور اس بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے ناراض ہو جاتا ہے تو پھر ایسے بدبخت

شخص کے لیے دوعالم میں کہیں جائے پناہ نہیں رہتی اور وہ بد بخت شخص ضرور اللہ کے دردناک عذاب کا ٹارگیٹ بنتا ہے اور جو شخص اللہ کے دردناک عذاب کا ٹارگیٹ بن جائے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے ناراض ہو جاتا ہے جو مال و دولت جمع کر کے رکھتا اور اس مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا ہے۔ ایسے شخص کے انجام کے بارے میں ہی قرآن مجید کے دسویں پارے کی سورۂ توبہ میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرتے ہیں، روز محشر ان کی سزا یہ ہوگی کہ ان کے مال و دولت کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور پھر اس سے ان کے اجسام کے مختلف حصوں میں داغدار کیا جائے گا اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ تمہارے ان حصوں کو داغدار کرنے کا سبب یہ ہے کہ تم راہِ خدا میں اپنے مال خرچ نہیں کرتے تھے اور اپنے مال و دولت کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ اب جوڑنے کا مزہ چکھو۔

اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی اللہ کے ہاں یہ سزا ہے کہ مال و دولت گرم کر کے پیشانی کو داغا جائے گا۔ پیشانی کو داغنے کی وجہ یہ ہے کہ جب بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے کا سوال آتا ہے تو مالدار کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ جاتا ہے اور پھر اس کے مال و دولت کو گرم کر کے اس کی کروٹوں کو داغا جائے گا، کیونکہ جب مالدار یہ دیکھتا ہے کہ اس گزرگاہ میں اس سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے کہا جائے گا تو وہ اپنا راستہ ہی تبدیل کر لیتا ہے۔ اس واسطے اس کی کروٹیں داغدار کی جائیں گی۔ تیسرے نمبر پر پشت کو داغا جائے گا، اس لیے کہ جب کوئی مالدار اللہ کے نام پر طلب کرتا ہے تو مال دار اسے جواب دینے کی بجائے منہ موڑ کر چلا جاتا ہے، اس واسطے اس کی پشت کو داغا جائے گا۔

یہ سزا ایک دو دن کے لیے نہیں ہوگی بلکہ مکمل اور کامل پچاس ہزار برس تک اس سزا کو بھگتنا ہوگا۔ سنا ہے کہ قیامت کا ایک دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس لحاظ سے تو ایک طویل ترین سزا بھگتنی پڑے گی اور اس کے بعد پھر دوزخ یا جنت کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا۔

تارک الزکوٰۃ کے بارے میں بیان کی گئی مندرجہ بالا سزا کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے، جو کہ اللہ کا آخری اور سچا کلام ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں، جو ہر قسم

کے شک وشبہات سے بالاتر ہے، جو گمراہوں کے لیے کھلی ہدایت کی نشانیوں کا حامل ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:115 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ کسی زمانے میں ایک شخص تارک الزکوٰۃ ہوا کرتا تھا۔ اس تارک الزکوٰۃ شخص نے ایک مرتبہ اپنے علاقے کے ایک امانت دار کے پاس دوصد دینار بطور امانت جمع کرا دیے، اس کے کچھ عرصے بعد تارک الزکوٰۃ شخص دارِ فنا سے دار القرار کی طرف عازم سفر ہوا اور اس کے بعد اس کا ایک بیٹا اس کی وراثت کا حقدار بنا۔ اس لڑکے نے امانت دار شخص سے اپنے باپ کی امانت طلب کی، امانت دار شخص نے بلا چوں وچرا اس کے والد کے دوصد دینار لڑکے کے حوالے کر دیے۔ لڑکے نے کہا کہ اس کے والد کی امانت کے طور پر رکھوائی ہوئی رقم دوصد دینار سے زیادہ تھی۔ امانت دار نے کہا کہ میرے بھائی تیرے والد نے یہی دوصد دینار میرے پاس امانت کے طور پر رکھوائے تھے جو میں نے تجھے واپس کر دیے ہیں۔ اس سے زیادہ تیرے والد کی کوئی امانت میرے پاس نہیں، ہوسکتا ہے کہ تیرے والد نے کسی اور کے پاس بھی اپنی امانت رکھوائی ہو، لیکن لڑکا بضد رہا کہ اس کے والد نے دوصد روپیہ سے زائد رقم صرف اسی شخص کے پاس امانت کے لیے رکھوائی تھی۔ دونوں میں بحث وتکرار ہوئی، جھگڑا بڑھ گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کا معاملہ قاضی وقت کے پاس پیش کیا گیا۔ قاضی نے طرفین کے بیان قلم بند کیے اور حکم دیا کہ لڑکے کے والد کی قبر کھودی جائے۔ قاضی کے حکم کی تعمیل کی گئی اور حکم کے مطابق اس لڑکے کے والد کی قبر کو کھودی گئی۔ قاضی نے میت کا مشاہدہ کیا تو اسے میت کے بدن پر داغنے کے نشانات ملے۔ جب ان کو شمار کیا گیا تو ان کو تعداد دوسو نکلی۔ یہ صورت حال دیکھ کر قاضی نے فیصلہ سنایا کہ امانت دار کے بیان میں سچائی ہے اور امانت کی رقم دوصد دینار سے زائد نہ تھی۔ اگر امانت کی رقم دو صد دینار سے زائد ہوتی تو میت کے جسم پر داغنے کے نشانات کی تعداد بھی زیادہ ہوتی، کیونکہ یہ شخص اپنا مال جمع کر کے رکھتا تھا اور راہِ خدا میں زکوٰۃ نہ دیتا تھا۔

تارکِ زکوٰۃ کے لیے بڑا اژدہا

تارکِ زکوٰۃ کے بارے میں جسم کے داغے جانے کی سزا کے بارے میں بیان کیا گیا

ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک سزا اور ہوگی۔ یہ کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کا مال گنجے سانپ کی شکل میں مالدار کے گلے کا ہار بنایا جائے گا۔ خالق دو عالم ارشاد فرماتا ہے: سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی جس مال میں لوگ بخل سے کام لیتے ہیں اور اس مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے، روزِ محشر وہ مال ان کے گلے کا ہار بنایا جائے گا۔

بخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:155 کے مطابق مندرجہ بالا آیتِ مقدسہ کی تفسیر حدیث کی شکل میں آنحضور ﷺ نے یوں بیان فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مال وزر سے نوازتا ہے اور اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے سلسلے میں وہ شخص مال وزر کی زکوٰۃ ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا اور اگر مال وزر کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اللہ کے حکم سے اس کا مال ایک گنجے سانپ کی صورت اختیار کرے گا۔ اس گنجے سانپ کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ گنجا سانپ مال دار کے گلے میں ہار کی طرف لپٹ جائے گا اور اس کی دونوں باچھوں کو اپنی گرفت میں لے کر کھینچتا ہوا کہے گا: اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ۔ میں تیرا ہی مال ہوں اور تیرا ہی خزانہ ہوں۔

حضراتِ گرامی! ذرا ملاحظہ فرمائیں وہ لوگ جو کہ مال وزر کی حرص میں گرفتار ہیں اور اپنا مال جمع کر کے رکھتے ہیں۔ نیز اس مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے۔ ایسے لوگ غور سے سن لیں کہ روزِ قیامت ان کا یہ مال زہریلے ناگ کی صورت میں ان کو ڈسے گا اور تو اور قبر میں بھی چین نہیں لینے دے گا۔

حکایت: نزہۃ المجالس، صفحہ:115 پر ایک حکایت درج ہے، ملاحظہ ہو:

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے بلند پایہ صحابی تھے اور لوگ اپنے معاملات کے فیصلے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کے زمانۂ مبارک میں ایک مرتبہ ایک امیر وکبیر شخص اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ رونے دھونے اور نہلانے دھلانے اور کفنانے کے بعد جب میت کو دفنانے کا وقت آیا تو بغرضِ دفن قبر کی کھدائی کی گئی۔ ابھی قبر کی کھدائی مکمل ہوئی تھی کہ ایک خوفناک اژدہا نمودار ہوا۔ مارے خوف کے لوگوں کا پتا پانی ہو گیا اور وہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا: اس میت کو دفنانے کے لیے

کسی اور جگہ قبر کھودی جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق قبر کے لیے دوسری جگہ منتخب کی
گئی، مگر وہاں بھی ایک خوفناک اژدہا پھن پھیلائے کھڑا تھا۔ لوگوں نے پھر حضرت عبداللہ
سے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے تیسرے مقام پر قبر کھودنے کا حکم دیا، لیکن وہاں بھی اژدہا موجود
تھا۔ لہٰذا پھر قبر کی جگہ بدل دی گئی، مگر اژدہا وہاں بھی موجود نکلا۔ غرض کہ سات مرتبہ قبر کے
مقامات تبدیل کیے گئے مگر ہر مقام پر خوفناک اژدہا موجود تھا۔ معاملہ ذرا اُلجھ گیا اور حضرت
عبداللہ نے میت کے وارثوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے سوال کیا کہ مرنے والے کے
اعمال کس قسم کے تھے؟ انھوں نے عرض کیا: یا حضرت! یہ شخص بہت نیک تھا، مگر اس میں ایک
عیب یہ تھا کہ یہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتا تھا۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساری صورت حال سے باخبر ہو گئے اور حکم دیا کہ اس میت کو دفنانے
کے لیے کسی اور مقام پر قبر کھودنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی قبر میں دفنا دو، کیونکہ یہ شخص تارک
الزکوٰۃ تھا اور تارک الزکوٰۃ کی قبر جہاں بھی کھودو گے، سانپ وہیں موجود ہوگا۔

سانپ اور اژدھے کو دیکھ کر اس دنیا میں ہماری سٹی گم ہو جاتی ہے۔ جہاں ہم خود کو
دوسروں سے برتر جانتے ہیں، جہاں ہم ہوش و حواس میں ہوتے ہیں اور وہاں تو ہم مکمل اور
کامل طور پر بے بس ہوں گے، وہاں ہم اپنی شنوائی کے لیے کسی کو نہ پاسکیں گے۔

حکایت: اسی طرح کی حکایت زواجر، جلد اوّل، صفحہ:140 پر بھی مرقوم ہے جس کا مفہوم
درج ذیل ہے:

حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں جو کہ "زواجر" کے
مصنف تھے۔ یہ بزرگ اسی کتاب میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک زمانے میں ابوسنان رحمۃ
اللہ علیہ مشہور اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ تابعین کی ایک جماعت بغرض ملاقات آپ کے پاس
آئی۔ آپ نے فرمایا: ہمارے پڑوس میں ایک مرگ ہوگئی ہے۔ لہٰذا میت کے ورثا سے اظہار
تعزیت کی غرض سے میں ان کے گھر جا رہا ہوں۔ تابعین کی جماعت نے عرض کیا: یا حضرت!
اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے ہمراہ اپنے پڑوسی کے ہاں اظہار تعزیت کے لیے چلیں؟ آپ
نے فرمایا: چلو۔ چنانچہ آپ تابعین کی جماعت کے ہمراہ اپنے پڑوسی کے یہاں اظہار تعزیت

کے لیے چلے گئے۔ جب ہمسایہ کے گھر گئے تو ایک عجیب منظر دیکھا کہ ہمسایہ زار و قطار رو رہا
ہے اور کسی طرح سے چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس
کو تسلی و تشفی دی، مگر ہمسایہ برابر روتا رہا اور اس کے آنسوؤں کی روانی میں کوئی فرق نہ آیا۔
حضرت ابوسنان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے بھائی! موت امرِ ربی ہے۔ اس سے کسی کو فرار
ممکن نہیں، کوئی ذی روح اس سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ ہر ایک کو اپنے بھیانک جبڑوں میں رکھ
لیتی ہے، اس کا کوئی توڑ نہیں۔ لہٰذا میرے بھائی صبر کرو۔ ہمسایہ بولا: حضرت! آپ بالکل بجا
فرما رہے ہیں، لیکن میرے رونے اور آہ و زاری کرنے کا سبب اس ہولناک عذاب کا تصور ہے
جو صبح و شام میرے بھائی پر قیامت ڈھا رہا ہے۔
ہمسایہ اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا: میں غیب داں نہیں ہوں، لیکن اصل صورت
حال یہ ہے کہ جب میرے بھائی کی میت سپرد خاک کر دی گئی اور لحد پر مٹی ڈال کر لوگ واپس
آ گئے، مگر میں برادرانہ محبت سے مجبور ہو کر واپس نہ آ سکا اور وہیں اپنے بھائی کی قبر کے سرہانے
بیٹھ گیا۔ مجھے بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ قبرستان کی خاموش فضا میں میرے بھائی کی قبر
سے انتہائی پرسوز اور ملول آواز پھیل گئی۔ ہائے افسوس! میں پنج گانہ نماز کی ادائیگی پابندی سے
کرتا تھا اور روزے پابندی سے رکھتا تھا، مگر اس کے باوجود عذاب ہو رہا ہے اور افسوس کہ لوگ
مجھے اس تنہائی میں اکیلا اور بے یار و مددگار چھوڑ گئے ہیں۔ یہ آواز سن کر مجھ پر بے خودی کا عالم
طاری ہو گیا۔ بے چینی میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ یہ تجسس میرے روئیں روئیں میں
پھریرے لینے لگا کہ آخر میرے بھائی پر کون سی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس کو عذاب ہو رہا ہے۔
برادرانہ محبت اور جذبے نے میرے آتشِ شوق کو مزید بھڑکایا اور میں نے اپنے بھائی کی قبر سے
مٹی ہٹانا شروع کی، میرے بھائی کی میت کے گلے میں آتش کا ایک طوق موجود تھا، جس کی
حدت سے اس کا پورا سر محصور عذاب تھا۔ اپنے بھائی کی میت کا یہ حشر دیکھ کر میری آنکھوں میں
آنسو آ گئے۔ میرے قالب و نظر میں محبت کا ولولہ انگڑائیاں لینے لگا۔ میں نے اپنے بھائی کی
میت کے گلے سے طوقِ آتش کا حصار ختم کرنے کی غرض سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جب میں نے
ہاتھ آگے بڑھایا تو حدتِ آتش سے میرا ہاتھ جلنے لگا۔ میں تکلیف کی شدت برداشت نہ کرتے

ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے لے آیا۔ اپنے بھائی کی لحد پر مٹی ڈالی ور واپس گھر آ گیا۔ پس مجھے یہ خیال ہی رلائے چلا جا رہا ہے کہ میرے بھائی کی میت کو عذاب ہو رہا ہے۔

تابعین حضرات نے اس شخص سے سوال کیا کہ تمہارے بھائی کی زندگی کیسی تھی، اس کے اعمال کس قسم کے تھے؟ ہمسایہ نے جواب دیا: میرا بھائی نیکوکار تھا۔ ہر روز پنج گانہ نماز باقاعدگی سے ادا کرتا تھا۔ ماہ رمضان کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتا تھا، مگر اس میں ایک عیب یہ تھا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا تھا۔ یہ سن کر تابعین کی جماعت کے حضرات گویا ہوئے کہ تیرے بھائی کو اسی قسم کا عذاب ہونا چاہیے تھا۔ تیرا بھائی اسی عذاب کا مستحق ہے۔

جو لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے بارے میں قرآن مجید نے ایسے ہی عذاب کی تصدیق فرمائی ہے۔ لہٰذا اس عذاب کی مدت قیامت تک ہوگی۔

برادرانِ گرامی! سرمایہ دار یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات ان کے علم میں ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے سے بڑا سخت عذاب ہے، مگر اس کے باوجود سرمایہ دار لوگوں کی اکثریت ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتتی ہے۔ کیوں؟ کیوں؟ اور آخر کیوں؟

آیئے اس کی توجیہ تلاش کریں! آیئے آج اس بات پر غور کریں گے۔ آخر وہ کون سی وجہ ہے، جس کے باعث سرمایہ داروں کی اکثریت ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتتی ہے۔ سرمایہ داروں کی اکثریت کا ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کا ایک باعث ایمانی کمزوری ہے۔ ان کا ایمان اس خیال سے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ اٹھتا ہے کہ اس قدر مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اس قدر روپیہ درکار ہوگا۔ یعنی بینک بیلنس کم ہو جاتا ہے اور اس سے اگلے سال مزید کمی آجائے گی اور رفتہ رفتہ ایک دن ایسا آئے جب کہ بینک بیلنس بالکل ختم ہو جائے گا۔ مفلسی کی تیرگی ہمیں سرتاپا اپنے اندر ڈبو دے گی اور ہمارے بال بچے بھوکوں مریں

گے۔ اس فاسد اور باطل خیال کے دل میں پیدا ہوتے ہی سرمایہ دار ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ فاسد اور باطل خیال بڑا صحت مند اور جاندار نظر آئے گا۔ تو آیئے پھر اس کا حل تلاش کرتے ہیں کہ اس صورتِ حال کو ختم کرنے کے لیے کون سا طریقہ ہونا چاہیے۔ سب سے اچھا طریقہ یہ ہوگا کہ ہم اس خیال کو فاسد اور باطل ثابت کریں، تاکہ سرمایہ داروں کے دل سے یہ بات نکل جائے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے مفلسی کی تیرگی ان پر چھا جائے گی۔ لہٰذا اس خیال کو فاسد اور باطل ثابت کرنے کے لیے ہم قرآن مجید (جو کہ اللہ کا آخری اور سچا کلام ہے) سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے ہم پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگی کہ مفلسی کی تیرگی میں گم ہونے کا اندیشہ عقل انسانی سے ماورا ہے اور یہ شیطان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ قرآن مجید کے تیسرے پارے "تلک الرسل" کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کا ترجمہ ہے کہ شیطان تمہیں محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے فضل اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت کا حامل، علم والا ہے۔

قرآن مجید کے مندرجہ بالا ارشاد سے صاف ظاہر ہوا کہ مفلسی کی تیرگی کا خدشہ دلا کر شیطان یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ دار ادائیگی زکوٰۃ میں تعطل برتے اور اس وجہ سے اللہ کے فضل و کرم سے محروم ہو کر اس کے غضب کا نشانہ بنے۔

قرآن مجید کی روشنی میں کی گئی اس وضاحت کے باوجود کوئی سرمایہ دار مفلسی کی تیرگی کا خیال دل سے نہ نکال سکے تو ہم اس کے علاوہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس شخص کی بدبختی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ سے مال دار کے مال میں پہلے سے اضافہ ہوتا ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی بخشش اور

مغفرت کردیتا ہے۔

آج کے اس Atomic Period میں سائنس نے بے پناہ ترقی کی ہے۔ اگر ایک طرف فلاحِ انسانیت کے لیے نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں تو دوسری طرف انسان کو آزار پہنچانے والے بھی نت نئے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ان میں چور اور ڈاکو بھی شامل ہیں جو انسانوں کی دولت کو لوٹ کرلے جاتے ہیں۔ ہر مال دار شخص اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کا مال چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہے۔ اس غرض سے وہ ماڈرن الارم سسٹم کا استعمال کرتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روزانہ اخبارات چوری کی وارداتوں کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں اور تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود چور سارا اثاثہ صاف کرجاتے ہیں۔

ایسے سرمایہ دار جو اپنے مال کو باحفاظت رکھنا چاہتے ہیں، چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے مال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال کی ادائگی کریں کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال اللہ کی حفاظت میں چلا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا سیف ہے جس کو دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اور ماہر سے ماہر انجینئر بھی نہیں کھول سکتا۔

کشف الغمہ، صفحہ:179 پر ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی مرقوم ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال مضبوط اور محفوظ قلع میں داخل ہوجاتا ہے:

حَسِّنُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ۔

زکوٰۃ سے اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں داخل کرلو اور اپنے مریضوں کی دوا صدقے سے کرو۔

ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائگی مال کو محفوظ کردیتی ہے۔ ادائگی زکوٰۃ میں تعطل برتنا اور مال میں بخیلی سے کام لینے والوں کا انجام قیامت کے دن بڑا ہولناک ہوگا اور آج سرمایہ دار جس مال کو اپنے لیے فائدہ مند تصور کرتے ہیں، کل وہی مال بخیلی کے سبب ان کے گلوں کا طوق بن جائے گا۔

قرآن مجید کے چوتھے پارے ”لن تنالوا“ کی سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ، بَلْ

هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ، سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

اس آیاتِ مقدسہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اور جو لوگ اس چیز میں بخیلی کرتے ہیں، جو اللہ انھیں اپنے فضل سے دیتا ہے، وہ ہرگز اس کو اچھا نہ جانیں، بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔ عن قریب وہ جس میں بخل کیا گیا، روزِ قیامت ان کے گلے کا طوق ہوگا اور اللہ زمین و آسمان کا وارث ہے اور اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مال میں بخیلی کرنے والے سرمایہ دار روزِ محشر ایسی حالت میں ہوں گے کہ ان کے مال ان کے گلوں کا طوق کی طرح ہوں گے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ ادائگی زکوٰۃ میں تعطل کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال دوسرے مال سے ملا رہ جائے گا اور وہ اپنے ساتھ دوسرے مال کو لے ڈوبے گا۔ اس بات پر کسی شاعر نے کہا ہے:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

وَمَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔ (رواہ الشافی، مشکوٰۃ، صفحہ:157)

زکوٰۃ کسی مال میں نہیں ملتی، مگر اسے ہلاک کرڈالتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک کے علمائے گرامی کے نزدیک دو مطالب و معانی ہیں: اوّلاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی سرمایہ دار نے ادائگی زکوٰۃ میں تعطل برتا تو وہ مال جو زکوٰۃ کا بنتا ہے، اس سارے مال میں ملا رہ جائے گا اور اس طرح سے زکوٰۃ کا مال دوسرے مال کو بھی ہلاک کرڈالے گا۔ علمائے گرامی کے نزدیک اس حدیث پاک کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مستحق زکوٰۃ نہیں مگر اس کے باوجود زکوٰۃ وصول کرلیتا ہے اور زکوٰۃ کے مال کو دوسرے مال میں ملا رکھتا ہے تو زکوٰۃ کا مال اس کے دوسرے مال کو ہلاک کرڈالے گا۔ گویا زکوٰۃ کی ادائگی کرکے مستحق زکوٰۃ کو دنیا اشد ضروری ہے۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

مَاتَلَفَ مَالٌ فِیْ بَرٍّ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا بِحَبْسِ الزَّکٰوۃِ۔

خشکی وتری میں کوئی مال ضائع نہیں ہوتا، مگر زکوٰۃ روکنے سے۔

(کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:179)

برادرانِ گرامی! یہ کیفیات، مال وزر یعنی سونا چاندی اور روپیہ پیسہ کے متعلق تھی۔ اب کچھ حال گائے، بکری اور دیگر مویشیوں کی زکوٰۃ میں تعطل برتنے کے انجام کا بیان کیا جاتا ہے۔

مسلم شریف، مشکوٰۃ، صفحہ:155 پر مرقوم ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس بقدر نصاب اونٹ موجود ہوں اور وہ ان اونٹوں پر زکوٰۃ میں تعطل برتے تو روزِ محشر اللہ کی طرف سے ایسے شخص کو ایک ہموار میدان میں چاروں شانے چت لٹا دیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے اونٹوں کی ایک جماعت خوب صحت مند حالت، موٹی تازی ہوکر آئے گی اور اس کو اپنے قدموں میں روندتی ہوئی گزر جائے گی اور اس کی دوسری جماعت بھی یہی عمل دہرائے گی۔ اس کے بعد پھر پہلے والی جماعت ایسا کرے گی۔ گائے اور بکریوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہ دینے والے کو میدان میں لٹا دیا جائے گا اور پھر بکریاں اور گائیں موٹی تازی ہوکر آئیں گی اور اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گی اور قدموں سے روند ڈالیں گی۔ یہ عذاب پچاس برس تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد دیگر اعمال کا حساب ہوگا۔

زکوٰۃ کے بغیر نماز قبول نہیں

سالن کے بغیر روٹی بے مزہ محسوس ہوتی ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے بغیر نماز بھی بے مزہ محسوس ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ حضرت امام شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

بَلَغَنَا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ نَافِلَۃً تُؤَدّٰی فَرِیْضَۃً یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِثْلُکُمْ

کَمَثَلِ الْعَبْدِ السُّوْءِ بَدَاَ بِالْھَدِیَّۃِ قَبْلَ قَضَاءِ الدَّیْنِ۔ (عوارف، صفحہ:237)

ہمیں خبر ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرض کی ادائیگی کے بغیر نفل قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری مثال اس بندے کی سی ہے جو قرض ادا کرنے سے قبل تحفہ پیش کرے۔

یہ بات ان لوگوں کو تنبیہ کرنے کے واسطے ہے جو نفلی صدقات تو دیتے رہتے ہیں، مگر زکوٰۃ جس کی ادائیگی فرض ہے، ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرض کے بغیر تو نفل بھی قبول نہیں فرماتا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

اُمِرْنَا بِاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَمَنْ لَّمْ یُزَکِّ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ۔

ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اس کی نماز بھی قبول نہیں۔

اور جو شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے، مگر نماز نہیں ادا کرتا تو ایسے شخص کی زکوٰۃ بھی نامنظور ہوگی کیونکہ نماز کے بغیر تو کوئی نیکی قبول ہوتی ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین!

□□□

تیسواں وعظ

بیت اللہ شریف کی بنائے اوّل

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اوپر بیان کی گئی آیاتِ مقدسہ خداوند کریم کے آخری کلام قرآن مجید کے چوتھے پارے کی سورۂ آل عمران میں ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

بے شک لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہونے والا سب سے پہلا برکت والا گھر وہ ہے جو مکہ میں ہے، سارے جہاں کا رہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور اس میں داخل ہونے والا امان میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں۔ جو اس کی (راہ) میں استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

سب سے اوّل بیت اللہ کی تعمیر

دنیا میں سب سے پہلا وہ گھر خدا کا

ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا

مملکت السعودیہ العربیہ کے شہر مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی عبادت کا مرکز خانۂ کعبہ ہے۔ خانۂ کعبہ کی رفیع الشان عمارت کی بنیادیں جس زمین پر رکھی گئی ہیں، سب سے قبل اسی زمین کو خداوند کریم نے وجودِ عالم میں تخلیق کیا۔ آج سے لاکھوں صدیوں قبل جب اس عالم آب وگل

کا کوئی وجود نہیں تھا۔

معارج النبوۃ، رکن اوّل، صفحہ: 363 کے مطابق اس عالم آب وگل کی جگہ پر چہار سو لامحدود وسعتوں تک پانی پھیلا ہوا تھا۔ ہر جانب پانی کا راج، پانی کی حکمرانی تھی، نہ زمین تھی نہ زمان تھا اور اس سارے جہاں کے خالق و مالک حقیقی کا عرش بھی اسی پانی پر تھا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ جس پانی پر عرشِ الٰہی تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور دانش سے اس جگہ جھاگ پیدا فرمائی اور پھر اس جھاگ کو اس قدر وسعت دی کہ اس کو چہار جانب مساوی طور پر پھیلا دیا۔ بعد ازاں یہی جھاگ زمین کے قالب میں ڈھل گئی۔ جس جگہ سب سے قبل جھاگ پیدا ہوئی تھی، بالکل اسی جگہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کی گئی۔ اس لیے اس کو سارے عالم کا مرجع کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ ارضِ فانی کے عین وسط میں ہے۔ اگر بیت اللہ شریف کو مرکز مان کر اس ساری ارضی کی چاروں طرف سے پیمائش کی جائے تو وہ بالکل برابر ہوگی۔

بیت اللہ شریف سب سے پہلا گھر

پانی سمیٹ کر اپنا عرش آسمان سے اوپر لے جا کر خداوند عظیم نے ایک نئے نظام کی تشکیل کی، یعنی زمین و آسمان کی تخلیق کی اور ہر دو فریق میں اپنی تسبیح کے واسطے ملائکہ کی آفرینش فرمائی۔ ملائکہ شب و روز محوِ عبادتِ الٰہی رہتے، لیکن آسمانی ملائکہ کے لیے ایک خاص بات یہ تھی کہ آسمانوں میں فرشتوں کے لیے ایک گھر بنایا گیا تاکہ فرشتے اکٹھے ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔ اس گھر کو بیت المعمور کہا جاتا ہے۔ آسمانی ملائکہ بیت المعمور کا طواف کرتے۔ علاوہ ازیں اپنے رب کی بندگی بھی کرتے۔ اس صورت حال کی وجہ سے ارضی ملائکہ کے دل میں بھی شوقِ طواف انگڑائیاں لینے لگا۔ انھوں نے دیکھا کہ ساری ارض میں کوئی بھی گھر نہیں ہے کہ جس کا وہ طواف کر سکتے۔ پس انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے باری تعالیٰ! اپنی عنایت سے زمین میں بھی ایک گھر بنا، جس کا ہم طواف کر سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ بیت المعمور کے عین مقابل زمین پر بھی ایک گھر تیار کیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی غرض سے ملائکہ

نے سفید اور چمکدار موتیوں سے ایک گھر تیار کیا، جس کا نام بیت اللہ یا خانۂ کعبہ ہے۔ اس طرح خانۂ کعبہ کی تخلیق اس وقت وجود میں آئی جب کہ اس زمین پر کہیں بھی کوئی گھر نہیں تھا، بلکہ انسان کا بھی وجود نہیں تھا۔ حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس بیت اللہ کی تعمیر کے دو سو سال بعد اس دنیائے فانی میں وارد کیے گئے۔ (تفسیر صاوی، صفحہ:50-149)

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:215 پر مرقوم ہے کہ اس تعمیر ہونے والے بیت اللہ شریف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ اس قدر چمکدار تھا کہ اس کے باہر کے طواف کرنے والا اندر والے کو بخوبی دیکھتا تھا اور اندر والا باہر والے کو بخوبی دیکھتا تھا

اسی صفحہ پر مرقوم ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین پر مبعوث فرمایا گیا تو اللہ کی جانب سے آپ کو اس امر کا حکم دیا گیا کہ بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر و تکمیل کی جائے۔ چونکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت اکیلے تھے، اس لیے ملائکہ کو بھی حکم ہوا کہ تعمیر خانۂ کعبہ میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معاونت کی جائے۔ چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی معاونت کی اور بڑے بڑے وزنی پتھر جمع کیے۔ پتھروں کی وزنیت اس قدر تھی کہ ایک پتھر کو تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم خدا کی تعمیل میں سر تسلیم خم کیا اور خانۂ کعبہ کی تعمیر و تکمیل فرمائی۔ بعد ازاں طواف و حج کا سلسلہ جاری کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغرضِ زیارتِ کعبہ شریف چالیس مرتبہ ہندوستان سے خانۂ کعبہ تک پیدل چلنے کی تکلیف گوارہ فرمائی اور جب آپ زیارت کے لیے جاتے تو آپ کے دونوں قدموں کے درمیان تین دن اور تین راتوں کی مسافت ہوتی تھی اور جس جگہ پر آپ کا دونوں قدم مبارک پڑتا وہ جگہ گلزار کے قالب میں بدل جاتی تھی۔ مدتوں بعد ان ہی نقش پا پر شہروں اور گاؤں کی تخلیق عمل میں آئی۔ (معارج النبوۃ، رکن اوّل، صفحہ:362)

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں جذبۂ شوق۔ کیا شان ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کہ چالیس مرتبہ ہندوستان سے خانۂ کعبہ تک کا سفر پیدل کیا اور راستے کی صعوبتیں جھیلیں۔ واقعی جذبۂ شوق ہو تو ایسا ہی ہو۔

کشف الغمہ، صفحہ: 215 پر مرقوم ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طواف سے فراغت حاصل کی تو حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کی جانب سے وحی لے کر نازل ہوئے: یَا آدَمُ قَضَيْتَ نُسُكَكَ۔ اے آدم! تو نے حج کو پورا کرلیا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا: نعم یاربی ہاں یارب! قَالَ فَاسْئَلْ حَاجَتَكَ تُعْطَ۔ فرمایا: حاجت کا سوال کرو، پوری کی جائے گی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: حَاجَتِيْ اَنْ تَغْفِرَلِي ذَنْبِيْ وَ ذَنْبَ وَلَدِيْ۔ میری حاجت صرف یہی ہے کہ میری اور میری اُمت کی مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اے آدم! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تیری مغفرت تو ہم پہلے ہی فرما چکے ہیں۔ باقی رہی تیری اولاد، تو اس سلسلے میں فَمَنْ عَرَفَنِيْ وَاٰمَنَ بِيْ وَصَدَّقَ رُسُلِيْ وَ كِتَابِيْ غَفَرْنَا لَهٗ ذَنْبَهٗ۔ جو میری پہچان کرے اور مجھ پر ایمان لائے گا اور رسولوں اور کتب کی تصدیق کرے گا تو ہم اس کے گناہ بخش دیں گے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک روایت درج ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیل خداوند کے سلسلے میں کعبہ کی تعمیر کی۔ تکمیل کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض پیرا ہوئے: یَا رَبِّ اِنَّ لِكُلِّ عَامِلٍ اَجْرًا فَمَا اَجْرِيْ قَالَ اِذَا طُفْتَ بِهٖ غَفَرْتُ لَكَ۔ اے ربّ! ہر مزدور کا اجر ہوتا ہے، میرا اجر کیا ہے؟ رب کریم نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے جس وقت بیت اللہ کا طواف کیا تھا، اسی وقت میں نے تیری مغفرت فرمادی تھی: قَالَ يَارَبِّ زِدْنِيْ۔ کہا: یارب! اضافہ فرما۔ قَالَ اَغْفِرُ لِاَوْلَادِكَ اِذَا طَافُوْا بِهٖ۔ فرمایا: جب تیری اولاد طواف کرے گی تو اسے بخش دوں گا۔ قَالَ يَارَبِّ زِدْنِيْ۔ کہا: اے رب! کچھ اضافہ فرما۔ قَالَ اَغْفِرُ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الطَّائِفُوْنَ قَالَ حَسْبِيْ حَسْبِيْ۔ فرمایا! ہر اس شخص کی مغفرت کردی جائے گی، جس کے حق میں طواف کرنے والے دعا مانگیں گے۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: مولیٰ! کافی ہے، کافی ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت یوں مرقوم ہے کہ اللہ کے پیارے رسول حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ سے عرض کی۔ اے باری تعالیٰ! ہر زیارت کرنے

والے کا زیارت گاہ پر کچھ حق ہوتا ہے۔ جو تیرے گھر کی زیارت کرے گا، اسے کیا ملے گا۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: يَا دَاوُدُ اِنَّ لَهُمْ عَلَيَّ اَنْ اُعَافِيَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَاَغْفِرَ لَهُمْ اِذَا لَقِيْتُهُمْ ۝ اے داؤد! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جو میرے گھر کی زیارت کرے گا، اس کو دنیا میں معافی دوں گا اور بوقت ملاقات اس کے گناہ بخش دوں گا۔

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں کعبہ کی یہ تکمیل مدتوں قائم رہی اور حضرت آدم علیہ السلام مدتوں لوگوں کو اللہ کی جانب راغب کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور آپ کی اولاد کعبہ معظمہ کا طواف کرتی رہی۔ گردشِ لیل ونہار سے ایک وقت ایسا بھی آیا جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اللہ کے وصال کی خاطر اس دنیا سے چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد اللہ نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ نے لوگوں کو توحید الٰہی کا درس دینا شروع کیا۔ لوگوں نے آپ کی باتیں ماننے سے انکار کر دیا، جس پر اللہ نے طوفان کی صورت میں قوم نوح پر عذاب نازل فرمایا۔ خدشہ تھا کہ طوفان سے کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچے گا، اس لیے حکم الٰہی سے ملائکہ نے کعبہ معظمہ کو آسمانوں پر اُٹھالیا۔ طوفانِ نوح آیا اور اپنی تباہیوں کی داستان تاریخ عالم میں مرقوم کر کے گزر گیا۔ طوفانِ نوح کی تباہیوں کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے مقام پر محض ایک سرخ ٹیلا باقی رہ گیا جو بیت اللہ شریف کی نشاندہی کرتا تھا۔ وہ لوگ جو نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے بعد آئے تھے یا وہ لوگ جو طوفانِ نوح سے محفوظ رہے تھے، آتے اور سرخ ٹیلے کا طواف کر کے واپس چلے جاتے۔ چشم فلک ایک طویل عرصے تک اسی منظر سے آشنا ہوتی رہی۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کئی ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گئے، جنھوں نے لوگوں کو اللہ سے روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا اور خود پر عائد کردہ فرائض کی تکمیل کے بعد اپنے اللہ سے وصال حاصل کر گئے۔ پھر چشم فلک نے اللہ کے پیارے رسول حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکت زمانے کا نظارہ کیا، چشم فلک نے اس منظر کا بھی نظارہ کیا ہوگا، جب جھوٹی خدائی کے جھوٹے دعویدار نمرود نے آپ کو آگ کے گڑھے میں پھنکوایا تھا اور آگ گلزار بن گئی۔ اسی واقعے کا ذکر علامہ اقبال نے اپنی کتاب بانگ

درا اور جواب شکوہ میں یوں فرمایا ہے: ؎

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نور وضیا کی شمشیرِ حق بن کر کس طرح نمرود کی جھوٹی خدائی پر گرے اور کس طرح انھوں نے اس کی خدائی کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، یہ ایک الگ داستان ہے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ بیت اللہ شریف کو سابقہ بنیادوں پر تعمیر کیا جائے۔ طوفانِ نوح کی تباہ کاریوں کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی بنیادیں منہدم ہو چکی تھیں۔ اس لیے حضرت جبریل تشریف لائے اور بیت اللہ شریف کی حدود کا تعین کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ نے ایک بادل بھیجا کہ جس جگہ تک بادل سایہ فگن ہوگا، اس جگہ تک بیت اللہ شریف کی حدود ہوگی۔

(معارج النبوۃ، صفحہ:364)

ایک اور روایت جو کہ معارج النبوۃ، صفحہ:364 کے علاوہ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 153 پر بھی مرقوم ہے، یوں ہے کہ رب کریم نے ایک تیز ہوا بھیجی جس سے بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔

بہر کیف! جس طرح سے بھی ہوئی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ شریف کی حدود کا پتہ چل گیا، جس کے بارے میں قرآن مجید کے سترہویں پارے کی سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ۝ اور جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس گھر کا پتہ بتا دیا۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت اللہ شریف کی حدود کا پتہ چل گیا اور آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کی۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:153 پر مرقوم ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر جب مکمل ہو گئی، چند پتھر باقی بچ گئے۔ اللہ نے ایک تیز ہوا بھیجی، جس نے ان پتھروں کو اڑا کر پھینک دیا، جس جگہ چھوٹے پتھر گرے، وہاں مسجد نبوی اور جس جگہ بڑے پتھر گرے وہاں جامع مسجد بن گئی۔

اسی کتاب کے صفحہ:154 پر امام ثوری کا قول درج ہے کہ کعبہ شریف چھ مرتبہ تخلیق ہوا ہے۔ اوّل اس کائنات کے وجود سے قبل اس کی تعمیر ملائکہ کے ہاتھوں ہوئی۔ دوم اس کی تعمیر کا اعزاز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوا۔ تیسری مرتبہ اس کی تعمیر کا شرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملا۔ چوتھی مرتبہ اس کی تعمیر کا کام قریش نے کیا اور پانچویں مرتبہ اس کی تعمیر کا سہرا عبداللہ بن زبیر کے سر ہے اور چھٹی مرتبہ اس کی تعمیر کا کریڈٹ حجاج بن یوسف کو جاتا ہے اور تادم تحریر حجاج بن یوسف کی بنا ہی موجود ہے۔

□□□

اکتیواں وعظ

بیت اللہ کی بنائے ثانی ابراہیمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْھِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۝ (سورۂ بقرہ)

جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھاتا تھا اور اسمٰعیل یہ کہتے ہوئے ہمارے رب ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا ہے، تو ہی علم والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے حضور گردن جھکانے والے بنا اور ہماری اُمت میں سے ایک اُمت تیری فرماں بردار اور ہمیں اپنی عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کر۔ بے شک تو ہی مہربان، بہت توبہ قبول کرنے والا ہے اور اے ہمارے رب! ان پر انہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب صاف فرمائے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

قبل ازیں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ گردشِ لیل ونہار نے چشم فلک کو حضرت آدم سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک مختلف ادوار دکھائے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے تعمیر کعبہ کا حکم دیا اور پھر اللہ نے کعبہ کی بنیادیں ظاہر فرمادیں تاکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان بنیادوں پر کعبہ کی عمارت استوار کرسکیں۔

تفسیر حسینی، جلد اوّل میں مرقوم ہے کہ جب کعبہ کی بنیادیں اور مقام متعین فرمادیا گیا تو

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغرضِ تعمیر کعبہ ساتھ لیا اور کعبہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔ اسی واقعہ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:

اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے ہم کلام ہے۔ اے محبوب اس وقت کو چشمِ تصور سے ملاحظہ کریں جب کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کعبہ معظمہ کی بنیادیں استوار کر رہے تھے۔ کعبہ کی تعمیر میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مزدور کی طرح کام کیا اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک معمار کے فرائض کی ادائیگی کی۔ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پتھر اُٹھا کر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں سے دیواریں تعمیر کرتے تھے۔ جب کعبۃ اللہ کی تعمیر تکمیل کے مراحل سے گزر چکی تو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔

تعمیر کعبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دونوں کا دعا مانگنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر قسم کی عبادت (خواہ وہ عبادت مالی ہو یا اس کی ادائیگی بدن سے کی گئی ہو) اس کے بعد دعا مانگنا سنتِ ابراہیمی ہے: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔

اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے۔ اے رب ہمارے اور ہمیں اپنے حضور گردن رکھنے والے بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرماں بردار، ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور آپ کی دعا کے آخری الفاظ یہ تھے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔

اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں

تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمائے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم کے موجب خانۂ کعبہ کی تعمیر کردی اور اس بات کے خواہاں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اب تو ایک ایسی ہستی کو وجودِ عالم میں تخلیق فرما جو اس گھر کو قیامت تک کے لیے آباد کرنے کا سامان کر دے۔

خداوند مجیب الدعوات کے حضور آپ کی دعا ہدفِ اجابت کا سینہ چاک کر گئی اور پھر اللہ نے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کا ملاپ کر دیا اور تمام رسولوں کے آخر میں اپنے محبوب ﷺ کی بعثت فرمائی، جنھوں نے لوگوں کو اسلام کی پاکیزہ ایجوکیشن سے روشناس کرایا اور قیامت تک کے لیے کعبۃ اللہ کو آباد کرنے کے سامان کر دیے۔ اسی کی گواہی کے لیے آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ ۔ (تفسیر حسینی جلد اوّل)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد جس فرض کی ادائیگی ہوئی تھی، آپ نے اس سے فراغت حاصل کی اور فراغت کے بعد اپنے لگائے ہوئے پودے کی نشوونما کے لیے دعا مانگی۔ اس وقت اللہ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل فرمائی، جس کا ذکر قرآن مجید کے سترہویں پارے کی سورۂ حج میں یوں ہے: وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۔

اور لوگوں میں حج کی عام ندا کرو کہ وہ تیرے پاس حاضر ہوں۔ پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر کہ دور کی راہ سے آتی ہیں۔

اس امرِ الٰہی پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض پیرا ہوئے: اے الٰہی! میری آواز تمام جہان والے کیونکر سماعت کر سکیں گے؟ حکم آیا: اے ابراہیم! ندا کرنا تیرا کام ہے اور تیری ندا کو سارے جہاں میں پہنچانا میرا کام ہے۔ اسی سچویشن پر ایک شاعر نے کہا تھا: ؎

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
خالق دا کم پھل پھل لانا، لاوے یا نہ لاوے

حسب الحکم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوقبیس پہاڑ پر چڑھے اور ندا کی: یَا عِبَادَ اللہ

اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَحُجُّوْا بَیْتَہٗ۝ اے بندگانِ خدا اس کے بلانے والے کو جواب دو، اس کے گھر کا حج کو۔

قدرتِ الٰہی ملاحظہ ہو کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہونٹوں سے نکلی ہوئی صدا سارے عالم میں اس طرح گونجی کہ جو عالم بیداری میں تھا، اس نے بھی سنی اور جو حالت تنویم میں تھا، اس نے بھی سنی اور جو ابھی اس دنیائے فانی میں نہیں آیا تھا اور شکم مادر یا پشتِ فادر میں تھا، اس نے بھی سنی۔ قسمت کے اچھے اور دھنی تھے وہ لوگ جنھوں نے اس آواز پر لبیک کہا۔ جس نے ایک دفعہ لبیک کہا، اس کے مقدر میں ایک مرتبہ حج کرنا لکھ دیا اور جس نے دو مرتبہ کہا، اس کے مقدر میں دو مرتبہ حج کرنا لکھ دیا گیا اور تین دفعہ کہنے والے کی قسمت میں تین بار حج لکھ دیا گیا اور نصیبوں کا ہارا، قسمت کا مارا جو خاموش رہا۔ عمر بھر کے لیے حج کی سعادت سے تہی دست کر دیا گیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:153، معارج النبوۃ و تفسیر حسینی)

کعبہ معظمہ زمانہ جاہلیت میں

اللہ کے اس حکم کے بعد حج کرنا فرض قرار ہو گیا اور اس فرض کی ادائیگی لوگ ایک عرصہ تک کرتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ شیطانیت اپنا رنگ جمانے لگی۔ عرب و عجم جاہلیت کے زنداں میں محصور ہو گئے۔ کفر و عصیاں کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر فلک پر کوندنے لگیں۔ نیکی بدیوں کے حصار میں بری طرح پامال ہو گئی۔ اخلاقی قدریں ناپید ہو گئیں۔ اللہ کی وحدانیت کا تصور مٹ گیا۔ خود تراشیدہ اور خود ساختہ خداؤں کی پرستش ہونے لگی۔ ہر گھر میں بتوں کی پرستش ہوتی۔ مزید برآں اللہ کے گھر میں تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش بڑے زور اور جوش و خروش سے کی جاتی۔ ان کی ریشہ دوانیوں اور کارروائیوں سے کعبۃ اللہ تنگ آ گیا اور سراپا عجز بن کر اللہ سے عرض پیرا ہوا: اے مالک دو جہاں! میری تعمیر اس لیے کی گئی تھی کہ تیری عبادت ہو، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک نہیں تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کی جا رہی ہے۔ یہ بت پرستی کا سلسلہ کب ختم ہوگا، کفر و شرک کا جام کب ٹوٹے گا۔ جاہلیت کا لبادہ کب چاک ہوگا اور شیطان سازندوں کے ساز کب دم توڑیں گے؟ کعبۃ اللہ کی اس آہ و فغاں کے جواب میں اللہ

نے فرمایا: اے بیت اللہ!

اک ذرا صبر کر کہ بیداد کے دن تھوڑے ہیں

اے بیت اللہ! اب بام دو چار ہاتھ رہ گیا ہے۔ عنقریب میں نور محمد ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرماؤں گا۔ جو تجھے بتوں کی نجاست سے پاک کر دے گا اور اس کی اُمت میں سے ایسے افراد پیدا کروں گا جو تیری طرف یوں دوڑ کر آئیں گے جیسے مادہ پرندہ اپنے انڈوں کی طرف دوڑتی ہے۔ (مدارج، جلد دوم، صفحہ:384)

بیت اللہ شریف سے کیا گیا وعدہ وفا کیا گیا۔ رحمت باری کو ترس آ گیا اور اس کائناتِ عالم میں محمد ﷺ کے نور کی بعثت فرمائی گئی۔ تاریکی و جہالت کے روز صبر سے تنویر و ضیا میں بدل گئے۔ اخلاقی اقدار پھر سے زندہ ہو گئیں۔ نسخۂ کیمیا از سر نو بلند ہوا۔ زنا، شراب نوشی، حرام خوری، سود خوری جیسی برائیاں ایک ایک کر کے مٹنے لگیں۔ جاہلیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑنے لگے، قیصر و کسریٰ کے محلات خزاں کی زد میں آئے پتے کی طرح کانپنے لگے، کفر اوندھے منہ سجدے میں گر پڑا۔

اس ساری حالت کو مختصر فقرے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ محمد ﷺ نے آ کر اس ساری کائنات کی کایا پلٹ دی۔

منصب نبوت پر سرفراز ہوتے ہی محمد ﷺ نے قریش کو توحید اور رسالت کا درس دیا۔ بعض قریش نے اس درس پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، مگر قریش کی اکثریت اسلام سے بیگانہ رہی اور جارحانہ رہی۔ وقتاً فوقتاً حضرت محمد ﷺ اور آپ کے احباب کو قریش اذیتیں دیتے رہے۔ مظالم قریش سے تنگ آ کر اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم دیا۔ مدینہ میں اسلام کو روز بروز ترقی ہوئی اور مدینہ میں کئی ایک معرکے "بدر و حنین" کے بعد اسلام کا ایک عظیم الشان لشکر تیار فرمایا گیا اور مکہ پر چڑھائی کی گئی۔ اس قدر عظیم الشان لشکرِ اسلام کو دیکھ کر قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور مکہ معظمہ بآسانی فتح کر لیا گیا۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کو بتوں کی نجاست سے رہائی دلائی۔ آپ کے دست اقدس میں ایک لکڑی کی چھڑی

تھی۔ آپ اسے بت کی طرف اشارہ فرماتے اور زبانِ اقدس سے یہ الفاظ ادا کرتے:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

اشارہ ہوتے ہی بت سرنگوں ہوکر آپ کے پاؤں مبارک میں گر پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ بت اونچی جگہ پر رہ گئے۔ حضرت علی نے عقیدت کے تقاضا کے پیش نظر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے کاندھوں پر سوار ہوجائیے اور بت توڑ ڈالیے۔ حضور ﷺ کے گلِ قدس کی پتیوں جیسے ہونٹوں پر تبسم ابھرا اور آپ نے فرمایا: اے علی! تجھ میں اس قدر تاب ومجال نہیں کہ تو نبوت کا گراں بار اُٹھاسکے۔ ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تو میرے کاندھوں پر سوار ہوجا اور بت اُتار دے۔ چنانچہ ارشاد کی تکمیل کی گئی اور حضرت علی نے آپ ﷺ کے کاندھوں پر سوار ہوکر بت توڑ ڈالے۔ ایک روایت ہے کہ جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ، آنحضور ﷺ کے کاندھوں پر سوار تھے تو ایسے میں آنحضور ﷺ نے پوچھا: اے علی! کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس وقت میری نگاہوں سے تمام حجابات اُٹھ چکے ہیں اور عرشِ خدا کو اپنے سر کے بالکل قریب محسوس کررہا ہوں اور اگر میں اپنا بازو دراز کروں تو عرش اللہ کو چھولوں۔

سبحان اللہ! کیا شانِ مصطفائی ہے کہ عرشِ الٰہی آپ کے سر کے بہت قریب ہے، اس قدر قریب کہ آپ کے کاندھوں پر کھڑے ہوکر عرشِ الٰہی چھوا جاسکتا ہے۔

جب حضرت علی بت شکنی سے فارغ ہوئے تو پاسِ ادب کرتے ہوئے آپ کے کاندھوں سے چھلانگ لگا کر زمین پر اُترے اور زمین پر اُترنے کے بعد حضرت علی کے ہونٹوں پر تبسم کی لکیر نمودار ہوئی۔ آنحضور ﷺ نے اس کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے بلندی سے زمین پر چھلانگ لگائی، مگر مجھے چوٹ نہیں آئی۔ بس اسی بات پر مسکرایا تھا۔ آنحضور ﷺ متبسم ہوئے اور فرمایا: پیارے علی! جس کو محمد ﷺ اٹھائیں اور جبریل امین اُتاردیں، اُس کو بھلا چوٹ کیسے لگ سکتی ہے؟ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ: 350)

حضرت علی کے ہاتھوں بت شکنی کی وجہ

آنحضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے بت نہیں توڑے بلکہ حضرت علی کو اس کام پر مامور کیا، کیوں؟ مفسرین نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو وارننگ دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ تم اور تمہارے بت (معبود) سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

اس سے پتہ چلا، یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ روزِ محشر بت دوزخ میں جلائے جائیں گے۔ اگر آنحضور ﷺ اپنے دستِ اقدس سے بت اُتارتے تو بت دوزخ میں جلنے سے نجات پاجاتے، کیونکہ جس کو آنحضور ﷺ کا ہاتھ یا جسم لگ جائے، اسے دوزخ کی آگ نہیں جلاسکتی۔ پس اس سبب سے آنحضور ﷺ نے بت شکنی کے واسطے حضرت علی شیرِ خدا کو مقرر فرمایا۔

مندرجہ بالا واقعہ سے اس امر سے آگاہی ہوتی ہے کہ خوش نصیب ہے وہ جس کو آپ ﷺ کا دستِ اقدس چھوگیا، کیونکہ پھر اس کو دوزخ کی آگ سے رہائی مل گئی۔

ایک روز آنحضور ﷺ اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت علی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت تنور میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ گرمی کی وجہ سے آپ کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ تنور کی گرمی حضرت فاطمہ کو لگ رہی ہے۔ پدرانہ شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے چند روٹیاں اپنے ہاتھ سے تنور میں لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد خاتونِ جنت نے دیکھا کہ سرکار کے ہاتھ کی لگائی ہوئی روٹیاں کچی ہیں اور ان پر آتشِ تنور اثر انداز نہیں ہورہی ہے۔ حیران ہوئیں اور یہ ماجرا خدمتِ اقدس میں بیان کردیا۔ آپ نے فرمایا، لختِ جگر روٹیوں کا کچا رہنا اور آگ کا اثر نہ کرنا کوئی حیرانی کی بات نہیں، کیونکہ روٹیوں کو میرا دستِ اقدس لگ گیا ہے اور جس شے کو میرا دستِ اقدس لگ جائے، تنور کی گرمی اور آگ تو ایک طرف رہی، اسے تو دوزخ کی آگ بھی نہیں جلاسکتی۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ: 385)

مقام فکر

میرے مسلمان بھائیو! یہاں پر غور اور سوچنے کا مقام ہے کہ اگر حضور ﷺ کے دست اقدس بتوں کو چھو جائے تو وہ بت دوزخ کی آگ سے رہائی پا جاتے اور اگر آٹے کے چھو گئے تو تنور کی آگ اثر نہ کر سکی تو پھر جس صدیق و فاروق اور عثمان کے جسموں سے آپ ﷺ کا جسم اطہر مس ہوتا رہا ہو، ان پر کسی قسم کی آگ کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہے۔ ان واقعات میں نادان لوگوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں: فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔

کلیدِ کعبہ

مکہ معظمہ کی فتح اور کعبہ معظمہ کی پاکیزگی نفاست کے بعد آنحضور ﷺ نے کعبہ شریف کی کنجی برادر عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر طلب کی۔ اس وقت کنجی ان کی والدہ کے پاس تھی، جن کا نام سلاقہ تھا اور وہ سعد کی بیٹی تھی۔ عثمان اپنی والدہ کے پاس گئے اور کنجی طلب کی۔ اس نے کنجی دینے سے انکار کیا۔ عثمان نے کہا: والدہ کنجی دے دو، ورنہ قتل کر دوں گا۔ ماں ڈر گئی اور کنجی دے دی اور عثمان کنجی لے کر سرکار مدینہ کے پاس چلے گئے۔

سبحان اللہ! ایک وقت وہ بھی تھا جب آنحضور ﷺ نے چابی اسی عثمان سے مانگی تو وہ آپ سے سخت کلامی سے پیش آیا اور کہا تھا کہ کنجی نہیں دوں گا۔ سرکار دو عالم نے فرمایا تھا: اے عثمان! دیکھ لینا ایک روز یہی کنجی میرے پاس ہوگی اور پھر میں اپنی مرضی سے جس کو چاہوں دے دوں گا۔

سبحان اللہ! آج وہی عثمان مجبور و بے بس ہے اور کنجی خود ہی سرکار دو عالم کے حوالے کر رہا ہے۔ جب عثمان کنجی واپس لینے لگتا ہے تو اس کو آنحضور ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ عثمان ایک دن یہی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ فوراً اس نے کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

حضور ﷺ ازروئے شفقت کنجی واپس عثمان کو دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: عثمان! کنجی لے لو، اب قیامت تک تمہارے خاندان سے کوئی کنجی نہ لے گا۔ (مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ: ۳۸۶)

□□□

بیسواں وعظ

بیت اللہ شریف کی عظمت و فضیلت

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ آيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۝ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورۂ آل عمران)

ترجمہ: بے شک لوگوں کی عبادت کے لیے سب سے پہلا مقرر ہونے والا گھر وہ برکت والا ہے جو مکہ میں ہے سارے جہاں کا رہنما۔ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ اس میں داخل ہونے والا امان پائے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی راہ میں استطاعت رکھتے ہوں اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قارئین گرامی! اس سے قبل وعظ میں إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ۔ کی قدرے تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اب ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس کے آگے کی بھی ذرا تفصیل ہو جائے، کیونکہ ہمارا عنوان بھی اسی کے متعلق ہے۔ آگے ارشاد ہے:

مبارک، برکت والا کعبہ معظمہ برکت والا، اس کے بابرکت ہونے کے بارے میں تفسیر حسینی، جلد اوّل میں مرقوم ہے کہ اس کی طرف پاک نظر سے دیکھنا اس قدر ثواب و اجر کا حامل ہے، جتنا کہ مکہ کے باہر سال بھر کی عبادت کا ثواب ہوتا ہے، یعنی مکہ کے باہر سال بھر کی عبادت کا ثواب اور مکہ کی جانب ایک نظر دیکھنے کا ثواب برابر ہے۔ جس نے ایک نظر کعبہ پر ڈال لی، گویا اس نے ایک سال کی عبادت کا ثواب حاصل کر لیا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:152 پر حضرت مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے کہ: مَنْ نَظَرَ اِلَی الْکَعْبَۃِ اِیْمَانًا وَّتَصْدِیْقًا خَرَجَ مِنَ الْخَطَایَا کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔

جو کوئی ایمان اور قلبی تصدیق سے کعبہ معظمہ کا دیدار کرے، گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے تولّد ہوا ہو۔

کعبہ معظمہ بڑی برکت کا حامل ہے، اس قدر بابرکت کہ ہر روز اللہ تعالیٰ اس پر ایک سو بیس رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔ ایک سو بیس رحمتوں میں سے چالیس رحمتیں کعبہ کے نمازیوں کے واسطے اور ساٹھ رحمتیں کعبہ شریف کے طواف کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔ جہاں اس قدر رحمتوں کا نزول ہو، اس جگہ کی بابرکتی کے بارے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل نزہۃ المجالس، صفحہ:152 پر مرقوم ہے، اس کے علاوہ کشف الغمہ، صفحہ نمبر ۲۱۴ پر بھی مرقوم ہے۔ اس طرح زواجر، جلد اوّل، صفحہ:165 پر کچھ یوں تحریر ہے کہ جس شخص کو اس بات کی سعادت حاصل ہو کہ وہ مکہ معظمہ میں ایک ماہ رمضان کے روزے رکھے، اس کو ایک لاکھ روزوں کا ثواب ملتا ہے۔

مبارکاً کی اس تفصیل کے بعد آگے کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

آگے ارشاد ہے: وَھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ سارے جہانوں کی رہنمائی کرنے والا۔

جس وقت مسلمان نماز ادا کرتا ہے تو اس وقت قبلہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اس لحاظ سے بھی رہنمائی کرتا ہے: اے اہلِ ایمان! اگر میری طرف منہ کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے۔ میری طرف منہ کرنے سے تم جنت کے حقدار بن جاؤ گے۔ (تفسیر حسینی)

لِلْعٰلَمِیْنَ۔ سارے عالموں کے لیے یہ لفظ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ کعبہ معظمہ صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ تمام مخلوقات کے لیے رہنما ہے۔ اسی سبب سے اشجار بھی اسی کی جانب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اگر صرف انسانوں کے لیے رہنما ہوتا تو پھر لِلْعٰلَمِیْنَ کی بجائے النّاس کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ (تفسیر صاوی زیر آیت بالا)

اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے: فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ۔

یہ بیت اللہ شریف کھلی اور واضح نشانیاں لیے ہوئے ہے۔ اس میں صاف اور کھلی

نشانیاں ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت پر اور اسلام کی حقانیت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت وہ مقام ہے جو ایک پتھر کی صورت میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشانات لیے ہوئے ہے۔ اس مقام ابراہیم میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔ یہ مقام ابراہیم غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ میں ایک پتھر ہوں مگر اس کے باوجود مجھ پر حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کا نشان پڑ گیا۔

1. حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دور کو گزرے ایک طویل عرصہ گزرا، مگر اس کے باوجود نشانات باقی ہیں۔
2. ابراہیم کے زمانے سے لے کر آج تک ان گنت ہاتھ اس سے مس ہوئے، مگر اس کے باوجود یہ نشانات باقی ہیں۔
3. دشمنوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود وہ نشانات پتھر پر ثبت ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک وہ نشان پائے ابراہیم خلیل اللہ اس پتھر پر موجود رہیں گے۔ (خزائن العرفان)

سبحان اللہ! مقام ابراہیم میں چونکہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائے مبارک کے نشان ثبت ہیں، اس لیے ان نشانات کی عزت وتوقیر کے واسطے حکم ہوتا ہے: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی۔ مقام ابراہیم یعنی خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نشانات پر نماز کی ادائیگی کرو۔ اس حکم الٰہی سے یہ امر واشگاف ہوتا ہے کہ جس جگہ پر محبوبانِ خدا اپنے قدم رکھ دیں، وہ جگہ بندگان خدا کے لیے سجدہ گاہ کا درجہ حاصل کرتی ہے۔

وَمَنْ دَخَلَہٗ اٰمِنًا، جو اس میں داخل ہوا امن پاوے۔ کوئی شخص بڑے سے بڑا جرم کر کے حرم کعبہ میں داخل ہو جائے تو اس شخص سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ جب ہمارے پیارے رسول ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو اعلان کیا کہ جو شخص کعبہ معظمہ میں داخل ہو جائے یعنی اس میں پناہ لے تو اسے کچھ نہ کہا جائے۔ اس طرح انسانوں کے علاوہ یہ رعایت جانوروں کے لیے بھی ہے کہ جو ہرن، خرگوش وغیرہ حرم میں داخل ہو جائے، اس کا شکار ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جو ہرن یا خرگوش خارج از حرم ہو اور شیر یا بھیڑیا اس کا پیچھا کر رہے ہوں اور وہ

شکار بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو شیر اور بھیڑیا بھی اس کا پیچھا چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ اب وہ امن کے مقام میں آ گیا ہے۔ یہاں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو دم مارنے کی تاب ومجال نہیں۔

اس طرح جو سعادت مند مسلمان کعبہ معظمہ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دے تو وہ عذابِ قبر اور عذابِ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

فِيهِ آيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فرمایا گیا بیت اللہ میں بہت سی نشانیاں ہیں، مگر ان نشانیوں میں سے صرف دو نشانیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

1- کعبہ شریف کا احترام وادب کرتے ہوئے پرندے کعبہ شریف پر نہیں بیٹھتے۔
2- پرندے کعبہ شریف کے اوپر پرواز نہیں کرتے بلکہ جو پرندہ اُڑتا ہوا کعبہ شریف کے بالمقابل آئے تو اپنی راہ بدل لیتا ہے۔
3- ہوائے کعبہ معظمہ بیماروں کے لیے شفا کی تاثیر رکھتی ہے، کیونکہ جب کوئی پرندہ بیمار ہو جاتا ہے تو علاج کے لیے ہوائے کعبہ سے گزرتا ہے اور شفا حاصل کرتا ہے۔
4- سارے عالم کے مسلمانوں کے دل کعبہ کی طرف کشش ہوتے ہیں۔
5- کعبہ شریف کی جانب دیکھنے سے آنکھوں سے اشکوں کی روانی جاری ہو جاتی ہے۔
6- ہر جمعہ کی شب کو اولیاء اللہ کی ارواح کعبہ معظمہ کے گرد حاضری دیتی ہیں۔
7- جو شخص کعبہ کی بے حرمتی کا قصد کرے گا، تباہی وبربادی اس کا مقدر بن جائے گی۔

(تفسیر حسینی جلالین)

آبِ زمزم کی برکت

کعبہ معظمہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہاں آبِ زمزم ہے، جس کا ذائقہ مختلف اوقات میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اس کے ذائقے میں کبھی عمدگی ہوتی ہے اور کبھی مٹھاس، کبھی یہ دودھ کی طرح ہوتا ہے اور کبھی اس میں شہد کا ذائقہ ہوتا ہے۔

حکایت: نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 152 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک شخص زمزم کے پانی سے اپنی تشنگی مٹا رہا تھا۔ اس سے مانگ کر میں نے پیا۔ اس کا ذائقہ شہد کی مٹھاس لیے ہوئے تھا۔ جب دوسرے دن پانی پیا تو ایسے لگا کہ دودھ پی رہا ہوں، تیسرے دن پیا تو اس پانی کا ذائقہ عمدہ پانی کی طرح تھا۔

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے آبِ زمزم نوش جاں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو قیامت کی پیاس کے لیے پیتا ہوں۔ (کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 229)

زمزم کا پانی بھوکوں کی بھوک اور بیماروں کی شفا ہے۔ ایک مرتبہ پیارے رسول ﷺ نے آبِ زمزم کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ طَعَامُ طُعْمٍ وَّشِفَاءُ سُقْمٍ۔
بے شک زمزم کا پانی بھوکے کے لیے کھانا اور بیمار کے لیے شفائے کامل ہے۔
(صحیح مسلم، نزہۃ المجالس، صفحہ: 152)

تحفۂ زمزم

کشف الغمہ، صفحہ: 229 پر درج ہے کہ حضرت صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج سے واپسی کے وقت زمزم کا پانی اپنے ساتھ لے جایا کرتی تھی اور فرمایا کرتیں کہ آنحضور ﷺ بھی اس کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

اس لیے مستحسن اور احسن طریقہ یہ ہے کہ حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد آبِ زمزم اپنے ہمراہ لے آئے اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کو بطور گفٹ دے۔ اس طرح ہر شخص آپ کا ممنون ہوگا۔ قارئین گرامی! اس کے ساتھ ہی وعظ ختم کرنے کی اجازت دیں۔

□□□

تینتیسواں وعظ

فرضیتِ حج

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ؕ (سورۂ آلِ عمران)

ترجمہ: اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر فرض ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں جو صاحب استطاعت ہو اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے کوئی ایک رکن بھی ایسا نہیں جو انسانی فلاح وبہبود سے خالی ہو۔ اوّل نماز، اس کے کئی فائدے ہیں۔ مثلاً وقت کی پابندی، صحت کا خیال، بندے اور خالق کے درمیان رابطہ اور گناہوں سے آزادی، بے حیائی اور بُرے کاموں سے گریز، مساوات، اخوت، پاکیزگی، عجز وانکساری کا پیدا ہونا، یہ سب نماز کے فوائد میں شامل ہیں۔ دوسرے روزہ، اس کے بھی کئی فائدے ہیں۔ مثلاً فاسد مادّوں سے بچاؤ، ہمدردی کا جذبہ، قوتِ برداشت، نفسانی خواہشوں پر کنٹرول اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں اجرِ عظیم سے نوازا جانا، یہ سب روزہ کے فوائد میں شامل ہیں۔

تیسرے نمبر پر زکوٰۃ ہے۔ یہ ایک مالی عبادت ہے۔ اس سے انسان کی دولت اور خود انسان پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ دولت کی تقسیم سے معاشرے میں ہم آہنگی اور توازن پیدا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے بعد اسلام کا آخری فریضۂ عبادت حج ہے۔ حج سے مراد حج کے دنوں میں مجوزہ مقامات پر مناسک حج ادا کرنا ہے، جس طرح نماز عاقل، بالغ اور جوان پر فرض اور جس طرح زکوٰۃ صرف حقدار لوگوں کو ہی دینا فرض ہے، اس طرح حج بھی مجوزہ مقام پر ادا کرنا فرض ہے۔ یعنی حج کا فریضہ بھی مجوزہ مقام پر ادا کیا جاسکتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں، یہ نہیں ہوسکتا

کہ ہم بمبئی سے دہلی تک سفر کریں اور وہاں کی جامع مسجد میں حج ادا کر آئیں، نہیں ایسا نہیں۔ حج کی ادائیگی کے لیے ایک مقام مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ ہے۔ خانۂ کعبہ کے علاوہ حج کی ادائیگی دیگر کسی جگہ نہیں ہوسکتی۔ خانۂ کعبہ منبع عرفان وخزائن ہے، اس لیے حج کی ادائیگی کے واسطے اس کو تجویز فرمایا گیا، تاکہ لوگ اس کی زیارت کا شرف حاصل کرکے دینی و دنیاوی فائدوں سے مالا مال ہوں۔ اللہ کریم نے فرمایا:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ

اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک طریقہ مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے گھر کا حج کیا جائے۔

مندرجہ بالا آیت مقدسہ کے الفاظ اور مفہوم پر اگر ذرا سا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں دو باتوں کی وضاحت ہے: پہلی بات جو اس آیت مقدسہ کے مفہوم سے واضح ہے، وہ یہ کہ لوگوں پر حج فرض کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حج اللہ کے گھر کا فرض کیا گیا ہے نہ کہ کسی اور جگہ کا۔ پس ثبوت کی تکمیل ہوئی کہ صرف اور صرف اللہ کے گھر یعنی خانۂ کعبہ میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

حج کس پر فرض ہے

اس بات میں کلام نہیں رہا کہ حج فرض ہے، لیکن اس بات کی وضاحت ابھی باقی ہے کہ کس پر حج فرض ہے؟ بچے، بوڑھے، جوان، عاقل، بالغ، مرد اور خاتون، امیر ہو کہ غریب، کیا سب پر حج کی ادائیگی فرض ہے؟ نہیں۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا. خالقِ رنگ وبو نے وضاحت فرمائی کہ حج سب پر فرض نہیں ہے بلکہ صرف ان عاقل اور بالغ افراد پر فرض ہے جو استطاعت رکھتے ہوں اور جو صاحبِ مال وزر ہوں۔

حج کے لیے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ جس کو پیدل طے کرنا ایک امرِ مشکل وناممکن سی بات ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حج کے لیے سواری کی ضرورت ہے۔ اگر سواری اپنی نہیں تو پھر سواری کا کرایہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ کھانے پینے کا سامان ہو، یا اس قدر روپیہ ہو کہ

سامان خرید سکے۔ پیٹ ہر حال میں پالنا ہے اور یہ نہیں کہ بھیک مانگ کر پیٹ بھرا جائے۔ کیونکہ بھیک مانگنا اسلام میں منع ہے۔ گویا حج کی ادائیگی کے لیے زادِ راہ اور روپیہ کا ہونا از حد ضروری ہے۔ ادائیگی حج کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لیے اس قدر روپیہ چھوڑنا چاہیے کہ واپس آنے تک اس کے اہل وعیال اپنے کنبے کی کفالت کر سکیں۔ ادائیگی حج کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ محفوظ ہو۔ حج کے لیے عاقل، بالغ اور مکمل و کامل طور پر فزیکل اور مینٹل طور پر درست ہو۔

اسلام نے ہر عبادت میں مسلمانوں کے لیے قدم قدم پر بڑی سہولتیں رکھی ہیں۔ اگر کوئی شخص صاحبِ مال و زر ہو، لیکن اس کا دماغی توازن درست نہ ہو تو اسے حج سے رخصت ہے اور اس طرح مجنوں، نابالغ اور مفلس پر حج فرض نہیں۔ نیز سخت بیمار شخص کو بھی حج سے رخصت ہے۔ اگر راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں کا ڈر ہو، یا راستے میں گہری گہری کھائیاں ہوں یا کسی بھی وجہ سے راستہ محفوظ نہ ہو تو ایسی حالت میں بھی حج سے رخصت ہے۔ ان سب صورتوں کے علاوہ اگر حکومتِ وقت حج کی اجازت نہ دے، تو بھی حج سے رخصت ہے۔

افضلیتِ حج

ہر صاحبِ استطاعت مسلمان شخص پر اللہ کی خوشنودی کے لیے حج فرض ہے۔ حج کرنے سے سابقہ تمام گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ مشکوٰۃ، صفحہ: 221 پر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی درج ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ (متفق علیہ)

جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور فحش گوئی اور گناہ نہیں کیا، جب لوٹے گا تو اس دن کی طرح ہوگا جس میں اس کی ماں نے اس کو جنم دیا۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں اس بات کی خوش خبری ہے کہ ادائیگی حج اور حج کے دنوں میں گناہوں سے اگر باز آ جائے تو خداوند کریم اس کے سابقہ گناہ اس طرح معاف کر دیتا ہے، جیسے اس نے ابھی کوئی گناہ نہ کیا ہو اور ابھی ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

زواجر، جلد اوّل، صفحہ: 166 پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد درج ہے کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں کہ حج سے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

اَمَا عَلِمْتَ يَا عُمَرُ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ۔

اے عمر! کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے گناہوں کو گرا دیتا ہے اور ہجرت سے قبل کے گناہ مٹا دیتی ہے اور بے شک حج سابقہ گناہوں کو گرا دیتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث اقدس تین باتوں کی وضاحت فرماتی ہے: یہ کہ اگر کوئی غیر مذہب اسلام قبول کرے تو اس کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوئم یہ کہ راہِ خدا میں ہجرت کرنے سے پہلے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج کرنے سے بھی پہلی تمام عمر کے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں جو لفظ بیان کیے گئے ہیں، یہ ہے کہ ہجرت اور حج دونوں سے گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے اور حج کرنے والا اللہ کی راہ میں عارضی طور پر اپنا بار اور اہل وعیال چھوڑ کر دور دراز کا سفر کرتا ہے اور پھر حج کرتا ہے۔ گویا حج بھی کرتا ہے اور ہجرت بھی اور اہلِ اسلام بھی ہوتا ہے۔ اسلام ہجرت اور حج تینوں گناہ سابقہ کو ختم کر دیتے ہیں۔ اگر بیک وقت تینوں کام انجام دیے جائیں تو پھر یقینی بات ہے کہ گناہوں سے مغفرت ضرور ہو جائے گی۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ: 214 پر بھی حج کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث اقدس یوں درج ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ يَغْسِلُ الذُّنُوْبَ كَمَا يَغْسِلُ الْمَاۤءُ الدَّرَنَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج گناہوں کو یوں دھو ڈالتا ہے جیسے پانی میل کو۔

حاجی کی مغفرت کے بارے میں مشکوٰۃ، صفحہ: 223 کی یہ حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ

فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ ۝ (رواہ احمد)

ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو حاجی سے ملے تو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے قبل تیرے لیے استغفار کرے، کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ، صفحہ:221 کی یہ حدیث مبارک جس کو ابوہریرہ نے روایت کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ ۝ (متفق علیہ)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان گناہ کو مٹا دیتا ہے اور حج مقبول کی جزا صرف جنت ہے۔

بیان کی گئی مندرجہ بالا احادیث مقدسہ اس بات کی غماز ہیں کہ حج کرنے سے انسان گناہوں سے اس طرح پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور جس شخص کا حج قبول ہو جائے، اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

برادرانِ اسلام! انسان کا دامن طرح طرح کے گناہوں کی گندگی سے آلودہ ہوتا ہے، مگر جب انسان حج کرتا ہے تو اس کے تمام گناہ بندروں اور سوٗروں کی شکل میں اس کے دامن سے جدا ہو جاتے ہیں۔ (نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ:151)

حکایت: ایک مرتبہ فصلِ حج میں حج کی ادائیگی سے فراغت کے بعد ایک بزرگ واپس حج سے تشریف لا رہے تھے۔ میدانِ عرفات سے میدانِ مزدلفہ پہنچے تو اچانک ان کو خیال آیا کہ وہ اپنے روپیوں کی ایک تھیلی عرفات میں بھول آئے ہیں۔ روپے بڑی ضروری شے ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر چارہ ممکن نہیں۔ وہ بزرگ روپیوں کی تھیلی حاصل کرنے کی غرض سے دوبارہ میدانِ عرفات کی جانب عازمِ سفر ہوا۔ جس وقت وہ وہاں پہنچے تو بحرِ حیرت میں غوطہ زن ہو گئے، کیونکہ میدانِ عرفات میں بندروں اور سوٗروں کی اس تعدادِ کثیر کو دیکھ کر وہ بزرگ خوف زدہ ہو گئے۔ ان کی یہ حالت بندروں اور سوٗروں نے محسوس کی۔ ان کا خوف

دور کرنے کے لیے ایک بندر اُن سے گویا ہوا: اے بزرگ! گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہم حجاج کے دامنِ گناہ کی آلودگی ہیں، جس کو وہ یہاں چھوڑ گئے ہیں اور خود پاکیزہ و صاف ہو کر اپنی منزلوں کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ اس بزرگ نے اپنی روپیوں کی تھیلی کو تلاش کیا اور اسے اُٹھا کر عالمِ حیرانی میں سوئے منزل واپس ہوئے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:151)

حکایت: ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ ایک برگزیدہ بندے تھے۔ خداوند عظیم کی خاص عنایت کا محور تھے۔ انھوں نے اللہ کے فضل سے پچاس سے زائد حج ادا کیے۔ اپنے آخری حج میں جب انھوں نے دیگر ہزارہا پرستارانِ توحید کے ساتھ میدانِ عرفات میں حاضری دی تو اپنے دستِ اقدس اوپر اٹھائے اور دعا کی: اے احکم الحاکمین! پرستارانِ توحید کی اس محفل میں اگر کوئی ایسا بے کس توحید موجود ہے، جس کا حج تیری بارگاہ میں قبولیت کے شرف سے محروم رہ گیا ہو تو ایسے شخص کو میں اپنا حج بخشتا ہوں۔ میدانِ عرفات کے مقام کے بعد جب مزدلفہ میں آئے اور شب خوابی کے لیے محوِ خواب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنی نورانی تجلیات سے ان کو سرفراز فرمایا اور کہا: اے ابن الموفق! میں نے میدانِ عرفات کے تمام ساکنین کی مغفرت فرما دی، یہی نہیں بلکہ جس کے لیے وہ مغفرت کی سفارش کریں گے، میں اس کی بھی مغفرت فرما کر اسے پروانۂ جنت اور جہنم سے آزادی دے دوں گا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:152)

اس حکایت کے بعد حج کی فضیلت کے بارے میں اس کے اگلے صفحہ پر ایک اور حکایت درج ہے:

کعبہ معظمہ سارے جہانوں کے لیے باعث برکت و رحمت ہے۔ ایک مرتبہ کعبہ معظمہ کے دل میں سرکارِ مدینہ تاجدارِ دوجہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر و اقدس کی زیارت کی آتشِ شوق بھڑکی۔ وصالِ محبوب کی تمنا دل میں جاگی، قدم بوسی محبوب کے لیے بے قراریوں نے تڑپایا اور کعبہ معظمہ بصد عجز و انکساری اللہ کے حضور گڑگڑایا اور عرض پیرا ہوا کہ رب العالمین! تو مجھے روضۂ محبوب کی زیارت کرنے کی اجازت عنایت فرما۔ تاکہ میرے دل کی بے قراریوں کو چین آ جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں کعبہ معظمہ کی گڑگڑاہٹ قبول ہوئی۔

اور کعبہ معظمہ کو روضۂ محبوب کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ اس کی آسودگیِ جاں کے سامان ہو گئے اور وہ کشاں کشاں روضۂ محبوب ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ زیارت سے سرفراز ہوا اور محبوبِ کائنات کی خدمت میں عرض پیرا ہوا: یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! میری یہ گزارش ہے کہ تین قسم کے اشخاص کے بارے میں اہتمام نہ کریں، کیونکہ ان کی سفارش کرنے کی جسارت میں کروں گا: اولاً ایسے اشخاص جو میرا حج کرلیں۔ دوئم وہ اشخاص جو حج کی نیت کر کے گھر سے نکلے ہوں، مگر موت، بیماری یا کسی بھی معقول وجہ کی بنا پر مجھ تک پہنچنے سے محروم رہ گئے ہوں۔ تیسرے وہ اشخاص جن کے سینوں میں میری زیارت کا شوق موجزن ہو، مگر وہ کسی معقول وجہ کی بنا پر میرے دیدار کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

برادرانِ گرامی! کیا خیال ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کے حضور کعبہ معظمہ کی عرضی قبول نہیں ہوئی ہوگی؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو بخدا آپ غلطی پر ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ اپنی اُمت پر شفقت نہ فرمائیں؟ اور شفقت وہ خود فرمائیں یا کعبہ معظمہ کو اس امر کی اجازت عنایت فرمائیں۔ یہ ان کی مرضی ہے، ان کی رضا ہے۔

حج نہ کرنا سخت گناہ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج فرض قرار دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ اور جو انکار کرے تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ باتیں تو اس نے امت مسلمہ کے فائدے کے لیے مقرر کی ہیں اور اگر کوئی ان سے انکار کرے تو خود اپنے پاؤں پر ہی کلہاڑی مارے گا۔ ربّ العالمین کا کیا جائے گا اور پھر جو شخص حج کی فرضیت سے انکار کرتا ہے گویا وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسا شخص جو فرضیت حج سے تو انکار نہیں کرتا، مگر باوجود صاحبِ استطاعت ہونے کے حج ادا نہیں کرتا تو وہ شخص فاسق ہے اور اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں اور اس پر اللہ سخت ناراض ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے پیارے رسول آنحضور ﷺ نے ایسے فرد کے لیے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 222 پر درج ایک حدیث سے بھی مندرجہ بالا بات کی عکاسی کرتی ہے کہ جو شخص صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود حج نہیں کرتا، اس کا انجام برا ہوتا ہے، ملاحظہ ہو:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔ (رواہ ترمذی)

حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا جو زاد اور سواری کا مالک ہو، جو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور وہ حج نہ کرے تو اس کے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر ایک حدیث الدارمی سے بھی مروی ہے:

عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو ظاہر حاجت یا ظالم بادشاہ خطرناک مرض حج سے نہ روکے، وہ مر جائے اور حج نہ کیا ہو۔ بس چاہے کہ یہودی ہو کر مرے چاہے کہ نصرانی ہو کر۔

یہودی اور نصرانی دو ایسی اُمتیں ہیں جو شخص ان میں سے ہو کر مرے گا اس کی نجات مشکل ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

فاروقِ اعظم کا حکم

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنی سلطنت کے ہر ایک شہر میں ایک ایک آفیسر کی تقرری کروں، جو صرف اس بات کو چیک کرے کہ کون شخص صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود حج ادا نہیں کرتا اور پھر ایسے لوگوں کو جزیہ مقرر کر دوں کیونکہ ایسے لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (یہ قول موضوع کے

حکم میں ہے) (زواجر، صفحہ:161، کشف الغمہ، صفحہ:217)

اب بھی انبیائے کرام حج کرتے ہیں

خاکم بدہن، خدانخواستہ اگر اس دنیا میں صرف اور صرف جہالت وگمراہی چھا جائے اور ساری دنیا میں سے کوئی بھی حج نہ کرے تو ساری دنیا اپنا ہی فائدہ کھو بیٹھے گی، کیونکہ اس سے اللہ کو کوئی حرج نہیں پہنچتا۔ علاوہ ازیں کعبہ معظمہ کی رونق میں کوئی فرق نہیں آنے پائے گا۔ اس لیے کہ کعبہ معظمہ صرف اس دنیا کے انسانوں کی عبادت کا مرکز نہیں بلکہ ملائکہ اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اب بھی اس گھر کا طواف کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ:508 کے حوالے کے ساتھ مسلم شریف میں درج ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم آنحضور ﷺ کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل کر رہے تھے۔ جب ہم مدینہ اور مکہ کے درمیان ارزق نامی وادی میں پہنچے تو حضور ﷺ گویا ہوئے: اس وقت میری نظریں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دید کر رہی ہیں جو کہ اس وادی سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ سفر جاری رہا اور ہم ایک گھاٹی میں جا پہنچے۔ آنحضور ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون سی گھاٹی ہے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ گھاٹی جو موسوم بہ ہرشس ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ کر رہا ہوں۔ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت اللہ کی جانب گامزن ہیں۔

کشف الغمہ، جلد اوّل، صفحہ:216 پر مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اس (سال) مسجد خیف میں ستر 70 انبیائے کرام نے نماز ادا کی ہے۔ ان 70 نبیوں میں سے ایک موسیٰ کلیم اللہ ہیں جو دو کمبل میں ملبوس ہیں اور انھوں نے حج کا مخصوص لباس احرام یعنی دو سفید چادروں پر مشتمل لباس پہن رکھا ہے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر مرقوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے رسول ﷺ کا گزر وادیٔ عنان سے ہوا۔ آپ نے فرمایا: اس وادی سے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنیوں پر

سوار ہو کر حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔

فائدہ: مندرجہ بالا چند سطور میں تین روایتیں بیان کی گئی ہیں، ان سے تین باتوں کی وضاحت ہوتی ہے اور تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو عرصۂ دراز ہوا اس دنیا سے روپوش ہو چکے ہیں، اب بھی حج کی ادائیگی کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کو بعض نادان لوگ مردہ تصور کرتے ہیں، دراصل وہ مردے نہیں بلکہ باحیات ہیں اور عبادت اللہ میں محو رہتے ہیں۔ تیسرے مسئلے کا تعلق ہمارے پیارے رسول ﷺ کے متعلق ہے کہ اللہ نے ان کو ایسی چشم بینا عنایت فرمائی جو ایسی چیزوں کا مشاہدہ کر لیتی ہے، جس کے مشاہدے سے دوسرے عاجز ہیں۔

حج بدل کرنا

باوجود استطاعت کے حج کی ادائیگی نہ کرنے والا سخت گنہگار ہے اور سخت عذاب کا مستحق ہے اور اس پر اللہ اور اس کے رسول اس قدر ناراض ہیں کہ ان کو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی بھی پرواہ نہیں۔

برادرانِ اسلام! مقام غور وفکر ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی ایسا شخص تو نہیں کہ جو صاحب استطاعت ہو اور اس کو کوئی مجبوری نہ ہو اور اس کے باوجود اس نے حج نہ کیا ہو۔ یا والدین اور قریبی رشتے داروں میں سے کوئی ایسا تو نہیں جس نے محض غفلت کی وجہ سے حج نہ کیا ہو، اور اب اس پوزیشن میں نہیں کہ حج کر سکے۔ مثلاً اس قدر لاغر اور بوڑھا ہو کہ سواری بھی نہ کر سکے یا پھر اس دنیا سے ہی رخصت ہو گیا ہو، کیونکہ اس نے استطاعت کا حامل نہ ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی نہیں کی، اس لیے اللہ اور اس کا رسول اس سے ناراض ہیں۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نہیں جس کی بنا پر اس مغضوب شخص کی نجات ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ بے پناہ غفور رحیم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی نجات کے لیے بڑی سہولتیں رکھی ہیں۔ اس طرح تارکِ حج کی نجات بھی ہو سکتی ہے اور اس طریقے سے کہ اس کا کوئی رشتے دار،

قرابت دار یا اس کی اولاد میں سے کوئی اس کی جانب سے حج کرے تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا اور اس کی نجات کے سامان ہو جائیں گے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 221 پر درج ایک حدیث سے بھی مندرجہ بالا بات کی تصدیق ہوتی ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِى الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِىْ شَيْخاً كَبِيْراً لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذَالِكَ فِىْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک خاتون نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بوڑھے والد پر حج فرض ہو چکا ہے جو سواری پر ٹھہر نہیں سکتے۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا۔

دوسرے کی طرف سے نفلی حج کرنے میں دونوں کو ثواب ملتا ہے

ایک تیر دو شکار ایک پنتھ دو کاج
نفلی حج کرنے میں رہتی ہے دونوں کی لاج

ایک حج تو صرف اپنے لیے کیا جاتا ہے۔ ایک حج وہ ہے جو دوسرے کی طرف سے ادا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں حج کا ثواب ایک ہی فرد کو ملتا ہے، مگر ایک حج ہے جس کی ادائیگی سے دونوں فریق ثواب حاصل کرتے ہیں، یعنی اگر کوئی شخص نفلی حج ادا کرے اور اس کا ثواب اپنے والدین یا کسی قرابت دار کو بخش دے تو اس کا ثواب اس کو بھی ملتا ہے۔ وہی والی مثال ایک تیر دو شکار، یعنی حج کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور جس کے لیے ادا کیا جائے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

ابو حفص کبیر میں بہارِ شریعت حصہ ششم کے حوالے سے درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ نبویہ میں گزارش کی: یارسول اللہ! ہم مُردوں کی جانب سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا بھی کرتے ہیں، کیا ان کو پہنچتا ہے؟ جواب ملا: ہاں! ان کو پہنچتا ہے اور وہ اس پر خوشی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے تمہارے پاس طبق میں کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو تم خوشی کا اظہار کرتے ہو۔

ساری عمر میں حج ایک بار فرض ہے

نمازیں دن میں پانچ مرتبہ فرض ہیں۔ روزے سال میں ایک مرتبہ فرض ہیں اور زکوٰۃ بھی سال میں ایک مرتبہ فرض ہے، چونکہ حج میں زیادہ اخراجات ہوتے ہیں اور سفر و ہجر کا مسئلہ بھی ہوتا ہے، اس لیے حج ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض قرار دیا گیا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 221 پر ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِىْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَتَسْتَطِيْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔ (رواہ احمد و النسائی والدارمی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ کی جانب سے تم پر حج فرض ہے۔ پس حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہر سال؟ (آپ نے سکوت فرمایا: یہاں تک کہ انھوں نے تین مرتبہ سوال اپنا دہرایا) فرمایا: اگر میں "ہاں" کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔ اگر واجب ہو جاتا تو تم اس پر عمل نہ کر پاتے اور نہ اس کی طاقت رکھتے اور حج عمر میں ایک بار فرض ہے، جو زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

سبحان اللہ! ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر خیال ہے اپنی امت کا کہ حج ساری عمر میں ایک بار فرض فرمایا، زیادہ بار نہیں کہ ہم مسلمان اس کی طاقت نہ ہونے کے سبب عذاب مول نہ لے لیں۔ ہمارے آقا و مولیٰ کی شان ملاحظہ کہ باذن اللہ مالک احکام ہیں، جس پر ہاں کہہ دیں وہ فرض قرار پاتا ہے اور جس پر سکوت فرمائیں وہ فرض نہیں ہوتا، الحمد للہ!

چونتیسواں وعظ

حج میں عشقِ الٰہی کی ایک جھلک

برادرانِ اسلام! باہمی محبت اس کائنات کا لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر شاید ہی کاروبار حیات ڈراپ ہو جائے۔ کاروبارِ حیات کے تمام شعبوں میں محبت کا بڑا عمل دخل ہے۔ بہن بھائیوں میں اگر محبت نہ ہو تو گھر میں نت نئے جھگڑے ہوتے رہیں اور بیرونی دنیا میں اگر باہمی محبت نہ ہو تو کاروبارِ حیات کا چلنا مشکل ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے، ہر شخص اپنے اپنے درد کو تڑپتا سسکتا دم توڑ دے۔ گویا یہ ساری کائنات کا کاروبار حیات باہمی محبت کے زیر اثر ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک فرد کی کسی خاص ادا یا خاص خوبی سے امپریس ہو کر اس کی محبت دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبت بڑھتے بڑھتے عشق و مستی میں بدل جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص مجنوں یعنی دیوانہ ہو گیا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر ہم غور کریں، حاجی کے لباس اور وضع قطع کو ملاحظہ کریں اور اس کے افعال و اعمال کو مدنظر رکھیں تو ہم پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حاجی اپنے خالق و مالک کے عشق و محبت میں گرفتار ہے اور اپنے خالق و مالک سے اس کی محبت، جنون اور کیف و مستی میں بدل چکی ہے۔ عشق و مستی کے مظہر اعمال اللہ کو بے پناہ پسند ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں عشق و محبت کی جھلک ہوتی ہے۔ اگر ہم حاجی اور مجنوں کے افعال کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان دونوں کے افعال آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔ آیئے ہم حاجی اور جنون کے افعال کا مطالعہ کرتے ہیں:

1- وصالِ محبوب اور قربِ محبوب کی خاطر مجنوں اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے اپنے وطن اور اپنے چاہنے والوں، اپنے جاننے والوں، اپنی بیوی، اپنے بچوں، اپنے رشتے داروں اور اپنے کاروبار سے دست بردار ہو کر اسے دور دراز کے علاقے میں جانا پڑے، تو بھی وہ دریغ نہیں کرتا۔ راستے کی رکاوٹیں اس کے شوقِ وصال میں

ڈگمگاہٹ پیدا نہیں کرسکتیں۔ اسی طرح حاجی کا حال ہے۔ وہ اپنے خالق اور مالک کی تجلیات کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے اپنے وطن، اپنے کنبے، اپنے کاروبار سب کو چھوڑ کر دور دراز کی مسافت پر واقع وادی، صحرا اور ریگستان میں نکل جاتا ہے۔ مجنوں کی طرح اسے بھی کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی اور شوقِ وصال میں وہ صحراؤں اور ریگستانوں کو بھی بلکہ دریاؤں اور سمندروں کو بھی پار کر ڈالتا ہے۔

2- مجنوں پر خیالِ یار اس طرح طاری ہوتا ہے کہ وہ خود فراموشی کے عالم میں آجاتا ہے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ اس کے بدن پر لباس ہے یا نہیں۔ اسی طرح حاجی کا حال ہے۔ جب وہ احرام باندھ لیتا ہے تو پھر اپنے محبوب حقیقی کے خیال میں ایسا مست اور بے خود ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے لباس کا قطعاً کوئی خیال نہیں آتا۔

3- محبوب کی فرقت مجنوں کے لیے ایک جاں گسل سانحہ ہوتی ہے۔ اس کی جدائی میں وہ بے قرار ہو جاتا ہے اور ہر وقت اونچی اور بلند آواز سے اپنے محبوب کا نام رٹتا ہے۔ اس کو کسی پل چین اور کسی کروٹ آرام نہیں ہوتا۔ پس وہ ہر وقت اپنے محبوب سے ملنے کے لیے محبوب کو آوازیں دیتا رہتا ہے۔ بالکل یہی حال کا حاجی ہے۔ عشقِ محبوب میں وہ ایسا بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے کہ وصالِ محبوب کی تمنا میں ہر وقت بلند آواز سے اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی آوازیں کستا ہے۔ اس کو اپنے آرام کے بارے میں کوئی فکر ہی نہیں رہتی۔

4- مجنوں محبوب کے تصور میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرا فرد زیر لگتا ہے اور وہ بے خبری کے عالم میں ہر ایک کو پتھر مارتا ہے اور کنکریوں کا نشانہ بناتا ہے۔ وہ اس بات سے بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ اس کے اس طرح سنگ زنی سے کوئی مجروح ہو جاتا ہے یا کہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح حاجی بھی عشقِ الٰہی میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ کئی کئی روز تک جمروں پر کئی کئی کنکریاں مارتا ہے۔ اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں رہتی کہ لوگ اس کے فعل پر استہزا کریں گے اور کہیں گے کہ بھلا پتھروں کو کنکریاں مارنے سے کیا حاصل؟

5- مجنوں کا سب سے بڑا انتہائے نظر اور سب سے اولین آرزوئے قلب یہی ہوتی ہے کہ محبوب سے وصال ہو جائے اور وصالِ محبوب کی آتش جب سینے میں بھڑکتی ہے تو پھر وہ

مجنوں کو کبھی بازاروں میں بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اور کبھی اس سے صحراؤں اور جنگلوں کی خاک چھنواتی ہے۔ مجنوں کی اس ادا کو حاجی بھی استعمال کرتا ہے۔ وہ بیت اللہ شریف کے ارد گرد دوڑتا ہے اور کبھی جبلِ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔

6. تصورِ محبوب میں مجنوں بے خود ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے بننے سنورنے اور اپنے جسم کی آرائش و زیبائش اور لباس کی زیب و زینت کی قطعاً پروا نہیں۔ وہ تو بس اپنے محبوب کے تصور میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کے سر کے بال بڑھتے بڑھتے جوؤں کا مسکن بن جائیں، اس کو فکر نہیں ہوتی۔ ناخن کس قدر بڑھ جائیں اسے کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ اسی طرح حاجی اپنے خالق و مالک کی محبت اور چاہت میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنی زیب و زینت کا خیال ہی نہیں آتا۔ مجنوں کی طرح اسے بھی اپنے سر کے بالوں کو بڑھنے کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی، خواہ ان میں جوئیں ہی کیوں نہ پڑ جائیں۔ اس کا بدن سراپا خاک بن جائے، میل کی تہیں اس کے جسم سے چمٹ جائیں، لیکن اس کی کیف و مستی میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ مستی اور بے خودی کے عالم میں اپنے خالق کی یاد میں محو رہتا ہے۔

نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 156 پر مرقوم ہے کہ حاجی کے کردار و افعال مندرجہ بالا جائزے کے مطابق مجنوں کے افعال و کردار سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔ مجنوں شخص مرفوع القلم ہو جاتا ہے اور وہ کسی قسم کا جواز پیش کرنے سے قاصر ہوتا ہے، اسی لیے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہے۔ اسی طرح حاجی بھی عشقِ الٰہی میں مجنوں بن کر مرفوع القلم ہو جاتا ہے۔ ان شاء اللہ اس سے بھی قیامت کے دن کسی طرح کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

حاجی کے افعال محبوبانِ الٰہی کی نقل ہیں

لاکھوں بار ہدیہ تشکر اللہ کے حضور کہ جس نے ہمارے لیے حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کو مبعوث فرمایا اور کروڑوں بار سلام حضرت محمد ﷺ پر جو ہمارے لیے سراپا رحمت و بخشش بن کر تشریف لائے کہ جو شخص ان کی پیروی کرے، اس پر جنت لازم ہو جاتی ہے۔ ان کی پیروی تو دور کی بات، اگر ان کے غلاموں کے غلاموں کی پیروی کر لی جائے تو یہ بات

ہی نجات محشر کے لیے کافی ہے۔

چند وعظ قبل "نماز کی فضیلت" میں ایک واعظ صاحب کی بیان کردہ حکایت بیان کی جا چکی ہے کہ ایک مرتبہ چند چوروں نے ایک مکان میں چوری کی غرض سے نقب لگائی۔ شومئ قسمت اہلِ مکان کی آنکھ کھل گئی اور اس کے شور مچانے سے اہلِ محلہ بھی بیدار ہو گئے۔ چوروں نے جب بھانڈا پھوٹتا دیکھا، گنگا کو الٹی بہتے دیکھا تو سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ دل میں قسمت کو کوسنے دیتے رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ جس قسمت سے وہ گلہ کر رہے ہیں وہ قسمت ان پر بڑی مہربان ہے۔ وہ قسمت آج ان کو ہمدوشِ بامِ ثریا کرنے والی ہے۔ بھاگتے چور ایک مسجد میں داخل ہو گئے۔ تلاش کرتے کرتے اہلِ محلہ بھی مسجد میں چلے آئے۔ چوروں کے رنگ اُڑ گئے۔ خوف کے عالم میں کچھ اور تو سجھائی نہ دیا۔ فوراً نمازیوں کی شکل میں نماز پڑھنے لگے۔ اہلِ محلہ نے جب یہ دیکھا کہ مسجد میں چند آدمی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حیران ہوئے کہ ہم تو چوروں کی تلاش میں آئے تھے اور یہاں پر تو لوگ اللہ کی عبادت میں محو ہیں۔ ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے اور چوروں کی جان میں جان آئی اور ایک دوسرے سے یوں گویا ہوئے کہ اگر آج ہم نمازیوں کی شکل اختیار نہ کرتے تو یقیناً دھر لیے جاتے۔ نمازیوں کی شکل اختیار کرنے پر ہم کو یہ صلہ دیا گیا ہے کہ ہمیں ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی اور اگر ہم واقعی حقیقی طور پر نمازی بن جائیں تو دنیا اور آخرت کی بڑی بڑی مصیبتوں سے نجات حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ انھوں نے قلب و نظر کی پاکیزگی سے توبۃ النصوح کی اور نیک و پرہیزگار و متقی بن گئے۔

برادرانِ ملت اسلامیہ! چوروں نے تو نمازیوں کی شکل اختیار کی اور گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے، تو کیا حاجی جو کہ حج میں محبوبانِ الٰہی کے افعال کی پیروی کرتا ہے تو وہ کیوں کر نہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں گے۔ حاجی جب صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتا ہے تو وہ حضرت ہاجرہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی پیروی کرتا ہے، کیونکہ وہ ایک زمانے میں پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ مقام منیٰ میں جب حاجی رمی کرتا ہے (جمروں کو کنکریاں مارنے کا عمل رمی کہلاتا ہے) تو وہ حضرت خلیل علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی اتباع کرتا ہے، کیونکہ اپنے لختِ جگر کو اللہ کے حکم سے قربان گاہ کی طرف لے جاتے ہوئے انھوں نے اسی مقام پر شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔ پھر حاجی مقام منیٰ میں اللہ کی راہ میں قربانی کرتا ہے تو حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ادا کرتا ہے، کیونکہ جب حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام امتحان میں کامیاب رہے تو خداوند کے حکم سے وہاں ایک دُنبہ اتارا گیا تھا جس کی قربانی پیش کی گئی۔ حاجی محبوبانِ الٰہی کے افعال کی پیروی کرتا ہے اور فریضۂ حج کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور حاجی محبوبانِ الٰہی کے افعال کی نقل کرنے سے گناہوں سے اس طرح پاکیزگی اور طہارت حاصل کر لیتا ہے، جیسے ابھی شکمِ مادر سے اس کی آفرینش ہوئی ہو۔

حج میں درسِ یگانگت

دنیا کے تمام ازم فی زمانہ علمبردارِ مساواتِ انسانی کے دعویدار ہیں۔ چین اور دیگر مغربی و یورپی ممالک خاتون کو مرد کے شانہ بشانہ اور بالمقابل لا کر فحاشی اور بے حیائی اور عریانی پھیلا کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ انسانی مساوات کے علمبردار بن گئے ہیں، لیکن بخدا سب غلطی پر ہیں۔ اگر انھیں مساواتِ نسلِ انسانی کی مثال دیکھنی ہو تو اسلام میں آئیں۔ اسلام جو کہ قدم قدم پر، ہر مقام پر اور ہر عبادت میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مساواتِ نسلِ انسانی کا عروج موقعۂ حج پر ہوتا ہے۔

کوئی عربی ہو یا عجمی، امیر ہو یا غریب، کسی رنگ، کسی فرقے اور کسی بھی خاندان کا کیوں نہ ہو، ہر شخص امتیازِ رنگ کو، نسل کو بھلا کر اللہ کے حضور ایک ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر شخص صرف دو چادروں پر مشتمل احرام (لباسِ حج) زیبِ تن کرتا ہے، تو صرف اپنے محل میں، اپنے پیلس میں۔ یہاں خداوند کے حضور وہ بھی لٹھ یا پاپلین کی دو سفید چادریں پہنے گا۔ یہاں پر کوئی امتیاز نہیں، کوئی تمیز نہیں، کوئی تفاخر نہیں، سب ایک ہیں۔ شاعرِ ملی علامہ اقبال بانگِ درا میں لکھتے ہیں:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

محمود غزنوی ایک جلیل القدر بادشاہ گزرا ہے اور ایاز اس کا وفادار نمک خوار تھا۔ دونوں میں ایک بادشاہ اور دوسرا غلام تھا۔ دونوں کے مقامات میں بھی فرق تھا۔ ایک تخت نشین تھا اور دوسرا فرش نشین تھا۔ ایک مخمل پوش تھا اور دوسرا گدڑی پوش۔ یہ فرق، یہ تفریق، یہ تمیز اور مرتبہ ومقام کا یہ امتیاز محدود تھا۔ مگر جب وہ اللہ کے حضور آ گئے تو پھر محمود محمود نہ رہا، ایاز ایاز نہ رہا۔ مرتبہ ومقام دنیا کے تمام امتیازات مٹ گئے اور محمود وایاز ایک ہو کر اللہ کے ہو کر، اللہ کے حضور سرنگوں ہو گئے۔

حج میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ رنگ وقوم اور نسلی تفاخر اور مرتبہ ومقام کے تمام مصنوعی اور عارضی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ بادشاہ اور غلام، حاکم اور محکوم کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور سب پر اس امر کا اطلاق ہو جاتا ہے کہ اللہ کی عبادت کے وقت کوئی حاکم نہیں رہتا، کوئی غلام نہیں رہتا، کوئی امیر امیر نہیں رہتا، کوئی گدا گدا نہیں رہتا، گدا بھی امیر ہوتا ہے اور امیر بھی گدا ہوتا ہے۔ سب ایک جیسے مرتبہ ومقام کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی حالت ایسے ہوتی ہے جیسے وہ سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہوں۔ ایسی کڑیاں جن کا سائز، رنگ اور ڈیزائن ایک جیسا ہو اور جو سب ایک رنگ کے، ایک نقطے سے وابستہ ہوں۔ حج میں جہاں ایک گدا کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ صفا ومروہ کے درمیان پیدل دوڑ کر سعی کرے۔ وہاں اس حکم کا اطلاق ہفت اقلیم کے بادشاہ پر بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ سوار ہو کر سعی کرے۔

حج میں حجرِ اسود کو چومنا اور اس کو بوسہ دینا ایک احسن عمل ہے۔ اس قدر احسن کہ ایسا کرنے سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حجرِ اسود کو چومنا اور بوسہ دینا یہاں ایک امیر کے لیے اور ایک بادشاہ کے لیے باعث سعادت ہے۔ وہاں ایک غلام کے لیے بھی باعثِ سعادت ہے اور اگر پہلے غلام حجرِ اسود کو بوسہ دینے جا رہا ہے تو بادشاہ بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ اس کو روک کر پہلے خود حجرِ اسود کو بوسہ دے۔

حج میں مساواتِ نسلِ انسانی کے اس مظاہرے کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس مساواتِ نسلِ انسانی کا علمبردار اسلام ہے، دنیا کا کوئی مذہب نہیں ہے، کسی ازم میں اور کسی مذہب میں اسلام جیسی انسان کی مساوات کی تمثیل نہیں ملتی۔

حکایت: خدائے بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایامِ حج میں میں طوافِ کعبہ میں محو تھا۔ میرے قریب ہی ایک نوجوان اون کا کمبل اوڑھے طوافِ کعبہ میں مصروف ایک شخص کو اپنی نگاہوں کا ہدف بنائے اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور ساتھ ہی زبان سے مندرجہ ذیل الفاظ ادا کر رہا تھا: اِلٰهِيْ هٰذِهٖ خُطْوَةُ مَنِ افْتَخَرَ بِغَيْرِكَ فَكَيْفَ تَكُوْنُ خُطْوَةُ مَنْ لَيْسَ لَهٗ مَحْبُوْبٌ سِوَاكَ۔

الٰہی! یہ قدم اس شخص کا ہے جو تیرے غیر کے ساتھ فخر کرتا ہے، تو اس شخص کے قدم کا کیا حال ہوگا، جس کا تیرے سوا کوئی محبوب نہیں۔

(یہ شخص تیرے علاوہ کسی اور کی رفاقت پر اس قدر نازاں ہے کہ قدم بھی ناز سے اُٹھا رہا ہے اور یا اللہ! جب کوئی شخص تن من دھن سے تجھ کو اپنا محبوب بنالے تو پھر اس کی چال کیسا ہوگی)

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا اور اس کے اشارہ کرنے کی وجہ کے بارے میں دریافت کیا۔ نوجوان نے جواب دیا: اے چچا جان! ذرا اس شخص کی جانب توجہ فرمایئے۔ یہ شخص ایک حاکم کی غلامی میں ہے۔ حاکم کا غلام ہونے پر اس شخص کو اس قدر ناز ہے کہ اس کے قدموں کی چال ہی بدل گئی ہے۔ حضرت ذوالنون نے ذرا دو چار قدم بڑھائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص جو کہ ایک حاکم کا غلام ہے، طوافِ کعبہ میں مصروف ہے اور اس نے اپنی چادر زمین پر لٹکا رکھی ہے۔ اس کے قدم اُٹھانے کے انداز میں غرور و تکبر اور فخر و مباہات کا عنصر جھلک رہا ہے۔ ذوالنون مصری آگے بڑھے اور اس شخص سے گویا ہوئے: اے شخص! تو تو صرف ایک حاکم کا غلام ہے اور تیرا حاکم حاکمیت کے نشے میں چور ہو کر تیرے آگے چل کر طواف کر رہا ہے اور تیرے پیچھے احکم الحاکمین کا غلام چلا آرہا ہے۔ مقام ادب ہے۔ لہٰذا تو پیچھے ہو جا اور اس کو آگے جانے دے۔

حضرت ذوالنون مصری کے ان سادے سے الفاظ میں جانے کیا سحر اور طلسم تھا کہ اس شخص کی کایا پلٹ گئی۔ الفاظ کی تابندگی سے اس کی بصارت خیرہ ہوگئی۔ عقل پر چھائے ہوئے پردے اٹھ گئے۔ غرور و تکبر کے رتیلے محل زمین بوس ہوگئے۔ فخر و مباہات کی عمارت

پیوندِ زمین ہوگئی۔ آپ کے الفاظ میں جانے کیا تاثیر تھی کہ اس نوجوان کی دنیا پلٹ گئی۔ طوافِ کعبہ سے فارغ ہوا اور اپنے مالک کے پاس جاکر اپنی قیمت ادا کی اور خود کو خرید لیا۔ دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ عجز و انکساری کا لاوا سینے میں موجزن ہوچکا تھا۔ سینے میں دہکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی خاطر اس نے اپنا سارا مال و اسباب راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اپنی زندگی کی ساری کمائی اسے یوں لٹاتے ہوئے قطعاً افسوس و ملال نہ ہوا۔ زندگی بھر کا سرمایہ لٹا کر اسے کچھ سکون ملا، بے قرار کو قرار آیا اور اس نے اپنے پاس صرف کمبل رکھا، جس کو اوڑھ کر ساری دنیائے فانی سے ناطہ توڑ کر بیت اللہ شریف میں اپنے اللہ سے لو لگا کر بیٹھ گیا۔

وقت کا پہیہ گھوما اور سورج دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہوگیا اور جب دوبارہ دنیا والوں کو اپنی روشنی بخشنے آیا تو دنیا کی زندگی کا ایک دن کم ہوچکا تھا اور ایک دوسرا دن ختم ہو رہا تھا۔ اس دوسرے دن میں راہِ خدا میں اپنا سب کچھ لٹانے والے جوان کی حضرت ذوالنون مصری سے ملاقات ہوئی، عرض کرنے لگا: حضرت! کیا اللہ میری حاضری کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا شرف بخش دے گا؟ آپ نے فرمایا! اے بندۂ خدا! اللہ تو بڑا غفور و رحیم ہے۔ اس کے رحم و کرم کی کوئی حد نہیں، کوئی حساب نہیں، دم بدم، کو بہ کو، لحظہ بہ لحظہ اس کے کرم کی بارشیں ہوتی ہیں۔ صرف گلوں پر ہی نہیں بلکہ کانٹوں پر بھی، گلستان پر ہی نہیں، خارزاروں پر بھی، صرف اپنوں پر ہی نہیں اغیار پر بھی بلکہ اغیار کو وہ خود اپنی محفل میں بلاتا ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔ جب اس کے جود و کرم کا یہ عالم ہے کہ غیروں کو بھی قبول کر لیتا ہے تو پھر اپنوں کو وہ کیونکر نہ قبولیت سے نوازے گا۔

اس جوان کو ساری دنیائے فانی سے ناطہ توڑ کر بیت اللہ شریف میں اللہ سے لو لگائے ساتواں دن تھا۔ حضرت ذوالنون مصری کو اطلاع ملی کہ وہ جوان سوئے عالم بالا عازم سفر ہوگیا ہے۔ اس کی روح اس کے جسدِ خاکی سے بے وفائی کر گئی ہے۔ سینہ چاکانِ چمن کا سینہ چاکانِ چمن سے ملاپ ہوگیا ہے۔ آپ دوڑتے ہوئے اس جوان کی میت پر گئے۔ دیکھا اس کے جسم پر صرف ایک ہی کپڑا ہے، وہی کپڑا جو اس نے اپنا سب کچھ لٹا کر بچا لیا تھا اور جس کو اوڑھ کر وہ بیت اللہ شریف میں آیا تھا۔ وہی کپڑا اب بھی اس کے گرد لپٹا ہوا ہے اور اس

ے چہرے پر اس قدر تابندگی تھی کہ چودھویں کا چاند بھی دیکھے تو شرما جائے۔ اس کے چہرے پر ایک تقدس تھا، مسکراہٹ تھی اور نور اللہ کی بارشیں چھما چھم، چھما چھم برس رہی تھیں۔ تقدس، مسکراہٹ اور خدا کے نور کی آماجگاہ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ جگمگ جگمگ کرتے ہوئے جگمگا رہا تھا۔ اس کی میت کو غسل دیا گیا۔ غسل دے کر کفنایا گیا۔ دفنانے سے قبل نماز جنازہ ہوئی۔ اس شان سے کہ چشم فلک بھی حیران رہ گئی۔ مکہ معظمہ کے سارے لوگوں نے اس کے جنازے میں شرکت کی اور پھر اسے دفنانے کے بعد ملال زدہ افسردہ واپس لوٹ آئے۔ اسی رات کو ذوالنون مصری محو خواب تھے۔ خواب میں آپ نے اس جوان کو دیکھا اور اس سے گویا ہوئے: رب تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو اس نے مندرجہ بالا آیت تلاوت کی۔

(عبارت القلوب حاشیہ نزہۃ المجالس، جلد اوّل، صفحہ: 154)

برادرانِ اسلام! مندرجہ بالا حکایت سے قبل یہ واضح ہو چکا ہے کہ لوگ ہر قسم کے امتیاز ختم کر دیتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ سب کا طرزِ تمدن اور لباس الگ ہوتا ہے، لیکن جب حج کے لیے آتے ہیں تو سب کے اجسام پر دو چادریں اَن سلی ہوتی ہیں۔

اس طرح ہر ملک کے مسلمان اپنے پروردگار کو اپنی زبان میں پکارتے ہیں۔ عربی، عربی زبان میں۔ جو چینی ہیں وہ چین کی زبان میں اور جو ایران کے رہنے والے ہیں وہ اپنی زبان میں۔ ہمارے ملک کے لوگ مختلف زبانیں استعمال کرتے ہیں۔ پنجابی لوگ پنجابی زبان میں۔ سندھی لوگ سندھی زبان ہیں، اردو داں اردو زبان میں اور بلوچ، بلوچی زبان میں، لیکن حج کے موقع پر لسانی فرق بھی مٹ جاتا ہے اور سب لوگ اپنے پروردگار کو صرف عربی زبان میں پکارتے ہیں: اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ لَبَّیْکَ۔

حاجی کو ویلکم کرنا

مکہ کی پر کیف فضاؤں اور مدینہ کی روح پرور ہواؤں میں ایک حاجی کافی عرصہ قیام کرتا ہے۔ اس کا لمحہ لمحہ پر کیف اور ہر گھڑی کیف و مستی سے لبریز ہوتی ہے۔ اس کے جسم میں، اس

کی سانسوں میں مدینہ اور مکہ کی کیف و مستی سے لبریز پون رچ بس گئی ہوتی ہے۔ اس کے ہاتھ بڑے تقدس والے بن جاتے ہیں، جن سے وہ روضۂ رسول کی جالی کو تھامتا ہے اور حجر اسود کو اُٹھاتا ہے۔ اس کی آنکھیں ہمارے لیے باعث تعظیم ہو جاتی ہیں کہ ان سے وہ کعبۃ اللہ اور روضۂ رسول کا نظارہ کرتا ہے۔ مکے کی پر کیف فضائیں دیکھتا ہے۔ مدینے کی خوشبودار ہوائیں پاتا ہے۔ وہ ہمارے لیے عظیم بن جاتا ہے کہ مدینہ اور مکہ کی ہواؤں میں نیل گگن سے اس پر رحمت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ وہ گناہوں کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے، اس لیے اس کو ہم سے زیادہ مرتبہ اور مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ جب حاجی اپنے اپنے گھروں کو تشریف لائیں تو ان کا شاندار استقبال کریں، ان کو سلام کریں، ان سے ہاتھ ملانے کی سعادت حاصل کریں، کیونکہ ان کے ہاتھ مقدس ہوتے ہیں اور ہو سکے تو ان سے اپنے حق میں خیر و برکت کی دعا کروائیں، کیونکہ حاجی گناہوں سے پاک اور صاف ہوتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرمالے، کیونکہ معصوم اور پاک لوگوں کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 223 پر مرقوم ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَصَافِحْہُ وَمُرْہُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَہٗ فَاِنَّہٗ مَغْفُوْرٌ لَّہٗ۔

جب تم حاجی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرو۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس سے کہو کہ گھر میں داخل ہونے سے قبل تیرے لیے دعائے مغفرت کرے، کیونکہ اس کی مغفرت ہو چکی ہے۔

خدمتِ حجاج میں گزارش

مکہ شریف میں بیت اللہ شریف واقع ہے، جہاں لوگ حج کرتے ہیں اور مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کا روضۂ اقدس ہے۔ ان ہی دو خصوصیات کی بنا پر یہ دونوں شہر دیگر تمام شہروں سے بلند و عظیم ہیں اور یقینی طور پر وہ شخص بھی دیگر اشخاص سے ممتاز ہو جاتا ہے جو ان دو شہروں کی زیارت کا شرف حاصل کر لیتا ہے۔ خصوصاً حاجی لوگ جو کہ ان دنوں میں

وہاں جاتے ہیں جب کہ نیل گگن سے ہر پل رحمت خداوندی کی بارشیں ہوتی ہیں، جب کہ ابرِ کرم موج میں ہوتا ہے، جب کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ گنبدِ خضریٰ انوار وتجلیات کا محور ہوتا ہے۔

ایسے تمام افراد کی خدمت گرامی میں میرا فدویانہ سلام عرض ہے، جنھوں نے کعبۃ اللہ کا حج اور رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور وہ اگر ناراض نہ ہوں تو ذرا سی گزارش ہے، اگر وہ قبول فرمائیں تو نوازش ہے۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج کی برکت سے رسول اللہ ﷺ کے صدقے آپ کے سارے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ کو یوں پاک وصاف کر دیا ہے جیسے ابھی چند لمحے قبل آپ کی آفرینش شکمِ مادر سے ہوئی ہو۔ آپ کو نئی حیات اور نئی زندگی عنایت کی گئی ہے۔ خبردار! ہو جائیے کہ اب آپ کی بھی صورت عصمت وتوقیر کی سفید اور اجلی چاندنی جیسی شفاف چادر کے دامن پر جرم وعصیاں کا بدنما داغ نہ لگانا، اللہ کے لیے بیچ منجدھار میں اپنی نیا نہ ڈبونا، آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارنا، اپنے ہاتھوں جلتا ہوا چراغ نہ بجھا دینا، کسی صورت میں زیبا کی تلاش میں نہ پڑ جانا، مال و زر کی ہوس میں نہ ڈوب جانا، جھوٹے اور مصنوعی وقار میں نہ پڑ جانا۔ خبردار کہ: ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یاد رکھیے کہ اگر آپ نے اللہ کے اس جود وکرم سے فائدہ نہ اٹھایا اور مزید جود وکرم کی تمنا میں جرم وعصیاں کی زندگی اپنا بیٹھے، کسی خاتون زیبا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے یا پھر مال وزر کی ہوس میں مبتلا ہو گئے تو آپ اپنے ہاتھوں بیچ منجدھار میں اپنا سفینہ ڈبو دیں گے۔ آپ جلتا ہوا چراغ خود ہی بجھا دیں گے، اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مار لیں گے۔ گویا اپنے ہاتھوں ہی گلستاں نذرِ آتش کر دیں گے اور اگر آپ ایسا کر بیٹھے تو پھر آپ کے حج کرنے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

یاد کیجیے وہ وقت کہ جب آپ نے حجرِ اسود کو چوما تھا، اس کو بوسہ دیا تھا اور اس پر ہاتھ رکھے تھے۔ یہ آپ کا عہد وپیمان تھا کہ آئندہ گناہوں سے پرہیز کریں گے اور اللہ کی فرماں برداری کریں گے۔ اس کے باوجود اگر آپ نے گنہگارانہ روش اپنائی تو آپ بدعہدی کریں

گے۔ واضح رہے کہ بدعہدی کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور ہمارے پیارے رسول ﷺ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ۔ جو عہد پورا نہیں کرتا وہ لادین ہے۔ مقام غور ہے کہ کل روزِ محشر آپ کیا جواب پیش کریں گے۔ ایسی صورت میں حجرِ اسود بھی موجود ہوگا اور کلام کر سکے گا۔

امید ہے کہ میرے محترم بزرگ میری گزارش پر غور کریں گے اور مجھ پر نوازش فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج سے مشرف فرمائے اور اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہم کو گناہوں سے محفوظ فرمائے اور اب اس وعظ کو ان اشعار پر ختم کرنے کی اجازت دیں: ؎

نہ کلیم کا تصور نہ خیال طورِ سینا
میری جستجو محمد میری آرزو مدینہ

اور

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

□□□

پینتیسواں وعظ

عیدقرباں

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک میری نمازیں، قربانی، زندگی اور موت اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

برادرانِ عزیز! عیدالفطر کے بارے میں وعظ میں یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ عید کا لفظ عود سے مشتق ہے، جس کے معانی لوٹ کر آنا ہیں۔ عید کا دن بھی چونکہ سال کے بعد لوٹ کر آتا ہے، اس لیے اس کو عید کہتے ہیں۔

عید کو عید اس لیے بھی کہتے ہیں کہ عید کے روز اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اور انعام واکرام اس کے بندوں پر لوٹتا ہے۔ اور اس لیے بھی عید کو عید کہتے ہیں کہ اس روز خوشیاں لوٹ کر آتی ہیں۔ عید کو عید کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس روز مسلمان حیاتِ معاص سے رُخ موڑتے ہیں اور احکام خداوند اور اطاعتِ رسول کی طرف لوٹتے ہیں۔ عید قربان ہر شخص کو لازوال ایثار کا درس و پیغام دیتی ہے۔ وہ لازوال ایثار کا درس و پیغام یہ ہے کہ اگر وقت اس بات کا تقاضا کرے کہ اپنی ادنیٰ شے جو کہ دل کا چین ہو، جو باعثِ سکون ہو مقصد اعلیٰ پر قربان کردو۔ تو کسی ہچکچاہٹ کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یعنی اکیلے فرد کا ذاتی مفاد اس کے خاندان کے مفاد میں زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا اور خاندان کا مفاد قبیلے کے مفاد سے اہم نہیں ہوتا۔ اگر کسی فراد کا ذاتی مفاد قربان کرنے سے خاندان کو فائدہ ہو تو اس فرد کو چاہیے کہ اپنا ذاتی فائدہ قربان کردے اور جب کسی خاندان کا مفاد قربان کرنے سے قبیلے کی بھلائی ہوتی ہو تو خاندان کے مفاد کو نظر انداز کرکے قبیلے کا فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ فرد، خاندان اور

قبیلہ، قوم وملت اور ملک کا تصور اُبھارتا ہے۔ جہاں پر قوم، ملک اور ملت کے مفاد کی بات آجائے، وہاں قبیلے وخاندان اور فرد کے مفاد کی ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں رہ جاتی، اس لیے کہ کسی فرد کا ایک کروڑ فائدہ قربان کرنے سے اگر ملک وقوم اور ملت کو صرف ایک فائدہ حاصل ہو تو ملک اور قوم کو حاصل ہونے والا ایک فائدہ اس فرد کے ایک کروڑ فائدوں سے بدرجہ بہتر ہوتا ہے۔ ملک، قوم اور ملت کا تصور محدود ہے۔ اس سے وسیع تر تصور انسانیت کا ہے، جہاں پر انسانیت کے مفاد کی بات ہو، وہاں کسی ایک قوم یا ملک وملت کے فائدے قربان کر دیے جاتے ہیں، کیونکہ انسانیت بہرکیف ملک وملت سے افضل واعلیٰ ہے۔ انسانیت کا خالق اللہ ہے، اس لیے جہاں اللہ کی بات آجائے وہاں پر انسانیت کے تمام تر فائدے قربان کر دیے جاتے ہیں۔ عید قرباں بھی ہم کو یہی درس دیتی ہے کہ عظیم تر مفادات کے حصول کی خاطر چھوٹے چھوٹے فائدے قربان کردینا چاہیے۔ اسی کو ایثار کہتے ہیں، یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عید اللہ کی خاطر جملہ مفاداتِ انسانی قربان کرنے کا درس دیتی ہے۔

عید قرباں کی وجہ تسمیہ

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 372,371 میں یہ عبارت درج ہے کہ شرح اوراد میں ابوسعید عراقی سے منقول ہے کہ اطراف حجاز میں ایک خاتون رہا کرتی تھیں۔ ان بی بی کا نام مبارک ہاجرہ تھا۔ یہ خاتون نیک دل اور پاک دامن تھیں۔ دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو بیدار رہتی تھیں۔ حسنِ اخلاق کی بات کہ ایک روز اس طرف سے اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بغرضِ سیر تشریف لے آئے اور ان خاتون کا زہد وتقویٰ اور حسن و جمال کا شہرہ سنا۔ دل نے ان خاتون کی جانب رغبت کی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان خاتون کے باپ سے ملے اور مدعا بیان کیا۔ بی بی ہاجرہ کے والد گرامی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُر جمال صورت دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ شخص صاحب کرامات ہے۔ چنانچہ انھوں نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی خاطر مدارات کی اور نہایت خلق سے پیش آئے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بی بی ہاجرہ کے بارے میں اپنا مدعا بیان کیا۔ بی بی ہاجرہ کے والد رضا

مند ہو گئے اور بی بی ہاجرہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں دے دی۔ ابراہیم علیہ
الصلوٰۃ والسلام بی بی ہاجرہ کے ہمراہ ملک شام تشریف لائے اور باہم محبت سے رہنے لگے۔
دونوں میاں بیوی اولاد کی تمنا رکھتے تھے، مگر انوے برس کی عمر تک ابراہیم علیہ السلام اولاد
سے محروم رہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر دعا کرتے تھے کہ اللہ مجھے صالح اولاد عطا
فرما۔ بالآخر ہدفِ اجابت کا سینہ چاک ہو گیا اور آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابراہیم کے لختِ جگر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب و
نظر میں روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ تھا۔ ختنہ شدہ اور سرگیں آنکھوں والے تھے۔ آپ کا چہرہ
نورانی تھا اور فرشتے آپ کی زیارت کو آئے۔ یہی اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کا چہرہ نورانی
تھا اور جن کے قلب و نظر میں روحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھی، اللہ تعالیٰ کے حضور قربانی کے لیے
مطلوب ٹھہرے۔

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 373 پر درج ذیل مفہوم کی ایک عبارت درج ہے کہ روضۃ
العلما نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی ذی الحجہ کی شب کو خواب
دیکھا جس میں آپ کو ندا دی جا رہی تھی کہ اے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رب کی قربانی
کرو۔ صبح ہوئی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے اور بہت سی بکریاں راہِ خدا میں قربان
کیں۔ دوسری شب پھر خواب میں دیکھا کہ آپ کو قربانی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ صبح بیدار
ہو کر آپ نے بہت سی گائیں اور بکریاں قربان کیں۔ تیسری شب آپ نے پھر وہی خواب
دیکھا۔ بیدار ہو کر آپ نے بہت سے اونٹ قربان کیے۔ آٹھویں شب تک یہی سلسلہ جاری
رہا کہ رات کو خواب میں حکم قربانی ہوتا اور صبح کو آپ جانور راہِ خدا میں قربان کر دیتے۔ جب
آٹھویں شب میں بھی حکم قربانی ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! کیا شے قربان
کروں؟ حکم ہوا کہ اپنے پیارے فرزند ارجمند اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کرو۔ یہ حکم پا کر
ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام متفکر ہو گئے۔ نویں شب کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند
کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح بیدار ہوئے اور یقین کر لیا کہ یہ حکم خداوندی ہے، جس کی تعمیل
ضروری ہے۔ دسویں شب کو پھر یہی خواب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے کو راہِ خدا میں قربان

کرنے کا حتمی قصد فرمایا۔ دسویں صبح کو آپ بی بی ہاجرہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:
بی بی! اٹھو اور اپنے فرزند کو نہلا دھلا کر تیار کر دو۔ آج اپنے دوست کی ضیافت میں جانا ہے۔
حضرت ہاجرہ نے بیٹے کو نہلایا دھلایا، صاف ستھرا لباس پہنایا۔ خوشبو لگائی، آنکھوں میں سرمہ
لگایا، سر میں تیل ڈال کر کنگھی کی اور پیار سے سینہ سے لگا کر باپ کے حوالے کیا۔ حضرت
ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا ہاتھ پکڑا اور جبلِ عرفات کی جانب لے چلے۔
ایک طرف باپ اور بیٹا حکم الٰہی کی پابندی کے لیے جا رہے تھے تو دوسری جانب
شیطانِ لعین بی بی ہاجرہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ہاجرہ! تمھیں کچھ خبر ہے کہ تمہارے
بیٹے کو اس کا باپ ضیافت کے بہانے کہاں لے گیا ہے؟ بی بی ہاجرہ بولیں، میرا بیٹا اپنے باپ
کے ساتھ سیر کرنے گیا ہے۔ شیطانِ لعین بولا: تمہارا خیال غلط ہے۔ تمہارا خاوند تمہارے
بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے لے گیا ہے۔ بی بی ہاجرہ بولیں: بھلا باپ بھی بیٹے کو ذبح کیا
کرتے ہیں۔ شیطان بولا میں سچ کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا
ہے کہ اپنے بیٹے کی قربانی کرو۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: اے شخص! اگر اللہ کا حکم اس طرح ہے تو
میں اور میرا بیٹا دونوں راضی ہیں۔ اگر یہ حکم خداوندی ہے تو ایک اسمٰعیل نہیں ہزاروں اسمٰعیل
قربان کیے جا سکتے ہیں۔ شیطان اپنے مکروہ فعل میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے ناکامی کا منھ
دیکھنا پڑا، لیکن بڑا ڈھیٹ نکلا۔ ایک طرف ناکامی ہوئی تو دوسری طرف طبع آزمائی کی، یعنی
حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگا۔ انھوں نے کہا: اے ملعون!
دور ہو جا، میں رضائے الٰہی پر سر تسلیم خم کر چکا ہوں۔ یہاں پر بھی ناکامی کا سامنا کرنے کے
بعد شیطان نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا۔ ابراہیم علیہ
الصلوٰۃ والسلام اللہ کے خلیل تھے۔ زمانہ شناس تھے، اس لیے فوراً پہچان گئے کہ یہ امر شیطان
ہے۔ پس آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر اُٹھا کر اسے مارنا شروع کیا اور فرمایا: اے
شیطان ملعون! دور ہو جا، میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جا۔ غرض دونوں باپ بیٹے پہاڑ
کی گھاٹی میں پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے
فرمایا: اے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم

ذرا غور کر اور سوچ کر جواب دو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیل نے سچے دل سے جواب دیا: ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے، شوق سے اس کی تکمیل فرمائیں۔ ان شاء اللہ مجھے ثابت قدم اور صابر پائیں گے۔ یہ جواب سن کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے اور پہاڑ پر ذرا آگے چلے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رسی اور چھری تھی، رسی سے انہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں باندھے۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا: ابا جان! چھری کی دھار تیز کر کے میرے گلے پر چلایئے گا اور گھر واپس جا کر میری امی جان کو سلام کہیے گا اور ان کو تشفی دیجیے گا۔ اس طرح دونوں باپ بیٹے حکم الٰہی پر رضامند ہو گئے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زمین پر لٹایا اور ذبح کرنے کے طریقے پر بیٹھ کر چھری ہاتھ میں لی۔ اس وقت غلبۂ محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ابا جان! یہ مصیبت کا وقت ہے، اس پر صبر فرمایئے۔ یہ امتحانِ الٰہی ہے۔ مجھے ذبح کرتے وقت آپ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیجیے تاکہ میرا گلہ کٹتا دیکھ کر آپ بے صبری کا اظہار نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹے کی یہ رضا دیکھ کر شکر بجالائے اور چھری حلق پر رکھ کر تکبیر کہی اور ذبح کرنے میں مشغول ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبح کر دیے جائیں۔ یہ امتحان تھا، جس میں دونوں باپ بیٹا کامیاب ہوئے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گلے پر تانبے کا ایک پترا رکھ دیا، جس پر چھری کی دھار کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام گلے پر چھری چلا رہے تھے مگر گلے پر نشان بھی نہ پڑتا تھا۔ ناچار ہو کر چھری کو پتھر پر تیز کیا اور دوبارہ گلے پر پھیرنے لگے، مگر گلا کٹنے میں اب بھی وہی رکاوٹ درپیش تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غصے سے چھری پتھر پر پھینک دی۔ حکم خدا سے چھری بول اٹھی: اے خلیل اللہ! میں بے قصور ہوں، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح نہ کروں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری چھری لی۔ اس کو خوب تیز کیا اور نہایت جوش سے تکبیر کہہ کر لختِ جگر کے گلے پر پھیرنے لگے اور جوشِ محبت سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چشم

یہ نظارہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ ملائکہ بھی یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے بھی اشک رواں تھے اور آدم کا ازلی دشمن شیطان باپ بیٹے کے صبر و تسلیم کے اس نظارے کو بڑی حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ایک مینڈھا لیے حاضر ہوئے اور کہا: اے ابراہیم! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ نے اپنا خواب پورا کیا۔ آپ امتحان میں کامیاب ہوئے۔ یہ مینڈھا تمہارے بیٹے کا فدیہ ہے۔ اللہ نے اسمٰعیل کے بدلے ذبح عظیم عنایت کیا۔ اس کے ساتھ فضا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے نعرے کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بولے: وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بولے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ چنانچہ یہ الفاظ کہنا پچھلی امتوں کے لیے سنت ہو گیا اور تمام تر افعال سے افضل اللہ کے نزدیک یہی باعظمت الفاظ ہیں۔ اس طرح اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جگہ ایک مینڈھا ذبح کر دیا گیا اور قربانی دینا پچھلی امتوں کے لیے سنت ہو گیا۔ آج ہم مسلمان بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت کے احیا کی خاطر قربانی دیتے ہیں۔ (تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 273-275)

یہی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں، جنھوں نے دنیا میں اللہ کی عبادت کے لیے خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ جہاں اب تک ہر سال لاکھوں پرستانِ توحید رنگ و نسل کے تمام تر امتیازات کو توحید کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

فضائلِ قربانی

تذکرۃ الواعظین، صفحہ: 288 پر درج ذیل مفہوم کی ایک عبارت یوں درج ہے: احمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی محتاج تھا، مگر اس محتاجی کے باوجود وہ ہر سال ایک بکری قربان کیا کرتا تھا۔ ایک روز وہ اپنے خالق حقیقی سے وصال کر گیا۔ میں نے نماز پڑھی اور کہا: اے معبودِ حقیقی! میرے بھائی کو میرے خواب میں بھیج، تاکہ میں اس کا حال دریافت کروں۔ اس کے بعد میں نے وضو کیا اور سو گیا۔ میری دعا اللہ کے حضور قبول

ہوئی اور میں خواب کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگئی ہے۔ میزانِ عدل لگا دیا گیا ہے اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھا دیے گئے ہیں۔ اچانک میری نظر اپنے بھائی پر پڑی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ابلق گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ہمراہ بہت سے گھوڑے ہیں۔ میں نے کہا: اے بھائی! اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: اللہ نے مجھے بخش دیا ہے۔ میں نے سبب دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا: ایک مرتبہ میں نے ایک بوڑھی سائل کو ایک درہم صدقہ دیا تھا۔ پس اس صدقے کی بدولت اللہ نے میری مغفرت فرمادی۔ میں نے سوال کیا کہ یہ گھوڑے کیسے ہیں؟ کہنے لگے: یہ گھوڑے وہ قربانیاں ہیں جو میں دنیا میں کیا کرتا تھا اور جس گھوڑے پر میں سوار ہوں یہ میری پہلی قربانی ہے۔ میں نے پوچھا: کہاں کے ارادے ہیں؟ اس نے کہا: جنت کو جا رہا ہوں۔ یہ کہا اور پھر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

قربانی باعث نجات ہے

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہماری نماز ادا کی اور ہمارے لیے قربانی کی، پس وہ ہم میں سے ہے اور جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے لیے قربانی نہ کی، وہ ہم میں سے نہیں۔ نیز فرمایا کہ میری امت کے نیک لوگ قربانی کرتے ہیں اور بد لوگ قربانی سے گریز کرتے ہیں اور فرمایا آگاہ ہو جا کہ قربانی ان چیزوں میں سے ہے جو دنیا اور آخرت کی برائیوں سے نجات دیتی ہیں۔ اس تحریر سے درج ذیل باتوں کی وضاحت ہوتی ہے:

1- قربانی اور نماز ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔
2- قربانی نیک لوگ کرتے ہیں اور بد اس سے گریز کرتے ہیں۔
3- قربانی کرنے والا دنیا اور آخرت کی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

(تذکرۃ الواعظین، صفحہ:290)

قربانی پر بے حد و حساب اجر

قربانی اللہ کی اطاعت کا مظہر ہے۔ قربانی کرنے پر اللہ تعالیٰ اس قدر اجر عطا فرماتا ہے کہ جو عقلِ انسانی سے باہر ہے۔ فہم و ادراک اس کی ہوا کو بھی نہیں پا سکتے۔ اس کے ثبوت کے

لیے تذکرۃ الواعظین، صفحہ:381-382 کی درج ذیل تحریر پیش کی جاتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خالص نیت سے راہِ خدا میں جانور قربان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر اجر دیتا ہے کہ جس کا علم باری تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ البتہ قربانی کا ادنیٰ ترین ثواب تو یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے خون کے زمین پر گرنے والے قطرے کا ثواب یہ ہے کہ قربانی کرنے والے کو ستر درجے دیے جاتے ہیں۔ دوسرے قطرے کے بدلے ستر نیکیاں پاتا ہے۔ تیسرے قطرے پر اس کے ستر گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔ چوتھے قطرے کے بدلے ثواب یہ ہے کہ وہ ہوا جو اللہ اکبر کہتے وقت قربانی کرنے والے کے منہ سے نکلتی ہے، وہ ہوا اللہ کے نزدیک خوشبوئے مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے۔ پانچویں قطرے پر اس کے جسم اور زبان کو گناہوں سے یوں پاک کر دیا جاتا ہے، جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ چھٹے قطرے پر اس کے لیے بہشت میں ایک شہر تیار کیا جاتا ہے۔ ساتویں قطرے پر روزِ محشر سرداری کے لیے چن لیا جاتا ہے۔ یہ سرداری مخلوقات کی سرداری ہوگی۔ آٹھویں قطرے پر اس کو، اس کے والدین کو، اس کے اہلِ خانہ کو بخش دیا جاتا ہے۔ نویں قطرے پر اس کے اور دوزخ کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ایک خندق حائل کر دی جاتی ہے۔ دسویں قطرے کے بدلے اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ گیارہویں قطرے پر اس کی نمازیں اور نیک دعائیں قبول ہوں گی۔ بارہویں قطرے پر اس کے لیے آتشِ دوزخ سے رہائی لکھ دی جاتی ہے۔ تیرہویں قطرے پر اس کو 70 ہزار حوریں دی جائیں گی۔ چودہویں قطرے پر مرض الموت میں عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو رحمت و بخشش کی نوید مسرت سناتے ہیں۔ پندرہویں قطرے پر اس کی موت کی سختی کم ہو جائے گی۔ سولہویں قطرے پر اس کو طوقِ زنجیر سے آزاد کیا جائے گا۔ سترہویں قطرے پر ستر غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اٹھارہویں قطرے پر اس کو روزِ محشر ایک براق دیا جائے گا، جس پر سوار ہو کر وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر کر جنت میں داخل ہوگا۔ انیسویں قطرے پر روزِ محشر حساب و کتاب میں اس پر رحمت الٰہی کا نزول ہوگا۔ بیسویں قطرے پر اس کے تمام گناہ

معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اکیسویں قطرے پر اس کو اللہ تعالیٰ روزِ محشر اپنے عرش کے سایے میں جگہ دے گا، جس روز کے عرشِ الٰہی کے علاوہ کہیں بھی سایہ نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ ہر قطرے پر ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے، جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔ پھر جب ذبح سے فارغ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نگاہوں کے سامنے جگمگاتا ہوا نور پیش کرتا ہے۔ جب بھنے ہوئے گوشت کی بوٹی کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن فرماتا ہے اور اسے اس قدر فراخ کرتا ہے جس قدر کہ ستر برس راہ ہوتی ہے اور جب محتاجوں کو دینے کے لیے گوشت لے جاتا ہے تو اس کو پہلا قدم اٹھانے پر سفرِ حج کا ثواب دیتا ہے۔ دوسرے قدم پر اس کی عمر اور رزق میں برکت ہوتی ہے۔ تیسرے قدم پر اس کے نامۂ اعمال میں کوہ ابوقیس کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ چوتھے قدم پر اس کی آنکھوں میں حضرت عثمان کی مانند حیا پیدا ہوتی ہے۔ پانچویں قدم پر اس کا قلب نرم ہوتا ہے۔ چھٹے قدم پر اللہ تعالیٰ اس کو فرزند صالح عطا فرمائے گا جو قیامت میں اس کا شفیع ہوگا۔ ساتویں قدم پر اس کی قبر آسمان کی چوڑائی کے برابر فراخ کر دی جائے گی اور اس طرح ہر قدم پر ثواب بڑھتا جائے گا اور اس قدر بڑھے گا کہ جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو بھی نہیں۔ پھر جب اپنے بال بچوں کے ساتھ بیٹھ کر قربانی کا گوشت کھاتا ہے تو پہلے لقمے پر اس کو ستر نبیوں کا ثواب ملتا ہے۔ دوسرے لقمے پر 70 حج کا ثواب، تیسرے لقمے پر ستر نمازیوں کا اور چوتھے لقمے پر راہِ خدا میں ستر گھوڑے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ پانچویں لقمے پر اللہ تعالیٰ اس کو ایمانِ کامل نصیب فرمائے گا۔ چھٹے لقمے پر اس کی قبر میں ایک کھڑکی کھل جائے گی جو قیامت تک روشنی کا باعث ہوگی۔ ساتویں لقمے پر اس کی قبر میں ستر روزن جن سے جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آئیں گی اور جو شخص قربانی کے گوشت میں سے کسی کو کھلائے گا تو ستر 70 شہیدوں کا ثواب پائے گا اور بوقت مرگ فرشتہ اس کو بشارت سنائے گا: اے شخص! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عذاب سے بالکل آزاد کر دیا۔

تمت بالخیر

معلم التقریر

المعروف بہ

مواعظ رضویہ

حصہ دوم

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

خواجہ بکڈپو
۴۱۹/۲، مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶

معلم التقریر

المعروف ب

مواعظ رضویہ

حصہ دوم

مصنف

مولانا نور محمد صاحب مدظلہ

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masjid
Delhi-6 Mob: 9313086318, 9136455121
Email: khwajabd@gmail.com

فہرست مضامین

سینتیسواں وعظ

اڑتیسواں وعظ

انتالیسواں وعظ

چالیسواں وعظ

OOO

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا وعظ

شہادت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔ اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (پارہ:2،رکوع:3)

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اُس ذاتِ بابرکات حبیب کبریا امام الانبیاء پر کہ جس کی اُمت کو سب اُمتوں سے بہتر قرار دیا اور مومنوں کے رُتبے کو بہت بلند کیا۔

اس آیت کریمہ کا مطلب ہے: جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی راہ میں اپنی جان پر کھیل گئے ہیں انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ وجاوید ہیں لیکن یہ بات تمہارے شعور سے باہر ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ پہلے لوگ شہدا اور غیر شہدا کو ایک جیسا سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ: یا اللہ! جو لوگ تیری راہ میں جان دیتے ہیں ان کے لیے کوئی شرف خاص کردے، تو اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط ماشاء اللہ زندگی اسی کی ہے جس نے محبت خالق اور رضائے معبود کے لیے جان دی۔ شیخ حمید الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

ہر کہ از بہر دوست کشتہ نشد — گرچہ بسمل کنیش مردار است

آقائے نامدار تاجدار مکی ومدنی ﷺ فرماتے ہیں: طُوْبٰی لِمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ

اللہِ طُوْبٰی لِمَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ۔ یعنی اس کے لیے بشارت ہے جس نے اللہ کی راہ میں جان دی اور اس کے لیے بھی خوش خبری ہے جو راہِ حق میں شہید ہوا۔

زیارتِ قبور

سرکارِ مدینہ تاجدارِ عرب ﷺ اُحد سے لوٹے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے، آپ ﷺ نے ان کی اور ان کے ساتھیوں کی قبور پر کھڑے ہو کر فرمایا: اَشْهَدُ اَنَّكُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ اللهِ فَزُوْرُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ ط فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ اِلَّا رَدُّوْهُ۔

سبحان اللہ! حضور نبی کریم ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والے زندہ ہیں، ہمارے سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ہمیں اُن کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا چاہیے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ اس بات سے منکر ہیں۔ کیا وہ مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں؟

شانِ شہید

''دلائلِ نبوت'' میں ہے کہ صحابہ نے الگ مکان میں گڑھا کھودا، نیچے ایک تختہ آیا۔ جب اُس کو ہٹا کر دیکھا تو ایک تخت پر ایک صاحب بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے قرآن مجید موجود ہے جس کی وہ تلاوت کر رہے ہیں اور ان کے آگے سبز باغیچہ ہے۔ صحابی نے سمجھ لیا کہ یہ صاحب کوئی شہید ہیں جن کے چہرے پر کچھ زخم نظر آتا تھا۔ (شرح الصدور، صفحہ:85)

زین الدین بوشی کہتے ہیں کہ جب فقیہ عبدالرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ منصورہ میں باقی مسلمانوں کے ساتھ فرنگیوں کی قید میں تھے تو آپ نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور آیت پڑھی: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

شہید زندہ ہے

جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو ایک فرنگی نے آپ سے پوچھا: اے مسلمانوں کے عالم!

تُو کہتا ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔ یہ کیسے صحیح ہے؟ تو اس شہید نے اپنا سر اُٹھایا اور فرمایا: حَيٌّ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ حَيٌّ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔

مَیں زندہ ہوں کعبہ کے رب کی قسم، کعبہ کے رب کی قسم! میں زندہ ہوں۔

فرنگی اپنے گھوڑے سے اُترا اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا اور غلام کو حکم دیا کہ ان کو اُٹھا کر اپنے شہر میں لے آئے۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

حکایت:1

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ مدینہ طیبہ سے زیارتِ قبورِ اُحد کو لے گئے، جمعہ کا دن تھا سورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔ میں اپنے باپ کے پیچھے تھا۔ قبروں کے پاس پہنچ کر انھوں نے بہ آواز بلند کہا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ جواب آیا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا عَبْدِاللهِ! باپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور پوچھا: اے میرے بیٹے تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا نہیں، انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر داہنی طرف کرایا اور ان کو سلام کیا۔ پھر ویسا ہی جواب آیا۔ تیسری دفعہ پھر سلام کیا تو پھر وہی جواب ملا۔ تب میرے والد اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر میں گر پڑے۔ (شرح الصدور، صفحہ:88)

حکایت:2

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''عیون الحکایات'' میں باسند لکھا ہے کہ شام کے ملک میں تین بھائی شہ سوار اور بڑے بہادر تھے جو جہاد کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رومیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور شاہِ روم نے کہا کہ اگر تم نصرانی دین اختیار کر لو تو میں تمہاری شادی اپنی بیٹیوں سے کردوں گا اور ملک وسلطنت بھی عطا کروں گا۔ انھوں نے انکار کر دیا اور حضور پاک ﷺ سے غائبانہ مدد چاہی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ زیتون کے تیل کی تین دیگیں چڑھاؤ جو تین روز تک کھولتی رہیں۔ ان مجاہدوں کو ہر روز ان دیگوں کے پاس لایا جاتا اور نصرانیت کی دعوت دی جاتی لیکن وہ اپنے مذہب کے پابند تھے، نہ مانے۔ نصرانیوں نے پہلے بڑے بھائی کو دیگ میں ڈالا پھر منجھلے کو اور چھوٹے کو قریب لایا گیا تو وزیر نے کھڑے ہو کر کہا کہ

بادشاہ سلامت !اس جوان کو میرے سپرد کر دیا جائے میں اسے اکیلے دین سے پھیر لوں گا۔
کیونکہ میں جانتا ہوں کہ عربوں کو عورتوں سے محبت ہوتی ہے اور میری بیٹی جو پورے روم میں
سب سے حسین ہے، اسے اکیلے سپرد کروں گا جو کامیاب رہے گی۔ چنانچہ 40 دن کے لیے وہ
جوان وزیر کے سپرد کر دیا گیا۔ وزیر اسے گھر لے آیا اور اپنی بیٹی کو تمام معاملہ سمجھا دیا۔ لڑکی
اس جوان کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے دن رات اس کے پاس رہتی تھی۔ وہ خوش خو
جوان دن بھر روزہ رکھتا اور رات عبادت میں بسر کر دیتا اور لڑکی کی طرف مطلق توجہ نہ کرتا۔
جب 40 دن کی مدت پوری ہوگئی تو وزیر کے استفسار پر لڑکی نے کہا کہ: شاید جوان اپنے
دو بھائیوں کی شہادت کے غم میں میری طرف توجہ نہیں کرتا، تم بادشاہ سے مدت میں توسیع
کراؤ۔ چنانچہ مدت بڑھا کر ان دونوں کو دوسرے شہر میں بھیج دیا گیا۔ وہاں بھی وہ جوان مجاہد
دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت میں مشغول رہتا۔ جب چند دن میعاد کے باقی رہ گئے تو
لڑکی نے کہا: اے نوجوان! تیری اس عبادت نے میرے دل پر اثر کیا ہے، اس لیے میں اپنا
دین چھوڑ کر تیرا دین قبول کرتی ہوں اور وہاں سے نکل بھاگنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لڑکی
نے سواری کا بندوبست کیا اور وہ رات کو نکل گئے۔ اس طرح کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو
چھپ رہتے حتیٰ کہ ایک رات انھوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی، دیکھا تو اس جوان
کے دونوں بھائی فرشتوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں جوان نے ان کو سلام کیا اور ان کا حال
پوچھا: بولے کہ ہم کو جو دیگ میں ڈالا گیا وہ تو ایک غوطہ تھا اور ہم سیدھے جنت میں پہنچ گئے
تھے۔ اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیرا نکاح اس لڑکی سے کرنے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ
انھوں نے نکاح پڑھا اور واپس ہو گئے اور وہ جوان اپنی دلہن کے ہمراہ ملک شام میں پہنچ
گیا۔ یہ ہے شہدا کی زندگی جس پر بعض لوگوں کا اعتقاد نہیں۔ (شرح الصدور، صفحہ:89)

اب ذرا اس کالی کملی والے امام المتقین سید المرسلین ﷺ کی امت میں شوق شہادت
ملاحظہ فرمائیے: حضور اکرم ﷺ جب جہاد کے لیے بلاتے تھے تو لوگ شہادت کا رتبہ
پانے کے لیے بے تابی سے بھاگتے تھے، حتیٰ کہ چھوٹے لڑکے بھی شہادت کے مرتبے سے
سرشار ہونے کے لیے دوڑے آتے تھے۔

شوقِ شہادت

غزوۂ تبوک میں رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے حضور ﷺ نے جہاد کا اعلان
فرمایا تو لوگ اس قدر جمع ہو گئے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ ہمارے پاس سواری کا
انتظام نہیں اور کئی ایک کو واپس کر دیا اور جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو سامانِ رسد اور سواری کا
یہ حال تھا کہ آٹھ آٹھ جانبازوں کے پاس صرف ایک سواری تھی جس پر باری سے سوار ہوتے
تھے۔ ماشاء اللہ، سرفروشی کا کیا نرالا جذبہ ہے اُمتِ محمدیہ میں۔ ایک دفعہ حضور ﷺ کے
ایک نوجوان صحابی کی شادی ہوئی۔ جس روز دلہن گھر آئی اُسی شام جہاد کی تیاری کا اعلان ہوا۔
صبح ہوتے ہی وہ جوان صحابی جہاد کے لیے تیار ہو گیا یہاں تک کہ غسل تک کا موقع نہ ملا۔
حال یہ ہے کہ خوب صورت دلہن فریاد کر رہی ہے کہ میری محبت کا واسطہ آپ رُک جائیں
کیوں کہ میرے تو ابھی دل کے ارمان ہی پورے نہیں ہوئے۔ لیکن وہ بہادر جوان جس کے
دل میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سمائی ہوئی تھی کب ماننے والا تھا۔ ایک طرف بیوی اپنی
محبت کا واسطہ دے رہی ہے اور دوسری طرف اللہ اور رسول کی محبت غالب ہے۔ بیوی کی
محبت نے ہار مان لی اور اپنے محبوب دولہا کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ صحابی جنگ میں
لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اللہ کی محبت میں سر کٹانے والوں کا رتبہ دیکھیے کہ جب جنگ ختم
ہوئی تو حضور نے اوپر نگاہ فرمائی تو دیکھا کہ فرشتے اس صحابی کو غسل دے رہے ہیں۔ فرزندانِ
توحید کی سرفروشی کا حال ملاحظہ ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں میرے
دائیں اور بائیں طرف دو انصاری بچے معوّذ اور معاذ تھے، جو نا تجربہ کار تھے۔ ایک نے مجھ
سے پوچھا کہ: اے چچا! تم ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: سنا ہے کہ وہ
ہمارے رسولِ مقبول کو بُرا کہتا ہے۔ اگر میں اسے دیکھ لوں تو اس سے جدا نہ ہوں گا، جب تک
ہم دونوں میں سے ایک نہ مر جائے۔ اس کے بعد دوسرے نے بھی یہی کہا۔ اتنے میں

ابو جہل نے گھوڑا میدان میں ڈالا، مَیں نے ان بچوں کو بتایا کہ وہ ہے جسے تم پوچھ رہے تھے۔ یہ سُن کر وہ دونوں بچے باز کی طرح ابو جہل پر جھپٹے اور اسے گرالیا۔ اسی دوران ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر کے ان کا بازو کاٹ دیا جوان کے کندھے سے لٹک گیا، لیکن اس کے باوجود وہ جنگ لڑتا رہا اور جب زیادہ تنگ ہوا تو بازو کو اپنے پاؤں تلے کھینچ کر جدا کر دیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:352؛ مدارج النبوت، صفحہ:122)

ابو خدامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں ایک قوم پر امیر تھا میں نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی۔ جب ہم نے دشمن کے مقابل صف آرائی کی اور جنگ شروع ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں ایک چھوٹا بچہ جنگ کر رہا ہے۔ میں نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اسے واپس جانے کے لیے کہا تو اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ واپس جانے سے روکتا ہے کیونکہ اس کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔

(سورۂ انفال، آیت:15)

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو میدانِ جنگ میں تو انھیں پیٹھ نہ دو۔

حضرت قوامہ کا واقعہ

پھر اس نے تین تیر مجھ سے قرض مانگے جو میں نے اسے اس شرط پر دیے کہ اگر شہادت پائے تو اللہ کے حضور میری سفارش کرے۔ اس نے وعدہ کیا اور ان تیروں سے تین کافر قتل کیے۔ پھر اسے دشمن کی طرف سے تیر لگا تو میں نے اسے اپنا وعدہ یاد دلایا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارا وعدہ نہیں بھولوں گا لیکن میری اماں جان کو میرا اسلام عرض کرنا۔ جب اس کی روح نکل گئی تو مَیں نے اُسے قبر میں دفن کر دیا مگر زمین نے اسے باہر نکال دیا۔ میں نے خیال کیا شاید وہ اپنی ماں کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک ہوا ہو۔ پھر میں نے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کی اتنے میں ایک آواز آئی کہ: اے ابو قوامہ! اللہ کے ولی کو چھوڑ دے۔ پھر کچھ پرندے آئے اور اس کو کھا گئے۔ جب اس کی ماں کو اس شہادت کی خبر دی تو اس نے کہا اس کی نشانی کیا ہے؟ میں نے کہا: اس کو پرندوں نے کھا لیا ہے۔ اس عورت نے کہا: واقعی تو سچا ہے۔ کیونکہ وہ دعا مانگا کرتا تھا کہ: یا اللہ! میرا حشر پرندوں کے پیٹوں میں کر اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرما

لیا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:161)

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ۔
جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں۔

غزوۂ بدر میں حضور اقدس ﷺ ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی زمین اور آسمان سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک صحابی عمیر بن الحمام نے کہا: واہ واہ، واللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں اہلِ جنت سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: تو بھی جنتی ہے۔ وہ چند کھجوریں تھیلے سے نکال کر کھانے لگا اور پھر بولا کہ اگر میں یہ کھجوریں کھانے تک زندہ رہا تو زندگی بہت لمبی ہو جائے گی۔ ان کھجوروں کو پھینک دیا اور کفار سے جا کر لڑنے لگا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:331)

خون کا پہلا قطرہ

طبرانی اور بیہقی یزید بن شجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّ اَوَّلَ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِ الشَّهِيْدِ تُكَفَّرُ عَنْهُ كُلُّ شَيْءٍ عَمَلِهٖ وَتَنْزِلُ اِلَيْهِ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعَيْنِ تَمْسَحَانِ التُّرَابَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يُكْسٰى مِائَةَ حِلَّةٍ لَيْسَتْ مِنْ نَسْجِ بَنِيْ اٰدَمَ وَلٰكِنْ مِنَ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: جب شہید کا پہلا قطرۂ خون گرتا ہے تو اس کا ہر بُرا عمل معاف ہو جاتا ہے۔ دو حوریں جو اس کی جنتی بیویاں ہوتی ہیں اس کے پاس آتی ہیں اور اس کے چہرے سے غبار پونچھتی ہیں۔ پھر اس کو سَو طرح کے پوشاک پہناتی ہیں جو انسان کی بنی ہوئی نہیں بلکہ جنت سے آئی ہے۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ تھا، وہ جنگ میں شہید ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ خود اس کے سرہانے تشریف لے گئے، تبسم فرمایا اور پھر چہرۂ اقدس اس سے پھیر لیا۔ جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ: مسرور ہونا اس لیے تھا کہ میرے پروردگار کی طرف سے کرم و فضل اس

کی روح پر برستا ہوا دیکھا اور منہ اس لیے پھیر لیا کہ ابھی اس کے پاس اس کی بیوی خود آئی جو اس کے سرہانے کھڑی ہوگئی۔ (شرح الصدور، صفحہ:84)

شہادت کی لذّت

شہید کو وقتِ شہادت ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ گلے کا کٹ جانا اسے شہد سے بھی زیادہ میٹھا محسوس ہوتا ہے۔ شہید کو چونکہ وقتِ شہادت دیدارِ جمالِ خداوندی حاصل ہوتا ہے، وہ اس میں اس قدر محو و مستغرق ہوتا ہے کہ اگر اس کے جسم سے ٹینک بھی گزر جائیں تو اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ۔ (رواہ الترمذی، نسائی، دارمی)

شہید کا رتبہ

شہید کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام نے ہر زمانے میں اس کی خواہش کی ہے۔ حضور نبی اکرم حبیب ربانی حضرت محمد مصطفی ﷺ جو جمیع صفات و کمالات کے حامل تھے، بھی اس مرتبے کی آرزو رکھتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ میں تمام انبیاء و مرسلین کی خوبیاں موجود تھیں۔ ایک شاعر لکھتے ہیں:

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور کی بے مثال زندگی کی مثال سَو کے عدد کی سی ہے۔ جس میں ایک سے مل کر 100 تک کے تمام اعداد شامل ہیں۔ بعینہٖ وہ تمام خوبیاں جو کم و بیش تمام انبیا میں پائی جاتی تھیں حضور میں سب جمع تھیں۔ اب چونکہ بعض انبیا کے حصے میں مرتبۂ شہادت بھی آیا، لہٰذا ضروری تھا کہ حضور ﷺ جامع کمالات بھی اس مرتبے سے سرفراز ہوتے لیکن اگر یہ مرتبہ بھی بالذات آپ پر جاری ہوتا تو کفار اور منافق عوام کو گمراہ کرتے اور کفر کی طرف اُکساتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سے آپ کے چھ مظاہر کو خلعت شہادت عطا فرمایا۔ ان پر جاری ہونا گویا آپ پر جاری ہونا ہے، کیونکہ وہ شکلِ محمدی کے آئینہ دار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کمالِ شہادت بھی آپ کی ذات میں موجود ہے۔

شہادت کی قسمیں

شرع میں شہادت اس کو کہتے ہیں جس میں اس دارِ فانی سے انتقال کے وقت روح قبض کرنے والے فرشتوں کے علاوہ کسی زمینی مخلوق کو بھی دخل ہو۔ مثلاً: کسی زہریلے جانور کا کاٹنا، درندوں یا پرندوں کا پھاڑنا، جادو سے، قتل سے یا پتھر سے یا زہر سے ہلاک ہونا بھی شہادت میں شامل ہے۔ شہادت کی دو قسمیں ہیں: ایک شہادتِ جہریہ جو معلوم ہوجائے اور شہرت پائے۔ دوسری شہادتِ سریہ جو آسانی سے معلوم نہ ہوسکے اور پردے میں واقع ہو۔

پھر شہادتِ سریہ کی تین قسمیں ہیں: پہلی شہادت خفیہ جو پوشیدہ طور پر واقع ہوئی ہو لیکن کچھ ظہور کی بو پائے، مثلاً: حضرت عمر کو ایک یہودی غلام ابولولو نے 27 / ذی الحجہ کو نمازِ فجر میں زخمی کیا اور 29 / ذی الحجہ کو آپ شہادتِ خفیہ سے سرفراز ہوئے۔ دوسری شہادت اخفیٰ جو جان پہچان والے، محبت ظاہر کرنے والے کسی شخص کی وجہ سے ہو اور اس کا بھید کھلنا خفیہ شہادت کی طرح بہت کچھ مشکل ہو۔ حضرت امام حسن کو چار مرتبہ منافقین نے زہر دیا اور دو دفعہ آپ کی بیوی جعدہ نے زہر دیا، جو کوفہ کی عورت تھی۔ آخری دفعہ جب جعدہ نے مروان کا بھیجا ہوا زہر ہلاہل خرموں میں ڈال کر دیا تو آپ کو اسہال شروع ہوگئے، جسم کا رنگ سبز ہوگیا اور 29 / صفر 50ھ کو شہادتِ اخفیٰ کا مرتبہ پایا۔ حضرت حسن نے اپنے پیارے بھائی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی زہر دینے والے کا نام نہ بتلایا۔ تیسرے شہادتِ مخفیہ جو اپنے عہدِ حکومت میں کسی ادنیٰ کے ہاتھ سے موادات کے پردے میں دیر بعد واقع ہو، جس کا معلوم ہونا بغیر علم و فراست یا اعلانِ الٰہی کے مشکل ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ مخفیہ کا صحابۂ کبار تابعین رضی اللہ عنہم کو یقین ہوا لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ شہادت کا سبب وہ سانپ تھا جس نے غار میں آپ کو کاٹا تھا یا وہ زہر ہے جو وفات سے 6 / ماہ قبل یہودیہ نے آپ کو دیا تھا۔

شہادتِ جہریہ کی بھی تین قسمیں ہیں: ایک شہادتِ جلیہ جو کچھ دیکھنے والوں کے سامنے واقع ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابن ملجم نے تلوار سے شہید کیا اور آپ کو مرتبۂ شہادتِ جلیہ حاصل ہوا۔

دوسرے شہادتِ اجلیٰ جو وطن میں دشمنوں کے گھر سے واقع ہو اور بے آب ودانہ بند کیا جائے اور اس میں کچھ دن بھی گزریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی مرتبہ حاصل ہوا کیونکہ آپ کو مفسدوں کے ایک گروہ نے شہید کیا۔

تیسرے شہادتِ مجلیہ جو حالتِ مسافرت میں مخالفوں کے ظلم وستم اور خوں ریز لڑائی کے بعد ہو۔ یہ مرتبۂ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا کے مقام پر حاصل ہوا۔

بس میں اپنے وعظ کو ان ہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔ واقعۂ کربلا کو اگر بیان کیا گیا تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ واقعۂ کربلا کے لیے سوانح کربلا اور مواعظ وشہادت کا مطالعہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ

☆☆☆☆☆

دوسرا وعظ

دربیان موت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط (سورۂ ملک، آیت:29)

اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اس لیے تخلیق فرمایا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے۔

دوستو! اس قادرِ مطلق اور خالقِ برحق نے موت کو بے شک ہماری آزمائش کے لیے پیدا کیا تاکہ ہم اس چندروزہ زندگی میں اپنے اعمال کو نیکی اور یادِ خدا سے آراستہ کرکے اس مالک کی رضا کے مطابق موت کے بعد حیاتِ جاوید سے لطف اندوز ہو سکیں۔

بلاشبہ موت ایک ہولناک شے ہے اور اس کی ہولناکیوں اور تباہیوں کے خوف سے ہی ہم اپنے اعمال کو درست کر سکتے ہیں اور موت کی طاقت اور عظمت سے تو فرشتے بھی خوف کھاتے تھے۔

تخلیق موت

موت کی تخلیق کے بارے میں ''وقائق الاخبار'' میں صفحہ:4 پر مرقوم ہے کہ خالق حقیقی نے موت کو پیدا کرکے اسے ایک ہزار پردوں میں چھپا دیا۔ پھر اس تباہ کار کو آسمانوں اور زمینوں سے بھی زیادہ قوت وطاقت عطا فرما کر ایسی مضبوط اور طویل زنجیروں سے جکڑ دیا کہ ہر ایک زنجیر کا طول ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر تھا۔ چونکہ موت کو حجاب میں رکھا گیا تھا اس لیے فرشتے نہ اس کے مکان سے واقف تھے، نہ اس کی آواز سن سکتے تھے اور نہ ہی اس کی عظمت وحقیقت سے آگاہ تھے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزرائیل سے فرمایا کہ تجھے موت پر مسلط کیا جاتا ہے، اس کو اپنے قبضے میں کرلو۔ فرشتوں نے جب موت کا نام سنا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے کہ اے خالق! موت کیا چیز ہے اور اسے تو نے کہاں چھپا رکھا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موت کو ظاہر کرنے کے لیے حکم فرمایا کہ اے موت! اپنے پردے دور کردے۔ اس پر موت نے اپنے تمام پردے ہٹا دیے۔ تب فرشتوں نے موت کو دیکھا اور نگاہ پڑتے ہی بے ہوش ہو گئے اور ایک ہزار سال تک اسی بے ہوشی میں رہے۔ ہزار سال کے بعد جب ہوش آیا تو عرض کی کہ:

يَا رَبَّنَا اَخَلَقْتَ خَلْقًا اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَاَنَا اَعْظَمُ مِنْ هٰذَا.

اے پروردگار! کیا تو نے اس سے بڑی بھی کوئی چیز پیدا کی ہے؟ تو ارشاد ہوا اس سے مَیں کہیں بڑا ہوں۔

پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! موت تو بہت زبردست ہے، مَیں اس پر کیسے قابو پا سکتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر قوت عطا فرمائی کہ حضرت عزرائیل نے موت کو پکڑ کر بحکمِ الٰہی اپنے قبضے میں کرلیا۔ اس پر موت نے ایک چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اے رب العزت! مجھے اجازت دے کہ مَیں آسمانوں میں اپنا اعلان سنا سکوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی اور موت نے اپنا اعلان اس طرح سے شروع کیا: اَنَا الْمَوْتُ اَنَا الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الْبَنَاتِ وَالْاُمَّهَاتِ.

مَیں موت ہوں اور وہ موت ہوں جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الْاَخِ وَالْاَخَوَاتِ.

مَیں وہ موت ہوں جو بھائی اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ كُلِّ حَبِیْبٍ.

مَیں وہ موت ہوں جو دوستوں اور محبوبوں میں جدائی ڈال دیتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُفَرِّقُ بَیْنَ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ.

مَیں وہ موت ہوں جو خاوند اور بیوی میں جدائی پیدا کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُخَرِّبُ الدِّیَارَ وَالْقُصُوْرَ.

مَیں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اُعَمِّرُ الْقُبُوْرَ.

مَیں وہ موت ہوں جو قبروں کو آباد کرتی ہے۔

اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ اَطْعَبُكُمْ وَاُدْرِكُكُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ.

مَیں وہ موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پا لیتی ہوں، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

وَلَا یَبْقٰی مَخْلُوْقٌ اِلَّا یَذُوْقُنِیْ.

اور مخلوق میں ایسا کوئی نہ رہے گا جو میرا ذائقہ نہ چکھے۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے واضح فرما دیا ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. یعنی ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

دوستو! ہر جاندار خواہ وہ جن ہو یا بشر، انسان ہو یا حیوان، بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب، نبی ہو یا ولی، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا یا جوان وقتِ مقررہ پر ضرور اس حیاتِ مستعار سے ہاتھ دھوئے گا۔ خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں یعنی موت کا ہاتھ اسے بند کمروں میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ خواہ وہ زمین کو چھوڑ کر چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے: ؎

یہ دنیا آخر فانی ہے — اور موت بھی اِک دن آنی ہے

لازم جب مرنا ہی ہے تو ہمیں ہر وقت اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ جو کام بھی ہم کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں اور موت سے ہمارا بچاؤ نہیں کہ ایک روز اعمال کا حساب چکانا ہی پڑے گا۔ تو ان شاء اللہ ہم برائیوں سے بچ کر نیک راہ اختیار کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں اور فلاحِ آخرت حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ انسان موت کو یاد کرے اور اپنے اعمال کا حساب کرے کیونکہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. (سورۂ جمعہ، آیت:8)

(اے محبوب!) فرمادیجیے کہ جس موت سے تم فرار ہوتے ہو وہ کہیں ضرور ملے گی اور تمھیں اس کی طرف لوٹنا ہے جو سب ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے اور تمہارے اعمال سے تمہیں تنبیہ کرے گا۔

ذکرِ موت

میرے بھائیو! اگر یہ بات یاد رہے کہ موت لازم ہے اور کسی صورت اس سے بچا نہیں جاسکتا تو انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوگا نہ اعمالِ غیر حسنہ کی طرف راغب ہوگا۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ موت کو یاد کیا کرو۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:140 پر ترمذی ونسائی اور ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ۔

موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو کہ یہ لذات کو مٹانے والی ہے۔

ذکرِ موت کا درجہ

''کیمیائے سعادت'' میں صفحہ:734 پر اور ''نزہتہ المجالس'' میں صفحہ:51 پر ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اے حبیب خدا! کوئی شخص شہیدوں کا مرتبہ حاصل کرسکتا ہے؟ (جو شہید نہ ہوا ہو) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کو دن میں 20/ بار یاد کرنے والا شہادت کا مرتبہ حاصل کرے گا۔

جانور موت کے حال سے واقف نہیں

میرے دوستو! جس طرح ہم موت کے حال سے واقف ہیں اور اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ ہمیں کسی نہ کسی وقت اس عالمِ فانی سے کوچ کرنا ہے اور پھر یوم حساب اپنے اعمال کا حساب چکانا ہے۔ اس طرح جانور موت کا ادراک نہیں رکھتے۔ اگر وہ موت کے حال سے واقف ہوتے تو دنیا میں پرندوں، چرندوں کی یہ رونق دکھائی نہ دیتی اور وہ اس غم میں گھلتے رہتے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر جانور موت کے حال سے اس طرح واقف ہوتے جس طرح کہ تم ہو تو کسی انسان کے کھانے میں فربہ گوشت نہ آتا یعنی جانور موت کے

خوف سے لاغر ہو جاتے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:724)

حکایت

''نزہتہ المجالس'' میں صفحہ:53 پر ایک حکایت یوں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا جو اونٹ چرا رہا تھا۔ آپ نے ایک موٹے تازے اونٹ کو دیکھا جو مستی میں آکر دوسرے اونٹوں کو کاٹ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کان سے پکڑ کر فرمایا کہ: انك ميت۔ بے شک تجھے مرنا ہے۔ جب اونٹ نے یہ الفاظ سنے تو موت اس کو یاد آگئی اور ساری مستی ختم ہوگئی۔ موت کے غم میں کھانا پینا بھول گیا اور لاغر ہوتا گیا۔ چند دنوں کے بعد حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر پھر اس طرف سے ہوا تو اُس اونٹ کو دیکھا کہ وہ دبلا پتلا ہے اور دوسرے اونٹوں سے الگ کھڑا ہے۔ آپ نے چرواہے سے اس اونٹ کا حال دریافت کیا تو وہ عرض کرنے لگا: یاروح اللہ! مجھے اس سے زیادہ علم نہیں کہ ایک روز اللہ کے ایک بندے کا یہاں سے گزر ہوا اور اُس نے اِس کے کان میں کچھ کہا اور چلا گیا۔ اس وقت سے اِس اونٹ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں انسان ہوتے ہوئے موت کا خیال نہیں حالانکہ ہم اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ ہمیں ضرور مرنا ہے اور ہمارے سامنے روزانہ کئی جنازے اُٹھتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم بُرے کام کرنے سے باز نہیں آتے۔ ہر قسم کا گناہ کرنے سے عار محسوس نہیں کرتے اور اگر کوئی یہ بات کہہ دے کہ اللہ کا خوف کھاؤ، ایک دن مرنا ہے تو ہمیں بجائے خوف کھانے کے موت کا نام لینے والے پر غصہ آنے لگتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کا نام لینے والے نے کوئی بہت بڑا الزام لگا دیا ہے۔ حالانکہ یہ سچ ہے اور موت سے فرار ممکن نہیں۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِيْكُمْ۔ (سورۂ جمعہ: آیت:8)

میرے حبیب فرمادیجیے کہ جس موت سے تم فرار ہوتے ہو وہ ضرور تمھیں آئے گی۔

میرے دوستو! جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ موت سے فرار ناممکن ہے تو ہمیں اس

بات کا غصہ کیوں ہو کہ موت ہمیں بھی آئے گی۔ ہم موت سے کہاں بچ سکتے ہیں اور کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں۔ موت کا پنجہ تو بہت سخت ہے۔ وہ ہمیں بند کوٹھریوں اور مضبوط ترین قلعوں میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ

تم خواہ مضبوط قلعوں میں بھی چھپ جاؤ موت تمھیں تلاش کرتی رہے گی۔

حکایت

دقائق الاخبار، صفحہ:807 پر ایک حکایت یوں رقم ہے کہ:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک روز حضرت عزرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے، وہاں ایک نوجوان بھی بیٹھا تھا۔ حضرت عزرائیل نے اسے تعجب کی نگاہ سے دیکھا تو وہ جوان کانپ اُٹھا اور عزرائیل علیہ السلام کے جانے کے بعد عرض کرنے لگا: یا حضرت! مجھے بہت خوف آنے لگا ہے۔ ہوا کو حکم دیں کہ مجھے چین میں پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا اور وہ جوان ملک چین پہنچ گیا اور وہاں اس کی روح قبض کرلی گئی۔

پھر ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اے ملک الموت! تم اُس جوان کو اتنی تعجب خیز نظروں سے کیوں دیکھ رہے تھے؟ بولے: یا نبی اللہ! مجھے تو اُس جوان کی روح ملک چین میں قبض کرنے کا حکم ملا تھا لیکن مَیں اس کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر تعجب میں تھا کہ یہ جوان ملک چین میں اتنی جلدی کیسے پہنچ جائے گا؟ حالانکہ آج مجھے اس کی روح ملک چین میں قبض کرنی ہے۔ پھر حضرت سلیمان السلام نے بتایا کہ وہ چونکہ خوفزدہ ہو گیا تھا اس لیے اس کو ہوا کے ذریعے چین بھیج دیا گیا۔

اللہ جل مجدہ نے اس جوان کے لیے کیا کیا اسباب پیدا کیے۔ آخر موت کے پنجے نے اسے جائے مقررہ پر دبوچ لیا۔

جب آخر موت ہی کا لقمہ بننا ہے تو دانائی تو یہی ہے کہ انسان موت کو یاد رکھے اور اس بات کو دل سے فراموش نہ ہونے دے کہ قبر کی تاریک کوٹھری میں اس کا مکان ہوگا، جہاں

خاک کا بچھونا ہوگا۔ اینٹوں کا تکیہ اور بچھو، سانپ اور کیڑے مکوڑوں کی رفاقت نصیب ہوگی اور منکر نکیر امتحان لیں گے۔ پھر عذابِ قبر اور بات یہیں ختم نہیں ہوگی۔ محشر کو جب حساب قائم ہوگا تو اپنے اعمال کا حساب چکانا ہوگا۔ اگر اعمالِ حسنہ غالب آئیں گے تو بے شک جنت کا حق دار ہوگا اور اگر نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوا تو دوزخ ہاویہ میں ٹھکانہ ہوگا۔ فرمانِ خداوندی جل شانہٗ ہے:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ؕ جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ من مانے عیش میں ہوگا۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہا اُس کا ٹھکانہ ہاویہ میں ہوگا۔ جب اتنے امتحانوں سے گزر کر ہی منزلِ مقصود کو پانا ہے تو انسان کیوں نہ اپنے اعمال کو درست کرلے اور کیوں نہ اپنے نفس پر قابو رکھنے کی کوشش کرے۔

نفس پر قابو پانے کا طریقہ

دین و دنیا میں فلاح حاصل کرنے کے لیے نفس پر قابو پانا لازم ہے اور نفس پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم موت اور اس کے بعد کے انجام کو کسی وقت بھی فراموش نہ کریں اور اس کے ساتھ اپنے اعمال کا محاسبہ بھی کرتے رہا کریں۔

شرح الصدور صفحہ:8 پر اور کیمیائے سعادت صفحہ:234 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:

عقلمند وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو رام کرلیا اور موت کے بعد حساب و کتاب کے لیے عمل کرے۔

موت ایک واعظ

موت کو یاد رکھنے والا انسان عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اپنے پچھلے گناہوں کی معافی کا طلب گار رہتا ہے اور دنیا و مافیہا کو ہیچ خیال کرتا ہے اور معبودِ حقیقی کی عبادت کی طرف حضورِ دل سے راغب ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موت سے انسان بہت کچھ نصیحت حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ شرح الصدور میں صفحہ:8 پر یہ حدیث بھی مرقوم ہے:

كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ موت پورا پورا واعظ ہے۔

موت کی یاد دل کی سختی کو دور کرتی ہے

انسان اگر موت کی سختی اور موت کے بعد عذابِ قبر اور حساب یوم حشر اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کا خیال دل میں لائے تو انسان کا دل دہل جاتا ہے اور وہ اللہ کے عذاب کے خوف سے لرز کر نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ چونکہ وہ خود رحم کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کے دل میں دوسروں کے لیے رحم و کرم کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس طرح دل کی سختی دور ہوجاتی ہے۔

شرح الصدور میں صفحہ:9 پر ایک روایت ہے کہ:

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر دل کی سختی کے بارے میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: موت کو بہت یاد کیا کر، اس طرح سے تیرا دل نرم ہوجائے گا۔

موت کی تیاری

دوستو! اس جہانِ فانی میں کوئی شخص ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ یہاں ہر نازنین کو موت کے سانپ نے ڈسا، جس نے زندگی کے پھول چُنے اسے موت کے خار نے زخمی کیا۔ جس نے شرابِ ہستی کو پینے کی کوشش کی اسے خمارِ موت نے بے ہوش کردیا۔ جس نے دنیا میں خوشیوں کا گنج پایا، اسے موت کا رنج ضرور ملا۔ غرض کہ اس چمن کے ہر نہال کو خزاں کے ہاتھ نے نیست و نابود کردیا۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ہر ذی روح کے لیے موت کو لازم قرار دے دیا۔ فرمایا:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر ذی روح موت کے منہ میں جائے گا۔

دوستو! جب موت سے بچا نہیں جاسکتا تو کیوں نہ ہم اس ناپائیدار دنیاوی زندگی میں آخرت کا کچھ سامان کرلیں اور چونکہ ہمارا اصل ٹھکانہ یعنی منزلِ مقصود موت کے بعد ہی حاصل ہوگی، اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس دنیا کو مثلِ راہ گزر جائیں اور دنیا کی زندگی کو ایک

سفر سمجھ کر ایک مسافر کی حیثیت سے زندگی بسر کریں کہ جس کی نظریں اپنی منزلِ مقصود پر لگی رہتی ہیں۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:139 پر لکھا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں بازو پکڑ کر فرمایا:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ السَّبِيْلِ۔ (بخاری، کتاب الرقاق)

دنیا میں ایسی زندگی اختیار کر جیسے کہ غریب الوطن راہ گیر ہو۔

ایک اور جگہ صحیح بخاری کی روایت یوں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا:

اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:139)

جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر، اپنی صحت کے وقت اپنے مرض کا سامان کر اور زندگی میں موت کا سامان کر۔

موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے

موت کو یاد رکھنا اور اس کا خیال دل میں لانا اعمال کی درستی کے لیے بے شک ضروری ہے۔ لیکن موت کی تمنا کرنا منع ہے کیونکہ ممکن ہے زندگی انسان کے لیے کسی بھی صورت میں نفع بخش ہو۔

بخاری کی روایت ہے کہ سرکار دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّزْدَادَ خَيْرًا۔ وَاِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّسْتَعْتِبَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:139)

تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو اس کی نیکی بڑھے گی اور اگر گناہ گار ہوتو ہوسکتا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرلے۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں صفحہ:5 پر مرقوم ہے کہ حضرت امام احمد نے حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ: ایک آدمی شہید ہوا اور اس کے ایک سال بعد اس کا بھائی بھی مر گیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں ان کو دیکھا کہ شہید کا بھائی اس سے جنت میں آگے ہے۔ آپ اس بات پر متعجب ہوئے اور اپنا خواب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ شہید کے بھائی کے اعمال نے اس کے مرتبے کو بڑھا دیا کیونکہ اس نے ایک ماہ رمضان کے روزے رکھے اور پورے سال نمازیں ادا کیں۔ وہ کیوں نہ اپنے پہلے مرنے والے بھائی سے بڑھ جاتا۔

اس لیے موت کی تمنا کرنا سخت مذموم ہے۔ ہاں اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو موت کے لیے دعا کر سکتا ہے۔

کیونکہ ایک اور مقام پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے: لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 139)

کسی مصیبت کی وجہ سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے، اگر خواہ مخواہ کرنی ہے تو کہے: یا اللہ! جب تک میرے لیے حیات اچھی ہے تو مجھے زندہ رکھ، اگر وفات میرے لیے بہتر ہے تو مجھے وفات دے دے۔

☆☆☆

تیسرا وعظ

در بیانِ اجل رسیدہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (اعراف، آیت: 34)

ترجمہ: تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

سب تعریفیں اس مالک کے سزاوار ہیں جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا اور دنیا میں جس کو زندگی دی اس کے لیے موت کو بھی لازم کر دیا۔ ہزاروں درود اور کروڑوں سلام حضور نبی کریم پر جس کے نور کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا کر کے ساری کائنات کے وجود کا سبب ٹھہرایا۔ لیکن انسان کے امتحان کے لیے اسے دنیاوی زندگی بخشی جس کا اختتام موت کی صورت میں ہے۔

جس وقت انسان اپنے مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق اس دنیا کی زندگی سے محروم ہونے کو ہوتا ہے، حالتِ نزع میں جب قوتِ ناطقہ ختم ہو جاتی ہے یعنی انسان بول نہیں سکتا۔ اُس وقت ایک فرشتہ اس کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ اللہ کے بندے! السلام علیکم۔ مَیں تیرے رزق کا مؤکل ہوں۔ آج میں نے مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ساری زمین پر تیرے لیے رزق کی تلاش کی لیکن تیری قسمت کا ایک لقمہ بھی نہ مل سکا۔ پھر ایک اور فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے: اے خدا کے بندے! میں تیرا ٹھنڈے پانی کا مؤکل ہوں اور تجھے خبر دینے آیا ہوں کہ آج میں نے روئے زمین کے تمام کنوؤں، چشموں، دریاؤں، نہروں اور تالابوں کو دیکھا لیکن تیری قسمت کا ایک گھونٹ پانی بھی نہیں ملا۔ اس فرشتے کے جانے کے بعد ایک اور فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے: السلام علیکم یا عبداللہ! میں تیرے سانسوں کا مؤکل ہوں اور تجھے بتانے آیا ہوں کہ آج تیرے سانس ختم ہو چکے ہیں اور روئے

زمین پر تُو مزید سانس نہ لے سکے گا۔ یہ کہہ کر فرشتہ چلا جاتا ہے۔ تو چوتھا فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے: اللہ کے بندے السلام علیکم! مَیں تیری عمر کا نگہبان تھا۔ آج میں نے دیکھا کہ اس عالمِ ناپائیدار میں تیری عمر ختم ہو چکی ہے اور زندگی کا کوئی لمحہ تیرے لیے باقی نہیں ہے۔ آج تیری روح کا شہباز جس سے تیرے قالب کی رونق تھی۔ تیرے اس قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گا اور اپنے اصل ٹھکانے کی طرف لوٹ جائے گا۔

(الدار الحسان، صفحہ:9 / وقائق الاخبار، صفحہ:13/ نزہۃ المجالس، صفحہ:53,52)

کراماً کاتبین کا آنا

وقائق الاخبار، صفحہ:14 پر اور الدار الحسان، صفحہ:9 پر رقم ہے کہ: اسی اثنا میں کراماً کاتبین عالمِ اجسام میں ہو کر آتے ہیں اور اجل رسیدہ سے کہتے ہیں۔ اے اللہ کے بندے السلام علیک! ہم تیری نیکیوں اور بدیوں کے لکھنے والے تھے۔ آج تیری نیکیوں اور بدیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور دفترِ اعمال مکمل ہو گیا۔ جو احکم الحاکمین جل شانہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر دائیں طرف والا فرشتہ ایک سیاہ رنگ کا صحیفہ اس کے سامنے رکھتا ہے اور پڑھنے کو کہتا ہے اور اجل رسیدہ اپنی اس قدر برائیوں کو دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش اُڑ جاتے ہیں، وہ بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دائیں بائیں دیکھنے لگتا ہے۔ پھر کراماً کاتبین اس صحیفے کو اس کے سرہانے رکھ کر غائب ہو جاتے ہیں۔

دنیا کے حال کا ظاہر ہونا

وقائق الاخبار میں صفحہ:6 پر ہے کہ اجل رسیدہ کے سامنے اس لمحے دنیا کا حال ایک بڑھیا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے: اے گناہ! تجھے اپنے پروردگار سے شرم نہ آئی کہ تو نے میری طلب میں عمر صرف کر دی اور جائز و ناجائز طریقے اختیار کیے۔ اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر نفسانی خواہشات کے تحت گناہوں میں مشغول رہا اور حلال حرام میں تمیز نہیں کیا۔ تیرا خیال تھا کہ تو کبھی نہیں مرے گا۔ آج میں تجھ سے اور تیرے بُرے اعمال سے بیزار ہوں۔ تُو مجھے ناجائز طور پر کماتا رہا اور نہ خود خرچ کیا نہ فقرا و مساکین میں تقسیم کر سکا۔

دیکھ آج میں تیرے دشمنوں کے قبضے میں ہوں، جو اَب پل بھر بھی تجھے اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کریں گے۔

میرے دوستو! یہ وہ وقت ہو گا جب کہ مرنے والے کا نہ مال کام آ سکے گا اور نہ اولاد، کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: یَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ط (شعرا، آیت:89)

آج کے دن نہ مال ہی فائدہ دے گا نہ اولاد مگر صرف وہی کام آ سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ دیا۔

اور اجل رسیدہ عرض کرے گا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ط (مومنون، آیت:100)

اے میرے پروردگار! مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے تا کہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں اس میں بھلائی کماؤں۔

لیکن جواب ملے گا ہر گز نہیں، اب واپس ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیا دنیا میں تجھے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۂ منافقون، آیت:11-10)

اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے۔ پھر کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا اور ہر گز اللہ کسی جان کو مہلت نہ دے گا جب اس کا وعدہ آ جائے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

نیز اللہ جل شانہ فرمائے گا کہ کیا یہ نہیں بتایا تھا کہ:

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔

جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

شیطان کا دھوکہ

شیطان انسان کا ازل سے دشمن ہے اور آخر تک دشمنی کرنے سے باز نہیں آتا۔ طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے انسان کو نارِ جہنم کا ایندھن بنانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے، جیسا کہ کلام پاک میں فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّاط اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ (سورۂ فاطر، آیت:4)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔

شیطان انسان کو ہر حیلے سے اپنے گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آخری دم تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ چاہتا ہے کہ مرتے وقت بھی یہ انسان اپنے ساتھ ایمان کی دولت نہ لے جاسکے لیکن ایمان والے ہمیشہ ثابت قدم رہتے ہیں اور شیطان لعین کے اس داؤ میں نہیں آتے جیسا کہ تیرہویں پارے کی سورۂ ابراہیم میں ارشادِ الٰہی ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۰ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۰ (پارہ:13، سورۂ ابراہیم)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں حق پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ لیکن شیطان انسان کو گمراہ کرنے اور اللہ کی طرف سے بہکانے کی پوری جدوجہد کرتا ہے۔

وقائق الاخبار، صفحہ:9 پر ایک روایت ہے کہ: جب انسان قریب المرگ ہوتا ہے تو قدرتی طور پر اس پر پیاس غالب آجاتی ہے اور پیاس کی شدت اس قدر ہوتی ہے کہ زمین بھر کے دریاؤں کا پانی بھی پی لے تو سیر نہ ہو۔

ایسے وقت میں انسان کا ازلی دشمن یعنی ابلیس لعین ٹھنڈے پانی کا بھرا ہوا پیالہ لے کر مرنے والے کے سرہانے پہنچ جاتا ہے اور اسے ٹھنڈے پانی کا پیالہ دکھاتا ہے۔ قریب المرگ

کو چونکہ علم نہیں ہوتا کہ یہ میرا دشمن شیطان لعین ہے۔ وہ اس مردود سے پانی مانگتا ہے تو شیطان جواب میں کہتا ہے کہ اللہ سے منکر ہو جا تو یہ پانی تجھ کو پلاتا ہوں اور اس پر آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر شیطان آدمی سے کہتا ہے کہ تو اپنے رسول سے بے زار ہو جا تو یہ پانی تجھے پلاتا ہوں۔ لیکن اگر انسان پختہ ایمان والا ہو تو شیطان کے دھوکے میں نہیں آتا اور کہتا ہے: اے مردود! دفع ہو جا، تو مجھے گمراہ کرنے آتا ہے۔ مجھے ایسے پانی کی ضرورت نہیں جو مجھے میرے اللہ اور رسول سے دور کردے۔

حکایت

اسی صفحہ پر راوی آگے بیان کرتا ہے کہ: حضرت ابوزکریا زاید رحمۃ اللہ علیہ پر جب موت کی سکرات کا وقت آیا تو ان کے ایک دوست نے ان کو کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کی تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر انھوں نے کلمے کی تلقین کی تو دیکھا کہ پھر بھی منہ پھیر لیا۔ جب تیسری مرتبہ کلمہ پڑھنے کو کہا تو سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ: نہیں کہتا۔ دوست کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔

جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ مجھے کوئی بات کہتے تھے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ ہم نے تین دفعہ آپ کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا لیکن آپ نے دو مرتبہ تو منھ پھیر لیا لیکن تیسری بار فرمایا کہ: میں نہیں کہتا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس شیطان پانی کا پیالہ لے کر آیا تھا اور میرے دائیں طرف کھڑے ہو کر پانی کی پیشکش کی۔ جب میں نے پانی مانگا تو کہنے لگا کہ صرف اتنا کہہ دو عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے۔ اس پر میں نے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ پاؤں کی طرف آیا اور پانی کا پیالہ دکھاتے ہوئے بولا کہ پانی پیو گے؟ میں نے کہا: ہاں! تو بولا کہ صرف یہ کہہ دو کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کا بیٹا ہے تو میں تجھے پانی پلا دیتا ہوں۔ لیکن میں نے اس بات سے منہ پھیر لیا تو وہ لعین پھر سامنے آکر بولا کہ صرف اتنا کہہ دو کہ خدا کوئی نہیں ہے۔ تو میں تجھے پانی پلا دیتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا: میں نہیں کہتا۔ یہ سُن کر اس نے پیالہ توڑ دیا اور بھاگ گیا۔ یہ میرا منہ پھیرنا اور کہنا شیطان سے تھا، نہ کہ تم لوگوں سے۔ پھر آپ نے بلند آواز سے پڑھا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ ط
اور پھر آپ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

قریب الموت کو تلقین

دوستو! جیسا کہ آپ کو علم ہو چکا ہے کہ شیطان لعین انسان کا دشمن مبین ہے اور ہر وقت اسے گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ آخری دم بھی وہ اسے بے ایمان کی موت مرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مرنے والے کو کلمے کی تلقین کریں۔ نہ صرف اسے ہی تلقین کریں بلکہ خود باآواز بلند پڑھیں تا کہ اجل رسیدہ اس طرف رجوع کرے اور پڑھنے کی کوشش کرے اور کلمۂ طیبہ کے ساتھ اپنا ایمان باحفاظت لے جائے۔ کیونکہ حضرت مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ اپنے اجل رسیدہ کو لا الہ الا اللہ یعنی کلمۂ طیبہ پڑھنے کی تلقین کرو۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 141 پر ابوداؤد کی روایت ہے، معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

جس کا آخری کلام کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں ہے کہ ابن عساکر نے عبدالمجاری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص قریب المرگ تھا۔ جب اسے کلمۂ طیبہ کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا، میں نہیں پڑھ سکتا۔ جب ہوش میں آیا تو اس سے کلمہ نہ پڑھ سکنے کی وجہ پوچھی گئی۔ اس نے بتایا کہ میں ایسی قوم کے ساتھ محبت رکھتا تھا جو مجھے حضرت ابوبکر وعمر کو برا کہنے کا حکم دیتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے اللہ اور اس کے بندوں کے دشمنوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی نقصِ ایمان کا سبب ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ: 141 پر ہے، حضرت ابن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اجل رسیدہ کے سامنے یہ کلمات پڑھو:

لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ

الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر زندہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ فرمایا: اجود، اجود یعنی بہت ہی اچھا ہے، نہایت اچھا ہے۔

تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں حاکم نے سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص 40 بار مرضِ موت میں لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ پڑھے۔ اگر وہ اس مرض میں مرجائے تو شہادت کا درجہ پائے گا اور اگر صحت یاب ہو گیا تو گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ: 10)

سورۂ یٰسین کی تلاوت

مشکوٰۃ میں صفحہ: 141 پر احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے:

اِقْرَؤُا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔ اپنے قریب المرگ پر سورۂ یٰسین تلاوت کرو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور قیامت وبعثت کا حال ہوتا ہے، اس لیے قریب المرگ اس ذکر سے اُنس حاصل کرے گا اور جاں کنی میں آسانی ہوگی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ اجل رسیدہ کی زبان چونکہ ضعیف ہو چکی ہوتی ہے لیکن قلب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس لیے سورۂ یٰسین جو کہ قرآنِ حکیم کا دل ہے، تلاوت کرنی چاہیے تا کہ قریب المرگ کے دل کو تقویت ہو۔

شرح الصدور میں صفحہ: 15 پر حضرت احمد کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: مَا مِنْ مَيِّتٍ يُقْرَأُ عِنْدَ رَاْسِهٖ يٰسٓ إِلَّا هَوَّنَ اللهُ عَلَيْهِ۔

جس میت کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس پر موت آسان فرماتا ہے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ اور تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں صفحہ: 11 پر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت درج ہے کہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین قریب الموت کے پاس سورۂ رعد پڑھنے کو درست رکھتے تھے کیونکہ اس سے جاں کنی میں

آسانی ہوتی ہے۔

اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا جائے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:140 پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی یوں ہے:

اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

تم مریض یا میت کے پاس حاضر ہو تو نیک بات کہو کیونکہ فرشتے تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مریض یا میت کے پاس کوئی بے ہودہ اور بے معنی دنیاوی بات یا کوئی بری بات نہیں کہنی چاہیے بلکہ دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 141 پر مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ایک صحابی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس وقتِ مرگ تشریف لے گئے اور ان کے لیے یہ دعائے خیر کی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلْمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

مسئلہ: (1) درمختار میں ہے کہ جب موت کا وقت قریب آئے اور علامتیں پائی جائیں تو سنّت ہے کہ داہنی کروٹ لٹا کر رُخ قبلہ رو کر دیا جائے یا قریب المرگ کو چت لٹا کر پاؤں قبلہ کی طرف کر دیے جائیں اور سر اونچا کر دیا جائے۔ اس طرح بھی مرنے والے کا منہ قبلہ رُخ ہوگا۔ اگر ایسا کرنے سے قریب المرگ کو تکلیف ہوتی ہو تو جس حالت میں ہے، اسی میں رہنے دیں۔

مسئلہ: (2) بہارِ شریعت میں صفحہ:130 پر ہے کہ تلقین کرنے والا کوئی نیک شخص ہو کہ نیک اور پرہیزگار لوگوں کا اجل رسیدہ کے پاس ہونا اچھی بات ہے۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جائے اور خوشبو کا ہونا مستحب ہے۔

مسئلہ: (3) موت کے وقت حیض و نفاس والی عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں لیکن جن کا حیض منقطع ہو گیا ہو اور ابھی غسل نہ کیا ہو یا جنب کو اجل رسیدہ کے پاس نہیں آنا چاہیے۔ اس کے

علاوہ مکان میں کوئی تصویر ہو یا کتا وغیرہ ہو تو ایسی چیزوں کو نکال دیا جائے کہ ایسی جگہوں پر رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

مسئلہ: (4) بہارِ شریعت میں صفحہ:132 پر ہے کہ میت کے پاس تلاوتِ قرآن مجید اس وقت جائز ہے جب کہ اس کا تمام بدن کپڑے سے ڈھکا ہوا ہو لیکن تسبیح اور دیگر اذکار میں بالکل کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: (5) بہارِ شریعت صفحہ:131 پر ہے کہ قریب المرگ کے ذمے جو قرض وغیرہ ہو اسے جلد از جلد ادا کر دیا جائے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ میت اپنے دَین میں مقید ہوتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک دین نہ ادا کیا جائے اس کی روح معلق رہتی ہے۔

مسئلہ: (6) جب روح نکل جائے تو ایک چوڑی پٹی جبڑے، سر کے نیچے سے سر پر لے جا کر گرہ دے دیں تا کہ منہ کھلا نہ رہے اور آنکھیں بند کر دیں اور یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ۔

انگلیاں منہ ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے جائیں اور میت کے سارے بدن کو کسی کپڑے سے چھپا دیں۔

☆☆☆

چوتھا وعظ

در بیانِ ملک الموت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۔
(سورۂ سجدہ، آیت:11)

فرمادیجیے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، تمھیں وفات دیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

بعد حمد وثنائے ربِ کریم و درود و سلام بر رسولِ امین کچھ موت کے فرشتے کے بارے میں عرض کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے بعد ملائکہ پر بھی ایمان رکھے جو اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ اس خالق حقیقی نے اس نوری مخلوق کے ذمے مختلف اعمال وافعال لگا رکھے ہیں۔ بعض فرشتے تو ہمہ وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ بعض حاملِ عرش وسما ہیں تو بعض کے ذمے ارضی نظام کے اُمور ہیں۔ ارضی نظام کے اُمور میں زمین پر بارش لانا اور انسان کے لیے اس کے حصے کا رزق مہیا کرنا، انسان کے اعمال وافعال کا حساب رکھنا جو منکر نکیر کے سپرد ہے۔ اسی طرح انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہنچانا حضرت جبرائیل کے ذمے تھا اور ان کی دنیاوی زندگی کو زوال دینے والا بھی ایک فرشتہ مقرر ہے جو بحکم الٰہی ہمیں موت دیتا ہے۔ قرآن کریم کے 21ویں پارے، سورۂ سجدہ میں ہے: قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ۔

فرمادیجیے کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے تمھیں وفات دیتا ہے۔

اس فرشتے کا نام عزرائیل ہے جو انسان کی روح قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور روح کے قبض کرنے میں بہت سے دوسرے فرشتے اس کے معاون ہیں جو روح قبض

کرنے میں کسی قسم کا قصور نہیں کرتے۔ قرآن پاک میں ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۔ (انعام، آیت:61)

یہاں تک کہ تم میں سے جب کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو وفات دیتے ہیں اور وہ (اپنے فرض) میں قصور یا کوتاہی نہیں کرتے۔

تفسیر خازن اور کنز الایمان میں ہے کہ معاون فرشتے اجل رسیدہ کا روح نکالتے ہیں اور جب روح حلق تک پہنچتی ہے تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام خود روح قبض فرماتے ہیں۔

ملک الموت کے نزدیک دنیا کی حیثیت

دوستو! حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لیے یہ وسیع وعریض دنیا ایسی ہے جیسے کہ انسان کے سامنے کوئی طشتری یا تھالی پڑی ہوئی ہو اور اس میں سے جو کچھ چاہے اور جتنا چاہے اُٹھا لے۔ ابونعیم وغیرہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جُعِلَتِ الْاَرْضُ لِمَلَكِ الْمَوْتِ مِثْلُ الطَّشْتِ یَتَنَاوَلُ مِنْ حَیْثُ شَآءَ وَجُعِلَ لَهٗ اَعْوَانٌ یُتَوَفَّوْنَ الْاَنْفُسَ ثُمَّ یَقْبِضُهَا مِنْهُمْ ۔ (شرح الصدور، صفحہ:18۔ تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:14)

ملک الموت کے لیے زمین ایک طشت کی مانند بنائی گئی ہے کہ جہاں سے چاہے پکڑے اور اس کے لیے مددگار فرشتے بنائے گئے ہیں جو کہ روح نکالتے ہیں۔ (یعنی وفات دیتے ہیں) اور پھر وہ ان سے روح لے کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

یعنی دنیا میں ایک ہی وقت میں لاکھوں روحوں کے قبض کر لینے پر حضرت عزرائیل کو قدرت دی گئی ہے کیونکہ دنیا مثل ایک تھال کے ہے اور وہ جتنی جانوں پر چاہے، ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معاون فرشتے روح قبض کرتے ہیں اور پھر وہ روح حضرت عزرائیل علیہ السلام کے حوالے کر دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے زبیر بن محمد سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! ملک الموت تو ایک ہے اور مشرق و

مغرب میں لوگ جنگوں میں لاتعداد مرتے ہیں (ان کی روح موت کا فرشتہ ایک وقت میں کیسے قبض کرتا ہوگا) تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو ملک الموت کے لیے ایک تھال کی مانند جمع کردیا ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:14)

شرح الصدور، صفحہ:19 پر ابن حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ دو شخصوں کی روح ایک ہی وقت میں نکل جاتی ہے حالانکہ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہوتا ہے۔ تو حضرت ملک الموت کس طرح ایک وقت میں ان کی روح نکال لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم زمین و آسمان والے ملک الموت کے سامنے ایسے ہو جیسے کسی کے سامنے دسترخوان ہوتا ہے۔ جہاں سے چاہے لقمہ اُٹھائے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ ابن ابی الدنیا نے حسن بن عمار اور انھوں نے حکم سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا کہ کیا تُو ہر شخص کی روح قبض کرتا ہے؟ ملک الموت نے کہا: ہاں! تو آپ نے فرمایا: تُو اس وقت میرے پاس ہے اور لوگ زمین کے مختلف اطراف میں ہیں۔ ملک الموت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین اس طرح مسخر کردی ہے، جیسے تم میں سے کسی کے سامنے تھال رکھا جائے اور اس تھال سے جس طرف جو چیز چاہے پکڑ لے۔ اسی طرح تمام دنیا میرے سامنے ہے۔

ملک الموت کی شکل

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: جب اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنا حبیب بنایا تو ملک الموت نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا: یا الٰہ العالمین! اگر اجازت ہو تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں اس امر کی بشارت پیش کروں۔ اللہ سے اجازت لے کر حضرت ملک الموت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو بشارت دی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائے اور ملک الموت سے پوچھا کہ تُو کافروں کی روح کس طرح قبض کرتا

ہے؟ ملک الموت نے کہا: آپ اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا: رکھتا ہوں۔ تو ملک الموت نے کہا: آپ میری طرف سے منہ پھیر لیں۔ چنانچہ آپ نے منہ پھیر لیا اور پھر دیکھا تو ملک الموت ایک سیاہ فام آدمی کی شکل میں تھے کہ سر اس کا آسمان سے لگ رہا تھا اور تمام بدن کے بالوں میں مرد کی صورت تھی اور منہ اور مساموں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ افاقہ ہوا تو ملک الموت کو اصل حالت میں دیکھا اور فرمایا: اے ملک الموت! اگر کافر کو دنیا میں کوئی رنج اور مصیبت نہ ہو تو صرف تیری اس صورت کا دیکھنا ہی اس کے لیے باعثِ رنج ومحن ہے۔ پھر فرمایا کہ اب بتا مومن کی روح کس شکل میں قبض کرتا ہے اور ملک الموت کے کہنے پر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور پھر دیکھا تو ملک الموت کو ایک خوبصورت جوان کی صورت میں پایا، جو سفید اور معطر لباس پہنے ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے ملک الموت! اگر مسلمان کو مرنے کے وقت دوسرا کوئی عیش وآرام نہ ہو تو صرف تیری صورت دیکھنا ہی کافی ہے۔

(شرح الصدور، صفحہ:18/ کیمیائے سعادت، صفحہ:743/ تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:13)

حکایت

احمد و بزار اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ملک الموت پہلے زمانے میں ظاہر شکل میں لوگوں کے پاس آتا تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے کے لیے آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک تھپڑ مارا کہ حضرت عزرائیل کی آنکھ نکل گئی۔ ملک الموت نے واپس جا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: یاربّ العالمین! تیرے بندے موسیٰ علیہ السلام نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے کے پاس جا اور اس سے کہہ دے کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی جلد پر پھیرے۔ جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، اس کی زندگی اتنے سال ہو جائے گی۔

چنانچہ ملک الموت نے یہ پیغام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تو آپ نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ ملک الموت نے کہا کہ موت۔ تو آپ نے فرمایا: جب آخر موت ہی ہوگی تو میں ابھی اپنے مالکِ حقیقی سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر حضرت ملک الموت نے آپ

کی روح مبارک قبض کرلی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ بھی واپس لوٹا دی۔ اس کے بعد سے ملک الموت لوگوں کے پاس پوشیدہ آتا ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:20)

اجل رسیدہ سے گفتگو

جب موت کا وقت بالکل قریب ہوتا ہے تو موت کا فرشتہ قریب المرگ کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ قریب المرگ اس کی ہیبت ناک شکل دیکھ کر گھبرا جاتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ تو موت کا فرشتہ جواب دیتا ہے کہ میں ملک الموت ہوں اور تیری جان قبض کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اب تیری اولاد یتیم ہو جائے گی، تیری عورت بیوہ ہو جائے گی اور تیرا مال ان لوگوں میں تقسیم ہوگا جن کو تو اپنی زندگی میں دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ تو نے اپنے لیے کوئی نیکی نہیں کی جسے ساتھ جانا ہے۔ جب قریب المرگ یہ باتیں سنتا ہے تو اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے لیکن فرشتہ اس طرف بھی سامنے ہوتا ہے اور پھر وہ دوسری طرف منہ پھیرتا ہے تو اُس طرف بھی فرشتۂ موت کو موجود پاتا ہے۔ حتیٰ کہ ملک الموت کہتا ہے کہ تو نہیں جانتا کہ میں وہ فرشتہ ہوں جس نے تیرے سامنے تیرے والدین کی جان قبض کی اور تو کچھ نہ کر سکا۔ آج تیری باری ہے اور میں تیری جان قبض کروں گا لیکن تیری طرح تیری اولاد، رشتے دار اور دوست واحباب دیکھتے رہیں گے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔ اور میں نے ایسے لوگوں کو ختم کیا ہے جو تجھ سے کہیں زیادہ طاقت رکھتے تھے اور مال اور اولاد میں بھی تجھ سے کہیں بڑھ کر تھے۔

پھر ملک الموت اجل رسیدہ سے پوچھتا ہے کہ تو نے دنیا کو کیسا پایا؟ تو مرنے والا کہتا ہے کہ میں نے دنیا کو آزمایا ہے لیکن اس بے ثبات دنیا کو مکّار اور غدار ہی پایا جو کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔ (الدار الحسان، صفحہ:7 /وقائق الاخبار، صفحہ:6)

میرے دوستو! دیکھو! دنیا کس قدر بے ثبات ہے کہ انسان دنیاوی زندگی میں دنیا سے دل لگا کر اپنے پروردگار کے احکام سے غافل ہو جاتا ہے۔ مال و اولاد کے حصول کو ہی اپنی خوشنودی اور خوش بختی خیال کرتا ہے۔ حالانکہ موت کے وقت کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا۔ نہ کوئی بیٹا یا دوسرا رشتے دار موت کو ٹال سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو روپے پیسے کا لالچ دے کر موت سے

نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ دنیا اسبابِ فانی ہے۔ بعدۂ موت بھی اِک دن آنی ہے کیونکہ
فرشتہ روز کرتا ہے منادی چار کوٹوں میں۔

ع حُلاں اُچیاں والے تیرا گوریں ٹھکانا ہے

میرے دوستو! ہمیں ہر وقت موت کا منتظر رہنا چاہیے کیونکہ موت کے وقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور ہمیں ضرور مرنا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے موت کے فرشتے کے منتظر رہتے ہیں اور ان کو ایک دن بھی زندہ رہنے کی امید نہیں ہوتی۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 224 پر ایک روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ایسے وقت میں بھی تیمم فرما لیا کرتے تھے جب کہ پانی حاصل کرنا ممکن ہوتا کیونکہ آپ کا یہ خیال ہوتا کہ ایسا نہ ہو کہیں پانی تک پہنچنے سے پہلے ہی جان نکل جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز ادا فرماتے تھے اور ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتے جاتے تھے۔ لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھنے کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں ملک الموت کے انتظار میں ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرف سے آتا ہے۔ (کیمیائے سعادت صفحہ:741)

لیکن ہم ہیں کہ موت کو بھلائے بیٹھے ہیں کہ شاید موت کبھی نہ آئے گی اور دل میں یہ خواہش پہلے لے بیٹھے ہیں کہ خدا کرے ہماری عمر ہزار برس سے بھی اوپر ہو۔ کیونکہ ارشادِ الٰہی جل شانہ ہے: يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ۔ ان میں ہر ایک ہزار برس زندہ رہنا پسند کرتا ہے۔

لیکن مومن کی یہ شان نہیں کہ دنیا کی زندگی سے محبت رکھے بلکہ مومن تو موت کو اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک تحفہ خیال کرتا ہے کیونکہ وہ دنیا کی زندگی کے اس پردے کو اپنے اور اپنے خالقِ حقیقی کے درمیان سے ہٹا دینے کا خواہاں ہوتا ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 140 پر ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ موت مومن کے لیے تحفہ ہے۔

☆☆☆

پانچواں وعظ

دربیانِ سکرۃ الموت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۰ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۰ (ق، آیت:19)

موت کی سختی کا آنا برحق ہے اور یہ وہ (تکلیف) ہے جس (کو برداشت کرنے سے) تو بھاگتا ہے۔

سب تعریفیں اس خالق برحق کے لیے مختص ہیں جس نے موت اور حیات کو پیدا فرمایا۔ انسان خواہ ہزاروں برس زندہ رہنے کی تمنا کرے، آخر اسے موت کا پنجہ ایک دن ضرور آکر دبائے گا۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے جو ہزاروں برس زندہ رہنے کی تمنا رکھتے ہیں: یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۰

لیکن اگر یہ ہزار برس کی زندگی مل ہی جائے اور پھر مرنا لازم ہے تو ایسی زندگی کس کام کی۔ مومن کے لیے تو زندگی ایک قید خانے کی مانند ہے۔ وہ دنیا کی زندگی سے گھبراتا ہے اور موت کو ترجیح دیتا ہے۔ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: ''تحفة المومن الموت'' مومن کے لیے موت تحفہ ہے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:141)

اور یہ تحفہ اپنی تمام لذتوں اور تلخیوں کے ساتھ ملتا ہے۔ کیونکہ موت کے ساتھ سختی کا آنا لازم اور برحق قرار دے دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ. (ق، آیت:19)

موت کی سختی برحق آئی اور یہ وہ تکلیف ہے جس سے تو بھاگتا ہے۔

دوستو! موت کی تکلیف لازم ہے تو ہمیں موت کو بھلا کر دنیا کی خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہونا نامناسب ہے۔ بھلا جس شخص کو اس بات کا علم ہو کہ اس پر کوئی ناگہاں

مصیبت آنے والی ہے، وہ بھلا کب چین سے سوئے گا۔ نہ اس کا کھانے پینے میں دل لگے گا اور نہ کسی دوسرے کام میں۔ لیکن جب موت کا یقین ہے تو پھر ہم اس ناپائیدار دنیا میں کیوں دل لگا کر بیٹھ رہیں۔ ہم کیوں نہ آخرت کا سامان بنائیں، کیوں نہ اپنے خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں التجائیں کریں کہ ہماری موت کی سختی میں کچھ آسانی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کی سختی اس قدر ہے کہ: هُوَ تَدْرُ ثَلٰثُ مِائَةِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ ۰ (شرح الصدور، صفحہ:13)

اس کی تکلیف اتنی ہوگی جتنی کہ تین سو بار تلوار لگنے سے ہو۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فرشتے مرنے والے کو بند کر لیتے ہیں اور فرشتے اس کو بند نہ کرتے تو وہ موت کی سختی کی وجہ سے جنگلوں میں بھاگ جاتا۔

نیز سورۂ قیٰمہ میں اللہ تعالیٰ نے سکرات کی سختی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۰ وَقِیْلَ مَنْ رَّاقٍ ۰ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۰ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۰ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ۣالْمَسَاقُ ۰ (قیامہ، آیت:26-30)

جب جان گلے کو پہنچ جائے گی اور (آس پاس کے) لوگ کہیں گے کہ ہے کوئی جو جھاڑ پھونک کرلے (تاکہ شفا ہو) لیکن وہ یعنی مرنے والا سمجھ لے گا کہ یہ (دنیا سے) جدائی کی گھڑی ہے۔ (اور موت کی سختی کی وجہ سے) پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔

شرح الصدور کے صفحہ:113 اور کیمیائے سعادت کے صفحہ:743 پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سکراتِ موت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: موت کی سختی کا یہ حال ہے کہ جیسے کسی کے پیٹ میں کانٹوں والی شاخ ڈال دی جائے اور اس کا ہر کانٹا ایک ایک رگ میں الجھ جائے اور پھر کوئی طاقتور آدمی اس شاخ کو کھینچے، تو اندازہ لگائیے کہ ایسی صورت میں کس قدر تکلیف ہوگی۔ کیمیائے سعادت اور شرح الصدور کے مذکورہ صفحوں پر اور روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی روحِ مبارک جب اللہ عزوجل کے حضور حاضر ہوئی تو اللہ عزو

جل نے فرمایا: اے موسیٰ! تو نے موت کی سختی کو کیسا پایا؟ تو عرض کیا کہ اے الٰہ العالمین! موت کی سختی ایسی تھی جیسے کسی زندہ پرندے کو بھونیں اور نہ ہی وہ مرے، نہ اُڑ سکے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر ہے کہ امام مروزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر موت کی سختی کا ایک قطرہ بھی زمین و آسمان کے رہنے والوں پر رکھا جائے تو سب کے سب فوراً مر جائیں۔

ملک الموت پر سختی

شرح الصدور کے صفحہ: 14 پر ہے کہ ابن ابی الدنیا نے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ سب سے آخر میں ملک الموت کے مرنے کی باری آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ملک الموت! مرجا۔ تو موت کا فرشتہ موت کی سختی کی وجہ سے ایک ایسی چیخ مارے گا کہ اگر وہ چیخ زمین و آسمان کے ذی روح سن لیں تو گھبرا کر سب مر جائیں۔

حکایت

شرح الصدور میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ قبرستان سے گزرا اور دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی کہ وہ کوئی مردہ زندہ فرمائے تا کہ ہم اس سے موت کی کوئی خبر پوچھیں۔ اس وقت ایک شخص ظاہر ہوا جس کا رنگ بالکل سیاہ تھا اور اس کے ماتھے پر سجدے کا نشان تھا۔ اس شخص نے پوچھا: تمہارا میرے ساتھ کیا کام ہے؟ بنی اسرائیل کے لوگوں نے پوچھا: ہمیں موت کے بارے میں کچھ بتلایئے۔ اس نے کہا: میں ایک سو سال پہلے مرا تھا لیکن ابھی تک موت کی تکلیف نہیں گئی۔

مومن کی روح کا نکلنا

دوستو! روح کا نکلنا بہت اذیت بخش ہے لیکن جب مومن کی روح نکلتی ہے تو وہ جمالِ محمدی ﷺ میں کھو کر اُس تکلیف کو بھول جاتا ہے اور محبوبِ خدا کے وسیلے سے اس دُکھ کو محسوس نہیں کرتا۔

حکایت

روایت ہے کہ ایک مردِ خدا نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ایک حدیث سنی ہے کہ آپ کا فرمان ہے کہ مومن کی جان ایسے نکلتی ہے جیسے خمیرے آٹے سے بال نکل آتا ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس نے عرض کیا: قرآن کریم میں ارشاد ربانی یوں ہے:

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ۔ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ۔ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ۔ (قیامہ، آیت: 26-30)

تو کلام اللہ اور حدیث پاک میں موافقت کیسے ہوگی؟ اس پر آپ نے فرمایا: اس بات کا جواب سورۂ یوسف سے مل سکتا ہے۔

چنانچہ اس مردِ خدا نے صبح بیدار ہو کر سورۂ یوسف سے اپنے سوال کے جواب کی تلاش شروع کر دی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آخر ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب بیان کیا اور کہا: مجھے اپنے خواب کی تعبیر نہیں ملی۔ اس پر اس نے بتایا کہ تیرے سوال کا جواب سورۂ یوسف کی اس آیت میں موجود ہے:

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ (سورۂ یوسف، آیت: 31)

اللہ اللہ جمالِ یوسفی میں وہ مصری عورتیں اس قدر محو ہوئیں کہ بجائے پھل کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور انھیں اِس امر کا احساس تک نہ ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ کاٹ رہی ہیں یا پھل۔ ان کی نظریں حضرت یوسف علیہ السلام کے مقدس و مبارک و حسین و جمیل چہرے پر تھیں۔ زبان آپ کی مدح میں مصروف تھی یعنی ان کی توجہ خالص حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف تھی اور وہ بے خودی میں یہ نہ محسوس کر سکیں کہ ان کے ہاتھ کٹ رہے ہیں یا پھل۔ نہ کوئی درد محسوس ہوا نہ چہروں پر کوئی اثر نمایاں ہوا اور نہ ہی کوئی کرب ناک آواز نکلی، بلکہ وہ جمالِ یوسفی میں کھو جانے کی وجہ سے خوش تھیں۔

دوستو! ذرا اپنی انگلی پر سوئی چبھو کر تو دکھاؤ کہ تم میں اتنی سی تکلیف برداشت کرنے کی

جرأت موجود ہے یا نہیں۔ ہاں! مومن جب مرتا ہے تو جمالِ مصطفوی میں کھوجاتا ہے۔ اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی تو اسے اپنی جان کے نکلنے کی تکلیف کا احساس کہاں، وہ تو حضور نبی اکرم کے حسن و جمال پر فدا ہو رہا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے موت کی سختی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

میرے دوستو! اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ فرشتے نہایت نرمی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔

امام احمد اور ابوداؤد وغیرہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مومن قریب المرگ ہوتا ہے تو آفتاب کی طرح روشن چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں جن کے پاس جنت کے کفن اور خوشبو ہوتی ہے۔ وہ مرنے والے کے اردگرد آکر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر ملک الموت اس کے سرہانے آکر بیٹھ جاتا ہے اور فرماتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ۔ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ (سورۃ الفجر، آیت:27-30)

اے (خدا کے ذکر سے) سکون حاصل کرنے والی جان! اللہ تعالیٰ کی رضا اور بخشش کی طرف نکل آ، اور مومن کی روح اس کلام کی لذت سے اس قدر آسانی سے نکلتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ نکل آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے کہ ملک الموت اجل رسیدہ مومن کے ساتھ اس طرح مہربانی سے پیش آتا ہے جیسے ماں اپنے بچے کے ساتھ۔ کیونکہ یہ روح، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والی ہوتی ہے۔ ملک الموت اس روح کو بدن سے اس طرح کھینچتا ہے: كَمَا تُسَلُّ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ جیسے آٹے میں سے بال کو کھینچتے ہیں۔ اور جو فرشتے روح کے اردگرد ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ۔ تم پر سلامتی ہو، خوش ہو جاؤ اور ہمیشہ رہنے کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

روح جسم سے کہتی ہے حق تعالیٰ تجھ کو جزائے خیر دے کہ تو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرماں

برداری میں جلدی کرنے والا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دور رہنے والا تھا۔ تجھے مبارک ہو کہ تو نے خود نجات پائی اور مجھے بھی نجات دی اور جسم بھی روح سے اسی طرح کہتا ہے۔

ابو یعلیٰ اور ابن ابی الدنیا نے تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: مومن کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے دوست کے پاس جا اور اسے میرے پاس لا، کیونکہ میں نے اس کا امتحان لیا ہے اور اسے اپنا دوست پایا ہے۔ ملک الموت پانچ سو فرشتوں کے ساتھ آتا ہے جس کے پاس بہشت کی خوشبو ہوتی ہے اور ہاتھوں میں ایسے گلدستے ہوتے ہیں کہ ان کی جڑ ایک اور سرے پر بیس رنگ کے پھول کھلے ہوتے ہیں اور ہر پھول کی خوشبو علیحدہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں فرشتوں کے پاس کستوری اور عنبر سے معطر سفید ریشم کے رومال ہوتے ہیں۔ ملک الموت میت کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور دوسرے ملائکہ اس کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں۔ میت کے اعضا پر ہاتھ رکھتے ہیں اور ریشمی رومال اور کستوری اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھیلا دیتے ہیں۔ اس اجل رسیدہ کے لیے بہشت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اسے جنت کی نعمتوں مثلاً میوؤں اور حور و غلمان کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور اس کی روح نکلنے کے لیے جلدی کرتی ہے۔ اس وقت ملک الموت کہتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ۔

اے نفس مطمئنہ! بغیر کانٹوں والی بیری کی طرف، گھنی ٹہنیوں والے درخت کی طرف لمبے سائے کی طرف اور بہتے پانی کی طرف نکل۔

مومن کی روح کے ساتھ حسنِ سلوک

مومن میت کی روح کے ساتھ فرشتے بے حد شفقت اور عزت سے پیش آتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا رضا جو دوست ہوتا ہے اور اللہ اس پر مہربانی کا امر فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اے اللہ کی رضا کے مطابق سکون حاصل کرنے والی جان! اپنے رب کی طرف

واپس ہو جا کیونکہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ میری جنت میں اور میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔

دوستو! جب مومن کی روح نکلتی ہے تو ملک الموت اسے اردگرد بیٹھے ہوئے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے جو اسے خوشبو اور کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس روح سے بہترین خوشبو آنے لگتی ہے۔ جب اس روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو فرشتے دیکھ کر کہتے ہیں:
مَا هٰذَا روح الطیب۔ یہ کیسی پاکیزہ روح ہے۔ روح بردار فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ معزز و مکرم انسان فلاں بن فلاں کی روح ہے۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور پہلے آسمان کے مقرب فرشتے بطورِ تعظیم اس روح کی معیت میں دوسرے آسمان تک جاتے ہیں۔ دوسرے آسمان کے فرشتے تیسرے آسمان تک حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک اسی طرح روح کا استقبال کیا جاتا ہے۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اس میرے بندے کا نام علیین میں لکھو۔ (مشکوۃ، صفحہ:142)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب مومن کی روح کو آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ستر فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں اور ہر فرشتہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اسے بشارت دیتا ہے۔ جب ملک الموت اسے عرش تک پہنچاتا ہے تو وہ اپنے پروردگار کو سجدہ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میرے بندے کو جنت میں لے جا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:22 / شرح الصدور، صفحہ:23)

مومن کے جسم کے ساتھ سلوک

جب مومن کی روح بحکم ربّہ قبض ہوتی ہے تو پانچ سو فرشتے اس کے پاس ہوتے ہیں۔ جس وقت لوگ اس مردہ کی کروٹ بدلتے ہیں تو فرشتے اس سے پہلے اس کی کروٹ بدلتے ہیں اور کفن پہنانے سے پہلے اس کو کفن پہناتے ہیں اور اس کے استقبال کے لیے اور اس غفار کی خاطر فرشتے اس کے مکان کے دروازے سے قبر تک دو صفوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ابلیس ایک ایسا نعرہ مارتا ہے جس سے اُس کے جسم کا بعض حصہ پھٹ جاتا ہے

اور وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے لیے ہلاکت ہو۔ یہ بندہ تم سے کیونکر بچ نکلا، تو وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں تھا، اس پر ہمارا داؤ نہیں چل سکا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور)

مومن کی روح کی اہلِ رحمت ارواح سے ملاقات

مشکوۃ میں صفحہ:142 پر فرمانِ نبوی ہے کہ جب کسی مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس کی مومنوں کے ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ اس سے دنیا کے حالات کے بارے میں پرسش کرتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ خدا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

فَيَاتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِغَائِبِهٖ يُقَدِّمُ عَلَيْهِ فَيَسْئَلُوْنَهٗ مَاذَا فَلَانٌ مَاذَا فَلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ اَمَا اَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهٖ اِلٰى اُمِّهِ الْهَاوِيَةِ۔

پس اس (مومن کی روح) کو دوسرے مومنوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں۔ انھیں اس قدر زیادہ خوشی ہوتی ہے جیسے تم کسی اپنے عزیز کے سفر وغیرہ سے واپس آنے پر خوش ہوتے ہو۔ وہ اس کا استقبال کرتی ہیں اور اس سے پوچھتی ہیں کہ فلاں کیسا ہے اور فلاں کا کیا حال ہے؟ اور کہتی ہیں کہ اسے چھوڑ دو، ابھی یہ دنیا کے غم میں ہے۔ اور وہ روح جواب میں کہتی ہے کہ وہ تو مر گیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ روحیں جواب دیتی ہیں کہ پھر اس کو (موت) اس کی ماں یعنی روح ہاویہ کی طرف لے گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی کا بیٹا پہلے مر چکا ہو اور پھر جب اس کا باپ مرتا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے تو اس کے بیٹے کی روح اس کا استقبال کرتی ہے۔ جیسے تم کسی عزیز کی آمد پر استقبال کرتے ہو جو سفر وغیرہ میں دور رہ چکا ہو۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:135)

کافر کی روح کا نکلنا

کافر کو دقت آمیز موت نصیب ہوتی ہے اور اس کی روح کے نکلنے کا نظارہ نا قابلِ دید ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کافر کی روح کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں اور نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (انفال، آیت: 51)

اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں وہ ان کے چہروں اور پیٹھ پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں آگ کا عذاب چکھو۔ یہ تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

ابو یعلیٰ اور ابن ابی الدنیا نے تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: جب کافر کی موت کی گھڑی قریب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے کہ میرے اس دشمن کی طرف جا اور اسے میرے پاس لے آ۔ میں نے دنیا میں اس کے رزق کو فراخ کیا اور اپنی نعمتوں سے اسے آرام پہنچایا۔ مگر اس نے سوائے نافرمانی کے اور میرے لیے کچھ نہیں کیا۔ جا اسے لے آ تا کہ اسے اس کی نافرمانی کا بدلہ دے دوں۔ تو ملک الموت اس کافر کے پاس ایسی کریہہ شکل میں جاتا ہے کہ کبھی ایسی بری شکل اس آدمی نے نہ دیکھی ہوگی۔ ملک الموت کے پاس آگ کی ایک خاردار سیخ ہوتی ہے اور اس کی معیت میں پانچ سو ہیبت ناک فرشتے ہوتے ہیں، جن کے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں۔ ملک الموت جب اس آگ کی سیخ سے اس قریب المرگ کافر کو مارتا ہے تو اس سیخ کا ہر کانٹا اس کے رگ و مو میں پہنچ جاتا ہے اور ملک الموت اس کو کھینچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دشمن بے ہوش ہو جاتا ہے اور فرشتے اس کی پیٹھ اور چہرے پر کوڑے مارتے ہیں۔ پھر اس کی روح اس کی کمر تک کھنچی جاتی ہے اور پھر سینے اور حلق تک۔ فرشتے دوزخ کی آگ اور دھواں اس کی ٹھوڑی کے نیچے دیتے ہیں۔ پھر ملک الموت کہتا ہے:

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْعِیْنَةُ الْمَلْعُوْنَةُ اِلٰی سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ۔

اے لعین و ملعون جان! گرم لو، گرم پانی اور دھوئیں کے سائے کی طرف نکل، جس میں نہ ٹھنڈک ہے نہ تری و لطافت۔ جب ملک الموت روح کو قبض کرتا ہے تو روح جسم سے کہتی ہے: خدا تجھے سزا دے کہ تو گناہوں کی طرف جلدی کرتا تھا اور اطاعت کی طرف دیر کرنے والا تھا۔ تو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا۔ پھر ایسے ہی جسم روح سے کہتا ہے وہ کافر خبیث زمین کے جس حصے پر کرتا تھا وہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور ابلیس کے کارندے اسے خوش خبری دیتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو دوزخ میں پہنچانے کا کارنامہ کیا ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ: 25-26)

کافر کی روح کے ساتھ سلوک

حضرت براء بن عارف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ جب کافر مرتا ہے تو سیاہ چہروں والے خوفناک فرشتے ٹاٹ کا لباس لے کر میت کے گرد بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے:

اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اُخْرُجِیْ اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ۔

اے خبیث جان! اللہ تعالیٰ کے غضب کی طرف نکل۔

یہ سن کر وہ روح چھپتی پھرتی ہے اور ملک الموت اُسے ایسے کھینچتا ہے جیسے گیلی پشم کے ساتھ گرم سیخ کھینچی جائے۔ ملک الموت اسے ایسے کھینچتا ہے کہ عذاب کے فرشتے پکڑ لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ جب ان کا گزر فرشتوں کی ایک جماعت سے ہوتا ہے تو وہ روح کی مردار جیسی بو سے بیزار ہو کر کہتے ہیں، یہ کس خبیث کی روح ہے؟ تو ان کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں کی روح۔ اور اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ اس فرمان کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۔ (سورۂ اعراف، آیت:4)

ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔

پھر آپ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت سے روح کا حال بیان فرمایا:

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:142-143)

مرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا تو اس کو پرندے اٹھا کر لے گئے یا ہوا نے اسے کسی دور دراز جگہ پر گرا دیا۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سب کو ایمان وایقان عطا فرمائے اور دین اور اسلام پر موت دے۔ اپنے عذاب سے بچائے۔

☆☆☆

چھٹا وعظ

دربیانِ نوحہ خوانی برمیّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ. اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:156)

سب تعریفیں اُس خالق برحق کو لائق ہیں جس نے موت وحیات کو پیدا فرما کر انسان کے لیے منزلِ مقصود پر پہنچنے کا ذریعہ بتایا کہ دنیا انسان کا اصل ٹھکانہ نہیں اور اصل ٹھکانہ ہمیں موت کے بعد ہی مل سکتا ہے۔ پھر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام رہبر اعظم کے حضور کہ جس نے راہِ ہدیٰ کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے جب ہر ایک ذی روح کے لیے موت کو مقرر فرمایا تو موت کے پنجے سے نجات کسی صورت نہیں کہ: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۝ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جب موت ٹل نہیں سکے گی اور واویلا کرنے سے مردہ زندہ نہیں ہو سکے گا تو میت پر رونے پیٹنے اور گریہ کرنے کا کیا فائدہ۔ بلکہ آہ وبکا کرنے والا خود بھی گنہگار ہوتا ہے اور میت کو بھی تکلیف پہنچاتا ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ:150 پر فرمانِ نبوی ﷺ کچھ اس طرح مرقوم ہے:

اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:150)

ترجمہ: بے شک میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔

صبر کرنے والوں پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے

اگر ہمارے رونے سے میت کو عذاب ہو تو ہمیں ہرگز رونا چلانا نہیں چاہیے کیونکہ صبر

کرنے سے ایک تو میت کے سر سے عذاب ٹلتا ہے، دوسرے اللہ تعالیٰ صبر کا اجر دیتا ہے۔
ہمیں تو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم اللہ کے لیے اس دنیا میں آئے ہیں کہ اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر کے اسی کی طرف لوٹ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیے اپنی رحمت خاص کر دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (بقرہ، آیت:156-157)

اُن صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو جو مصیبت پڑنے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہتے ہیں۔ اُن پر اُن کے رب کی طرف سے درود اور رحمتیں (نازل) ہوتی ہیں اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

نیز قرآن کریم میں یہ بھی ارشاد ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (زمر، آیت:10)

بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

صبر سے جنت ملتی ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:151، شعب الایمان)

جب میں کسی مومن کے دنیوی محبوب کی جان قبض کرتا ہوں اور وہ اس پر ثواب سمجھ کر صبر کرتا ہے تو اسے اجر جنت کی صورت میں دیتا ہوں۔

مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلٰٓئِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ

فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ابْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ۔ (رواہ احمد والترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی۔ فرشتے کہتے ہیں: ہاں! پھر اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ میرا بندہ کیا کہتا تھا؟ تو عرض کرتے ہیں کہ تیری تعریف کرتا تھا اور رجوع کرتا تھا۔ (یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتا تھا) تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور بیت الحمد میں اس کا نام لکھو۔

میرے بھائیو! ہر حال میں صبر مفید ہے کہ موت یا کوئی مصیبت آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے رونا پیٹنا ناجائز اور فضول ہے۔ ہاں! کسی کے مرنے پر غم محسوس کرنا اور آنکھوں سے آنسو بہا لینا برا نہیں ہے، بلکہ باعثِ رحمت ہے۔

آنکھوں سے رونا جائز ہے

کسی عزیز کی موت کے وقت آنکھوں سے رو لینا یعنی آنسو بہا لینا جائز ہے بلکہ حضور نے اسے رحمت قرار دیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:150 پر ایک روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما رہے تھے تو حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ رو رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! آنکھوں سے رونا رحمت ہے۔ پھر فرمایا:

اَلْعَيْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَنَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ، صفحہ:150)

آنکھیں روتی ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم رضائے رب کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں مغموم ہیں۔

صاحبو! یہ بات تو عیاں ہے کہ میت کے غم میں آنسو بہالینا جائز ہے لیکن بعض عورتیں روتی پیٹتی اور نوحہ کرتی ہیں اور اگر مرد ایسا فعل کریں تو ہمارے اکثر لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں حالانکہ یہ سراسر گناہ ہے، کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں کو جنازے میں دیکھتے تو فرماتے چلی جاؤ: زَوْرَاتٍ غَیْرُ مَاجُوْرَاتٍ گناہ کا بوجھ اُٹھانے والی اجر سے خالی ہو۔ اور فرماتے: تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی ہو اور مُردوں کو نوحہ کرکے ایذا پہنچاتی ہو۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:81)

روایت ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصال فرما گئے تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر خیمہ نصب کیا اور سال بھر وہاں ہی رہی۔ جب ایک سال کے بعد خیمہ اُکھاڑ کر واپس ہونے لگی تو غیب سے آواز آئی:

اَلَاهَلْ وَجَدُوْا مَافَقَدُوْا ۔ کیا تو نے اپنے مفقود (غائب) کو پالیا۔

تو کسی نے جواب دیا: بَلْ یَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا بلکہ ناامید ہو کر واپس لوٹے۔

بین کرنے اور سننے والوں پر لعنت

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: اَلنَّائِحَۃُ وَمَنْ حَوْلَھَا مِنْ مُّسْتَمِعِھَا عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ (وقائق الاخبار، صفحہ:13)

بین کرنے والی عورت پر اور اس کے آس پاس کے سننے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔

پس میرے بھائیو! اب غور کرو کہ نوحہ کرنے والی ہی نہیں بلکہ سننے والے بھی ملعون ہوتے ہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم جب اپنی ماؤں، بہنوں یا بیٹیوں کو ایسا کرتے دیکھیں تو فوراً اُنھیں روکیں اور سمجھائیں تاکہ اس لعنت سے خود بھی بچیں اور ان کو بھی بچائیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام انسان کرتے ہیں بلکہ رسولِ اکرم ﷺ نے خود نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلنَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ ۔ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی پر لعنت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

نوحہ کرنا اور پیٹنا جہالت ہے

حضور نے اس بین کرنے اور پیٹنے کو جہالت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو ایمان سے خارج بتلایا ہے کہ وہ ہم سے نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعٰی بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:150)

جو رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور پکارے پکارنا جاہلیت کا (یعنی بین کرے) وہ ہم سے نہیں۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:150 پر حضرت مسلم کی روایت سے ہے کہ ابو مالک الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاھِلِیَّۃِ لَا یَتْرُکُوْنَھُنَّ اَلْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ ۔ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّیَاحَۃُ وَقَالَ النَّائِحَۃُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِھَا تَقُوْمُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلَیْھَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:150)

میری اُمت چار جہالت کی باتیں ترک نہیں کرے گی، وہ یہ ہیں: فخر کرنا حسب میں، طعن کرنا نسب میں، ستاروں سے بارش کا اندازہ لگانا اور نوحہ کرنا، اگر نوحہ کرنے والی مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو قیامت کے دن اس کا لباس ہوگا قطران کا اور قمیص ہوگا خارش کا۔

پس دیکھ لو میرے دوستو! نوحہ کرنے والے کے لیے قیامت کے دن عذاب ہوگا، یہی نہیں بلکہ جس پر نوحہ کیا گیا اس کے لیے بھی عذاب ہوگا۔

مَرَّتَیْنِ فَکَفَفْتُ عَنِ الْبُکَاءِ فَلَمْ اٰبَاہُ ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

مختصر یہ کہ کسی عزیز کی وفات پر یا مصیبت کے وقت رونا یا بَین کرنا سخت گناہ ہے۔ جس
کاعذاب رونے والے کو قیامت کے دن ہوگا اور جس پر بَین کیا جائے اس سے بھی سوال کیا
جاتا ہے کہ تو ایسا ہے جیسا کہ بَین کرنے والا کہہ رہا ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے۔

تو میرے دوستو! کسی عزیز کے مرنے پر رونا جائز نہیں اور بَین کرنا یا پیٹنا تو سخت گناہ
ہے۔ البتہ! اگر دل میں غم محسوس کیا جائے اور آنکھوں سے اشک ریزی کی جائے تو احسن ہے
کیونکہ غم پر قابو پانا انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ عزوجل اس پر قادر ہے کہ کسی میں شدید
احساس پیدا کردے یا کسی میں کم۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے صبر کی تلقین کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ خود بھی صبر کرنے والوں
کا ساتھ دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اس لیے صبر کرنا ہی بہتر اور احسن ہے۔
اللہ تعالیٰ سب کو صبرِ جمیل اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

نوحہ سے میت کو عذاب

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ
فرماتے سنا: مَنْ نِيْحَ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ يُعَذَّبُ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔
(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:151)

جس پر نوحہ کیا جاتا ہے بلاشبہ قیامت کے دن اسے نوحہ کے سبب عذاب دیا جائے گا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اُغْشِيَ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ اُخْتُهٗ عُمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ
وَا كَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ اَفَاقَ مَا قُلْتُ شَيْئًا اِلَّا قِيْلَ لِيْ اَنْتَ
كَذَالِكَ فَلَمَّا مَاتَ فَلَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

عبداللہ بن رواحہ پر غشی طاری ہوئی تو اس کی بہن عمرہ نے رونا شروع کیا اور کہنے لگی
اے پہاڑ افسوس اور ایسے گننے لگی کہ اے ایسے اے ایسے۔ جب اسے افاقہ ہوا تو کہا کہ جو

کچھ تو نے کہا ہے مجھ سے پوچھا گیا کہ تو ایسا ہی ہے؟ جب وصال ہوگیا تو وہ نہ روئیں۔

تو میرے بھائیو! ثابت ہوتا ہے کہ کوئی نوحہ کرتا ہے یا بَین کرتا ہے تو میت سے اسی
طرح سوال کیا جاتا ہے کہ نوحہ کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے؟ تو ایسا ہی ہے اور
ساتھ میت کو مارا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ بَاكِيْهِمْ فَيَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ وَنَحْوَ
ذَالِكَ اِلَّا وُكِّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهٖ وَيَقُوْلَانِ اَهٰكَذَا كُنْتَ۔
(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:152)

جب کوئی میت پر کھڑا ہو کر کہے ہائے پہاڑ ہائے سردار وغیرہ تو اللہ تعالیٰ اُس میت پر دو
فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے سینے پر گھونسے مارتے ہیں اور کہتے ہیں تو ایسا تھا۔

رونے اور بَین کرنے سے شیطان گھر میں داخل ہوتا ہے

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ جب ابو سلمہ مر گئے جو حالتِ سفر میں
تھے تو میں نے کہا کہ میں ایسا روؤں گی کہ نقل کیا جاوے (یعنی ضرب المثل بن جائے)۔
جب مَیں نے رونے کی تیاری کی اور ایک عورت میرے رونے میں شرکت کے لیے بھی آ گئی
تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لے آئے اور فرمانے لگے:

اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَدْخُلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ۔
کیا تو اس بات کا ارادہ کرتی ہے کہ شیطان کو گھر میں داخل کرے جسے اللہ نے نکال دیا ہے۔

☆☆☆

ساتواں وعظ

دربیانِ جنازہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:148)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ہزاروں درود اور لاکھوں سلام ہو کہ جو خیر الخلائق وفخر انبیا ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکی کرنے میں پہل کرو یا سبقت لے جاؤ اور تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا کے لیے تمھیں اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے:

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

ہر وہ کام نیکی ہے جس سے کسی کو فائدہ پہنچے اور اس میں خود غرضی شامل نہ ہو۔ راستے سے کوئی روڑا یا پتھر ہٹانا بھی نیکی ہے۔ ایسی نیکیاں تو بے شمار ہیں لیکن آخری نیکی اگر کسی کی جع کی جائے وہ یہ ہے کہ جب وہ مرے تو اس کے کفن دفن کا انتظام کرے۔ اس بات کی بھی سب میں استطاعت نہیں ہو سکتی تو کم از کم جنازہ جائے تو سب کے ساتھ چلے، چارپائی کو کندھا دے اور نمازِ جنازہ ادا کرے اور میت کے حق میں دعا کرے کہ اس کی مغفرت ہو۔ بھلا بتایئے تو اگر کسی کے حق میں دعا کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے، اس سے بڑی کوئی نیکی اس میت کے حق میں ہو سکتی ہے؟ ذرا سوچیے ”ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے“

کے مصداق اللہ کے حضور دعا کرنے میں نہ کوئی پیسہ خرچ ہو، نہ کوئی بوجھ اُٹھانا پڑے پھر میت کی بخشش کا سامان اور بدلے میں نیکیاں بے شمار۔ کیونکہ جہاں بھی ہم ہوں گے اللہ تعالیٰ بلا کی نیکی کا اجر دے گا۔ دوستو! ایسی مفت کی نیکیوں سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے بلکہ بمطابق فرمانِ خداوندی: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ نیکی کرنے میں پہل کرنی چاہیے۔ تاکہ دوسرے کو بھی فائدہ پہنچے اور خود بھی نیکیاں حاصل ہوں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ نمازِ جنازہ ادا کرنے سے ایک تو میت کے لیے بخشش دوسرے خود اپنے لیے ثواب۔

بہارِ شریعت، حصہ چہارم صفحہ: 145 پر ہے کہ میت اگر پڑوسی یا کسی رشتے دار یا کسی نیک شخص کی ہو تو اس کے جنازے کے ساتھ جانا نفل نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔

ذرا فرمانِ نبوی ﷺ ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِّثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ۔
(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

اگر کوئی ایمان والا ثواب اور نیکی کے لیے مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے حتیٰ کہ اس کی نمازِ جنازہ ادا کرے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹتا ہے اور ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے اور جو نماز پڑھ کر دفن سے پہلے واپس ہو جائے وہ ایک قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹتا ہے۔

بھائیو! اندازہ کرو کہ کس قدر ثواب ہے، جنازہ میں شامل ہونے اور نماز جنازہ ادا کرنے کا۔ اب ذرا جنازہ کے متعلق دیگر مسائل سن لیجیے۔

جنازہ لے جانے میں جلدی

ہمارے لوگ جنازہ لے جانے میں جلدی نہیں کرتے، بلکہ کسی کے مرنے پر جب تک

اکثر رشتے دار یا عزیز پہنچ نہ جائیں جنازہ گھر سے نہیں نکالا جاتا۔ حالانکہ جنازہ لے جانے میں جلدی کرنی چاہیے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا عَلَيْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰى ذَالِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

جنازہ لے جانے میں جلدی کرو اگر وہ نیک ہے تو اسے بھلائی کی طرف لے جانے میں جلدی کرنی چاہیے، اگر وہ نیک نہیں تو اسے اپنی گردنوں کے ساتھ باندھ رکھنا بُرا ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن برا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہو گئے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور ان کے حال کو دیکھ کر فرمایا: طلحہ وفات پانے والے ہیں، جب فوت ہو جائیں تو مجھے اطلاع دینا اور دفن میں جلدی کرنا کیونکہ:

لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ اَهْلِهٖ۔

مسلم میت کے لیے نامناسب ہے کہ اسے اپنے گھر والوں میں بند کر کے رکھا جائے۔

میت کی آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِيْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا يَاوَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ۔

(رواہ البخاری، مشکوٰۃ، صفحہ:144)

جب جنازہ چارپائی پر رکھا جاتا ہے اور آدمی اس کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، پس اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے جاؤ، اگر بدکار ہوتا ہے تو اپنی اہل کو کہتا ہے: اے ہلاکت! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ انسان کے علاوہ اس کی آواز ہر شے سنتی ہے۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

دیکھو دوستو! میت کس قدر جلدی چاہتی ہے کہ اسے قبر کی طرف لے جایا جائے بشرطیکہ

وہ نیک ہو، لیکن اگر بدکردار ہے تو اس کا رکھنا سراسر نحوست ہے۔

جنازے کو کندھا دینا

جیسا کہ پہلے وعظوں میں بیان ہو چکا ہے کہ لوگوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق ہیں جن کو حقوق العباد کہتے ہیں۔ ان حقوق میں ایک مومن پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرے اور جنازے کو کندھا دے۔ اس طرح یہ آخری حقوق دنیوی بھی پورے کرے۔

شہنشاہِ دو عالم ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ خود اُٹھایا اور فرمایا: مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:146)

جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اُسے تین مرتبہ اُٹھائے (کندھا دے) پس تحقیق اُس نے حق ادا کیا جو اس پر تھا۔

کندھا دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے چاروں پایوں کو کندھا دے اور ہر بار دس قدم چلے۔ پہلے دائیں سرہانے کو پھر دائیں پائینتی کو پھر بائیں سرہانے کو اور پھر بائیں پائینتی کو کندھا دے اور ہر بار دس قدم چل کر چالیس قدم پورے کرے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ جو چالیس قدم جنازہ اُٹھا کر چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیے جائیں گے۔

حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ جو جنازے کے چاروں پایوں کو کندھا دے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور بخش دے گا۔ (بہارِ شریعت، جلد:4، صفحہ:144)

جنازے کا چلنا

جنازہ لے جانے میں سرہانہ آگے کی طرف ہونا چاہیے۔ (بہارِ شریعت، صفحہ:145)

جنازہ معقول تیزی کے ساتھ لے جانا چاہیے، یعنی نہ بہت تیز اور نہ آہستہ اور اس طرح چلنا چاہیے کہ میت کو جھٹکا نہ لگے۔

جنازہ کے دائیں یا بائیں کی بجائے پیچھے چلنا چاہیے اور اگر کوئی آگے جا رہا ہو تو اتنی دور ہو کہ ساتھیوں میں شمار نہ ہو۔ (عالمگیری بحوالہ بہارِ شریعت، صفحہ:144)

سوار اگر جنازہ کے پاس سے گزرے تو اُسے اُتر جانا چاہیے۔

عورت کا جنازہ کے ساتھ جانا ناجائز اور منع ہے۔ نوحہ کرنے والیوں کو خاص طور پر سختی سے منع کیا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر عورتوں کو جنازے میں دیکھتے تو فرماتے: تم واپس چلی جاؤ کیونکہ تم زَوْرَاتٍ غَیْرُ مَاجُوْرَاتٍ ہو، یعنی گناہوں کا بوجھ اُٹھانے والی اور اجر سے خالی ہو۔ فرماتے: تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی ہو اور مُردوں کو نوحہ کر کے ایذا پہنچاتی ہو۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:81)

جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو خاموشی سے چلنا چاہیے۔ موت اور قبر کے حالات اور قبر کا خوف دل میں لانا چاہیے۔ ہنسنے اور باتیں کرنے کی بجائے کلمۂ شہادت اور درود شریف کا وِرد کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جنازے کے ساتھ ہنستے دیکھا تو اس سے فرمایا: جنازے میں ہنستا ہے، مَیں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔

(درمختار بحوالہ بہارِ شریعت:145)

ابن عساکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: یا اللہ! اس شخص کی کیا جزا ہے جو تیری رضا کے لیے جنازہ کے ساتھ قبر تک جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی جزا یہ ہے کہ اس کی موت پر فرشتے اس کے جنازے کے ساتھ جائیں گے اور میں اس کی روح پر رحمت کروں گا۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:36)

نمازِ جنازہ میں تعداد کی کثرت

نمازِ جنازہ کے لیے جماعت شرط نہیں، صرف اکیلا مسلمان جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ البتہ جتنے زیادہ آدمی جنازہ میں شرکت کریں میت کی بخشش کا اسی قدر زیادہ امکان ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِاَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:145)

کوئی ایسی میت نہیں جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز ادا کرے کہ جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ اس کے لیے شفاعت کریں اور اِس سے اُس کی بخشش نہ ہو۔

حضرت کریب جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے، فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند ارجمند فوت ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے کریب! دیکھو تو جنازہ کے لیے لوگ جمع ہو گئے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آ کر بتایا کہ لوگ جمع ہیں۔ تو فرمایا: اب جنازہ لے چلو، کیونکہ فرمانِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:145)

جو مسلمان مرجائے اُس پر چالیس مسلمان نمازِ جنازہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس کے حق میں قبول فرماتا ہے اور وہ بخشا جاتا ہے۔

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا وَجَبَ۔ (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:1147)

جس مسلمان کی نمازِ جنازہ مسلمانوں کی تین صفیں پڑھ لیں اُس پر شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کی وجہ سے مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب لوگوں کو قلیل دیکھتے تو تین صفیں بنا لیتے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:147)

☆☆☆

آٹھواں وعظ

در بیانِ قبر وسوالِ قبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۔

(سورہ طٰہٰ، آیت:55)

ترجمہ: اسی زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تم کو نکالیں گے۔

الحمد للہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر صفت کے لائق ہے جس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے تخلیق کیا اور ایسا خوب صورت اور زیبا و مکمل بنایا کہ خود انسان حیران ہے کہ کوئی کسر نہیں اور کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی کمی بیشی ہوجائے تو انسان خوب صورت سے بدصورت ہوسکتا ہے۔ خیر یہ تو اُس کی صناعی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کس سے کی ہے۔ قرآنِ حکیم میں کہیں تو فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق طین سے کی ہے اور کہیں صلصال اور کہیں حماءٍ مسنون کہا گیا ہے۔ بہر کیف! انسان کی تخلیق کا ثبوت یہی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ یعنی اس سے تم کو پیدا کیا۔ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے یعنی اللہ عزوجل نے ہمیں مٹی سے یہ مکمل اور احسن صورت بخشی ہے اور پھر یہ ناپائیدار جسم مٹی میں ملا دیا جائے گا۔ تو میرے دوستو! اس فانی جسم کو پالنے اور آرام دینے کا کیا فائدہ جسے آخر مٹی میں ملنا ہے اور مٹی میں رہنا ہے اور ایک دن یہ خاکی جسم خاک ہوجائے گا۔

دوستو! جب ہم اس دنیا کی مختصر سی عمر گزار کر اس دارِ فانی سے رخصت ہوں گے تو ہمارا اور

ایک ٹھکانا ہوگا ایک اندھیری کوٹھری کی صورت میں سیکڑوں من مٹی کے نیچے۔ یہ گدوں اور تکیوں پر سونے والا جسم خاک اور اینٹوں پر تکیہ کرے گا۔ ایئر کنڈیشنڈ کمروں کی بجائے بے در دیوار کوٹھری میں محبوس ہوگا۔ بلبوں، ٹیوبوں اور دوسری روشنیوں میں رہنے والا جسم گھپ اندھیرے میں ہوگا اور جاں نثار دوستوں اور رشتے داروں کی بجائے بچھوؤں اور کیڑے مکوڑے سے رشتہ ہوگا۔ نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی غم خوار ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز فائدہ دے گی تو وہ ایمان ہوگا اور اعمالِ صالحہ ہوں گے۔

عالمِ برزخ

اس محل کا نام، اس مکان کا نام اور اس زندان کا نام قبر ہے جو قیامت کی پہلی منزل ہے جسے عالمِ برزخ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ کی حیثیت سے ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ یعنی مرنے والوں کے پیچھے یوم بعثت تک ایک پردہ ہے اور اسی پردے کا نام قبر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ قبر مٹی کے نیچے دبنے سے ہی بنے۔ سمندر یا دریا کی گہرائیوں میں بھی قبر ہے اور جل کر راکھ کا اُڑ جانا بھی قبر ہے اور درندے کے پیٹ میں ہضم ہوجانا بھی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جہاں کہیں بھی میت کا حشر ہوا ہو حساب لے اور دوبارہ زندہ کرے کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ جو کچھ قبروں میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔

انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں شامل ہو

مذکورہ آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل نے انسان کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان کی تخلیق میں جس مقام کی مٹی صرف ہوئی ہو، وہ اسی مقام پر لوٹایا جاتا ہے یعنی وہیں دفن ہوتا ہے۔ جو لوگ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور پاکستان میں دفن ہوئے ان کی اصل خمیر پاکستان کی مٹی سے کی

گئی جہاں وہ دفن ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اسی علاقے میں کسی بہانے سے پہنچا دیتا ہے۔ اس کی تائید کے لیے ذیل کی روایت ملاحظہ ہو:

طبرانی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مدینہ پاک میں ایک حبشی کا انتقال ہو گیا اور اسے وہیں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو مدینہ طیبہ میں اس لیے دفن کیا گیا ہے کہ یہ اسی جگہ سے پیدا کیا گیا ہے، اسی طرح ابوسعید اور ابودردا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے۔ (تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:37)

ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: موت کا ذکر کثرت سے کرو اور اسے بہت یاد کرو کیونکہ قبر ہر روز پکارتی ہے اور کہتی ہے: اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ مَیں مسافرت کا گھر ہوں۔ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ مَیں مٹی کا گھر ہوں۔ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ اور مَیں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔

وقائق الاخبار، صفحہ:11 پر ایک حدیث یوں رقم ہے: اِنَّ الْقَبْرَ يُنَادِيْ كُلَّ يَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَالْوَحْشَةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْحَيَّةِ اَنَا بَيْتُ الظُّلْمَةِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَمَاذَا اَعْدَدْتَ لِيْ۔

بے شک قبر ہر روز تین بار پکارتی ہے کہ میں تنہائی کا اور وحشت کا گھر ہوں، بچھوؤں اور سانپوں کا گھر ہوں، مَیں تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ میرے لیے تو نے کیا تیار کیا۔

دوستو! قبر پکارتی ہے اور پکار پکار کر اپنی ہولناکیوں کا اعلان کرتی ہے تاکہ اللہ کے بندے اس سے درسِ عبرت لیں اور ان کے لیے ان کی آخرت کا سفر آسان ہو۔

قبر آخرت کے سفر کی پہلی منزل ہے

بھائیو! جب ہم اس دنیائے فانی سے کوچ کر کے آخرت کا سفر شروع کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بغیر بستر، چارپائی، روٹی، پانی اور روشنی، ہوا وغیرہ کے سفر درپیش ہوتا ہے اور ہمارے اعزا و اقربا ہمیں اس تاریک کوٹھری میں چھوڑ جاتے ہیں جہاں نہ کوئی دوست ہے، نہ غم خوار ہے، نہ کوئی ساتھی، نہ ہی ہوا اور روشنی وغیرہ کا انتظام ہے۔ تو ہمارے سفر آخرت کی یہ پہلی

منزل ہمیں بہت کٹھن معلوم ہوتی ہے۔ بے شک بہت کٹھن ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کے لیے اس طرح تاریک اور حابس نہیں رہنے دیتا۔ بلکہ اس کی طبع کے موافق بنا دیتا ہے۔

تو دوستو! جس کے لیے قبر میں آسانی ہو گئی بے شک وہ رستگار ہے اور اپنے حساب میں فلاح پائے گا لیکن جس کو قبر میں عذاب ہوا ہے بے شک اس کے لیے عذاب کی ابتدا ہے۔

حاکم وغیرہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک قبر پر کھڑے ہو کر رونے لگے اور اتنے روئے کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور بیان فرمایا: میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے۔ جس نے اس سے نجات پائی اس کے حساب میں آسانی ہو گی اور جس کے لیے قبر میں آسانی نہ ہوئی اس کے لیے بعد میں بھی سختی ہے۔

قبر جنت کا باغیچہ یا دوزخ کا گڑھا ہے

شرح الصدور، صفحہ:47 پر فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں مرقوم ہے:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔

بے شک قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

دوستو! مومن صالح اعمال والے کے لیے تو بے شک قبر جنت کا ایک باغیچہ ہے جہاں پر مومن تمام سہولتوں کے علاوہ اپنے محبوب رہبر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دیدار بھی حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:44 اور شرح الصدور، صفحہ:46 پر رقم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس وقت بندۂ مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر اسے مرحبا کہتی ہے اور کہتی ہے کہ تُو مجھے دوست رکھتا تھا اور مجھ پر چلتا تھا اب میں تجھ پر والی بنائی گئی ہوں یعنی مجھے تجھ پر اختیار دیا گیا ہے کہ اب میں تیرے ساتھ بہتر سلوک کروں گی۔ چنانچہ قبر حدِ نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور

اس مومن میت کے لیے بہشت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے اور جب کافر اور فاسق کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر مرحبا نہیں کہتی اور سب انسانوں سے زیادہ اس سے بغض رکھتی ہے اور کہتی ہے تو میری پشت پر چلتا تھا، اب مجھ کو اختیار دیا گیا ہے۔ دیکھ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرنے والی ہوں۔ اور وہ اس پر لپٹتی ہے یعنی تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کافر کی ہڈیاں اپنی جگہ چھوڑ جاتی ہیں اور ستر سانپ اکیلے اُس پر مسلط کیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھنکارے تو کبھی کوئی چیز زمین پر پیدا نہ ہو۔ وہ سانپ اس کو چمٹتے اور ڈنک مارتے ہیں یہاں تک کہ حساب کا حکم ہو۔

میت سے سوال

قبر میں میت کو جب چھوڑ آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں روح ڈالتا ہے اور اس سے سوال کیے جاتے ہیں اور اسے اس کے اعمال سے آگاہ کیا جاتا ہے جس پر ایماندار تو ثابت قدم رہتا ہے اور سوالات کا درست جواب دے پاتا ہے اور کافر اور منافق خطا کھاتا ہے اور صحیح جواب نہیں دے سکتا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔

ایمان والے حق بات پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اَنَّهٗ يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ
اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ.
فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى
مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا وَاَمَّا
الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِيْ
كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ. فَيُقَالُ لَهٗ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ
بِمُطَارِقٍ مِّنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ۔

(متفق علیہ، مشکوۃ، صفحہ:24-25)

بے شک بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے لوٹ آتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تو اس مرد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اگر وہ مومن ہو تو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو دوزخ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ پس وہ دونوں ٹھکانوں کو دیکھے گا۔ اگر وہ منافق اور کافر ہوا تو کہا جائے گا کہ تو اس مرد کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو وہ کہے گا کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تو نے نہ جانا، نہ پڑھا۔ پھر اُسے لوہے کا ایک گرز مارا جائے گا تو وہ ایک آواز نکالے گا جسے جنوں اور انسانوں کے سوا سب سنیں گے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اُقْبِرَ الْمَيِّتُ اَتَاهُ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ يُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَلِلْاٰخَرِ
النَّكِيْرُ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ هُوَ عَبْدُاللهِ وَ
رَسُوْلُهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا
نَعْلَمُ اِنَّكَ تَقُوْلُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ ثُمَّ
يُنَوَّرُ لَهٗ فِيْهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ نَمْ فَيَقُوْلُ اَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِيْ فَاُخْبِرُهُمْ فَيَقُوْلَانِ
نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِيْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَ اللهُ
مِنْ مَضْجَعِهٖ ذَالِكَ. وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا
فَقُلْتُ مِثْلَهٗ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذَالِكَ فَيُقَالُ
لِلْاَرْضِ الْتَئِمِيْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا
حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذَالِكَ۔ (رواہ الترمذی، مشکوۃ، صفحہ:25)

جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو فرشتے سیاہ رنگ کے اس کے پاس آتے ہیں۔

ایک کو منکر، دوسرے کو نکیر کہتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں تو اس مردِ خدا کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ پس وہ جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر اس کی قبر ستر گز لمبی اور چوڑی فراخ کی جاتی ہے اور اس کے لیے روشن کی جاتی ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے کہ سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں تا کہ انھیں (اپنے اعمال کے متعلق) بتاؤں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے محبّ کے سوا کوئی نہیں جگاتا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے اُٹھائے۔ یہ حضور ﷺ کا قول ہے۔ اگر میت منافق ہو تو کہتا ہے کہ جیسے میں نے لوگوں کو کہتے سنا ویسے میں نے کہہ دیا اور مجھے علم نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علم تھا کہ تو اسی طرح کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ تو اِس سے لپٹ جا۔ وہ اس سے لپٹ جاتی ہے کہ اس کی ہڈیاں متفرق ہو جاتی ہیں۔ وہ عذاب میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے اُٹھالے۔

امام احمد نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مومن کے بارے میں فرمایا: **فتعود روحه فی جسده** اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں: **من ربك** تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ عزوجل ہے۔ پھر پوچھتے ہیں: **ما دینك** تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ یہ مرد کون ہے جو تمہارے درمیان مبعوث کیا گیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: **هو رسول الله** کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھا۔ اس نے اس رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور میں ایمان لایا ہوں۔

فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ۔

ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اس کے

لیے جنت کا فرش بچھاؤ اور جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دو۔ جب اس کے لیے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے تو نہایت اچھی ہوا اور جنت کی خوشبو آتی ہے اور اس کی قبر تاحدِ نگاہ فراخ ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس ایک صاف اور پاکیزہ خوشبودار لباس پہنے خوب صورت مرد آتا ہے، جو اسے خوش خبری دیتا ہے: **اَبْشِرْ بِالَّذِیْ یَسُرُّكَ هٰذَا یَوْمُكَ الَّذِیْ كُنْتَ تُوْعَدُ۔** خوش ہو اس چیز سے جو تجھے مسرور کرے (نعمتوں سے) یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

تو مومن کہتا ہے: **مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ یَجِیْءُ الْخَیْرَ۔** تو کون ہے؟ تیرا خوب صورت چہرہ خیر کی خبر دیتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے: **اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ** میں تیرا نیک عمل ہوں۔ تو میت کہتا ہے: **رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ۔** اے رب! قیامت برپا کر، اے رب! قیامت برپا کر تا کہ میں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ جاؤں۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:142)

کافر سے سوال

اسی حدیث میں ہے کہ جب کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو دو فرشتے منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ: **من ربك** تیرا رب کون ہے؟ **فیقول هاه هاه لا ادری** تو وہ کہتا ہے کہ: ہائے ہائے، میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں: **ما دینك** تیرا دین کیا ہے؟ پھر کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو کہتا ہے: **هاه هاه لا ادری**۔ ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ تو فرشتے پھر سوال کرتے ہیں: **ما هذا الرجل الذی بعث فیکم** یہ مردِ خدا کون ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا؟ تو پھر کوئی جواب نہیں بن پڑتا اور کہتا ہے: **هاه هاه لا ادری** ہائے ہائے مجھے معلوم نہیں۔ تو آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ یہ جھوٹا ہے۔ اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور دوزخ کا دروازہ کھول دو۔

فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَیَاْتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَیُضَیَّقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ

فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ۔

پس آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھا دو اور اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔ پھر اسے دوزخ کی حرارت اور گرم ہوا آتی ہے اور اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیوں کی ہڈیاں علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان ہے:

اس کافر کے پاس ایک شخص آتا ہے جس کی صورت قبیح اور کپڑے خراب اور بدبودار ہوتے ہیں۔ وہ اس کافر سے یوں گویا ہوتا ہے: اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْئُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ تُوْعَدُ۔ تو اس رنج دینے والی چیز پر خوش ہو، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مرنے والا پوچھتا ہے: مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْئُ بِالشَّرِّ تو کون ہے کہ تیرا چہرہ بہت برا ہے۔ تو وہ شخص جواب دیتا ہے: اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ میں تیرا برا عمل ہوں۔ پھر وہ میت پریشان ہو کر کہتا ہے: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اے پروردگار! قیامت برپا نہ کرنا۔
(مشکوٰۃ، صفحہ: 143)

دوستو! یہ ہے مومن اور کافر یا منافق سے سوال کیے جانے کے بارے میں کچھ حال۔ لیکن کچھ ایسے اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں گے جن سے سوال ہوگا ہی نہیں اور وہ بغیر سوال و جواب کے جنت کے وارث ہوں گے۔ وہ خوش قسمت بھلا کون ہیں؟

شہدا سے سوال نہیں ہوگا

وہ اللہ کی رضا تلاش کرنے والے اور اپنے محبوب و معبودِ حقیقی کے لیے جان قربان کرنے والے شہید ہوں گے۔ نسائی نے راشد بن سور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ مَا بَالُ الْمُؤْمِنِيْنَ يُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ اِلَّا الشَّهِيْدَ۔

یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ مومن سے سوال کیا جاتا ہے لیکن شہید سے سوال نہیں ہوتا؟

تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَفٰى بِبَارِقَةِ السُّيُوْفِ عَلٰى رَاسِهٖ فِتْنَةً۔ (شرح الصدور، صفحہ: 62)

اس کے سر پر تلواروں کا چمکنا سوالِ عذاب سے کفایت کرتا ہے۔

تلاوت سورۂ الم، سجدہ و سورۂ ملک

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص الٓمٓ، سجدہ اور سورۂ ملک سونے سے پہلے پڑھے گا، عذاب و سوالِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ (شرح الصدور، صفحہ: 62)

جمعہ یا جمعرات کو وفات ہونا

جو شخص جمعہ یا جمعرات کے دن وفات پاتا ہے اُس سے سوالِ قبر نہیں ہوتا۔

امام احمد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ اِلَّا وَقَاهُ اللهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ (شرح الصدور، صفحہ: 62)

جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اسے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھے گا۔
(تذکرۃ الموتٰی والقبور، صفحہ: 47)

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام اور اطفال المسلمین پر نہ حساب ہے، نہ قبر کا عذاب ہے اور نہ ہی منکر و نکیر کا سوال ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ: 63)

درودِ پاک پڑھنا

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک پڑھنے سے بھی انسان قبر کی ایذا سے محفوظ رہتا ہے اور قبر روشن ہو جاتی ہے۔

امام مسلم ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ عَلٰى اَهْلِهَا ظُلْمَةً وَاِنَّ اللهَ يُنَوِّرُهَا بِصَلَاتِيْ

عَلَیَّ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی، صفحہ:50)

یہ قبریں اندھیرے سے پُر ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ مجھ پر درود شریف پڑھنے کی وجہ سے روشن کرتا ہے۔

رات کی تاریکی میں نفل نماز ادا کرنا

ابن ابی الدنیا نے سری بن مخلد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

اے ابوذر! اگر تو سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی تیاری بھی کرتا ہے۔ پس قیامت کے راستے کا سفر کیسا ہوگا؟ کیا تجھے وہ بات بتاؤں جو اُس روز تجھے فائدہ دے؟

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، بتلائیے۔ تو فرمایا: صُمْ یَوْمًا شَدِیْدَ الْحَرِّ لِیَوْمِ النُّشُوْرِ وَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ فِیْ ظُلْمَةِ اللَّیْلِ لِوَحْشَةِ الْقُبُوْرِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:51)

سخت گرمی کے دن روزہ رکھنا، قیامت کے دن کے لیے مفید ہے اور رات کی تاریکی میں دو رکعت نماز ادا کرنا قبر کی تاریکی کے لیے مفید ہے۔

علمِ دین حاصل کرنا

عالمِ دین اپنے علم کی بدولت قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ویلمی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اِذَا مَاتَ الْعَالِمُ صَوَّرَ اللّٰهُ عِلْمَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ یُؤَنِّسُهٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَیَدْرَأُ عَنْهُ هَوَامُّ الْاَرْضِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65، تذکرۃ الموتی القبور، صفحہ:51)

جب عالم دین فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم کو صورت عطا فرماتا ہے جو قیامت تک اس کا مونس رہتا ہے اور زمین کے زہریلے جانوروں کو اس سے دفع کرتا ہے۔

شرح الصدور اور تذکرۃ الموتی کے مذکورہ صفحات پر درج ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی:

تَعَلَّمَ الْخَیْرَ وَعَلَّمَهُ النَّاسَ فَاِنِّیْ مُنَوِّرٌ لِمُعَلِّمِ الْعِلْمِ وَمُتَعَلِّمِهٖ قُبُوْرَهُمْ حَتّٰی لَا یَسْتَوْحِشُوْا لِمَکَانِهِمْ۔ (شرح الصدور، صفحہ:65)

بھلائی سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لیے کہ مَیں تعلیم دینے والے اور علم حاصل کرنے والے، دونوں کی قبروں کو روشن کر دیتا ہوں۔

کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنا

کسی مسلمان بھائی کے دل کو راحت اور خوشی پہنچا کر بھی قبر کی وحشت سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ابو شیخ اور ابن ابی الدنیا نے امام جعفر صادق سے، انھوں نے اپنے باپ اور پھر انھوں نے اپنے دادا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا اَدْخَلَ رَجُلٌ عَلٰی مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ ذَالِكَ السُّرُوْرِ مَلَکًا یَعْبُدُ اللّٰهَ وَیُوَحِّدُهٗ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِیْ قَبْرِهٖ اَتَاهُ ذَالِكَ السُّرُوْرُ فَیَقُوْلُ لَهٗ۔ اَتَعْرِفُنِیْ فَیَقُوْلُ لَهٗ مَنْ اَنْتَ فَیَقُوْلُ اَنَا السُّرُوْرُ الَّذِیْ اَدْخَلْتَنِیْ عَلٰی فُلَانٍ اَنَا الْیَوْمَ اُؤَنِّسُ وَحْشَتَكَ وَاُلَقِّنُكَ حُجَّتَكَ وَاُثَبِّتُكَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ وَاَشْهَدُكَ مُشَاهَدَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَشْفَعُ لَكَ وَاُرِیْكَ مَنْزِلَكَ فِی الْجَنَّةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:66، تذکرۃ الموتی والقبور، صفحہ:51)

جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو خوش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی اِس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید بیان کرتا ہے۔ پھر جب وہ بندہ وفات پاتا ہے تو وہ خوشی (کا فرشتہ) اس کی قبر میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ تو اسے جواب ملتا ہے کہ میں وہ خوشی ہوں جسے تو نے فلاں شخص پر داخل کیا تھا۔ آج میں قبر کی وحشت میں تیرا مونس ہوں گا۔ تجھے حجت سکھاؤں گا اور تجھ کو تیری جگہ قولِ ثابت یعنی کلمۂ طیبہ سے ثابت قدم رکھوں گا اور قیامت کے دن حاضر ہونے کے مقامات پر ساتھ حاضر ہوں گا۔ تیری شفاعت کروں گا اور بہشت میں تجھ کو تیری جگہ دکھاؤں گا۔

کسی کو اگر دکھ یا تکلیف نہ پہنچائی جائے تو اللہ تعالیٰ قبر کی ایذا اسے محفوظ رکھتا ہے۔

ابن مندہ نے ابی کاہل سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اِعْلَمْ یَا اَبَا کَاهِلٍ اَنَّهٗ مَنْ کَفَّ اَذَاهُ عَنِ النَّاسِ کَانَ حَقًّا عَلَی اللهِ اَنْ یَّکُفَّ عَنْهُ اَذَی الْقَبْرِ ۔ (شرح الصدور، صفحہ:66)

اے ابو کاہل! تو جان لے کہ جس شخص نے ایذا کو لوگوں سے باز رکھا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس سے قبر کی ایذا کو باز رکھے۔

مسجد میں روشنی کرنا

جو شخص مسجد میں روشنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو منور کرے گا۔ ابو الفضل طوسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمانِ نبوی ہے:

مَنْ نَوَّرَ فِیْ مَسَاجِدِ اللهِ نُوْرًا نَوَّرَ اللهُ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَمَنْ اَرَاحَ فِیْهِ رَائِحَةً طَیِّبَةً اَدْخَلَ اللهُ عَلَیْهِ فِیْ قَبْرِهٖ مِنْ رَّوْحِ الْجَنَّةِ ۔

(شرح الصدور، صفحہ:66، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:521)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی مساجد میں روشنی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو روشن کرے گا اور جو اس میں خوشبو رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں جنت کی خوشبو داخل کرے گا۔

حکایت

ایک عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی وہ مرگئی، حضور کو علم ہوا تو آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے نماز جنازہ پڑھی اور پوچھا کہ تو نے کون سا عمل بہتر پایا؟ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کیا وہ سنتی ہے تو آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔ پھر فرمایا: اس عورت نے جواب دیا ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کا عمل بہتر ہے۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:35)

☆☆☆

نواں وعظ

دربیانِ عذابِ قبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ (سورۂ ابراہیم، آیت:27)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ خاتم النبین، شفیع المذنبین پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں مرتبہ درود وسلام ہو۔

دوستو! جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ قبر ایک ایسا مقام ہے جو دنیاوی زندگی کے اختتام اور اُخروی زندگی کے آغاز کے درمیانی وقفے کو بسر کرنے کا مکان ہے اور اس مکان کی تکلیف یا راحت کا انحصار انسان کے اعمال پر ہے۔ کہ اس کے اعمال اگر بُرے ہوں گے تو قبر اس کے لیے دوزخ کا نمونہ ہوگی اور اگر اعمال اچھے ہوں گے تو قبر اس کے لیے جنت کا نمونہ ہوگی کیونکہ نیک اور ایمان دار شخص کو اللہ عزوجل دنیا وآخرت میں ڈگمگانے نہیں دیتا، اس لیے وہ قبر کے امتحان سے بھی رستگاری حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ

اللہ تعالیٰ نیک اور ایمان دار (یعنی مومن) کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے کہ تمام مومن اپنے اعمال کو سنواریں اور ایمان کو پختہ کریں تاکہ قبر کی مصیبتوں سے چھٹکارا پالیں ورنہ جو حشر میت کا اس اندھیری اور تنگ کوٹھری میں ہوتا ہے وہ قابلِ برداشت نہیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے

فرمایا ہے کہ کوئی جگہ اتنی ڈراؤنی نہیں جتنی کہ قبر ہے۔

ابن ماجہ نے براابن عازب سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک دفعہ ایک قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ آپ اتنا روئے کہ زمین تر بتر ہوگئی۔ پھر فرمانے لگے: اے بھائیو! اس جگہ کی تیاری کرلو۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: قبر آخرت کی منزلوں میں سے اوّل منزل ہے۔ جس نے اس کو پار کرلیا اس کے بعد کی منزل میں اسے آسانی ہے لیکن جو اس سے نہ بچ سکا اس کے لیے سختی ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

تو میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ان اسباب سے بچیں جو ہماری قبر کو اندھیری اور تنگ بنائیں گے یعنی عذابِ قبر کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ وہ عذاب درج ذیل ہیں:

کفر وشرک

عذابِ قبر کا سب سے پہلا سبب کفر وشرک ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ:

يُرْسَلُ عَلَى الْكَافِرِ حَيَّتَانِ وَاحِدَةٌ مِّنْ قِبَلِ رَاسِهٖ وَالْاُخْرٰى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ يَقْرِضَانِهٖ قَرْضًا كُلَّمَا فَرَغَتَا عَادَتَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:67، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

قبر میں کافر پر دو سانپ بھیجے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کو سر کی طرف سے کاٹتا ہے اور دوسرا پاؤں کی طرف سے۔ جب کاٹ لیتے ہیں تو پھر شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت رہے گا۔

سنّتِ نبوی کی مخالفت

ابن عساکر واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ قَدَرِيًّا اَوْ مُرْجِيًّا مَاتَ تُبُشَ بَعْدَ ثَلٰثٍ لَوُجِدَ اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:55، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:48)

اگر قدریہ یا مرجیہ (جو خلافِ سنت ہیں) مرجائے اور تین روز کے بعد اس کی قبر کھود کر دیکھا جائے تو اس کا منہ قبلہ سے پھرا ہوگا۔

ابن ابی الدنیا نے ابواسحاق فراری سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور اس نے بتلایا کہ وہ کفن چوری کیا کرتا تھا اور اس دوران اس نے بعض میتوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: یہ لوگ سُنّتِ نبوی سے انحراف کرنے والے تھے۔ (شرح الصدور، صفحہ:72)

قبروں کی بےحرمتی کرنے والے

اس کے لیے بھی عذابِ قبر لازم ہے، جو مومنین کی قبروں کی بے حرمتی کرے۔

ابن عساکر نے اعمش سے بیان کیا ہے کہ ایک گستاخ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرِ انور پر پاخانہ کردیا۔ وہ پاگل ہوگیا اور کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔ مرنے کے بعد اس کی قبر سے چیخنے اور بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (شرح الصدور، صفحہ:76)

صحابہ کی شان میں گستاخی

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا شَاتِمًا لِاَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِ دَابَّةً تَقْرِضُ لَحْمَهٗ يَجِدُ اَلَمَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(شرح الصدور، صفحہ:71، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:54)

جو شخص میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا کہتا ہوا دنیا سے مرگیا، تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک جانور کو مسلط کرے گا اور وہ اس کا گوشت قطع کرتا رہے گا جس کی تکلیف اس کو قیامت تک رہے گی۔

چوری، زنا اور شراب خوری

عذابِ قبر کا سبب چوری اور بدکاری بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی ہے،

جس کو ابن الدنیا نے حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے:

مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوْتُ وَهُوَ يَسْرِقُ اَوْ يَزْنِيْ اَوْ يَشْرَبُ اَوْ يَاْتِيْ شَيْئًا مِّنْ هٰذِهٖ اِلَّا جُعِلَ مَعَهٗ شُجَاعَانِ يَنْهَشَانِهٖ فِيْ قَبْرِهٖ۔ (شرح الصدور، صفحہ:71)

چوری کرنے والے یا زنا کرنے والے یا شراب پینے والے یا ان میں سے کوئی بھی کام کرنے والے میت کے ساتھ جب وہ مرتا ہے دو گنجے سانپ اس کے ہمراہ بنائے جاتے ہیں،، جو اُس کی قبر میں اس کو ڈنک مارتے ہیں۔

والدین کو بُرا بھلا کہنا

والدین کے نافرمان اور ان کو بُرا بھلا کہنے والے یعنی اُن کے ساتھ بدکلامی کرنے والے شخص کو بھی عذابِ قبر ہوگا کہ اصبہانی نے عوام بن حوشب سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دفعہ ایک قبیلے میں گئے۔ وہاں ایک قبرستان میں عصر کی نماز کے قریب ایک قبر پھٹی جس سے گدھے کے سر والا ایک آدمی برآمد ہوا۔ جو تین مرتبہ گدھے کی طرح رینکا اور واپس قبر میں چلا گیا۔ پھر قبر بند ہوگئی۔ جب لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ شخص شراب پیا کرتا تھا اور جب اس کی ماں اسے نصیحت کرتی تو اسے کہتا کہ تُو گدھے کی طرح کیوں رینکتی ہے۔ پھر وہ شخص ایک روز عصر کے بعد مر گیا۔ اس لیے اس کی قبر عصر کے بعد پھٹتی ہے اور وہ تین دفعہ رینکتا ہے اور قبر پھر بند ہوجاتی ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:71-72)

چغل خوری

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذِّبَانِ وَمَا يُعَذِّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِيْ رَوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رُطَبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:42)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ: ان میتوں کو عذاب ہو رہا ہے، ان کو کسی کبیرہ گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان میں سے ایک پیشاب کرنے میں پردہ نہیں کرتا تھا۔ مسلم کی روایت ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ہری ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں گی عذاب میں تخفیف رہے گی۔

پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا

مذکورہ بالا حدیث سے ظاہر ہے کہ پیشاب کے معاملے میں پرہیز کرنا اور پردہ کرنا ضروری ہے ورنہ بے پردگی عذاب کا سبب ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ۔ (شرح الصدور، صفحہ:67)

پیشاب سے بچو! کیونکہ اکثر عذابِ قبر اس سے ہوتا ہے۔

مظلوم کی مدد نہ کرنا

بخاری اور ابوشیخ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

ایک بندے کے لیے حکم کیا گیا کہ اس کو سَو کوڑے مارے جائیں تو اس نے (تخفیف کے لیے) دُعا مانگی یہاں تک کہ ایک دُرّہ رہ گیا اور اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ جب عذاب اس سے اُٹھایا گیا اور وہ ہوش میں آیا تو پوچھا کہ مجھے درّے کس وجہ سے مارے گئے ہیں؟ تو فرشتوں نے جواب دیا:

قَالُوْا اِنَّكَ صَلَّيْتَ صَلٰوةً بِغَيْرِ طَهُوْرٍ وَّمَرَرْتَ عَلٰى مَظْلُوْمٍ فَلَمْ تَنْصُرْهُ۔

(شرح الصدور، صفحہ:68، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:54)

انھوں نے کہا کہ تو نے بغیر وضو کے نماز ادا کی اور تو ایک مظلوم کے پاس سے گزرا اور

اس کی مدد نہیں کی۔

دوستو! یہ چند ایسی باتیں تھیں جو عذابِ قبر کا سبب بنتی ہیں اور ہمیں ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اب چند ایسی باتیں بھی سن لیجیے جو عذابِ قبر سے محفوظ رکھتی ہیں اور قبر کے اندھیرے کو اُجالے میں تبدیل کرتی ہیں۔

صالح آدمی کی قربت

میت کی قبر کسی نیک اور صالح مومن کی قبر کے قریب بنانی چاہیے تاکہ وہ اس کی برکت سے فیض حاصل کر سکے۔ کیونکہ جس طرح زندگی میں نیک لوگ فائدہ پہنچاتے ہیں یا بُرے کی برائی سے نقصان پہنچتا ہے اسی طرح میت کی نیکی یا بدی بھی دوسرے میت پر اثر ڈال سکتی ہے۔ چنانچہ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: اَدْفِنُوْا اَمْوَاتَكُمْ وُسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَتَاَذّٰى مِنْ جَارِهِ السُّوْءِ كَمَا يَتَاَذّٰى الْحَيُّ ۔

(فتاویٰ عزیزی، حصہ دوم، صفحہ:106، تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:38، شرح الصدور، صفحہ:42)

اپنی میتوں کو صالح لوگوں میں دفن کرو کیونکہ میت اپنے بُرے ہمسائے سے اس طرح ایذا پاتی ہے، جس طرح زندگی میں ایذا پاتی ہے۔

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی مرے اُسے اچھا کفن دو۔ اس کی وصیت پوری کرو۔ اس کی قبر گہری کھودو اور بُرے ہمسایہ سے دور رکھو۔

لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) کیا میت کو ہمسایہ سے نفع ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں!۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:38)

صالح آدمی چالیس ہمسایوں کی شفاعت کرتا ہے

ابن ابی الدنیا نے حضرت عبداللہ بن نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی مدینہ منورہ میں مر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے۔ اسے بڑا دکھ ہوا۔ پھر چند روز کے بعد اسے اہلِ جنت میں پایا تو اس کا سبب پوچھا۔

اس نے جواب دیا: میرے ساتھ ایک صالح آدمی دفن ہوا جس نے اپنے چالیس ہمسایوں کی شفاعت کی اور میں بھی اسی شفاعت کے تحت جنت میں داخل کیا گیا ہوں۔

(تذکرۃ الموتیٰ، صفحہ:38، شرح الصدور، صفحہ:42)

مریض ہو کر مرنا

جو شخص مریض ہو کر مرے اسے قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ مَاتَ مَرِيْضًا مَّاتَ شَهِيْدًا وَّوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُذِيَ وَرِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ ۔ (شرح الصدور، صفحہ:61)

جو مریض ہو کر مرے وہ شہید ہوگا، فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا اور جنت سے رزق دیا جائے گا۔ علما نے اس مرض کو مرضِ استسقا بتایا ہے۔

سورۂ ملک کی تلاوت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

مَنْ قَرَاَ سُوْرَةَ الْمُلْكِ كُلَّ لَيْلَةٍ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ ۔

جو شخص ہر رات سورۂ ملک پڑھتا ہے، وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

☆☆☆

دسواں وعظ

در بیانِ ایصالِ ثواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (سورۂ حشر، آیت:10)

بعد حمد وثنائے باری تعالیٰ اس کے رسولِ مقبول رحمۃ اللعالمین پر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام کہ جس کے طفیل ہمیں بخشش کی راہ ملی، ورنہ جاں کنی سے لے کر حشر تک جو مصائب ہم گناہ گاروں کو پیش آتے ان کو برداشت کرنے کی قوت ہم میں نہیں۔

دوستو! قبر کے عذاب اور سوال وجواب کے بارے میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے اور گناہ گار کے لیے قبر ہی عذاب کا دروازہ ہے۔ بے شک جس کے لیے قبر کا عذاب ٹل گیا وہ قیامت میں رستگار ہوگا۔ دوزخ کی گرمی قبر کے اندھیرے، سانپوں اور بچھوؤں کے ڈنے اور فرشتوں کی سختیوں سے بچنے کا ایک یہ طریقہ ہے کہ مرنے والے کے رشتے دار اور عزیز کلام پاک پڑھ کر اس کا ثواب اسے بخشیں یا اس کے لیے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلائیں اور کنوئیں یا مسجد وغیرہ بنوا کر اس صدقۂ جاریہ کا ثواب اس میت کے نام بخشیں۔ بے شک وہ ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اس کے لیے سودمند ہے۔

کلام پاک میں سورۂ حشر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ (سورۂ حشر، آیت:10)

جو لوگ ان (مہاجرین اور انصار) کے بعد آئیں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے رب!

تو ہمیں بخش دے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کو بخش دے۔

کلام پاک میں اس آیت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں تا کہ انھیں نفع دے اور ان کی مغفرت ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبرستان کے پاس سے گزرے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَآ اَهْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:154)

اے قبروں والے! تم پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اور ہماری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث اس آیت کی تصدیق کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ صَدَقَةٍ جَارِیَةٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَهٗ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:32)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین اعمال باقی رہتے ہیں: صدقۂ جاریہ اور وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا مانگتا ہے۔

اس حدیث مبارک میں بھی دعائے مغفرت کو میت کے لیے نافع قرار دیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے ایک حکایت بیان کی ہے۔

حکایت

سفیان بن عیینہ کے والد کا انتقال ہوا تو وہ بہت غمگین ہوئے، چنانچہ وہ ہر روز اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لیے جاتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت مانگتے۔ اسی دوران چند روز قبر کی زیارت کے لیے نہ جا سکے تو اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ”اے بیٹے! تجھے کس بات نے مجھ سے روک دیا؟“ اس پر انھوں نے دریافت کیا کہ کیا آپ میرے قبر پر

جانے کو جانتے ہیں؟ تو جواب ملا کہ جتنی دفعہ تو آیا، مجھے معلوم ہے اور جب تو دعا کرتا تھا تو میں اور میرے ہمسایہ سب خوش ہوتے تھے۔ حضرت ابو سفیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لیے بہت جانے لگا اور دعائے مغفرت کرنے لگا۔ (شرح الصدور، صفحہ:25)

استغفار سے نیکیاں پہاڑ کی مثل ملتی ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: يَتْبَعُ الرَّجُلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْحَسَنَاتِ اَمْثَالُ الْجِبَالِ فَيَقُوْلُ اَنّٰى هٰذَا فَيُقَالُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (رواہ طبرانی فی الاوسط، شرح الصدور، صفحہ:122)

قیامت کے دن ایک شخص کی نیکیاں پہاڑ کے مثل ہوں گی، وہ کہے گا کہ یہ مجھے کہاں سے مل گئیں تو اُسے کہا جائے گا یہ تیرے بیٹے کی تیرے لیے استغفار کی وجہ سے ہے۔

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ بِدُعَاءِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (وَاَخْرَجَهُ البخاری فی الادب عن ابی ہریرۃ شرح الصدور، صفحہ:37)

بے شک اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند کرے گا۔ تو وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! مجھے یہ درجہ کہاں سے ملا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے کی تیرے حق میں دعا کی برکت ہے۔

اس روایت کو ابن قیم نے بھی اپنی کتاب الروح میں صفحہ:148 پر درج کیا ہے۔

میت قبر میں دعا کی منتظر ہوتی ہے

دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَا الْمَيِّتُ فِيْ قَبْرِهٖ اِلَّا شِبْهُ الْغَرِيْقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ وَلَدٍ اَوْ صَدِيْقٍ ثِقَةٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ

اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (شرح الصدور، صفحہ:127)

قبر میں میت پانی میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے جو اپنے باپ، ماں، بیٹے یا کسی دوست کی طرف سے دعا پہنچنے کی منتظر ہوتی ہے اور جب اس کو دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا اور اس کے ساز و سامان سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قبر والوں پر اہلِ زمین کی دعاؤں سے پہاڑوں کی مثل رحمت داخل کرتا ہے اور بے شک مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ استغفار ہے۔

سورۂ یٰسین کا پڑھنا

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سورۂ یٰسین اجل رسیدہ کے لیے پڑھی جائے یا میت کی قبر پر پڑھی جائے۔ قبر والے مغفرت کے لیے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ معقل بن یسار مزنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ:189)

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سورۂ یٰسین پڑھے تو اس کے سب اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کو اپنے مُردوں کے پاس پڑھو۔

میت کے لیے صدقہ کرنا

میت کے لیے اگر صدقہ کیا جائے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! (ﷺ) اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) بے شک اُمِّ سعد (میری ماں) وفات پا گئی ہیں تو (اس کے لیے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی، تو (حضرت سعد نے) کنواں کھدوایا اور فرمایا:

یہ اُمِ سعد کے لیے ہے۔

اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ اگر زندہ وارث میت کے لیے صدقہ کریں یا استغفار کریں تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن میت کا مومن ہونا شرط ہے، کافر کو اس کا فائدہ نہیں پہنچتا۔

ایک کافر جس کا نام عاصی بن دائل تھا، مر گیا اور اس نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں تو اس کے بیٹے ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پچاس غلام آزاد کر دیے اور اس کے بیٹے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باقی پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! (ﷺ) اِنَّ اَبِيْ اَوْصٰى اَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَاِنَّ هِشَامًا فَاعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً اَفَاُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّهٗ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَاعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهٗ ذَالِكَ۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) میرے والد نے وصیت کی ہے کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں۔ ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیے ہیں اور پچاس باقی رہ گئے ہیں۔ کیا میں اُس کی طرف سے آزاد کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا اور پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ دیتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو وہ اسے پہنچتا۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسلمان میت کے لیے غلام آزاد کیے جائیں یا صدقہ کیا جائے یا اس کے۔ ے تو اس کا ثواب ہر حال میں اسے پہنچتا ہے۔

رونے دھونے کا عذاب میت کو پہنچتا ہے

میت کو نہ صرف صدقہ اور استغفار ہی پہنچتا ہے بلکہ میت کے لیے جیسا کہ پہلے وعظوں میں عرض کیا جا چکا ہے، رونے پیٹنے کا عذاب بھی اسی طرح پہنچتا ہے جس طرح صدقہ وخیرات

کا ثواب۔

حکایت

حضرت صالح مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی رات میں قبرستان میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ قبرستان کے مردے قبروں سے نکل کر حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اِن میں ایک جوان کو عذاب ہو رہا تھا۔ مَیں نے اُس سے وجہ پوچھی تو اس نے بتلایا کہ یہ عذاب اس بات کا ہے کہ میری ماں بہت سی رونے والی عورتوں کو اکٹھا کر کے میرے لیے رویا کرتی ہے اور مجھ سے کہا کہ مَیں اُس کی والدہ سے اس کا حال کہہ دوں تا کہ وہ رونا پیٹنا چھوڑ دے۔ چنانچہ میں صبح اُس کی والدہ کے پاس پہنچا تو وہ ماتم میں مشغول تھی۔ میں نے اُسے اپنا خواب سنایا تو اس نے یہ سُن کر توبہ کی اور کچھ درہم صدقے کے لیے میرے حوالے کیے۔ دوسرے جمعہ کی رات کو جب میں اس قبرستان میں جا کر سویا تو خواب میں اُسی جوان کو دیکھا وہ، مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ وہ صدقہ مجھے پہنچ گیا ہے اور اللہ عزوجل نے عذاب مجھ سے دور کر دیا ہے۔ یہ بات میری والدہ کو بتا دینا۔ (زواجر حصہ اوّل، صفحہ:133 از علامہ ابن حجر)

صدقہ نور بن کر میت کو پہنچتا ہے

طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ اَهْلِ مَيِّتٍ يَمُوْتُ مِنْهُمْ مَيِّتٌ فَيَتَصَدَّقُوْنَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَّا اَهْدَاهَا لَهٗ جِبْرَئِيْلُ عَلٰى طَبَقٍ مِّنْ نُوْرٍ ثُمَّ يَصِفُ عَلٰى شَفِيْرِ الْقَبْرِ فَيَقُوْلُ يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيْقِ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اَهْدَاهَا اِلَيْكَ اَهْلُكَ فَاَقْبِلْهَا فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزِنُ جِيْرَانُهُ الَّذِيْنَ لَا يُهْدٰى اِلَيْهِمْ شَيْءٌ۔

جن کا کوئی آدمی وفات پا جاتا ہے اور وہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو اس صدقہ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نورانی طباقوں میں ڈال کر لے جاتے ہیں اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرماتے ہیں: اے گہری قبر کے مکیں! یہ تیری اہل کی طرف سے ہدیہ آیا

ہے، اس کو قبول کر۔ تو میت خوش ہوتا ہے اور خوشی مناتا ہے اور اس کے ہمسائے غم زدہ ہوتے ہیں کہ ان کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا گیا۔

حکایت

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قبریں پھٹیں اور مردے قبروں سے نکل کر ان کے کنارے بیٹھے ہیں، جن کے سامنے نورانی تھال رکھے تھے لیکن ایک شخص کے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے اس سے وجہ دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ اِن لوگوں کی اولاد اور احباب ان کے لیے صدقہ کرتے ہیں، جو نور بن کر ان کو پہنچتا ہے اور میرا صرف ایک لڑکا ہے جو بدکار ہے۔ وہ نہ میرے لیے دعا کرتا ہے اور نہ ہی صدقہ۔ میں اپنے ہمسایوں میں شرمندہ رہتا ہوں۔ جب حضرت ابو قلابہ بیدار ہوئے تو اس میت کے بیٹے کو بلایا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ تو بیٹے نے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے والد کے حق میں استغفار اور صدقہ کرنے لگا۔ اس کے بعد حضرت قلابہ نے ایک دفعہ پھر خواب میں اس میت کو دیکھا کہ اس کے سامنے سورج سے زیادہ روشن نور موجود تھا جو دوسرے ساتھیوں سے زیادہ تھا۔ چنانچہ اس شخص نے ابو قلابہ سے کہا کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے، میں نے اپنے ہمسایوں میں شرمندگی سے نجات پائی ہے۔ (وقائق الاخبار، صفحہ:12)

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی کی تشریح

اس کا معنی بعض کے نزدیک یوں ہے کہ انسان کو اپنی کمائی کے سوا کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔

شرح الصدور میں صفحہ:130 پر درج ہے کہ حضرت عسکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خاص حکم اُمتِ ابراہیم اور موسوی کے لیے ہے مگر اُمتِ مسلمہ کو اپنے اعمال بھی فائدہ دیتے ہیں اور غیر کے بھی۔

ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں انسان کافر کے لیے استعمال

ہوا ہے۔ مومن کے لیے اپنے اعمال بھی مفید ہیں اور دوسروں کے بھی۔ اس کے علاوہ لیس للانسان الا ماسعی بطور عدل بتلائی گئی ہے اور بطور فضل غیر کے اعمال بھی نفع دے سکتے ہیں۔ ایک اور بات لکھی گئی ہے کہ للانسان میں لام علیٰ کے معنوں میں لی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو اعمالِ بد کمائے گا، ان کی جزا و سزا کا اثر صرف اسی پر پڑے گا۔ نیز یہ بھی لکھا گیا کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ جس کا مطلب ہے کہ جو لوگ ایماندار ہیں ان کو ایمان میں ان کی پیروی کرنے والی اولاد سے (جنت میں) ملا دیا جائے گا۔ اوّل الذکر آیت کی تنسیخ کرتی ہے۔

شرح الصدور کے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عزیز الدین بن عبد السلام اپنی زندگی میں فتویٰ دیتے تھے کہ میت کو کسی کے پڑھنے کا ثواب نہیں ملتا لیکن بعد از وفات ایک دوست نے انھیں خواب میں دیکھا کہ کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں مَیں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا کہ میت کو کسی زندہ کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے۔ لیکن اب میں کہتا ہوں کہ میت کو دوسرے کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے اور میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا ہے۔

☆☆☆

گیارہواں وعظ

دربیانِ سوالِ اَعضا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْؤُلًا۔

(سورۂ اسراء، آیت:36)

ترجمہ: بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہوتا ہے۔

سب تعریفیں اس خالق کائنات کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا اور انسان کو عدم سے وجود میں لا کر اسے ناک، منہ، کان، آنکھیں، دل و دماغ، ہاتھ اور پاؤں اس مناسب صورت میں عطا فرمائے کہ انسان کی تخلیق احسنِ تقویم قرار پائی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔

ہم نے انسان کو نہایت خوب صورت سانچے میں ڈھالا۔

ان سارے اعضا کی تخلیق کے بعد ہر ایک عضو کو اس کا عمل سرانجام دینے کی طاقت عطا فرمائی۔ مثلاً آنکھ کو دولتِ دیدار عطا کی۔ زبان کو قوتِ گفتار عطا کی۔ پاؤں کو طاقتِ رفتار عطا کی اور دل کو حوصلہ و تاب و تواں بخشا۔ کانوں کو قوتِ سماعت بخشی اور ہاتھوں اور بازوؤں میں طاقتِ عمل عنایت فرمائی۔ سچ جانیے اس مالکِ حقیقی کا ہم کسی صورت بھی شکرِ نعمت کا پورا حق ادا نہیں کر سکتے، خواہ ہم ساری عمر اس کی تعریف و ثنا خوانی میں بسر کر دیں۔

پھر کروڑوں درود و ہزاروں سلام اُس ہادیِ برحق پر جس نے ہر فعل اور ہر عمل میں ہماری رہبری فرمائی اور ہمیں ان اعضا کا صحیح استعمال سکھایا، ورنہ ہم کہاں اس قابل تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ نعمتوں کا صحیح استعمال جان سکیں۔ یہ بھی اللہ عزوجل کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ

اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہماری رہبری فرمائی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے پہلے ہمیں یہ مناسب اور خوبصورت اعضائے جسمانی عطا فرمائے اور پھر ان کے استعمال کا طریقہ سکھایا، تو اگر ہم ان اعضا کو صحیح اور بمطابق حکم الٰہی استعمال نہ کریں گے تو ہم سے ان کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی اور اگر ہم ان اعضا کا بمطابق حکم الٰہی صحیح استعمال نہ کریں تو ہم مجرم ہوں گے اور ناشناس ہوں گے اور اس ناشناسی کی سزا ہر عضو کے عمل کے مطابق و موافق ہوگی۔

مثلاً کان، آنکھ، پاؤں وغیرہ (اعضائے جسمانی) کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان کو غلط راستے میں استعمال کیا گیا ہے یا نیکی کے راستے میں؟ چونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس لیے یہ اعضا نیکی کے کاموں کی انجام دہی سے خوش رہتے ہیں۔ چنانچہ دل کو ہی لیجیے۔ اگر کوئی برائی کا کام سرزد ہو تو دل میں غم و زجرت کا اثر پایا جاتا ہے اور اعضائے جسمانی میں سستی سی آجاتی ہے، جو اعضا کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ لیکن اگر کوئی نیکی کا کام کیا جائے تو اپنا دل بھی خوش ہوتا ہے اور اعضا میں بھی کام کرنے کا شوق اور چستی پائی جاتی ہے، اسی لیے تو ان اعضا کے بارے میں سوال ہوگا، کیونکہ:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْؤُلًا۔

کان، آنکھ اور دل بلکہ جسم کے تمام اعضا کے بارے میں سوال ہوگا۔ انسان خود تو کیا بولے گا اور اپنے اعمال کا جواب خود تو شاید نہ دے سکے لیکن یہ اعضا خود بخود بتلائیں گے کہ مجھے فلاں نیکی کے لیے استعمال کیا گیا اور فلاں بدی مجھ سے سرزد ہوئی۔ آنکھیں بتائیں گی کہ ہمیں اس کام کی طرف لگایا گیا کہ وہ بُرا تھا یا بھلا تھا۔ ہاتھ بتائیں گے ہم سے یہ عمل کیا گیا۔ پاؤں اور ٹانگیں بتلائیں گی کہ ہم چل کر فلاں نیک یا بُرے کام کے لیے گئے تھے اور اس طرح سب اعضا باری باری گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: یَوْمَ تَشْہَدُ عَلَیْہِمْ اَلْسِنَتُہُمْ وَاَیْدِیْہِمْ وَاَرْجُلُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (نور، آیت:24)

ان کی زبانیں، ہاتھ اور پاؤں قیامت کے دن ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

دوستو! یہی موقع ہے کہ ہم نیک اعمال کر کے ان گواہوں کو جو ہمیشہ اور ہر وقت ہمارے

ساتھ رہتے ہیں اور ہر کام میں ہمارا ساتھ دیتے ہیں قیامت کے روز اپنا ساتھی بنالیں کر ہمارے حق میں گواہی دیں۔ یہ وہ دن ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہماری زبانوں پر مہر لگادے گا، نہ ہمیں جھوٹ بولنے کی اجازت ہوگی کہ ہم اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکیں اور نہ سچ کہنے کی۔ ہر ہر بات کا اقرار کرنا ہوگا اور ہر بات کو تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ ہمارے ان بے زبان گواہوں کو زبان مل جائے گی اور ہر واقعہ اور ہر عمل کا پتہ صحیح صحیح دیں گے۔ ارشاد ربانی ہے: اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (سورۂ یٰسین: آیت: 65)

ہم قیامت کے دن ان کے منہ پر مہر لگادیں گے ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے اور پاؤں ان کے کسب کی گواہی دیں گے۔

تو ہم کیوں نہ اپنے ان ہاتھوں کو اچھے اور نیک کام انجام دینے کی طرف لگائیں اور کیوں نہ ہم اپنے پاؤں سے ایسی راہ چلیں جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو۔ کیوں نہ ہم اپنی آنکھوں کو حرام چیزوں کی طرف سے روکیں اور حلال کی طرف لگائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آنکھیں اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ ہم اس کی قدرت کا مشاہدہ کر کے اس کو پہچانیں، اندھیرے اور اُجالے میں تمیز کریں تاکہ ہمارے چلنے کے لیے راہ راست مل جائے۔ اچھائی اور برائی میں تمیز کریں کہ آنکھیں دیکھ سکیں اور دل سمجھ سکے کہ فلاں عمل بُرا ہے اور اس کا انجام تباہی ہے اور اس سے بچ جائیں اور اچھی راہ چل نکلیں کہ جس سے دین و دنیا میں فلاح حاصل ہو، تاکہ ہمارا بھی شمار ان میں ہو جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓىٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

آنکھیں اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائی ہیں کہ ہم اس کے احکام کو قرآن پاک میں پڑھیں، تاکہ ان پر عمل کر کے راہ ہدایت پائیں اور ہدایت یافتہ بندگانِ خدا کی زیارت حاصل کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں یعنی انبیا و اولیا کی زیارت بھی باعثِ فلاح و نجات ہے لیکن اگر ہم سمجھ سکیں۔

ہاں! میں عرض کر رہا ہوں کہ آنکھیں اس لیے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مطالعہ کریں اور اس کے جمال اور وصال کی تلاش کریں نہ کہ حرمات کو دیکھیں یعنی جن چیزوں کی طرف دیکھنے سے روکا گیا ہے، ان سے بچیں کہ ان کی طرف دیکھنے سے دل میں غلط قسم کے وسواس و خیالات پیدا ہوں گے اور برے خیالات سے برے ارادے ہوں گے اور اعمالِ بد کی طرف رغبت ہوگی، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اچھے اعمال اچھی نیت اور بُرے اعمال بُرے ارادوں کا نتیجہ ہیں۔ میرے دوستو! کیوں نہ ہم اپنی نظروں کو حرام کی طرف سے روک کر حلال کی طرف لگائیں کہ کسی نامحرم کی طرف نظرِ شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور حرام کاری کی طرف دعوت دینا ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اٹھارہویں پارہ سورۂ نور میں حفظِ بصارت کی تاکید فرمائی ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ○ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (آیت: 30-31)

ایمانداروں کو فرمادو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے اور ایمان والی عورتوں سے فرمادو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقام کو ظاہر نہ کریں مگر جو اُن سے ظاہر ہو۔

لیکن آج کل ہماری بی بیاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف چلتی ہیں اور سج دھج کر بازاروں میں نکلتی ہیں، فیشن دار کپڑے پہنتی ہیں اور ایسا عریانی کا لباس کہ جو اعضا کی خوب صورتی کا اظہار کرتے ہیں، وہ ننگے ہوتے ہیں اور جو اعضا کپڑوں سے ڈھکے ہوتے ہیں وہ بھی اپنی بناوٹ کی خبر دیتے ہیں۔ تو یہ حسن اور عریانی و فحاشی کو دعوت دیتے ہیں۔

میرے دوستو! اس فحاشی اور عریانی کو روکا جائے کہ کوئی نظرِ بد سے ان بیبیوں کی طرف

نہ دیکھ پائے کیونکہ نظرِ بد سے دیکھنے والے پر حضور نبی اکرم ﷺ نے لعنت فرمائی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ ۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اُس پر جو نظرِ بد کرتا ہے اور اُس پر جس کی طرف نظرِ بد کی گئی ہے۔

تو میرے بھائیو! دیکھ لو اللہ تعالیٰ نظرِ بد کرنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے دونوں پر لعنت کرتا ہے۔ کیونکہ بے شک دیکھنے کی دعوت دینے والا دیکھنے والے سے زیادہ قصوروار ہے اور آنکھوں کی یہ خیانت دلوں کی خیانت کا مظاہرہ کرتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل جو دلوں کی اور آنکھوں کی خیانت کا دیکھنے اور جاننے والا ہے، ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۔ (غافر، آیت:19)

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دِلوں کے بھید کو جانتا ہے۔

ہاں! تو آنکھ برائیوں کی طرف لگا سکتی ہے کہ یہ دل کے ارادوں کی غمازی کرتی ہے اور برائی اور زِنا کی طرف دعوت دیتی ہے لہٰذا بری نظر سے کسی نامحرم کی طرف دیکھنا زِنا کے مترادف ہے۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

فرج کی طرح آنکھ بھی زنا کرتی ہے اور آنکھ کا زِنا اس کا دیکھنا ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:264 پر حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی یوں درج ہے:

نگاہِ بد ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے، اس لیے کہ ناجائز تعلقات آنکھ کے دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا: زِنا کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: آنکھوں سے۔ (کیمیائے سعادت)

تو میرے بھائیو! نامحرم کی طرف دیکھنے سے آنکھوں میں زِنا کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنھیں نورِ بصیرت والے فوراً دیکھ لیتے ہیں۔

حکایت

جمال الاولیا، صفحہ:29 اور نزہۃ المجالس، صفحہ:112 پر ایک حکایت یوں درج ہے:

ایک شخص کی نگاہ کسی نامحرم عورت پر پڑ گئی اور جب وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حضور حاضر ہوا تو آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: بعض انسان میرے پاس اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زِنا کے نشان پائے جاتے ہیں۔

اس پر ایک شخص نے عرض کیا: رسول اکرم ﷺ کے بعد بھی وحی آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: وحی تو بند ہو چکی ہے مگر میں اپنی ایمانی فراست سے یہ بات جانتا ہوں۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور زبان بھی زِنا کرتے ہیں کیونکہ یہ زِنا کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ، صفحہ:30 پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا اَدْرَكَ ذَالِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظْرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَالِكَ وَيُكَذِّبُهٗ ۔ (متفق علیہ)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بنی آدم کے حصے میں زِنا لکھ دیا ہے، لامحالہ اس کو پائے گا۔ پس آنکھ کا زِنا دیکھنا ہے اور زبان کا زِنا باتیں بنانا ہے اور نفس کا زِنا آرزو کرنا اور خواہش کرنا ہے اور فرج اس نفس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی تکذیب کرتا ہے۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:20)

آنکھوں کا زِنا دیکھنا ہے، کانوں کا زِنا سننا ہے اور زبان کا زِنا کلام کرنا ہے، ہاتھ کا زِنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زِنا، زِنا کی طرف چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور تکذیب کرتا ہے۔

تو میرے بھائیو! ظاہر ہے کہ تمام اعضا جو برائی کرتے ہیں وہ برائی کے حصے دار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے فروج کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ، پاؤں، زبان اور آنکھوں کی بھی

حفاظت کریں کہ برائی کی طرف مائل نہ ہوں۔

یہ حکم صرف مَردوں کے لیے ہی نہیں کہ وہ غیر کی طرف نہ دیکھیں بلکہ عورتوں کو بھی حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں۔ چنانچہ کنزالایمان کے صفحہ:500 پر ابوداؤد اور ترمذی سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ° (سورۂ نور، آیت:31-30)

مسلمان مَردوں کو حکم دیں، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ان کے کام کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دیں اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

تو ازواجِ مطہرات میں سے بعض اُمہات المومنین نے عرض کیا: وہ تو نابینا ہیں فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔

میرے مسلمان بھائیو! حدیث مقدسہ سے ظاہر ہے کہ جس طرح مَردوں کے لیے حفظِ نگاہ ضروری ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی پردہ ضروری ہے، خواہ مرد نابینا ہو یا مخنث کیونکہ جس طرح زِنا کی قباحتیں ہیں، اسی طرح بدنظری بھی انسان کے لیے سراسر قباحت وخسارہ کا پیغام ہے۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:45 پر ایک حکایت مرقوم ہے:

امام ابوعمر بچوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے کہ ایک نوعمر اور خوب صورت بچہ ان سے کلام مجید پڑھنے کے لیے آیا، جسے دیکھ کر اُن کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نیتِ بد کی نحوست سے تمام کلام مجید بھول گئے اور بے قرار ہوئے۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حج کا وقت ہے پہلے جا کر حج ادا

کرد پھر مسجد خیف میں جانا، جس کی محراب میں ایک ضعیف شخص بیٹھے ہوں گے۔ جب وہ فارغ ہوں تو اپنا حال بیان کرنا اور دعا کے لیے عرض کرنا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب وہ بزرگ اکیلے رہ گئے اور دوسرے لوگ چلے گئے تو ابوعمر نے حاضرِ خدمت ہوکر سلام عرض کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لیے درخواست کی اور اپنا حال بیان کیا۔ جسے سن کر وہ بزرگ رنجیدہ ہوئے، پھر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور ابھی اپنا سر جھکا نہ پائے تھے کہ ابوعمر کو تمام قرآن یاد ہو گیا اور انھوں نے خوشی سے اپنا سر بزرگ کے قدموں پر رکھ دیا۔

مسلمانو! بدنظری ایسی قباحت ہے کہ اس کی نحوست سے کلام مجید جیسی نعمت بھی چھن جاتی ہے۔ بدنظری کی نحوست سے آخرت میں روسیاہی حاصل ہوتی ہے اور چہرے کا گوشت اُتر جاتا ہے۔

حکایت

تذکرۃ الدورہ میں ایک حکایت منقول ہے:

محمد سماک رحمۃ اللہ علیہ اور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک روز رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کے دربار میں تشریف رکھتے تھے کہ اتنے میں حضرت عفلا بن العام رحمۃ اللہ علیہ نیا لباس پہنے ہوئے جھومتے جھامتے اُدھر آ نکلے۔ محمد سماک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ کیسی رفتار ہے؟ تو فرمایا: کیوں نہ ہو، میرا نام غلام جبار ہے۔ اتنا کہتے ہوئے گر پڑے اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ پھر آپ کو خواب میں دیکھا گیا کہ آپ کا نصف چہرہ سیاہ ہے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ ایک روز میَں استاد صاحب کی خدمت میں حاضر تھا کہ وہاں ایک بے ریش لڑکا خوبرو نظر آیا۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہشت جانے کا حکم دیا تو میں دوزخ کے پاس سے گزرا تو ایک سانپ نے پھنکار کر مجھ پر حملہ کیا جس سے میرا آدھا چہرہ سیاہ ہے اور یہ سب اس لڑکے پر نظر پڑنے کی نحوست تھی۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء صفحہ:390 پر ایک حکایت حضرت ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ علیہ کی درج ہے:

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ علیہ کو ایک

مرتبہ وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ
نے فرمایا: حق تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور جس گناہ کا میں نے اقرار کیا اُسے بخش دیا۔ مگر ایک
گناہ جس کا اقرار کرنے سے مجھے شرم محسوس ہوتی تھی، میں اُس کی ندامت سے پسینہ پسینہ
ہو گیا اور میرے چہرے کا تمام گوشت اُتر گیا۔ گناہ یہ تھا کہ لڑکپن میں میں نے ایک لڑکے کو
شہوت کی نظر سے دیکھا تھا۔

نظرِ بد سے بچنے سے ایمان میں برکت ہوتی ہے، کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو
اس کا مواخذہ نہیں لیکن اگر قصداً دیکھے تو اس کے لیے وہ قباحت ہے جو نظرِ بد یا زِنا کے
بارے میں بیان کی گئی ہے۔ ہاں! اگر وہ خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے دوبارہ نظر نہ
کرے تو یہ اس کے لیے باعثِ برکت اور زیادتی ایمان ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد
گرامی ہے:

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافَتِيْ اَبْدَلْتُهُ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ ۝

نظر شیطان کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے۔ جو شخص محض مجھ سے ڈر کر
نظرِ بد کو چھوڑ دیتا ہے تو میں اس کو ایمان سے بدل ڈالتا ہوں جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں
محسوس کرے گا۔

تو میرے بھائیو! ظاہر ہے کہ نظرِ بد سے دیکھنے میں بڑی قباحت و بدبختی ہے اور اس
کے ترک کرنے میں ثواب و ایمان کی فراوانی ہے اور رحمتِ خداوندی کا باعث ہے۔

حفاظتِ سماع

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھوں کی نعمت عطا فرمائی ہے کہ وہ اچھائی اور برائی
میں تمیز کرے اور اپنے خالق حقیقی کی تخلیقات کا نظارہ کر کے اپنے مالک و معبودِ حقیقی کی پہچان
کرے۔ اسی طرح انسان کو کانوں کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سے کلام اللہ کو بغور
سنے اور اس پر عمل پیرا ہو اور انبیا و اولیا کی محافل میں حاضر ہو کر ان کے اقوالِ زریں اور پند و

نصائح سے بہرہ مند ہو کر اپنی زندگی کو قابلِ فلاح بنا سکے۔ کان اس لیے نہیں دیے گئے کہ
گانے بجانے کی محافل میں شریک ہو کر ان سے خوشی و طرب حاصل کرے اور اپنی زندگی کو لہو
ولعب میں ڈال لے اور نہ اس لیے ہیں کہ جھوٹی افواہیں اور بے ہودہ اور لامعنی باتیں سنے۔
ایسی باتوں کے سننے سے پرہیز کیا جائے جو زندگی میں انتشار پیدا کریں، سب سے بڑھ کر
غیبت کی باتیں سننے سے پرہیز کیا جائے کہ غیبت زِنا سے بھی بدتر ہے۔

چنانچہ غیبت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قِيْلَ كَيْفَ قَالَ الرَّجُلُ يُزْنِيْ ثُمَّ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَ لَهٗ صَاحِبُهٗ ۝ (زواجر، صفحہ:9)

سرکار ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بدتر ہے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیسے؟
فرمایا: مرد زِنا کرتا ہے، جب توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے مگر غیبت
کرنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا صاحب معافی نہ دے یعنی جس کی
غیبت کی ہے۔

غیبت کسے کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی یا
خامیاں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ حاضر ہوتا تو اس کی ناراضگی کا سبب ہوتا، خواہ وہ
برائیاں یا عیب، جھوٹ ہوں یا سچ۔

زبان کی حفاظت

میرے مسلمان بھائیو! جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں غیبت ایک ایسا فعل ہے جسے کرنا یا
سنا زِنا کے برابر ہے، اس لیے کانوں کے ساتھ ساتھ زبان کو بھی اس فعلِ بد کے ارتکاب سے
روکنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو غیبت کرنے والے کو اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا اقرار
دیا ہے۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (سورۂ حجرات، آیت:12)

تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس تم اس کو ناپسند ہی کرو گے۔

یہ ہے غیبت کرنے والے کا فعل کہ وہ گویا سچ مچ اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ زواجر حصہ دوم میں صفحہ:8 پر ایک روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ مَیں حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھا اور ایک شخص جب حضور کی خدمتِ عالیہ سے اُٹھ کر چلا گیا تو دوسرے نے اس کی غیبت شروع کر دی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: تَخَلَّلْ خلال کر (یعنی اپنے دانت خلال کر کے پاک کر) تو اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! مِمَّا اَخَلُّ مَا اَكَلْتُ لَحْمًا۔ مَیں کس بات پر خلال کروں، میں نے کوئی گوشت کھایا ہے؟ تو فرمایا: تو نے اپنے بھائی کی غیبت کی اور اس طرح اپنے بھائی کا گوشت کھانے کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا خلال کرو۔

غیبت کرنے والے کا آخرت میں بھی انجام بُرا ہے۔ غیبت کے لیے جو آخرت میں سزائیں ہیں، ذرا غور سے سنیے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:385 پر ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میرا ایک ایسے گروہ کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہروں کا گوشت نوچ رہے تھے تو میں نے پوچھا کہ یہ کون گنہگار ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کرتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک اللہ تعالیٰ زبان کو ایسے گناہ سے محفوظ رکھے۔

اسی صفحے پر ایک اور روایت ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کر کے مر گیا، وہ سب سے آخر میں بہشت میں داخل ہوگا اور جو توبہ کیے بغیر مر گیا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک روز چند صحابہ کے ہمراہ قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ ان دونوں قبروالوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی کبیرہ گناہ کی وجہ

سے نہیں بلکہ غیبت کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا ہے اور دوسرے کو اس لیے کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے ہری ٹہنی کے دو ٹکڑے ان قبروں پر گاڑ دیے تا کہ ان کے عذاب میں شاخوں کی سبزی تک تخفیف رہے۔

دوستو! یہ ہے غیبت کی قباحت۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فعلِ بد سے محفوظ رکھے۔ (آمین) زبان کی حفاظت کے بارے میں اگلے وعظ میں ان شاءاللہ تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

☆☆☆

بارھواں وعظ

در بیانِ حقوقِ والدین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:24)

یعنی نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ہر ذرۂ کائنات کی تعداد کے ہزاروں بلکہ لاکھوں گنے کے موافق درود وسلام جو تخلیق کائنات کا اصل سبب ہیں اور جس نے ہمیں ہدایت کی راہ پر چلنا سکھایا اور ہمیں اپنے حقوق وفرائض سمجھائے اور وہ راز بتلائے جو ہمیں اپنے خالقِ حقیقی کے قریب لاتے ہیں اور ان برائیوں اور گناہوں کو عیاں فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بنتی ہیں۔ برائیوں میں ایک برائی والدین سے بدسلوکی اور ان کی نافرمانی بھی ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ والدین کے حق میں دعائے خیر مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا ۝

جب تیرے والدین یا ان میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے تو اُن کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی انھیں جھڑکو بلکہ ان سے نرمی سے اور احترام سے کلام کرو اور ان کے لیے رحمت کا بازو پھیلا دے (یعنی مہربانی کر اور اپنے رب سے دعا مانگ کہ) اے پروردگار! ان پر رحم وکرم فرما کیونکہ انھوں نے مجھے بچپن میں شفقت اور محبت سے پالا ہے۔

میرے بھائیو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے والدین پر نیکی اور احسان کرنا ہم پر فرض فرمایا

ہے اسی طرح ان کے لیے کوئی نامناسب اور سخت بات کہنے سے بھی منع فرمایا ہے، نیز ان کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق کہ ان کے حق میں قولِ کریم اختیار کرو اور ان کے حق میں دعا کرو۔ ساتھ ہی كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا سے ظاہر ہے کہ ان کی تکالیف کو یاد کرکے ان تکالیف کے بدلے میں ان کے لیے رحمت اور بخشش مانگو۔

میرے دوستو! اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کے لیے ماں باپ کے دل میں محبت اور خواہش پیدا کی جاتی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کے لیے ہر قسم کے طریقے اختیار کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، منتیں مانتے ہیں اور جب کہیں کچھ آس ہوتی ہے تو پھولے نہیں سماتے۔ ماں اوّل نو ماہ تک بچے کو اپنے بطن میں رکھتی ہے۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتی یا کوئی ایسی چیز استعمال نہیں کرتی جس سے بچے کو نقصان پہنچے۔ پھر بچے کی پیدائش میں جو تکلیف وہ اُٹھاتی ہے اس کا اندازہ اسے ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس خوشی کا اندازہ لگائیے جو ماں باپ کو حاصل ہوتی ہے۔ والدین خوشی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ مٹھائی بٹتی ہے، خیرات وصدقات ہوتے ہیں۔ جائز اور ناجائز طریقوں سے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ماں پورے دو سال بچے کو دودھ پلاتی ہے، گرمی وسردی سے بچاتی ہے۔ بچہ روتا ہے تو پریشان ہوجاتی ہے۔ بچے کو ہر طرح کا آرام پہنچاتی ہے، خود کو کچھ ملے یا نہ ملے بچے کی بھوک پیاس کا خیال رکھتی ہے۔ اس کے پیشاب وپاخانہ کی صفائی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے، نہلاتی ہے، دھلاتی ہے اور لباس تبدیل کرتی ہے۔ پھر بچہ بڑھتا ہے تو تعلیم کی فکر ہوتی ہے۔ ہر خوشی وغم کے موقعوں پر بچوں کی خوشی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پھر بچہ جوان ہوا، اس کی شادی پر خرچ ہرا۔ غرض ماں باپ کا زر ومال اور خوشی ومسرت ہر طریقے سے بچے کی ضروریات پر صَرف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ ماں باپ بچے کی خاطر کنگال ہوجاتے ہیں۔ پہلے بچہ ماں باپ کا دست نگر تھا، انھوں نے مقدور بھر اس کی ضروریات کو پورا کیا لیکن اب ماں باپ اپنے بیٹے کے دست نگر ہیں تو بیٹا بجائے ان کی ضروریات پورا کرنے کے ان کو ایک آنکھ دیکھنا بھی پسند نہ کرے اور کوئی ضرورت اور شکایت ہو تو اُلٹا جھڑکنے بیٹھ جائے تو اُن کے دل پر کیا گزرے گی، ان کے دل کو کس قدر صدمہ ہوگا۔

کیا اس رویے پر غضبِ الٰہی جوش میں نہ آتا ہوگا۔ کیوں نہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔

اے جوان بیٹے! اب ان والدین کو مت جھڑک کہ انھوں نے تیرے لیے بہت تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ بلکہ انھیں اُف تک نہ کہہ، اِس سے بھی ان کو رنج پہنچے گا اور ان کے دل کو تکلیف پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ان سے نرمی اور تعظیم سے بات کر۔ یعنی والدین کے ساتھ ادب و احترام سے گفتگو کرنا چاہیے۔ علما کا قول ہے کہ والدین سے اس طرح کلام کرنا چاہیے جس طرح خادم اپنے آقا سے کلام کرتا ہے اور ان کا نام لے کر نہ پکارے کہ یہ ادب و احترام کے خلاف ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔

یعنی ان سے نرمی اور عاجزی سے پیش آ اور شفقت و مہربانی کا سلوک کر۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

اور ان کے حق میں رحمت کے لیے دعا کرے کیونکہ وہ ان کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ: یارب! انھوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا اور میں ان کا احسان نہیں چکا سکتا، تو اس کے بدلے میں ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

ماشاء اللہ کیسی اچھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے کا کیا انوکھا طریقہ بتلایا ہے کہ ان کے حق میں رحمت طلب کرو۔

مشکوٰۃ شریف، صفحہ: 431 پر روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ يَمُوْتُ وَالِدَيْهِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَهُمَا لَعَاقٌ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللهُ بَارًّا۔

جس بندے کے ماں باپ یا ان میں سے ایک فوت ہو چکا ہو اور وہ ان کا نافرمان ہو، وہ ان کے لیے دعا کرے اور ان کے حق میں استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرماں بردار لکھ دے گا۔

ماشاء اللہ والدین کا فرماں بردار بننے کا کیا آسان طریقہ ہے، اسے کہتے ہیں کفارہ۔

دوستو! ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے لیے کس قدر آسانیاں مہیا کر دی ہیں، کہ کسی نہ کسی طرح ہم دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ ورنہ ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ: 418 پر حضرت مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ۔ خاک آلود ہو ناک اس کی، خاک آلود ہو ناک اس کی، خاک آلود ہو ناک اس کی۔ قیل یارسول الله۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کس کی؟ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔

فرمایا: جس کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک زندہ ہو اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو۔

دیکھو میرے دوستو! والدین کا نافرمان کبھی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا بلکہ جنت کی بو بھی نہ سونگھ پائے گا۔ چنانچہ کشف الغمہ کے صفحہ: 212 پر فرمانِ رسول یوں درج ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَسُمُّوْنَ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَّسِيْرَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُّوْثُ وَالرَّجُلَةُ۔

تین اشخاص جنت میں داخل نہ ہوں گے اور نہ ہی اس کی بو سونگھ سکیں گے حالانکہ اس کی خوشبو سو سال کی مسافت سے سونگھی جا سکتی ہے۔ ایک اپنے والدین کا نافرمان، دوسرا بے غیرت (جو اپنے اہل میں زِنا دیکھے اور غیرت نہ کرے) اور تیسرے وہ عورت جو مَردوں سے مشابہت کرے۔

کشف الغمہ کے اسی صفحہ پر ایک اور حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔ وہ حدیث پاک یوں ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّا يَنْظُرُ اللهُ تَعَالٰى اِلَيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ بِمَا اَعْطٰى۔

تین اشخاص کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے نہ دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک والدین کا نافرمان، دوسرا ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرا نیکی کر کے جتلانے والا۔

تو میرے دوستو! خدائے ذوالجلال اس نافرمانی سے بچائے جس کے لیے اس قدر

عذاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ؁ کہ ان کو اُف تک نہ کہو اور اگر ہم ان کی نافرمانی کریں یا ان کو جھڑکیں تو ہم جیسے نافرمانوں کا کیا حشر ہوگا۔

بعض لوگ اپنی بیویوں کے اُکسانے پر والدین سے لڑتے جھگڑتے اور یہاں تک کہ ان کو زدوکوب کرنے پر تُل جاتے ہیں تو ایسے لوگ لعنتی ہیں جو اپنے والدین پر اپنی بیویوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ فَضَّلَ زَوْجَتَهٗ عَلٰى اُمِّهٖ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. (زواجر، صفحہ:58)

جو شخص اپنی ماں پر اپنی عورت کو ترجیح دیتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔)

آج کل تو بیویوں کو اس قدر ترجیح دی جاتی ہے کہ والدین چھوٹ جائیں تو جائیں! لیکن بیوی کی ذرا سی خفگی بھی ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ دن بھی تھے کہ والدین کے کہنے پر عورت کو طلاق دینا پڑتی تھی۔ کیونکہ والدین کی محبت کو عورت کی محبت پر ترجیح دینے کا حکم ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ کے صفحہ:421 پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رِوایت ہے کہ میری ایک بیوی تھی جس کے ساتھ میری سخت محبت تھی لیکن میرے والد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک روز انھوں نے فرمایا: اسے طلاق دے دو لیکن میں نے جب ایسا نہ کیا تو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: میں نے عبداللہ سے کہا تھا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے تو اس نے اسے طلاق نہیں دی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! اپنی عورت کو طلاق دے دو۔ اپنے والد کا حکم مانو اور ان کی محبت کو عورت کی محبت پر ترجیح دو۔

زواجر میں صفحہ:85 پر ایک اور روایت یوں درج ہے:

آپ کے صحابی حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پابند صوم وصلوٰۃ تھے اور خیرات و صدقات میں بہت آگے تھے۔ سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ ان کی بیوی نے حضور کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ کا صحابہ حالتِ نزع میں ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمار،

حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی طرف بھیجا کہ اس کو کلمہ کی تلقین کریں۔ چنانچہ انھوں نے بہت کوشش کی لیکن کلمہ شریف پڑھنے کے لیے ان کی زبان نہ کھلی۔ حضور ﷺ کو اس امر کا علم ہوا تو دریافت فرمایا: کیا اس کے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اس کی بوڑھی والدہ زندہ ہے۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور پوچھا: اے ماں! سچ بتاؤ تمہارا بیٹا علقمہ کیسا تھا؟ اس نے عرض کی: بہت عبادت گزار تھا اور بہت روزے رکھتا تھا، خیرات وصدقات کرتا تھا۔ فرمایا: تو اس سے راضی ہے یا ناراض؟ وہ بولی: یارسول اللہ! میں اس سے راضی نہیں۔ آپ نے ناراضگی کی وجہ پوچھی تو عرض کی: وہ میری بات نہیں مانتا تھا اور اپنی عورت کے کہنے پر چلتا تھا۔ اس کو مجھ پر فضیلت دیتا تھا۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تیری اس ناراضگی کی وجہ سے اس کی زبان کلمہ شریف پڑھنے سے بند ہے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو۔ اس نے عرض کیا: کیوں؟ یارسول اللہ! (ﷺ) فرمایا: تیرے بیٹے علقمہ کو ان لکڑیوں میں جلاؤں گا۔ اس نے عرض کیا: وہ میرا بچہ ہے اور میرا دل یہ برداشت نہیں کرے گا کہ میرے سامنے اسے جلایا جائے۔ حضور نے فرمایا: اللہ کا عذاب تو اس سے بھی سخت تر ہے۔ مجھے اللہ عزوجل کی قسم! علقمہ کو اس کا روزہ، نماز، صدقہ وخیرات فائدہ نہ دے گا جب تک کہ تُو اسے معاف کر کے راضی نہ ہو جائے۔ اگر تُو چاہتی ہے کہ اللہ اس کو بخش دے اور دوزخ کی آگ سے نجات دے تو اسے معاف کر کے راضی ہو جا، تو اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس پر راضی ہو گئی۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب آپ دروازے پر پہنچے تو اندر سے کلمہ پڑھنے کی آواز آ رہی تھی اور علقمہ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: يَامَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ مَنْ فَضَّلَ زَوْجَتَهٗ عَلٰى اُمِّهٖ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ؁

(زواجر، صفحہ:58)

اے مہاجرین اور انصار کے گروہ! جو شخص اپنی ماں پر اپنی عورت کو فضیلت دے گا اس

پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور انسانوں سب کی لعنت ہوگی۔

میرے دوستو! انسان اللہ کا کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو لیکن جب تک وہ اپنے والدین کو خوش نہیں رکھتا یا انھیں برا بھلا کہے گا۔ اس کی یہ عبادت رائیگاں جائے گی۔

چنانچہ کشف الغمہ کے صفحہ:212 پر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

ثَلَاثَةٌ لَّا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُمْ صَرْفًا وَّلَا عَدَلًا اَلْعَاقُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُكَذِّبُ بِالْقَدَرِ۔

اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کے فرض اور نفل قبول نہیں فرماتا۔ جو والدین کا نافرمان ہو، احسان جتانے والا ہو یا تقدیر کا جھٹلانے والا ہو۔

والدین کے نافرمان دنیا اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ مشکوٰۃ کے صفحہ:221 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:

كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللهُ مِنْهَا مَا شَاءَ اِلَّا حُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهٖ فِي الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ۔

سب (ہر قسم کے) گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر والدین کے نافرمان کو نہیں بخشتا اور ایسے گنہگار کو اللہ تعالیٰ بہت جلد مرنے سے پہلے ہی دنیاوی زندگی میں سزا دے دیتا ہے۔

معاذ اللہ، استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ ایسی نافرمانی سے محفوظ رکھے جس کے لیے اس قدر اتنی جلدی سزا ہے۔

رینگنے والا مردہ

زواجر حصہ دوم، صفحہ:58 پر ہے۔ حضرت حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ایک قبیلۂ عرب میں اترا، وہاں ایک قبرستان ہے جہاں پر عصر کے بعد ایک قبر پھٹ جاتی ہے اور اس سے ایک مردہ نکلتا ہے جس کا سر گدھے کی طرح ہے اور باقی جسم انسان کی طرح، وہ تین مرتبہ گدھے کی طرح رینکتا اور پھر قبر میں چلا جاتا ہے اور قبر مل جاتی ہے۔

ایک دفعہ وہاں ایک عورت سوت کات رہی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ اس بڑھیا کو دیکھتے ہو۔ میں نے کہا: ہاں! وہ بولی یہ اس کی ماں ہے جو قبر سے نکل کر رینگتا تھا۔ یہ شخص شرابی تھا اور جب وہ شرابی شراب پینے لگتا تو اس کی ماں کہتی اے میرے بچے! اللہ سے ڈر، تو کب تک شراب پیتا رہے گا، کیا تجھے مرنا نہیں۔ تو یہ شخص اپنی ماں سے کہتا کیوں گدھے کی طرح رینکتی ہے؟ چنانچہ یہ شخص عصر کے وقت کے بعد ایک روز مر گیا۔ اب اس وقت اس کی قبر ہر روز شق ہوتی ہے اور وہ نکل کر تین دفعہ رینکتا ہے اور قبر پھر مل جاتی ہے۔

زواجر صفحہ:58 پر ایک اور روایت ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو آگ کی ٹہنیوں سے لٹکے ہوئے دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کو دنیا میں گالی دیتے تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ماں باپ کی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَّا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ۔ (زواجر، صفحہ:58)

تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا اولاد کے حق میں۔

ماں کو دکھ پہنچانے والا قاری

نزہۃ المجالس میں ایک ایسے شخص کے متعلق روایت ہے جس نے اپنی ماں کو دکھ پہنچایا اور اس کی سب عبادتیں رائیگاں گئیں اور ماں کی بددعا نے اثر دکھایا۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تورات کا ایسا عمدہ قاری تھا کہ بہت سے لوگ اس کی قرأت سننے کے لیے جمع ہو جاتے لیکن وہ شرابی تھا۔ اس کی ماں اسے شراب خوری سے روکتی تھی۔ چنانچہ ایک رات اس نے شراب پی اور مستی کی حالت میں تورات پڑھنے لگا لوگ سن کر جمع ہو گئے تو ماں نے اسے اٹھ کر وضو کرنے کی ہدایت کی تو اس نے ماں کے چہرے پر ایسی ضرب ماری کہ ماں کی ایک

آنکھ اور کئی دانت نکل گئے۔ماں نے اسے اس رنج میں بددعادی کہ اللہ تجھ سے راضی نہ ہو۔ صبح جب وہ ہوش میں آیا تو بہت نادم ہوا اور اس ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا کہ ساری عمر اللہ کی عبادت میں گزار دے گا۔لیکن ماں نے کہا کہ تو جہاں بھی جائے اللہ تجھ سے راضی نہ ہو۔چنانچہ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر چالیس سال تک عبادتِ الٰہی میں ایسا مشغول ہوا کہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کی: یا اللہ! تو نے مجھے بخش دیا ہے یا نہیں؟ غیب سے آواز آئی، چونکہ تیری ماں نے بددعا دی تھی کہ اللہ تجھ سے راضی نہ ہو، تو جب تک تیری ماں راضی نہ ہوگی اللہ راضی نہ ہوگا۔یہ سن کر وہ گھر واپس آیا اور اپنی ماں سے پکارا کہ اے جنت کی کنجی! اگر تو زندہ ہے تو خوشی کا مقام ہے۔لیکن اگر فوت ہو گئی تو میں ہلاک ہو گیا۔ چنانچہ اس کی ماں نے کہا: اللہ تجھ سے راضی نہ ہو تو اس نے اپنی ماں کے پاس جا کر پہلے اپنے ہاتھ کو کاٹا اور کہا کہ اس نے تیری آنکھ نکالی تھی میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا۔پھر دوستوں سے کہا کہ لکڑیاں اکٹھی کرو، پھر آگ جلائی اور اس میں کود گیا۔لوگوں نے اس کی ماں سے جا کر کہا تو وہ پکار اٹھی۔اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تو کہاں ہے۔اللہ تجھ سے راضی ہو۔ماں کا راضی ہونا تھا کہ خالق برحق بھی راضی ہو گیا اور اللہ کے حکم سے جبرئیل آئے اور اپنا پَر مل کر بڑھیا کو بھی تن درست کیا اور جوان کا ہاتھ بھی صحیح ہو گیا۔

☆☆☆

تیرھواں وعظ

دربیانِ احسان بالوالدین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط (اسراء، آیت: 23)

بعد از حمد وثنائے خالق حقیقی والہ العالمین ہزاروں درود ولاکھوں سلام بر رحمت للعالمین۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ معبودِ حقیقی و برحق کی فرماں برداری و اطاعت وعبادت کے بعد کچھ حقوق العباد بھی ہیں۔بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے ماں باپ کا درجہ ہے اور یہی ہمارا موضوع ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اطاعتِ والدین بھی اسی طرح واجب اور ضروری ہے جس طرح اطاعتِ خالق۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود کلام مجید میں فرمایا ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ احسان اور نیکی لازم فرما دی ہے۔

کیوں نہ ہو، ذرا غور کیجیے کہ انسان کی شکل میں پیدا ہونے والے اور پیدا کرنے والے بھی یعنی بندے اور اس کے خلاقِ حقیقی کے درمیان ایک وسیلہ بھی ہے اور وہ وسیلہ ہیں والدین تو پھر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اللہ کی اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت بھی

لازم و برحق ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ پارہ:21 سورۂ لقمان میں ارشاد فرماتا ہے:

اَنِ شْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو کہ آخر میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شکر گزاری کے ساتھ والدین کی اطاعت و رضا ضروری ہے۔ کیونکہ بچے کی پیدائش سے لے کر اس کے جوان ہونے اور برسرِ روزگار ہونے تک والدین کو ہر طرح کے مصائب برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ اب چونکہ انسان کے ذی شعور ہونے تک کہ انسان اپنے خالقِ حقیقی اور رزاقِ برحق کو جان اور سمجھ سکے۔ اس کی پرورش اور آسائش کے سامان ماں باپ کو مہیا کرنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس وسیلے کی حق گزاری لطف و مہربانی کے ساتھ امر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ٹھہری۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے والدین کی اطاعت اور رضا جوئی پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

رَضَى الرَّبِّ فِيْ رَضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ ۝

اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

یعنی ماں باپ خوش ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہو جاتا ہے اور ماں باپ کو خفا رکھا جائے تو وہ خالقِ برحق بھی ناراض ہو جاتا ہے۔

والدین کی ناراضگی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے

مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ تو ارشاد فرمایا: هُمَا جَنَّتُكَ اَوْ نَارُكَ ۝

وہ تیرے لیے جنت بھی ہو سکتے ہیں یا دوزخ بھی۔

یعنی اگر تو اپنے والدین کی اطاعت کرے تو جنت کا حقدار ہے اور اگر ان کی نافرمانی کرے تو تیرے لیے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔

والدین کی خدمت میں جہاد سے زیادہ درجہ ہے

مشکوٰۃ کے صفحہ: 241 پر ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دربارِ عالیہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں غزوہ یعنی جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ مشورہ کرلوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ ۝ کیا تیری ماں ہے؟ تو عرض کیا: ہاں ہے۔

پھر فرمایا: فَالْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا ۝

اس کی خدمت کو لازم رکھ کیونکہ اس کے پاؤں تلے جنت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ ۝ (مرقات حاشیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:421)

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل

کشف الغمہ، صفحہ:211 پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلٰوةُ فِيْ اَوَّلِ وَقْتِهَا اوّل وقت میں نماز ادا کرنا۔

پھر عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ فرمایا: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ۝ والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔

پھر عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ تو فرمایا: الجہاد فی سبیل اللہ ۝ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

ایک اور مقام پر فرمایا: بَرُّوْا اٰبَآئَكُمْ لِيَبَرُّكُمْ اَبْنَآئُكُمْ وَعِفُّوْا عَنْ نِسَاءِ النَّاسِ تَعِفُّ نِسَاءُكُمْ ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:211)

اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرو تاکہ تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیکی کرے لوگوں کی عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو کہ تمہاری عورتوں کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے والدین کی اطاعت اور فرماں برداری نہ کریں گے ان کی

اولاد بھی ان کی فرماں بردار نہ ہوگی۔ یعنی یوں سمجھئے کہ یہ ادلے کا بدلہ ہے یا یوں کہیے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ کیونکہ یہ فرمانِ نبوی کے مطابق ہے۔

والدہ کا حق

مشکوٰۃ، صفحہ:88 پر ہے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری خدمت اور احسان کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ ارشاد ہوا: تیری ماں۔ پھر عرض کیا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ پھر عرض کیا: اس کے بعد کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ اس کے بعد پھر پوچھا گیا تو فرمایا تیرا باپ۔

اس سے ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ احسان اور خدمت کی حقدار ماں ہے اور اس کے بعد باپ یعنی باپ کی بہ نسبت ماں زیادہ نیکی اور خدمت کی حقدار ہے۔

حلیمہ سعدیہ کا احترام

مشکوٰۃ، صفحہ: 42 پر ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ بمقام جعرانہ گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی، حضور ﷺ خود آگے بڑھے، اپنی چادر مبارک بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا۔ حضرت ابو طفیل نے کہا: میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ جس کی اس قدر تکریم کی جارہی ہے؟ لوگوں نے بتلایا: یہ رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلانے والی والدہ ہیں۔

والدین کی خدمت سے رزق میں کشادگی ہوتی ہے

کشف الغمہ، صفحہ:26 پر حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُمَدَّ لَهٗ فِيْ عُمُرِهٖ وَيُزَادَ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَبِرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ

جسے پسند ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں فراخی ہو اسے اپنے والدین کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا چاہیے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:221)

میرے بھائیو! ماں باپ کی خدمت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بے حساب رزق دیتا ہے۔

حکایت

نزہۃ المجالس، صفحہ:168 پر ہے۔ ایک شخص کے تین بیٹے تھے۔ کرنا خدا کا یوں ہوا کہ وہ شخص بیمار ہوگیا۔ اس کے خوش نصیب بیٹوں میں سب سے بڑے نے باپ کی خدمت اپنے ذمے لے لی، چونکہ والد کی خدمت کو بڑی دولت جانتا تھا اس نے تمام میراث بھائیوں کو دے دی اور باپ کی خدمت کرتا رہا، حتیٰ کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ کچھ روز بعد اس نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ فلاں مقام پر جا، وہاں ایک دینار ہے، لے لو۔ اس نے ایسا نہ کیا۔ دوسری رات پھر کسی نے خواب میں کہا کہ فلاں مقام پر دس دینار پڑے ہیں لے لو، برکت ہوگی۔ لیکن اس نے اسے بھی قبول نہ کیا تیسری رات پھر خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں مقام پر اتنے دینار ہیں جاؤ لے لو، تجھے ان میں برکت ہوگی۔ چنانچہ اگلے روز وہ گیا اور اُٹھا لایا، پھر ایک مچھلی خریدی اسے گھر لا کر صاف کیا تو اس کے پیٹ میں سے دو قیمتی موتی نکلے جو اس نے بادشاہ کے پاس لے جا کر فروخت کر دیے اور اسے ساٹھ ہزار دینار ملے۔ رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے کہا: یہ ساٹھ ہزار دینار تیری اس خدمت کے صلے میں ملے جو تو نے اپنے والد کی کی ہے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ اس طرح سے والدین کی خدمت گذاروں کے رزق میں فراخی عطا فرماتا ہے۔

بچھڑے کا واقعہ

بنی اسرائیل کے بچھڑے کا واقعہ تفسیر عزیزی میں صفحہ:285,286 پر یوں مرقوم ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک مرد رہتا تھا جس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس کے پاس گائے کی ایک بچھیا تھی۔ مرنے سے پہلے وہ اس بچھیا کو جنگل میں لے گیا اور چھوڑ کر دربارِ الٰہی میں یوں عرض کی: اے پروردگار! میں اس بچھیا کو اپنے لڑکے کے لیے تیرے پاس امانت چھوڑتا ہوں تاکہ جب وہ جوان ہو تو اس کے کام آئے۔ کچھ مدت بعد وہ شخص فوت ہوگیا اور وہ بچھیا جنگل میں چر کر پلتی رہی اور حکمِ الٰہی سے درندوں اور انسانوں کے ہاتھ سے محفوظ رہتی تھی۔ وہ

نیک سیرت بچہ جب بڑا ہو گیا تو صبح لکڑیاں کاٹ کر بیچتا اور اپنی کمائی کے تین حصے کر کے ایک حصہ سے گزر بسر کرتا ایک حصہ والدہ کو دیتا اور ایک راہِ خدا میں خرچ کرتا تھا اور رات کو بھی تین حصوں میں بانٹتا۔ ایک حصہ ماں کی خدمت کے لیے وقف تھا، ایک حصہ میں سوتا اور ایک تہائی رات عبادتِ الٰہی میں صرف کرتا تھا۔ اسی طرح زندگی بسر ہو رہی تھی کہ ایک روز والدہ نے کہا: تیرے والد نے ایک بچھیا تیرے لیے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چھوڑی تھی وہ اب جوان ہو گئی ہے، جاؤ جنگل سے لے آؤ۔ اس نے ماں سے اس گائے کی علامت پوچھی، تا کہ کسی اور کی گائے نہ پکڑ لے۔ والدہ نے بتلایا کہ اس گائے کا رنگ خالص زرد ہے۔ اس کے چمڑے سے شعائیں نکلتی معلوم ہوتی ہیں اور وہ گائے آدمی کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہے۔ جب تُو اسے دور سے دیکھے تو کہہ: اے گائے! حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل علیہما السلام و حضرت اسحاق وحضرت یعقوب علیہما السلام کے رب کے نام کی برکت سے میرے پاس آجا، وہ تیرے پاس آجائے گی۔ ہاں! دیکھنا کہیں اس پر سوار نہ ہو جانا۔ مبادا آدمی کے استعمال سے اس کی برکت ختم ہو جائے۔ وہ نیک بخت جوان ماں کی بتائی ہوئی نشانیوں اور نصیحتوں کو پلّے باندھ کر جنگل کی طرف گیا اور ویسی ہی ایک گائے دیکھی اور اسے اپنی محترمہ والدہ کے کہنے کے مطابق بلایا۔ گائے دوڑ کر لڑکے کے پاس آگئی اور وہ گردن سے پکڑ کر گھر کی طرف لے چلا۔ اللہ کے حکم سے وہ گائے اس جوان سے ہم کلام ہوئی اور کہنے لگی: اے نیک بخت! سفر زیادہ ہے تو مجھ پر سوار ہو جا، ہم آسانی سے پہنچ جائیں گے لیکن اس اللہ کے نیک بندے نے کہا کہ میں ہرگز سوار نہ ہوں گا کیونکہ میری ماں نے سواری سے منع کیا ہے۔ اس پر گائے نے کہا: اے نیک بخت جوان! تجھے مبارک ہو تو آزمائش میں کامیاب نکلا، اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو میں تجھے گرا کر بھاگ جاتی اور چونکہ تو والدہ کا فرماں بردار ہے، میں بھی تیری فرماں بردار ہوں۔

پھر شیطان بصورت انسان اس جوان کے پاس حاضر ہوا اور بولا: اے نیک انسان! میری اس جنگل میں بہت سی گائیں ہیں، میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پیٹ میں درد بہت سخت ہے اور میں چل نہیں سکتا۔ اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تیری گائے پر سوار

ہو جاؤں؟ جب میں اپنے گلّے میں پہنچ جاؤں گا تو تجھے اس امداد کے عوض دو عمدہ گائیں دوں گا اور تیری یہ گائے بھی تیرے پاس ہو گی۔ اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے لیکن اس جوان نے کہا: میری ماں نے اس گائے پر سوار ہونے سے منع کیا ہے۔ اس لیے میں یہ گائے کرائے پر نہیں دے سکتا۔ شیطان نے کہا: تیری والدہ کی عقل ٹھکانے نہیں تجھے اپنا نفع یا نقصان خود سوچنا چاہیے۔ میں تیرا بھلا چاہتا ہوں۔ اس جوان نے کہا: میں اپنی والدہ کے حکم سے سر نہیں پھیر سکتا خواہ کچھ بھی ہو۔ اس پر شیطان نے اسے اتنے زور سے پکڑ لیا کہ وہ جوان اپنے آپ کو چھڑا نہ سکا اور وہ بے بس ہو کر بلند آواز سے پکارا: اے ابراہیم واسمٰعیل ویعقوب علیہم السلام کے اللہ! مجھے اس دشمن سے چھڑا۔ ابلیس لعین نے جب یہ آواز سنی تو جوان کو چھوڑ کر بصورت حیوان بھاگ گیا۔ اس گائے نے جوان کو بتایا کہ یہ ابلیس تھا جو کسی بہانے مجھ پر سوار ہونا چاہتا تھا تا کہ میں تیرے کام کی نہ رہ سکوں۔ لیکن جب تو نے اللہ کا نام لیا تو ایک فرشتہ آیا جس سے شیطان ڈر کر بھاگ گیا۔ آخر شام کے وقت وہ جوان گائے کو لے کر گھر پہنچا تو صبح والدہ نے کہا کہ اسے فروخت کر دو۔ اس کی قیمت اس شہر میں تین دینار ہے لیکن چونکہ یہ گائے انوکھی ہے اس لیے شاید کوئی اس کی قیمت اس سے زیادہ دے دے۔ البتہ فروخت سے قبل مجھ سے پوچھ لینا۔ چنانچہ وہ جوان گائے کو لے کر منڈی گیا تو راستے میں اللہ کا بھیجا ہوا ایک فرشتہ بصورت انسان ملا اور پوچھا کہ اس گائے کو کتنے میں فروخت کرو گے؟ جوان نے کہا کہ تُو کیا دیتا ہے؟ فرشتے نے کہا کہ تین دینار۔ جوان نے کہا کہ اگر میری والدہ رضا مند ہوئی تو میں اس گائے کو تین دینار ہی میں فروخت کر دوں گا۔ فرشتے نے کہا: تو اپنی ماں سے پوچھنے نہ جا اور چھ دینار لے لے۔ اس پر جوان نے کہا اگر چھ دینار میں بھی فروخت کروں تو والدہ کی اجازت ضروری ہے۔ تو فرشتے نے کہا کہ بارہ دینار لے لو اور ماں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر اُس نوجوان نے کہا کہ اگر تو گائے کے برابر سونا بھی دے دے تو بھی میں اپنی ماں کی اجازت کے بغیر نہ بیچوں گا۔

ماشاء اللہ! کیسی فرماں برداری اور اطاعت ہے۔ جب فرشتے نے یہ جواب سنا تو کہا: اے نیک بخت جوان! میں اللہ کا فرشتہ ہوں اور تیرے امتحان کے لیے آیا تھا کہ تُو اپنی والدہ

کا کس قدر فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے۔ اس گائے کو گھر لے جاؤ اور بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جب وہ خریدنے آئیں تو ان سے کہنا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ اس کی کھال کو سونے سے بھر دو۔ اس سے تیری تمام عمر آرام سے گزرے گی۔ چنانچہ وہ گائے لے کر واپس آیا اور تمام قصہ والدہ سے کہا۔ پھر ایسا وقت آیا کہ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بار بار استفسار پر اس گائے کی نشاندہی کی اور وہ گائے اس قیمت پر فروخت ہوئی جو فرشتے نے اس جوان کو بتلائی تھی یعنی گائے کی کھال سونے سے بھر کر قیمت کے طور پر دی گئی۔

دیکھو بھائیو! یہ ہے والدین کی اطاعت گزاری اور فرماں برداری کا صلہ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں اس قدر فراخی فرمائی کہ ساری عمر آرام سے کھاتے رہے۔ ماشاء اللہ کیوں نہ ہو جب والدین راضی ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے اور اپنے بندے کو مالا مال کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کی شان ہے کہ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی فرماتا ہے۔

اپنے ماں باپ کو ایک دفعہ محبت کی نگاہ سے دیکھنے سے حجِ مقبول ومبرور کا ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ بِوَالِدَيْهِ يَنْظُرُ اِلَيْهِمَا نَظَرَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُ اَكْثَرُ وَاَطْيَبُ ۰ (مشکوٰۃ، صفحہ:42)

جب کوئی بیٹا اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ اس کے لیے ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) اگر کوئی ہر روز سو مرتبہ دیکھے تو کیا اسے سو حج کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کثرت سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی طرف کمی کی نسبت کی جائے۔

ماشاء اللہ کسی زادِ راہ اور خرچ کی ضرورت نہیں کہ والدین کی خدمت سے ہی سیکڑوں حج

ہو جاتے ہیں۔

والدین کی خدمت سے مصائب ٹل جاتے ہیں

مشکوٰۃ کے صفحہ:420 پر ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص سفر میں تھے کہ بارش ہونے لگی۔ وہ بچنے کے لیے ایک غار میں چلے گئے، اس غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر گرا جس سے انھیں نکلنا مشکل ہو گیا۔ اب انھوں نے مشورہ دیا کہ اپنے نیک اعمال کو یاد کرو اور پھر اس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو شاید اس مصیبت سے نجات ملے۔

چنانچہ ایک نے کہا: الٰہا! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے بچے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں ان کی خدمت کے لیے بکریاں چراتا تھا اور جب شام کو واپس گھر آتا تو دودھ دوہ کر پہلے بوڑھے والدین کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا۔ ایک دن گھر دیر سے آیا تو میرے والدین سو چکے تھے۔ میں نے دودھ حسبِ معمول دوہا اور والدین کے سرہانے لے کر کھڑا رہا کہ نہ انھیں جگانا پسند کیا اور نہ ان سے پہلے بچوں کو پلانا درست سمجھا۔ بچے روتے چلاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

خدایا! اگر میرا یہ کام تیری رضا حاصل کرنے کے لیے تھا تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ چنانچہ اس کی دعا سے پتھر کا کچھ حصہ ہٹ گیا۔ ماشاء اللہ یہ ہے والدین کی خدمت کی برکت کہ مصیبت سے نجات کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس طرح باقی دو نے بھی دعا مانگی اور پتھر ہٹ گیا اور ان لوگوں کو اس مصیبت سے نجات ملی۔

والدین کی دعا اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ 'انطاکیہ' کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں چلتے چلتے تھک گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ پہاڑ کے دامن میں جاؤ، وہاں میرا ایک بندہ رہتا ہے اس سے سواری مانگو۔ آپ نے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک شخص عبادتِ الٰہی میں

مشغول ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! مجھے سواری کی ضرورت ہے۔ یہ سن کر عابد نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو ایک بادل کا ٹکڑا نظر آیا اسے حکم دیا: اے بادل! اللہ کے حکم سے نیچے اُتر آ اور موسیٰ علیہ السلام کو سواری کا کام دے۔ چنانچہ بادل زمین کے قریب اُتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس پر سوار ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے پروردگار! تو نے اپنے اس بندے کو یہ مقام کیوں کر بخشا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کی ماں نے مرتے وقت ایک حاجت پورا کرنے کے لیے کہا تو اس نے اس کی وہ حاجت فوراً پوری کی اس کی ماں خوش ہوگئی اور اس کے حق میں دعا مانگی: یا اللہ! اس نے میری حاجت پوری کی، تو حاجت روا ہے اس کی حاجتیں بھی پوری فرما۔ میں نے فوراً اس کی دعا کو قبول کیا اور اب اس دعا کے صدقے میں جو اس کی ماں نے اس کے حق میں کی اگر یہ شخص دعا کرے: یا اللہ! مردہ زمین کو سرسبز و شاداب کر دے تو میں اس کو سرسبز کر دوں گا۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:168)

عجیب واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ فلاں دریا کی طرف جاؤ اور ایک عجیب بات کا مشاہدہ کرو۔ چنانچہ آپ اس دریا پر پہنچے لیکن کوئی عجیب بات نظر نہ آئی تو اپنے وزیر آصف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دریا میں غوطہ لگا کر دیکھو۔ انھوں نے غوطہ لگایا تو ایک کافوری قبہ برآمد ہوا۔ جس میں موتیوں، جواہرات اور یاقوت کے چار دروازے تھے اور سب کے سب کھلے تھے لیکن پانی کی بوند تک قبہ میں داخل نہ ہوئی تھی اور ایک جوان اس قبہ میں بیٹھا عبادتِ الٰہی میں مشغول تھا۔ آخر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ امر عجیب دیکھ کر اس مردِ خدا سے پوچھا کہ تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ اس نے عرض کیا: یا حضرت! میری ماں اندھی اور میرے والد اپاہج تھے اور میں ان کی ستّر سال تک خدمت کرتا رہا حتیٰ کہ میری ماں کا آخری وقت آ پہنچا تو اس نے میرے حق میں اللہ عزوجل کے حضور دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اَطِلْ عُمْرَهٗ فِيْ طَاعَتِكَ ۝ اے میرے اللہ! اس کی عمر دراز فرما جو تیری اطاعت میں بسر ہو۔ جب والد کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگی:

اے پروردگار! میرے بیٹے سے ایسے مقام پر خدمت لے کہ شیطان کا گزر وہاں سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ والد کی وفات کے بعد میں یہاں آیا اور اس قبہ کو پایا اور اس وقت سے اس میں محو یادِ خدا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کس زمانے کی بات ہے؟ تو اس بندۂ خدا نے عرض کیا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وقت تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے حساب لگا کر اس کی درازیٔ عمر کا پتہ لگایا کہ دو ہزار چار سو سال گزر چکے ہیں لیکن اس جوان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا۔ پھر پوچھا: اے اللہ کے بندے! کھانے پینے کا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے کیا انتظام کیا ہے؟ تو اس نے کہا: ایک پرندہ میرے پاس کوئی زرد رنگ کی چیز لاتا ہے۔ جس میں ساری دنیا کے لطف اور ذائقے محسوس ہوتے ہیں اور اس سے بھوک پیاس، سردی، گرمی، نیند اور سستی دور ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کلام کے بعد وہ قبہ میں داخل ہو گیا۔
(نزہۃ المجالس، صفحہ:167)

دوستو! یہ ہے والدین کی دعا کا اثر اور یہ ہے اس کی مقبولیت۔

جنت کا ساتھی

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! مجھے میرا جنت کا ساتھی دکھا دے تو حکم ہوا کہ فلاں شہر میں چلا جا۔ وہاں ایک قصاب ہے جو جنت میں تیرا ساتھی ہوگا۔
چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں گئے اور اس قصاب کے پاس پہنچے۔ اس قصاب نے آپ کی دعوت کی۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو اس قصاب نے ایک بڑی زنبیل پاس رکھ لی۔ وہ ایک نوالہ خود کھاتا اور دو نوالے زنبیل میں ڈالتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس امر سے متعجب ہوئے لیکن اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی اور وہ قصاب اُٹھ کر باہر گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اس زنبیل میں ایک ضعیف العمر مرد اور ایک عورت ہے جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مسکراہٹ سے خوشی کا اظہار کیا اور آپ کی رسالت کی شہادت دی اور جاں بحق ہو گئے۔

قصاب واپس آیا تو زنبیل میں اپنے والدین کو مردہ پایا، قدراً معاملے کو سمجھ گیا اور موسیٰ علیہ
السلام کی دست بوسی کی اور کہا کہ آپ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تو آپ نے پوچھا: تجھے
کیسے معلوم ہوا؟ تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زنبیل میں میرے والدین تھے جن کو میں کھانا
کھانے سے پہلے کھلاتا تھا۔ یہ ہر وقت دعا کرتے تھے: یا اللہ! ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی زیارت کے
بعد اس دنیا سے اُٹھانا۔ اب میں نے ان کو مردہ دیکھ کر جان لیا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔
موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تیری ماں کے ہونٹ ہلتے تھے وہ کیا کہہ رہی تھی۔ تو قصاب
نے عرض کیا: اے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر! جب میں اسے کھانا کھلاتا تھا تو وہ میرے حق میں ہمیشہ
یہ دعا مانگا کرتی تھی: اے الٰہ العالمین! میرے بیٹے کو موسیٰ علیہ السلام کا جنت میں رفیق بنا۔
یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے اللہ کے نیک بندے! مبارک ہو کہ اللہ نے تجھے
جنت میں میرا ساتھی بنایا ہے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:168)

دوستو اور ساتھیو! یہ ہے والدین کی خدمت اور دعا کا اثر کہ ایک پیغمبر کی رفاقت میں
جنت ملتی ہے۔ معلوم ہوا کہ والدین کی دعائیں جنت میں لے جاتی ہیں، تو کرلو اپنے ماں باپ
کی خدمت کہ اس سے بہتر کوئی سودا نہیں ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 419 پر ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاْءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا ۝ قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ
النُّعْمَانِ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهٖ ۝

میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں قرآنِ کریم پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے پوچھا کہ یہ
کون ہے جو قرآن پڑھتا ہے؟ تو فرشتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔
دیگر صحابہ نے سوچا کہ کس طرح اس نے یہ فضیلت پائی ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
وضاحت فرمادی کہ تم بھی اسی طرح نیکی حاصل کرسکتے ہو کہ ماں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا
جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

☆☆☆

چودھواں وعظ

دربیانِ حقوقِ زوجین

(1)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

بعد حمد و ثنائے خدائے عزوجل سبحانہ وتعالیٰ اس کے حبیب کریم ہادیِ برحق وعظیم پر
لاکھوں درود اور کروڑوں سلام کہ جس نے ظالموں کو ظلم سے روکا اور راہِ حق دکھایا اور مظلوموں
کی حمایت کر کے انھیں برابر کا حق دلایا۔

کبھی وقت تھا کہ عرب کا انسان اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتا تھا اور عورتوں سے بہت
برا سلوک کیا جاتا، انھیں غلاموں کی سی زندگی بسر کرنا پڑتی اور کسی کی عزت محفوظ نہ تھی۔ حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو معاشرے میں ایک صحیح مقام دلایا اور ان کے
حقوق کی مردوں پر وضاحت کردی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

ترجمہ: عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے حقوق (شرعی)
عورتوں پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مرد و عورت دونوں کے کچھ حقوق
ایک دوسرے پر ہیں۔ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح کچھ حقوق عورت کے

بھی مرد کے ذمے ہیں، جنھیں بجالانا ضروری ہے اور مَردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے کہ اس میں خدائے تعالیٰ عزوجل نے اپنی حکمت کا اظہار کیا ہے۔

اب مَردوں کے ذمے عورتوں کے کیا حقوق ہیں، ذرا ملاحظہ فرمائیے:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا اظہار کرے اور اس کی کوتاہیوں کو اگر نا قابلِ گرفت ہوں تو نظر انداز کر دے، مثلاً بات بات پر عورت کا ناراض ہونا اور ناشکری کا اظہار کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ یعنی عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے زندگی بسر کرو۔ یعنی مرد کو چاہیے کہ عورت سے مہربانی اور خوش اخلاقی کا اظہار کرے تو زندگی خوش اسلوبی سے گزر سکتی ہے، ورنہ زندگی اجیرن ہو جائے گی، جھگڑے فساد شروع ہو جائیں گے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ ناسازگار ماحول انسان کے دل کو زندگی سے اُچاٹ کر دیتا ہے یہاں تک کہ طلاق اور خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فی زمانہ آپ ملاحظہ کرتے یا سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا زندگی میں محبت اور خوش اخلاقی کا اظہار ضروری ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے بھی اسی بات کی تعلیم دی ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ 282 پر ایک روایت میں درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ ۔ (رواہ ترمذی)

ترجمہ: کامل ایمان والا وہ مرد ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنے اہل پر زیادہ مہربان ہو۔

ایک اور روایت میں صفحہ: 281 پر رقم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ اِذَا مَاتَ ۔

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہو اور میں اپنے اہل سے تمہاری نسبت بہتر برتاؤ کرتا ہوں اور جب تم میں سے ایک مر جائے تو دوسرا اس کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 113 پر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی عورت کی بدکاری پر صبر کرے گا اس کو گویا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا سا ثواب ملے گا۔ جو انھوں نے بیماری اور مصیبتوں کے دوران کیا تھا اور جو عورت مرد کی بدخوئی پر صبر

کرے گی اسے فرعون کی بیوی آسیہ کا ثواب ملے گا۔

مزید صفحہ: 184 پر لکھا ہے کہ ہادیِ برحق رہبرِ اعظم ﷺ وصالِ مبارک کے وقت آہستہ آہستہ فرما رہے تھے: نماز کی پابندی کرنا، غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا اور عورتوں کے معاملے میں ڈرتے رہنا، کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں اسیر ہیں۔

شیر کی تسخیر

زواجر میں صفحہ: 41 پر ایک حکایت اس طرح سے درج ہے کہ ایک شخص کا ایک نیک بھائی تھا۔ وہ سال میں ایک دفعہ اس بھائی کی ملاقات کے لیے آتا تھا۔ ایک دفعہ وہ آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے اس نیک آدمی کی بیوی بولی کہ کون ہے؟ اس نے کہا: میں تیرے خاوند کا بھائی ہوں۔ اس عورت نے اپنے خاوند کو گالیاں دیتے اور برا بھلا کہتے ہوئے بتایا کہ وہ لکڑیاں لینے گیا ہے۔ اتنے میں وہ شخص آ گیا کہ شیر پر لکڑیاں لادے ہوا تھا۔ اس نے بھائی کو دیکھ کر سلام کیا، اندر لے گیا اور کھانا کھلایا اور رخصت کیا لیکن بیوی اس اثنا میں اسے کوستی رہی۔ دوسرے سال جب وہ شخص پھر اپنے نیک بھائی کے ہاں آیا تو دروازے پر دستک دی، اندر سے کسی نے پوچھا کون ہے؟ تو جواباً کہا: میں تیرے خاوند کا بھائی ہوں، اس کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ تو وہ عورت خوش ہوئی اور اس مہمان کی آؤ بھگت کی اور اپنے خاوند کی تعریف کی اور مہمان کو تشریف رکھنے کے لیے کہا اور بتایا کہ اس کا بھائی لکڑیاں لینے گیا ہے۔ اتنے میں اس شخص کا بھائی بھی آ گیا لیکن اس مرتبہ لکڑیاں شیر کی بجائے اپنی پشت پر لاد رکھی تھیں۔ وہ اپنے بھائی کو دیکھ کر خوش ہوا اور حسبِ سابق اندر لے گیا، کھانا کھلایا اور وہ عورت بھی بہت اچھے طریقے سے پیش آئی۔ جب رخصت ہونے لگا تو اس مہمان بھائی نے اپنے میزبان بھائی سے پوچھا: اے بھائی! جب میں پچھلے سال آیا تو لکڑیاں شیر پر لاد رکھی تھیں۔ لیکن اس دفعہ اپنی پشت پر لکڑیاں لاد کر لائے ہو، اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس پر اس نیک آدمی نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ میری پہلی بیوی زبان دراز اور بدخلق تھی، چونکہ میں اس کی زبان درازی پر صبر کرتا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس صبر کے بدلے شیر مسخر کر دیا

تھا لیکن اس کے مرنے پر جو مجھے دوسری بیوی ملی وہ نیک اور خوش خلق ہے اور اس کے آنے سے مجھے آرام ضرور مل گیا لیکن وہ شیر میرے قبضے سے نکل چکا ہے جو میرے صبر کا معاوضہ تھا۔ اب لکڑیاں اپنی پشت پر لاد کر لاتا ہوں۔

ہاں! بات ہو رہی تھی حسنِ سلوک کی تو میرے بھائیو! اپنی ازواج کے ساتھ خوش مزاج اور خوش طبعی، لطافت اور ظرافت کا بھی قدرے اظہار کرنا چاہیے۔ اس سے دل کو راحت اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ بھی ازواجِ مطہرات کے ساتھ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 183 پر ایک روایت درج ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ فرمائی کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ دوڑ میں آگے نکل گئے، پھر کچھ عرصے بعد دوبارہ دوڑ لگائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آگے نکل گئیں۔ تب آپ نے فرمایا: ہم اور تم اب برابر ہو گئے۔ آپ کا اُم المومنین کے ساتھ دوڑ لگانا اور یہ کلمات فرمانا محض خوش طبعی پر مبنی تھا کہ ہمارے لیے ایک مثال قائم فرمائیں۔

مزید اسی صفحہ پر رقم ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سخت گیر تھے۔ مگر اپنے اہل کے ساتھ حسنِ سلوک دیکھئے کہ بیوی کے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے اور محبت سے پیش آتے تھے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت خوشی کا اظہار کرنا چاہیے لیکن گھر سے باہر نکلو تو خاموش ہو جانا چاہیے۔

مرد کے فرائض میں ایک یہ بھی شامل ہے کہ اپنی عورت کو اپنی طاقت کے مطابق گناہوں سے روکے۔ فرمانِ الٰہی ہے: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔

ترجمہ: اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

عورت کو گناہوں سے بچانے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے پردے کا انتظام کرے، گھر سے بلا ضرورت باہر نہ نکلنے دے۔ جب کوئی خلافِ شرع بات دیکھے تو مناسب سزا دے کہ ایسی سزا کی پُرسش نہ ہوگی۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 282 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْ مَا ضَرَبَ اِمْرَاَتَهٗ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: جو مرد اپنی عورت کو جائز طریقے سے مارے تو اس سے اس کی پرسش نہ ہوگی۔

پھر فرمایا: عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ اَهْلُ بَيْتٍ فَاِنَّهٗ اَدَبٌ لَهُمْ۔

ترجمہ: اپنے گھر میں کوڑا ایسی جگہ لٹکا دیا کرو جس کو گھر والے دیکھیں کیونکہ ان کے لیے یہ اس طرح سے نہ وہ نڈر رہوں گے اور نہ احکامِ شریعت سے غفلت برتیں گے۔

(کشف الغمہ، صفحہ: 81)

عورتوں کو تاک جھانک سے روکنا چاہیے، اس طرح خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔ اسے کوٹھے پر نہ چڑھنے دے تا کہ وہ خود کسی نامحرم کو دیکھے اور نہ اسے کوئی دیکھنے پائے۔ ان باتوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے کہ تمام خرابیاں آنکھ اور نظر سے پیدا ہوتی ہیں۔

کیمیائے سعادت صفحہ: 184 پر ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا سے استفسار فرمایا کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے اور نہ وہ خود ہی کسی نامحرم کو دیکھے۔ تب حبیب خدا ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور گلے سے لگا کر فرمایا:

اِنَّكِ بُضْعَةٌ مِّنِّيْ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی عورت کو دیکھا کہ کھڑکی میں سے دیکھ رہی ہیں تو ان کو سزا کے طور پر زدوکوب کیا۔

عورت کو مجلسِ وعظ اور مسجد وغیرہ میں جانے سے روک دینا چاہیے، کیونکہ آج کل کی عورتوں کی حالت کسی سے پوشیدہ نہیں۔

رسولِ پاک ﷺ کے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں باپردہ آنے کی اجازت تھی اور پچھلی صف میں کھڑی ہو کر نماز ادا کرتی تھیں۔ صحابہ کرام نے اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کر دیا، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ اگر رسولِ اکرم ﷺ آج کل کی عورتوں کے چلن کو دیکھتے تو عورت کو کبھی مسجد میں آنے کی اجازت نہ

دیتے۔ تو میرے دوستو! آج جو عورتوں کا حال ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ آج کل کی عورت کو تو مقفل رکھنا ہی شاید سودمند ثابت ہو سکے۔

مَردوں کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ عورت کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اپنی استطاعت کے مطابق کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے کسی شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) عورت کا حق ہم پر کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا اَطْعَمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا كَسَوْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ°

جب تو کھانا کھائے تو عورت کو بھی کھلائے اور جب تو پہنے تو عورت کو بھی پہنائے، نہ تو ان کے چہرے پر مارے، نہ اسے گالیاں دے اور نہ ہی گھر سے نکالے بلکہ گھر میں رہنے دے۔

میرے بھائیو! اپنے اہل کو کھلانا پلانا اور ان کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنا ایک فرض ہے۔ جس کی ادائیگی کا بڑا اجر ہے اور وہ صدقہ وخیرات اور جہاد سے بڑھ کر ہے کہ عورت کسی کی دست نگر ہو کر خرابی پیدا نہ کرے۔

چنانچہ کیمیائے سعادت، صفحہ: 85 پر ایک روایت میں ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے ایک دینار جہاد میں خرچ کیا اور دینار سے غلام خرید کر آزاد کیا۔ ایک دینار کسی مسلمان کو دیا کہ اپنی حاجت پوری کرے اور ایک دینار اپنے عیال کو دیا، تو جو دینار اس نے اپنے عیال کو دیا وہ سب سے زیادہ ثواب کی راہ میں خرچ ہوا۔ مرد کو گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ مل کر کھانا کھانا چاہیے، یا پھر اگر گھر میں مہمان ہو تو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھائے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس گھر والوں پر صلوٰۃ ورحمت بھیجتے ہیں جو مل جل کر کھاتے ہیں۔

مرد، عورت اور بچوں کو جو نان ونفقہ دے وہ حلال کمائی سے ہو کیونکہ اگر اہل وعیال کی پرورش مالِ حرام سے کرے گا تو یہ سب سے بڑی خیانت ہوگی اور اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں۔

مرد اگر عورتوں میں عدل وانصاف سے ان کے ساتھ سلوک کرے کہ ترجیحی سلوک سے خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا (سورۂ نسا، آیت:3)

ترجمہ: جو عورتیں تمہیں خوش آئیں، دو دو تین تین یا چار چار نکاح میں لاؤ لیکن اگر اس بات کا ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انصاف نہ کر سکو۔

لہٰذا اگر کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے کھانے پینے اور ان کے ساتھ گزارنے میں انصاف سے کام لے کہ ایک عورت کو جیسا کھلائے پلائے ویسا ہی دوسری کو بھی کھانے پینے کو دے اور جیسا کپڑا ایک کو پہنائے ویسا ہی دوسری کے لیے بھی مہیا کرے۔ اگر ایک کے ساتھ دو راتیں بسر کرے تو لازم ہے کہ دوسری کے ساتھ بھی دو راتیں گزارے مگر چونکہ محبت اور مباشرت مرد کے اختیار کی بات نہیں، اس لیے اس کی ذمے داری اس پر نہیں۔ میرے بھائیو! اپنی عورتوں میں مساوات اختیار کرو کہ اس کا امر اللہ اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ورنہ اس کا عذاب یا بے انصافی کی سزا ضرور ہے۔

اِذَا كَانَتْ عِنْدَ رَجُلٍ اِمْرَءَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ°

ترجمہ: جس مرد کے یہاں دو عورتیں ہوں اور ان میں برابری نہ کر سکے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مارا ہوا ہوگا۔

اللہ کے حبیب، لولاک لما کے مالک بھی اپنی ازواجِ مطہرات میں باری مقرر فرماتے اور انصاف فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ سے اس عدل وانصاف کے باوجود یوں دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ°

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:309)

ترجمہ: یا اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس میں، مَیں مالک تھا، پس مجھ پر ملامت نہ کرنا اس میں جس میں تو مالک ہے اور مَیں مالک نہیں ہوں۔

یعنی یا اللہ! جو ظاہری تقسیم میں کر سکتا تھا اور جس پر ایک انسان کی حیثیت سے مجھے اختیار تھا اس میں مَیں نے انصاف کیا اگر قلبی محبت میں کمی بیشی ہو تو اس پر مجھے اختیار نہیں بلکہ تجھے اختیار ہے لیکن اس کے لیے مجھ سے کوئی مواخذہ نہ ہو۔

اپنی بیویوں میں انصاف کرنے والوں کی شان میں نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:14 پر حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَا يَدَيْهِ يَمِيْنَ وَهُمُ الَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُّوْا (رواہ مسلم)

ترجمہ: بے شک انصاف کرنے والے اللہ رحمن کے دائیں جانب ہوں گے اور رحمن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے حکم اور اپنے اہل میں عدل وانصاف کرتے ہیں اور اس حکم سے منہ نہیں موڑتے۔

ایک فریضہ جو مرد کے ذمے عورت کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت جو مہر مقرر ہو مرد کو چاہیے کہ اپنی بیوی کو اس کی ادائیگی کرے۔ یوں اس میں عورت کو اختیار ہے کہ اپنی خوشی سے چاہے تو اسے معاف کر دے یا کچھ حصہ معاف کرے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔ (سورۂ نسا، آیت:4)

ترجمہ: اپنی عورتوں کو خوشی سے مہر دے دو پھر اگر وہ اپنی دلی خوشی سے اس میں سے کچھ تمھیں دے دیں تو اسے رچتا پچتا کھاؤ۔

معلوم ہوا کہ مہر کی ادائیگی فرض ہے اور بخوشی پورا مہر ادا کرنا چاہیے۔ اگر عورت اپنا حق بخش دے تو بخشش ہو سکتی ہے ورنہ مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بیوی کے حق کی ضبطی کا خیال بھی دل میں لائے، اگر ایسا کرے گا تو اس کا شمار زانیوں میں ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے فرمایا ہے:

اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً يَنْوِيْ اَنْ لَّا يُعْطِيَهَا مِنْ صَدَاقِهَا شَيْئًا مَّاتَ

يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ زَانٍ (کشف الغمہ، حصہ دوم، صفحہ:20)

ترجمہ: جو مرد کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور دل میں یہ نیت ہو کہ میں اس کا مہر ادا نہیں کروں گا تو وہ جب مرے گا اس کا شمار زانیوں میں ہوگا۔

مرد کا حق یہ بھی ہے کہ اپنی بیوی کو ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ اور نیک اعمال کی ادائیگی کا حکم دے اور اسے نماز، روزے اور دوسرے شرعی مسائل سے آگاہ کرے تاکہ وہ فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ ورنہ اس کا گناہ مرد کے سر پر بھی ہوگا کیونکہ شرعی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے اور اس وقت وہ مرد کے اختیار میں ہوتی ہے۔

آقائے نامدار حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:77 حصہ دوم میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مِنَ الْجَفَاءِ اَنْ يُّجَامِعَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ قَبْلَ اَنْ يُّلَاعِبَهَا

ترجمہ: یہ ظلم ہے کہ کوئی مرد اپنے اہل سے بلا رغبت دلائے مباشرت کرے۔

حق یہ ہے کہ عورت سے مباشرت کے وقت پہلے اسے مباشرت کی رغبت دلائے، اس سے پیار کی باتیں کرے، بوس وکنار سے اس کا دل خوش کرے اور حیوانوں کی طرح جلدی نہ کرے۔

مباشرت کے وقت چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اور جماع کے وقت یہ دعا پڑھے، تاکہ شیطان کے مکر سے محفوظ رہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْنُبْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِنِّيْ

ترجمہ: یا اللہ! مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو مجھ سے دور رکھ۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:186 پر رقم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں آدمی کے عجز کی نشانی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو دیکھے کہ وہ اسے دوست رکھتا ہے تو اس کا نام دریافت نہ کرے، دوسرا یہ کہ کوئی بھائی اس کی عزت کرے اور وہ نہ کرے اور تیسرا یہ کہ جب اس کی حاجت پوری ہو جائے تو عورت کی حاجت پوری ہونے تک صبر نہ کرے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ جماع کے وقت کلام کرنے سے احتراز کیا جائے کیونکہ اس میں اولاد کے گونگے ہونے کا خطرہ ہے۔ سخت گرمی یا سخت سردی اور قضائے حاجت کے وقت جماع نہ کرے کہ بواسیر کا خطرہ ہے۔

پیٹ بھرے میں جماع نہ کرے، اس سے یرقان کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ سینگی کچھوانے اور دوائی پینے کے بعد جماع کرنے سے سل کا مرض پیدا ہو سکتا ہے۔ میانہ شب جماع کا بہترین وقت ہے۔ (کشف الغمہ، صفحہ:77)

جب دوبارہ جماع کا خیال ہو تو بہتر ہے کہ غسل کرے یا وضو کرے، ورنہ کم از کم استنجا کرلے۔

جب اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ ایسا کرنے سے بچہ لڑکپن کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ بچے کا نام اچھا سا رکھے کہ تمام ناموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر نام عبداللہ، عبدالرحمن اور اسی قسم کے نام ہیں۔

جب بچہ پیدا ہو تو اس کے منہ میں کوئی میٹھی چیز کسی نیک انسان کے ہاتھ سے ڈلوائی جائے یہ سنّت ہے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:187)

بچہ پیدا ہونے کے بعد ساتویں روز اس کے بال مونڈھیں اور اگر توفیق ہو تو ان بالوں کی مقدار کے برابر سونا چاندی خیرات کیا جائے۔

عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے۔ اگر لڑکی پیدا ہو تو کراہت یا نفرت کا اظہار نہ کیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس لڑکی میں وہ خیر ہو جو لڑکے میں نہیں۔

کیمیائے سعادت میں ہے کہ دختر کا پیدا ہونا زیادہ مبارک ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ نیز سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کی تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی وجہ سے دُکھ اور تکالیف برداشت کرتا ہو اور ان کی خیر گیری کرتا ہو، تو ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! اگر دو ہوں؟ فرمایا: تب بھی اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اگر ایک ہو تو بھی اللہ تعالیٰ نگاہِ رحمت سے دیکھتا ہے۔

جب عورت میں کوئی ایسا عیب پایا جائے کہ مرد یا اس کے رشتے داروں کو اس سے تکلیف ہو یا شرعی احکام یا ارکانِ اسلام کی پابندی نہ ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے۔ مگر بغیر عذرِ شرعی کے ایسا کرنا سخت ممنوع ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت میں جدائی ڈالنا شیطانی خصلت ہے اور ایسا کرنے یا کروانے والے کو ابلیس بہت عزیز رکھتا ہے اور گلے سے لگاتا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:283)

ترجمہ: تمام حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔

اگر طلاق دینے کی ضرورت محسوس ہو تو فقط ایک ہی طلاق دے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:284 پر ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو یہ سن کر آپ غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: یہ شخص کتاب اللہ سے کھیلتا ہے حالانکہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔

عورت کی راز کی باتیں کسی کو نہیں بتلانی چاہئیں اور نہ اس کے عیب ظاہر کرے

کیمیائے سعادت میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دینا چاہی تو کسی نے پوچھا: اسے کیوں طلاق دیتا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اپنی عورت کا راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ جب اسے طلاق دی تو پھر اس سے پوچھا گیا: تو نے اسے کیوں طلاق دی ہے؟ اب اس نے کہا: وہ عورت اب میری نہیں رہی، اب غیر کی ہوگئی ہے اور مجھے کوئی حق نہیں کہ کسی عورت کا راز فاش کروں۔

واہ واہ! ماشاء اللہ۔ کیا خوب جواب دیا، ایسا ہی چاہیے تھا۔

یہ ہیں مردوں کے چند ایک فرائض جو مختصر عرض کیے گئے ہیں۔

☆☆☆

پندرہواں وعظ

در بیانِ حقوقِ زوجین

(2)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

اللہ عزوجل کے حضور تسبیح وتقدیس کے بعد اس کے پیارے نبی محمد مصطفی احمد مجتبیٰ شافع روزِ جزا ﷺ پر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام کہ ہمارے لیے باعثِ نجات ومغفرت ہیں اور ہماری ہدایت کے لیے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت فرمایا لیکن اپنی اُمت کو جو درجہ بخشا وہ کسی دوسری اُمت کو حاصل نہیں۔

تو میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ اس احسان کا ہر وقت شکر ادا کریں اور اللہ اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور ہم پر جو ایک دوسرے کے حقوق ہیں ان کو قرآن اور سنت کی روشنی میں ادا کریں۔ چنانچہ حقوق العباد میں کچھ عورتوں کے حقوق مَردوں کے ذمے ہیں اور کچھ مَردوں کے حق عورتوں کے ذمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط (سورۂ بقرہ، آیت:228)

ترجمہ: عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا ان پر مَردوں کا (شرع کے مطابق) ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

بھائیو! عورتوں کے حقوق جو مردوں پر ہیں اور جنھیں ادا کرنا مردوں کا فرض ہے، پچھلے وعظ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اب سنیے کہ عورت کے ذمے مرد کے کیا حقوق ہیں اور انھیں ادا نہ

کرنے کی کیا خرابی ہے۔

عورت کو چاہیے کہ اپنے مرد کے لیے اپنے آپ کو آراستہ کرے تا کہ اس کا مرد خوش ہو لیکن اپنی زیبائش غیر پر نہ ظاہر کرے، اس سے وہ اپنے شوہر کی خائن ہوگی۔ ایسی عورتوں کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا اکْتَحَلَتِ امْرَأَةٌ لِغَیْرِ زَوْجِهَا سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهَا وَجَعَلَ قَبْرَهَا حُفْرَةَ النَّارِ ۝

ترجمہ: جو عورت نامحرم کو دکھانے کے لیے آنکھوں میں سرمہ لگاتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو سیاہ کرے گا اور اس کی قبر کو دوزخ کا گڑھا بنائے گا۔

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ پر درج ہے کہ معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا ایک گروہ پستانوں کے بل لٹکا ہوا دیکھا جن کے نیچے آگ جلائی جا رہی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو غیر کو دکھانے کے لیے سنگار کرتی تھیں۔

عورت کو مرد کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ وہ اس کے لیے خوراک، لباس اور ہر قسم کی آسائش وسامان زیبائش مہیا کرتا ہے۔ جو عورت اپنے خاوند کی ناسپاس ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے کبھی خوش نہ ہوگا اور دوزخ کی آگ ان کے ناسپاس ہونے کی سزا ہوگی۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حبیب خدا ﷺ کا فرمان ہے: میں نے دوزخ کی طرف نگاہ کی تو بہت سی عورتوں کو دوزخ میں دیکھا۔ عرض کیا گیا: ان کے دوزخ میں ڈالے جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: وہ اپنے خاوند کی ناشکری کرتی تھیں۔

ایسی ہی ناسپاس عورتوں کے بارے میں کشف الغمہ میں صفحہ:80,81 پر نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد گرامی یوں درج ہے: لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی امْرَأَةٍ لَّا تَشْکُرُ لِزَوْجِهَا ۝

اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جو اپنے خاوند کا شکر نہیں ادا کرتی۔

عورت کا فرض ہے کہ ہر جائز بات میں اپنے شوہر کی اطاعت اختیار کرے کہ نیک بیوی کی علامت اطاعت شعاری ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللهِ خَيْرًا لَّهُ مِنْ اِمْرَأَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا اَسَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِيْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ۔

ترجمہ: مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی شے حاصل نہیں ہے۔ (پھر نیک بیوی کی تفسیر بیان فرمائی) اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اس کی طرف نظر کرے تو مسرور کرے (اپنے خاوند کو) اگر اس پر قسم کھائے تو اس کو حانث نہ ہونے دے اور اگر اس سے خاوند غائب ہو تو اپنے نفس اور اس کے مال میں خیر خواہی کرے۔

نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:109 پر ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ایک شخص سفر پر گیا اور اپنی بیوی کو تاکید کر گیا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا۔ اتفاق کی بات کہ اس عورت کا باپ بیمار ہو گیا تو اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے باپ کی بیمار پرسی کے لیے جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاوند کی اطاعت کر پھر اس کا باپ مر گیا۔ اب اس نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازت مانگی تو آپ نے پھر یہی فرمایا: گھر سے نہ نکلنا بلکہ اپنے خاوند کی اطاعت کر تو اس عورت نے اپنے خاوند کے کہنے کی اطاعت کی اور گھر سے نہ نکلی۔ اس پر آپ نے فرمایا: چونکہ تو نے اپنے خاوند کی اطاعت کی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی مغفرت فرمادی ہے۔

اطاعت گزار عورت جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو سکتی ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ:281 پر شاہِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان یوں درج ہے:

اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۔

ترجمہ: عورت جب پانچوں وقت کی نماز ادا کرے، ماہِ رمضان کا روزہ رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوگی۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورت کا فرض ہے کہ مرد کی اجازت کے بغیر اپنے شوہر کے گھر سے باہر قدم نہ رکھے اور اگر ایسا کرے گی تو فرشتے اس پر لعنت بھیجیں گے۔ چنانچہ کشف الغمہ صفحہ:81 پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهٌ لَعَنَهَا كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ حَتّٰى تَرْجِعَ۔

ترجمہ: جب عورت اپنے گھر سے نکلتی ہے اور مرد اس کو ناپسند سمجھتا ہے تو آسمان میں فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور ہر شے اسے لعنت کرتی ہے جس پر عورت گزرے سوائے انسانوں اور جنوں کے یہاں تک کہ واپس آجائے۔

پھر فرمایا: اِنِّيْ لَاَبْغُضُ الْمَرْأَةَ تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهَا تَجُرُّ ذَيْلَهَا تَشْكِيْ زَوْجَهَا۔ (کشف الغمہ، صفحہ:81)

ترجمہ: بے شک میں اس عورت کو ناپسند کرتا ہوں جو چادر کا دامن کھینچتے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور اپنے خاوند کی شکایت کرے۔

اور یہ بھی فرمایا: لَيْسَ لِلْمَرْأَةِ نَصِيْبٌ فِي الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّةً وَلَيْسَ لَهَا نَصِيْبٌ فِي الطَّرِيْقِ اِلَّا الْحَوَاشِيَ (کشف الغمہ، صفحہ:81)

ترجمہ: گھر سے باہر نکلے مگر لاچاری امر سے اور نہ ہی راستے کے درمیان میں چلے مگر کنارے کنارے۔

پس مندرجہ بالا احادیث نبوی سے ظاہر و ثابت ہے کہ جب تک عورت کو کوئی امر ایسا درپیش ہو کہ باہر نکلے بغیر چارہ نہ ہو، عورت اپنے مرد کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ عورت کے باہر نکلنے سے لوگوں کی نظریں خواہ مخواہ اس کی طرف اٹھیں گی اور شیطانی وسواس و اعمال کا ظہور لازمی ہے، جسے کسی ایماندار کے لیے ممکن نہیں کہ پسند کرے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:269 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ۔

ترجمہ: عورت سر سے پاؤں تک سَتر (چھپانے کی چیز) ہے، جب باہر نکلتی ہے تو

شیطان اس کو جھانکتا ہے۔

جب عورت کا خاوند اسے محبت کے لیے بلائے تو اگر کوئی عذرِ شرعی نہ ہو تو ہر قسم کے کام چھوڑ کر اپنے خاوند کی اطاعت کرے کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے:

إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِ بِهٖ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ ۔
(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ: 281)

ترجمہ: جب مرد اپنی زوجہ کو بلائے اور کوئی شرعی عذر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے خاوند کی فوراً اطاعت کرے۔ اگر چہ وہ توے کے اوپر روٹی رکھی ہو۔

اگر ایسا نہ کرے گی تو ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ إِلٰى فِرَاشِهٖ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلٰٓئِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ: 280)

ترجمہ: جب خاوند عورت کو بستر کی طرف پکارے اور وہ انکار کرے اور مرد ناراض ہو کر رات بسر کرے تو فرشتے صبح ہونے تک ایسی عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

عورت نفلی عبادات، مثلاً نفل نماز یا نفلی روزہ کی ادائیگی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتی، کیونکہ ممکن ہے خاوند کو جماع کی خواہش ہو اور بیوی روزہ سے ہو۔ جماع چونکہ روزہ کی حالت میں جائز نہیں لہٰذا اس کی تکلیف مرد کو ہوگی، اس سے اگر اس کا خاوند ناراض ہو جائے تو اس کے روزے یا نماز کا کوئی ثواب نہ ہوگا۔

کشف الغمہ صفحہ: 82 پر ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ الْمَرْأَةُ مِنْ فَرْشِهَا فَتُصَلِّيْ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا ۔

ترجمہ: کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بستر سے اٹھ کر نفلی نماز نہیں پڑھ سکتی۔

نیز زواجر، صفحہ: 34 پر فرمانِ نبوی یوں درج ہے:

وَمِنْ حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الزَّوْجَةِ أَنْ لَا تَصُوْمَ صَوْمًا تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهٖ فَإِنْ فَعَلَتْ جَاعَتْ وَعَطِشَتْ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا ۔ (زواجر، حصہ دوم، صفحہ: 34)

ترجمہ: مرد کا حق عورت پر ایک یہ بھی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ نفلی نہ رکھے، اگر بلا اجازت روزہ رکھے گی تو محض بھوک اور پیاس برداشت کرے گی اور روزہ اس کا قبول نہ ہوگا۔

حکایت

مشکوٰۃ میں صفحہ: 252 پر ایک روایت میں رقم ہے کہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھتی ہوں تو صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے مارتے ہیں اور اگر روزہ رکھتی ہوں تو افطار کرا دیتے ہیں اور خود سورج نکلنے کے وقت نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو اس وقت موجود تھے، اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) جب وہ نماز پڑھتی ہے تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اسے منع کیا تھا۔ تو حضور نے فرمایا: نماز میں ایک سورت خواہ وہ چھوٹی ہو کافی ہوتی ہے۔ پھر عرض کیا: یا نبی اللہ! (ﷺ) جب یہ نفلی روزے رکھتی ہے تو رکھتی چلی جاتی ہے۔ میں چونکہ ایک جوان مرد ہوں اس لیے صبر نہیں کر سکتا۔ تو رحمۃ اللعالمین نے فرمایا:

لَا تَصُوْمُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا ۔

ترجمہ: کوئی عورت مرد کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔

پھر صفوان نے دن چڑھے نماز پڑھنے کے متعلق عرض کیا: یا رسول اللہ! چونکہ مجھے رات گئے تک کام کرنا پڑتا ہے اس لیے صبح سورج نکلنے کے وقت آنکھ کھلتی ہے۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تو جب جاگے نماز ادا کر لیا کر۔

میرے ساتھیو! آپ لوگوں نے ملاحظہ کر لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم نے ہمارے لیے کس قدر آسانیاں رکھی ہیں کہ مرد کے اذن کے بغیر عورت اللہ تعالیٰ کے لیے نفلی عبادات بھی نہیں کر سکتی۔

عورت کا قول و فعل مرد کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے کہ عورت کی تخلیق ہی اللہ تعالیٰ نے

مرد کی رضا کے لیے کی ہے۔ پس عورت کے لیے ضروری ہے کہ مرد کو راضی رکھے۔ اگر عورت اس حال میں مرجائے کہ اس کا خاوند اس سے خوش رہا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ: 281)

ترجمہ: جو عورت مرجائے اور اس کا خاوند اس پر راضی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ اور جو عورت اس حالت میں مرجائے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو تو وہ مستحق عذاب ہوگی۔

حکایت

چنانچہ نزہۃ المجالس، صفحہ: 5 پر ہے:

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک جوان بیمار ہو گیا تو اس کی ماں نے منت مانی کہ اگر اللہ عزوجل میرے بیٹے کو شفا دے تو میں سات دن کے لیے دنیا سے نکل جاؤں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جوان کو شفا بخشی تو وہ عورت ایک قبر میں داخل ہو گئی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ جب وہ قبر میں داخل ہوئی تو اس نے ایک دروازہ دیکھا جو ایک باغ کی طرف جاتا تھا اور وہ اس باغ میں داخل ہو گئی۔ باغ میں اس نے دو عورتیں دیکھیں: ایک کو پرندہ اپنے پروں سے ہوا دے رہا ہے اور دوسری کو ایک پرندہ سر سے نوچ رہا ہے۔

اس عورت نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو پہلی بولی: جب میں دنیا سے رخصت ہوئی تو میرا خاوند مجھ سے خوش تھا اور یہ اس کی برکت ہے کہ مجھ کو یہ پرندہ پروں سے ہوا دے رہا ہے اور دوسری نے بتلایا: مرتے وقت اس کا خاوند اس سے ناراض تھا اور اس عورت سے عرض کی کہ میرے خاوند سے کہنا کہ مجھے معاف کر دے۔

چنانچہ سات روز کے بعد جب اس عورت کو اس کے بیٹے نے قبر سے نکالا تو اس نے اس عورت کے خاوند کو جسے عذاب مل رہا ہے اس کا پیغام دیا اور اس مرد نے اسے معاف کر دیا پھر

اس لڑکے کی ماں نے اُس عورت کو خواب میں دیکھا کہ اس کے شوہر کے معاف کرنے پر اس کو عذاب سے نجات مل گئی ہے۔

میرے دوستو! نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تین اشخاص کی اللہ تعالیٰ عبادت قبول نہیں فرماتا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی بارگاہ ایزد تعالیٰ میں پہنچتی ہے۔ بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ اپنے آقا کے پاس واپس آجائے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ دوسرے وہ عورت جس پر اس کا خاوند ناراض ہو، تیسرے مست جب تک ہوش میں نہ آئے۔

تو میرے دوستو! دیکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی عبادت کی کوئی وقعت نہیں ہے، جو اپنے والی یا خاوند کو ناراض رکھ کر کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے شوہر کی اطاعت ہر عورت کے لیے لازمی ہے اور اسے ہر وقت اپنے شوہر کی خدمت کا خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے خاوند کے لیے معمولی سا ایسا کام بھی کرے گی جس سے اس کا خاوند راضی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بے پناہ اجر اور ثواب سے نوازے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 12 پر روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جو عورت اپنے خاوند کے کپڑے دھوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس کے حق میں دو ہزار نیکیاں لکھنے کا حکم فرماتا ہے، دو ہزار گناہ بخشتا ہے اور دو ہزار درجے بلند کرتا ہے۔ ہر چیز اس کے لیے مغفرت کرتی ہے۔

زواجر کے صفحہ: 23 پر رقم ہے کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کو حضور ﷺ کے دربار میں پیش کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) میں اس لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ انکار کرتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اے لڑکی! اپنے باپ کی اطاعت کر۔ تو اس لڑکی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس وقت تک نکاح نہ کروں گی جب تک آپ بیان نہ فرمائیں کہ مرد کے عورت پر کیا حق ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مرد کا عورت پر حق اتنا ہے کہ اگر مرد کے جسم پر پھوڑا ہو اور اس سے پیپ جاری ہو یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون بہہ رہا ہو، تو عورت اسے زبان سے چاٹ لے تب بھی اس نے اپنے خاوند کا حق پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ اس

لڑکی نے یہ سن کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اب میں کبھی نکاح نہ کروں گی کیونکہ میں ان حقوق کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتی۔

میرے بھائیو! یہ ہیں مختصراً مردوں کے حقوق عورتوں پر جنھیں میں پوری طرح بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، ورنہ مردوں کے حقوق عورتوں پر اتنے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ اِمْرَاَةً اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا°

ترجمہ: اگر میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم دیتا کہ سجدہ کرے (سجدۂ تعظیمی) تو البتہ عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

☆☆☆

سولھواں وعظ

دربیانِ حقوق العباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ°
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ° بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ°
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ° (سورۂ نسا، آیت:36)

ترجمہ: سب تعریفیں اُس خدائے ذوالجلال کے لیے سزاوار ہیں جو خالق کائنات اور معبودِ حقیقی ہے اور اس نے ہماری رہبری اور تعلیم وتدریس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ہزاروں درود اس ذاتِ بابرکات پر جسے اللہ تعالیٰ نے ان تمام پیغمبروں پر شرف عطا فرمایا اور جن کے ذریعے سے ہمیں نجات کا راستہ دکھایا۔

اے میرے دوستو! اللہ عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے اور اپنی عبادت کے ساتھ اس کے مقبول ہونے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ ہم کسی کو اس کا ساجھی نہ ٹھہرائیں، بلکہ ہمارے ذمے اس کی عبادت کے بعد کچھ اور حقوق بھی ہیں، انھیں پورا کریں تو ہماری عبادت مقبول ہوسکتی ہے۔ یہ حقوق چونکہ اس کے بندوں سے متعلق ہیں اس لیے انھیں حقوق العباد کہتے ہیں۔

چونکہ حقوق العباد میں پہلا حق والدین کا حصہ ہے جو انسان کی اصل ہیں اور سببِ ولادت ہیں پھر پیدائش سے لے کر سکونت تک ہر قسم کی آسائش بچے کے لیے مہیا کرتے ہیں، یا یوں کہیے کہ والدین اپنی اولاد کے لیے دنیا میں جنت کی سی آسائش مہیا کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کے دل میں بچے کے لیے ایسی محبت والفت بھر دی ہے کہ وہ

اپنی ہر قسم کی آسائشوں اور راحتوں کو بچے کی خواہشات اور ضروریات پر قربان کر دیتے ہیں۔ والدین خود بھوکے رہ کر بچے کی بھوک پیاس بجھاتے ہیں۔ خود کچھ پہننے کو ملے یا نہ ملے لیکن بچے کو اس کی خواہش کے مطابق لباس پہناتے ہیں۔ بچے کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھتے ہیں۔ بچہ ذرا روتا ہے تو ماں کا دل بے قرار ہو جاتا ہے، وہ اگر کوئی ضد کرے تو اس کی ضد پوری کی جاتی ہے۔ ذرا بیمار ہو جائے یا کوئی تکلیف پہنچے تو والدین کی طبیعت میں جو بے چینی پیدا ہوتی ہے وہ ان ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ وہ بچے کی آسائش کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرتے ہیں اور اپنی نیندیں حرام کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کا سب سے پہلا حق نیکی میں ہے۔

لیکن میرے دوستو! جس کے سر سے مشفق والدین کا سایہ اٹھ گیا ہے، جو والدین کی محبت سے محروم ہو گیا ہو، جس کی آہ وزاری سننے والے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہوں، جس کا رونا خدا کے سوا کوئی نہ سننے والا ہو، جو کسی سے ضد کر کے اپنی بات نہ منوا سکتا ہو۔ جس بچے کو نہلانے دھلانے والے نہ رہے ہوں، جس کے ناز اُٹھانے والی ماں اور جس کی خوشیوں کا متمنی باپ ڈھیروں مٹی تلے دب چکے ہوں، اس یتیم بچے کی بھوک پیاس کا خیال کون رکھے گا، اس کے لیے لباس کون مہیا کرے گا، تا کہ وہ گرمی یا سردی سے اپنے جسم کو بچا سکے اور اس یتیم کی بیماری کے وقت تیمارداری کون کرے گا۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے ایسے یتیموں اور بے کسوں کی کفالت کا حکم ان کو دیا ہے جو اِن کی کفالت کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان یتیموں کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کریں، اگر وہ بھوکے ہوں تو کھانے کو دیں، اگر ننگے ہوں تو پہننے کو دیں، اگر بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری کریں اور اگر دلگیر ہوں تو ان کی دلداری کریں۔

چنانچہ یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولیٰ سید مکی ومدنی نے یتامیٰ کی دلداری فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیانی انگلی کے درمیان کم از کم فاصلے کے اشارے سے سمجھایا) (زواجر، صفحہ:205)

ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ عَالَ ثَلٰثَةً مِّنَ الْاَيْتَامِ كَانَ كَمَنْ قَامَ لَيْلَتَهٗ وَصَامَ نَهَارَهٗ وَغَدَا وَرَاحَ شَاهِرَهٗ سَيْفَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ اَخَوَانِ كَمَا هَاتَيْنِ اُخْتَانِ وَالْوُسْطٰى ۰ (رواہ ابن ماجہ، زواجر، صفحہ:205)

ترجمہ: جو شخص تین یتیموں کی خبر گیری کرتا ہے، تو وہ اس شخص جیسا ہوگا جو ساری رات نماز ادا کرے اور سارا دن روزہ رکھے اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کے راستے میں ننگی تلوار سے جہاد کرے۔ میں اور وہ جنت میں قریب قریب ہوں گے جیسا کہ یہ دو انگلیاں شہادت اور درمیانی آپس میں متصل ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۰

یعنی کوئی یتیم حاجت براری کے لیے حاضر ہو تو اس کو مت جھڑکو۔ کہیں اس کا زخمی دل ٹوٹ نہ جائے، کیونکہ اس کی بھوک پیاس کا خیال رکھنے والے اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ نہ اس کا کوئی غم خواری کرنے والا ہے، نہ اس کو تسلی دینے والا اور نہ کوئی اس کی ضروریات کا خیال رکھنے والا ہے خدا کے سوا۔ اب اس کا دنیا میں ہے ہی کون کہ اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو غم خواری اور خاطرداری سے تسلی دے، اس کے زخمی دل پر نوازش اور مہربانیوں سے بھرپور محبت کا مرہم رکھے۔ یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے زخمی دل کو ٹھیس پہنچانے سے روکا ہے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۰ کہ یتیم کو مت جھڑکو بلکہ اپنی مہربانی اور نوازشات سے اس کے زخمی دل کی مرہم پٹی کرو۔

محبّ الیتامیٰ والمساکین رحمت للعالمین کا ارشادِ گرامی ہے ان لوگوں کے بارے میں جو یتیم کی دلداری کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ لَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ رَاحَمَ الْيَتِيْمَ ۰

(نزہۃ المجالس، صفحہ:125)

یعنی مجھے اس خدائے عزوجل کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جو یتیم پر رحم کرے۔

مشکوۃ میں صفحہ:433 پر ابن ماجہ سے روایت ہے:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ° (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ، صفحہ:423)

ترجمہ: مسلمانوں میں خیر و برکت والا وہ گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور بُرا اور بے برکت گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو مگر اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہو۔

حکایت

نزہۃ المجالس، صفحہ:125 پر ایک فاحش و فاجر شخص کے متعلق روایت ہے۔ ایک دفعہ اُس نے ایک یتیم کو ننگا دیکھا، اس پر رحم کھایا اور اسے پہننے کے لیے کپڑا دیا۔ جب وہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ روزِ قیامت قائم ہے اور فرشتے اس کو اس کے گناہوں کے عوض نارِ جہنم کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ اچانک وہی یتیم جس کو اس نے کپڑا پہنایا تھا حاضر ہوا اور فرشتوں سے سفارش کی: اسے چھوڑ دو، میں اپنے رب کریم کی طرف واپس لے جاتا ہوں۔ جب فرشتوں نے تامل کیا تو ندا آئی: اے فرشتو! اسے چھوڑ دو کہ اس نے یتیم پر احسان کیا ہے اور میں نے اسے اس احسان کے بدلے میں بخش دیا ہے۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی اور اس خواب سے اس کے دل میں یتیموں پر نوازشات کرنے کی مزید اُمنگ پیدا ہوئی۔

اس کے ساتھ ایک اور حکایت درج ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز دربارِ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرا دل بہت سخت ہے اس کا کیا علاج ہے؟ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یتیموں پر شفقت کرو اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔ اس سے تیرے دل کا مرض دور ہو جائے گا۔

مشکوۃ شریف میں یتیم کے سر پر رضائے الٰہی کے لیے ہاتھ پھیرنے والے کے لیے یوں فرمانِ نبوی درج ہے: مَنْ مَسَحَ رَاْسَ يَتِيْمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ عَلَيْهَا يَدُهٗ حَسَنَاتٌ° (مشکوۃ، صفحہ:423)

ترجمہ: جو شخص یتیم کے سر پر محض رضائے الٰہی کے لیے ہاتھ پھیر دے گا، تو جتنے بال

اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنی نیکیاں اس کو ملیں گی۔

حکایت

زواجر کے صفحہ:206 پر ایک حکایت یوں رقم ہے۔ ایک سید صاحب انتقال فرما گئے، ان کی ایک نیک سیرت بیوی اور چند بچیاں تھیں، وہ افلاس سے تنگ آ کر کسی دوسرے شہر کی طرف کوچ کر گئے۔ والدہ نے اپنی بچیوں کو ایک مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے لیے کچھ کھانے کا بندوبست کرنے کے لیے شہر کے ایک امیر کے پاس گئیں اور اپنے حالِ زار سے آگاہ کیا اور رہائش اور خورد و نوش کے لیے کچھ مکان و سامان مانگا۔ امیر نے کہا: اپنے سیدہ ہونے کی کوئی گواہی پیش کرو۔ چونکہ وہ اجنبی تھی اس کے لیے گواہی پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ امیر نے اسے جواب دے دیا۔ اس پر وہ ایک اور شخص کے پاس تشریف لے گئیں جو نجومی تھا۔ اس سے اپنا حال بیان کیا تو اس نے بلا حیل و حجت انھیں ایک مکان دیا اور سامانِ خورد و نوش مہیا کیا اور اپنے پاس بہت عزت و تکریم کے ساتھ رکھا۔

رات کو اس مسلمان امیر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت کا دن ہے اور حضور نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ قریب ہی ایک محل ہے جسے دیکھ کر اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ محل کس کا ہے؟ تو حضور نے فرمایا: یہ ایک مسلمان کے لیے ہے۔ اس پر اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی مسلمان ہوں، مجھے محل میں داخل ہونے کی اجازت دیجیے۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مسلمان ہونے کی صداقت میں گواہی پیش کرو۔ اس امیر نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس اس وقت گواہ کہاں؟ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تو نے میری اولاد سے گواہ مانگا تھا۔ اب تجھے بھی اپنی صداقت پر گواہ پیش کرنا ہوگا۔ اس پر وہ امیر پریشان و پشیمان ہوا اور اسی اثنا میں اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ صبح اس سیدزادی کی تلاش میں نکلا تو پتہ چلا کہ وہ ایک مجوسی کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ وہ امیر اس مجوسی سے گویا ہوا کہ سیدہ صاحبہ کو میرے یہاں بھیج۔ دو میں ان کی خدمت سے سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور ایک ہزار دینار بھی پیش کیے۔ لیکن وہ شخص نہ مانتا تھا، اس پر اس

نے کہا: تم مجوسی ہو، میں مسلمان ہوں۔ اس لیے میں ان کی خدمت کا حق دار ہوں۔ اس شخص نے بتلایا: ہم اس سیدہ کی برکت سے مسلمان ہو چکے ہیں اور مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے۔ وہ محل جو تو نے خواب میں دیکھا تھا وہ میرے اور میرے گھر والوں کے لیے ہے۔

تو میرے بھائیو اور میرے دوستو! یہ ہے اجر، یتامیٰ پر مہربانی کرنے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا۔ اور ان کو جھڑکنے والا تو گویا دنیا و آخرت میں نامراد ہی رہے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:125 پر اس درِ یتیم صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یوں ہے:

اِذَا بَکَی الْیَتِیْمُ اِهْتَزَمَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَیَقُوْلُ یَا مَلَائِکَتِیْ مَنْ ذَالَّذِیْ اَبْکٰی هٰذَا الْیَتِیْمَ الَّذِیْ غَیَّبْتُ اَبَاهُ فِی التُّرَابِ فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِکَةُ رَبَّنَا اَنْتَ اَعْلَمُ فَیَقُوْلُ اللهُ یَا مَلَائِکَتِیْ اشْهَدُوْا اَنَّ مَنْ اَسْکَنَهٗ وَاَرْضَاهُ اَنْ اَرْضِیَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

ترجمہ: جب کوئی یتیم روتا ہے تو عرشِ الٰہی کانپتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! اس یتیم کو جس کا باپ میں نے قبروں میں غائب کر دیا، کس نے رُلایا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے، تو رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے فرشتو! تم گواہ ہو جاؤ کہ جو شخص اس کو اپنے یہاں جگہ دے گا اور راضی رکھے گا میں اس کو قیامت کے دن راضی رکھوں گا۔

میرے دوستو! کچھ لوگ ایسے ڈھیٹ بھی واقع ہوئے ہیں جو یتیم کی پرورش کرنا یا اس پر مہربانی اور عنایات کرنا تو درکنار کسی نہ کسی طریقے یا بہانے سے ان کی وراثت پر قابض ہونے کی کوشش کرتے ہیں، تو اللہ عزوجل نے ایسے ناہنجار لوگوں کے بارے میں سورۂ نسا میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

(آیت:10)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔

زواجر، صفحہ:205 پر ابو یعلیٰ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے ایسی قوم اُٹھائی جائے گی جن کے منہ سے آگ کے شعلے نکلیں گے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔

زواجر میں اسی صفحہ پر درج ہے کہ معراج کی رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گروہ کو آگ میں دیکھا کہ اُن کے منہ میں آگ کے پتھر ڈالے جاتے ہیں اور وہ پتھر ان کی دُبر سے باہر نکل آتے ہیں۔ حضور کے استفسار پر جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ لوگ وہ ہیں جو دنیا میں یتیموں کا مال کھاتے تھے۔

میرے دوستو! ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے جو یتیم کا مال کھاتے ہیں، بلکہ یتیم کا مال تو ایک مکھی بھی اپنے اوپر حرام سمجھتی ہے۔

حکایت

ایک کاتب لکھتے ہیں کہ میں نے ساٹھ کے قریب قرآن پاک لکھے اور دورانِ کتابت میں نے محسوس کیا کہ مکھی تقریباً ہر لفظ پر بیٹھی ہے لیکن ان الفاظ پر نہیں بیٹھی جو وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتٰمٰی میں ہیں۔ یعنی مکھی ان الفاظ کو بھی یتیم کا حق سمجھ کر ان پر بیٹھنا پسند نہیں کرتی تھی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

ہاں، میرے دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد کچھ حقوق العباد بھی ہیں جن میں والدین کا سب سے پہلا درجہ ہے۔ پھر اقربا کا اور پھر یتامیٰ اور مساکین کا۔ یتامیٰ کے بارے میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں اور یتامیٰ کے ساتھ مساکین کا بھی اسی طرح حق ہے۔ کیونکہ نوع انسانی ایک ہی باپ سے ہے اور آپس میں سب بھائی ہیں، تو کیوں نہ ایک امیر بھائی دوسرے غریب، مسکین اور ضرورت مند کی مدد کرے گا اور پھر اسلامی اخوت میں تو ایک مومن کے دوسرے مومن پر بے شمار حقوق ہیں۔ کیونکہ ارشادِ ربانی کے مطابق:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ° بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر أُولٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ° وہ دراصل ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔
وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ° اور ان کے دلوں میں الفت ڈال دی گئی ہے۔
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ° آپس میں رحمت وشفقت رکھتے ہیں۔

اور فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق دین سراسر خیر خواہی ہے، تو مسلمان فرمانِ نبوی کی بنا پر ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔

میرے دوستو! حضور نبی کریم فرماتے ہیں: مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب کوئی عضو بیمار ہوجاتا ہے تو سارا جسم بے چین ہوجاتا ہے اور یہی ایمانِ کامل کی نشانی ہے:

مبتلائے درد ہو کوئی عضو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

نبی کریم ﷺ کا مزید ارشاد ہے: جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ تو میرے دوستو! کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہ چاہتا ہو اور اپنی حاجت روائی کا خواہاں نہ ہو۔

حقوقِ ہمسایہ

ہاں تو میرے مومن بھائیو! میں عرض کر رہا تھا کہ یتامیٰ و مساکین، مسافر و غلام اور ہمسایہ سب اسی اخوتِ اسلامی میں شامل ہیں اور اسی زمرے میں شامل ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔

انسانی معاشرے میں یہ لازم ہے کہ انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوں، یعنی ہر انسان کو دوسرے انسان سے واسطہ اور کام پڑتا ہے اور سب سے زیادہ جو لوگ ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں وہ پڑوسی یا ہمسایہ ہیں۔ پھر انسان کو فوری طور پر ہر لمحہ کسی تکلیف یا رنج پہنچنے کا سب سے زیادہ اندیشہ اس سے ہوتا ہے جو زیادہ قریب ہو۔

ان تمام صورتوں میں اسلام نے ہمسایوں کے باقاعدہ حقوق اور فرائض مقرر کردیے

ہیں، تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے مفید اور باعثِ اطمینان بن سکیں اور بعض حالات میں ایک دوسرے پر بھروسہ کرسکیں۔

حقوقِ ہمسایہ کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرے یا جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا دعویٰ کرتا ہو اُسے چاہیے کہ پڑوسی کا حق ادا کرے۔

زواجر میں صفحہ: 308 پر حبیب کبریا رحمۃ للعالمین کا ارشادِ گرامی ہے: مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ° (رواہ الشیخان)

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ مجھے ہمسایہ کے بارے میں وصیت کرتے ہیں حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ اسے میرا وارث بنادیں گے۔

ایک جگہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس رب کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے شاملِ حال اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

ایک انصاری سے روایت ہے کہ میں اپنے اہل سمیت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کھڑے ایک شخص سے محوِ گفتگو ہیں۔ یہاں تک کہ اتنی دیر تک حضور نبی کریم کا کھڑے رہنا میرے دل پر شاق گزرا۔ جب وہ شخص چلا گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ شخص کون تھا جس نے آپ کو اتنی دیر تک کھڑے رکھا؟ میرے دل پر ناگوار گزر رہا تھا، تو حضور نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں مجھ سے مصروفِ کلام تھے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جبرئیل امین نے مجھے پڑوسی کے حقوق کی اس قدر تاکید کی کہ میں سمجھا کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلا دیں۔

تو میرے دوستو! ان فرموداتِ نبوی سے ظاہر ہے کہ ہمسایہ کے حقوق کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

بھائیو! پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلے میں مَیں سب سے پہلے عرض کرتا ہوں کہ ان کے

ساتھ کیسا حسنِ سلوک ہو۔

لفظ حسنِ سلوک میں تو بہت وسعت ہے لیکن مختصراً عرض کردینا چاہتا ہوں:

(1) ہمسایہ اگر مدد کی ضرورت محسوس کرے تو اس کی ہر ممکن طریقے سے مدد کرنی چاہیے۔

(2) اُدھار مانگے تو اُدھار دیا جائے۔

(3) محتاج ہو تو اس کی دستگیری کی جائے کہ فرمانِ نبوی ہے:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ (مشکوۃ، صفحہ:424)

یعنی وہ کامل مومن نہیں جو سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

(4) ہمسایہ اگر بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت و تیمارداری کرے۔

(5) اگر اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو اس کو مبارکباد پیش کرنی چاہیے۔

(6) اگر اس پر کوئی مصیبت آجائے تو ہمسایہ کی دل جوئی کرنی چاہیے۔

(7) جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو۔

(8) اپنی عمارت کو اس کی اجازت کے بغیر اس قدر بلند نہ کرے کہ اس کے لیے ہوا میں رکاوٹ ہو۔

(9) اسے اپنی ہنڈیا کی بو کی تکلیف نہیں دینی چاہیے بلکہ اسے سالن بھی بھیجنا چاہیے۔

(10) اگر پھل خرید کر لائے جائیں تو انھیں بھی بھیجے جائیں، اگر اس قدر استطاعت نہ ہو تو گھر میں چھپا کر کھائے کہ ان کے ہمسایوں کے بچے نہ مچل جائیں۔

کشف الغمہ میں صفحہ:215 پر فرمان نبوی ﷺ ہے:

اِذَا اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهٗ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَادْخُلْهَا سِرًّا وَّلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ فَيُغِيْظَ بِهَا وَلَدَهٗ (کشف الغمہ، صفحہ:215)

یعنی جب کوئی پھل خرید کر لائے تو بطور ہدیہ ہمسایہ کے گھر بھیج دے، اگر ایسا نہ کر سکے تو چپکے سے اسے گھر میں لے آئے اور تیرا لڑکا وہ میوہ لے کر باہر نہ جائے کہ کہیں ہمسایہ کا لڑکا دیکھ کر تنگ نہ کرے۔

تحائف بھیجنا

حضور نبی کریم ﷺ نے پڑوسیوں کو تحائف دینے کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اس سے موانست و محبت و مؤدت کے جذبات زیادہ اُبھرتے ہیں اور دلی کدورتیں ڈھل جاتی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے: اے مسلمان کی بیویو! تم میں سے کوئی اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ ایک بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

پھر فرمایا: اِذَا اشْتَرٰى اَحَدُكُمْ لَحْمًا وَطَبَخَ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهٗ فَلْيَغْرِفْ لِجَارِهٖ مِنْهُ (کشف الغمہ، صفحہ:251)

یعنی جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے اور ہانڈی پکائے تو چاہیے کہ پانی زیادہ ڈال کر شوربا زیادہ بنائے اور اس میں سے کچھ چمچے اپنے ہمسایہ کے گھر بھیجے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکری ذبح کرتے تو اپنے خادم حضرت نافع سے فرماتے: اس میں سے ہمارے ہمسایہ کے گھر کچھ بطور ہدیہ بھیجو۔ حالانکہ ان کا ہمسایہ ایک یہودی تھا۔ (کشف الغمہ، صفحہ:217) ماشاء اللہ ہمسائے کا کتنا خیال رکھا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میرے دو پڑوسی ہیں۔ ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ تو ارشاد فرمایا: اس پڑوسی کے یہاں جو تیرے گھر سے زیادہ قریب ہے۔

تو میرے دوستو! سب سے پہلا حق پڑوسیوں میں سب سے نزدیکی پڑوسی (جار ذی القربی) کا ہے اور اسی طرح قریبی پڑوسیوں کے بعد دور کے پڑوسیوں کا حق ہے۔

دینی تعلیم

پڑوسیوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سکھائے جائیں اور ان کو دینی تعلیم پر عمل کی ترغیب دلائی جائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگ اپنے پڑوسیوں میں دینی سمجھ نہیں پیدا کرتے، ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین نہیں سیکھتے۔ اس کے بعد حکم دیا:

لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں۔ حضور کے اس خطبے کی خبر جب قبیلہ اشعر کے لوگوں کو ہوئی تو آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم دوسرے لوگوں میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! یہ بھی تمہاری ذمے داری ہے اور ان لوگوں کو حضور نے اس ذمے داری کے پورا کرنے کے لیے ایک سال کی مدت دی۔

ہمسایہ کی جان کی حفاظت

پڑوسیوں کے حقوق و فرائض میں سب سے پہلے یہ بات داخل ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ جس طرح کہ وہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کا واضح فرمان ہے: ”تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے پڑوسیوں کے لیے وہی پیار نہ رکھے جو خود اپنی جان کے لیے رکھتا ہے۔“

اور فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو قتل کریں گے۔

عصمت کی حفاظت

یوں تو اسلام نے ویسے ہی عصمت دری کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر بڑی سخت سزا تجویز کی ہے لیکن جب کوئی شخص پڑوسی کی بیوی یا بیٹی کی عصمت لوٹے تو یہ جرم بہت بھیانک اور عام زنا سے دس گناہ بڑا گناہ ہے۔

لَاَنْ یَّزْنِیَ الرَّجُلُ بِعَشَرَۃِ نِسْوَۃٍ اَیْسَرُ عَلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّزْنِیَ بِاِمْرَأَۃِ جَارِہٖ۔

(کشف الغمہ، صفحہ:214)

اس لیے کہ مرد کا دس عورتوں سے زِنا کرنا زیادہ آسان ہے اپنے ہمسایہ کی ایک عورت سے زنا کرنے سے۔ یعنی غیر ہمسایہ کی دس عورتوں سے زنا کرنا ہمسائے کی ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے سے کم گناہ کا حامل ہے۔

تو میرے بھائیو! اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں پڑوسی پر ایک بڑا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی عصمت کی حفاظت کرے۔

مال کی حفاظت

اکثر و بیشتر پڑوسی اپنے گھر کو کھلا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے اِدھر اُدھر چلے جاتے ہیں کہ ابھی واپس آجائیں گے۔ اس صورت میں پڑوسی پر لازم ہے کہ اپنے ہمسایہ کے مال کی حفاظت کرے، چہ جائیکہ اس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے چوری کا ارتکاب کر کے اُس کے اعتماد کو مجروح کرے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ:214 پر حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَاَنْ یَّسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشَرَۃِ اَبْیَاتٍ اَنْ یَّسْرِ عَلَیْہِ مِنْ اَنْ یَّسْرِقَ مِنْ بَیْتِ الْجَارِ۔ (کشف الغمہ، صفحہ:241)

یعنی مرد کا دس گھروں کی چوری کرنا زیادہ آسان ہے اپنے ہمسایہ کے ایک گھر سے چوری کرنے سے۔

آزادی کی حفاظت

پڑوسی کی آزادی کا فرض بھی ہر شخص پر عائد ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسے ہر جائز کام میں پورا اختیار حاصل ہو اور دوسرے اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اسے اس مصیبت سے رہائی دلانا چاہیے یا ہر ممکن اسے آزاد کرانے کی کوشش کرنی چاہیے بشرطیکہ وہ کسی شرعی جرم کا ارتکاب نہ کر چکا ہو۔

ابوداؤد میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ شبہ کی بنا پر گرفتار کیے گئے تو ایک صحابی نے عین خطبہ کے دوران اُٹھ کر نبی ﷺ سے سوال کیا: میرے ہمسایوں کو کس قصور میں پکڑا گیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ ان کے سوال کو سن کر سکوت فرمایا: تا کہ کوتوال شہر اگر کوئی معقول وجہ رکھتا ہو تو اُٹھ کر بیان کرے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ صحابی رسول نے اپنا سوال دہرایا اور کوتوال نے کوئی وجہ بیان نہ کی تو آپ نے حکم صادر فرمایا: خلوا لہ جیرانہ۔ اس کے ہمسایوں کو رہا کرو۔

حکایت

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا، جو شراب پی کر شعر پڑھا کرتا تھا کہ ''مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا، کیسے نوجوان اور رعنا کو ضائع کر دیا۔''

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک روز یہ مانوس آواز پڑوس سے سنائی نہ دی، پوچھنے پر پتہ چلا کہ کوتوال شہر اسے گرفتار کر کے لے گیا ہے۔ آپ حقوقِ ہمسائیگی کا خیال فرماتے ہوئے اس کا حال پوچھنے گئے تو کوتوال نے آپ کی آمد پر اسے رہا کر دیا۔ راستے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نوجوان ہمسائے سے پوچھا: اب بتاؤ تم تو کہتے تھے مجھے لوگوں نے ضائع کر دیا۔ ہم نے تمہیں کہاں ضائع کیا؟ امام صاحب کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اس نے شراب نوشی سے توبہ کی اور پاکبازی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

ہمسایہ کو اذیت نہ دے

پڑوسیوں کا ایک دوسرے پر حق یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دلنشیں انداز میں فرمایا:

خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔ خدا کی قسم! وہ مومن نہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا: کون؟ یا رسول اللہ! فرمایا: وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: مَنْ اٰذٰی جَارَہٗ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ مَنْ حَارَبَ جَارَہٗ فَقَدْ حَارَبَنِیْ وَمَنْ حَارَبَنِیْ فَقَدْ حَارَبَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ۔

(المجالس السنیہ، صفحہ: 44، و کشف الغمہ، صفحہ: 214)

ترجمہ: جس نے اپنے ہمسایہ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے خدائے عزوجل کو تکلیف دی اور جس نے ہمسایہ سے لڑائی کی اُس نے میرے ساتھ لڑائی کی اور جس نے مجھ سے لڑائی کی، اس نے اپنے خدا عزوجل کے ساتھ لڑائی کی۔

ایک اور واقعہ پر آپ نے فرمایا: جو شخص خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے

پڑوسی کو ایذا نہ دے۔

میرے دوستو! حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اس شخص کو بہتر پڑوسی اور نیک انسان قرار دیا جس نے اپنے پڑوسی کو آرام پہنچایا اور اذیت نہ دی۔

حکایت

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ: 424 پر ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فلاں عورت بہت نمازیں ادا کرتی ہے، روزے رکھتی ہے اور صدقات و خیرات بھی کرتی ہے۔ مگر زبان کی تیز ہے کہ ہمسایہ بھی اس کی زبان سے محفوظ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس میں کوئی نیکی نہیں، اس کو دوزخ کی سزا ملے گی۔ پھر صحابہ نے دوسری خاتون کا ذکر کیا جو صرف فرض نمازیں ہی ادا کرتی تھی اور معمولی صدقہ دیتی تھی۔ مگر کسی کو ستاتی نہ تھی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ خاتون جنت میں جائے گی۔

میرے دوستو! اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو پڑوسیوں کی چھوٹی سی چھوٹی تکالیف کا خیال رکھتے ہیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 200 پر ہے کہ ایک اللہ کے نیک بندے کے یہاں چوہوں کی بہتات تھی، اُس نے کسی سے شکایت کی تو اُسے بلی رکھنے کا مشورہ دیا گیا۔ اس پر اُس نے جواب دیا کہ اگر میں اپنے گھر میں بلی لے آؤں تو ممکن ہے کہ چوہے بلی کے ڈر سے میرے ہمسائے کے گھر میں چلے جائیں اور یہ بات مجھے منظور نہیں۔

پڑوسی کی اذیت پر صبر

حضرت امیر المومنین علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَیْسَ حُسْنُ الْجِوَارِ کَفُّ الْاَذٰی وَلٰکِنَّ الصَّبْرَ عَلَی الْاَذٰی۔

یعنی حسنِ جوار یہ ہے کہ اگر ہمسایہ تکلیف دے تو اس پر صبر کیا جائے۔

حکایت

امام المسلمین شہزادۂ دو جہاں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمسایہ ایک یہودی تھا۔

اس کے بیت الخلا کی دیوار میں سوراخ ہو گیا جس سے نجاست حضرت حسن کے گھر میں پڑنے لگی، جس کا یہودی کو علم نہ تھا۔ ایک دن اس یہودی کی بیوی آپ کے یہاں آئی تو نجاست کا ڈھیر دیکھا اور اپنے خاوند کو اطلاع دی۔ اس پر وہ یہودی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کی۔ تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کوئی بات نہیں۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے یہی تعلیم دی ہے کہ: ہمسائے کا اکرام کریں۔

وہ یہودی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

(نزہۃ المجالس، صفحہ: 201)

حکایت

زواجر، حصہ اول، صفحہ: 207 پر ایک روایت یوں درج ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم شاہِ دو جہاں ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے میرا پڑوسی بہت ستاتا ہے۔ آپ نے اس شخص کو صبر کی تلقین کی اور واپس کر دیا۔ پھر دو تین مرتبہ اس شخص نے بعد میں اپنی تکلیف کو بیان کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنا سامان اس کی راہ میں ڈال دو۔ اس نے ایسا ہی کیا جب لوگوں نے ماجرا پوچھا تو اس نے بتلایا کہ میں اپنے پڑوسی سے تنگ آ کر یہ مکان چھوڑ رہا ہوں۔ لوگوں نے اس کے پڑوسی کو ملامت کی تو اس نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! جو شخص مجھے ملتا ہے لعنت کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا: لوگوں کی لعنت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر لعنت کی ہے۔ اس پر اس نے اپنے پڑوسی شخص سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ اچھا سلوک کروں گا تو حضور نے اس شاکی شخص سے فرمایا: اب اپنا سامان گھر میں رکھ لو کہ تمہاری کفایت ہو چکی ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ: 424 پر ہے کہ حضور ﷺ ایک روز وضو فرما رہے تھے تو صحابہ نے وضو سے گرتے ہوئے پانی کو اٹھا کر اپنے چہروں پر مل لیا تا کہ برکت حاصل ہو تو حضور نے فرمایا: کس چیز نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا ہے؟ تو عرض کیا: اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی محبت نے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو اپنے خدا اور رسول کو محبوب جانتا ہو وہ اس کی باتوں کی تصدیق کرے، اس کی امانت کو ادا کرے اور اپنے ہمسائے کے ساتھ احسان کرے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ اور اس کے رسولِ مکرم و معظم ﷺ نے اس قدر ہمسایہ کی تکریم کا حکم دیا ہے، تو ہمیں بھی حضور کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے ان ارشادات پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے اور ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ عزوجل توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

ستر ہواں وعظ

در بیانِ کسبِ حلال واکلِ حلال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۝

(سورۂ بقرہ، آیت:172)

بعد حمد وثنا اس خالق برحق اور مالک ارض وفلک کے ہزاروں درود اور لاکھوں سلام اس کے محبوب پر جو ہمارے لیے وسیلۂ دارین ہیں اور لولاک کے مالک ہیں کہ ان کے صدقے میں سب کچھ ظہور میں آیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنوں سے یوں خطاب فرمایا ہے: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاک اور صاف چیزیں کھاؤ۔

میرے بھائیو! بمطابق حکم ربانی جائز طریقے سے حلال روزی کمانا اور کھانا اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے ارکانِ اسلام، یعنی مسلمان کے لیے نماز، روزے کی طرح حلال روزی کمانا اور کھانا بھی فرض ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ۔ یعنی فرض باتوں کے بعد ایک اور فرض کسبِ حلال کی تلاش ہے یعنی حلال لقمہ کھانے کے لیے حلال کی روزی کمانا ضروری ہے۔ کیونکہ حلال کمائی کی روزی سے ہی حلال لقمہ مل سکتا ہے۔

حلال کی روزی کھانے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:172)

ترجمہ: اے ایمان والو! حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص لگا تار حلال روزی کھاتا ہے اور حرام لقمہ کی آمیزش نہیں ہونے دیتا، اللہ تعالیٰ جل شانہ اس کے دل کو اپنے نور سے روشن کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے دل سے جاری ہو جاتے ہیں۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:214)

اللہ رب العزت اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے لیے بھی کسبِ حلال اور رزقِ حلال پسند فرماتے ہوئے امر فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۝ (سورۂ مومنون، آیت:51)

یعنی اے میرے رسولو! اے میرے بھیجے ہوئے پیغمبرو! پاک اور حلال روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

ہاں! یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پاکیزہ اور حلال روزی کھانے کا پہلے حکم فرمایا ہے اور نیک اعمال اور عبادات کا بعد میں، تو یوں کہیے کہ اعمال اسی وقت ہی صالح ہو سکتے ہیں جب کہ لقمۂ حلال پیٹ میں ہوگا اور عبادت بھی خلوصِ نیت سے اسی وقت ہو سکے گی جب کہ حلال کھائیں گے ورنہ، نہ اعمال مقبول ہوں گے نہ عبادت ہی قابلِ قبول ہوگی۔

رزقِ حلال کے ساتھ طیب کی جو صفت لگائی گئی ہے، اس کا مطلب ہے:

(1) روزی میں چیزیں بجائے خود پاکیزہ ہوں۔
(2) اللہ تعالیٰ نے انھیں جائز قرار دیا ہو۔
(3) پھر وہ حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہوں۔

قرآن کریم میں اس وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ بغیر کسب حلال کے جچت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث پاک کی روایت ہے، جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

پاکیزہ چیزوں کا حکم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ

تَعَالٰی طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّباً وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهٖ
الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا° وَقَالَ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ
بَطِیْلَ السَّفَرِ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ
حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَھُوَ کَیْفَ
یُسْتَجَابُ لِذَالِكَ° (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ہی شرفِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا جو حکم اس نے رسولوں کو دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ دوسری جگہ فرمایا: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں عطا کی ہیں، ان میں سے کھاؤ۔

پھر نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کر رہا ہے، اس کے بال پراگندہ ہیں، وہ گرد سے اَٹا ہوا ہے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر پکارتا ہے۔ یارب! یارب! ادھر اس کی یہ حالت ہے کہ اس کا کھانا، اس کا پینا اور اس کا لباس حرام کا ہے۔ اے غذا بھی حرام کی دی گئی ہے، بھلا ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور کو یہ دعا مانگتے سنا: یااللہ! میں تیرے اسم مطہر وطاہر وطیب ومبارک جو تجھے پسند ہے، اس کے ذریعے دعا مانگتا ہوں۔ تیرا وہ نام کہ جب اس سے پکارا جائے تو تُو جواب دیتا ہے اور جب مانگا جائے تو، تو عطا فرماتا ہے اور جب رحم کی بھیک مانگی جائے تو، تو رحم فرماتا ہے اور جب مشکل کشائی کی درخواست کی جائے تو مشکل حل ہوجاتی ہے۔

ماشاءاللہ! اللہ کے اسم پاک میں یہ تاثیر ہے، کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو

پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لایقبل الا الطیب پاک چیزوں کے سوا کچھ قبول نہیں ہوتا۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے، تو حضور نے ارشاد فرمایا: لقمۂ حلال کا التزام کرلو خود بخود مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے۔

پھر فرمایا: اگر کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز ادا کرے گا جس کی قیمت میں دسواں حصہ بھی حرام ہو، تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (ترمذی)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت مقدام بن سعد رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کسی نے اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو اپنے ہاتھ سے کمایا ہو اور خدا کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جس آدمی کے شکم میں ایک نوالہ بھی حرام جائے اس کی دعا چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی اور جو گوشت حرام مال سے بنا ہے آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔

تو اے میرے بھائیو! مالِ حرام سے بچو، کیونکہ بمطابق فرمانِ نبوی حرام خور آتش جہنم میں جلایا جائے گا۔

انبیا کا کسب

تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضراتِ انبیا علیہم السلام نے حلال روزی حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کسب اختیار فرمایا، مثلاً: حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نجار یعنی بڑھئی تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سی کر گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام تجارت کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جانوروں کے صوف اور ریشم

وغیرہ سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھیڑ بکریاں چراتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو روئے زمین کے بادشاہ تھے درختوں کے پتوں اور چھال سے پنکھے، بوریاں اور زنبیل تیار کر کے گزارہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ابتدا میں پیشہ بکریاں چرانا، پھر تجارت اور آخر میں جب بارِ نبوت سے سرفراز ہوئے تو جہاد کا پیشہ اختیار کیا۔ ماشاء اللہ

انبیائے کرام نے تو بحکم الٰہی کسب حلال کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کیا تو ہمارے مومنین کے لیے چونکہ کسب حلال کا حکم ہے تو بھائیو! جو روزی ہم اپنی محنت اور جائز طریقے سے حاصل کریں وہ روزی حلال اور پاکیزہ ہے اور اس کا درجہ عبادتِ الٰہی سے بڑھ کر ہے۔

کشف الغمہ، صفحہ: 2 پر فرمانِ رسول ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِقَ۔

اللہ تعالیٰ کمانے والے مومن کو دوست رکھتا ہے۔

ایک آدمی کا کسب

کیمیائے سعادت، صفحہ: 189 پر ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما تھے کہ ایک جوان صبح سویرے آپ کے پاس سے گزر کر ایک دکان پر گیا۔ تو صحابہ کرام نے کہا: کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ راہ حق میں اتنی سویرے اُٹھا ہوتا، تو آپ نے فرمایا: ایسا نہ کہو، اگر یہ اس لیے جاتا ہے کہ اپنے آپ کو، اپنے ماں باپ اور اہل وعیال کو لوگوں سے بے نیاز رکھے تو اس کا یہ فعل بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر یہ فساد گزاف تو انگری کے لیے جاتا ہے تو شیطان کی راہ ہے۔

فرمانِ رسول ﷺ ہے کہ جو شخص دنیا میں طلبِ حلال اس لیے کرتا ہے کہ وہ لوگوں کا محتاج نہ ہو اور ہمسائے اور رشتے داروں کے ساتھ نیکی کر سکے تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

کیمیائے سعادت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں

سب سے زیادہ اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کسبِ حلال کی غرض سے بازار جاؤں اور مجھے موت آجائے۔

ایک اور واقعہ یوں درج ہے کہ امام روز الحی رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے دیکھ کر کہا: آپ کا یہ کسب کب تک رہے گا؟ آپ کے مسلمان بھائی آپ کے اس رنج و تکلیف میں کفایت کر سکتے ہیں۔ ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خاموش رہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے: جو طلبِ حلال کے لیے ذلت برداشت کرتا ہے، بہشت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔

میرے بھائیو! کسب کے ذرائع تو بے شمار ہیں مگر سب سے بہتر کسب زراعت ہے۔ کیونکہ اس میں ہاتھ کی کمائی ہے اور توکل کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے کہ کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، بیج بوتا ہے اور وقت پر پانی دیتا ہے پھر خدا پر آس لگا کر بیٹھ جاتا ہے، کیونکہ:

آفت ارض وسماوی سے ہے نگہباں تو فضل باری ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس محنت کا بدلہ دے یا اس کے اعمال کی سزا میں اس کی اس محنت پر پانی پھیر دے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پیشے کو اختیار فرمایا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اس پیشے کو پسند فرمایا اور اس کی ترغیب دلائی، کیونکہ اس سے تمام انسانوں کے لیے رزق مہیا کیا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

یعنی مسلمان جو باغ لگاتا ہے یا زراعت کا کام کرتا ہے اور اس کے باغ سے یا کھیتی سے کوئی پرندہ جانور یا انسان کچھ کھا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

نزہۃ المجالس، صفحہ: 20 پر ہے کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا اُكِلَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

یعنی نہیں ہے کوئی مسلمان جو باغ لگائے اور جو کچھ اس میں سے کھایا جائے اس کے

لیے صدقہ ہوا اور جو چوری ہوجائے وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوا۔

ماشاءاللہ! کیسا بابرکت پیشہ ہے کہ جو کھایا جائے وہ بھی صدقہ اور جو چوری ہوجائے وہ بھی صدقہ۔

دوسرے نمبر پر تجارت کا پیشہ ہے۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے تجارت کو عمدہ اور نفیس پیشہ قرار دیا ہے۔

کیمیائے سعادت میں مرقوم ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تجارت کرو، کیونکہ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔ (مشکوٰۃ)

یعنی راست گو اور امانت دار تاجر انبیا، شہدا اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔

مشکوٰۃ شریف، صفحہ: 242 پر راجع بن حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) کون سا کسب زیادہ پاکیزہ ہے؟ تو فرمایا: عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِهٖ وَكُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ۔

یعنی آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور اچھی بیع یعنی اس میں کوئی خیانت اور دھوکہ نہ ہو۔

اس حدیث مبارک سے ظاہر ہے کہ تجارت بہت عمدہ پیشہ ہے لیکن ایمانداری اور نرمی ضروری ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایسے تاجر کے لیے دعا فرمائی جو لینے دینے میں نرمی اختیار کرتا ہے۔ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو بیچتے اور خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت آسانی اختیار کرے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھلے زمانے کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب اس شخص کا نزع کا وقت آیا تو اس سے پوچھا گیا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تو نے کوئی اچھا کام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے علم میں کوئی ایسا کام نہیں، البتہ! میں خرید وفروخت کے وقت لوگوں سے اچھی طرح پیش آتا

تھا کہ اگر مالدار بھی مہلت مانگتا تو اسے مہلت دے دیتا اور اگر کوئی تنگ ہوتا تو اس سے درگزر کرتا تھا اور معاف کر دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار ہوں۔ اے فرشتو! میرے اس بندے سے درگزر کرو کہ وہ بھی اس کے صلے میں جنت میں داخل ہوجائے، تو میرے دوستو! جو لین دین میں درگزر اور آسانی اختیار کرے اللہ تعالیٰ بھی روزِ قیامت اس کے لیے حساب کتاب میں درگزر اور آسانی اختیار کرے گا۔

میرے بھائیو! آج کل تو اس عمدہ پیشے کو جھوٹ بول کر اور کم تول کر بدترین پیشہ بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے کہ زمین کا بہترین ٹکڑا مساجد ہیں اور بدترین حصہ بازار ہیں، جہاں کم تولا جاتا ہے اور جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں اور شیطان ہر صبح اپنا جھنڈا لے کر بازار میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے ایسے تاجروں کو فاسق وفاجر ٹھہرایا ہے جو جھوٹی قسمیں کھاتے اور کم تولتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ: 234)

قیامت کے روز تاجرین کا حشر فاجرین کے ساتھ ہوگا مگر ان تاجروں کے سوا جو اللہ تعالیٰ سے ڈریں، نیکی کریں اور سچ بولیں۔

پھر فرمایا کہ خرید وفروخت کے وقت بہت قسمیں کھانے سے بچا کرو، کیونکہ اس سے چیز تو بک جاتی ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ قَالَ اَبُوْذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ یَارَسُوْلَ اللهِ۔ قَالَ اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ۔ (مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ: 243)

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: وہ نقصان اٹھانے والا اور ناامید

کون ہے یارسول اللہ! توفرمایا: کپڑا لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسمیں کھاکر اپنا سودا چلانے والا۔

میرے دوستو اور بھائیو! تجارت، کسبِ حلال کے لیے ایک اچھا ذریعہ ہے لیکن ایمانداری اور سچائی لازم ہے، ورنہ یہ بھی عذاب بن جاتا ہے۔

اب دیکھیے جس طرح حلال روزی حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح مالِ حرام سے بچنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ایمان والوں کے لیے کلام پاک میں یوں ارشاد ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۝

اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

یعنی خیانت، چوری، سود یا رشوت کے ذریعے سے کسی کا مال کھانے والے پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد سے مشکوۃ شریف میں روایت ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ ۝

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

مالِ حرام میں اُجرتِ زنا، اُجرتِ تصویر کشی، مالِ یتیم، جھوٹی قسم کی اُجرت اور کم ناپ سے حاصل شدہ فائدہ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کم تولنے والوں کے لیے ناراضگی کا اظہار یوں کیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولٰئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ (سورۂ مطففین، آیت: 6-1)

کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے کہ وہ جب دوسروں سے لیں تو پورا تول لیں اور جب انھیں ناپ کر دیں تو کم دیں۔ کیا ان کے گمان میں نہیں کہ قیامت کے عظیم دن انھیں اُٹھایا جائے گا۔ جس روز سب لوگ حساب کتاب کے لیے اللہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔

تفسیر حسینی، جلد: ثانی، صفحہ: 452 پر روایت ہے کہ جو شخص ناپ تول میں خیانت کرتا ہے، قیامت کے دن اسے دوزخ کی گہرائیوں میں ڈالا جائے گا اور دو آگ کے پہاڑوں کے درمیان بٹھا کر حکم دیا جائے گا۔

كِلْهُمَا وَزِنْهَا ۝ ان پہاڑوں کو ناپو اور تولو۔ جب وہ تولنے لگے گا تو آگ اس کو جلا دے گی۔

لہٰذا کم تولنے والوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں مدین شہر کے رہنے والوں کا قصہ کم تولنے والوں کے لیے باعثِ عبرت ہے۔

قصہ اصحابِ مدین

مدین کے لوگ تجارت پیشہ تھے اور آسودہ حال تھے لیکن بت پرست تھے۔ کم تولتے اور کم ناپتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ بھی غلط تھا اور اعمال بھی غلط، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ بے شک میں تمھیں آسودہ حال دیکھ رہا ہوں اور مجھے تم پر یوم محیط کے عذاب کا ڈر ہے۔ اے میری قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور دین میں فساد نہ کرو۔ اللہ کے دیے ہوئے سے جو بچے وہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تمھیں یقین نہ ہو تو میں تمھیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ اس پر قوم نے حضرت شعیب کو جواب دیا:

يَا شُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ (سورۂ ہود، آیت: 87)

اے شعیب! (علیہ السلام) کیا تمہاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں، بے شک تم بڑے بردبار اور نیک ہو۔

آپ نے اپنی قوم کو کافی مدت تک سمجھایا بجھایا لیکن وہ ان حرکتوں سے باز آنے والے نہ تھے۔ آپ نے انھیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو بولے:

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (شعراء، آیت:187)

یعنی اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام ان سے بالکل مایوس ہو گئے تو بارگاہ الٰہی میں دعا کی:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ۝ (سورۂ اعراف، آیت:89)

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اللہ کے نبی نے دعا فرمائی اور نبی کی دعا کبھی خطا نہیں جاتی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا دعا فرمانا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً دعا کو قبول فرمالیا: فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورۂ شعراء، آیت:189)

جب انھوں نے اسے جھٹلایا تو وہ ابر کے سائے والے دن کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ بے شک وہ یوم عظیم کا عذاب تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عذاب کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قوم پر جہنم کا دروازہ کھول دیا اور دوزخ کی شدید گرمی بھیجی۔ وہ وہاں سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ایک سرد اور خوشگوار بادل بھیجا۔ وہ سب اس کے نیچے (مرد، بچے اور عورتیں) جمع ہو گئے۔ جب وہ سب بادل کے نیچے پناہ گزیں ہوئے تو بادل سے آگ برسنے لگی اور وہ سب جل کر راکھ ہو گئے۔ نعوذ باللہ من غضبہ ۝

کم تولنے والے کو وقتِ مرگ کلمہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ہائے کم تولنے کی بدبختی! لیکن آج کل اکثر مسلمان ان سب حرام کاموں کو شیرِ مادر خیال کرتے ہیں۔

حکایت

حضرت مالک بن دینار ایک روز ایک بیمار کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے جو

قریب المرگ تھا۔ حضرت مالک بن دینار نے اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کی مگر بڑی کوشش کے باوجود کلمے کی بجائے دس گیارہ، دس گیارہ ہی گنتا رہا۔ جب اس سے اِس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: میرے سامنے آگ کا پہاڑ ہے، جب میں کلمہ پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تو یہ آگ مجھے جلانے کو لپکتی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا: تم دنیا میں کیا کام کرتے تھے؟ اس نے کہا میں کم تولا کرتا تھا۔ (تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:957)

توبہ توبہ مالِ حرام کا کس قدر عذاب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے ایسے کسب سے۔ لیکن افسوس اُن پر جو اس بات کو نہیں سمجھتے اور حرام پیشوں کی کمائی کھاتے ہیں۔ اس کمائی سے کپڑے بناتے اور پہنتے ہیں، نمازیں بھی ادا کرتے ہوں، بعض صدقات وخیرات بھی کرتے ہوں گے۔ لیکن انھیں یہ جان لینا چاہیے کہ یہ محض ان کا گمان ہے کہ وہ اس کا ثواب پاتے ہوں گے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:241)

یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ مال کو ہی قبول فرماتا ہے۔ حرام مال کو قبول نہیں فرماتا۔

کیمیائے سعادت، صفحہ:215 پر ہے کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو مالِ حرام سے صدقہ دیتا ہے اور خیرات کرتا ہے، وہ ایسے شخص کی مثل ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔ اس طرح وہ اور زیادہ پلید ہو جاتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ:242 پر ایک حدیث رسولِ مقبول ﷺ اس طرح سے منقول ہے:

يَكْتَسِبُ عَبْدٌ مَالًا حَرَامًا فَيَتَصَدَّقُ بِهٖ فَلَا يُقْبَلُ مِنْهُ وَيُنْفِقُ مِنْهُ فَلَا يُبَارِكُ لَهٗ يُتْرَكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ ۝ (کشف الغمہ، صفحہ:6)

یعنی جو انسان مالِ حرام کماتا ہے اور پھر صدقہ کرتا ہے، اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور اسے خرچ کرے گا تو اس کے لیے اس میں برکت نہ ہوگی اور اسے اپنے پیچھے چھوڑے گا مگر یہ اس کے لیے دوزخ کا زادِ راہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حرام کھانے والے کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہو سکے گا۔

حکایت

چنانچہ مجالسِ سنیہ، صفحہ:25 پر حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت درج ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے ایک شخص کو بڑی تضرع وزاری سے دعا مانگتے دیکھا اور بارگاہ خداوند میں عرض کی: اے پروردگار! تو اس بندے کی دعا کیوں نہیں قبول فرماتا؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آئی: اے موسیٰ! اگر یہ شخص اتنا روئے کہ اپنے آپ کو ہلاک کردے اور اپنا ہاتھ اتنا اُٹھائے کہ آسمان تک پہنچ جائے، تب بھی میں اس کی دعا قبول نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس کے پیٹ میں حرام ہے، اس کی پشت پر حرام ہے اور اس کے گھر میں حرام ہے۔

میرے دوستو! یہ ہے حرام کی سزا اور اسی لیے ہمارے اسلاف نے حرام کے ساتھ مشتبہات کو بھی ترک کردیا کہ کہیں حرام کی حدود میں داخل نہ ہوجائیں۔

حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قَے کرنا

چنانچہ ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے اسلاف کس طرح شبہ والی چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک غلام سے دودھ کا شربت پی لیا پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ ذریعۂ حلال سے نہیں ہے، آپ نے فوراً حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ قے اس قدر سخت کی کہ جسم اطہر سے روح کے جدا ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: یا الٰہی! میں اس شربت سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو میری رگوں میں باقی رہ گیا ہے اور باہر نہیں آیا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:214)

اسی صفحہ پر ایک واقعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کا درج ہے کہ لوگوں نے آپ کو غلطی سے صدقے کا دودھ پلا دیا۔ جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً قے کردی۔

حضرت حسن کا تقویٰ

کیمیائے سعادت، صفحہ:217 پر سبطِ رسول حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ

درج ہے کہ ایک کھجور صدقے کی منہ میں ڈال لی تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً وہ کھجور پھینکوا دی اور فرمایا: کُخ کُخ، قے کردو۔

صدقے کے مشک کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غنیمت کا کچھ مشک گھر میں رکھوایا تاکہ آپ کی زوجہ محترمہ اسے مسلمانوں کے پاس فروخت کریں۔ ایک دن جب گھر میں تشریف لائے تو آپ کو اپنی بیوی کی چادر سے مشک کی خوشبو آئی۔ جب آپ نے پوچھا: چادر میں سے خوشبو آرہی ہے۔ تو انھوں نے عرض کیا: حضور میں مشک تول رہی تھی تو خوشبو میرے ہاتھوں کو لگ گئی جو میں نے اپنی چادر سے پوچھ لی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کے سر سے چادر اُتار لی اور اسے دھوتے رہے اور مٹی ڈالتے رہے اور بار بار سونگھتے تھے، حتیٰ کہ اس میں سے خوشبو جاتی رہی۔ تب آپ نے وہ چادر اپنی بیوی کے حوالے کی۔ اگرچہ یہ اس قدر معاف تھی، جو انھوں نے پونچھ لی، پھر بھی حضرت خلیفۃ المسلمین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے تقویٰ سے بعید جانا اور پرہیز کیا، مبادا کبھی زیادتی کا امکان ہو۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:217)

کیمیائے سعادت، صفحہ:218 پر مرقوم ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ قید ہوگئے اور چند دن بھوک سے رہے، ایک پارسا مرید عورت نے اپنی حلال کی کمائی سے آپ کی خدمت میں کھانا بھیجا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس پر اس عورت نے کہا: جو کھانا میں نے بھیجا وہ حلال تھا اور آپ بھوکے بھی تھے، پھر آپ نے اسے کیوں نہ کھایا؟ آپ نے فرمایا: وہ کھانا جیل کے محافظ کے ہاتھ میں تھا جو ظالم ہے، چونکہ کھانے کے مجھ تک پہنچنے کا سبب ایک ظالم کی قوت تھی جو کھانا لانے میں صرف ہوئی، اس لیے میں نے اس سے پرہیز کیا۔

اللہ اللہ! یہ تقویٰ، اللہ کی حدوں سے دور رہنے کا طریقہ واقعی یہی ہے۔

حضرت مقاتل بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ ایک دن میں حماد بن

سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کے گھر کا اثاثہ ایک بوریے، ایک کھال، قرآن کریم اور ایک لوٹے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی اثنا میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ خلیفہ وقت محمد بن سلیمان ہیں۔ خلیفہ اندر آئے اور بیٹھ گئے اور حماد رحمۃ اللہ علیہ سے یوں گویا ہوئے: یا حضرت! جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرے تمام جسم میں خوف اور ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسا عالم جس کا علم حاصل کرنے کا مقصد رضائے الٰہی کو حاصل کرنا ہو، سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اور جس عالم کا مقصود دنیا ہو وہ سب سے ڈرتا ہے۔ پھر خلیفہ نے ہزار درہم پیش کیے کہ انھیں کام میں لائیں تو حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جاؤ، یہ ان کے مالک کو واپس دے دو۔ تو خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں نے یہ میراث حلال سے حاصل کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مجھے ان کی ضرورت نہیں، تو خلیفہ نے کہا کہ ان کو مستحقین ہی میں تقسیم فرما دیجیے۔ تو آپ نے جواب دیا: اگر میں ان کو انصاف سے تقسیم کروں تو کوئی یہ کہہ کر گنہگار نہ ہو جائے کہ انصاف سے کام نہیں لیا۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا آپ نے وہ درہم نہ لیے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:225)

☆☆☆

اٹھارہواں وعظ

دربیانِ شراب خوری

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ، آیت:90-91)

ترجمہ: سب تعریفیں اس خالق حقیقی و برحق کے لیے سزاوار ہیں جس نے ہمیں اپنی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازنے کے لیے خاتم الانبیاء سید الاتقیاء نور مجسم شفیع مجرمان سیدنا محمد ﷺ کو ایسے وقت میں گمراہی و ضلالت کے گڑھے سے نکالنے کے لیے وسیلہ بنا کر بھیجا جبکہ ہم اپنے معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر شیطانی اعمال، مثلاً بت پرستی، جوئے، شراب، زنا اور غارت گری کی طرف راغب تھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے ہم میں اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! بے شک شراب خوری، جوے بازی، بت پرستی اور پانسہ وغیرہ ناپاک اور شیطانی اعمال ہیں، ان سے اجتناب کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے شراب خوری اور جوے بازی سے

اجتناب کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ یہ اعمال شیطانی ہیں اور گناہوں اور معاشرتی خرابیوں کا باعث ہیں، اس لیے انسان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ شیطانی اعمال سے پرہیز کرے۔

شراب کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ نجس قرار دیا ہے، اس لیے اس کا پینے والا بہر صورت گندہ اور ناپاک ہوگا۔ اس کے ہاتھوں کو شراب لگے گی تو وہ بھی گندے ہوں گے، منہ اور پیٹ بھی گندے ہو جائیں گے اور اسی طرح شراب کی گندگی سے دل گندہ ہوگا اور جس کا قلب گندہ ہو خدا کی یاد کب اس کے دل میں گھر کرے گی۔ شیطان اس پر غالب آئے گا اور ایمان ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرِبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرِبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ ۝

(رواہ الشیخان، زواجر، صفحہ:126)

یعنی زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری کرتا ہے تو کامل مومن نہیں ہوتا اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ کامل مومن نہیں ہوتا ہے۔

شراب ایک نشہ آور مشروب ہے۔ جس سے انسان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا واضح دشمن شیطان ہے۔ جو نسلِ انسانی کی پیدائش سے ہی اسے گمراہ کرنے کی طرف راغب ہے۔ موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی وقت ہو جب حضرتِ انسان غافل ہو تو اسے خدا پرستی سے ہٹا کر شیطانی اعمال کی طرف رجوع کر دے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے بار بار اس ضعیف العقل انسان کو متنبہ کیا ہے کہ شیطان تیرا دشمن ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کر۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللہِ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۝

ترجمہ: شیطان ہمیشہ اسی تاک میں رہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں عداوت اور بغض پیدا ہو اور تم ذکرِ الٰہی اور نماز سے غافل ہو جاؤ۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ جل شانہ نے واضح فرما دیا ہے کہ شراب خوری نہ صرف انسان کو نماز اور ذکرِ الٰہی سے غافل کرتی ہے بلکہ شراب انسان کی دشمن اور دوسری معاشرتی خرابیوں کا پیش خیمہ بھی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ہے:

اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا اُمُّ الْخَبَائِثِ ۝ (زواجر، صفحہ:126)

ترجمہ: شراب خوری سے پرہیز کرو کہ یہ سب برائیوں کی اصل اور ماں ہے۔

پھر روایت میں فرمایا کہ: اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ ۝

(رواہ الحاکم، زواجر، صفحہ:127)

ترجمہ: شراب سے بچو، یہ ہر شرارت کی کنجی ہے۔

یعنی ہر قسم کی برائی اور شرارت شراب سے پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے انسان کو شراب خوری سے اجتناب کرنا چاہیے۔

انسان کی معاشرتی زندگی کا انحصار خود ایک دوسرے کے ساتھ تعاون، محبت اور بھائی چارے پر ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے مل جل کر اپنے کام کاج میں سہولت پیدا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے خوراک، کپڑا اور دوسری اشیائے صرف مہیا کرتے ہیں۔ پھر دیکھ بھال اور حفاظت میں بھی ہمارے بھائی ہماری مدد کرتے ہیں۔ اگر ہمارے معاشرے میں ایسی خرابیاں پیدا ہوں اور ہم میں نفاق اور دشمنی پیدا ہو جائے اور ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں، اس طرح سے یہ دنیا کا نظام احسن طریقے سے نہ چل سکے گا۔ یعنی ہمارا معاشرہ درست نہ ہوگا۔ ایک مثال لیجیے کہ:

شراب نوشی کرنے والا شراب کے نشے میں بے ہوش ہو جائے گا۔ اسے اپنے پرائے کی تمیز نہ ہوگی۔ چونکہ اسے اپنے قویٰ پر اختیار نہ ہوگا تو اس ام الخبائث کے اثر سے اس سے زنا صادر ہو جائے گا۔

جب شرابی کسی عورت سے زنا کرے گا تو اس عورت کے ورثا اس چیز کو برداشت نہیں کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّسَآءَ سَبِیْلًا ۝

ترجمہ: بے شک زنا بے حیائی اور بہت بری راہ ہے۔

تو میرے بھائیو! زنا سے عورت کے وارث برانگیختہ ہوں گے، دشمنی کی آگ بھڑکے گی، فساد پیدا ہوگا اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچے گی۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہوگی، جس کی عزت تباہ ہوئی ہوگی وہ دوسرے کی عزت پر بھی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سب کچھ کس لیے ہوگا؟ کس وجہ سے ہوگا؟ شراب پینے سے۔

ہاں تو میرے دوستو! شراب پینے والا انسان بدمست ہوجاتا ہے، اللہ کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیطان اسے برائیوں کی طرف راغب کرتا ہے، اسے اپنے پرائے کا ہوش نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ماں، بہن یا بیوی میں تمیز نہیں کرسکتا ہے۔

چنانچہ زواجر میں صفحہ:130 پر مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم محمد ﷺ سے ایک دفعہ شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: هِيَ اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ وَاُمُّ الْفَوَاحِشِ ° مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ تَرَكَ الصَّلٰوةَ وَوَقَعَ عَلٰى اُمِّهٖ وَخَالَتِهٖ وَعَمَّتِهٖ °
یعنی یہ نہایت ہی کبیرہ گناہ ہے۔ تمام برائیوں کی ماں اور اصل ہے۔ جو شخص شراب پیتا ہے، نماز کو چھوڑ دیتا ہے اور اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی کے ساتھ زنا کرتا ہے۔

تو میرے بھائیو! یہ شراب جسے آج کل فیشن سمجھا جاتا ہے، کس قدر بری چیز ہے کہ اس کا بیچنا اور خریدنا بھی سخت گناہ ہے، اس کی فروخت پر بھی پابندی نہیں۔ بلکہ اس کے بنانے اور اس کی درآمد پر بھی پابندی چاہیے۔ تب کہیں اس نجس مشروب کی خرابیوں سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے۔

زواجر، حصہ: دوم، صفحہ:131 پر ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:

عَاصِرُهَا وَمُعْتَصِرُهَا وَشَارِبُهَا وَحَامِلُهَا وَالْمَحْمُوْلَةُ اِلَيْهِ وَسَاقِيْهَا وَبَائِعُهَا وَاٰكِلُ عَنْهَا وَالْمُشْتَرِيُّ لَهَا وَالْمُشْتَرٰى لَهٗ °

ترجمہ: بنانے والا اور بنوانے والا، پینے والا اور اٹھانے والا اور جس کے پاس اٹھا کر لائی گئی ہو اور پلانے والا اور بیچنے والا اور اس کے دام کھانے والا، خریدنے والا اور جس کے

لیے خریدی گئی ہو۔

معلوم ہوا کہ شراب کا بنانا، ٹھیکہ لینا، بیچنا، تباہی کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس موذی شے سے محفوظ رکھے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

دیکھنے میں تو شراب پینا ایک معمولی اور غیر اہم بات معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ہے یہ تمام برائیوں کی جڑ۔ اس طرح کہ شراب پینے سے بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔ شہوت غالب آجائے تو زنا کا ارتکاب ہوجاتا ہے، کوئی منع کرے تو لڑائی جھگڑے کا سخت امکان ہوتا ہے اور اسی جھگڑے یا اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے شرابی قتل کا مجرم بھی ثابت ہوسکتا ہے۔

حکایت

زواجر کے صفحہ:128 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے کہ ایک عابد اللہ تعالیٰ کی یاد میں لوگوں سے جدا ہو کر تنہائی اختیار کرتا تھا اور خدا کی عبادت وریاضت میں مصروف ہوتا تھا۔ لیکن شیطان بھی اس کے لیے اپنے مکر کے جال پھیلانے میں مصروف تھا کہ ایک عورت خوب صورت اس پر عاشق ہوگئی اور اسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگی۔ اس عورت نے اپنے خاوند کو اس عابد کے پاس بھیجا کہ اسے بلالائے اور ایک گواہی کا بہانہ بنایا۔ وہ عابد اس کے خاوند کے ساتھ ہولیا اور جب اس مکار عورت کے مکان میں داخل ہوا تو خاوند نے دروازے بند کردیے اور وہ اس مکان میں مقفل ہوگیا۔ اب اس کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے سامنے ایک خوبصورت عورت بیٹھی تھی جس کے پاس ایک لڑکا تھا اور ایک برتن میں شراب تھی۔ جب اس عورت سے عابد نے بلانے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں نے تمھیں کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا۔ میں نے صرف تجھے اپنی محبت کی تسکین کے لیے بلایا ہے کہ تو میرے ساتھ زنا کرے، یا یہ شراب پی لے یا اس لڑکے کو قتل کردے۔ اگر تو ان کاموں کی تکمیل سے انکار کرے گا تو میں شور کروں گی اور جس مصیبت میں گرفتار ہوگا تجھ پر ظاہر ہے۔ چنانچہ اس عابد نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ ان گناہ کے کاموں میں ایک شراب پینا ہی آسان کام ہے جس سے میرے زہد میں فرق نہ آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے شراب کا پیالہ لے کر پی لیا

جس سے اس میں مدہوشی پیدا ہوگئی اور شہوت غالب آئی اور زنا کا ارتکاب کیا اور پھر اس زنا کے فعل کو چھپانے کے لیے اس لڑکے کو بھی قتل کرنا پڑا۔

تو میرے بھائیو! یہ ہے انجام شراب نوشی کا کہ اس عابد نے جس قدر گناہوں اور ظلم سے بچنے کی کوشش کی تھی شراب نے سب گناہ اسی کے ہاتھ سے کروائے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ شراب کے نشے میں مدہوش رہنے والا اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے آپ کی خبر نہیں ہوتی، کیونکہ اسے نماز اور ذکرِ الٰہی کا خیال کہاں؟

زواجر میں صفحہ:126 پر ابن ابی الدنیا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کے پاس سے گزرا جو شراب کے نشے میں بدمست تھا، اس کی بے ہوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کرتا تھا اور اس پیشاب سے وضو کی مانند ہاتھ منہ دھوتا تھا اور پڑھتا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ الْاِسْلَامَ نُوْرًا وَّالْمَاءَ طَهُوْرًا۔

تو میرے دوستو! یہ شراب نوشی کا اثر ہے کہ پانی اور پیشاب میں تمیز نہیں، تو وہاں اللہ اور نماز کا کہاں خیال؟ اگر وہ نماز پڑھے گا بھی تو بے ہوشی میں ناجائز کلمات کہہ جائے گا جو کفر کا باعث ہوں گے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ۔ ترجمہ: نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔

یعنی ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے کہ پڑھنے والے کو خود اس بات کی سمجھ نہیں کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اس سے نماز ساقط نہیں ہو جاتی بلکہ نماز کے لیے ہوش میں آنا ضروری ہے۔ اگر نماز پڑھنے میں نیند کا غلبہ ہو کہ جو پڑھے سمجھ میں نہ آئے تو نماز نہ پڑھے جب تک ہوش میں نہ آ جائے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے گندے اور بے ہوش شرابی کی نماز قبول کیسے فرمائے گا جو شراب جیسی نجس چیز پی کر ناپاک ہو گیا ہو۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:317 پر ارشادِ نبوی یوں منقول ہے:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ

اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَّهْرِ الْخَبَالِ۔

ترجمہ: جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ پس اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ پھر اگر وہ شراب کی طرف لوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرتا پھر اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اگر چوتھی مرتبہ لوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ اب اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں کرتا یعنی توبہ کی توفیق نہیں۔ وہ بلا توبہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کو پیپ کی نہر سے پلائے گا۔

ہاں تو میرے دوستو! نشہ آور چیزیں خواہ شراب ہو یا افیون ہو یا بھنگ وغیرہ سب حرام ہیں اور ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعض شراب کو بُرا خیال کرتے ہوں گے لیکن بھنگ اور افیون وغیرہ کو استعمال کرنا ناجائز نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ان کا کھانا، پینا بھی مثل شراب حرام ہے۔

زواجر میں بعض علما سے منقول ہے کہ افیون اور بھنگ شراب سے زیادہ خبیث ہیں۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے بھنگ اور افیون سے بچنے کا ارشاد فرمایا ہے، کیونکہ یہ انسانی دماغ میں فتور پیدا کرتی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ:320 پر ابوداؤد سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر منشی و مسکر شے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ افیون اور بھنگ بھی نشہ آور اور مسکر ہونے کی وجہ سے اس میں شامل ہیں۔ درمختار میں ہے:

يُحَرَّمُ اَكْلُ الْبَنْجِ وَالْحَشِيْشَةِ وَوَرَقُ الْقِنَّبِ وَالْاَفْيُوْنَ لِاَنَّهٗ مُفْسِدُ الْعَقْلِ وَيَصُدُّ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: حرام ہے کھانا جوائن، خراسانی اور بھنگ وافیون کیونکہ یہ عقل کو بگاڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روکتی ہیں۔

افیون اور شراب میں فرق شرعی صرف یہ ہے کہ شراب کی شرعی سزا اسّی 80 کوڑے ہیں لیکن بھنگ اور افیون کے استعمال پر حدِ شرعی نہیں بلکہ تعزیر لگے گی کہ جو سزا قاضیِ وقت مناسب خیال کر کے تجویز کرے۔

دوستو! نشہ آور مثلاً شراب وغیرہ پینے والے کا دنیاوی حشر تو آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ دنیا میں اس کے لیے کس قدر خرابی ہے۔ اب ذرا اس کی عاقبت کا اندازہ بھی لگائیے کہ کس قدر ناپاک ہوتی ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:317 پر مسلم کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللهِ عَهْدًا لِمَنْ يَّشْرِبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَّسْقِيَهٗ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ ۔

یعنی ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص نشہ آور شے پیئے گا، میں اس کو طینۃ الخبال پلاؤں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) طینۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا: جہنمیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا پیپ۔

اور بعض روایت میں ہے کہ زانیہ عورتوں کے فرجوں کی پیپ پلائی جائے گی۔ (زواجر، صفحہ:127)

اور مشکوٰۃ، صفحہ:318 پر ترمذی کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَّلَا قَمَّارٌ وَّلَا مَنَّانٌ وَّلَا مُدْمِنُ الْخَمْرِ ۔

یعنی والدین کا نافرمان، جوئے باز، احسان جتلانے والا اور شرابی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

شرابی کا منہ قبلے سے پھیر دیا جاتا ہے

زواجر میں صفحہ:132 پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: جب کوئی شرابی مرجائے اس کو قبر میں دفن کر کے مجھے سولی پر چڑھا دو پھر شرابی کی قبر کھودو۔

اگر اس کا چہرہ قبلہ سے پھرا ہوا نہ پاؤ تو مجھے سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دو۔

دیکھو مسلمانو! شرابی کو کس قدر نجس خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا چہرہ بھی قبلہ رخ کرنے کی اجازت نہیں اور قبر میں اس کے لیے جو عذاب ہے اللہ تعالیٰ اس عذاب عظیم سے سب کو محفوظ رکھے۔

حکایت

زواجر میں صفحہ:133 پر ایک روایت یوں منقول ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا لڑکا فوت ہو گیا، میں اس کو قبر میں دفن کر آیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کے سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے بچے سے دریافت کیا کہ میں نے تجھے اس حال میں دفن کیا تھا کہ تو چھوٹا سا تھا لیکن تیرا سر کیونکر سفید ہو گیا۔ تو بچے نے جواب دیا: ابا جان! جب مجھے دفن کیا گیا تو اس کے بعد ایک شرابی کو میری قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ جب وہ قبر میں لایا گیا تو دوزخ کی آگ بھڑکی جس کے بھڑکنے سے کوئی بچہ ایسا نہ رہا جس کا سر سفید نہ ہوا ہو۔

اللہ اللہ! میرے دوستو! یہ ہے شرابی کا انجام۔ اللہ تعالیٰ اس نجس اور ظالم مشروب سے سب کو بچائے۔ (آمین)

حکایت

زواجر میں اسی صفحہ پر ایک اور حکایت یوں بیان کی گئی ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ایک جوان روتا ہوا دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھ سے ایک گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ ہے؟ خلیفہ نے کہا جو گناہ بھی ہے دربارِ خدا عزوجل میں توبہ کرو، وہ قبول کرے گا، کیونکہ وہ تواب الرحیم ہے، عفو و غفور ہے، تیرے گناہ معاف کر کے درگزر فرمائے گا اور وہ کیا جرم ہے جو تجھ سے سرزد ہوا؟

جوان نے کہا: اے امیر المومنین! میں نے کفن چرانے کے لیے چند قبریں کھودیں اور کچھ عیب کی باتیں دیکھیں۔ خلیفہ نے کہا: بیان کر۔ اس جوان نے عرض کیا کہ میں نے ایک قبر کھودی تو دیکھا کہ میت کا منہ قبلہ سے پھرا ہوا ہے، یہ دیکھ کر ڈر گیا اور قبر سے باہر نکلا۔ اس پر

کسی نے کہا: اس کے قبلہ سے رخ پھرنے کی وجہ پوچھ، جب میں نے پوچھا: تو آواز آئی کہ یہ نماز کو ہلکا اور معمولی سمجھتا تھا۔ پھر میں نے ایک قبر کھولی دیکھا کہ مردہ بصورت خنزیر ہے اور اس کی گردن میں طوق وزنجیر ہے، میں ڈر کر باہر نکلا تو وہی آواز آئی، میرے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ شراب خور تھا اور بلا توبہ کیے مر گیا، اس لیے اس کو یہ عذاب دیا گیا ہے۔

پھر اس جوان نے عرض کیا: میں نے ایک اور قبر کھودی تو دیکھا کہ میت آگ کی میخوں سے بندھا ہوا ہے اور اس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور قبر سے باہر نکلا تو وہی آواز آئی کہ اس مردے کی سزا کے بارے میں پوچھو، تو میں نے کہا: یہ میت کیوں اس عذاب میں مبتلا ہے؟ آواز آئی: یہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور یہ چغل خور بھی تھا، اس لیے اسے یہ سزا دی گئی ہے۔ پھر ایک اور قبر کھودی تو اس میں دیکھا کہ مردے کو آگ لگی ہوئی ہے، باہر نکلنا چاہا تو پھر وہی آواز سنائی دی کہ اس مردے کے بارے میں بھی دریافت کر۔ چنانچہ میں نے اس مردے کا حال پوچھا، تو جواب ملا کہ یہ نماز کا تارک تھا۔

اس کے بعد اس جوان نے ایک اور قبر کا حال بیان کیا کہ اس قبر کی مٹی ہٹا کر دیکھا تو قبر کو بہت وسیع پایا، تاحدِ نظر کنارہ نہ تھا۔ وہ قبر نور یزدانی سے روشن ومنور تھی۔ میت ایک تخت پر محو خواب تھا۔ عمدہ اور نفیس قسم کا لباس زیب تن تھا، اس کے چہرے سے نور ایمان فروزاں تھا۔ مجھ پر اس کی ہیبت اور رعب کا اثر ہوا، میں نے حسب سابق اس مرد خدا کے بارے میں بھی دریافت کیا، تو آواز آئی کہ یہ وہ شخص ہے جس نے جوانی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی اور برے کاموں سے بچا اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتا رہا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب خور کے لیے سزا رکھی ہے اور وہ کسی صورت اس سے بچ نہیں سکتا۔ جب تک کہ سچے دل سے تائب نہ ہو۔

میرے دوستو! اس وقت موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور شراب پینے والے حضرات تہہ دل سے توبہ کریں تا کہ ان کی مغفرت اور نجات کی سبیل پیدا ہو۔ کیونکہ شراب پینے والے کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اگر وہ اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کا فرمانِ گرامی سنے اور اللہ کے خوف سے ڈر کر توبہ کرے اور شراب پینا چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جائے گا، اسے

بخش دے گا اور اس کے لیے جنت کی نعمتیں خاص کر دے گا۔ ورنہ اللہ کا عذاب ٹل نہیں سکتا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ایسے توبہ کرنے والوں کے لے بشارت دی ہے:

حَلَفَ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ بِعِزَّتِيْ لَا يَشْرَبُ عَبْدٌ مِّنْ عَبِيْدِيْ جُرْعَةً خَمْرٍ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَّخَافَتِيْ اِلَّا سَقَيْتُهٗ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ۔ (رواہ احمد، مشکوۃ، صفحہ:318)

ترجمہ: میرے رب عزوجل نے قسم کھائی کہ مجھے اپنی عزت کی قسم! میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیے گا میں اُسے اتنی ہی پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے اسے چھوڑے گا اسے حوضِ قدسی سے پلاؤں گا۔

میرے دوستو! اب توبہ کا وقت ہے۔ کیوں نہ ہم توبہ کریں اور خدا عزوجل اور اس کے پیارے رسول ﷺ سے کیے ہوئے وعدوں کے مطابق خیر حاصل کریں۔ کیونکہ یہ شراب خانہ خراب دنیا اور آخرت میں انسان کی تباہی اور مصیبت کا باعث بنتی ہے۔

شراب پینے والی قومیں سستی اور تساہلی کا شکار ہو جاتی ہیں اور کمزوریِ قلب سے بزدلی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور لوگ خود غرضی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شراب پینے والی قوم فاتح نہیں ہو سکتی۔ اپنے آباواجداد کو دیکھو۔ جب تک شراب سے متنفر رہے، سارے ہندوستان پر حکمراں رہے، لیکن جب مسلمانوں میں شراب خوری عام ہو گئی، ان کی تباہی لازم ہو گئی۔

انگریز قوم اگر کسی علاقے پر حکومت کر گئی ہے تو صرف اپنی چالوں اور شیاطین سے گٹھ جوڑ کر کے دھوکہ دہی سے۔ کیونکہ انگریز شراب خوروں کے پاس سوائے فریب کاریوں کے اور کچھ نہ تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ انگریز قوم بزدل تھی اور اپنی مکاریوں سے اور جنگی چالوں سے کامیاب ہوتی رہی۔ کیونکہ انگریزوں کو کامیاب بنانے والے مسلمان غدار سپہ سالار ہی تھے یا محکوم ہندو اور دوسرے مذاہب۔

ہاں! تو میں بہت دور جا چکا، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں بعض لوگ شراب کو

صحت کے لیے مفید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو بطور دوا استعمال کرتے ہیں۔

میرے دوستو! شراب میں بالکل شفا نہیں بلکہ شراب ایک وقتی محرک اور مدہوش کرنے والی چیز ہے۔ بالآخر اس کا انجام سب پر عیاں ہے کہ یہ باعثِ تباہی و بربادی ہے۔ طبی نکتۂ نظر سے دیکھیے تو شراب اعصاب کو کمزور کر کے بے ہوشی لاتی ہے اور بار بار کی اس حرکت سے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور انسان مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً اختلاج قلب یعنی دل کی کمزوری کی وجہ بن جاتی ہے۔ شرابی اکثر اوقات حرکتِ قلب بند ہونے سے مرتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ کوئی صورت نہیں کہ شرابی کو کلمۂ طیبہ نصیب ہو۔ پھر شرابی عموماً بلڈ پریشر یا فشارِ خون کے مریض ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی اعصابی بیماریاں ہیں جن کا گنوانا اس وقت ممکن نہیں۔ بس یوں ہی سمجھئے کہ ہمارے آقا و مولا شفیع وشانی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک بیماری اور مرض قرار دیا ہے تو ہم اسے کیونکر دوائی تسلیم کر لیں۔

مشکوٰۃ شریف میں مسلم سے روایت ہے کہ حضرت طارق بن سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں عرض کیا:

اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّ دَاءٌ

یعنی ہم تو اسے دوا کی غرض سے تیار کرتے ہیں، تو فرمایا: یہ کوئی دوائی نہیں ہے بلکہ یہ تو خود ایک بیماری ہے۔

تو میرے دوستو! دیکھ لو بمطابق فرمانِ نبوی شراب خانہ خراب جو اس قدر برائیوں اور خرابیوں کی قائل ہے، دوا کیسے ہو سکتی ہے۔

حکایت

ذرا دوائی کے طور پر پینے والے کا حال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

زواجر میں صفحہ 13 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے: حضرت فضیل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک شاگرد قریب المرگ تھا۔ میں اس کے پاس گیا اور کلمہ شریف پڑھنے کی تلقین کی تو اس کی زبان نہ چلتی تھی۔ میں نے دوبارہ کلمہ پڑھنے کے لیے کہا تو کہنے

لگا: میرا دل بے زار ہے اور میں کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ **(نعوذ باللہ من ذلك)** آپ روتے ہوئے باہر نکل آئے۔ پھر کچھ مدت کے بعد انھوں نے اس شاگرد کو خواب میں دیکھا کہ فرشتے اس کو دوزخ میں گھسیٹ رہے ہیں۔ تو میں نے اس سے پوچھا: وہ تیرا ایمان و صالح اعمال کہاں گئے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ مجھے ایک بیماری لاحق تھی اور میں ایک طبیب کے پاس گیا۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ سال میں ایک بار ایک پیالہ شراب پی لیا کرو۔ وہ تمہارے لیے کافی ہوگا۔ ورنہ تمہارا یہ مرض ختم نہ ہوگا۔ لہٰذا مجھے اس مشورے پر عمل کرنا پڑا اور یہ میرے اس عمل کی سزا ہے۔

دوستو! یہ دیکھو دوائی آخرت کے لیے وبال بن گئی۔ اللہ تعالیٰ اس نجاست سے سب مسلمان بھائیوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

انیسواں وعظ

در بیانِ زِنا ولواطت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ° بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ °

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا ° (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:32)

سب سے اوّل اس خالق حقیقی کی درگاہ میں نذرانۂ حمد وثنا لے کر حاضر ہوتا ہوں کہ اس نے انسان کی تخلیق احسن طریقے سے کی اور پھر انسان کی ہدایت اور اس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے طرح طرح کے اسباب وسامان مہیا کیے کہ کسی دیگر کی طاقت وقدرت میں ان اسباب کا سمجھنا بھی محال وناممکن ہے۔ پھر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ باصفات پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب بنالیا اور ہماری ہدایات پر مامور فرمایا۔ کسی قوم یا اُمت کو ایسا رہبر نصیب نہ ہوا، جس نے اللہ کے گمراہ بندوں کو زنا کاری، شراب خوری، غارت گری اور بے حیائی کے برے اور قبیح افعال کی مضرتوں سے آزاد کر کے انھیں مہذب انسانوں کی سی زندگی بسر کرنا سکھایا۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ خود تو زنا کاری اور بے حیائی میں اپنی بہادری خیال کرتے تھے لیکن اپنی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے یا مار ڈالتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قبیح اور بری عادت کو پسند نہ فرمایا اور نوع انسان کی ہدایت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا کہ احکام خداوندی ان تک پہنچائیں اور ان کو اللہ کے عذاب

سے ڈرائیں اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیں۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے جو زنا اور بدکاری سے بچنے کے لیے حکم دیا وہ اس طرح سے ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا °

یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے اور نہایت بری راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریاتِ زندگی مہیا کر کے پھر اس کی نسل کو بڑھانے کے لیے ایک اہم قاعدہ اور کلیہ بنا دیا جس کے تحت انسان اپنی نسل کو برقرار رکھ سکتا ہے اور برائیوں سے بچ سکتا ہے۔ پھر انسان کو اختیار دیا کہ دو یا تین یا چار بیویاں بھی بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے مگر ان میں عداوت ومساوات لازم ہے تاکہ ازدواجی زندگی پورے اطمینان سے بسر ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا:

فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا °

ترجمہ: نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمھیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار، پھر اگر ڈرو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی کرو، یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔

جب مالکِ حقیقی نے انسان کو اس قدر رعایت دی ہے اور اتنے اختیارات دیے ہیں کہ چار بیویوں سے بیک وقت اور اس سے بڑھ کر اپنی لونڈیوں سے تعلقاتِ ازدواجی قائم رکھ سکتا ہے تو اس سے زیادہ انسان میں قدرت کہاں تک ہوگی۔

میرے دوستو! آج کل تو انسان میں پانی ملے دودھ یا چائے اور بناسپتی گھی کا اثر ہے کہ جوانی میں ہی گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے اور افیون وشراب کا نشہ کرنے والے یا عیاش لوگوں کی اولاد کہاں تک طاقتور ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بھی تجاوز کر جائے۔

لطیفہ

ایک شخص کسی ڈاکٹر کے پاس گیا اور اسے علیحدگی میں لے جا کر رازداری کی گفتگو شروع کی کہ میں ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور وہ مانتی نہیں، کہتی ہے کہ تم بوڑھے اور نااہل ہو۔ اب میں اس پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں یوں کہ مجھ میں ابھی بے پناہ طاقت ہے۔ آپ مجھ پر رحم فرمائیں اور مجھے کوئی ایسی دوائی دیں یا انجکشن لگا دیں کہ رات کو اسے مسخر کر سکوں۔ وہ ڈاکٹر عقل مند تھا، سمجھ گیا کہ وہ اس اقدام سے اس بے حیائی میں برابر کا شریک ہوگا اور اسے گناہ سے بھی باز رکھنا چاہیے تو اس نے اسے ایک مکچر بنا کر پلائی جس میں ایک ایسی دوائی ڈال دی جو اس کی خواہش کے منافی تھی۔ اس طرح وہ رات کو حرام کاری سے محفوظ رہا اور صبح ڈاکٹر کو جا کر کوسنے لگا۔

تو میرے دوستو! آج کل شراب خوری، زنا کاری یا بدکاری ایک فیشن کے طور پر کی جاتی ہے نہ کہ کسی مجبوری کے تحت۔ جب اللہ تعالیٰ نے اتنی رعایتیں دی ہیں تو پھر کیوں نہ پابندی لگائے کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔

(سورۂ مومنون، آیت: 5-7)

ترجمہ: جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں اور باندیوں سے، ان پر ملامت نہیں اور جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

میرے دوستو! زنا کرنے والا حد سے گزر جاتا ہے اور بے حیائی پر اُتر آتا ہے، بے شک بے حیائی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور اللہ عزوجل اس شخص پر ناراض ہو جاتا ہے جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ: 17 پر حضور نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

ترجمہ: زنا کرنے والا جس وقت زنا کرتا ہے، مومن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے، مومن نہیں رہتا اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے مومن نہیں رہتا۔

جب وہ ایماندار نہیں رہا تو خدا سے دور ہوا اور اسلام سے خارج ہوا۔ بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور شیطان کی پیروی کی کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہونے کی وجہ سے انسان کو گمراہ کر کے ہی خوش رہتا ہے۔

ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی ہے کہ شیطان سے بچو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (سورۂ نور، آیت: 21)

ترجمہ: اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور جس نے شیطان کی پیروی کی (جان لے کہ) وہ تو بے حیائی اور نامعقول باتوں کی ہی ترغیب دے گا۔

لیکن جو لوگ اللہ کے بتلائے ہوئے راستے سے بھٹک جاتے ہیں اور شیطان کی پیروی میں ایسا کام کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے نا ہنجار ظالموں پر ناراض ہو جاتا ہے اور ان کو سخت سزا دینے کا حکم فرماتا ہے۔

چنانچہ ایسے بدکاروں کے لیے اٹھارویں پارہ سورۂ نور میں ارشاد فرماتا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورۂ نور، آیت: 2)

ترجمہ: زانی اور زانیہ (غیر شادی شدہ) میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ تعالیٰ کے دین میں، اگر تم اللہ اور پچھلے دن (قیامت) پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کی سزا مومنوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں دی جائے۔

لوگوں کے سامنے کھلی کچہری میں ایسی سزا دینے کا حکم اس لیے فرمایا کہ زانی اور زانیہ کو

شرمساری ہو اور دوسرے ناظرین بھی اس سے عبرت حاصل کریں کہ آئندہ ایسے جرم و گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔

شادی شدہ مرد اور عورت اگر ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انھیں سرے سے ختم ہی کر ڈالنا چاہیے کہ وہ تو قوم کے لیے باعثِ ننگ و بے حیائی ہیں۔ ایسے جوڑے کے لیے حکم ہے کہ انھیں رجم یعنی سنگسار کر کے ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا ° (منسوخ التلاوۃ)

یعنی شادی شدہ مرد یا عورت جب زنا کریں تو انھیں سنگسار کر ڈالو۔

مسلمانو! زنا ایسا بدترین اور قبیح فعل ہے کہ زانی کے وجود کو نہ دنیا میں پسند کیا جاتا ہے نہ آخرت میں برداشت کیا جائے گا۔ یوں تو زنا بہت قبیح فعل ہے لیکن ایسی صورتیں بھی ہیں کہ اس کی قباحت و سزا بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً خاوند والی عورت سے زنا کرنا نہایت قبیح ہے۔ محارم کے ساتھ زنا کرنا بھی بہت قبیح ہے۔

ہمسایہ کی عورت سے زنا کرنا عام عورت سے زنا کرنے کی نسبت دس گنا سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ چنانچہ زواجر، حصہ: دوم، صفحہ: 113 پر مرقوم ہے:

ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کیا اور وہ قیامت تک حرام رہے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَاَنْ يَّزْنِيَ الرَّجُلُ بِعَشْرَةِ نِسْوَةٍ اَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّزْنِيَ بِامْرَأَةِ جَارِهٖ °

(رواہ احمد، زواجر، صفحہ: 113، جلد: 2)

ترجمہ: دس عورتوں سے زنا کرنا اپنی پڑوسی کی ایک عورت کے ساتھ زنا کرنے سے آسان ہے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ: 16 پر ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: اَنْ تَدْعُوْا لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ ° یعنی تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔

عرض کیا: اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَهٗ مَعَكَ ° یعنی اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔

عرض کیا: پھر کون سا گناہ ہے؟ تو فرمایا: اَنْ يَّزْنِيَ خَلِيْلَةَ جَارِكَ ° یعنی تو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔

دوستو! اس کے بعد اس شخص کے لیے زیادہ قباحت ہے جو باکرہ کی نسبت ثیبہ سے زنا کرے۔ آزاد کو غلام سے زیادہ گناہ ہے اور اسی طرح عالم جاہل کی نسبت زیادہ گناہ کا حامل ہوگا۔ بوڑھا زانی جوان کی نسبت زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

زواجر، حصہ: دوم، صفحہ: 113 پر مرقوم ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِسْكِيْنٌ مُّسْتَكْبِرٌ وَّلَا شَيْخٌ زَانٍ وَّلَا مَنَّانٌ °

(زواجر، صفحہ: 113، جلد: 2)

یعنی مسکین فقیر متکبر اور بوڑھا زانی اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

حدیث پاک میں ہے: اِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ لَيَلْعَنُ الشَّيْخَ الزَّانِيَ ° (زواجر، صفحہ: 113)

یعنی بے شک ساتوں آسمان اور ساتوں زمین بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى الشَّيْخِ الزَّانِيْ وَلَا اِلَى الْعَجُوْزِ الزَّانِيَةِ ° (زواجر، صفحہ: 111)

یعنی بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔

مسلمان بھائیو! زنا کی قباحت کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور آخرت میں بھی، تو جو عذابِ الیم اللہ تعالیٰ دے گا وہ سب پر عیاں ہے۔

زِنا کرنے والا نہ صرف خود ہی فقیر ہو جاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی فقر و غربت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس طرح سے اطرافِ دنیا میں زنا عام ہو جاتا ہے تو دنیا فقر اور غریبی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور قحط پڑ جاتا ہے جیسا کہ فی زمانہ ظاہر ہے۔

زِنا کی نحوست سے عمر ناقص ہوتی ہے، یعنی عمر گھٹتی ہے۔ (زواجر، صفحہ: 111)

زنا نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے، یعنی زنا کے بعد میں تمام سابقہ نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں اور روزِ حساب زنا کے مقابلے میں تمام نیکیاں ہیچ ہوں گی۔

حکایت

زواجر، صفحہ:113 پر بنی اسرائیل کے ایک عابد کی حکایت یوں درج ہے کہ وہ عابد ساٹھ سال تک خدائے عزوجل کی عبادت میں مشغول رہا۔ ایک دن باہر نکل کر دیکھا کہ بارش ہو چکی ہے اور زمین کو اللہ تعالیٰ نے سرسبزی و شادابی عطا کر رکھی ہے۔ وہ اس محور کن موسم سے متاثر ہو کر سوچنے لگا کہ اگر میں اس عبادت خانہ سے باہر نکل کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤں تو خوب لطف آئے گا۔ چنانچہ وہ باہر نکل پڑا اور کسی مقام پر بیٹھ گیا۔ سوئے قسمت وہاں ایک عورت بھی آنکلی جو اس عابد کو دیکھ کر اس کے پاس آگئی اور مصروفِ گفتگو ہوئی۔ دورانِ گفتگو اس پر شہوت غالب آئی اور ان سے فعلِ بد یعنی زنا سرزد ہوا۔

اس عابد کے موت کے بعد جب اس کی ساٹھ سالہ عبادت کا وزن کیا گیا تو زنا کا وزن اس عابد پر غالب آگیا اور اس کی ساٹھ سالہ عبادت زنا کی نحوست سے ضائع ہو گئی۔

زِنا قہرِ الٰہی کو دعوت دیتا ہے، چنانچہ جب عوام میں زنا و بدکاری کی برائی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے کہ کسی کا اس عذاب سے بچنا محال ہو جاتا ہے۔

زانی پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے۔ اس کے چہرے سے نورِ ایمان نکل جاتا ہے اور چہرے کی زیب و زینت اور رونق جاتی رہتی ہے۔ زانی کو اپنے اہل یا اولاد میں سے دنیا ہی میں بدلہ چکانا پڑتا ہے۔

حکایت

مجالس سنیہ، صفحہ:41 پر اور زواجر، صفحہ:115 پر ایک روایت یوں ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک عالم سے سنا کہ زانی یا بدکار کو اپنی بدکاری کا بدلہ اسی دنیا میں اپنی اولاد سے دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس بات کی آزمائش کے لیے اپنی ایک خوب صورت بیٹی کو عمدہ لباس و زیورات پہنا کر ایک لونڈی کے ہمراہ شہر میں بھیجا کہ گلی کوچوں میں بے حجاب پھر کر آئے، اگر کوئی نگاہِ بد سے اس

کی طرف دیکھے یا کوئی بری حرکت کرے تو مزاحمت نہ کرے۔ چنانچہ وہ شہزادی شہر میں گئی تو جو کوئی اسے دیکھتا آنکھیں شرم و حیا سے نیچی کر لیتا۔ جب وہ شہر کا چکر لگا کر محل کے قریب آئی تو ایک شخص نے بڑھ کر شہزادی کا بوسہ لے لیا۔ شہزادی نے گھر پہنچ کر سارا معاملہ بادشاہ سے بیان کیا۔ تب بادشاہ نے کہا کہ زندگی میں، مَیں نے صرف ایک بار ایک بیگانی عورت کا بوسہ لیا تھا جس کا بدلہ آج مجھے اپنی بیٹی سے چکانا پڑا۔

تو میرے دوستو! حرام کار کو اس دنیا میں اپنے فعل بد کا بدلہ خود اپنے اہل و اولاد سے چکانا پڑتا ہے، خواہ اس کا یہ فعل کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔

حکایت

اسی طرح کی ایک اور حکایت نزہۃ المجالس میں صفحہ:82 پر مرقوم ہے:

ایک زرگر تھا جو زیورات بناتا تھا اور اس کی ایک نیک شریف اور خوب صورت بیوی تھی۔ ان کے یہاں ایک سقہ تیس سال سے پانی لاتا تھا۔ لیکن اس عرصے میں اس نے کبھی اس بی بی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ ایک روز جب وہ سقہ پانی لایا تو اس نے عورت کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پھر واپس چلا گیا۔ جب اس بی بی کا خاوند گھر آیا تو اِس نے اُس سے پوچھا: آج تجھ سے کوئی گناہ تو سرزد نہیں ہوا؟ تو اس نے جواب دیا: ایک عورت نے مجھ سے کنگن خریدے تھے۔ جب میں نے اس کا ہاتھ دیکھا، وہ مجھے اچھی لگی اور میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ اس کی بیوی نے کہا: آج تیرے اس گناہ کا بدلہ تیری بیویوں سے (مجھ سے) لے لیا گیا ہے اور اپنا قصہ بیان کیا۔ دوسرے دن اس ماشکی نے اس بی بی سے معافی مانگی تو اس عورت نے جواب دیا: یہ تیرا قصور نہ تھا بلکہ خود میرے خاوند کی کسی حرکت کا بدلہ تھا جو اسے اِس جہان میں مل گیا۔

دوستو! یہ تھا زانی اور بدکار کا اجر جو اسے دنیا میں مل جاتا ہے۔ اب ذرا ملاحظہ کیجیے کہ آخرت میں اللہ عزوجل جو قہار و جبار ہے، ایسے بدکار لوگوں سے کیا سلوک فرمائے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:41 پر ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ زبور میں درج ہے کہ زانی

مَردوں اور عورتوں کو اُن کے فرجوں سے دوزخ میں لٹکایا جائے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الزُّنَاۃَ یُعَلِّقُوْنَ بِفُرُوْجِھِمْ یَغْرِبُوْنَ عَلَیْھَا بَسَاطٌ مِّنْ حَدِیْدٍ° (مجالسِ سنیہ، صفحہ:41)

یعنی زانیوں کو اپنی فرجوں سے لٹکایا جائے گا اور ان کی فرجوں پر لوہے کے کوڑے مارے جائیں گے۔

وہ درد و کرب سے جب پکاریں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی حالت پر رحم نہ کھایا جائے گا بلکہ فرشتے کہیں گے کہ اب فریاد کرتے ہو اور چیختے ہو۔ بدکاری کرتے وقت خوش ہوتے تھے اور اپنے رب سے حیا نہیں کرتے تھے، اب اس بے حیائی کی سزا بھگتو۔

زواجر، حصہ: دوم میں صفحہ:112 پر طبرانی کی روایت یوں ہے:

اِنَّ الزُّنَاۃَ یَشْتَعِلُ وَجُوْھُھُمْ نَارًا°

ترجمہ: بے شک زانیوں کے چہروں میں آگ سلگتی ہوگی۔

یعنی اُن کے چہروں کو آگ جلائے گی اور وہ اس قدر تیز ہوگی کہ ان کے چہروں میں سلگتی ہوئی نظر آئے گی۔

زواجر کے اسی صفحہ پر ایک طویل حدیث درج ہے جس کے راوی سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ رات کو میں نے دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور زمین مقدس کی طرف مجھے لے گئے۔ ہم ایک سوراخ کے قریب پہنچے جو تنور کی مانند اوپر سے تنگ اور نیچے سے کھلا تھا۔ اس سوراخ میں آگ بھڑک رہی تھی جس میں کچھ برہنہ مرد اور عورتیں تھیں۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوتے تو وہ مرد اور عورتیں اوپر آ جاتے اور جب آگ کی لہر نیچے کو جاتی تو اس کے ساتھ ہی وہ بھی نیچے آگ کے اندر چلے جاتے۔ یہ وہ مرد اور عورتیں تھیں جنھوں نے زنا و بدکاری کا ارتکاب کیا۔ (از مشاہداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

زواجر کے صفحہ:113 پر ایک روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کا ارشاد ہے کہ محشر کے دن ایک بد بودار ہوا چلے گی جس سے ہر ایک کو تکلیف ہوگی۔ تو ایک آواز آئے گی کہ اے اہلِ محشر! کیا تم کو علم ہے کہ یہ بد بودار اور تکلیف دہ ہوا کہاں سے آ رہی ہے؟ عرض کریں گے ہم نہیں جانتے کہ یہ دماغوں کو خراب کرنے والی بد بو کہاں سے آ رہی ہے؟ تو جواب ملے گا: یہ بد بو زانیوں کے فرجوں کی ہے، جو بلا توبہ مر گئے تھے۔

اسی کے صفحہ:114 پر ایک حدیث نبوی میں ارشاد ہے:

اِنَّ مَنْ زَنٰی بِاِمْرَأَۃٍ مُتَزَوَّجَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھَا فِی الْقَبْرِ نِصْفُ عَذَابِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ فَاِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَحْکُمُ اللہُ تَعَالٰی زَوْجَھَا فِی حَسَنَاتِہٖ° (زواجر، صفحہ:114)

یعنی بے شک جو شادی شدہ سے زنا کرے گا تو قبر میں اس مرد اور عورت کو اس امت کا نصف عذاب ہوگا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اس زانی کی جملہ حسنات اس عورت کے خاوند کو دے دی جائیں۔

میرے بھائیو! یہ تھا عذابِ الٰہی اُن کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور زنا جیسے فعلِ بد کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بھلا سوچو تو ان لوگوں کا حشر کیا ہوگا جو غیر فطری فعل یعنی لواطت کے مجرم ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد میں جو قوتِ شہوت پیدا کی ہے، اس کا اصل استعمال نسلِ انسانی کو بڑھانا ہے نہ کہ غلط استعمال سے لطف حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ° وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ° بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ° (سورۂ شعرا، آیت:165)

یعنی تم عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے بدفعلی کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھاری زوجیت کے لیے پیدا کیا ہے، اس طرح تو تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔

قانونِ فطرت کو توڑ کر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کرنا ہر قسم کی مصیبتوں اور آفتوں کو دعوت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ایسی باتوں کو برداشت نہیں کرتا۔

انسانوں کی ایک قوم میں یہ فعلِ بد جب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو سب سے پہلے اس قوم کی ہدایت کے لیے کوئی ہادی مقرر فرماتا ہے تاکہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ کہنے کی جرأت نہ رہے کہ اسے اس جرم کا علم نہ تھا۔ چنانچہ اس قوم کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ۝ (سورۂ اعراف، آیت:81)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھیجا آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ ایسی بدفعلی کرتی ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے بھی نہیں کی۔ تم عورتوں کی بجائے مردوں (لڑکوں) سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو۔

لیکن وہ گمراہ لوگ اس حرکتِ بد یعنی لونڈے بازی سے باز نہ آئے بلکہ اُلٹا لوط علیہ السلام کو دھمکیاں دینا شروع کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور دوسرے فرشتوں کو بصورت طفلانِ خوبرو لوط علیہ السلام کے گھر بھیجا۔ جب ان بدکردار لوگوں کو علم ہوا تو انھوں نے خوشی خوشی حضرت لوط علیہ السلام کے خانۂ مبارک کا رُخ کیا۔ تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

یہ میرے مہمان ہیں تم اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ تو انھوں نے کہا:

اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ تم اَوروں کے معاملے میں دخل نہ دیا کرو۔ تو آپ نے فرمایا:

هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ۝ اگر تم چاہتے ہو تو میری (قوم کی) بیٹیوں سے نکاح کر لو تو وہ نابکار بجائے کسی سیدھی راہ پر آنے کے کہنے لگے:

لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِىۡ بَنٰتِكَ مِنۡ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِيۡدُ ۝

یعنی تجھے علم ہی ہے کہ ہمارا تمہاری ان بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور جس چیز کی تلاش میں ہم ہیں یقیناً آپ کو اس کا علم ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے آپ کی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا:

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ ۝

یعنی اپنے گھر والوں میں رات کا کچھ حصہ رہتا ہو تو لے کر تشریف لے جائیں کہ اس قوم کے ادبار کا وقت آ پہنچا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر اس صورت میں نازل ہوا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے:

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ۝ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ۝ (سورۂ حجر، آیت:75)

ترجمہ: پس دن چڑھے انھیں چنگھاڑ نے آلیا تو ہم نے اس بستی کے اوپر کا حصہ اس کے نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں سمجھ داروں کے لیے۔

دوستو! دیکھا کس طرح سے ان بدکردار لونڈے بازوں کو اللہ تعالیٰ نے نیست و نابود کیا اور ساتھ ہی فرمادیا: اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ۝

یعنی سمجھ داروں کے لیے بے شک اس واقعہ میں درسِ عبرت ہے۔

وقت آن پہنچا ہے کہ ہم بھی اس انجام بد کے متعلق سوچیں اور عبرت حاصل کریں۔ کیونکہ فرمانِ نبوی کے مطابق ہماری قوم میں بھی ایسے لواطت پسند لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کے پیدا ہونے کا خوف حضور نبی کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:312 پر ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیۡ اَخَافُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیۡ عَمَلُ قَوۡمِ لُوۡطٍ ۝ یعنی مجھے اپنی اُمت میں جس چیز کے پیدا ہونے کا زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (لواطت) ہے۔

چنانچہ آپ نے اس فعلِ بد کے مجرموں پر لعنت فرمائی:

مَلۡعُوۡنٌ مَنۡ عَمِلَ عَمَلَ قَوۡمِ لُوۡطٍ ۝ (مشکوٰۃ، صفحہ:312)

ترجمہ: جس نے لوط علیہ السلام کی قوم والا عمل کیا اس پر لعنت اور پھٹکار ہو۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جو شخص لواطت جیسے قبیح فعل کا مجرم ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کیوں نہ عذابِ عظیم دے گا۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب مرد مرد سے بدکاری کرتا ہے تو عرشِ عظیم کانپ اُٹھتا ہے اور ساتوں آسمان عرض کرتے ہیں کہ اجازت ہو تو اے پروردگار! ہم ان پر سنگ ریزوں کی بارش برسائیں اور زمین عرض کرتی ہے کہ اجازت ہو تو اے مالک! میں ان کو نگل جاؤں۔ تب ربّ جبار و قہار ارشاد فرماتا ہے کہ ابھی ان کو چھوڑ دو، میں ان سے جلد حساب لوں گا۔

اے دوستو! یہ اُمتِ محمدیہ ہونے کا صدقہ ہے کہ ابھی تک کوئی قہر و غضبِ الٰہی واضح صورت میں نازل نہیں ہوا اور نہ اس کا وبال ساری قوم پر ہے اور دیکھو کہ اب قوم کن حالات سے دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو عذاب ملے گا اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب مرد مرد کے ساتھ فعلِ بد کرتا ہے تو شیطان بھی ربِّ قہار کے عذاب کے خوف سے بھاگ جاتا ہے۔ (نزہۃ المجالس حصہ دوم، صفحہ:80)

مرد یا عورت کی دُبر میں وطی کرنے والا ایک طرح کا مجرم ہے کیونکہ دونوں میں ایک ہی طرح کا فعل ہے اور دونوں قانونِ فطرت کے خلاف ہیں۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:313 پر ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوْ اِمْرَاَةً فِيْ دُبُرِهَا۔ (رواہ ترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:313)

یعنی جو شخص مرد یا عورت کی دُبر میں وطی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کبھی نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا، یعنی اس پر قہر مسلط ہو جاتا ہے اور وہ غضبِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

ایسے بدکاروں کی زندگی سے اللہ، اس کے رسول اور تمام صحابہ کبار نے بےزاری کا اظہار کیا ہے اور انھیں فوری ختم کر دینے کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں صفحہ:312 پر ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: اَيْنَ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ

وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ، صفحہ:312)

یعنی جب کسی کو قومِ لوط والا عمل کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: فاعل اور مفعول دونوں کو جلا دو۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ: فاعل اور مفعول دونوں پر دیوار گرادو، تاکہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:313)

جن بدکرداروں کے لیے دنیا میں بےزاری کا اظہار کیا گیا ہے، آخر ان کے لیے عذاب کی جلدی ہی کی گئی ہے کہ وہ اپنے کردار کا پھل بہت جلد حاصل کر لیں۔

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ایک روایت میں درج ہے:

بے شک جب لوطی توبہ کیے بغیر مرجاتا ہے تو قبر میں خنزیر بنایا جاتا ہے اور ہر روز آگ ستر بار اس کے نتھنوں سے داخل ہو کر دُبر سے نکلتی ہے۔

زواجر، حصہ دوم صفحہ:118 پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول یوں درج ہے:

اِنَّ اللُّوْطِیَّ اِذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ تَوْبَةٍ مَسَخَ فِيْ قَبْرِهٖ خِنْزِيْرًا۔

یعنی بے شک جب لوطی بلا توبہ مرجائے تو قبر میں خنزیر بنایا جاتا ہے۔

نزہۃ المجالس میں اتنا اور زائد ہے کہ آگ ہر روز ستر دفعہ اس کے نتھنوں سے داخل ہو کر اس کی دُبر سے نکلتی ہے۔

میرے دوستو! ذرا عذابِ الٰہی کا مشاہدہ ہو کہ کس طرح ان لوطیوں کو آگ جلاتی ہے۔

حکایت

زواجر میں صفحہ:118 پر اور نزہۃ المجالس میں صفحہ:8 پر ایک حکایت یوں مرقوم ہے:

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک جنگل میں دیکھا کہ ایک شخص کو آگ لگی ہوئی ہے۔ جب اس آگ کو بجھانے کے لیے آپ نے اس پر پانی ڈالا تو وہ آگ ایک خوبرو نوجوان لڑکا بن گئی اور وہ مرد آگ بن گیا اور پھر اس نے اس لڑکے کو جلانا شروع کر دیا۔ اس پر آپ علیہ السلام بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی: یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مرد اور لڑکا زندہ ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس واقعہ کی وجہ دریافت کی۔ مرد نے کہا: یاروح اللہ! میں دنیا میں اس لڑکے پر عاشق تھا اور میری اس محبت میں شہوت نے غلبہ کیا اور میں لواطت کا مرتکب ہوا۔ پھر موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سزا دی ہے کہ کبھی لڑکے کو آگ بنا دیتا ہے جو مجھے جلاتی ہے اور کبھی مجھے آگ بنا دیتا ہے اور میں لڑکے کو جلانے لگتا ہوں اور یہ عذاب ہم پر تا قیامت رہے گا۔ نعوذ باللہ من عذابہ۰

نزہۃ المجالس، صفحہ:8 پر ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لڑکے بارگاہِ ایزدی تعالیٰ میں پیش ہوں گے جن کے بدن پر سر نہ ہوں گے۔ ربّ عزوجل شانہ ان سے پوچھے گا کہ تم کون ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم وہ مظلوم ہیں جن کو ہمارے آبا نے لڑکوں سے بدفعلی کے دوران ان کی دُبروں میں ڈال دیا۔ تو اللہ عزوجل کا غضب جوش میں آئے گا اور فرمائے گا ان لوطیوں کو دوزخ میں ڈال دو اور ان کے چہروں پر لکھ دو کہ یہ ہمیشہ رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں۔

دوستو! یہ تو بدلہ تھا بدفعلی کا جو لواطت کا ارتکاب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہ ختم ہونے والے عذابِ عظیم میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ اب ان صاحبان کا حال سنیے جو شہوت کی نظر سے کسی کی طرف دیکھتے ہیں کہ یہ عمل بھی لواطت و زِنا میں شامل ہے اور یہ گناہ وزِنا آنکھوں کا ہے۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء، صفحہ:390 پر ایک حکایت ہے:

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ تو آپ نے فرمایا: حق تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور جس گناہ کا میں نے اقرار کیا ہے اسے بخش دیا مگر ایک گناہ جس کا اقرار کرنے سے مجھے شرم آتی تھی۔ میں اس کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرے چہرے کا تمام گوشت اُتر گیا اور وہ گناہ یہ تھا کہ میں نے لڑکپن میں ایک لڑکے کو شہوت کی نظر

سے دیکھا تھا۔

مسلمانو! یہ تو بدلہ ہے ایک نظرِ بد سے دیکھنے کا، بھلا جو برائی کرتا ہے اُس کا حشر کیا ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ خود ہی لگائیں۔

زِنا و لواطت بہر صورت ایک قبیح فعل ہے اور اس کی سزائے دنیوی و اُخروی بے پناہ اور دردناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فعلِ بد سے سب کو محفوظ رکھے اور اس سے دور رہنے اور بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے علاوہ جو لوگ اس فعل قبیح کا آج سے پہلے ارتکاب کر چکے ہیں انھیں صدقِ دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ بدکاری کا ارتکاب بے پناہ عذاب وقباحت کو دعوت دیتا ہے اور اس سے بچنا اور دور رہنا باعثِ شرف و دخولِ جنت ہے۔

زواجر میں صفحہ:115 پر حاکم اور بیہقی سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یَاشَبَّابَ قُرَیْشٍ اِحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ لَا تَزْنُوْا اَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ۰

یعنی اے قریشی جوانو! اپنے فرجوں کی حفاظت کرو، زِنا نہ کرو۔ جان لو! جس نے اپنی فرج کی حفاظت کی اُس کے لیے جنت ہے۔

پھر بخاری شریف کی ایک حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت ان مبارک الفاظ میں دی ہے: مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ رِجْلَيْهِ ضَمِنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ۰ (زواجر، صفحہ:115، جلد:2)

یعنی جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور اپنی فرج کا ضامن ہو جائے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔

زواجر کے اسی صفحے پر ایک روایت امام ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث کئی دفعہ بیان فرمائی کہ بنی اسرائیل میں کِفل نامی ایک شخص تھا جو گناہوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار اس

شرط پر دیے کہ وہ اس کے ساتھ زِنا کرے گا۔

جب وہ اس عورت کے ساتھ زنا کرنے کے لیے اس کے قریب ہوا تو وہ کانپنے اور رونے لگی۔ اس پر اس نے کہا کہ تو کیوں روتی ہے؟ میں نے تجھے اس کام کے لیے مجبور تو نہیں کیا۔ تو عورت بولی کہ بات یہ ہے کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسا فعل نہیں کیا اور اب بھی کسی حاجت کے تحت ایسا کر رہی ہوں لیکن مجھے خوف آرہا ہے۔

کفل نے کہا تو عورت ہو کر ڈرتی ہے۔ مجھے تو زیادہ لائق ہے کہ اللہ سے ڈروں اور اس عورت سے کہا: چلی جاؤ، میں نے جو کچھ دیا معاف کرتا ہوں اور قسم ہے آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ چنانچہ جب وہ رات کو سویا تو اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی اور صبح لوگوں نے دیکھا کہ اس کے دروازے پر لکھا ہے: اِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ الْكِفْلَ ؀
یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے کفل کو بخش دیا۔

حکایت

تذکرۃ الاولیاء میں صفحہ:262 پر مرقوم ہے:

حضرت یوسف بن الحسنین رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ کبار میں سے تھے۔ ابھی ابتدائی حالت میں ہی تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلے کے ہمراہ عرب کے ایک قبیلے میں پہنچے۔ چونکہ شباب میں تھے اور صاحبِ جمال تھے۔ اس قبیلہ کے سردار کی لڑکی نے آپ کو بہت پسند کیا اور موقع پا کر آپ کے سامنے آئی۔ آپ کا شباب، جوانی کا وقت، ایک امیر خوبصورت دوشیزہ کی خواہش، یہ دونوں چیزیں آپ کو گمراہ کرنے کے لیے کافی تھیں لیکن اللہ کے خوف سے آپ کانپ اُٹھے اور اس لڑکی سے دور بھاگ گئے اور رات کو کافی دیر تک جاگتے رہے کہ دل میں خوفِ خدا تھا۔ کچھ دیر بعد سو گئے تو خواب میں دیکھا کہ ایک باوقار اور بزرگ صورت شخص تخت پر سوار ہو کر فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے بتلایا کہ ہم فرشتے ہیں اور تخت پر حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر خدا عزوجل تشریف فرما ہیں۔ ہم سب یوسف

بن الحسنین کی زیارت کے لیے بحکم خدا حاضر ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: میں یہ بات سن کر رو پڑا اور خیال کیا کہ میں کیا چیز ہوں کہ پیغمبر خدا میرے دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ میں اسی خیال میں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تخت سے نیچے تشریف لائے، مجھے گلے لگایا اور تخت پر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ اس پر میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میں کیا چیز ہوں اور اتنی عزت و تکریم کس لیے ہو رہی ہے؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: امیر کی لڑکی خوبصورت اور جوان تھی۔ جب تیرے پاس اپنی خواہش لے کر آئی تو آپ اس کو چھوڑ کر خوفِ خدا سے بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ حالت مجھ پر اور تمام فرشتوں پر منکشف فرمائی کہ دیکھو یہ میرا بندہ امیر عرب کی لڑکی کی خواہش کو رَد کر کے میری طرف بھاگ آیا ہے، اس کی زیارت کے لیے جاؤ اور میری طرف سے بشارت دو کہ وہ میرا برگزیدہ بندہ ہے۔ سبحان اللہ! ہم سب کو اللہ تعالیٰ اس کارِ بد سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ آج کل بے پردگی، فحاشی اور بے راہ روی کو دعوت دے رہی ہے۔

☆☆☆

دربیانِ حفظِ زبان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ۔ (سورۂ نساء، آیت:114)

بہت سی پوشیدہ باتوں میں بھلائی نہیں سوائے اس کے کہ صدقے کا حکم دیا جائے یا نیکی کرنے اور لوگوں میں اصلاح کرنے کا امر ہو۔

اللہ تعالیٰ خالق برحق کو ہر قسم کی تعریفیں سزاوار ہیں کہ جس نے انسان کو احسن تقویم سے پیدا کیا اور ہر عضو جسم سے حسابِ اعمال لینے والا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اس مالکِ حقیقی کی تعریف میں ہر وقت صبح وشام لب کشائی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے زبانِ انسان کو تسبیح وتہلیل معبودِ حقیقی کے لیے بخشی۔ پھر زبان کا فرض ہے کہ تمام بے ہودہ اور لایعنی باتوں سے لاتعلق ہو کر اپنے محسنِ اعظم کے گن گاتی رہے یا اس کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق امر بالمعروف اور کارِ خیر واصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ۔

تو میرے بھائیو! ہم اپنا قیمتی وقت بجائے اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان کرنے کے لایعنی باتوں میں ضائع کرتے ہیں جو ہمارے لیے باعثِ گناہ ہے۔ ہمیں تو اصلاح وخیر کی باتیں کرنی چاہئیں اور بے ہودہ اور ضرر والی باتوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:413 پر فرمانِ نبوی ﷺ یوں درج ہے:
مِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا یَعْنِیْهِ ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:413)

ترجمہ: لایعنی باتوں کا ترک کرنا حسنِ اسلام میں شامل ہے۔

خاموشی میں نجات ہے

احمد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: مَنْ سَكَتَ نَجَا ۔ جس نے خاموشی اختیار کی اس نے نجات پائی۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:413)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:
مُقَامُ الرَّجُلِ بِالصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:414)
مرد کا خاموشی اختیار کرنا، ساٹھ سالہ عبادت سے (جو کثرتِ کلام کے ساتھ ہو) بہتر ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: مالنجاة۔ نجات کس بات میں ہے؟ تو حضور نے فرمایا: املك علیك لسانك ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:413) یعنی اپنی زبان کی حفاظت کر۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:370 پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ تمام اعمال میں کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ تو آپ نے اپنی زبانِ مبارک منہ سے نکالی اور اس پر انگلی رکھ کر فرمایا: خاموشی۔

مشکوٰۃ، صفحہ:311 پر یہ ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عبادتیں دس قسم کی ہیں۔ ان میں سے نو خاموشی میں ہیں اور ایک لوگوں سے بھاگنا ہے۔

دانائی تو یہی ہے کہ انسان خاموشی اختیار کرے کیونکہ خاموش رہنے والا کبھی پشیمان نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ ایسی بات نہیں کہہ پاتا جو ناموزوں ہو اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کوئی بے جا بات کرنے کے بعد پچھتاتے ہیں۔ لہٰذا خاموشی کو دانائی کا لباس خیال کرو۔

حکایت

کیمیائے سعادت میں صفحہ:372 پر ایک حکایت یوں بیان کی گئی ہے:

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر اپنی حلال روزی حاصل کرتے تھے اور حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ متواتر ایک سال تک ان کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں زرہ بناتے دیکھتے رہے۔ دل میں کئی دفعہ خیال آیا کہ اس صنعت کے بارے میں دریافت کریں کہ کیا چیز بنائی جارہی ہے؟ مگر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتے کہ اس سوال سے کوئی فائدہ نہیں حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خود ایک روز بتلادیا کہ یہ جنگ وحرب کے لیے ایک مفید لباس ہے۔ تب حضرت لقمان نے کہا کہ واقعی یہ ایک بہتر چیز ہے۔

ہاں، میرے بھائیو! میں عرض کر رہا تھا کہ لامعنی باتوں سے ہمیں ہر صورت پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ ان کا بھی حساب لیا جائے گا۔ ممکن ہے کہ بے ہودہ گوئی ہمیں داخلِ جنت ہونے سے روکے۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 372 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 118 پر ایک حدیث یوں رقم ہے: ایک نوجوان اُحد کی جنگ میں شہید ہو گیا اور بھوک کی وجہ سے اس کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اس کی ماں نے اس کے چہرے سے خاک جھاڑتے ہوئے کہا: هَنِيْئًا لَكَ الْجَنَّةَ ۔ تجھے جنت مبارک ہو۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اس شخص کی ماں! تجھے کیا علم ہے؟ لَعَلَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ فِيْ مَالَا يَعْنِيْهِ ۔ ممکن ہے اس نے کوئی بے معنی بات کی ہو۔

فحش کلامی سے ممانعت

دوستو! زبان کو فحش کلامی سے پاک رکھنا بھی بیحد ضروری ہے کہ یہ ذہن کو گندہ کرنے کا سبب ہے اور فحش کلامی کرنے والے کا حشر دوزخیوں کے ساتھ ہوگا۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:275 پر ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فحش کلامی کرنے والے پر جنت حرام ہے اور دوزخ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کے منہ سے پلیدی نکلے گی جس کی گندگی اور بدبو سے تمام اہلِ دوزخ بیزار ہو کر فریاد کریں گے کہ یہ کون ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فحش کلامی کرتے تھے اور فحش باتوں کو پسند کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا میں فحش کلامی کرے گا قیامت کے دن وہ کتے کی شکل میں ہوگا۔

(کیمیائے سعادت، صفحہ:215)

نعوذ باللہ من ذالک ۔ اللہ تعالیٰ اس سزائے عظیم سے سب کو محفوظ رکھے۔

لعنت کرنے کی ممانعت

تیسری چیز جس سے زبان کو روکنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی زبان سے کسی چیز پر خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان حیوان ہو یا انسان لعنت نہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا ۔ (مشکوٰۃ) یعنی مومن لعنت نہیں کرتا۔

ملعون سے دور رہنے کا حکم

کیمیائے سعادت، صفحہ:375 پر ایک واقعہ یوں درج ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں سفر کے دوران ایک عورت نے ایک اونٹ پر لعنت کی۔ چنانچہ حضور نے اس اونٹ کو ننگا کر کے قافلے سے باہر نکال دینے کا حکم دیا کیونکہ وہ اونٹ ملعون ہو چکا تھا۔ عرصے تک وہ اونٹ اِدھر اُدھر پھرتا رہا اور کوئی شخص اس کے قریب نہ گیا۔

مسئلہ

کسی معین چیز یا شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، البتہ جس کی موت کفر پر یقینی واقع ہوئی ہو، جیسے فرعون، شداد یا ابوجہل وغیرہ۔ اس پر لعنت جائز ہے یا کافروں، فاسقوں اور جھوٹوں

پر حکمی طور پر لعنت کی جاسکتی ہے۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:275)

یاد رہے کہ اگر وہ شے جس پر لعنت کی جائے لعنت کے قابل نہیں تو لعنت، لعنت کرنے والے پر واقع ہوجاتی ہے۔ مشکوٰۃ میں صفحہ:412 پر ترمذی کی روایت ہے:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز پر لعنت کرے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو وہ لعنت اس پر لوٹ آتی ہے۔

مسلمانو! کسی پر لعنت کرنے سے زبان کو روکو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:375 پر ایک روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی پر لعنت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

یَا اَبَابَکْرٍ! صِدِّیْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْکَعْبَةِ۔ صِدِّیْقٌ وَلَعَنْتَ لَا وَرَبِّ الْکَعْبَةِ۔

ترجمہ: اے ابوبکر! تُو صدیق ہے اور تو نے لعنت کی ہے، تجھے سزاوار نہیں تھا۔ قسم ہے پروردگارِ کعبہ کی تُو صدیق ہے اور تو نے لعنت کی ہے۔

تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عمل سے توبہ کی اور اس کے کفارے میں ایک غلام آزاد کیا۔

چوتھی چیز جس سے زبان کو بچانا ضروری ہے وہ غیبت ہے جس کا ذکر پچھلے وعظ میں بیان کیا جاچکا ہے۔

استہزا کی ممانعت

پانچویں چیز جس سے زبان کو پاک رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ کسی بھائی کی آواز کی نقل نہ اُتاری جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ۔ (سورۂ حجرات، آیت:11)

ترجمہ: کوئی قوم کسی قوم کی ہنسی نہ اُڑائے ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔

جو دوسروں کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں بے شک قیامت کے دن ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا، کیونکہ یہ دل آزاری اور مایوسی پیدا کرنے کا عمل ہے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:376 پر ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

جو لوگ دوسروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں اور ان کی ہنسی اُڑاتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان کو داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا لیکن وہ داخل نہ ہوسکیں گے اور واپس لوٹ جائیں گے۔ پھر بہشت کا دوسرا دروازہ کھول کر ان کو بلا جائے گا۔ جب وہ قریب آئیں گے تو وہ بھی بند ہوجائے گا۔ اسی طرح ان کے ساتھ چند بار کیا جائے گا، حتیٰ کہ وہ ناامید ہوجائیں گے اور پھر جب ان کو بلایا جائے گا تو وہ نہ آئیں گے کیونکہ وہ سمجھ جائیں گے کہ ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا جارہا ہے۔ یہ ان کے استہزا کی سزا ہوگی جو وہ دنیا میں لوگوں کے ساتھ کرتے رہے تھے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی کی گوز نکلنے پر مت ہنسو کہ جو فعل انسان خود کرتا ہے، اگر وہ دوسرے سے صادر ہوجائے تو اس میں ہنسی اُڑانے کی کوئی وجہ نہیں۔

وعدہ خلافی کی ممانعت

دوستو! چھٹی چیز جس سے زبان کو بچانا ضروری ہے وہ جھوٹا وعدہ ہے، کیونکہ جھوٹا وعدہ کرنا منافقوں کا کام ہے اور مسلمان کو ہر حال میں ایفائے عہد کی کوشش کرنی چاہیے۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:17 پر فرمانِ نبوی ہے جس میں منافق کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔

ترجمہ: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

نزہۃ المجالس، حصہ دوم میں ایک روایت درج ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کسی شخص نے عرض کیا: آپ اس جگہ تشریف رکھیں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ آپ اس

کے انتظار میں کھڑے رہے تاکہ وعدہ خلافی نہ ہو۔ لیکن وہ شخص نہ آیا حتیٰ کہ پہلا، دوسرا اور تیسرا سال بھی گزر گیا، اس وعدہ وفائی سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدح فرمائی:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ ۚ بے شک وہ وعدے کے سچے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت ایک شخص نے کی اور وعدہ کیا کہ میں فلاں جگہ آپ کے پاس حاضر ہوں گا لیکن اس کو اپنا وعدہ یاد نہ رہا اور وہ دو دن تک مقام موعود پر نہ پہنچا۔ تیسرے دن وعدہ یاد آنے پر اچانک مقام موعود پر پہنچا تو دیکھا کہ حضور ﷺ اس جگہ منتظر ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے شخص! میں تیرا تین دن سے یہاں انتظار کر رہا ہوں اور تم نے مجھے سخت تکلیف دی ہے۔

جھوٹی قسم یا جھوٹ بولنے کی ممانعت

ساتویں چیز جس سے زبان کو روکنا از حد ضروری ہے وہ جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسمیں کھانا ہے، کیونکہ جھوٹے پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ اللہ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۚ جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

ملعون اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے اور رزق میں جھوٹ بولنے سے کمی ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص بار بار جھوٹ بولتا ہے اس کا نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور فرمایا کہ جھوٹ رزق کو کم کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ تجار فاسق ہیں اور گنہگار ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا بیع حلال نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تاجر چونکہ بیع کے وقت جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، اس لیے وہ فاجر ہیں۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:381)

نزہۃ المجالس، حصہ دوم، صفحہ:9 پر تاجروں کے متعلق ترمذی کی ایک روایت درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ ۚ

یعنی سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے

ساتھ ہوگا۔

مومن جھوٹ نہیں بولتا

کیمیائے سعادت میں صفحہ:381 پر ایک روایت منقول ہے کہ حضرت عبداللہ جراد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کیا مومن بھی زنا کرتا ہے؟ فرمایا: شاید کر بیٹھے (آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے) پھر عرض کیا: کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ تو فرمایا: نہیں۔ اور یہ آیت دلیل کے لیے پڑھی: يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

جھوٹ بولنا ان ہی لوگوں کا شیوہ ہے جو مومن نہیں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عامر سے یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک چھوٹا سا لڑکا کھیلنے کے لیے جا رہا تھا کہ میں نے کہا، آؤ میں تمہیں کوئی چیز دوں۔ حضور نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے، پوچھنے لگے: کیا دو گے؟ میں نے عرض کیا: کھجور۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تم کھجور نہ دیتے تو تمہارے نامۂ اعمال میں جھوٹ لکھا جاتا۔ (کیمیائے سعادت، صفحہ:381)

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے جھوٹ کو اس قدر ناپسند فرماتے ہیں کہ کسی جانور کے پکڑنے کے لیے بھی دھوکہ دہی کو بُری بات خیال کرتے ہیں۔

حکایت

نزہۃ المجالس میں صفحہ:119 پر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت منقول ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے میں ایک محدث کے پاس حدیث کا درس حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اتفاق سے اس محدث کی گھوڑی بھاگ گئی تو وہ گھوڑی کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا اور چادر کی اس طرح جھولی بنالی جیسے اس میں کوئی چارہ ہو۔ گھوڑی چارہ سمجھ کر واپس آگئی اور پکڑی گئی۔ امام صاحب نے اس محدث سے پوچھا کہ آپ کی جھولی میں کوئی چارہ وغیرہ تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، یہ تو محض گھوڑی کو پکڑنے کا بہانہ تھا۔ اس پر امام صاحب نے کہا: میں رسولِ اکرم صادق وامین ﷺ کی حدیث مبارکہ کا درس کسی ایسے شخص سے نہیں لینا چاہتا جو جانوروں سے جھوٹ بولتا ہے۔

حکایت

نزہۃ المجالس کے اسی صفحہ: پر ایک اور حکایت یوں لکھی ہے:

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جو اللہ تعالیٰ کے اکابر اولیا میں سے تھے، ایک استاد سے علم نحو کا درس حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اُستاد صاحب نے کہا پڑھو: ضَرَبَ زیدٌ عمراً (زید نے عمر کو مارا) تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا واقعی زید نے عمر کو مارا؟ اس پر استاد نے کہا: مارا تو نہیں یہ تو ایک مثال ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں ایسے علم کو نہیں پڑھتا جس کا آغاز جھوٹ سے ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ

صداقت نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

واقعی جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جوں جوں انسان جھوٹ بولتا ہے برائیوں پر دلیر ہوتا جاتا ہے اور اسے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی اور جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ایک جھوٹ سو جھوٹ بلواتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ کی برائیوں سے محفوظ رکھے کہ یہ واقعی ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور انسان گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سچ بولا جائے تو گناہ کے کام کس طرح انجام پا سکتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ سچ بولنے والے کو اپنے گناہوں کا اقرار کرنا پڑے گا اور اسے اپنے ان گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی اور اگر وہ سزا سے بچنا چاہے تو اسے جھوٹ بولنا پڑے گا۔

نزہۃ المجالس میں ایک روایت صفحہ:119 پر یوں درج ہے:

ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور مجھ میں بہت سی برائیاں ہیں۔ ان برائیوں کو ایک دَم نہیں چھوڑ سکتا۔ میں زِنا بھی کرتا ہوں۔ شراب بھی پیتا ہوں۔ چوری کی بھی عادت ہے اور جھوٹ بھی بولتا ہوں۔ آپ مجھ پر رحم فرمائیں اور اجازت دے دیں کہ میں ان کو ایک

ایک کر کے ترک کر سکوں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم جھوٹ کو چھوڑنے کا وعدہ کرتے ہو؟ اس نے جانا کہ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے، عرض کیا: ہاں، وعدہ کرتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اور چلا گیا۔

اب اس نے اپنی عادت کے مطابق جب زِنا کا ارادہ کیا تو سوچا کہ دربارِ رسول میں جب میں حاضر ہوں گا تو زِنا کے متعلق سوال ہوگا۔ اگر سچ بولا تو حد شرعی جاری ہوگی اور سزا ملے گی اور اگر جھوٹ بولا تو وعدہ خلافی ہوگی، لہٰذا وہ زِنا کے ارادے سے باز آیا، پھر شراب کا ارادہ کیا تو وہی خیال دل میں پیدا ہوا اور سزا کے خوف سے شراب بھی نہ پی سکا اور چوری کرنے کا وقت آیا تو رات کو پھر وہی خیال آیا کہ سچ بولا تو ہاتھ کٹ جائیں گے اور جھوٹ میں وعدہ خلافی ہے۔ چنانچہ وہ چوری بھی نہ کر سکا۔ اس طرح جس گناہ کا خیال دل میں آتا، ساتھ ہی اس کے اقرار سے سزا کا خیال آجاتا اور جھوٹ بولنے سے وعدہ خلافی ہوتی تھی، اس لیے وہ ان تمام برائیوں کو ترک کرنے پر مجبور ہو گیا اور راہِ نجات اختیار کی۔

دوستو! واقعی جھوٹ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور سچ میں ہی نجات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سچ بولنے والے کو پسند فرماتا ہے، اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے، اور اس کی مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔

حکایت

ایک اور حکایت نزہۃ المجالس میں اسی صفحہ پر یوں نقل کی گئی ہے:

پیغمبر خدا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت سی بیویاں تھیں۔ ایک رات آپ سب بیویوں کے پاس تشریف لے گئے کہ ہر عورت سے اولادِ صالح پیدا ہو لیکن قدرتِ خداوندی سے صرف ایک عورت سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا صرف ایک پاؤں، ایک ہاتھ اور ایک ہی آنکھ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ دیکھ کر رنجیدہ ہوئے اور اپنے وزیر آصف بن برخیا رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ آپ اور بچے کی والدہ ایک مقام پر اکٹھے ہو کر کوئی سچی بات بیان کریں اور اس سچ کی برکت سے بچے کی صحت کے لیے بحضور

پروردگارِ عالم دعا فرمائیں اور کہا: ان شاء اللہ بچہ، اللہ کے حکم سے صحت مند ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ میں مشرق و مغرب میں بادشاہی رکھتا ہوں اور اللہ کے حکم سے میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں مگر اس کے باوجود میں ہدیہ کو پسند کرتا ہوں۔ پھر آصف برخیا رحمۃ اللہ علیہ وزیر موصوف نے کہا کہ میں زبان سے تو کہتا ہوں کہ مجھے وزارت کا عہدہ پسند نہیں لیکن دل میں اس کی خواہش موجود ہے۔ پھر بچے کی والدہ یوں گویا ہوئیں: اے سلیمان! اگرچہ آپ مشرق و مغرب کے بادشاہ ہیں اور آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہر نعمت موجود ہے لیکن سفید داڑھی والے ہو۔ اگر بالکل فقیر ہوتے اور داڑھی سیاہ ہوتی تو اس بادشاہی سے مجھے وہ فقیری زیادہ مرغوب تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے سچ کی برکت سے پروردگار کے حضور دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اور بچے کے تمام اعضا اللہ عزوجل کے حکم سے درست ہو گئے۔

تو میرے دوستو! دیکھئے سچ میں کس قدر برکت رکھی ہے؟ تو کیوں نہ ہم سچ کو اپنا شعار بنالیں اور جھوٹ و بہتان سے اپنے آپ کو دور رکھیں:

جانِ بابا راستی را پیشہ کن — از دروغِ افترا اندیشہ کن

کیا آپ لوگوں کا اس جھوٹے گڈریے کا انجام یاد ہے جو جھوٹ موٹ میں لوگوں کو تنگ کرنے کے لیے کہتا تھا کہ لوگو! دوڑو شیر آ گیا۔ شیر آ گیا اور میری بھیڑ، بکریاں پھاڑ کر کھا گیا۔ جب لوگ بھاگے بھاگے لاٹیاں وغیرہ لے کر آتے تو کہتا کہ میں نے تو ازراہِ مذاق ایسا کیا تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے جھوٹ کی سزا دی اور ایک روز سچ مچ ایک بھیڑیا اُدھر آ نکلا، جس نے اس کی بہت سی بھیڑوں کو ہلاک کر دیا۔ اب وہ درخت پر چڑھ کر پکارتا بھی تھا تو لوگ اس کو جھوٹ جان کر اس کے قریب تک نہ آئے، اس طرح اس نے اپنے جھوٹ کی سزا پائی۔

دوستو! جھوٹ کے نقصانات بہت زیادہ ہیں کہ انسان دنیاوی مضرتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور آخرت کے لیے بھی رسوائی کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو اس جھوٹ کی لعنت سے محفوظ رکھے۔

چغل خوری کی ممانعت

آٹھویں چیز جس سے زبان کو بچانا از حد ضروری ہے وہ بدترین عادت چغل خوری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عادتِ بد کو ناپسند فرماتے ہوئے کلام پاک میں سورۂ ویل میں ارشاد فرمایا ہے:

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ ۙ کہ تمام چغل خوروں کے لیے خرابی ہے۔

کیونکہ چغل خور فساد کا موجب ہوتے ہیں اور ان میں منافقت پائی جاتی ہے جس کی بنا پر وہ لوگوں میں لگائی بجھائی کر کے ان میں لڑائی جھگڑے اور فساد کا باعث بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فساد کے سخت خلاف ہے، وہ فرماتا ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:60)

یعنی اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پیو، زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

پھر فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں فرماتا۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ: 392 پر ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جو چغل خوری کرتا ہے۔

ایسا شخص جو چغل خوری سے لوگوں میں فساد پھیلائے واقعی برا ہے، اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی وبالِ جان ہوتا ہے اور چغل خور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دوسروں کی دعا بھی قبول نہیں فرماتا۔

کیمیائے سعادت، صفحہ: 213 اور نزہۃ المجالس، صفحہ: 127 پر ایک واقعہ یوں درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ایک مرتبہ قحط سے دوچار ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعائے استسقا کے لیے اپنی قوم کو جمع کیا اور دعا فرمائی لیکن مستجاب نہ ہوئی اور بارش نہ ہوئی۔ اگلے روز پھر دعا فرمائی لیکن وہ بھی مستجاب نہ ہوئی۔ چند روز لگاتار دعا کرنے کے باوجود بارش نہ ہوئی، تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے کہ میری قوم کی دعا قبول نہیں کی جاتی؟ تو وحی نازل ہوئی کہ: اے موسیٰ! (علیہ الصلوٰۃ

والسلام) ان میں ایک چغل خور ہے جس کی وجہ سے دعا قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی کی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے باری تعالیٰ! بتا، وہ بدبخت کون ہے؟ تاکہ اسے باہر نکال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں چغل خور کو برا سمجھتا ہوں تو کسی کی چغلی کیسے کھاؤں اور اس شخص کا پتہ کیسے بتلاؤں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ساری جماعت کو حکم دیا کہ سچے دل سے چغل خوری سے توبہ کریں تو دعا قبول ہو سکتی ہے تو سب نے سچے دل سے توبہ کی اور فوراً بارش شروع ہوگئی۔

میرے مسلمان بھائیو! اللہ تعالیٰ سب کو اس بدترین لعنت سے محفوظ رکھے کہ اس کی بے شمار قباحتیں ہیں۔ چغل خوری کے بیان میں ان شاء اللہ اگلے وعظ میں تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔ بہر کیف! ہمیں اپنی زبان کو ان برائیوں سے جو میں عرض کر چکا ہوں بچانا چاہیے کیونکہ ہر ایک عضو سے اللہ تعالیٰ سوال فرمائے گا اور یہ اعضائے جسمانی ہی ہمارے خلاف گواہی دینے میں اس وقت بہت ہوشیار ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت ان کو پروردگار حقیقی کا حکم ہوگا کہ ہمارے اعمال کی شہادت دیں اور وہ یوم حساب ہوگا۔ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ° (سورۂ نور، آیت:24)

یعنی اس روز ہماری زبانیں، ہمارے ہاتھ اور ہمارے پاؤں سب ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے۔

تو دوستو! اعضا کو بدی کی بجائے نیکی کی طرف لگاؤ تا کہ آخرت میں رسوا نہ ہونا پڑے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور برائیوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

☆☆☆

اکیسواں وعظ

دربیانِ چغل خوری

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ °
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ° بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ °
هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ° مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ° عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ °
(سورۂ قلم، آیت:11)

سب تعریفیں اس خالق و مالک کے لیے سزاوار ہیں کہ جس نے انسان کو عدم سے وجود عطا فرمایا اور پھر عقل و فکر کی دولت سے نواز کر انسان کو افضل المخلوقات بنایا اور پھر انسان کو قوتِ گویائی عطا فرمائی کہ اپنا مدعا کہہ سکے اور اپنی زبان سے پروردگار کو بوقت مشکل پکارے اور اس کے ذکر و شکر میں لب کشائی کرے۔

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ بابرکات پر جسے خالقِ حقیقی نے انسان کی ہدایت و نجات کے لیے مامور فرمایا اور تمام مخلوقات کے لیے رحمت قرار دیا۔ پچھلے بیان میں عرض کر چکا ہوں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی سے نوازا ہے، اس لیے زبان کا سب سے بڑا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خالق حقیقی کی ناشکری میں مبتلا نہ ہو۔

ایک بہت ہی قبیح اور منحوس عادت ہے جس سے زبان کو آلودہ ہونے سے بچانا نہایت ضروری ہے، وہ چغل خوری ہے۔ جس سے اُلفت و محبت کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے، نفاق اور دشمنی کی بنیاد پڑتی ہے اور جس سے گھر خاندان بلکہ قومیں سکون کھو بیٹھتی ہیں۔

چغل خور کی تعریف

چغل خور وہ ہے جو اپنے قول یا فعل سے لوگوں میں نفاق اور عداوت پیدا کرنے کے لیے کسی کو متہم کرے یا وہ کسی کی راز کی بات بیان کرے کہ جس سے اشتعال پیدا ہو اور

منافرت پھیلے حتیٰ کہ قتل وغارت گری وقوع میں آئے۔ یہ تو تعریف تھی ہماری زبان میں، اب ذرا ملاحظہ ہو کہ اللہ عزوجل نے ایسے خسیس کی تعریف کن الفاظ میں کی ہے۔ کلام پاک میں انتیسویں پارہ سورۂ قلم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ (سورۂ قلم، آیت:11)

یعنی بہت طعنے دینے والا جو چغلیاں لگاتا پھرتا ہے بھلائی سے روکنے والا اور حد سے بڑھ کر گنہگار، سخت مزاج اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ حرام زادہ ہے۔

واہ واہ! خود اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں بیان فرمادیا ہے کہ چغل خوری اور طعنہ زنی ایسے شخص کا کام ہے جو حرام زادہ ہے کہ اس کی اصل میں خطا ہے اور اسی حرام زدگی کی بنا پر بھلائی نہیں چاہے گا بلکہ گنہگار ہوگا اور لوگوں کو چغل خوری سے گناہوں کی طرف راغب کرے گا۔

چغل خور حرام زدہ ہے

احیاء العلوم، جلد سوم، صفحہ:151 پر مرقوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ زنیم حرام زادہ کو کہتے ہیں اور اس آیت مبارک میں اشارہ ہے کہ جو کوئی کسی کی راز کی بات ظاہر کرے اور چغل خوری کرے، وہ حرامزدہ ہے۔

میرے بھائیو! اس سے بڑھ کر حرامزدگی اور کیا ہوگی کہ دو دوستوں میں جدائی پیدا کی جائے یا کسی پر تہمت لگائی جائے، لوگوں کا سکون برباد کرکے ان کے دلوں میں محبت اور الفت کی بجائے منافرت وعداوت کا بیج بویا جائے۔ ایسے خسیس انسان کو جو قوم کے اتحاد و اتفاق کو ختم کرکے منافرت اور دشمنی پیدا کرے اور اپنے سادہ لوح بھائیوں کو تباہی اور ہلاکت کی طرف بلائے بھلا کون پسند کرے گا۔ ایسے شخص کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہے:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنَمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ

الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ ۔
(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، صفحہ:415)

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب ان کا دیدار کیا جائے تو خدا یاد آجائے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلی کھاتے پھرتے ہیں، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں اور پاک لوگوں کو مشقت اور ہلاکت کی طرف بلاتے ہیں، یعنی وہ نیک اور پاک لوگوں پر تہمت لگا کر انھیں مصیبت اور ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

ایسے خطرناک لوگوں کا وجود چونکہ انسان کے لیے باعثِ ہلاکت ہے اور نفاق و عداوت کا موجب ہے، اس لیے چغل خوروں کا قلع قمع از حد ضروری ہے بلکہ انسان کا فرض ہے کہ اگر کسی کو ایسی عادت میں دیکھے تو اسے روکے اور اسے اس کی اس حرکت کا نقصان سمجھائے اور اسے اس کی دنیوی اخروی سزا سے بھی آگاہ کرے۔

چغل خور فاسق ہے

کیمیائے سعادت میں صفحہ:394 پر مرقوم ہے:

ایک شخص نے کسی دانا سے کہا کہ آپ کا فلاں دوست آپ کے حق میں یوں کہتا ہے جو نازیبا ہے۔ تو اس دانا نے کہا: اے بھائی! تو بہت دیر کے بعد مجھ سے ملنے آیا ہے اور اس ملاقات میں، بجائے کوئی خوشی پیدا کرنے کے تو نے تین قباحتیں کی ہیں جو قابل رنجش ہیں:

پہلی یہ کہ تو نے ایک بھائی کو میرے دل میں برا ٹھہرایا۔ دوسری یہ کہ میرے دل میں دُکھ پیدا کیا۔ تیسری یہ کہ اپنے آپ کو فاسق ومفتری ٹھہرایا۔

چغل خور کو کوئی پسند نہیں کرتا

چغل خور کی عادت چھڑانے کے لیے ضروری ہے کہ چغل خور کو اعلیٰ مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور اسے یہ بھی بتلادیا جائے کہ چغل خور کو کوئی پسند نہیں کرتا اور اس ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کو کوئی ملازمت مستقل نہیں مل سکتی۔ حتیٰ کہ رزق میں

چغل خوری کمی کا سبب ہے اور سوسائٹی میں چغل خور کا کوئی مقام نہیں، اسے آخر ذلیل وخوار
ہونا پڑتا ہے۔

حکایت

احیاء العلوم میں صفحہ:54 پر ایک واقعہ یوں مرقوم ہے:

ایک شخص ایک غلام کو فروخت کررہا تھا اور کہہ رہا تھا: لوگو! اس شخص میں کوئی عیب نہیں صرف یہ کہ یہ شخص چغل خور ہے۔ اس کی برائی کو کوئی پسند نہ کرتا تھا اور کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن شومئ قسمت ایک صاحب نے یہ سوچ کر کہ یہ ایک معمولی سی بات ہے، کوئی بڑا عیب نہیں، اس غلام کو خرید لیا اور گھر لے آیا۔ اب دیکھئے اس چغل خور غلام نے اپنی حرامزدگی سے کیا گل کھلایا۔

ایک دن اس غلام نے اپنے آقا کی بیوی سے کہا: تیرا خاوند! تجھے ہرگز پسند نہیں کرتا اور وہ ایک لونڈی خریدنے والا ہے جو نہایت خوبصورت ہے۔ لہٰذا اس عورت کو اس بات کی تشویش ہوئی اور اسے اپنا خیر خواہ سمجھ کر پوچھنے لگی: کیا کوئی بات تیری سمجھ میں آتی ہے۔ جس سے میرا خاوند اس اقدام سے باز آجائے۔ اس پر اس خسیس نے کہا: کیوں نہیں، تم ایسا کرو جب تمہارا خاوند سوجائے، اس کی داڑھی کے چند بال استرے سے اُتار لینا اور میں ان بالوں پر کچھ جادو منتر پھونک دوں گا کہ وہ تیرا شیدا ہوجائے گا اور کبھی کسی کا خیال بھی دل میں نہ لائے گا۔ بیوی کو یہ سبق دیا اور ادھر خاوند سے کہا کہ تیری بیوی کسی پر عاشق ہے اور تجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ذرا ہوش سے رہنا۔ اگر اس بات کی تصدیق چاہیے تو آنکھیں بند کرکے لیٹ جانا، تاکہ سوئے ہوئے دکھائی دو، پھر سب حقیقت ظاہر ہوجائے گی۔

چنانچہ رات کو مرد نے سونے کا بہانہ کیا لیکن جاگتا رہا اور اس چغل خور کی تجویز کے مطابق عورت استرہ لے کر آئی اور داڑھی کے بال لینے کے لیے خاوند کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مرد جو پہلے سے عورت کے مقابلے کے لیے تیار تھا فوراً اُٹھ کر کھڑا ہوا اور عورت کو قتل کرڈالا۔ کیونکہ اسے یقین ہوگیا تھا کہ عورت اسے قتل کرنے کے لیے آئی ہے۔ عورت کے ورثا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اسے ناحق قتل کیا گیا ہے تو انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً مرد کو ہلاک

کردیا۔ اس طرح سے عورت کے قبیلے والوں اور مرد کے خاندان میں کشمکش شروع ہوگئی۔
(کیمیائے سعادت، صفحہ:394، نزہۃ المجالس، صفحہ:124)

دوستو! یہ ہے ایک چغلی کا نتیجہ کہ مرد بھی مارا گیا اور عورت بھی مرگئی، پھر دو خاندانوں میں کشمکش شروع ہوگئی۔ سوچو تو بھلا چغل خوری معمولی سی بات ہے یا بہت بڑی تباہی کا سبب۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسے معمولی خیال کریں گے وہ تباہی کی طرف گامزن ہوں گے۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے چغل خور کے لیے ویل یعنی خرابی کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہمزہ میں ارشاد ہے: **وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۙ**
بڑی خرابی ہے ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے اور طعنہ دینے والا ہو۔

تفسیر کبیر میں ہے: **هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ** کئی طور پر ہیں: **هُمَزَةٍ** غیبت کرنے اور **لُّمَزَةٍ** عیب جوئی کرنے والا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے: **ھمزہ** چغل خور اور بھائیوں میں لڑائی ڈالنے والا اور **لمزہ** عیب جوئی کرنے والا ہوتا ہے۔

ابوزید کہتے ہیں کہ **ھمزہ** ہاتھ کے اشارے سے عیب جوئی کرنے والا اور **ھمزہ** زبان سے کہنے والا اور **لمزہ** عیب جوئی کرنے والا ہوتا ہے اور اسی کے قریب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

ابوعالیہ کہتے ہیں کہ منہ پر کہنا **ھمزہ** اور پیٹھ پیچھے کہنا **لمزہ**۔ ایک قول ہے کہ **ھمزہ** باعلان کہنا اور **لمزہ** باخفا واشارۂ چشم وابرو اور یہ بھی کہا گیا کہ **ھمزہ** وہ ہے جو آدمیوں کے ایسے لقب رکھے جسے وہ برا جانے اور اگر میم کو سکون کے ساتھ پڑھا جائے تو مسخرا کے معنوں میں آتا ہے۔

غرض ان سب اقوال کا مطلب ہے طعن وعیب، چغل خوری، دل آزاری اور کسی کی بے عزتی کرنا، یا دو بھائیوں یا آزاد میں لڑائی ڈالنا اور ایک بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا، نقلیں اُتارنا، قہقہے لگانا، ہنسی اُڑانا یا آوازے کسنا وغیرہ یہ ساری عادتیں کفار اور منافقین میں پائی جاتی تھیں۔

لیکن افسوس کہ ایسی تمام عادات مسلمانوں نے اپنالیں اور ہر مجلس میں دوسرے پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور لچے اور شہدے امیروں کو ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے یہ وطیرہ اپنائے ہوئے ہیں۔

یہ بہت بداخلاقی اور کمینہ پن ہے کہ سامنے بیٹھ کر تو میٹھی میٹھی باتیں کی جائیں کہ سننے والے اسے اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھیں اور پس پشت برائی کی جائے جسے چغل خوری کہتے ہیں اور یہ فسق کی علامت ہے۔

حکایت

احیاء العلوم، جلد سوم، صفحہ:15 پر مرقوم ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے کسی کی چغلی کھائی تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو اس آیت کے مثل ہے: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ اور اگر تو نے سچ کہا ہے تو تجھ پر یہ آیت صادق آتی ہے: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ۔
اگر تو چاہے تو توبہ کر، اس شخص نے اپنے اس گناہ پر توبہ کی اور معافی کا خواستگار ہوا۔

مشکوٰۃ میں صفحہ:411 پر بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَاْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔

یعنی قیامت کے دن دورو یہ شخص کو جو ایک جماعت کے پاس ایک طریقہ سے آتا ہے اور دوسروں کے پاس دوسرے طریقے سے، بدترین لوگوں میں سے پاؤ گے۔

تو میرے دوستو! ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی رکھی ہے اور ایسا فسق و فجور کو پسند کرنے والا شخص بھلا جنت میں جانے کا حق کیسے رکھ سکتا ہے، جب کہ وہاں فسق و فجور کا نام بھی نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسے مفسد شخص کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں ہے: عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:411)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ

فرماتے سنا: چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

چغل خور کو اللہ تعالیٰ نے جنت سے محروم کر کے اسے عذاب الیم کا حق دار ٹھہرایا ہے اور اس کے لیے ویل کی سزا منتخب فرمائی ہے۔ وہ حقیقت میں اسی سزا کا مستحق ہے۔

درمنثور کی چھٹی جلد میں مرقوم ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ جب معراج کے لیے تشریف لے گئے تو دوزخ میں ایک جماعت دیکھی جو پستانوں کے بل لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ تو انھوں نے عرض کیا: یہ چغل خور مرد اور عورتیں ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

چغل خور کے لیے عذاب قبر

چغل خوری چونکہ ایک بہت قبیح فعل ہے اور اس سے نفاق اور دشمنی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو اس امر کا مرتکب ہو کبھی اور کسی حال میں معاف نہیں کرتا۔ نہ صرف اسے جنت سے دور رکھا جائے گا بلکہ قبر میں بھی اس کے لیے عذاب ہوتا ہے۔

مشکوٰۃ، صفحہ:42 پر ایک حدیث رقم کی گئی ہے جس کی روایت بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کی ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک دفعہ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا تھا۔ حضور نے فرمایا: اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ۔

یعنی ان دونوں قبروں کے صاحب کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب میں نہیں۔ بلکہ ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔

چغل خور یتیم سے زیادہ ذلیل ہے

دوستو! چغل خور اپنی عادت بد سے لوگوں میں منافرت پھیلاتا ہے اور ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے اور اس طرح سے لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کے خواب دیکھتا ہے یا اپنا کوئی دنیوی مطلب نکالنے کے لیے ایسی حرکت کرتا ہے۔ لیکن جب

اس کی قلعی کھل جائے تو اندازہ لگائیے کہ اس کے لیے کس قدر رُسوائی اور ذلت کا مقام ہوگا اور آئندہ ایسے ذلت پیشہ چغل خور کو کوئی منہ نہ لگائے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص سات کوس کی مسافت طے کرکے ایک دانا کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ آسمان سے بھاری بھی کوئی چیز ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ کسی پر بہتان لگانا حالانکہ وہ بے گناہ ہو، آسمان سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ پھر پوچھا: پتھر سے سخت کون سی شے ہے؟ تو اس دانا نے کہا: کافروں کا دل اور اس بات کے جواب میں کہ آگ سے زیادہ گرم کون سی چیز ہے؟ بتلایا کہ حسد اور حرص آگ سے زیادہ گرم ہے۔ نیز بتلایا کہ چغل خور یتیم سے زیادہ ذلیل ہے۔ (احیاء العلوم، صفحہ:154، جلد سوم)

اللہ تعالیٰ چغل خور کو ناپسند فرماتا ہے

احیاء العلوم میں صفحہ:135 پر ایک حدیث بیان کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چغلی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، وہ دوسروں کے لیے باعث عذاب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک دفعہ قحط پڑا اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو لے کر دعا کے لیے نکلے اور بارش کے لیے دعا کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے پروردگار عالم! تو اس دعا کو کیوں قبولیت کا شرف نہیں بخشتا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ ان دعا کرنے والوں میں ایک چغل خور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ الٰہی! وہ کون ہے کہ میں اس مجرم کو باہر نکال دوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں چغل خوری کو ناپسند کرتا ہوں اور چغلی کھانے سے منع کرتا ہوں تو یہ کیونکر ہو کہ میں کسی کی چغلی کروں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ساری قوم کو چغل خوری سے توبہ کرنے کی ہدایت کی، جب سب نے توبہ کی تو بارش ہوگئی۔

تو دوستو! یہ ہے چغلی کرنے کی نحوست کہ اللہ تعالیٰ چغل خوری کی وجہ سے دعا کو رَدّ فرما رہا ہے اور پھر اس کے توبہ کرنے سے دعا کتنی جلدی قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کارِ بد

سے محفوظ رکھے اور زبان کو اس لعنت سے بچانے کی توفیق فرمائے، بلکہ زبان کے ساتھ کانوں کو بھی چغلی سننے سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے کیونکہ چغلی کرنا اور سننا دونوں برابر ہے۔ چغلی سننے والا چغلی کرنے والے کو گویا چغلی کی ترغیب دلاتا ہے کہ اگر وہ روکے تو آئندہ چغلی کرنے سے ممکن ہے کہ چغل خور پرہیز کرے۔

کیمیائے سعادت میں صفحہ:394 پر مرقوم ہے کہ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک چغلی کا سننا چغلی کرنے سے زیادہ برا اور قبیح ہے۔ کیونکہ چغل خوری سے مقصود بھڑکانا ہوتا ہے اور چغلی سننے والا اس کو قبول کرتا ہے اور اسے چغلی کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کی باتیں تیرے سامنے بیان کرتا ہے، وہ تیری باتیں بھی دوسروں کے سامنے بیان کرے گا۔ اس طرح سے چغلی سننے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اس چغل خور کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ہمارے خلاف لوگوں کے کان بھرتا پھرے۔

ایک دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ اپنے حبیب کے صدقے ہمیں اس لعنت سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ۔

☆☆☆

بائیسواں وعظ

دربیان فضائلِ ایثار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (سورۂ حشر، آیت:9)

ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اُس حبیبِ لبیب پر کہ جس کے صدقے زمین و آسمان اور دونوں جہان پیدا کیے گئے اور صدقے جاؤں اس کملی والے کے جس نے اپنے پیروکاروں کو یہ درجہ بخشا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ اس آیت میں (جو میں نے تلاوت کی ہے) اللہ تعالیٰ ایثار کرنے والوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جو اپنی اشد ضرورت کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔

ایثار کا مطلب

ایثار کا مطلب یوں سمجھیے کہ آپ کو کسی چیز کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے بغیر آپ کا کام نہیں چل سکتا لیکن کوئی دوست یا غریب ضرورت مند ہو کر اس چیز کا سوال کردے تو بھائی اگر آپ اپنی ضرورت کو سچ مجھ کر اس ضرورت مند کو وہ چیز عنایت کردیں تو یہ آپ کا ایثار ہے۔

ہاں! تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ۝ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝ اگرچہ انھیں خود ضرورت ہو۔

دوسروں کی ضرورت کو مقدم رکھتے ہیں اس کا نام ایثار ہے اور اسی کا نام قربانی۔

شانِ نزول

جب کفارِ مکہ کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت بُری لگی تو وہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے لگے اور اللہ کا نام لینے والوں کو مٹانے کی تیاری کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس مدینۃ النبی یعنی اللہ کے محبوب کے شہر کے مسلمان بھائیوں نے اپنے غریب الوطن بھائیوں سے کیا سلوک کیا؟ کس طرح پیش آئے وہ؟ انھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی جائیداد کا آدھا حصہ دے دیا۔ واہ ماشاء اللہ! کیا ایثار ہے، کیا قربانی ہے اور کیسی اپنے غریب الوطن بھائیوں سے محبت ہے۔ جس کے پاس دو مکان تھے اس نے ایک مکان اپنے بھائی کو دے دیا۔ جس کے پاس دو باغ تھے اس نے اپنے مہاجر بھائی کو ایک دے دیا اور یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں، اُس نے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کو بخشنے کی بارگاہِ رسول سے اجازت چاہی۔ ماشاء اللہ! یہ ہے ایثار اور قربانی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایثار اور قربانی دیکھ کر اپنے بندوں کا یوں ذکر کیا: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط

حدیث

ابی حمزہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ يُحِبُّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۝

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان کے لیے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ماشاء اللہ! کیسا ایثار و قربانی کا حکم ہے، لیکن ہم لوگ اس فرمان سے کوسوں دور ہیں۔ اگر کوئی حاجت مند ہے تو ہمارے دل میں کبھی اس کی امداد کا خیال تک نہیں آیا۔ اگر کوئی صاحبِ ثروت ہے تو اس کی مالداری ہمیں ایک پل نہیں بھاتی۔

دل یہی چاہتا ہوگا کہ یہ مال کسی طرح میرے قبضے میں آجائے، یعنی یوں کہیے کہ دوسروں کی امداد کرنے کی بجائے ہم دوسروں کا مال کھانے کی سوچتے ہیں۔ تو بھائی ہم تو اس

حدیث کے نافرمان ہوئے۔ ہمارا اسلام کہاں اور ہمارا ایمان کہاں؟

ایماندار تو وہ تھے جو حضور ﷺ کی مصاحبت میں رہے اور انھیں ایثار و ایمان کی سعادت نصیب ہوئی۔

بکرے کی سری کا واقعہ

ذرا ان بزرگوں کا ایثار بھی ملاحظہ ہو:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بکری کی سری ایک صحابی کے یہاں تحفے کے طور پر آئی۔ انھوں نے دل میں سوچا کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ اس لیے وہ سری انھوں نے اس دوسرے بھائی کے گھر پہنچادی۔ اب اس دوسرے صاحب کے دل میں خیال آیا کہ میرا ہمسایہ زیادہ ضرورت مند ہوگا، اس لیے وہ تیسرے گھر میں پہنچ گئی۔

اب اسی خیال کے تحت وہ سری تیسرے گھر سے چوتھے، پھر چوتھے سے پانچویں اور پھر چھٹے گھر میں اور پھر ساتویں میں پہنچی اور ساتویں گھر والے نے یہی بات سوچ کر وہ سری دوبارہ پہلے ہی گھر میں بھیج دی۔ (تفسیر صاوی، صفحہ:161، عباس سلمہ، صفحہ:38، نزہۃ المجالس، صفحہ:156)

واہ واہ! کیا ایثار ہے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ وہ ہی سری دوبارہ پہلے گھر پہنچ گئی اور آٹھ گھروں کا طواف کرنے کے بعد پھر اسی صحابی کو مل گئی جس نے پہلے ایثار والی بات سوچی تھی۔

مہمان کی مدارات

مجالسِ سنیہ، صفحہ:38 اور کیمیائے سعادت صفحہ:437 میں درج ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ نے اُمہات المومنین سے استفسار فرمایا، معلوم ہوا کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تو حضور نبی پاک نے مجلس مجاہدین میں اعلان فرمایا:

مَنْ اَكْرَمَ ضَيْفِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ دَخَلَهُ الْجَنَّةَ۔

جو آج کی رات میرے مہمان کی میزبانی کرے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

ماشاء اللہ! ایک مہمان کی میزبانی میں جنت مل رہی ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا: فداك أمي و ابي يا رسول الله ۔ اس مہمان کی میزبانی مَیں کروں گا۔ وہ صحابی اس مہمان کو گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ: اس کی مدارات کرو کہ یہ مہمان، رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ گھر میں بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ کھانا مہمانِ رسول کو پیش کیا اور بچوں کو بھوکا سلادیا۔ جب مہمان کے ساتھ کھانے بیٹھے تو بیوی نے چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے اسے بجھادیا تا کہ اندھیرے میں مہمان کو یہی محسوس ہو کہ میزبان میرے ساتھ کھانا تناول کر رہے ہیں اور کہیں مہمان کو پتہ نہ چل جائے اور کھانے سے ہاتھ نہ کھینچ لے۔ واہ، واہ! کتنا خیال ہے مہمان کا۔ صبح جب وہ صحابی دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ تمہارے اس عمل کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

حضرت علی کا ایثار

نزہۃ المجالس میں صفحہ:179 پر درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی تو بنتِ رسول کے شوہر ایک یہودی کے پاس جا کر کچھ صوف لاتے ہیں کہ تین صاع جَو کے بدلے کات دیں گے۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے دن کچھ صوف کاتا اور ایک صاع جَو میسر ہوئے، انھیں پیس کر روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے دروازے پر حاضر ہو کر آواز دی: السلام علیکم یا اہل بیت النبی! مَیں اُمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک مسکین ہوں۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ اللہ کے لیے مجھے کچھ کھانے کو دیجیے۔ آپ نے سارا کھانا اُٹھالیا اور اسے دے دیا۔ خود روزہ سے رہے، پھر دوسرے روز جب دوسرے صاع جَو سے کھانا تیار کیا اور کھانے بیٹھے تو ایک یتیم نے آواز لگائی اور کہا کہ: اے اہلِ بیت نبوی! میں ایک یتیم اُمتِ مسلمہ ہوں اور مجھے بھوک لگی ہے، کچھ کھانے کو دیجیے۔ تو دوسرے روز والا بھی وہ کھانا اُٹھا کر اس یتیم کو دے دیا اور اس روز بھی روزے سے ہی رہے، یعنی کھانا نہ کھایا۔ تیسرے دن جب روٹیاں تیار فرمائیں تو ایک سائل نے دروازے پر حاضر ہو کر صدا دی کہ: اے اہلِ بیت السلام علیکم! مَیں ایک قیدی ہوں اور بھوکا

ہوں، مجھے کچھ کھانے کے لیے دیجیے۔ آپ نے وہ روٹیاں اُٹھائیں اور اسی طرح اس قیدی
کے حوالے کردیں اور خود پانی پی کر گزارا کیا۔

حضور نبی کریم شاہِ دوجہاں کے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن کی
بھوک نے جب بہت نڈھال کیا تو آپ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ انھیں لے کر دربار
رسالت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ تو حضور ﷺ نے اُمہات المومنین کے پاس
کھانا تلاش کیا مگر کھانے کو کچھ نہ ملا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی
آکر بھوک کی شکایت کی اور کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے یہاں کھجوریں ہیں۔ تو جب یہ سب ان کے یہاں تشریف لے گئے تو وہاں بھی
کچھ نہ پایا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ: یہ ٹوکرا لے جاؤ
اور فلاں کھجور سے کہو کہ حبیب اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کھانے کے لیے کچھ کھجوریں دے دو۔
چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کیا اور کھجور کو جا کر نبی کریم ﷺ کا پیغام دیا تو
اللہ کے حکم سے اس کھجور سے اتنی تروتازہ کھجوریں گریں کہ سب نے سیر ہو کر کھائیں اور حق
سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت علی کے ایثار سے خوش ہو کر یہ آیت نازل فرمائی: **وَيُطْعِمُونَ
الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ۝** (سورۂ انسان، آیت:8)

کھانے کی ضرورت ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں
کو کھانا کھلا دیتے ہیں۔

واقعۂ ہجرت

کیمیائے سعادت میں صفحہ:437 اور مجالسِ سنیہ میں صفحہ:9 پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کے ایثار کا ایک اور واقعہ درج ہے کہ:
اللہ تعالیٰ نے اس وقت جب حضور نبی کریم ﷺ حضرت علی کو ہجرت کے وقت اپنے
بستر پر لٹا کر چلے گئے کہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔
ماشاءاللہ! دشمنوں کی امانتیں بھی واپس کرنے کا کتنا خیال ہے اور انھوں نے مکان کو

گھیرے میں لے رکھا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور ایک کی عمر دوسرے سے
بڑی کی، تم میں سے ایسا کون ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دے دے۔ تو ہر ایک نے اپنی عمر
درازی کی آرزو کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ نے کیا ہے۔ میں نے اسے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کا بھائی بنایا اور اس نے اپنی
جان اپنے بھائی حضور نبی کریم ﷺ پر فدا کردی کہ آج رات اس خطرے میں اپنے بھائی
کی جگہ پر سو رہا ہے۔ تم دونوں جاؤ اور اسے دشمن سے بچاؤ، چنانچہ دونوں فرشتے فوراً آئے۔
حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت علی کے سرہانے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پائنتی کی
طرف کھڑے ہوگئے اور حضرت علی کے ایثار سے خوش ہو کر کہنے لگے:

بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ يَا ابْنَ اَبِي طَالِبٍ ۝

واہ واہ، اے ابن طالب! تیرے جیسا کون ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تیری
ذات پر فخر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے راضی ہو کر یہ آیت نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:207)

جنگ میں پانی پلانے کا واقعہ

کیمیائے سعادت، صفحہ:438 اور مجالسِ سنیہ، صفحہ:39 اور نزہۃ المجالس، صفحہ:176 پر
مرقوم ہے کہ جنگ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ
اپنے چچازاد بھائی کو شہدا میں تلاش کر رہا تھا، وہ مجھے اس حالت میں ملا کہ جاں بلب تھا اور پانی
مانگ رہا تھا۔ میں نے اسے پانی کا پیالہ دیا، وہ لے کر پینے ہی والا تھا کہ ایک اور زخمی نے
پکارا کہ: ہائے پانی! تو میرے چچازاد بھائی نے پانی نہ پیا اور اشارہ کیا کہ پہلے اسے پانی
پلاؤ۔ میں حسبِ حکم پانی اس کے پاس لے گیا اور پانی پیش کیا، وہ پینے والے تھے کہ دوسری
طرف سے آواز آئی: ہائے پانی! انھوں نے فرمایا: پہلے اسے پلاؤ، مجھ سے زیادہ پیاسا ہوگا۔
جب میں اس کے پاس گیا تو وہ جاں بحق ہو چکا تھا۔ میں واپس دوسرے صاحب کے پاس

آیا تو وہ بھی اپنے مالک سے جا ملے تھے۔ پھر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس لوٹا تو وہ بھی دَم توڑ چکے تھے۔

یہ تھا ایثار کہ مرتے وقت بھی اپنی پیاس کی شدّت پر دوسرے کی پیاس کو مقدم رکھنا نہ بھولا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا واقعہ

مجالس سنیہ، صفحہ:35 پر ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر بیمار تھے۔ جب تندرست ہوئے تو دوستوں سے مچھلی کے گوشت کی خواہش کا اظہار کیا۔ مچھلی بھون کر پیش کی گئی اور جب کھانے لگے تو ایک سائل نے عرض کیا: میں بھوکا ہوں، اللہ کے لیے کچھ دیجیے۔ آپ نے غلام کو حکم دیا کہ یہ مچھلی سائل کو دے دو۔ غلام نے عرض کیا: آپ نے تو بڑی محبت و خواہش سے مچھلی تیار کرائی ہے، خود کیوں نہیں کھائی اور سائل کو کیوں دے دی؟ تو آپ نے قرآن پاک کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ (سورۂ آل عمران، آیت:92)

تم اس وقت تک بھلائی حاصل نہیں کر سکتے ہو جب تک وہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمھیں سب سے پیاری ہو۔

شہد کی بخشش

نزہۃ المجالس، صفحہ:178 حضرت منصور بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھوڑا سا شہد طلب کیا تو حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے فلاں وکیل کے پاس جاؤ، وہاں شہد مل جائے گا۔ وہ عورت اس کے پاس حسب فرمان پہنچی تو اس نے اس عورت کو ایک سیر بیس رطل شہد کے دیے۔ جب حضرت سیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا: آپ نے اتنا زیادہ شہد کیوں عنایت فرمایا؟ حالانکہ اس عورت کو تھوڑے سے شہد کی ضرورت تھی تو جواب میں فرمایا: اس عورت نے اپنے مرتبے کے لحاظ سے مانگا تھا اور ہم نے اپنے

مرتبے کے اعتبار سے اسے شہد دیا۔ ماشاء اللہ کیا تمنا ہے کیا بخشش ہے۔

400 دینار کا واقعہ

تفسیر صاوی، صفحہ:161 پر درج ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے 400 دینار کی ایک تھیلی ایک غلام کو دے کر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا اور کہا کہ دیکھنا وہ ان دیناروں کا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ غلام حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ 400 دینار آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ انھیں اپنی ضروریات میں لائیے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحمت فرمائے اور اپنی لونڈی کو بلا کر فرمایا کہ یہ 5 دینار فلاں کو دے آؤ اور 7 فلاں کو اس طرح سے سارے دینار وہیں بیٹھے بیٹھے تقسیم کر دیے۔ غلام نے یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غلام کو 400 دینار کی ایک اور تھیلی دے کر معاذ بن جبل کی طرف روانہ کیا اور کہا، دیکھنا کہ وہ اسے کیسے صرف کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ غلام حسب فرمان خلیفہ اسلام و مسلمین حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: خلیفہ نے یہ 400 دینار آپ کے خرچ کے لیے بھیجے ہیں۔ تو معاذ بن جبل نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل شانہ امیر المومنین پر رحم کرے اور وہ نقد لے کر اپنی لونڈی سے کہا: اتنے دینار فلاں گھر میں دے آؤ اور اتنے فلاں گھر میں۔ پھر اسی اثنا میں آپ کی زوجہ محترمہ بھی آ گئیں اور بولیں خدا کی قسم! ہم بھی محتاج اور مسکین ہیں، ہمیں بھی کچھ دیجیے۔ اس وقت آپ کے پاس صرف دو دینار باقی تھے۔ اپنی بیوی کی طرف پھینک دیے۔ غلام نے یہ واقعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا: لوگ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضروریات پر مقدم جانتے ہیں۔

ایک غلام کا ایثار اور اس کی جزا

کیمیائے سعادت، صفحہ:237 پر مرقوم ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر کر رہے تھے اور ایک باغ میں پہنچے جس کا چوکیدار ایک حبشی غلام تھا۔ اس غلام کا

کھانا آیا، جس میں تین روٹیاں تھیں۔ وہ کھانے لگا تو ایک کتا آیا، کتے نے دُم ہلا کر روٹی کا سوال کیا تو اُس غلام نے ایک روٹی کتے کے آگے ڈال دی۔ جب وہ کھا چکا تو اسی طرح دُم ہلاتا تھا پھر دوسری روٹی بھی اس کتے کے آگے ڈال دی۔ جب کتا دوسری بھی کھا چکا تو تیسری روٹی بھی کتے کے آگے ڈال دی، وہ کتا تینوں روٹیاں کھا گیا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس غلام سے پوچھا: تیری روزانہ کی روزی کتنی ہے؟ تو جواب ملا کہ یہی تین روٹیاں۔ تو میں نے پوچھا: پھر یہ تینوں کتے کو کیوں ڈال دیں؟ اس غلام نے جواب دیا: یہ کتا یہاں کا نہیں کہیں دور سے آیا ہے۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ یہ بھوکا واپس جائے۔ ہم نے پوچھا: اب تم کیا کھاؤ گے؟ تو اس نے جواب دیا کہ آج میں صبر سے کام لوں گا۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لوگ مجھ کو سخاوت کی وجہ سے پسند کرتے ہیں لیکن یہ حبشی غلام سخاوت میں مجھ سے بھی آگے نکل گیا۔ پھر آپ نے اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور ساتھ ہی وہ باغ بھی خرید کر اس کی نذر کر دیا۔ اللہ اللہ! یہ ہے ایثار اور یہ ہے غنا۔ اس ایثار کی برکت ملاحظہ فرمائیے کہ اس غلام کو اس کے بدلے میں کیا ملا۔

سوداگر کی تھیلی کا واقعہ

نزہۃ المجالس، صفحہ:178 پر ایثار کا ایک اور واقعہ اس طرح درج ہے کہ امام واقعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ تاجر کے پاس قرض لینے کے لیے گئے اور اپنی ضرورت کا تذکرہ کیا۔ اس تاجر کے پاس اس وقت صرف ایک تھیلی تھی جس میں ایک ہزار دینا اور ایک سو درہم تھے۔ چنانچہ اس نے پوری کی پوری تھیلی امام واقعدی کے حوالے کر دی۔ جب آپ تھیلی لے کر گھر واپس آنے لگے تو ایک ہاشمی نوجوان قرض کے طور پر کچھ رقم لینے کے لیے ان کے گھر آیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے چاہا کہ کچھ رقم اس میں سے اس ہاشمی نوجوان کو دے دوں تو میری بیوی نے کہا: تو ایک بار سوداگر کے پاس گیا تو جو کچھ اس کے پاس تھا اس نے تجھے اُٹھا دیا اور اب تیرے پاس رسول اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والا نوجوان آیا ہے تو اسے ساری رقم کیوں نہیں دے دیتا جو میرے پاس ہے؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے ساری

کی ساری تھیلی دے دی اور وہ تھیلی لے کر گھر چلا گیا۔ اب وہ سوداگر جس سے میں نے قرضہ لیا تھا اسی ہاشمی نوجوان کے پاس گیا اور کچھ رقم بطور قرض مانگی۔ اس ہاشمی نوجوان نے وہ تھیلی اس تاجر کے حوالے کر دی۔ تاجر نے اپنی تھیلی پہچان لی۔

ماشاء اللہ! کیسا ایثار تھا کہ کسی نے بھی اپنے لیے ایک درہم بھی نہ رکھا اور اس ایثار کی برکت ملاحظہ ہو:

امام برکلی فرماتے ہیں کہ میں یحییٰ برکلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ جب انھوں نے تھیلی کھولی تو اس میں صرف دس ہزار دینار تھے۔ یحییٰ برکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام واقعدی رحمۃ اللہ سے فرمایا: اس میں سے دو ہزار دینار اس سوداگر کے ہیں۔ دو ہزار ہاشمی نوجوان کے، دو ہزار تیرے اور چار ہزار تیری بیوی کے۔

ماشاء اللہ! ان دیناروں کو ایثار کی نیت سے رکھنے والوں کی نیت کے مطابق تقسیم کر دیا ہے۔ یہ ہے دوستو! ایثار اور یہ ہے اس کا اجر۔

تو میرے بھائیو! ہم کو ان واقعات کے سننے کے بعد ان بزرگوں سے ایثار کا سبق سیکھنا چاہیے اور ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان پر اسی طرح ایثار اور مہربانی کرنی چاہیے جس طرح ہمارے بزرگوں نے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کو خداوند کریم عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

دربیانِ سماعِ موتیٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝
(سورۂ نسا، آیت:69)

سب تعریفیں اس سمیع وبصیر کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو ایسی قوتِ سماعت عطا فرمائی ہے کہ بعد از موت بھی دنیا کی باتوں کو اسی طرح سنتا ہے جس طرح اپنی دنیاوی زندگی میں، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور لاکھوں درود اور کروڑوں سلام اس ذاتِ انور پر جو ہمارے مونس و غمخوار اور شافع روزِ جزا ہوں گے۔

دوستو! پچھلے وعظ میں عرض کر چکا ہوں کہ شہدا، انبیا اور اولیا و صدیقین کو موت کا ہاتھ فنا نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ نقل مکانی کر کے اس دنیا سے دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں اور اس دنیا سے ان کا تعلق بدستور قائم رہتا ہے۔ وہ ہمارے کلام وسلام کو سنتے اور جواب دیتے ہیں، ہماری مدد فرماتے ہیں اور ہمیں پہچانتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے ان دوستوں کے طفیل ان اولیا و انبیا کے پیروکاروں کا بھی انھیں کے ساتھ حشر کرے گا۔ اور یہ اس بات کا بدلہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم ﷺ کے احکامات کی اطاعت کرتے رہے ہوں۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝
(سورۂ نسا، آیت:69)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت کرے گا، اسے ان لوگوں کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ یعنی انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین، کتنے اچھے ساتھی ہوں گے۔

ماشاء اللہ! واقعی کتنے اچھے دوست اور رفیق ہوں گے۔ تمام انبیائے کرام، صحابۂ کرام اور تمام اولیائے کرام میں سے جس کے ساتھ چاہے گا، رہے گا۔

لیکن یہ نیک لوگ تو صاحبِ ادراک ہوں گے، اور قبور میں بھی پکارنے والے کی آواز سننے اور ان کی مدد کے لیے پہنچنے والے صاحبِ عظمت ہوں گے۔ ان کی رفاقت تو صرف ان لوگوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے جو صاحبِ ادراک ہوں اور سننے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ علاوہ ازیں عالمِ برزخ کو عالمِ شہادت سے ایک حد تک لگاؤ رہتا ہے اور وہ عالمِ شہادت سے اطلاع رکھتے ہیں۔ وہ اپنے زائر کو جانتے ہیں اور اس کی آواز کو سنتے ہیں اور پہچانتے ہیں اور ان کے سلام و پیام کا جواب دیتے ہیں۔

مرنے والے کے اِدراک و شعور اور سننے سمجھنے کے بارے میں کئی ایک احادیث نبوی ہیں جو اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ مرنے والا موت کے بعد بھی سنتا اور سمجھتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ پاک کے قبرستان سے گزرتے تو فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ ۝ (رواہ ترمذی)

اے قبر کے رہنے والو! تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں بخشے، تم ہم سے پہلے آئے اور ہم تمہارے بعد آئیں گے۔

دوستو! پکارا ایسے شخص کو جا سکتا ہے جو سنتا اور جانتا ہو۔ ورنہ ایسے شخص کے ساتھ کلام کرنے کا کیا مقصد جو نہ سن سکتا ہو، نہ سمجھ سکتا ہو۔

ابن قیم لکھتے ہیں: اَلْخِطَابُ وَالنِّدَاءُ لِمَوْجُوْدٍ يَسْمَعُ وَيُخَاطَبُ وَيَعْقِلُ۔

مردہ لوگ اپنے پاس موجود کی پکار اور کلام کو سنتے ہیں مخاطب ہوتے ہیں اور شعور رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اہلِ قبور کو پکارنے اور ان سے یوں مخاطب ہونے کی ہدایت فرمائی ہے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:254)

اس دیار کے مسلمانو اور مومنو، السلام علیکم! بے شک ہم عنقریب تم سے ملنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے عافیت کے طلب گار ہیں۔

ابن قیم لکھتے ہیں: فَاِنَّ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ لَّا يَسْمَعُ وَلَا يَشْعُرُ وَلَا يَعْلَمُ بِالْمُسْلِمِ مُحَالٌ۔ (کتاب الروح، صفحہ:8)

جو سن اور سمجھ نہیں سکتا اسے مسلمان کا سلام کرنا عبث ہے۔

ابن ابی الدنیا اور صابونی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ يَمُرُّ عَلٰى قَبْرِ رَجُلٍ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جو بندہ کسی شخص کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو دنیا میں جانتا تھا، اُس پر سلام دے تو مردہ اس کو پہچانتا ہے اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں:

ابن ابی الدنیا نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: مَا مِنَ الرَّجُلِ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ وَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَاْنَسَ وَرَدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُوْمَ۔ (کتاب الروح، شرح الصدور، صفحہ:84)

جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے پاس بیٹھے تو میت اس سے مانوس ہوتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے، یہاں تک کہ اُٹھے۔

مردہ زندہ سے زیادہ سنتا ہے

دوستو! جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ مردہ سنتے ہیں اور ان سے زیادہ قوتِ سماعت رکھتے ہیں جو زندہ ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں حضور نبی کریم ﷺ نے روٴسائے قریش کی نعشوں سے یوں خطاب فرمایا:

يَا فُلَانَ ابْنِ فُلَانٍ يَا فُلَانَ ابْنِ فُلَانٍ اَيَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا۔

اے فلاں کے بیٹے! تم کو یہ بات خوش کرنے والی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہو، پھر فرمایا بے شک ہم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا۔ کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا۔

یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا۔

یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرماتے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:345)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے۔ تم ان سے جو میں کہہ رہا ہوں زیادہ نہیں سنتے۔

ابن قیم نے کتاب الروح کے صفحہ:4 پر اسی حدیث سے دلیل حاصل کرتے ہوئے لکھا ہے: ”سلف حضرات کا سماعِ موتی پر اجماع ہے اور آثار تواتر تک پہنچ گئے ہیں کہ میت اپنے زندہ زائر کی زیارت کو جانتا ہے اور اس سے خوشی مناتا ہے۔“

میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے

میت ہلکی سے ہلکی آواز سننے کی بھی اہلیت رکھتا ہے اور یہاں تک کہ بمطابق فرمانِ نبی

کریم ﷺ، چلنے والے کی جوتیوں کی آواز بھی مٹی تلے سن لیتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، صفحہ:24)

بے شک جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست اس سے واپس ہو جاتے ہیں تو میت ان کی جوتیوں کی آواز سنتے ہیں۔

مردہ سب کی آواز سن سکتا ہے، زندہ اس کی آواز نہیں سن سکتا:

مردہ ہر چیز کی آواز بہ آسانی سن سکتا ہے اور سب کچھ دیکھتا اور سمجھتا ہے لیکن اس کی آواز کو زندہ نہیں سن سکتے۔ صرف اس وجہ سے کہ اگر اس کی آواز کو زندہ سن لیں تو ڈر جائیں اور میت کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہمیں مردے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ اِحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ يَا وَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهُ لَصَعِقَ ۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ، صفحہ:144)

جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے، مجھے آگے بڑھاؤ اور اگر برا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ: ہائے خرابی اس کو کہاں لیے جاتے ہو۔ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے مگر انسان کہ وہ سنے تو بے ہوش ہو جائے۔

دوستو! ان احادیث مبارکہ سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ میت کی قوتِ سماعت زندہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور وہ ہر چیز کی ہلکی سے ہلکی آواز کو سنتا اور سمجھتا ہے۔ نیز میت اپنے پکارنے والے کو جانتا اور سنتا ہے اور اس کے کلام و سلام کا جواب دیتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے اس بات کی خاص طور سے تصدیق ہو جاتی ہے کہ میت ہماری

آوازوں کو سنتا ہے اور ہر بات سمجھتا اور جانتا ہے لیکن ہم اس کی بات کو سننے سے قاصر ہیں۔

منکرین کا اعتراض

بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کلام پاک کی ان آیات میں کہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۔ اس بات کی نفی ہے کہ مردہ لوگ سنتے ہیں، تو لیجیے یہ سنیے:

ان آیات کا مردہ یعنی میت کے سننے سے تعلق نہیں بلکہ یہ آیات ان کفار کے لیے نازل ہوئیں جو ہدایت و نصیحت کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ ان کے کانوں، آنکھوں اور دِلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، ان کو مانندِ مردہ قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح مردہ حرکت کرنے سے قاصر ہوتا ہے اسی طرح ان کے دل، آنکھیں اور کان مردہ ہو چکنے کے باعث سننے، دیکھنے اور جاننے کے باوجود ایمان قبول کرنے کی طرف حرکت میں نہیں آئے۔

پھر کفارِ مکہ کو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ واقعی گونگے تھے یا بہرے تھے یا اندھے تھے، بلکہ ان کی عدم توجہی کو اس بات پر محمول کیا گیا کہ وہ مانند گونگوں کے نہ کوئی جواب رکھتے ہیں، نہ مانند بہروں کے بات کو سُن کر سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی اچھائی برائی کو دیکھنے اور پرکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کی وجہ ان کی ہٹ دھرمی ہے۔

پھر کفارِ مکہ کے لیے یہ الفاظ بھی کلام پاک میں آئے کہ: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔

(سورۂ اعراف، آیت:179)

یعنی ان کے دل سمجھتے نہیں اور انھیں ایسے کان دیے گئے ہیں جو سنتے نہیں اور ان کی آنکھیں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔ حالانکہ وہ دیکھ بھی سکتے تھے اور سمجھ بھی سکتے تھے لیکن ان کے اعضا کو ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے مفلوج قرار دیا گیا۔ اسی طرح ان کفار کو مردہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مُردوں کی طرح وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مذکورہ آیات میں بھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی سے یہی مراد لی گئی ہے کہ وہ مُردوں کی

طرح آپ کی بات کو سن کر فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

اس میں سماعِ مطلق کی نفی نہیں بلکہ سماعِ قبول وانتفاع کی نفی ہے۔ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ تو میری نہیں سنتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے کانوں تک آواز نہیں پہنچتی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تجھ میں سننے کی طاقت تو ہے لیکن تسلیم نہیں کرتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ ہے کہ:

انسان را بعد از موت ادراک باقی میماند بہ ایں معنی شرع شریف وقواعد فلسفی اجماع دارند۔ اما در شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم قبر بتواتر ثابت است تفصیل آں دفتر طویل می خواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است و دیگر کتب حدیث باید دید و در کتب کلامیہ اثبات عذاب قبر می نمایند حتی کہ بعض اہلِ کلام منکر آں را کافر می دانند و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمی تواند شد۔

آفریں ہے کہ بالجملہ انکارِ شعور وادراک اموات اگر در الحاد بودن شبہ نیست۔

(تفسیرِ عزیزی، جلد اوّل، صفحہ:88)

علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے مطلب میں فرماتے ہیں:

'آنست کہ تو نمی شنوائی بلکہ خدائے تعالیٰ می شنواند' (اشعۃ اللمعات، صفحہ:400، جلد سوم)

آپ نہیں سنواتے بلکہ اللہ تعالیٰ سنواتا ہے۔

ابن قیم نے ان آیات کا جواب اپنی کتاب 'کتاب الروح' میں یوں تحریر کیا ہے:

اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۚ سِیَاقُ الْاٰیَةِ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْمُرَادَ مِنْهَا اَنَّ الْكَافِرَ الْمَیِّتَ الْقَلْبَ لَا تَقْدِرُ عَلٰی اَسْمَاعِهٖ اِسْمَاعًا یُنْتَفَعُ بِهٖ وَقَدْ اَخْبَرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنَّهُمْ یَسْمَعُوْنَ خَفْقَ نِعَالِ الْمَشِیْئِیْنَ وَاَخْبَرَ اَنَّ قَتْلٰی بَدْرٍ سَمِعُوْا كَلَامَهٗ وَخِطَابَهٗ وَشَرَعَ السَّلَامَ عَلَیْهِمْ بِصِیْغَةِ الْخِطَابِ لِلْحَاضِرِ الَّذِیْ یَسْمَعُ وَاَخْبَرَ اَنَّ مَنْ سَلَّمَ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ هٰذِهِ الْاٰیَةُ نَظِیْرَةٌ وَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ۚ

مندرجہ بالا عبارت سے صاف عیاں ہے کہ کافر کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور وہ قوتِ

سماعت اسے نفع نہیں دیتی۔ ورنہ مردہ تو اپنے زائر کا سلام وکلام سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بدر کے مقتول بھی جو کافر تھے بقولِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام باتوں کو سنتے اور سمجھتے تھے۔

آخر میں ایک واقعہ سماعِ موتیٰ کے بارے میں بیان کر کے وعظ کو ختم کرتا ہوں۔

ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ جب وہ مر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور نمازِ جنازہ کے بعد اس عورت سے سوال کیا کہ تو نے کون سا عمل بہتر پایا۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ سنتی ہے؟

آپ نے فرمایا: تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔

پھر فرمایا: اس عورت نے جواب دیا ہے کہ: 'مسجد میں جھاڑو دینا بہتر عمل ہے۔'

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:35)

☆☆☆

چوبیسواں وعظ

دربیانِ حیاتِ شہدا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جس نے اپنے چاہنے والوں کو اس رحمۃ اللعالمین کے طفیل ابدی زندگی بخشی جو زمین و زمان اور مکین و مکان کے مختار ہیں اور بعد وصال بھی ہماری دعاؤں اور نداؤں کو اسی طرح سنتے ہیں جس طرح ہمارے درمیان ہوتے ہوئے سنتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جینے اور مرنے والا موت کے ہاتھ سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اسے ابدی زندگی دستیاب ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی ہی نہیں جو صرف احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچانے اور ان پر عمل کرانے اور اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے بلکہ اُن کے ادنیٰ غلام اور پیروکار بھی جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضا کے لیے زندہ رہے، حیاتِ جاوید کے حامل ہیں۔ ان کو موت کبھی نہ فنا کرسکی ہے، نہ کرسکے گی بلکہ وہ زندہ ہیں اور انھیں مردہ کہنا کفر ہے۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ جس کے لیے فرمایا ہے کہ: زندہ ہے مردہ نہ کہو۔ تو ہم احکام خداوندی کو جھٹلائیں گے تو کافر ہوجائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں! تمھیں خبر نہیں۔
کلام پاک کی اس آیت سے واضح ہوجاتا ہے کہ موت کا ہاتھ اللہ کی رضا کے لیے اور

اس کے احکام کی اشاعت وحفاظت کی خاطر دنیاوی زندگی کو قربان کردینے والے کو مار نہیں سکتا بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور اسے مردہ کہنا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ وہ اسی طرح سنتا ہے جس طرح ہم سنتے ہیں اور وہ ہمارے کلام وسلام کا جواب دیتا ہے۔

شہدا سلام کا جواب دیتے ہیں

طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اُحد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں نے ان کی قبروں پر کھڑے ہوکر فرمایا: اَشْھَدُ اَنَّکُمْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ اللّٰہِ فَزُوْرُوْھُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَیْھِمْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ اَحَدٌ اِلَّا رَدُّوْا عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔
(شرح الصدور، صفحہ:84)

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم اللہ کے پاس زندہ ہو۔ پس ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔

تو دوستو! اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ ہمیں شہدا اور انبیا و اولیا کی قبور کی زیارت کے لیے جانا چاہیے اور ان پر سلام بھیجنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اور یہ سنتِ نبوی ﷺ اور سنتِ تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

بیہقی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب شہدا کی زیارت کے لیے اُحد کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے تو بہ آواز بلند فرماتے: سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔ اسی طرح صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تشریف لے جاتے اور ہر سال سلام فرماتے رہے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم شہدا کی قبور پر سلام کے لیے گئے، میرے ساتھ میری بہن بھی تھی۔ شام کا وقت تھا۔ میں نے اپنی بہن سے کہا کہ آؤ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر حاضر ہوکر سلام عرض کریں۔ چنانچہ ہم دونوں نے ان

کی قبر مبارک پر کھڑے ہو کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاعَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔
توقبر سے آواز آئی: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔ (شرح الصدور، صفحہ:287)

امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے کہ جمعہ کے دن ایک روز قبل طلوع آفتاب میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ سے اُحد کے شہدا کی قبور کی زیارت کے لیے گیا۔ جب ہم مقابر کے پاس پہنچے تو میرے والد صاحب نے بلند آواز میں کہا:

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔

جواب ملا: وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ۔

یہ جواب سن کر میرے والد نے مڑ کر میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ بیٹے! تم نے جواب دیا۔ میں نے کہا: نہیں، پھر انھوں نے مجھے اپنی داہنی طرف کر لیا اور ان شہدا کو پھر سلام دیا۔ پھر وہی جواب ملا۔ تیسری دفعہ پھر سلام دیا تو وہی جواب ملا۔ اس پر میرے والد اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ (شرح الصدور، صفحہ:88)

شہدا کلام کرتے ہیں

دوستو! جس طرح سے شہدا ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اسی طرح وہ اپنی زبانِ حال سے پکار کر ہمارے سوال کا جواب بھی دیتے ہیں۔

ابن مندہ نے حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنگ یمامہ میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے۔ جب ہم ان کو قبر میں اُتارنے لگے تو ہم نے ان کی زبان سے سنا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر شہید اور حضرت عثمان امین و رحیم ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن جب ہم نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بے جان تھے۔ (شرح الصدور، صفحہ:92)

زین الدین جوشی کا بیان ہے کہ منصورہ میں مسلمانوں کے ساتھ فقیہ عبد الرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرنگیوں کی قید میں آ گئے۔ اس وقت آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:169)

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سے ان کو روزی پہنچتی ہے۔

جب حضرت عبد الرحمن نویری رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا گیا تو ایک فرنگی نے آپ سے پوچھا: اے مسلمانوں کے عالم! تو تو کہتا تھا کہ شہید زندہ ہوتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔ یہ کیسے درست ہے؟ چنانچہ آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا:

حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ حَیٌّ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔

ربِ کعبہ کی قسم! میں زندہ ہوں۔ کعبہ کے رب کی قسم میں زندہ ہوں۔

اس فرنگی نے گھوڑے سے اُتر کر آپ کے چہرے کو بوسہ دیا اور غلام کو حکم دیا کہ ان کو اُٹھا کر شہر میں لے چلے۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

دوستو! شہدا کی حیات یعنی زندہ ہونے کی کتنی اچھی اور واضح مثال ہے کہ ایک شہید زبانِ حال سے پکار کر اپنے زندہ ہونے کی قسم کھاتا ہے۔ ماشاء اللہ۔

شہدا کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا

دوستو! شہدا کو دفن کیا جائے تو ان کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا بلکہ پھول کی طرح تازہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے زخم بھی اسی طرح رہتے ہیں۔

علامہ محقق عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح اخبار میں ہے کہ بعض شہدائے اُحد کو چھیالیس سال بعد اُن کی قبروں سے نکالا گیا تو ان کے جسم کلیوں کی طرح تازہ تھے اور یہاں تک کہ ان کے کفن بھی میلے نہ ہوئے تھے۔ ماشاء اللہ! گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے۔ بعض شہدا نے اپنے ہاتھ اپنے زخموں پر رکھے ہوئے تھے۔ جب ان کا ہاتھ زخم سے اٹھایا گیا تو نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا اور جب ہاتھ کو چھوڑا تو خود بخود زخم پر پہنچ گیا۔

دوستو! یہ ہے شان شہدا کی جنھوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے صرف کر دی۔

شہدا تلاوتِ کلام پاک فرماتے ہیں

دوستو! شہدا اسی طرح زندہ ہیں جس طرح ہم روئے زمین پر اس دنیاوی زندگی میں

کاروبار انجام دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح اپنے مستقر میں نماز ادا کرتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر واذکار اور تلاوت کلام پاک کرتے ہیں۔

دلائل نبوت میں سہیلی نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ایک مکان میں گڑھا کھودا، نیچے ایک تختہ آیا۔ جب اسے ہٹا کر دیکھا تو ایک بزرگ نورانی صورت کو ایک تخت پر بیٹھے کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہوئے پایا۔ اس بزرگ کے سامنے ایک سبز باغیچہ تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر زخم کا نشان تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ شہدا میں سے ہے۔

شہدا جہاں چاہیں جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ عزوجل نے شہدا کے حق میں فرمایا ہے: بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ عزوجل نے ان کی ارواح کو جسموں کی قوت عطا فرما رکھی ہے اور وہ جہاں چاہیں جاتے ہیں اور دنیا کے ضروری اُمور سرانجام دیتے ہیں۔

ابن جوزی کی کتاب عیون الحکایات میں رقم ہے کہ شام کے تین بہادر شہ سواروں کو رومیوں نے گرفتار کرلیا، کیونکہ وہ بہت بڑے مجاہد تھے۔ روم کے بادشاہ نے ان سے نصرانی دین اختیار کرنے کو کہا اور اپنی بیٹیوں اور ملک وسلطنت کا لالچ دیا۔ لیکن ان اہل ایمان مجاہدوں نے انکار کردیا اور دربارِ رسالت سے مدد کے طالب ہوتے ہوئے پکارے یا محمداہ!

اس پر بادشاہ نے زیتون کے تیل کی تین دیگیں آگ پر چڑھا کر تین روز تک انھیں دیگوں کے پاس لے جا کر نصرانیت کی دعوت دی لیکن وہ اللہ اور اس کے حبیب لبیب کے شیدائی اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ انھیں نہ کوئی زن وزر کی لالچ اپنے دین سے پھیر سکتی تھی نہ موت اور دکھ کا ڈر ان کے قدموں میں لغزش پیدا کرسکتا تھا۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ وہ خوف و ہراس سے مبرّا ہیں۔ چنانچہ ان نصرانیوں نے پہلے بڑے بھائی کو دیگ میں ڈال دیا پھر دوسرے کو لیکن جب تیسرے اور سب سے چھوٹے خوبرو نوجوان کو دیگ میں ڈالنے لگے تو ایک وزیر نے اس نوجوان کو دین اسلام سے پھیرنے کا بیڑا اُٹھاتے ہوئے بادشاہ سے عرض کیا: اسے میرے سپرد کردیا جائے، میری حسین وجمیل بیٹی اسے اپنا مذہب چھوڑنے پر

مجبور کردے گی۔ کیونکہ عرب عورتوں سے بہت محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسے چالیس دن کی مہلت دے دی گئی اور لڑکی کو اس مہم کو انجام دینے کا کام سونپ دیا گیا۔ وہ دن رات اس اللہ کے مجاہد کے پاس رہتی اور اس کو بہکانے کی تدابیر سوچتی رہتی۔ لیکن وہ اللہ کا دوست دن بھر روزہ رکھتا اور رات ذکرِ الٰہی میں گزار دیتا۔ اس طرح سے چالیس دن کی مدت ختم ہوگئی۔ نہ ہی اس مجاہد نے کوئی توجہ اس حسینہ کی طرف دی اور نہ ہی وہ حسینہ اس مردِ خدا کو بہکانے کی کوئی تدبیر کرسکی۔

پھر یہ سوچ کر کہ شاید اسے اپنے بھائیوں کا غم ہو، اس وجہ سے وہ توجہ نہ دے رہا ہو، ان کو کسی دوسرے شہر میں منتقل کردیا گیا اور مدتِ مقررہ میں توسیع کردی۔ مگر اس جوانِ باایمان کا یہاں بھی وہی حال تھا کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت الٰہی میں مصروف ہوجاتا۔ جب چند دن مدت کے ختم ہونے میں رہ گئے تو لڑکی نے اس مردِ مومن کے کردار سے متاثر ہوکر اس کا دین اختیار کرلیا اور کہا: اے جوان! میں نے تیرے اس عمل کو دیکھ کر تیرے دین کو پسند کیا۔ چنانچہ میں اپنا دین چھوڑ کر تیرا دین قبول کرتی ہوں اور وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر وہاں سے بھاگ نکلنے کا حیلہ کیا اور ایک سواری حاصل کرکے دونوں وہاں سے چل پڑے۔ وہ ایماندار اسلام کے دشمنوں سے بچنے کے لیے دن کے وقت چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے تھے۔

ایک رات انھوں نے گھوڑوں کی ٹاپ قریب آتے ہوئے سنی۔ سمجھے کہ دشمن پیچھا کررہا ہے لیکن قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس نوجوان کے دونوں شہید بھائی ہیں جن کے ہمراہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ جوان نے ان دونوں کو سلام کرکے ان کا حال پوچھا تو انھوں نے بتلایا کہ دیگ میں، ہم نے ایک غوطہ سا محسوس کیا۔ ہم سیدھے جنت میں پہنچ گئے اور اب اللہ عزوجل نے ہمارے سپرد یہ کام کیا ہے کہ تیری اور اس لڑکی کی شادی کردیں۔ چنانچہ انھوں نے ان کا نکاح پڑھایا، اور واپس ہوگئے اور جوانِ باایمان اپنی دلہن کے ساتھ اپنے ملک شام میں پہنچ گیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:89)

☆☆☆

پچیسواں وعظ

دربیانِ حیاتِ انبیا وشہدا واولیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

سب تعریفیں اس خالقِ باری کے لیے سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انسان کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کر کے اس کو ان کا مختار بنا دیا اور پھر انسان کو شکر وکفر کا اختیار دیا اور کفر سے بچنے کے لیے اس انسان کی رہنمائی کے لیے اپنے خاص بندے پیدا کیے۔ جنھوں نے اپنے پروردگار کا صحیح معنوں میں شکر ادا کر کے دکھایا۔ وہ اللہ کے بندے ہمیشہ اللہ کے لیے دنیا میں زندہ رہے اور اگر جان دی تو اسی کی راہ میں دی کیونکہ ان کا جسم ان کی جان سب اللہ کی امانت تھی:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تو ایسے لوگوں کو موت کا ہاتھ فنا نہیں کر سکتا بلکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ قرآن کریم کے دوسرے پارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:154)

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمھیں اس بات کا

شعور نہیں۔

دوستو! پچھلے وعظ میں کچھ شہدا کی شان میں عرض کر چکا ہوں۔ لیکن اب ان اللہ کے نبیوں کی شان میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی زندگی یعنی حیاتِ نبوی کا مقصد ہی صرف اللہ کی رضا کے لیے اپنی زندگی کو بسر کرنا اور اس کے احکام کو اس کی مخلوق اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ تک پہنچانا اور پھر اس کے حکم پر اپنے فرائضِ نبوت کو پورا کر کے دنیا کی نظروں سے پردے میں چلے جانا تھا۔

دوستو! جس طرح شہدا زندہ ہیں اسی طرح اللہ کے نبی اور اولیائے کرام بھی زندہ ہیں کیونکہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام شہدا سے افضل ہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ جو فرمایا ہے، اس سے مراد ہے کہ ان کے روحوں کو جسموں کی قوت عطا ہے اور وہ جہاں چاہتے جاتے اور سیر کرتے ہیں اور یہ حکم خاص شہدا کے لیے ہی نہیں بلکہ انبیا وصدیقین کے لیے بھی ہے جو شہدا سے افضل ہیں اور اولیاء اللہ بھی شہدا کے حکم میں شامل ہیں کیونکہ انھوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور، صفحہ:75)

اس سے ظاہر ہے کہ انبیائے کرام جو شہدا سے افضل ہیں یقیناً باحیات ہیں۔

آیئے حیاتِ انبیا کے بارے میں فرمانِ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ کریں۔

انبیائے کرام کی حیات کے بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ انبیائے کرام اپنی قبور میں باقاعدہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ سنتے ہیں اور وقتِ ضرورت ہماری ندا کا جواب دیتے ہیں اور زمین کی مٹی ان کے جسم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

انبیائے کرام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں

ابویعلیٰ وبیہقی اور ابن مندہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ۔ (جذب القلوب، صفحہ:199)

انبیا علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔

معراج کے وقت حضور ﷺ کی اقتدا میں انبیا کا نماز ادا کرنا ان کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَیْلَۃَ اَسْرٰی بِہٖ مَرَّ بِمُوْسٰی صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ۔ (شرح الصدور، صفحہ:78)

بے شک حضور اقدس ﷺ شب معراج موسیٰ علیہ السلام کی قبرِ انور کے پاس سے گزرے تو آپ قبر میں کھڑے نماز ادا کررہے تھے۔

انبیائے کرام فریضۂ حج بھی ادا کرتے ہیں

جس طرح اللہ کے نبی اپنی قبروں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اسی طرح وہ حج کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے خانۂ کعبہ حاضر ہوتے ہیں، جس کی تصدیق ذیل کی ایک حدیث پاک سے ہوتی ہے:

حضور اقدس ﷺ کا ارشادگرامی ہے کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ثنیہ سے اُتر رہے ہیں اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح فرمایا کہ میں یونس علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ آپ تلبیہ پڑھتے جارہے ہیں۔ (جذب القلوب، صفحہ:208)

انبیائے کرام ہماری ندا کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُہٗ۔

(مشکوٰۃ، صفحہ:187)

جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو درود شریف دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

سلیمان بن سحیم فرماتے ہیں کہ خواب میں، مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! جو لوگ آپ کی زیارت کو آتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، کیا آپ ان کا سلام سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نَعَمْ وَاَرُدُّ عَلَیْھِمْ۔ (جذب القلوب، صفحہ:119)

ہاں سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

اسی طرح کی کئی اور مثالیں ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منادی کی ندا کا جواب دیا یا سلام کا جواب دیا۔

ابن نجار نے ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں ایک سال حج پر گیا۔ جب حج کے بعد زیارت کے لیے روضۂ انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی۔ وعلیك السلام۔ (جذب القلوب، صفحہ:119)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی آپ کی قبر انور پر حاضر ہوا۔ اپنے آپ کو قبر انور پر ڈال کر خاک پاک کو سر میں ڈال کر عرض کیا: یارسول اللہ! جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو کچھ آپ نے اللہ سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کیا اور جو چیز آپ پر نازل ہوئی اس میں یہ آیت بھی ہے: وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (سورۂ نسا، آیت:64)

بے شک اگر وہ (بندے) اپنی جانوں پہ ظلم کریں پھر (اے محبوب) آپ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کے خواست گار ہوں اور رسول بھی ان کے لیے بخشش چاہیں تو ضرور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ میں نے بھی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اب تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپ میرے حق میں استغفار فرمائیں۔

چنانچہ قبرِ انور سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَكَ۔ (جذب القلوب، صفحہ:211)

جا تیری بخشش ہوگئی۔

زمین انبیا کے جسدِ مبارک کو نقصان نہیں پہنچا سکتی

دوستو! انبیائے کرام کے اجساد مبارک کو زمین کی مٹی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ زمین پر حرام ہے کہ ان کے جسم مبارک کو کھائے۔ اس امر کے ثبوت کی دلیل ذیل کی حدیث

مبارکہ سے پیش کی جاسکتی ہے۔

حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْہِ قُبِضَ وَفِیْہِ النَّفْخَۃُ وَفِیْہِ الصَّعْقَۃُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَیْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَیْکَ وَقَدْ اَرَمْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔

(رواہ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ والدارمی والبیہقی، مشکوٰۃ، صفحہ:120)

تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی میں ہولناک آواز (قیامت) ہوگی۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) ہمارا درود کس طرح پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ آپ بوسیدہ ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے جسموں کو کھائے۔

ہر نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے

دوستو! جس طرح شہدا کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے، اسی طرح انبیائے کرام بھی زندہ ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے رزق پاتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان جس کے راوی ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس کی تصدیق اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:12)

جمعہ کے روز مجھ پر درود شریف کی کثرت کیا کرو۔ کیونکہ یہ دن مشہور ہے اور اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور بے شک جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے فارغ ہونے سے پہلے اس کا درود مجھ تک پہنچادیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا: موت کے بعد بھی؟ فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ انبیا کے جسموں کو کھائے اللہ کا ہر نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا بھی شہدا کی طرح زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارک کے بارے میں لکھتے ہیں:

"موت کی حالت میں کوئی فرق نہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ اولیا اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف قلب مکانی کرتے ہیں۔"

نبی اپنے مرقد میں اذان اور تکبیر کہتے ہیں

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں سب لوگ مدینہ منورہ سے حرہ کی طرف چلے گئے اور مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہ ہوئی۔ میں مسجد شریف میں بیٹھا تھا۔ جب کچھ گھبرایا تو روضۂ اقدس کے قریب چلا گیا ظہر کا وقت ہوا تو روضۂ اقدس سے اذان کی آواز آئی تو میں نے دو رکعتیں ادا کیں پھر اقامت کی آواز آئی تو ظہر کی نماز ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ عصر کے وقت پھر اذان اور اقامت کی آواز آئی اور میں نے نماز ادا کی، اسی طرح ہر روز اذان و اقامت کی آواز آتی رہی اور میں نماز ادا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ تین دن کے بعد جب لوگ اپنے گھروں کو لوٹے اور وقت پر اذان دینے لگے تو روضۂ اطہر سے آواز آنا بند ہوگئی۔

(شرح الصدور، صفحہ:88)

اولیاء اللہ زندہ ہیں

دوستو! جس طرح شہدا جو مجاہد تلوار کے ہوتے ہیں ان کے زندہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح اولیا اللہ جو اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کے جویاں رہتے ہیں وہ بھی زندہ ہوتے ہیں اور موت کا ہاتھ انھیں فنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ جہادِ

اکبر کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے ابدی زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ اسی طرف اشارہ ہے کہ صالحین وصدیقین کا جہاد، جہادِ اکبر ہے۔

اسی جہاد میں وہ موت کو زیر کرلیتے ہیں اور انھیں موت کا کوئی خوف یا ڈر نہیں رہتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝

ولی مرتے نہیں بلکہ قلب مکانی کرتے ہیں

بزرگانِ دین کا قول ہے کہ ولی مرتے نہیں بلکہ صرف قلب مکانی کرتے ہیں اور اپنے مستقر میں اسی طرح نماز وعبادت کرتے ہیں اور کلام پاک کی تلاوت فرماتے ہیں یعنی وہ جس طرح دنیا میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے اسی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوکر بھی اپنے فرائض مستقر پر ادا کرتے رہیں: اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَّنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۝ (حاشیہ مشکوٰۃ، صفحہ:169)

اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں لیکن دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف قلب مکانی کرتے ہیں۔

چونکہ اولیاء اللہ مرتے نہیں اس لیے ان کے مستقر یعنی مقابر پر حاضر ہونے میں ہر طرح کے شرم وحیا کا لحاظ رکھا جائے۔ خصوصاً عورتیں اس بات کا خیال رکھیں کہ اولیاء اللہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کے سامنے کیسے جانا ہے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ اَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهُ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ۝ (رواہ احمد، مشکوٰۃ، صفحہ:154)

میں اس مکان جنت نشان میں جہاں حضور سید عالم ﷺ کا مزار پاک ہے، یوں ہی بے لحاظ ستر وحجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے؟ یہی میرے شوہر یا میرے

باپ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہوئے، اللہ کی قسم! میں سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث (رضی اللہ عنہم)۔

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے زندہ ہوتے ہیں اور اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی ان سے حیا کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔

اس حدیث کی شرح میں مشکوٰۃ، صفحہ:154 کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

حَيَاءٌ مِّنْ عُمَرَ دَلِيْلٌ عَلٰى حَيَاةِ الْمَيِّتِ۝

ولی اپنے مستقر میں کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا کہ اسے علم نہ تھا۔ اس قبر سے سورۂ ملک تبارك الذی تلاوت کرنے کی آواز آئی، یہاں تک کہ اس خیمہ کو ختم کیا۔ اسی صحابی نے یہ واقعہ حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۝

یہ روکنے والی نجات دینے والی اور اللہ کے عذاب سے بچانے والی ہے۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:187)

ابن مندہ نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

يُعْطَى الْمُؤْمِنُ مُصْحَفًا يَقْرَءُ فِيْهِ۝ (شرح الصدور، صفحہ:80)

مومن کو قرآن دیا جاتا ہے، جسے وہ قبر میں پڑھتا ہے۔

چونکہ زندہ ہی قرآن پڑھتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ مومن اپنے قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔

نیز ابن مندہ نے حضرت عاصم سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم نے بلخ میں ایک قبر کھودی تو اندر سے ایک میت نکلی۔ جب اس قبر میں، میں نے نظر کی تو اس میں ایک بزرگ قبلہ رخ بیٹھے ہوئے تھے جو ایک سبز چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کے اردگرد سبزہ تھا۔ ان کی گود میں قرآن پاک تھا، جسے وہ پڑھ رہے تھے۔ (شرح

الصدور، صفحہ:80)

اسی طرح ریاض الصالحین میں امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک قبر کھودی اور میت کو لحد میں اتارا تو قبر درست کرتے وقت ساتھ والی قبر سے ایک اینٹ گر پڑی۔ اس میں دیکھا ایک بزرگ سفید لباس پہنے تشریف رکھتے ہیں اور ان کی گود میں سونے کے پانی سے لکھا ہوا کلام مجید ہے، جسے وہ پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے نظر اٹھا کر ان سے پوچھا۔ خدا تم پر رحمت کرے کیا قیامت ہوگئی اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اچھا اللہ تمھیں معاف کرے، اینٹ اپنی جگہ پر رکھ دو۔ اس نے اینٹ کو اسی جگہ پر رکھ دیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

قبر میں درسِ قرآن دیا جاتا ہے

دوستو! جس طرح قبر میں اللہ کے دوست بندے کلام پاک کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اسی طرح جو پورا کلام پاک نہ پڑھ پائے ہوں اور انتقال کر جائیں انھیں فرشتے کلام پاک پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ مَاتَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَحْضِرَهٗ اَتَاهُ مَلَكٌ يُقْرِئُهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَيَلْقَى اللهُ وَقَدِ اسْتَحْضَرَهٗ۔ (شرح الصدور، صفحہ:80)

جس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا ہے اور یاد کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اس کو قرآن پڑھاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس نے قرآن پاک پورا کرلیا ہو۔

ان احادیث وروایات سے ظاہر ہے کہ اللہ کے بندے اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں اور تلاوتِ کلام مجید کرتے ہیں۔

اللہ کے بندے انتقال کے بعد بھی کلام کرتے ہیں

دوستو! اللہ کے بندوں نے انتقال کے بعد اپنی زبانِ حال سے بتلایا اور ثابت کیا کہ اللہ سے محبت رکھنے والے زندہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام قشیری قدس سرہٗ ابو یعقوب سوسی قدس سرہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک مرید نے مجھے ایک اشرفی دی اور کہا کہ کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا۔ آدھی اشرفی میں میرا کفن، آدھی میں دفن کردینا۔ چنانچہ دوسرے روز ظہر کے وقت کعبۃ اللہ کا طواف کرکے وہ کعبہ سے دور ہٹ کر لیٹا تو بے جان تھا۔ میں نے جب اسے قبر میں اتارا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں نے کہا: حَيٰوةٌ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ موت کے بعد حیات۔

اُس نے جواب دیا: انا حی و کل محب للہ حی میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالے میں ابوسعید خراز قدس سرہٗ سے راوی ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں تھا اور باب بنی شیبہ پر ایک جوان کو دیکھا کہ مردہ پڑا ہے۔ جب میں نے اس کی طرف نظر کی، وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور بولا:

يَا اَبَا سَعِيْدٍ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَحِبَّآءَ اَحْيَآءٌ وَاِنْ مَاتُوْا وَاِنَّمَا يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے زندہ ہیں، اگرچہ وہ مر جائیں۔ وہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجاتے ہیں۔

شیخ ابوعلی رودباری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فقیر کو قبر میں اُتارا۔ جب کفن کھولا تو ان کا سر مٹی پر رکھ دیا اور کہا: ''اللہ تعالیٰ ان کی غربت پر رحم کرے۔''

اس پر اس فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا: يَا اَبَا عَلِيٍّ تُذَلِّلُنِيْ بَيْنَ يَدَيْ مَنْ يُّدَلِّلُنِيْ۔

اے ابوعلی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

میں نے عرض کیا: يَا سَيِّدِيْ اَحَيٰوةٌ بَعْدَ مَوْتٍ۔

فرمایا: بَلٰى اَنَا حَيٌّ وَكُلُّ مُحِبٍّ لَاَنْصُرَنَّكَ بِجَاهِيْ غَدًا۔

ہاں! میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے۔ بے شک وہ وجاہت اور عزت جو مجھے

قیامت کے دن ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

اللہ کے بندے انتقال کے بعد بقدر ضرورت اپنے جسم کو حرکت دیتے ہیں

دوستو! اللہ کے دوست انتقال کے بعد اپنے جسم کو بھی حسب ضرورت حرکت دے سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ صرف زبان کو حرکت دیں یا صرف کلام ہی سن سکیں۔

امام ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ اپنے رسالہ میں حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک مرید مرگیا اور مجھے سخت صدمہ ہوا۔ نہلانے بیٹھا تو گھبراہٹ میں بائیں جانب سے شروع کیا۔ اس پر اس جوان نے اپنی داہنی طرف میری طرف کی اور کروٹ بدل لی اس پر میں نے کہا: صدقت یابنی وانا غلطت۔ اے بیٹا! تو سچا ہے اور مجھ سے غلطی ہوئی۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

يَابُنَيَّ خَلِّ يَدِيْ فَاِنِّيْ اَدْرِيْ اَنَّكَ لَسْتَ بِمَيِّتٍ وَّاِنَّمَا هِيَ نَقْلَةٌ فَخَلِّ يَدِيْ۔

جانِ پدر! میرا ہاتھ چھوڑ دے بے شک میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں ہے، یہ تو صرف مکان بدلنا ہے۔ پس اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ (شرح الصدور، صفحہ:86)

انبیائے کرام واولیائے عظام مجالس میں شریک ہوتے ہیں

فتاویٰ عزیزی میں نقل ہے کہ جب حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے سال تراویح میں قرآن مجید ختم کیا تو اچانک ایک شخص زرّہ بکتر سے آراستہ ہاتھ میں علم پکڑے ہوئے تراویح کے بعد تشریف لائے اور پوچھنے لگے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کس جگہ تشریف فرما ہیں؟ یہ سن کر تمام حاضرین قریب آگئے اور حیران ہوکر پوچھا: کیا معاملہ ہے اور ان کا نام دریافت کیا۔

فرمایا: میرا نام ابوہریرہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ آج عبدالعزیز نے قرآن مکمل کیا ہے۔ ہم وہاں تشریف لے جائیں گے مجھے کسی اور کام سے بھیجا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دیر ہوگئی۔ یہ فرمایا اور غائب ہوگئے۔ (تفسیر عزیزی، جلد: اوّل، صفحہ:8)

☆☆☆

چھبیسواں وعظ

دربیانِ استمداد از حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (سورۂ بقرہ، آیت:89)

سب تعریفیں اس خالق باری کو سزاوار ہیں جو ارض وسما اور مافی فیہما وما سوا کا پیدا فرمانے والا ہے۔ ہزاروں درود اور لاکھوں سلام سید المرسلین شفیع المذنبین اور وسیلتنا فی الدارین پر کہ ازل سے لے کر ابد تک ہمیں تمام مشکلات سے رہائی دلانے والے ہیں۔

ہمارے اسلاف اور تمام انبیا واولیا انھیں کے باج گزار ہیں

یعنی اپنی مشکلات کے حل کے لیے ہمیشہ آپ ہی کا وسیلہ تلاش کرتے رہے۔ بنی نوع انسان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام جب اپنی خطا کی سزا میں زمین پر اُتارے گئے تو عرصہ تک اللہ تعالیٰ کے حضور روتے اور فریاد کرتے رہے۔ لیکن جب تک رحمۃ للعالمین کی رحمت کا واسطہ نہ دیا اس وقت تک اللہ کی رحمت جوش میں نہ آئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل نہ ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دعا کی قبولیت کے راز کو پالیا اور بارگاہِ ایزدی وتعالیٰ میں عرض کیا:

يَارَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِيْ ۝

اے میرے پروردگار! میں تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ تو اپنے حبیب حضرت محمد

ﷺ کے صدقے میں میری خطا بخش دے۔

اس پر قادرِ مطلق نے فرمایا: اے آدم! (علیہ السلام) محمد ﷺ تو ابھی دنیا میں تشریف لائے ہی نہیں۔ تو نے انھیں کیسے پہچانا؟

عرض کیا: اے مالک! تو بہتر جانتا ہے۔ جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ عرشِ عظیم پر رقم ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

اس دن سے مجھے علم ہو گیا کہ یہی ذات جس کا نام تیرے ساتھ رقم ہے، تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

فرمایا: اے آدم! اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ تو نے میرے محبوب رحمۃ للعالمین کا وسیلہ پیش کیا ہے تو میں نے تیری خطا معاف کر دی ہے۔

(جذب القلوب، صفحہ:218)

یہود و نصاریٰ آپ کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے

دوستو! جیسا کہ عرض کر چکا ہوں حضور کے وسیلے سے ہی ہماری دعائیں قبول ہوتی ہیں اور ہماری خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ اب بھی یہی سلسلہ جاری ہے اور حضور کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی لوگ آپ کے وسیلے سے اپنی دعاؤں کو مستجاب بناتے تھے۔ یہاں تک کہ یہود و نصاریٰ آپ کے اسم مبارک کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے بارگاہِ ایزدی تعالیٰ میں یوں عرض کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ۔

یارب! ہمیں نبی اُمّی کے صدقے میں [illegible] افرما۔

اس طرح سے ان کی دعا قبول ہوتی تھی او[illegible] حاجتیں پوری کی جاتیں اور ان کو کفار پر فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ لیکن جب اس اسم مبارک کے حامل ان کے سامنے تشریف لائے تو ان کی عقلوں پر جہالت کے پردے پڑ گئے اور اس محسنِ عظیم کو پہچان نہ سکے۔ اس طرح گمراہی و ضلالت کے گڑھے میں جا گرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کافروں میں احتساب

کیا اور ان پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:89)

اس سے پہلے وہ آخری نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے منکروں پر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

توسّل و استشفاع بحضرت سیدِ رُسل و استغاثہ و استمداد بجاہ و جناب ﷺ فعل انبیا و مرسلین و سیرتِ سلف و خلف صالحین است۔ (جذب القلوب، صفحہ:218)

یعنی دربارِ نبوی سے وسیلہ و شفاعت اور مدد حاصل کرنا انبیا و مرسلین کا کام ہے۔ صالحین کا طریقہ ہے۔

اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ دربارِ نبوی سے استمداد و استغاثہ ضروری ہے ورنہ ہماری مغفرت و بخشش نہ ہوگی اور نہ ہی ہماری کوئی دعا قبول ہو سکتی ہے اور ہم اپنے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کا در کسی صورت نہیں چھوڑ سکتے۔ چھوڑیں بھی تو کس کام کے اور کس قیمت کے رہیں گے۔

محمد ﷺ کا در چھوڑ کر جانے والو! ملا نہ ٹھکانہ تو پھر کیا کرو گے؟

قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

یَا اَکْرَمَ الرُّسُلِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ: اے سید المرسلین! وقت مصائب آپ کے سوا کس سے پناہ مانگوں؟

آپ سے توسّل بطریق اولیٰ جائز ہے

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اعمالِ صالحہ سے توسّل جائز ہے جو فعل انسان ہے اور قصور و نقصان سے موصوف ہے تو حضور سراپا نور سے جو محبّ و محبوبِ خدا تعالیٰ عز و جل ہیں، توسّل بطریق اولیٰ جائز ہے۔

حضور کی دنیاوی حیاتِ طیبہ میں توسّل واستمداد جائز تھا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیاوی حیاتِ طیبہ میں ہر سائل کی حاجت روائی فرماتے رہے اور سارا معاملہ حضور کے دستِ کریمانہ میں تھا۔ جس کو چاہیں اور جو چاہیں اپنے خالق باری کے حکم سے بخشیں۔ کیونکہ دنیا وآخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح وقلم آپ ہی کے علم کا ایک حصہ ہے۔ دنیا وآخرت کی خیر آپ ہی کے آستانے سے ملتی ہے:

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

دوستو! دیکھئے آپ کا جود وکرم کہ خود فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ مُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔
جو کچھ بھی مانگنا ہے درِ مصطفیٰ سے مانگ:

بخیر دنیا و عقبیٰ گر آرزو داری
بدرگاہش بیار ہرچہ خواہی تمنا کن

آپ کے درِ دولت پر سائل آتے رہے اور اپنے دل کی تمنا پاتے رہے۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت جوش میں آتی تھی تو کوئی سائل نہ پا کر خود ہی پکار اٹھتے تھے:

مانگو جو چاہو گے پاؤ گے تم۔ وَاللّٰهُ مُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ۔

ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا۔ فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْءٍ وَحَاجَتِهٖ۔ آپ کے لیے وضو کا پانی لاتا اور دیگر ضروریات خدمت میں حاضر کرتا تھا۔
ایک دن دریائے رحمت آ گیا یوں جوش میں، فرمایا: سَلْ تو میں بھی آیا ہوش میں۔ سوچا کہ مانگ لوں رفاقت اس ذات کی، خود ہی دعوت دی ہے تو جھجک کس بات کی۔ چنانچہ عرض کیا: اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ یارسول اللہ! جنت میں اپنی رفاقت عنایت فرمائیے۔

قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ۔ فرمایا: کچھ اس کے سوا اور مانگو۔

عرض کیا: هُوَ ذَاكَ۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔

پھر فرمایا: فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ تو کثرتِ سجدہ ریزی سے اپنے نفس پر میری اعانت حاصل کر۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ شریف، صفحہ:84)

دوستو! ذرا غور کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں فرمایا کہ تو نے جنت مجھ سے مانگ کر کفر کیا ہے، بلکہ فرمایا: کچھ اور مانگو۔

ماشاء اللہ! حضور دیتے ہیں بلا کر اور بے حساب دیتے ہیں۔ ادھر مالک ہے کل فراتیاں داونڈ والا ہے ابر کہاں ادھر۔ آپ نے سَل فرما کر کسی چیز کی تخصیص نہیں رہنے دی بلکہ فرمایا: مانگ لے جو مانگنا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے دستِ کرامت میں سب کچھ ہے اور آپ جس کو چاہیں جو چاہیں باذنِ پروردگار دیں۔

جذب القلوب میں صفحہ:19 پر ایک حدیث صحیح میں رقم ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور عرض کیا: دعا فرمائیے کہ مجھے عافیت نصیب ہو۔

آپ نے فرمایا: اگر بینائی چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں ابھی مل جائے گی۔ اگر اجر آخرت مطلوب ہے تو صبر کرو، وہ تمہارے لیے اچھا ہے۔

لیکن اس رخِ انوری دید کے شیدائی نے عرض کیا: میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے بینائی مل جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کر کے یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ۔ (جذب القلوب، صفحہ:219)

شخص مذکور نابینا نے وضو کر کے یہ دعا مانگی تو اس کی آنکھیں فوراً روشن و درست ہو گئیں۔ ترمذی میں ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بعد از وصال حضور سے استمداد جائز ہے

دوستو! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد از وصال بھی اسی طرح استمداد واستغاثہ جائز ہے جس طرح کہ آپ کی بعثت سے پہلے اور حیاتِ دنیا میں جائز تھا۔ کیونکہ جس نام کے وسیلے

سے پہلے لوگ اپنی حاجات حاصل کرتے تھے اسی نام کے وسیلے سے اب بھی ہم اپنی حاجتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہمارا ایمان اس معاملے میں پہلے لوگوں کی نسبت زیادہ پختہ ہونا چاہیے، کیونکہ آپ کی آمد سے ہمارے یقین میں پختگی پیدا ہوئی۔

اپنی اُمت کو قحط سے بچانے کے لیے استسقا

جب لوگوں کو اپنی حاجات کے لیے وسیلے کی ضرورت پیش آتی تھی یا آتی ہے تو حضور کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سوالی ہوتے ہیں۔

چنانچہ ابن جوزی نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے اور بارش نہ ہوئی تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں شکایت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: روضۂ انور کا دریچہ آسمان کی طرف سے کھول دیں تاکہ قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو خوب بارش ہوئی۔
(جذب القلوب، صفحہ:221)

اسی طرح کی ایک روایت ابن ابی شیبہ سے ہے۔ انھوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ خشک سالی سے قحط پڑا تو ایک شخص روضۂ اقدس حضور نبی کریم پر حاضر ہو کر سائل ہوا کہ:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّهُمْ قَدْهَلَكُوْا ؁

یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش مانگیے کہ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ وہ شخص سو گیا تو حضور نے خواب میں اس شخص کو بشارت دی کہ:

اِئْتِ عُمَرَ فَاقْرَأْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ سَيُسْقَوْنَ ط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میرا اسلام کہو اور لوگوں کو بتا دو کہ ابھی پانی برسے گا۔
(جذب القلوب، صفحہ:221)

تقلب قلب میں استمداد

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

ایک شخص کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی کام تھا جو پورا نہ ہوتا تھا کیونکہ خلیفۃ المومنین سائل کی طرف التفات نہ فرماتے تھے۔ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے اس کا علاج بتلایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل مسجد میں جا کر ادا کرو اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لَتُقْضٰى لِیْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ؁

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ دربان نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور خلیفۃ المومنین کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مسند خاص پر بٹھایا اور حاجت دریافت کی پھر اس کی حاجت پوری کر کے فرمایا: آئندہ کوئی حاجت ہو تو میرے پاس آنا ان شاء اللہ اسے پورا کروں گا۔

سائل خوش ہوا اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: جزاك الله خيرا۔ میں نے وہ دعا پڑھی اور میرا کام ہو گیا۔ (جذب القلوب، صفحہ:219)

دوستو! یہ ہے حضور سے استمداد و استغاثہ کا اثر کہ حضرت عثمان کی توجہ اس شخص کی طرف حضور کے اسم مبارک کے وسیلے سے پھر گئی۔

قرض کی ادائیگی میں حضور سے استمداد

محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص اسّی 80 دینار کی ودیعت میرے والد محترم کے پاس رکھ کر جہاد کے لیے چلا گیا اور اجازت دے گیا کہ وقتِ ضرورت اسے استعمال میں لا سکتے ہو۔ چنانچہ والد محترم نے ایک جماعت میں اسے صَرف کر دیا۔ جب وہ شخص واپس آیا اور اپنی امانت طلب کی تو ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اگلے روز کا وعدہ کر کے رات کو مسجد نبوی میں گئے اور یہاں کبھی منبر کے پاس اور کبھی روضۂ مبارک کے پاس استغاثہ و فریاد کرتے۔ اچانک رات کی تاریکی میں ایک شخص آیا اور ایک تھیلی ان کے ہاتھ میں تھما دی جس میں اسّی 80 دینار تھے۔ اس سے صبح میرے والد محترم نے اپنی امانت ادا کر دی۔ (جذب القلوب، صفحہ:222)

مہمان نوازی

ابوبکر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں گیا اور لگاتار پانچ روز فاقہ میں گزر گئے۔ لیکن ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ آخر روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا: انا ضیفك یارسول اللہ! حضور میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد وہیں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ تشریف لائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھے فرمایا: اُٹھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ میں اُٹھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور ان کی پیشانی انور کو بوسہ دیا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی، جسے میں نے کھانا شروع کر دیا۔ جب بیدار ہوا تو روٹی کا بچا ہوا ٹکڑا میرے ہاتھ میں تھا۔ (جذب القلوب، صفحہ:223)

دیکھئے دوستو! حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضۂ انور میں تشریف رکھتے ہوئے اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے ہیں، کیوں نہ اس رحمت عالم کو پکاریں جو ہماری حاجات کو بر لاتا ہے۔

مہمان نوازی کی ایک اور روایت ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ سے یوں مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ لیکن کھانے کو کچھ نہ پایا، ایک دو فاقوں کے بعد روضۂ اطہر پر حاضر ہوا اور رحمۃ للعالمین کی خدمت میں عرض کیا: انی ضیفك یارسول اللہ! یارسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں۔ جب میں سویا تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی دی جس میں سے نصف میں نے کھالی۔ جب بیدار ہوا تو باقی نصف میرے ہاتھ میں تھی۔ (جذب القلوب، صفحہ:223)

☆☆☆

ستائیسواں وعظ

دربیانِ اتباعِ حدیثِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (سورۂ حشر، آیت:7)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے سزاوار ہیں جس نے انسان کو گونا گوں نعمتوں سے نوازا اور اسے سوچنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائی کہ راہِ راست پکڑے۔ لیکن اگر ضلالت اختیار کرے تو اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ہزاروں درود و سلام اس رحمت عالم پر جو رہنمائے بارگاہِ ذوالجلال ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں۔ محبوب بھی ایسے کہ 'وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی' سے ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے: اے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) جو تو نے مٹھی کی کنکریاں پھینکی تھی، وہ تو نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی یا یوں سمجھئے حضور نبی کریم کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ ہیں اور حضور کی زبان، زبانِ خدا ہے کیونکہ حضور کا فعل رضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی خدا عزوجل کی مرضی کے بغیر نبی کی زبان کھلتی ہے۔

اتباعِ رسول سے سرتابی سخت سزا کا موجب ہے

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (سورۂ حشر، آیت:7)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ عطا فرمائیں اس کو لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے اتباعِ رسول کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس چیز کا حکم دیں اسے تسلیم کرو۔ کیونکہ ان کا حکم فرمانِ خداوندی سے جدا نہیں ہوسکتا اور جس بات سے روکیں اس سے باز آجاؤ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہ کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے سرتابی ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی کرے اُسے اللہ تعالیٰ کی سخت گیری کا احساس ہونا چاہیے۔

مسلم اور بخاری سے روایت ہے کہ اُم یعقوب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگیں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے بال گوندنے اور گوندانے والی اور دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ فرمایا میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ اُم یعقوب نے کہا: میں نے سارا قرآن پڑھا ہے۔ میں نے یہ بات کہیں نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا ۝ اُم یعقوب نے کہا: یہ تو میں نے پڑھی ہے، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جن کاموں سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ان سے بحکم وما نھکم عنہ فانتھوا بچنا ضروری ہے۔

فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرتابی صریح گمراہی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے حکم کی اطاعت کی اس قدر سختی سے تاکید فرمائی ہے کہ حضور کے فیصلے کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی مجال نہیں۔ اگر کوئی آپ کے فیصلے سے سرتابی کرنے کی کوشش کرے تو سمجھ لو کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

چنانچہ فرمانِ ربانی ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيناً ۝ (سورۂ احزاب، آیت: 36)

ترجمہ: اللہ اور اس کا رسول جب کسی معاملے میں حکم فرما دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو اپنے معاملے میں اختیار نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرے وہ بے شک صریح گمراہی میں ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلوں کو تسلیم کرنا مومنوں اور مومنات پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہے کہ رسولِ کریم کا قول و فعل حجت شریعہ ہے۔

ہر رسول کی اطاعت لازم ہے

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کئی ایک آیات ہیں، مثلاً سورۂ نسا میں فرمانِ الٰہی ہے: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝ (نسا، آیت: 64)

ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا ہو۔

اور فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۝ (نسا، آیت: 59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔

مومنو! اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات اور ہر فعل کو حجت مانا جائے۔

قرآنِ حکیم کے علوم کے لیے حدیث مبارکہ کا جاننا ضروری

دوستو! کلام اللہ تمام انبیائے کرام کے صحیفوں کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے اور کتبِ الٰہیہ کے تمام علوم نہایت ایجاز و اعجاز کے ساتھ اس میں بھرے ہوئے ہیں۔ ان علوم تک رسائی کے لیے اور اس میں پوشیدہ محملات کی تشریح و تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ رسولِ ربانی کی احادیث سے استفادہ کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت تک کسی کہی ہوئی بات پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک کہ اسے اچھی طرح سمجھ نہ لیا جائے۔ کیونکہ ہر کس و ناکس کسی راز کی بات کو سمجھ نہیں پاتا جب تک اسے اس کے متعلق کھول کر نہ بتلایا جائے یا اسے عمل کر کے نہ دکھایا

جائے۔

چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (سورہ نحل، آیت:44)

ترجمہ: اے رسول! (ﷺ) ہم نے تمہاری طرف ذکر اُتارا، تاکہ آپ ان لوگوں سے بیان فرمائیں جو اُن کی طرف نازل ہوا اور وہ اس پر غور کریں اور سوچیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے صرف اس کا کلام ہی سن لینا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے سمجھنے کے لیے ایک ماہر علم وفن کی ضرورت ہے، جو کلام الٰہی کے اسرار کو جانتا ہو اور اس کے احکام کی اہمیت کو پہچانتا ہو۔

جس طرح سے انسانی اقوال واشعار کی تشریح کے لیے بڑے بڑے پروفیسر اور عالم طبع آزمائی کرتے ہیں، اسی طرح اقوالِ ربانی وکلام سبحانی کے لیے ضروری تھا کہ اس کی تشریح کی جاتی۔ چونکہ احکام الٰہی ہماری زندگی اور تہذیب وتمدن کے بارے میں ہیں، اس لیے ہمیں اس زندگی کے اُصول سکھانے کے لیے کوئی مثال پیش کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دیا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: لَوْلَا السُّنَّةُ مَا فَهِمَ اَحَدٌ مِّنَّا الْقُرْآنَ ○ اگر حدیث وسنت نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن وسنت نہ سمجھتا۔

دوستو! حدیث نبوی کے بغیر قرآن حکیم کی آیات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ذرا نماز کو ہی لے لیجیے جس کی قرآن حکیم میں بار بار تاکید آئی ہے لیکن اس کے ادا کرنے کا طریقہ نہیں بتلایا گیا۔ معنوں کے اعتبار سے صلوٰۃ کے مختلف معنی ہیں۔

ایک شاعر نے صلّی کا مطلب جلے ہوئے گوشت کا لیا ہے: ؎

يَا اَسْلِمِيْ يَا هِنْدَ بَنِيْ بَدْرٍ تَحِيَّةً
مَنْ صَلّٰى فُؤَادَكَ بِالْجُمَرِ

اے قبیلۂ بنی بدر کی ہند اس شخص کا سلام قبول کر جس نے تیرے دل کو انگارے سے جلایا۔

دوسری جگہ صلوٰۃ کے معنی پیٹھ کی رگ کے ہیں۔

اَلصَّلٰوةُ لُبُّ الصَّلْوِبَيْنَ الْعِرْقَيْنِ فِيْ ظَهْرِهٖ ○

صلوٰۃ صلوبین کا مغز ہے اور یہ دو رگیں پیٹھ میں ہوتی ہیں۔

تیسرا مطلب صلوٰۃ کا دعا ہے: اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ○

بے شک تمہاری دعا ان کے لیے باعثِ سکون ہے۔

صلوٰۃ کا چوتھا مطلب عبادت ہے:

اَلصَّلٰوةُ عِبَادَةٌ فِيْهَا رُكُوْعٌ وَّسُجُوْدٌ وَهٰذِهِ الْحَقِيْقَةُ الشَّرْعِيَّةُ وَلَا دَلَالَةَ لِكَلَامِ الْعَرَبِ عَلَيْهَا اِلَّا مِنْ حَيْثُ اِشْتِمَالِهَا عَلَى الدُّعَاءِ الَّذِيْ هُوَ اَصْلُ مَعْنَاهَا ○

یعنی صلوٰۃ وہ عبادت ہے جس میں رکوع وسجود پائے جائیں اور یہ حقیقت شرعیہ ہے اور اس پر کلام عرب دلالت نہیں کرتی مگر ایک حیثیت سے وہ یہ کہ صلوٰۃ کا اصلی معنی دعا ہے اور اس عبادت میں (اور چیزوں کے علاوہ) دعا بھی کی جاتی ہے۔

اب اس مختصر سی تحقیق کے بعد روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ صلوٰۃ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے صرف عربی لغت کا جاننا کافی نہیں بلکہ حدیث پاک کی بھی بڑی ضرورت ہے۔

مسائلِ حج کے سمجھنے میں حدیث کی ضرورت

اسی طرح حج کے مسائل پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حدیث پاک کے بغیر مسائل حج پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ دیکھیے قرآن حکیم فقط اتنا فرماتا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ○ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن مگر اس میں ذوالحجہ کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ ایام حج کے علاوہ حج کریں تو حکم کی تعمیل ہوجانی چاہیے۔ مگر ایسا نہیں۔ جب تک آپ حدیث پر عمل نہ کریں گے کسی طرح حج نہیں کرسکتے۔ پھر ارشاد فرمایا: اِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ ○ جب تم عرفات سے واپس آؤ۔ یہاں پر تصریح نہیں فرمائی کہ وہاں کس تاریخ کو جانا ہے اور کب واپس آنا ہے۔ وہاں کیا کرنا ہے۔ کتنی مدت ٹھہرنا ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: وليطوفوا بالبيت

العتیق ۰ اس پرانے گھر کا طواف کرو۔ یہاں بھی یہ تصریح نہیں فرمائی کہ کتنے چکر لگانے ہیں، کہاں ختم کرنا ہے اور طواف کے دوران کیا کرنا چاہیے۔ اسی طرح احرام کا حکم فرمایا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ احرام کہاں سے باندھنا ہے اور کب ختم ہوگا۔ اسی طرح ارشاد فرمایا: لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً ۰ یہاں بھی معلوم نہیں کہ بشرط استطاعت ہر سال حج فرض ہے۔ یا عمر میں ایک مرتبہ بتاؤ کہ اگر آپ حضور پرنور ﷺ کے ارشادات عالیہ یعنی حدیث پاک کو حجت شرعیہ قرار نہ دیں تو یہ فریضہ حج جس میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں اور دنیائے اسلام میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ کسی صورت میں ادا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بہت سے دوسرے مسائل مثلاً روزہ، زکوۃ، طہارت اور نکاح وغیرہ کے مسائل ہیں جو حدیث نبوی کے مطالعہ سے دور ہوسکتے ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے صاف واضح ہے کہ فہم احکام الٰہی کے لیے حدیث نبوی سے استفادہ ضروری ہے اور حدیث وسنت نبوی سے دور رہ کر ایماندارانہ زندگی بسر نہیں کی جاسکتی بلکہ گمراہی اور کفر اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

کیونکہ اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کو جو اتباع رسول کے منکر ہوں، اسلام سے خارج اور بے ایمان قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۰ (سورۂ نساء، آیت:65)

ترجمہ: اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے۔ جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے حاکم نہ بنالیں اور پھر جو آپ فیصلہ فرمائیں اس سے اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ محسوس کریں بلکہ قلب سلیم سے اسے تسلیم کرلیں۔

اس آیت کریمہ میں ہر اختلاف میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو ایمان کا موقوف علیہ قرار دیا ہے اور جو ایمان کا موقوف علیہ ہو، اس کے حجت شریعہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جو منکر حدیث حضور کی احادیث اور فیصلے کی اتباع نہیں کرتا وہ اس نص قطعی کی رو سے ایمان سے خارج ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۰ (سورۂ نور، آیت:48)

ترجمہ: جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان میں فیصلہ کرے تو ایک فریق ان میں سے اعراض کرتا ہے۔

وہ گمراہ فرقہ جو اللہ اور رسول کے حکم سے اعراض کرتا ہے وہ فرقہ منافقین کا ہے لہٰذا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور اطاعت رسول ﷺ سے بھاگے وہ منکر حدیث منافق نہ ہوا تو اور کون ہوا۔

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو اپنا پیشوا تو تسلیم کریں لیکن آپ کے فرمان سے روگردانی کریں وہ اسلام اور حدیث کا تمسخر اڑانے والے ہیں وہ مسلمان نہیں بلکہ منافق ہیں۔ ہمارے ملک میں جو منکرین حدیث کا گمراہ فرقہ پیدا ہوگیا ہے ان منافقین کے پیشوا کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی پیش گوئی ملاحظہ ہو۔

ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ اتَّبَعْنَاهُ ۰

(رواہ احمد وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ: صفحہ:29)

ترجمہ: میں ہرگز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا اور اس کو میرے احکام سے کوئی حکم پہنچے، میں نے اس کا حکم دیا ہو یا منع کیا ہو تو (حقارت) آمیز لہجہ میں یہ کہے، میں نہیں جانتا کہ کیا حکم ہے جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

واہ! اللہ کے پیارے نبی نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس سردار منافقین کے بارے میں کتنی صراحت سے پیش گوئی کی ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ ان الحکم الا للہ کہ اللہ کے سوا کسی غیر کا حکم ماننا شرک ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے بعد نبی کو لوگوں سے کچھ کہنے کا حق نہیں رہ جاتا، نبی کی اطاعت صرف اسی کے زمانے میں امیر

جماعت ہونے کی حیثیت سے لازم ہے۔ باقی نبی ہونے کی حیثیت سے نبی کا کوئی قول و فعل حجت نہیں اور صرف اللہ کا حکم واجب العمل ہے۔

ایسے منافق کو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمان کے علاوہ اس حدیث مبارکہ پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اتباع رسول کے بغیر گمراہی ہی گمراہی ہے اور ایسا دعویٰ کرنے والا منافق ہے کہ رسول اللہ کی پیروی ضروری نہیں۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَافِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَعَظْتُ وَنَصَحْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لِمِثْلَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَاضَرْبَ نِسَاءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ ۝ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ)

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام نہیں کی ہے سوان چیزوں کے جو قرآن پاک میں بیان کردی گئیں، خبردار، خدا کی قسم! میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ مقدار میں قرآن کی مثل ہیں بلکہ زیادہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو اور نہ ان کی عورتوں کو مارو اور نہ ان کے پھلوں کو کھاؤ جب کہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہوں۔

ایسا ہی حضرت مقدام بن معد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِيْ وَلَا كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ ۝ (رواہ ابوداؤد والدارمی، مشکوٰۃ شریف، صفحہ:29)

ترجمہ: خبردار! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی چیزیں یعنی حدیث پاک، خبردار! قریب ہے کہ ایک مرد پیٹ بھرا اپنی مسند پر کہے گا کہ بس تم قرآن کو لازم پکڑو اور جو کچھ اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اس کو حرام سمجھو، حالانکہ بے شک جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا حرام کیا ہو، خبردار! تمہارے لیے گھریلو گدھا حلال نہیں اور نہ کوئی کچلیوں والا درندہ حلال ہے۔

ان حدیثوں میں غیب داں نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے تصریح فرمادی کہ ایک آدمی امیر کبیر ہوگا جو اپنے بنگلے میں مسند پر بیٹھے ہوئے میری حدیث کا انکار کرے گا اور صاف کہہ دے گا کہ وہ چیز جو قرآن میں ہے اس کو مانو اللہ تعالیٰ کے رسول کی حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ ایسے گمراہوں کو ہدایت دے اور ان کے شر سے ہمیں اور تمھیں سب کو بچائے، ان آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کی اطاعت میں کوئی فرق آئے یا کلام پاک نامکمل ہے یا اس کے احکام میں ابہام پایا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ ایسا ہرگز نہیں۔

قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے اور اس کے ہر لفظ اور ہر آیت میں علم کا سمندر ہے لیکن اس کو سمجھنے کے لیے اچھے فہم کی ضرورت ہے۔ ہماری ناقص عقلیں قرآن کریم کے علم کی وسعتوں کو پانے سے قاصر ہیں اور ہماری مدد کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تاکہ ہمارے ناقص ذہن جن باتوں کو سمجھ نہیں پاتے وہ ہمیں سمجھائی اور سکھائی جائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ہمیں سمجھایا بلکہ خود ان باتوں پر عمل کرکے دکھایا تاکہ ہمارے ذہنوں میں نقش رہے اور ہمیں اپنی زندگی میں مشعل راہ کا کام دے اور ہم گمراہی اور ضلالت سے بچے رہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

☆☆☆

اٹھائیسواں وعظ

دربیانِ جنت النعیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ط خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ (سورۂ لقمان، آیت:7-8)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جس نے انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور ہزاروں کروڑوں درود وسلام اس ذات بابرکات پر کہ جو بنی نوع انسان کے لیے سراسر رحمت اور فلاح کے لیے جلوہ افروز ہوئے۔

دوستو! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مخلوق گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہوگی اور دوزخ مست اونٹ کی طرح بے تاب ہوگی تو بلند آواز سے ایک منادی پکارے گا، انبیا، صدیق وشہدا اور نیک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے، پھر پیشی ہوگی جس میں آپس کے حقوق لوٹائے جائیں گے، پھر روحوں اور بدنوں کا جھگڑا ہوگا اور بدن روحوں پر غالب آجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ عزوجل کے سامنے پیشی ہوگی اور اعمال نامے اڑکر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں اور کسی کا اعمال نامہ پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور مرحمت ہوگا۔ فرشتے اس عزت پر ان کو مبارکباد پیش کریں گے اور وہ اللہ کی رحمت سے پل صراط سے پار ہوکر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ جنت کے دربان ان کو پوشاکیں، سواریاں اور زیور جو ان کے لیے مناسب ہوگا پیش کریں گے اور سب لوگ متفرق ہوکر اپنے اپنے مخصوص مکانوں کی طرف جائیں گے اور خوش خوش

اپنے محلات کی طرف لوٹیں گے وہ اپنی ازواج کی طرف جائیں گے اور ایسی نعمتیں دیکھیں گے کہ زبان ان کو بیان نہیں کرسکتی اور نہ ان کی آنکھوں نے پہلے کبھی دیکھی ہوگی نہ دل میں کبھی تصور آیا ہوگا۔ غرض کہ اندازہ مقررہ کے موافق کھائیں گے پئیں گے، پوشاکیں پہنیں گے اور اپنی بیویوں کو گلے لگائیں گے، پھر اپنے خالق کی حمد کریں گے جس نے ان کا غم دور کردیا، گھبراہٹ سے امن دی اور حساب کو آسان کیا، پھر اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر کریں گے اور کہیں گے کہ الحمدللہ کہ جس نے ہمیں یہ راہ دکھائی، اگر ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم خود یہ راہ نہ پاتے۔ دنیا سے جو کچھ توشہ لائے ہوں گے اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، دنیا میں وہ یقین وایمان رکھتے تھے، احکام الٰہی کی تصدیق کرتے تھے، عذاب خداوندی سے ڈرتے تھے اور رحمت کے امیدوار تھے، اس لیے نیک اعمال کرکے ثواب کی رغبت رکھتے تھے اور ان کے نیک اعمال کے بدلے میں اللہ عزوجل نے انھیں جنت نعیم عطا فرمائی اور وعدہ پورا کیا۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ط خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ (سورۂ لقمان، آیت:7-8)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے نعمتوں والے باغ ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جہنم کے پل صراط کے ساتھ پل ہوں گے۔ ایک پل کا دوسرے پل سے 70 سال کی راہ کا فاصلہ ہوگا اور پل صراط کی چوڑائی تلوار کی دھار کی طرح ہوگی، اس پر سے پہلا گروہ پلک جھپکتے میں گزر جائے گا، دوسرا گروہ چمکنے والی بجلی کی طرح تیزی سے گزرے گا، تیسرا گروہ تیز ہوا کی طرح، چوتھا گروہ پرندوں کی طرح، پانچواں گروہ دوڑتے گھوڑوں کی طرح، چھٹا گروہ تیز دوڑنے والے آدمی کی طرح، ساتواں گروہ پیدل چلتا ہوا گزرے گا اور آخر میں ایک آدمی گزرنے کے لیے رہ جائے گا، اس کو حکم دیا جائے گا گزرو۔ جوں ہی دونوں قدم پل پر رکھے گا تو فوراً ایک پاؤں پھسل جائے گا دوسرا پاؤں بھی قابو میں نہ رہے گا تو ایک ہاتھ سے پکڑ

کر چلے گا اور دوسرا ہاتھ لٹکتا رہے گا۔ آگ اس کو دکھ پہنچاتی رہے گی اور وہ گمان کرے گا کہ بچ نہیں سکتا مگر پیٹ کے بل سرکتا رہے گا یہاں تک کہ پار نکل جائے گا اور پل کی طرف دیکھ کر کہے گا: بابرکت ہے وہ خدا جس نے مجھے تجھ سے خلاصی دی۔ میرا خیال ہے کہ میرے رب نے جو عنایت مجھ پر کی، کسی اور پر اگلوں اور پچھلوں میں سے نہیں کی۔ جو کچھ میں نے دیکھا اور پایا اس کے بعد اللہ نے مجھے تجھ سے بچالیا، اتنے میں ایک فرشتہ آئے گا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کے دروازے کے سامنے ایک حوض پر لے جائے گا اور کہے گا کہ اس میں غسل کرلے اور پانی پی لے۔ جب وہ ایسا کرے گا تو اسے جنت والوں کی خوشبو اور رنگ محسوس ہوگا، پھر فرشتہ اس کو لے جا کر جنت کے دروازے پر کھڑا کردے گا اور کہے گا: جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ آئے یہیں کھڑا رہ۔ وہ شخص دوزخیوں کی طرف دیکھے گا تو اسے دوزخیوں کے رونے کی ایسی آواز سنائی دے گی کہ وہ کہے گا: اے پروردگار! میرا منہ دوزخیوں کی طرف سے پھیر دے، وہی فرشتہ اس کا منہ دوزخیوں کی طرف سے جنت کی طرف پھیر دے گا اور اس کی قیام گاہ سے جنت کے دروازے تک ایک پر تیر کی مسافت ہوگی، وہ شخص جنت کے دروازے اور اس کی وسعت کو دیکھے گا کہ جنت کے دروازے کے دونوں بازوؤں کی درمیانی وسعت تیز پرندے کی چالیس سال کی اڑان کے برابر ہوگی۔

بندہ عرض کرے گا: پروردگار! تونے مجھ پر پورا احسان کیا ہے، مجھے دوزخ سے خلاصی دی اور میرا منہ دوزخیوں سے جنت کی طرف پھیر دیا۔ اب میرے اور جنت کے درمیان صرف ایک پر تیر کا فاصلہ ہے، میرے رب! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عزت کے طفیل مجھے جنت کے دروازے میں داخل کردے۔ اس کے علاوہ میں تجھ سے اور کچھ نہیں مانگوں گا اور دروازے کو میرے اور دوزخیوں کے درمیان آڑ بنادے تاکہ میں دوزخ کی آہٹ بھی نہ پاسکوں۔ چنانچہ وہی فرشتہ آئے گا اور اسے جنت کے دروازے میں داخل کردے گا، وہ شخص اپنے دائیں بائیں اور سامنے بقدر مسافت یک سالہ جنت میں ادھر ادھر نظر کرے گا لیکن سوائے درختوں اور پھلوں کے اور کوئی دکھائی نہ دے گا اور قریب ترین درخت اس سے ایک پر تیر کے فاصلے پر ہوگا، وہ محسوس کرے گا کہ جڑیں درخت کی سونے

کی، شاخیں سفید چاندی کی، پتے حسین ترین کپڑوں کی طرح اور پھل مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ شیریں ہوں گے اور مشک سے زیادہ خوشبودار، یہ حیرت آفریں منظر دیکھ کر وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! تونے مجھے دوزخ سے نجات دی اور جنت میں داخل کیا اور مجھ پر پورا پورا احسان کیا اب اس درخت کا مجھ سے ایک پر تیر کا فاصلہ ہے، اس کے علاوہ تجھ سے کوئی اور درخواست نہیں کروں گا، وہی فرشتہ آئے گا اور کہے گا: کیا تونے زیادہ نہ مانگنے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ اب کیوں سوال کر رہا ہے اور تیری قسم کہاں گئی؟ آخر اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت کے قریب ترین مکان تک لے جائے گا، اچانک ایک سال کی راہ کی مسافت پر اسے ایک موتی کا محل نظر آئے گا وہ اس محل کو دیکھ کر عرض کرے گا: یا اللہ میں تجھ سے یہ مکان مانگتا ہوں اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں مانگوں گا، پھر ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا: اے انسان! تونے اپنے رب کی قسم نہیں کھائی تھی کہ تو اور کچھ نہیں مانگے گا؟ تو کس قدر جھوٹا ہے اور کہے گا: جا یہ مکان تجھے دے دیا، پھر جب وہ اس مکان پر پہنچے گا تو آگے کا سماں دیکھ کر کہے گا: اس کا مکان اس کے مقابلے میں ایک خواب ہے اور عرض کرے گا: پروردگار! میں اس مکان کی درخواست کرتا ہوں، فوراً وہی فرشتہ اس کو ملامت کرے گا اور سمجھے گا کہ یہ حیران کن چیزیں دیکھ کر اس کی اشتہا بڑھتی جارہی ہے، اس لیے کہے گا: جا یہ تیرا ہے۔ اس کو پھر سامنے ایک مکان نظر آئے گا جس کے مقابلے میں پچھلے تمام مکان ہیچ نظر آئیں گے اور وہ اس قدر حیران ہوگا کہ بات بھی نہ کرسکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد اس سے کہے گا: کیا وجہ ہے کہ اب سوال نہیں کرتا؟ تو وہ بندہ عرض کرے گا: آپ پر اللہ کی رحمت ہو، میں نے رب العزت کی قسم کھالی ہے، اب مجھے اس سے ڈر لگتا ہے اور اس سے شرم آتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے بندے! کیا تو اس بات پر راضی ہوجائے گا کہ قیامت کے روز آفرینش سے لے کر یومِ فنا تک کل دنیا جمع کرکے اور اس کا دس گنا کرکے تجھے دوں، وہ شخص عرض کرے گا: پروردگار! تو رب العالمین ہے کیا مجھ سے مذاق کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ایسا کرسکتا ہوں تو جو کچھ چاہے سوال کر، تو بندہ عرض کرے گا: مجھے آدمیوں سے ملادے، فوراً ایک فرشتہ آئے گا

اور پیدل اسے جنت میں لے جائے گا یہاں تک کہ اس کے سامنے ایک چیز آئے گی اور ایک ہوگی کہ اس کے مقابلے کی چیز اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ بندہ فوراً سجدہ میں گر پڑے گا اور سجدے میں کہے گا: میرے پروردگار نے مجھ پر جلوہ فرمائی کی ہے۔ فرشتہ کہے گا: سر اٹھا، یہ تیرا گھر ہے اور تیرے سب مکانوں میں کم درجے کا ہے۔ بندہ کہے گا: اگر اللہ میری نظر کی حفاظت نہ کرتا تو وہ اس قصر کے نور سے خیرہ ہوجاتی۔

غرض کہ وہ اس قصر میں اترے گا سامنے سے ایک آدمی آئے گا اس کے چہرے اور کپڑوں کو دیکھ کر یہ شخص حیران رہ جائے گا اور سمجھے گا کہ کوئی فرشتہ ہے، وہ آدمی آکر کہے گا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اب آپ کے آنے کا وقت آیا، یہ شخص سلام کا جواب دینے کے بعد کہے گا: بندۂ خدا تم کون ہو؟ وہ کہے گا: میں آپ کا محافظ ہوں اور اس مکان کی نگرانی میرے سپرد ہے اور میری طرح آپ کے ایک ہزار محافظ ہیں اور ہر محافظ کے ذمے آپ کے ایک ایک محل کی نگرانی ہے، آپ کے ہزار محل ہیں ہر محل میں ہزار خادم ایک بیوی اور ایک حور آپ کے لیے ہے، یہ شخص محل میں داخل ہوگا اور دیکھے گا کہ محل ایک سفید موتی کا گنبد ہے جس کے اندر 70 کمرے ہیں، ہر کمرے پر 70 بالا خانے ہیں، ہر بالا خانے کے 70 دروازے ہیں اور ہر دروازے کا موتی ایک قبہ ہے، یہ شخص قبوں میں داخل ہوکر کھولے گا۔ اس سے پہلے وہ قبے کسی نے نہ کھولے ہوں گے۔ وسط قبہ میں اس کو سرخ موتی کا ایک گنبد نظر آئے گا جس کا طول 70 گز ہوگا اور 70 دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ سرخ موتی کے ایک گنبد میں پہنچتا ہوگا۔ یہ گنبد بھی طول میں 70 گز ہوں گے اور ہر ایک کے 70 دروازے ہوں گے۔ کوئی موتی دوسرے کا ہم رنگ نہ ہوگا، ہر موتی کے گنبد میں بیویاں ہوں گی، سجی ہوئی جلوہ گاہیں ہوں گی اور تخت ہوں گے۔

دوستو! ایسے بالا خانے جنتیوں کے لیے ہوں گے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفاً تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ۔ (سورۂ عنکبوت، آیت:58)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ضرور ہم انھیں جنت کے بالا خانوں

میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ہمیشہ ان میں رہیں گے اچھے عمل کرنے والوں کے لیے کیا ہی اچھا اجر ہوگا۔

حوریں: چنانچہ جب وہ شخص قصر کے اندر داخل ہوگا تو ایک حور ملے گی جو اس کو سلام کرے گی، یہ شخص سلام کا جواب دے گا، پھر متحیر ہوکر کھڑا ہوجائے گا، حور کہے گی ہماری ملاقات کے لیے اب آپ کو وقت ملا ہے؟ میں آپ کی بیوی ہوں، یہ شخص اس کے چہرے کو دیکھے گا تو اپنے چہرے کا عکس حور کے چہرے میں نظر آئے گا جیسے آئینے میں نظر آتا ہے، حور 70 جوڑے پہنے ہوگی ہر جوڑا 70 رنگ کا ہوگا ہر رنگ دوسرے سے جدا ہوگا، انتہائی شفاف ہونے کی وجہ سے لباس کے باہر سے پنڈلی کی ہڈی کی منیگ (مغز) بھی نظر آئے گی۔ جب اس کی طرف سے ذرا بھی منہ پھیرے گا اور پھر دوبارہ دیکھے گا تو اس کی آنکھ میں حور کا حسن 70 گنا زیادہ نظر آئے گا حور اس کے لیے آئینہ ہوگی اور وہ حور کے لیے آئینہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَّرَائِهَا۔ (رواہ الترمذی، مشکوۃ، صفحہ:497)

ترجمہ: ان میں سے ہر مرد کو ایسی عورتیں ملیں گی کہ ہر عورت کے 70 جوڑے ہوں گے، اس کی پنڈلی کا مغز ان سے باہر نظر آئے گا۔

حوروں کا حسن

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت باہر نکل آئے تو مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل جو کوئی بھی اسے دیکھے گا اس کے حسن پر فریفتہ ہوجائے گا۔

بہشتی عورتوں کے حسن کی خوبی کا اندازہ ذیل کے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لگایا جاسکتا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اِمْرَاءَةً مِّنَ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَائَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَاسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ، صفحہ:495)

ترجمہ: اگر اہل جنت کی ایک عورت زمین کی طرف جھانکے تو اسے ایسا روشن کردے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان کی چیزیں نظر آئیں اور بھر دے وہ اسے خوشبو سے، البتہ اوڑھنی اس کے سر کی بہتر ہے دنیا و مافیہا سے۔

لیکن اس قدر حسن و جمال کے باوجود پاک دامن بیویاں ایسی پاکیزہ ہوں گی کہ اپنے شوہر کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گی۔

قرآن حکیم میں اللہ عزوجل نے ان کی عفت و پاک بازی اور حسن و جمال کو یوں بیان فرمایا ہے: فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ (سورۂ رحمٰن، آیت: 56-57)

ترجمہ: ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں اور ان سے پہلے ان کو کسی جن و انس نے نہیں چھوا، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے گویا وہ لعل اور مونگا ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ اہل جنت کی ہر بیوی کے چہرے پر لکھا ہوگا تو میرا محبوب ہے اور میں تیرا حبیب، تیرے لیے میری طرف سے نہ کوئی روگردانی ہے نہ رکاوٹ، نہ میرے دل میں تیرے لیے کوئی کدورت۔ جنتی اپنی بیوی کے سینے کو دیکھے گا تو گوشت اور ہڈیوں کے اندر سے اس کے جگر کی سیاہی میں اس کو اپنا چہرہ نظر آئے گا، پس اس کا جگر اس کے لیے آئینہ ہوگا اور اس کا جگر اس کے لیے عکس نما اور اس جگر کی سیاہی سے بیوی کے حسن میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوگا جیسے پرونے والے دھاگے سے یاقوت میں کوئی عیب نہیں ہوجاتا۔ اس کی سفیدی موتی کی طرح اور آبِ یاقوت کی طرح ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ۔

روایت ہے کہ جنتی سنہری تخت پر ہوگا اور اس کی بیوی سامنے ہوگی۔ جنتی کو انتہائی صفائی اور سفیدی کی وجہ سے اپنے چہرے کا عکس بیوی کے چہرے میں نظر آئے گا۔ جب اس سے قربت کرنا چاہے گا تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گا لیکن اس کو اپنی غرض سے بلانے کے لیے شرمائے گا، بیوی اس کا مقصد سمجھ جائے گی وہ خود قریب آئے گی، میرے ماں باپ آپ

پر قربان! ذرا میری طرف نگاہ تو اٹھائیے، آج آپ میرے لیے ہیں اور میں آپ کے لیے ہوں۔ جنتی اس سے قربت کرے گا اس وقت اس میں گزشتہ سو مردوں کی طاقت اور چالیس مردوں کی رغبتِ جماع ہوگی۔ وقتِ قربت وہ اس کو دوشیزہ پائے گا اور چالیس روز برابر مشغول رہے گا۔ فرصت سے فارغ ہوگا تو مشک کی خوشبو بیوی کی طرف سے محسوس کرے گا جس کی وجہ سے اس کی محبت اور بڑھ جائے گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً۔ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا۔ عُرُبًا أَتْرَابًا۔ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ۔ (سورۂ واقعہ، آیت: 37)

ترجمہ: بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا اور انھیں بنایا کنواریاں، اپنے شوہر کے لیے پیاریاں اور پیار دلاتیاں۔

ایک روایت ہے کہ جنتی اپنی بیوی کے پاس ایک دفعہ سات سو سال کی بقدر لطف اندوز رہے گا اور منتقل نہ ہوگا، پھر محل سے دوسری بیوی جو پہلی سے زیادہ حسین ہوگی پکارے گی: بھئی! اب ہماری باری کا وقت ہے، جنتی کہے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گی: میں ان میں سے ہوں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ط

کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ جنت کے اندر ایسی چار ہزار آٹھ بیویاں اس کی ہوں گی، ہر بیوی کے 70 خدمت گار اور لونڈیاں ہوں گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ اگر ایک خدمت گار یا لونڈی کو دنیا میں بھیج دیا جائے تو ساری دنیا اس پر کٹ مرے اور فنا ہوجائے اور اگر ایک حور اپنے گیسو زمین پر نمودار کردے تو اس کے نور سے سورج کی روشنی بجھ جائے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! خادم اور مخدوم میں کتنا فرق ہے؟ فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ جتنا مدھم ستارے اور چودھویں کے چاند میں ہوتا ہے اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ دنیا کی عورتیں حوروں سے حسن میں کمتر ہوں گی، وہ اپنی عبادتوں کی وجہ سے ان سے زیادہ

خوبصورت ہوں گی۔ اگر دنیا میں ایک عورت کے کئی خاوند ہوں گے تو جنت میں سب سے پچھلے خاوند کی بیوی بنے گی اور ایک روایت میں ہے کہ جنت میں اُسے اختیار دیا جائے گا تو وہ اچھے اخلاق والے کو پسند کرے گی۔ (کشف الغمہ، جلد:2، صفحہ:259)

حوروں کا گانا

جنت میں حوریں اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لیے خوش الحانی سے گانے سنائیں گی اور وہ ایسی خوش گلو ہوں گی کہ مخلوق نے ویسی آواز کبھی نہ سنی ہوگی مگر ان کا گانا یہ شیطانی گانا نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور پاکی ہوگی اور یہ بھی گائیں گی:

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ نَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَاسُ نَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَ كُنَّا لَهٗ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ، صفحہ:500)

ترجمہ: ہمیشہ زندہ رہیں گی، پس ہلاک نہ ہوں گی ہم چین کرنے والی ہیں، پس ہم محتاج نہ ہوں گی، ہم راضی ہیں، کبھی ناراض نہ ہوں گی۔ خوشی ہو اس کے لیے جو ہمارے لیے ہو اور ہم اس کے لیے۔

ہاں! میں اس جنتی کے محل کے بارے میں عرض کر رہا تھا تو سنیے! ہر قصر کے تین سو ساٹھ دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر موتی یاقوت اور جواہر کے تین سو ساٹھ قبے ہوں گے اور ہر قبے کا رنگ دوسرے قبے سے جدا ہوگا۔ جب قصر سے سر نکال کر جھانکے گا تو بقدر مسافت زمین اس کو اپنا ملک نظر آئے گا، جب اس کی سیر کرے گا تو سو برس تک اپنے ہی ملک میں چلتا رہے گا۔ ملک کے اندر جس چیز پر پہنچے گا اس میں سے سب کچھ نظر آئے گا۔

سلام وتحائف

تمام محلات کے فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے اور اللہ کی طرف سے سلام اور تحفے لائیں گے۔ ہر فرشتے کے پاس وہ ہدیہ ہوگا جو دوسرے کے پاس نہ ہوگا۔ فرشتے روزانہ آکر دن کو سلام کیا کریں گے اور ان کے ساتھ تحائف ہوں گے۔ اس قول کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں موجود ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ

عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ (سورۂ رعد، آیت:24)

نیز اللہ عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ (سورۂ مریم، آیت:62)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت والے اس شخص کو مسکین کہیں گے، کیونکہ اس کے مکان سے ان کے مکان کہیں اعلیٰ ہوں گے۔

خدام جنت

اس مسکین کے اسّی ہزار رکاب دار ہوں گے جب کہ اونچے درجے والے حلقوں جنتیوں کے خدام کی تعداد آٹھ لاکھ ہوگی۔ چنانچہ کلام مجید میں ہے:

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ۔ (انسان، آیت:19)

یعنی ان کی خدمت میں ایسے خدام ہوں گے جو نابالغ ہوں گے اور کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ ولدان کا مطلب ہے غلمان، جو کبھی بوڑھے نہ ہوں گے۔ مخلدون کا مطلب ہے جو کبھی بڑے نہ ہوں گے یعنی نابالغ ہی رہیں گے۔

إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا۔ یعنی حسن میں تم ان کو موتی خیال کروگے۔ منثورًا بکھرے ہوئے موتی یعنی کثرت میں بکھرے ہوئے جن کی تعداد معلوم ہو سکے۔

جنتیوں کے محل

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ جنتیوں کے محل نہایت خوبصورت اور وسیع ہوں گے، اتنے وسیع کہ پورے ملک کا گمان ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا

جب وہاں جنت میں دیکھو گے، تو عالی شان نعمت اور بڑا ملک تم کو دکھائی دے گا۔

کیونکہ ایک جنتی کو ایک ایسا محل ملے گا جس میں 70 محل ہوں گے پھر ہر محل میں 70 گھر ہوں گے، ہر گھر ایک کھوکھلے موتی کا ہوگا اور ہر موتی کی بلندی ایک فرسخ لمبائی اور چوڑائی

ایک فرسخ ہوگی، ہر موتی میں سونے کے چار ہزار کیواڑ ہوں گے اور ہر گھر میں موتی اور یاقوت کی شاخوں سے بنا ہوا ایک تخت ہوگا۔ تخت کے دائیں بائیں چار ہزار سونے کی کرسیاں ہوں گی، کرسیوں کے پائے سرخ یاقوت کے ہوں گے، تخت پر 70 بستر ہوں گے اور ہر بستر اپنے رنگ پر ہوگا۔ جنتی 70 خلعت دریائی کے پہنے بائیں ہاتھ پر سہارا دیے تکیہ لگائے تخت پر بیٹھا ہوگا اور سب سے اندر بدن سے متصل سفید ریشم کا لباس ہوگا، پیشانی پر زرد یاقوت اور رنگ برنگ کے جواہر کی پٹی ہوگی، ہر جواہر کا رنگ جدا ہوگا، سر پر سونے کا تاج ہوگا جس کے 70 کونے ہوں گے اور ہر کونے پر موتی ہوگا جس کی قیمت مشرق و مغرب کے تمام مال کے برابر ہوگی۔

زیورات

ہاتھ میں کنگن ہوں گے، ایک سونے کا ایک چاندی کا اور ایک موتیوں کا اور پاؤں کی انگلیوں میں سونے چاندی کی انگوٹھیاں ہوں گی جن میں رنگا رنگ کے نگینے ہوں گے۔ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ۔

ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

دوسری آیت میں ہے: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا۔

ان کو سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے یعنی کنگن تین طرح کے ہوں گے: سونے کے، چاندی کے اور موتیوں کے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل جنت کو اللہ تعالیٰ سونے کی انگوٹھیاں عطا فرمائے گا جن کو وہ پہنیں گے، پھر مرواریں، یاقوت اور لولو کی انگوٹھیاں ہوں گی۔ یہ دار السلام میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ملیں گی۔

جنتی لباس

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ہر شخص تہبند اور چادر اور بلا تراشے اور بغیر سلے کپڑے پہنے گا۔ ہر شخص موتیوں کا تاج پہنے گا، تاج کے گردا گرد موتی یاقوت کے سربند

ہوں گے، جوڑوں کے اوپر باریک ریشم کا لباس ہوگا اور باریک ریشم کے اوپر موٹا ریشمی لباس اور سبز حریری لباس ہر شخص پہنے ہوئے ہوگا، سب تکیہ لگائے ایسے بستروں پر بیٹھے ہوں گے جن کا استر ریشمی دریائی اور ابرہ خوبصورت ہوگا، سرخ نفیس کپڑے میں سرخ یاقوت کی دھاریاں ہوں گی، تخت کے پائے موتی کے ہوں گے، تخت پر ایک ہزار بستر ہوں گے، ہر تخت کے سامنے 70 ہزار مسندیں ہوں گی اور دائیں بائیں 70 ہزار کرسیاں ہوں گی جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی۔

پھر فرمایا: جنت میں جنتی اپنے تخت پر بیٹھا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا جس کے پاس 70 جوڑے کپڑوں کے ہوں گے، ہر جوڑے کا رنگ الگ ہوگا، سب جوڑے فرشتے کی دو انگلیوں میں چھپے ہوں گے، فرشتہ آکر دروازے پر کھڑا ہوگا اور دربان سے کہے گا: میں رب العالمین کا قاصد ہوں، اللہ کے دوست سے میرے لیے اجازت طلب کر۔ چنانچہ دربان کہے گا: میں خود اس سے کلام کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، ہاں اپنے برابر والے دربان سے کہتا ہوں۔ اس طرح 70 دربانوں کو اطلاع ہوگی اور اس طرح جنتیوں کو اطلاع پہنچ جائے گی کہ اللہ کا قاصد آنا چاہتا ہے۔ جنتی اجازت دے گا، فرشتہ اندر آجائے گا اور کہے گا: السلام علیکم یا ولی اللہ! اللہ رب العزت آپ سے راضی ہے اور آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس سے وہ بہت خوش ہوگا۔

اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے کچھ نہ کرنے کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا تو وہ اس خوشی کی وجہ سے مر جاتا آیت: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورۂ توبہ، آیت: 72)

کا یہی مطلب ہے اور آیت: وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا سے بھی یہی جنتی کی شان کا اظہار ہوتا ہے کہ جنتی کو اتنی بڑی حکومت حاصل ہوگی کہ فرشتے بھی بغیر اجازت اندر داخل نہ ہو سکیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ۔ (سورۂ انسان، آیت: 21)

ان کا بالائی لباس سبز ریشم کا باریک اور دبیز ہوگا۔

استبرق دبیز دریائی لباس کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن سے متصل اندرونی لباس سفید ریشم کا ہوگا۔

ہاں میں عرض کر رہا تھا کہ اس مسکین کے اسی ہزار تابعدار ہوں گے، جب وہ کھانا کھانا چاہے گا تو بہشت کے خوان لا کر رکھیں گے جو سرخ یاقوت کا ہوگا اور یاقوت زرد اس میں جڑا ہوگا اس کے کنارے موتی یاقوت اور زمرد کے ہوں گے اور پائے موتیوں کے اور ایک کنارہ بیس میل کا ہوگا، 70 قسم کے کھانے اس پر چنے جائیں گے، سامنے اسی خادم کھڑے ہوں گے، ہر خادم کے پاس ایک پیالہ ہوگا جس میں کھانا ہوگا اور ایک گلاس میں پانی ہوگا، ہر پیالے اور گلاس میں اسی قسم کا کھانا ہوگا اور پانی ہوگا جو دوسرے میں نہیں، ایک کھانا دوسرے کھانے سے اور ایک شربت دوسرے شربت سے مشابہ ہوگا۔ اول کا مزہ اور لذت آخر کے مزہ اور لذت جیسا ہوگا، ہر رنگ کے کھانے اور شربت کا کچھ حصہ جنتی ضرور کھائے گا، خوان سامنے سے اٹھایا جائے گا تو ہر خادم کو اس پس خوردہ کھانے اور شربت میں حصہ ضرور ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونچے درجوں والے اس کی زیارت کریں گے اور یہ ان کی نجات نہیں کر سکے گا اونچے درجے والے کی خدمت میں آٹھ لاکھ خدمت گار ہوں گے، ہر خدمت گار کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہوگا جس میں کھانا ہوگا۔ جو ایک دوسرے سے مختلف ہوگا اور ہر رنگ کا کھانا بہشتی کھائے گا اور پس خوردہ میں سے ہر خدمت گار کو حصہ ملے گا، ہر جنتی کی 72 بیویاں حوریں اور دو بیویاں انسان ہوں گی۔ ہر بیوی کا قصر سبز یاقوت ہوگا جس میں یاقوت سرخ جڑے ہوں گے، ہر قصر کے 70 ہزار کواڑ ہوں گے، ہر کواڑ پر موتی کا ایک قبہ ہوگا، ہر بیوی 70 جوڑے پہنے ہوگی اور جوڑے میں 70 رنگ ہوں گے، کوئی جوڑا دوسرے کے مشابہ نہ ہوگا، ہر بیوی کی پیش خدمت ہزار لونڈیاں کھڑی ہوں گی اور 70 ہزار لونڈیاں اس کی مصاحب ہوں گی، ہر لونڈی کو اس بیوی نے کام پر لگا رکھا ہوگا۔ جب کھانا سامنے آئے گا تو 70 ہزار لونڈیاں سامنے کھڑی ہوں گی اور ہر لونڈی کے ہاتھ میں ایک پیالہ ہوگا اور شربت سے بھرا ہوا ایک گلاس ہوگا، ہر پیالے کا کھانا اور گلاس کا شربت دوسرے سے مختلف ہوگا۔

جنتی کا کھانا

ایک روایت میں ہے کہ جنتی اپنے مرصع تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا، اس کے سامنے دس ہزار خادم لڑکے ہوں گے جو نہ بڑے ہوں گے اور نہ کبھی بوڑھے ہوں گے، سامنے یاقوت سرخ کا ایک خوان رکھا جائے گا جو ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا ہوگا، اس میں 70 ہزار سونے چاندی کے برتن ہوں گے، ہر برتن میں 70 رنگ کا کھانا ہوگا۔ جنتی اگر کوئی لقمہ کسی کھانے کا ہاتھ سے اٹھائے گا اور اسی اثنا میں کسی دوسرے رنگ کے کھانے کی خواہش کرے گا تو فوراً لقمہ پلٹ کر خواہش کے مطابق کی حالت پر آجائے گا۔ سامنے غلمان کھڑے ہوں گے جن کے ہاتھوں میں چاندی کے کوزے ہوں گے، ان کے پاس شراب اور پانی ہوگا، جنتی چالیس آدمیوں کے برابر کھانا کھائے گا، پھر غلمان اسے اس کی پسند کا شربت پلائیں گے۔ جب ڈکار آئے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے خواہش طعام کے دروازے کھول دے گا اور پانی پی کر جب اسے پسینہ آئے گا تو اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی اشتہا کے ہزاروں دروازے کھول دے گا یعنی پسینے اور ڈکار سے کھانا تحلیل ہو کر ہضم ہو جائے گا۔

بڑی بختی اونٹنیوں کے برابر پرندے دروازوں سے داخل ہوں گے اور جنتی کے سامنے آکر کھڑے ہو جائیں گے، ہر پرندہ دنیا کے ہر گانے والے سے زیادہ لذت آگیں خوش آوازی کے ساتھ اپنی صفت بیان کرے گا اور کہے گا: اے اللہ کے دوست! مجھے کھا لے میں اتنی مدت جنت کے باغوں میں چرتا رہا ہوں۔ تمام پرندے خوبی کے ساتھ جنتی کے سامنے اپنی آوازیں نکالیں گے، جنتی ان کی طرف نگاہ اٹھائے گا تو سب سے زیادہ بلند آواز اور خوش بیان پرندے کو پسند کرے گا۔ اللہ ہی واقف ہے کہ کتنی دیر اس میں یہ خواہش رہے گی، یکایک وہ پرندہ خوان پر گر جائے گا کچھ نمکین خشک کیا ہوا، کچھ بھنا ہوا۔ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں جنتی اس میں سے کھائے گا۔ جب سیر ہو جائے گا اور بس کرے تو وہ ویسا ہی پرندہ بن کر اسی دروازے سے نکل جائے گا جس سے داخل ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے پرندوں کے 70 ہزار پر ہوں گے اور اگر مومن

ان میں سے کسی کی خواہش کرے گا تو اس پرندے کو لاکر پیالے کے اندر رکھ دیا جائے گا، وہ پر پھڑ پھڑائے گا جس سے سبز رنگ کے کھانے تیار ہوں گے۔ کچھ پکا ہوا گوشت، کچھ بھنا ہوا اور مختلف رنگوں کے ان کا مزہ من سے زیادہ پاکیزہ اور مکھن سے زیادہ لطیف ہوگا اور وہ چھاچھ سے زیادہ سفید ہوں گے۔ جب مومن کھا چکے گا تو پرندہ پھڑ پھڑا کر اڑ جائے گا اور اس کا ایک پر بھی کم نہ ہوگا۔

☆☆☆

انتیسواں وعظ

دربیانِ جنت و دیدارِ خداوندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۝
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ (سورۂ قیامہ، آیت: 22-25)

سب تعریفیں اس خالق باری کو سزاوار ہیں جس نے دنیا کو انسان کے فائدے اور استعمال کے لیے قسم قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسان کو ان کا مختار بنایا۔ پھر آخرت ان پاکبازوں کے لیے سنواری جو اللہ اور اس کے رسول پر پوری طرح ایمان لائے۔

لاکھوں اور کروڑوں درود وسلام اس ذات بابرکات پر کہ جس نے ہمیں غیب کی باتوں سے آگاہ کر کے ہمارے ایمان کو پختہ بنایا، تاکہ ہم راہ راست پر بلا تردّد چل سکیں اور انہی کے طفیل اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن شدت حساب اور جہنم کے حول سے محفوظ رکھے گا کہ اس روز میدان قیامت میں جہنم کو مؤکل فرشتے کھینچ کر لائیں گے، دوزخ کی پھنکاریں اور دھاڑیں، دھنساؤ اور تاریکی اور کڑک اور شدت غضب کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے دل دہل جائیں گے۔ فرشتے اسے لاکر جنت اور قیام گاہ خلائق کے درمیان کھڑا کر دیں گے۔ جہنم منہ زوری سے خلائق کو کھانے کے لیے بھاگے گی مگر مؤکل، زنجیروں سے اسے روک دیں گے۔ لیکن اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو یہ ہر مومن اور کافر کو چٹ کر جائے۔ جب وہ شدت غضب میں اندر کو سانس کھینچے گی تو اس کے دانت بجنے کی آواز آئے گی جو سب مخلوق سنے گی، اس وقت دل لرز جائیں گے، اڑنے اور باہر نکلنے لگیں گے، آنکھیں پتھرا جائیں گی اور دل اچھل کر حلق میں آجائیں گے۔ مقرب فرشتے یا نبی مرسل سب کے سب دوزانو ہو کر میدان حشر میں بیٹھ

جائیں گے، پھر دوزخ باہر کو سانس نکالے گی تو کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کی آنکھ سے آنسو نہ نکل پڑیں گے۔ تیسری سانس لے گی تو نیک ترین لوگ جن کے اعمال انبیا کے برابر ہوں گے وہ بھی خیال کریں گے کہ میں اس میں ضرور گروں گا۔ چوتھی دفعہ سانس لے گی تو تمام مقرب فرشتے اور انبیاوغیرہم نفسی نفسی پکاریں گے۔

اس وقت اللہ عزوجل اپنے کرم سے اہل ایمان، اہل توحید اور اہل سنت کے لوگوں کو مومنوں کو جو نذروں کو پورا کرتے اور عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں اس جہنم کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ آسمانوں کے ستاروں کی طرح لوگوں پر چنگاریاں پھینک رہی ہوگی۔

ایسے لوگوں کے لیے ہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے۔

لیکن جو کافر، مشرک یا منافق اور بے ایمان ہوں گے وہ اس عذاب سے نہ بچ سکیں گے اور اس روز ان کے لیے خرابی ہوگی۔ چنانچہ ان کے لیے ارشاد ہے:

وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَن يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

کچھ چہرے اس روز بگڑے ہوں گے جو خیال کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا معاملہ ہونے والا ہے۔

مومنین کے حق میں اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے: **وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝**

یعنی ان کے چہروں پر تروتازگی اور ان کے دلوں میں سرور ہوگا۔

اس کی صورت یوں ہوگی کہ قیامت کے روز جب مومنین قبروں سے باہر آئیں گے، ان کے سامنے ایک شخص خنداں وفرحاں ہوگا جس کا چہرہ آفتاب کی طرح ہوگا، آئے گا اور کہے گا: اللہ کے ولی! تجھ پر سلامتی ہو، مومن کہے گا: آپ پر بھی سلامتی ہو، بندۂ خدا آپ کون ہیں؟ کیا کوئی فرشتہ ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، تو کیا آپ کوئی پیغمبر ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، تو مومن کہے گا: کیا آپ کوئی اہل قرب میں سے ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، پھر مومن کہے گا: آپ کون ہیں؟ تو وہ جواب دے گا: میں آپ کا عمل صالح ہوں، میں دوزخ سے نجات اور جنت ملنے کی خوشخبری

دینے آیا ہوں، مومن کہے گا: اے اللہ کے بندے! آپ ان باتوں سے واقف ہیں جن کی بشارت دے رہے ہیں، وہ کہے گا: جی ہاں! تو مومن کہے گا: آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہے گا: مجھ پر سوار ہو جایئے، مومن کہے گا: واللہ! آپ جیسے پر سوار ہونا مناسب نہیں، وہ کہے گا: کیوں نہیں؟ میں دنیا میں ایک مدت آپ پر سوار رہا۔ اب آپ اللہ کے لیے مجھ پر سوار ہو جایئے۔ چنانچہ مومن اس پر سوار ہو جائے گا اور وہ جنت کی طرف اس کی رہبری کرے گا۔ مومن اس بات سے بہت خوش ہوگا اور اس کا چہرہ جگمگا اٹھے گا۔ چنانچہ اس آیت: **وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝** کی تصدیق ہو جائے گی۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ شراب طہور پلائے گا۔

اس کی صورت یہ ہوگی کہ جنت کے دروازے پر ایک درخت کی جڑ سے دو چشمے پھوٹ کر نکلیں گے، آدمی جب پل صراط سے گزر کر ان چشموں تک پہنچے گا تو ایک چشمہ میں جا کر نہائے گا جس کی خوشبو مشک سے بھی پاکیزہ ہوگی، اس کا گہراؤ تقریباً 70 گز قدِ آدم کے برابر ہوگا۔

جنتی کا قد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام اہل جنت اعلیٰ ادنیٰ حضرت آدم کے قد پر جوان ہوں گے۔ بے بال، بے ریش اور بروت گہری سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے۔ حضرت آدم کا قد ساٹھ گز تھا، اہل جنت اور ان کی عورتیں سب ایک مقدار کے ہوں گے۔

جنتی کی عمر

اہلِ جنت مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کے یعنی 33 سال کے ہوں گے۔ بچہ بڑا ہو جائے گا اور بوڑھے کی عمر گھٹ کر 33 سال ہو جائے گی۔

(غنیۃ الطالبین)

جنتی کا حسن

اہلِ جنت مرد ہوں یا عورتیں سب کے سب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

برابر حسین ہوں گے۔ (غنیۃ الطالبین)

جنتی کا دل

جنتی ایک چشمہ میں نہا کر دوسرے چشمہ کا پانی پیے گا۔ جو اس کے دل کو پاک کردے گا اور اس کا دل حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل کی طرح پاک ہوگا۔

جنتی کی زبان

تمام اہل جنت کی زبان حضور نبی کریم ﷺ کی زبان پر عربی ہوگی۔

اس کے بعد تمام جنتی چل کر جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دربان کہیں گے: آپ کا مزاج ٹھیک ہے۔ جنتی کہیں گے: جی ہاں! تو دربان کہیں گے: ہمیشہ کے لیے اندر آجایئے۔ دربان ان کو پہلے یہ بشارت دے دیں گے کہ وہ داخل ہونے کے بعد پھر کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

سب سے پہلے جب آدمی جنت میں داخل ہوگا تو کراماً کاتبین اعمال لکھنے والے ساتھ ہوں گے اور سامنے سے ایک فرشتہ آئے گا۔

جنتی کی سواری

جس کے ساتھ سبز یاقوت کی ایک عمدہ اونٹنی ہوگی، اس کی مہار سرخ یاقوت کی ہوگی۔ پالان کا اگلا اور پچھلا حصہ موتی اور یاقوت کا ہوگا۔ پالان کے دونوں پہلو سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ فرشتے کے ساتھ لباس کے 70 جوڑے بھی ہوں گے۔ جنتی جوڑے پہن لے گا تو فرشتہ اس کے سر پر تاج رکھے گا۔ جنتی کے جلو میں دُر مکنوں ''سیپ میں چھپے ہوئے صاف اور شفاف موتی'' جیسے دس ہزار غلمان ہوں گے۔ فرشتہ کہے گا: اے اللہ کے دوست! سوار ہو جایئے، یہ آپ کا ہے اور اسی طرح کے آپ کے لیے اور بھی ہیں۔ چنانچہ جنتی سوار ہو جائے گا۔ اونٹنی کے پرندوں کی طرح دو بازو ہوں گے اور بقدر رسائی نگاہ اس کا قدم ہوگا۔ اس طرح جنتی اپنے مکان پر پہنچ جائے گا اور محلات کے پاس اترے گا جن کا ذکر پہلے وعظ میں آچکا ہے۔

چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا۔

یعنی تمہارے نیک اعمال کی کوششوں کی قدر کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں جنت عطا فرمائے گا۔

جنت کی کیفیت

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جنت کی زمین کیسی ہے؟ فرمایا: چاندی کے چکنے مرمریں پتھروں کی۔ اس کی مٹی مشک کی ہوگی، ٹیلے زعفران کے ہوں گے، چوطرفہ احاطہ کی دیواریں موتی یاقوت اور سونے چاندی کی ہوں گی کہ اندر سے باہر کی چیز اور باہر سے اندر کی چیز نظر آئے گی۔ جنت میں کوئی محل ایسا نہ ہوگا جس کا اندرون باہر سے اور بیرون اندر سے نظر نہ آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین جنتیں ہیں:

پہلا '**الجنہ**' دوسرا '**عدن**' اور تیسرا '**دار السلام**'

الجنہ عدن سے 70 کروڑویں حصے چھوٹی ہے، الجنہ کے محل باہر سے سونے کے اور اندر سے زمرد کے ہوں گے، اس کے برج یاقوت سرخ کے اور جھرو کے موتیوں کی لڑیوں کے ہوں گے۔

فرمایا: جنت کے سو درجے ہوں گے، ہر دو درجوں کے درمیان ایک امیر ہوگا جس کی بزرگی اور برتری کا سب اقرار کریں۔ جنت کے پہاڑ سفید مشک اور زرد زعفران کے ہوں گے۔

نہریں اور چشمے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں محل ہیں اور ہر محل میں چار نہریں ہیں: ایک صاف پانی کی، دوسری صاف دودھ کی، تیسری صاف شراب کی اور چوتھی صرف شہد کی۔ اگر جنتی کسی نہر کا پانی پیئے گا تو آخر میں مشک کی خوشبو محسوس کرے گا۔

جنت کے چشموں کا پانی لیے بغیر نہروں کا پانی جنتی پییں گے، ایک چشمے کا نام زنجبیل۔ دوسرے کا نام تسنیم اور تیسرے کا نام کافور ہے۔ چشمۂ کافور سے صرف اہل قربت ہی

پئیں گے۔

فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ نہ کر چکا ہوتا کہ اگر اہل جنت کاسہ لینے میں جھپٹا جھپٹی کریں گے تو اہل جنت کبھی انھیں منہ سے علیحدہ نہ کرتے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا ○ سے مراد وہ شراب جو برتن میں ہو، یعنی جو شراب برتنوں میں دی جائے گی اسے کاس کہتے ہیں اور خمر وہ ہوتی ہے جو برتن میں ہو۔

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ○ اس کا ذائقہ زنجبیل جیسا ہوگا یعنی سب میں چشمہ زنجبیل کا پانی ہوگا۔

عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا یعنی وہ چشمہ جو جنت عدن سے نکل کر ہر جنت سے ہو کر پھر جنت عدن لوٹ آئے گا۔ اس طرح تمام جنتوں میں اس کا بہاؤ ہوگا۔

جنت کے برتن

چونکہ شراب کے ساتھ برتن کا ذکر آتا ہے اس لیے برتن کا ذکر بھی کر دینا چاہیے کہ جنت میں برتن کس قسم کے ہوں گے۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ ○ ان پر چاندی کی حروف اور کوزوں کا دور ہوگا۔

اکواب وہ کوزے ہوتے ہیں جن کے سر گول ہوں اور قبضے نہ ہوں۔

قواریراً کا مطلب ہے مینا، لیکن چاندی کے یعنی پانی پینے کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔

دسترخوان کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یاقوت سرخ زمرد کے ہوں گے۔

جنت کا موسم

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيرًا ○ (انسان، آیت:13)

ان کو وہاں دھوپ کی گرمی محسوس ہوگی نہ سردی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں موسم معتدل رہے گا۔ نہ گرمی کی شدت ہوگی نہ شدت سردی۔

جنت کے درخت

سورۂ دہر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ○

ان پر وہاں درختوں کا سایہ ہوگا اور پھل اس قدر جھکے ہوں گے کہ وہ آسانی سے کھا سکیں گے یعنی پھل اس قدر جھک جائیں گے کہ چاہیں کھڑے ہو کر کھائیں، چاہیں بیٹھ کر اور چاہیں لیٹ کر کھائیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں بعض درختوں کے تنے سونے کے بعض کے چاندی کے بعض کے یاقوت کے اور بعض کے زمرد کے ہوں گے اور شاخیں بھی تنوں کی طرح ہوں گی اور پتے حسین ترین کپڑوں کی طرح ہوں گے، پھل مکھن سے زیادہ شیریں ہوں گے، ہر درخت کی لمبائی پانچ سو برس کی مسافت کے برابر اور جڑ کی موٹائی 70 سال کے راستے کے برابر ہوگی۔ جب آدمی نگاہ اٹھا کر درخت کی چوٹی کی طرف دیکھے گا تو اس کو چوٹی کی شاخیں پھل نظر آئیں گے اور ہر درخت کے پھل 70 ہزار قسم کے ہوں گے اور کسی پھل کا رنگ اور مزہ دوسرے پھل جیسا نہ ہوگا۔

جس قسم کے پھل کی خواہش ہوگی وہ شاخ جس میں وہ پھل ہوگا پانچ سو یا پچاس برس یا اس سے کم کی راہ طے کر کے نیچے جھک جائے گی، یہاں تک کہ خواہش کرنے والا چاہے گا تو اسے ہاتھ سے لے لے گا اور نہ لے سکے گا تو اپنا منہ کھول دے گا تو پھل منہ میں آ جائے گا۔

جس پھل کو توڑے گا، فوراً اس کی جگہ دوسرا اس سے خوبصورت اور عمدہ پھل پیدا ہو جائے گا۔

جب آدمی اپنی غرض پوری کر چکے گا اور بس کرے گا تو شاخ وہیں لوٹ جائے گی۔ بعض درخت پھل دار نہ ہوں گے بلکہ ان میں شگوفے ہوں گے، جن میں مشک اور کافور ہوگا۔ بعض درختوں کے شگوفوں میں باریک ریشمی کپڑے اور خوبصورت نفیس سرخ لباس ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں اگر سات سو برس گھوڑے کا سوار چلے تو طے نہ کر سکے۔ اس کے نیچے دریا بہتے ہیں، اس کی ہر شاخ پر شہر تعمیر ہے۔ ہر شہر کی لمبائی دس ہزار میل ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ اتنا

ہے جتنا مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔"

سلسبیل کے چشمے ان محلات سے نکل کران شہروں تک جاتے ہیں اس درخت کے ایک پتے کے سائے میں ایک عظیم الشان گروہ آسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہر جنتی کا ایک درخت ہوگا جس کا نام طوبیٰ ہوگا۔ جب کوئی اعلیٰ لباس پہننا چاہے گا تو وہ طوبیٰ کے پاس جائے گا، طوبیٰ کے شگوفے کھل جائیں گے اور وہ چھ رنگ کے ہوں گے۔ ہر شگوفے میں 70 رنگ کے کپڑے ہوں گے۔ کوئی کپڑا دوسرے کے رنگ کا نہیں ہوگا، نہ اس کے نقوش دوسرے کے نقوش کی طرح ہوں گے۔ جنتی جس میں سے چاہے گا لالہ کی پتی سے لطیف کپڑا اس میں سے لے لے گا۔"

سامانِ جنت کی فروانی

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ادنیٰ بخشش والا وہ جنتی ہوگا کہ اگر اس کے تمام جن و انس مہمان ہوکر آجائیں تو اس کے پاس کرسیاں، بستر، غالیچے اور مسندیں اتنی ہوں گی کہ سب بیٹھ جائیں اور سب تکیہ لگائیں۔ ان کی ضرورت سے زائد خوان پیالے، خدمت گار اور کھانا پینا سب کچھ ہوگا اور اس میزبان کو صرف اتنی تکلیف ہوگی جتنی ایک مہمان کے آنے سے ہوتی ہے۔

لوجہ اللہ محبت رکھنے والے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوجہ اللہ محبت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت عدن کے اندر سرخ یاقوت کے ایک ستون پر فروکش کرے گا جس کی موٹائی 70 ہزار برس کی راہ کے برابر ہوگی۔ اس ستون پر 70 ہزار کمرے ہوں گے اور ہر کمرے کا ایک قصر ہوگا۔ لوجہ اللہ محبت کرنے والے کو اوپر سے تمام اہل جنت دیکھیں گے، ان کی پیشانیوں پر نور ہوگا اور اس نور سے یہ لکھا ہوگا۔ یہ لوجہ اللہ باہم محبت رکھنے والے ہیں، جب ان میں سے کوئی اپنے عمل سے جنت میں جھانکے گا تو اس کے چہرے کے نور سے جنت والوں کے قصر بھر جائیں گے، جیسے آفتاب کی روشنی سے زمین والوں کے گھر بھر جاتے ہیں۔ ایک جنتی دوسرے سے کہے گا: یہ روشنی لوجہ اللہ باہم دوستی کرنے والوں کی ہے۔ یہ کہتے ہی اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی

طرح ہوجائے گا۔

دیدارِ الٰہی

جب سارے کام مکمل ہوجائیں گے تو جنت کے اندر ایک منادی ندا کرے گا۔ اس کی آواز اوپر نیچے اور دور و نزدیک والے سب سنیں گے، وہ کہے گا: اے اہل جنت! تم کو اپنے گھر پسند آئے؟ سب کے سب بالاتفاق جواب دیں گے: ہاں! خدا کی قسم ہمارے رب نے ہمیں عزت کی جگہ اتارا۔ ہم یہاں سے منتقل ہونا چاہتے ہیں، نہ اس کے عوض دوسرے گھر کے خواستگار ہیں۔ ہم اپنے رب کے جوار کو پسند کرتے۔ یا اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے منادی کی ندا سنی اور اس کو سچا جواب دیا۔ یا اللہ! اے ہمارے رب ہم تیرے چہرے کی طرف دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں کہ تیرا دیدار سب سے بڑا ثواب ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جنت کو جس کا نام دارالسلام ہے اور اسی جنت میں اللہ تعالیٰ کی زردگاہ اور مجلس ہوگی۔ حکم دے گا کہ اپنی سجاوٹ کرلے، آراستہ اور تیار ہوجا کہ میں اپنے بندوں کو اپنی زیارت کراؤں۔

جنت رب کا حکم سنے گی اور بات ختم ہونے سے پہلے حکم کی تعمیل کرے گی اور تیار ہوجائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ میری ملاقات کے لیے میرے بندوں کو بلاؤ۔ فرشتہ بارگاہ الٰہی سے نکل کر لذت آگیں لمبی اور اونچی آواز میں پکارے گا۔

اے اہل جنت! اے اللہ کے دوستو! اپنے رب کی زیارت کرو۔ اس کی آواز سن کر سب جنتی اونٹنیوں اور نجیروں پر سوار ہوکر سایہ میں مشک اور زرد زعفران کے ٹیلوں کی طرف چل دیں گے اور دروازے کے پاس سلام کریں گے اور کہیں گے: سَلَامٌ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا ۔ پھر داخلہ کی اجازت طلب کریں گے۔ اجازت ملنے پر اندر داخل ہونے کا ارادہ کریں گے اور جوں ہی دروازے سے داخل ہوں گے، عرش معلیٰ سے ایک ہوا چلے گی جس کا نام 'مشیرہ' ہوگا اور مشک اور زعفران کے ٹیلوں کا غبار اڑ کر ان کے گریبانوں تک سروں اور کپڑوں پر ڈال دے گی۔ اندر داخل ہوں گے تو اپنے رب کے تخت اور کرسی کی طرف نظر اٹھائیں گے تو ایک نور جگمگاتا دکھائی دے گا مگر

رب جلوہ انداز نہ ہوگا، جنتی کہیں گے۔ اے ہمارے رب! تو ہر عیب سے پاک ہے تو قدوس ہے تو ملائکہ اور روح کا رب ہے تو برکت والا اور عالی مرتبہ ہے، ہم کو اپنا چہرہ دکھا، اللہ تعالیٰ نور کے پردوں کو حکم دے گا کہ ہٹ جاؤ، وہ فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہے گا پڑے رہیں گے اور سجدے میں کہیں گے، ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ تیرے ہی لیے ہر حمد اور ہر پاکی سزاوار ہے تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا اور جنت میں داخل فرمایا: جنت بڑااجا گر ہے، ہم تجھ سے مکمل طور پر راضی ہیں تو بھی ہم سے راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بھی تم سے مکمل طور پر راضی ہوں اور یہ بندگی اور حمد وثنا کا وقت نہیں خوش عینی اور راحت کا وقت ہے، مجھ سے مانگو عطا کروں گا، آرزو کرو میں اس سے زیادہ دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنتی بغیر کچھ کہے دل میں آرزو کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے وہ اور اسی کی مثل جو میں تم کو اور دوں گا ہمیشہ قائم رہے گی۔ اہل جنت اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائیں گے اور اللہ رب العزت کے نور کی شدت کی وجہ سے اس کی طرف آنکھ نہ اٹھا سکیں گے۔ اس مجلس کا نام ہوگا قبہ عرش رب العالمین سے پورب والی مجلس۔ (غنیۃ الطالبین)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! اے میرے جوارِ رحمت کے ساکنو! اے وہ لوگو! جن کو میں نے چن لیا ہے۔ اے مجھ سے محبت کرنے والو! اے وہ لوگو! جن کو میں نے اپنی مخلوق اور اطاعت گزاروں میں سے چن لیا ہے تمہارے لیے مرحبا ہو۔

اس کے بعد عرش رب العالمین کے سامنے نور کے کچھ منبر نظر آئیں گے۔ منبروں سے نیچے نور کی کچھ کرسیاں ہوں گی۔ کرسیوں کے نیچے فرش ہوں گے جن پر غالیچے ہوں گے اور ان کے نیچے مسندیں ہوں گی۔ اللہ رب العزت فرمائے گا اپنی عزت پر بیٹھو، سب سے آگے بڑھ کر رسول منبروں پر پھر انبیا کرسیوں اور صالحین مسندوں پر بیٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد نور کے خوان بچھائے جائیں گے۔

دعوتِ خوان

ہر خوان پر 70 رنگ ہوں گے اور ان کی آرائش مروارید و یاقوت سے کی گئی ہوگی۔ اللہ

رب العزت خدمت گاروں سے فرمائے گا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، ہر خوان پر موتی اور یاقوت کے 70 پیالے رکھ دیے جائیں گے اور ہر پیالے میں 70 رنگ کا کھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! کھاؤ۔ بندے حسب منشائے ربانی کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا اس کھانے کے مقابلے میں وہ ہیچ ہے جو ہمارے گھروں میں ہے، پھر اللہ رب العزت فرمائے گا: میرے بندوں کو پلاؤ، تو خدمت گار مشروب لا کر پلائیں گے۔ اہل جنت باہم کہیں گے ہمارے مشروبات اس مشروب کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

پھر فرمایا جائے گا کہ ان کو فواکہ دو، تو خادم پھل لا کر پیش کریں گے۔ جنتی ان کو کھا کر کہیں گے ہمارے پھل ان کے سامنے بے حقیقت ہیں۔

پھر لباس اور زیور پہنانے کا حکم ہوگا تو جنتی ان لباسوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ اس خلعت کے سامنے ہمارا لباس بالکل ہیچ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ زیر عرش سے ایک ہوا بھیجے گا جو ان پر مشک اور کافور کا برف جیسا سفید غبار ان کے سروں کپڑوں اور گریبانوں پر ڈال کر ان کو معطر کر دے گی پھر خوان اٹھا لیے جائیں گے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندو! اب مجھ سے مانگو، میں عطا کروں گا، تمنا کرو، میں پوری کروں گا۔ سب یک زبان ہو کر کہیں گے: یا اللہ! ہم تیری خوشنودی کے طلب گار ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں، سب سجدے میں گر پڑیں گے اور سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہیں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا: میرے بندو! سر اٹھاؤ یہ عبادت کا وقت نہیں خوشی اور راحت کا وقت ہے۔ بندے سر اُٹھائیں گے اور پروردگار کے نور کی وجہ سے ان کے چہرے درخشاں ہوں گے، پھر اللہ رب العزت اپنے گھروں کو واپس جانے کی اجازت فرمائے گا۔ جب سب لوگ بارگاہ ایزدی سے باہر نکلیں گے تو غلمان سواریاں لے کر کھڑے ہوں گے اور وہ اپنی سواریوں پر اپنے محلات کی طرف روانہ ہوں گے جہاں ان کی بیویاں ان کا استقبال کریں گی اور کھڑی ہو کر مرحبا کہیں گی اور کہیں گی: میرے محبوب! آپ تو بڑے حسن نور جمال لباس زیور اور خوشبو کے ساتھ آئے مگر

میں آپ سے جدا نہیں تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ اونچی آواز سے پکارے گا: اے اہل جنت! یوں ہی نو بہ نو نعمتیں تم کو ملتی رہیں گی۔

بازارِ جنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہل جنت جب دیدارِ الٰہی سے واپس ہوں گے تو ان کو ایک انار دیا جائے گا جس کا رنگ سبز ہوگا اس میں 70 دانے ہوں گے اور ہر دانے کے سو رنگ ہوں گے اور کوئی دانہ دوسرے کے رنگ پر نہیں ہوگا۔

نیز واپسی میں جنت کے بازاروں سے گزریں گے جہاں خرید و فروخت نہ ہوگی لیکن وہاں زیور، ریشم کا باریک کپڑا آراستہ اور منقش ریشم، خوبصورت موتی اور یاقوت اور معلق چیز کہ جس قدر چاہیں گے، لے لیں گے۔ لیکن وہاں کوئی کمی نہ ہوگی۔ وہاں حسین ترین تصویریں ہوں گی، جیسے آدمیوں کی تصویریں ہوتی ہیں ہر تصویر کے سینے پر لکھا ہوگا: "جو شخص آرزومند ہو کہ اس کا حسن میری طرح ہوجائے تو اس کا حسن میری طرح ہوجائے گا۔"

چنانچہ جو شخص آرزو کرے گا اس کا حسن اور چہرے کے خدوخال اس جیسے ہوجائیں گے۔

جب یہ لوگ اپنے گھر لوٹ کر آئیں گے تو غلمان صف بستہ کھڑے ہوں گے اور مرحبا اور سلام کہتے ہوئے آئیں گے، ہر ایک اپنے برابر والے کو بشارت دے گا۔ یہاں تک کہ یہ خوشخبری اس کی بیوی کو پہنچ جائے گی۔ بیوی خوشی کو ضبط نہ کر سکے گی، فوراً کھڑی ہوجائے گی اور دروازے پر آکر مرحبا اور سلام کہے گی، پھر دونوں باہم گلے ملیں گے اور معانقہ کرتے ہوئے اندر چلے جائیں گے۔ (غنیۃ الطالبین)

اہل جنت جب ڈکار لیں گے تو ان کی ڈکار مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔ جب پانی پئیں گے تو ان کے بدن کی جلد سے پھوٹ کر نکلے گا۔ پاخانہ پیشاب کی ان کی ضرورت نہ ہوگی، نہ تھوکیں گے، نہ ناک سنکیں گے اور نہ انھیں دردِ سر ہوگا۔ (غنیۃ الطالبین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بالائی طبقہ والے اور نچلے طبقے والے سب اہل جنت دو

ساعت تک صبح کا کھانا کھائیں گے، چار ساعت تک خالق کی بزرگی بیان کریں گے اور دو ساعت باہم ملاقاتیں کریں گے۔ جنت میں رات بھی ہوگی اور دن بھی، وہاں کی رات کی تاریکی دنیا کی دن کی سفیدی سے 70 گنا روشن ہوگی۔ (غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆

تیسواں وعظ

دربیانِ نارِ جہنم ومافیہا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۔ (سورۂ تحریم، آیت:6)

سب تعریفیں اس مالک حقیقی کے لیے سزاوار ہیں جو رحمن بھی ہے رحیم بھی، ستار بھی ہے، غفار بھی اور جبار و قہار بھی۔ اگر وہ اپنے اطاعت گزاروں کے لیے ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے تو اپنے نافرمانوں کے لیے شدید العقاب ہے۔ بے شک اس نے اپنے نافرمانوں کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ اشد العذاب ہے۔ عذاب النار یعنی دوزخ کی آگ سے کفار کا نکلنا محال ہوگا۔

اس سے پہلے کہ میں عرض کردوں دوزخ کیا چیز ہے، یہ بھی عرض کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ دوزخ کفار کا توٹھکانہ ہی ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ کہ وہ کفار کے لیے تیار کی گئی لیکن ساتھ ہی اللہ عزوجل نے ایمان والوں سے بھی فرمایا ہے کہ تم بھی اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا

ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

یہ حکم اس لیے ہے کہ قیامت کے دن اعمال میزان میں تلیں گے اور جس کا پلڑا بھاری ہوگا جنت میں جائے گا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا دوزخ کے پیٹ میں کہ جیسے ماں کے پیٹ میں اس کا بچہ سب کچھ اپنی ماں سے حاصل کرتا ہے۔

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۔ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ فَأُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۔ نَارٌ حَامِيَةٌ ۔ (سورۂ القارعہ، آیت:6-11)

ترجمہ: پس جس کے میزان کا پلڑا بھاری ہوگا وہ عیش میں راضی رہے گا اور لیکن جس کے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہوگا تو وہ ہاویہ کے پیٹ میں جائے گا جس کا تجھے ادراک نہیں وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا اور اس یقینی دن سب مخلوق ایک میدان میں جمع ہوگی تو ایک سیاہ سائبان ان پر چھا جائے گا۔ تاریکی کی اس شدت کی وجہ سے کوئی کسی کو دکھائی نہ دے گا۔ سب لوگ اپنے قدموں پر کھڑے ہوں گے۔ ان کے اور ان کے رب کے درمیان 70 سال کی مسافت کے برابر فاصلہ ہوگا۔ یکایک فرشتوں پر خالق باری تعالیٰ کا جلوہ پڑے گا۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ تاریکی چھٹ جائے گی اور سب مخلوق پر ان کے رب کا نور چھا جائے گا۔ ملائکہ اپنے خالق کے عرش کے گرد گھیرا باندھے تسبیح و تحلیل میں مصروف ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ساری مخلوق صف درصف کھڑی اور ہر امت الگ گوشہ میں قائم ہوگی، یک دم اعمال نامے اور میزان لائے جائیں گے۔ میزان ایک فرشتے کے ہاتھ میں آویزاں ہوگی جو کبھی اس کے پلڑے کو اٹھائے گا کبھی جھکا دے گا۔ اعمالنامے اس میں رکھے جائیں گے، اسی حالت میں جنت کا پردہ اٹھایا جائے گا اور جنت کی ایک ہوا چلے گی جس کی خوشبو مشک کی طرح ایماندار محسوس کریں گے۔

پھر دوزخ کا سر پوش اٹھایا جائے گا اور اس کی بد بو کا ایک جھونکا دھوئیں کے ساتھ چلے گا جس کی بو مجرم محسوس کریں گے حالانکہ ان کے اور دوزخ کے درمیان 5 سو برس کی راہ کا فاصلہ ہوگا۔

دوزخ کا حال

پھر دوزخ کو کس کر زنجیر میں لایا جائے گا، 19 فرشتے اس کے مؤکل ہوں گے اور ہر فرشتے کے 70 ہزار فرشتے مددگار ہوں گے۔ تمام مؤکل اور ان کے مددگار دوزخ کے دائیں بائیں اور پیچھے چلتے ہوئے گھیرے میں لیے کھینچے جائیں گے۔ ہر فرشتے کے ہاتھ میں لوہے کا گرز ہوگا جس کی ضرب سے دوزخی چیخیں گے، گدھے کی ابتدائی اور انتہائی آواز کی طرح دوزخ کی آوازیں ہوں گی۔ اس میں دشواریاں ہوں گی، تاریکی ہوگی، دھواں ہوگا اور شور ہوگا۔ دوزخ دوزخیوں پر غضب ناک ہوگی اور شدت غضب کی وجہ سے شعلے اٹھیں گے۔ فرشتے دوزخ کو لا کر جنت اور موقف یعنی قیام گاہ حشر کے درمیان میں رکھ دیں گے۔ دوزخ آنکھ اٹھا کر سب لوگوں کو دیکھے گی اور ان کو نگلنے کے لیے منہ زوری کرے گی، لیکن مؤکل زنجیروں سے اسے روکیں گے۔ اگر کہیں چھوٹ جائے تو ہر مومن و کافر کو کھا جائے۔ دوزخ جب دیکھے گی کہ مجھے روک دیا گیا ہے تو اس میں سخت غصہ آئے گا اور جوش آئے گا اور شدت غضب کی وجہ سے پھٹ پڑنے کے قریب ہوگی، پھر دوبارہ دھاڑ مارے گی اور سب مخلوق اس کے دانت بجنے کی آواز سنے گی، دل کانپ جائیں گے، دھڑک کر نکلنے لگیں گے، ہوش اڑ جائیں گے، آنکھیں اٹھی کی اٹھی رہ جائیں گی، تڑپ کر دل حلق تک آجائیں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! دوزخ کا حال ہم سے بیان کیجیے ارشاد فرمایا: ہاں! وہ اس زمین سے 70 گنا بڑی ہے۔ کالی ہے، تاریک ہے، اس کے 7 سر ہیں، ہر سر پر 30 دروازے ہیں، ہر دروازے کا طول 3 دن کی راہ کے برابر ہے۔ اس کا بالائی لب ناک کے سوراخ سے لگتا ہوگا اور زیریں لب کو وہ گھسیٹتی ہوئی چلے گی، اس کی ناک کے سوراخ میں مضبوط بندش اور ایک مضبوط زنجیر پڑی ہوگی جس کو 70 ہزار فرشتے تھامے ہوں گے۔ فرشتے بھی سخت مزاج تند خو ہوں گے، جن کے دانت باہر کو نکلے ہوں گے، آنکھیں انگاروں کی

طرح، رنگ آگ کے شعلوں کی طرح، ناک کے نتھنوں سے شعلے نکلتے ہوئے اور دھواں اٹھتا ہوا، سب کے سب زبردست ہوں گے اور اللہ کے حکم کے لیے تیار ہوں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ (سورۂ تحریم، آیت: 6)

ترجمہ: اس پر سخت اور تند خو فرشتے مقرر ہوں گے جو اللہ کے حکم کو نہیں ٹالتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

دوزخ کی سجدہ ریزی

فرمایا: اس وقت دوزخ سجدہ کرنے کی اجازت مانگے گی اور اللہ عزوجل اجازت فرما دے گا۔ دوزخ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوگی جب تک اللہ رب العزت چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخ سر اٹھائے گی اور کہے گی، وہ اللہ ہر حمد کا مستحق ہے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ میرے ذریعے نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے، کسی دوسری مخلوق کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کے ذریعے سے مجھ سے انتقام لے۔

دوزخ کی دھاڑیں

پھر رواں، سہل الادا اور خوب چلتی ہوئی زبان سے بلند آواز سے کہے گی جس کو اللہ چاہے اس کے لیے تعریف کا حق ہے، پھر ایک دھاڑ مارے گی کہ کوئی مقرب فرشتہ، کوئی مرسل پیغمبر اور میدان حشر کا کوئی حاضر ایسا نہ ہوگا جو دہشت کی وجہ سے دوزانو نہ بیٹھ جائے، پھر دوبارہ دھاڑے گی تو کوئی آنکھ ایسی نہ ہوگی جس سے آنسو نہ بہہ نکلیں گے، پھر تیسری بار دھاڑے گی تو اس قدر ہیبت ہوگی کہ اگر کسی جن یا انسان کے اعمال بہتر پیغمبروں کے برابر ہوں تو وہ بھی اس میں گر پڑے، پھر چوتھی بار دھاڑے گی تو ہر چیز کا بولنا بند ہو جائے گا، پھر جبرئیل، میکائیل اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام عرش کو پکڑے رہیں گے اور سب کہیں گے مجھے بچا، میں اور کچھ نہیں مانگتا، اس کے بعد دوزخ آسمان کے ستاروں کے برابر چنگاریاں پھینکے گی، ہر چنگاری مغرب سے اٹھنے والے ابر عظیم کی طرح ہوگی، یہ چنگاریاں

تمام مخلوق کے سروں پر گریں گی۔

پُل صراط

پھر دوزخ پر ایک صراط (راستہ) نصب کیا جائے گا جس میں 7 سو یا 7 پل ہوں گے، ہر دو پلوں کا درمیانی راستہ 70 سال کی راہ کے برابر ہوگا، دوزخ کے ایک خانے سے دوسرے خانے تک پل صراط کا عرض 5 سو برس کی راہ کے برابر ہوگا۔ اسی طرح دوسرے سے تیسرے، تیسرے سے چوتھے، چوتھے سے پانچویں، پانچویں سے چھٹے اور چھٹے سے ساتویں خانے کے درمیان پل صراط کا عرض پانچ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہوگا۔ ساتواں درجہ تمام درجوں سے 70 گنا زیادہ گرم، فراخ، گہرا اور بڑے بڑے انگاروں والا ہے اور قسم قسم کے عذابوں پر حاوی ہے۔ قریب ترین درجے کے شعلے پل صراط سے گزر کر ادھر ادھر اور اونچائی میں تین میل جائیں گے۔ دوزخ کا ہر درجے حرارت کی شدت انگاروں کی کلائی اور انواع عذاب کی کثرت کے لحاظ سے اپنے بالائی طبقہ سے 70 گنا زیادہ ہوگا، ہر درجے میں سمندر بھی ہوں گے، دریا بھی اور پہاڑ بھی، ہر پہاڑ کی اونچائی 70 ہزار میل کی راہ کے برابر ہوگی۔ دوزخ کے ہر درجہ میں ایسے 70 پہاڑ ہوں گے، ہر پہاڑ کے 70 دڑے اور ہر دڑے میں 70 ہزار تھور کے درخت ہوں گے، ہر درخت کی 70 شاخ ہوں گے اور ہر شاخ پر 70 سانپ اور 70 بچھو ہوں گے، ہر سانپ کی لمبائی تین میل اور ہر بچھو بڑے سے بڑے بختی اونٹ کے برابر ہوگا، ہر درخت میں 70 ہزار پھل ہوں گے اور ہر پھل دیو کے سر کے برابر ہوگا، ہر پھل کے اندر 70 کیڑے اور ہر کیڑے کی لمبائی اتنی کہ جتنی مسافت پر تیر جا کر گرے، بعض پھلوں میں کیڑے نہیں ہوں گے بلکہ کانٹے ہوں گے۔

پھر فرمایا: دوزخ کے 7 دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی 70 وادیاں ہوں گی، ہر وادی کا گہراؤ 70 سال کی مسافت کے برابر ہوگا، ہر وادی کے 70 ہزار دڑے میں 70 ہزار غار ہوں گے اور ہر غار کی 70 ہزار شاخیں ہوں گی اور ہر شاخ 70 سال کی مسافت کے بقدر ہوگی، ہر شاخ کے اندر 70 ہزار اژدہے اور ہر اژدہے کی بانچھ میں 70 ہزار بچھو کے 70 ہزار مٹکے اور

ہر مٹکے میں مٹکا بھر زہر ہوگا جس کافر اور منافق تک پہنچے گا اس کو زہر پورا پینا ہوگا۔

اعمال ناموں کی تقسیم

غرض جس وقت مخلوق گھٹنے ٹیکے بیٹھی ہوگی اور دوزخ مست اونٹ کی طرح بے تاب ہوگی تو بلند آواز سے ایک منادی ندا کرے گا، فوراً انبیا وصدیق وشہید اور نیک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اعمالنامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں آجائیں گے، کسی کے دائیں ہاتھ میں، کسی کے بائیں ہاتھ میں اور کسی کے پیٹھ کے پیچھے سے اعمالنامہ دیا جائے گا، وہ لوگ خوش ہوں گے اور جن کے ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمالنامے دیے جائیں گے ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوجائیں گی، ان کی ناک پر داغ لگا دیا جائے گا، ان کے بدن کی کھالیں موٹی ہوجائیں گی۔ جب اپنے اعمالنامے کو دیکھیں گے اور گناہوں کا معائنہ کریں گے کہ بغیر اندراج کے ان کا کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں رہا تو پکاریں گے۔ ہائے! ہم تباہ ہو گئے، ان کے دل افسردہ اور نتیجے کے متعلق خیالات برے ہوں گے۔ خوف کی شدت اور غم کی کثرت ہوگی، سرافگندہ، نظریں خوفزدہ اور گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ نظر چرا کر دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو نظر واپس نہ لوٹ سکے گی ایک ابر عظیم نظر آئے گا۔

سخت دشواری ہر طرف سے مصیبت، اضطراب آفریں گھبرا دینے والی دہشت انگیز، غم افزا، ذلیل کن، دلوں کو فکرمند بنا دینے والی اور آنکھوں کو رلا دینے والی گھڑی ہوگی، اس وقت وہ اللہ کی بندگی کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور یہ اقرار ہی ان کے لیے آگ، ذلت، غم، بدبختی، الزام اور عذاب کی صورت بن جائے گا۔ اللہ رب العزت کے سامنے دوزانو بیٹھے گناہوں کا اقرار کرتے ہوں گے۔ آنکھیں نیلی اور بے نظر ہوں گی، دل گڑھے میں گر رہے ہوں گے، کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، جوڑ جوڑ کانپ رہا ہوگا، کچھ بولا نہ جائے گا، آپس کی رشتے داریاں کٹ چکی ہوں گی، نہ برادری ہوگی نہ نسب اور کوئی کسی سے نہیں پوچھے گا، سب اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں گے جس کا ازالہ نہ کر سکیں گے، دنیا میں لوٹ کر جانے کی درخواست کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔ دنیا میں جس چیز کو نہیں مانتے تھے اس کا یقین ہوجائے گا، نہ پینے کو پانی کہ پیاس بجھے اور نہ کھانے

کو کھانا کہ پیٹ بھر سکے اور نہ پہننے کو کپڑا کہ تن ڈھک سکے۔ بھوکے پیاسے ننگے ہارے ہوئے جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، غمگین اور پریشان کہ جان و مال کی کمائی اور اہل وعیال ہر طرف سے گھاٹے میں ہوں گے۔

دوزخیوں کی گرفتاری

اس حال میں اللہ تعالیٰ دوزخ کے مؤکلوں کو حکم دے گا کہ اپنے کارندوں کو ساتھ لے کر اپنے ہتھیاروں سمیت یعنی زنجیریں، طوق اور گرز اٹھائے ہوئے دوزخ سے باہر آ جائیں۔ سب مؤکل باہر آ کر دوسرے حکم کے انتظار میں ایک گوشے میں کھڑے ہو جائیں گے۔ بد بخت ان کو دیکھیں گے۔ جکڑ بند کے سامان اور ان کے کپڑوں کی طرف نظر کریں گے تو حسرت سے اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹیں گے۔ انگلیاں کھا جائیں گے اور موت کو پکاریں گے، آنسو بہہ نکلیں گے، پاؤں لڑکھڑا جائیں گے اور ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ حکم ہوگا ان کو پکڑو اور ان کی گردنوں میں طوق ڈالو، ان کو زنجیروں سے خوب جکڑو اور ان کو جہنم میں ڈال دو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ عزوجل شانہ جس شخص کو جس درجۂ جہنم میں چاہے گا اس درجے کے مؤکلوں کو بلا کر فرمائے گا کہ ان کو گرفتار کرلو۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کی طرف 70-70 مؤکل بڑھیں گے، خوب جکڑ کر باندھیں گے، بھاری طوق گردنوں میں اور زنجیریں ناک کے نتھنوں میں ڈالیں گے، جن کی وجہ سے دم گھٹنے لگے گا، پھر پشت کی طرف سے سروں کو قدموں سے ملا دیا جائے گا جس سے پشت کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس تکلیف سے ان کی آنکھیں پھٹ جائیں گی، رگیں پھول جائیں گی اور طوق کی گرمی سے گردن کا گوشت جل جائے گا، رگوں کا پوست اتر جائے گا، سروں کے اندر دماغ کھولنے لگ جائیں گے اور بہہ کر کھال پر گریں گے کہ قدموں تک پہنچ جائیں گے، بدن کی کھالیں گر پڑیں گی، گوشت نیلے ہو جائیں گے اور کچ کہلوان سے بہے گا۔

طوق، زنجیریں اور لباس

گردنیں مونڈوں سے کانوں تک طوق سے بھری ہوں گی جس کی وجہ سے گوشت

سوختہ ہو جائے گا، ہونٹ کٹ جائیں گے، دانت اور زبانیں باہر نکل آئیں گی، چلائیں گے چیخیں گے۔ طوقوں سے شعلے نکلتے ہوں گے جن کی گرمی خون کی طرح رگوں میں دوڑے گی، طوق کھوکھلے ہوں گے جن کے اندر آگ کی لپیٹ دوڑتی ہوگی۔ طوقوں کی گرمی دلوں تک پہنچے گی اور دلوں کی کھال کو کھینچے گی، دل اچھل کر گلے تک آ جائیں گے، دم سخت گھٹ جائے گا اور آوازیں بند ہو جائیں گی۔

اس دوران اللہ تعالیٰ دوزخ کے مؤکلوں کو حکم دے گا کہ ان کو لباس پہناؤ، مؤکل کپڑے پہنائیں گے، کرتے پہنائیں گے، انتہائی بدبودار اور کھردرے، جہنم کی گرمی سے بھڑکتے ہوئے اگر پہاڑ پر رکھ دیے جائیں تو ان کو بھی پگھلا دیں۔

سورۂ حج میں ہے: فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ (آیت:19)

جو کافر ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے سیئے گئے ہیں۔

سورۂ ابراہیم میں ہے: سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ؕ (آیت:5)

ان کے کرتے وال کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ ڈھانپ لے گی۔

جب ان کو لباس پہنا چکیں گے تو اللہ عزوجل ان کو حکم دے گا کہ ان کو ہانک کر ان کے گھروں کو لے جاؤ تو مؤکل دوسری زنجیریں لائیں گے جو پہلی زنجیروں سے لمبی اور موٹی ہوں گی۔

فرمانِ الٰہی ہے: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ط يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ؕ (سورۂ غافر، آیت:71)

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ؕ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ؕ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ط اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ؕ (سورۂ حاقہ، آیت:30)

ترجمہ: جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں گھسیٹتے جائیں گے، کھولتے پانی میں پھر آگ میں دہکائے جائیں گے۔ اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ پھر ایسی زنجیر میں جس کا ناپ 70 ہاتھ ہے اسے پرو دو۔ بے شک وہ عظمت

والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔

پھر، فرشتہ ایک زنجیر لے کر ایک گروہ کو اس میں باندھے گا اور زنجیر کا کنارا اپنے کاندھے پر رکھ کر قیدیوں کی طرف پشت پھیر کر منہ کے بل کھینچتا ہوا لے چلے گا اور پیچھے سے 70 ہزار فرشتے ہر گروہ کو گرزوں سے مارتے ہوئے ہانکیں گے اور جہنم پر لے جائیں گے کہیں گے کہ یہ وہ آگ ہے جس کو تم نہیں مانتے تھے۔ کیا جادو ہے کہ یہ تم کو دکھائی نہیں دیتا، اس میں داخل ہو جاؤ۔ صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ تمہارے اعمال کی تم کو سزا دی جائے گی۔ جب دوزخ پر لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو جہنم کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ سرپوش اٹھا دیا جائے گا۔ آگ بھڑکنے لگے گی، شعلے اٹھتے ہوں گے، سخت دھواں نکلتا ہوگا، آسمان کے ستاروں کی طرح اوپر کو چنگاریاں اڑیں گی اور بقدر 70 سال کی راہ کے اوپر کو جائیں گی، پھر لوٹ کر لوگوں کے سروں پر گریں گی جن کی وجہ سے بال جل جائیں گے، کھوپڑیاں اکڑ جائیں گی، اس وقت جہنم بہت اونچی آواز سے چلائے گی، اے دوزخیو! ادھر آؤ، اے دوزخیو! میری طرف آؤ، اپنے رب کی عزت کی قسم! میں تم سے ضرور بدلہ لوں گی، پھر کہے گی: حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے ایسا بنایا کہ اس کے غضب کی وجہ سے میں غضب ناک ہوتی ہوں اور میرے ذریعے وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ پروردگار! میری گرمی زیادہ اور قوت میں اضافہ کر دے۔

دوزخ میں داخلہ

اسی دوران دوزخ کے اندر سے کچھ فرشتے نکلیں گے جو ہر گروہ کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا کر سرنگوں منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ سر کے بل لڑھکتے ہوئے 70 سال کی راہ تک چلے جائیں گے۔ آخر میں جب دوزخ کے پہاڑ کی چوٹیوں پر پہنچیں گے تو وہاں بھی ان کو ٹھہراؤ نصیب نہ ہوگا۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ؕ (سورۂ زمر، آیت:16)

ترجمہ: اور ان کے اوپر آگ کے پہاڑ ہوں گے اور ان کے نیچے پہاڑ، اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔

اَلصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِّنَ النَّارِ يُتَصَعَّدُ فِيْهِ الْكَافِرُ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَيُهْوٰى بِهٖ كَذٰلِكَ فِيْهِ اَبَدًا ۔ (رواہ الترمذی والمشکوٰۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: دوزخ میں ایک پہاڑ صعود ہے کافر کو اس پر 70 سال تک چڑھایا جائے گا اور اتنی مدت میں اس کو اس سے گرایا جائے گا وہ ہمیشہ اس میں اسی حالت میں رہے گا۔

خوراک

ہر انسان کی 70 کھالیں تہہ بہ تہہ ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے زقوم کھانے کو ملے گی جس کی گرمی اوپر سے ہی نمودار ہوگی، تلخی تیز اور کانٹوں کی کثرت ہوگی۔ دوزخی اس کو چبا ہی رہے ہوں گے کہ ناگہاں فرشتے گرزوں سے مارنا شروع کر دیں گے جس سے ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ 70 برس کی راہ کے بقدر کسی وادی میں قرار پکڑے بغیر سر کے بال لڑھکتے چلے جائیں گے۔

پھر ہر شخص کی 70 کھالیں بنادی جائیں گی اور وہاں بھی خوراک تھوہر کی ملے گی۔ وہ منہ کے اندر ہی رہے گی، نگلنے کی طاقت نہ ہوگی۔ چنانچہ فرمان ربانی ہے:

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ؕ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ؕ (سورۂ صافات، آیت:66-67)

ترجمہ: پھر بے شک وہ اس (تھوہر) میں سے کھائیں گے، پھر اس سے پیٹ بھریں گے، پھر بے شک ان کے لیے اس پر کھولتے پانی کی ملونی ہے۔

پھر فرمایا: اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ ۔ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۔ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۔ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۔ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۔ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۔ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ

تَمۡتَرُوۡنَ ۰ (سورۂ دخان، آیت:43-50)

ترجمہ: بے شک تھوہر کا پیڑ گنہگاروں کی خوراک ہے، گلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں جوش مارے جیسا کہ کھولتا ہوا پانی جوش مارے، اسے پکڑو۔ ٹھیک بھڑکتی آگ کی طرف بزور گھسیٹے لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے پانی کا عذاب ڈالو۔ چکھ، ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔ بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شبہ کرتے تھے۔

حضرات! تھوہر ایک خبیث کڑوا درخت ہے جو اہل جہنم کی خوراک ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک قطرہ اس تھوہر کا دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو اہل دنیا کی زندگی خراب ہوجائے۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:553)

فَلَیۡسَ لَهُ الۡیَوۡمَ هٰهُنَا حَمِیۡمٌ ۰ وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِیۡنٍ ۰ لَا یَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخٰطِـُٔوۡنَ ۰ (سورۂ حاقہ، آیت:35-37)

ترجمہ: تو آج یہاں اس (دوزخی) کا کوئی دوست نہیں اور نہ کچھ کھانے کو، مگر دوزخیوں کا پیپ اسے نہ کھائیں گے مگر خطا کار۔

لَیۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِیۡعٍ ۰ لَّا یُسۡمِنُ وَلَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۰ (سورۂ غاشیہ، آیت:6)

ترجمہ: ان دوزخیوں کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں۔

فائدہ: غذا کے دو ہی فائدے ہیں: ایک یہ کہ بھوک کی تکلیف رفع کریں، دوسرے یہ کہ بدن کو فربہ اور موٹا کریں۔ یہ دونوں وصف دوزخیوں کے کھانے میں نہیں بلکہ وہ سخت عذاب ہے ان آیات بینات سے۔

معلوم ہوا کہ عذاب طرح طرح سے ہوگا اور جو لوگ عذاب دیے جائیں گے ان کے بہت سے طبقے ہوں گے۔ بعض کو زقوم کھانے کو دیا جائے گا۔ بعض کو دوزخیوں کی پیپ اور بعض کو آگ کے کانٹے۔

دوزخیوں کا پینا

دوزخ کے رہنے والے کو پیپ اور پگھلایا ہوا رانگ اور کھولنے والا گرم پانی پینے کے لیے دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ كَالۡمُهۡلِ یَشۡوِی الۡوُجُوۡهَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ۰ (سورۂ کہف، آیت:29)

ترجمہ: اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں تو ان کی فریاد رسی ہوگی، اس پانی سے کہ چرخ دیے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دے گا کیا ہی برا پینا ہے۔ دوزخ بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ غلیظ پانی ہے روغن زیتون کی تلچھٹ کی طرح۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جب وہ منہ کے قریب کیا جائے گا تو منہ کی کھال اس سے جل کر گر پڑے گی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ وہ پگھلایا ہوا رانگ اور پیتل ہے۔
(خزائن العرفان، صفحہ:420)

وَسُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَهُمۡ ۰ (سورۂ محمد، آیت:15)

ترجمہ: اور انھیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا کہ آنتوں کے ٹکڑے کردے۔

وَیُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ۰ یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیۡغُهٗ وَیَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ ۰ (سورۂ ابراہیم، آیت:16-17)

ترجمہ: اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہیں اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی، مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے گاڑھا عذاب۔

حدیث پاک میں ہے کہ دوزخی کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ جب وہ منہ کے پاس آئے گا تو اس کو بہت ناگوار معلوم ہوگا۔ جب اور قریب ہوگا تو اس کا چہرہ بھن جائے گا اور سر تک کی کھال جل کر گر پڑے گی۔ جب پیے گا تو آنتیں کٹ کر نکل جائیں گی۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:503)

غرض جب دوزخی خوراک کھا رہا ہوگا تو اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی بلکہ حلق میں باہر سے خوراک اور نیچے سے دل جمع ہو جائیں گے۔ جس سے گلے میں پھندا سا لگ جائے گا اور پانی کے لیے فریاد کرے گا۔ دوزخ کی ان گھاٹیوں میں کچھ وادیاں ہوں گی جن کے دہانے جہنم کی طرف کھلتے ہوں گے۔ ان وادیوں میں گرم پانی کے نالے ہوں گے۔ دوزخی چل کر ان نالوں پر پہنچیں گے اور پینے کے لیے اوندھے منہ گریں گے اور گرتے ہی ان کے چہروں کی کھال کٹ جائے گی اور پانی نہ پی سکیں گے۔ ابھی چشموں پر اوندھے منہ ہی ہوں گے کہ فوراً فرشتے آ جائیں گے اور گرزوں سے ماریں گے جس سے ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی، پھر ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے اور وہ کہیں قرار پکڑے بغیر ایک سو چالیس برس کی مسافت کے برابر شعلوں اور سخت دھوئیں میں لڑھکتے ہوئے چلے جائیں گے اور کچھ نالوں پر جا کر ٹھہریں گے۔ وہاں ہر آدمی کی 70 کھالیں بدل کر دوسری 70 کھالیں دی جائیں گی۔ چونکہ وادیوں پر چشموں کی انتہا ہوگی اس لیے چشموں کا پانی پئیں گے مگر پانی اتنا گرم ہوگا کہ پیٹ میں نہیں ٹھہرے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو 7 نئی کھالیں دے گا۔ جب پانی پیٹ میں کچھ ٹھہرے گا تو آنتوں کو کاٹ کر ٹکڑے کر دے گا اور آنتیں سرینوں کی راہ نکل جائیں گی اور پانی کا باقی حصہ رگوں میں پھیل جائے گا جس سے گوشت پگھل جائے گا اور ہڈیاں پھٹ جائیں گی اور پھر اوپر سے فرشتے جا پکڑیں گے اور پشت پر، چہروں پر اور سروں پر گرز ماریں گے۔ ہر گرز کی 260 دھاڑیں ہوں گی اور سروں پر پڑنے کی وجہ سے پشت ٹوٹ جائے گی۔ پھر کھینچ کر اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ وسط دوزخ میں پہنچیں گے تو بدن کی کھال میں آگ بھڑکنے لگے گی اور کانوں میں پھیل جائے گی اور ناک کے نتھنوں اور پسلیوں سے شعلے نکلیں گے اور بدن سے کچ لہو پھوٹ نکلے گا اور آنکھیں باہر نکل کر رخسار پر لٹک جائیں گی۔

پھر ان شیطانوں کے ساتھ جنھوں نے ان کو گمراہ کیا تھا اور ان معبودوں کے ساتھ جن سے وہ مصیبت کے وقت فریاد کرتے تھے، ملا کر خوب باندھ کر تنگ مقامات میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس وقت وہ موت کو پکاریں گے مگر موت نہیں آئے گی پھر ان کے دنیوی مال کو

تپا کر پیشانیوں اور پہلوؤں پر داغ لگائے جائیں گے اور پشت پر وہ سونا اور چاندی رکھا جائے گا تو پشت کو پھاڑ کر پیٹ کی طرف سے نکل آئے گا۔ یہ لوگ جہنم کے مستحق ہوں گے اور شیطانوں اور پتھروں کے ساتھ ان پر وعظ اور نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عذاب جہنم سے بچائے کہ جس کی ایک چنگاری بھی فنا کر دینے والی ہے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اکتیسواں وعظ

در بیانِ اعمال سیئات وعذابِ نار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ۔ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْکَفَرَةُ الْفَجَرَةُ۔ (سورۂ عبس، آیت:60-62)

سب تعریفیں اس خالق کے لیے جو جن وانس، حور وملک کا خالق ہے، جس نے زمین و آسمان اور جنت وجہنم کو پیدا کیا، بے شک وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے، اس کی پکڑ سخت ہوگی اور اس کا عذاب نا قابل برداشت۔ ہزاروں درود وکروڑوں سلام اس ذات بابرکات پر کہ جس نے ہماری نجات کی راہ پیدا کی اور مومنین کو اللہ تعالیٰ عز وجل شانہ کے قریب لاکر طرح طرح کی نعمتوں کا حقدار بنایا۔

عملِ بد

دوستو! فرمانِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ قیامت کے دن جب کافر قبر سے باہر آئے گا تو اپنے سامنے ایک بدشکل آدمی کو دیکھے گا جس کی آنکھیں نیلی اور رنگ تاریک، رات میں رال کے رنگ سے بھی بڑھ کر سیاہ، کپڑے بھی سیاہ رنگ کے، زمین پر گھسٹتا ہوا اور رعد کی طرح گڑگڑاتا ہوا آئے گا۔ اس سے ایسی بدبو آتی ہوگی کہ مردار کی سڑانڈ سے بھی تیز ہوگی اور کافر گھبرا کر اس کی طرف سے منھ پھیر لینا چاہے گا اور پوچھے گا: بندۂ خدا تو کون ہے؟ وہ کہے گا: اللہ کے دشمن! آ میری طرف آ، آج میں تیرے لیے ہوں اور تو میرے لیے، کافر کہے گا: تیرا برا ہو، کیا تو کوئی شیطان ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، خدا کی قسم! میں تیرا عمل بد ہوں۔ تو کافر کہے گا: تو مجھ

سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کہے گا: میں تیرے اوپر سوار ہونا چاہتا ہوں، کافر گھبرا کر کہے گا: میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو مجھے چھوڑ دے اور مجھے تمام مخلوق کے سامنے رسوا نہ کر! وہ جواب دے گا: خدا کی قسم! اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ مدت تک تو دنیا میں مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سوار ہوں گا اور وہ کافر پر سوار ہو جائے گا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ۔ کا یہی مطلب ہے۔

دوستو! یہ وہ دن ہوگا جب دوزخ سامنے دھاڑ رہی ہوگی اور اس کی چنگاریاں سروں پر گر رہی ہوں گی کہ سروں کی کھوپڑیوں کو جلا دیں اور سب نفسی نفسی پکاریں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور اللہ کے عذاب سے نجات نہیں دلا سکے گا۔ نہ دولت کام آئے گی، نہ شان وشوکت، نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا نہ باپ بیٹے کے لیے کچھ کر پائے گا۔ فرمان الٰہی ہے:
وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ط (سورۂ بقرہ، آیت:281)

ترجمہ: اُس دن سے ڈرو جب تم کو بارگاہ الٰہی کی طرف لوٹایا جائے گا پھر ہر شخص کو اس کا بدلہ پورا ملے گا اور اس کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اور فرمایا: وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:123)

ترجمہ: اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور اس کا کوئی بدلہ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش کام دے گی۔

پھر ارشاد فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْئًا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔ (سورۂ لقمان، آیت:33)

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے

اور کوئی اولاد اپنے باپ کے لیے بدلہ نہ دے گی۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس تم کو دنیا کی زندگی فریب میں نہ ڈال دے اور شیطان تم کو اللہ کی طرف سے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

دوستو! جان کر دنیا کے لوازمات میں پھنس کر انسان گمراہی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، اس طرح سے انسان اپنی راہ سے ہٹ کر شیطان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتا ہے اور کفر اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہو کر جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنالیتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ۔ (سورۂ نازعات، آیت:39)

ترجمہ: پس جس نے سرکشی کی اور حیاتِ دنیا کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جان لو! جہنم میں داخلہ کفر کی وجہ سے ہوگا اور عذاب کی زیادتی اور طبقات جہنم کی تقسیم برے اعمال اور اخلاق کے مطابق ہوگی۔

جب اعمال نامے بٹیں گے تو جن کے بائیں ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ دیا گیا ہوگا وہ واصل جہنم ہوں گے اور دوزخ کے فرشتے ان کو ہانکتے ہوئے اور گرزوں سے مارتے ہوئے جہنم کی طرف لے چلیں گے اور دوزخ کے دروازے پر کھڑے کر کے انھیں آگ میں لڑھکا دیا جائے گا۔

تھوہر (ایک خاردار زہریلا پودہ) کی ان کو خوراک دی جائے گی اور گرم کھولتا ہوا پانی اور پیپ ان کی پیاس بجھانے کے لیے دی جائے گی اور شدید قسم کا عذاب ہوگا۔

دوزخی کا جسم اور شکل وصورت

گناہوں کی وجہ سے دوزخیوں کے جسم پہاڑوں کی طرح کر دیے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت زیادہ ہو۔ ایک ایک کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر، چوڑائی تین روز کی مسافت کے برابر اور موٹائی تین راتوں کی مسافت کے برابر ہوگی۔ سر اقراع پہاڑ کے برابر ہوگا، منہ میں 32 دانت ہوں گے، بعض دانت سر سے اوپر نکلے ہوئے اور بعض داڑھی سے نیچے نکلے ہوئے، ناک بڑے ٹیلے کے برابر، بالوں کی لمبائی اور موٹائی درخت صنوبر کی طرح اور کثرت دنیا کے جنگلوں کے برابر، بالائی لب سکڑا ہوا اور نچلا 90 ہاتھ لٹکا ہوا، کھال کی

موٹائی 40 ہاتھ ہوگی۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا بَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ ۔ (رواہ مسلم ومشکوۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دوزخی کافر کے دونوں شانوں کے درمیان تیز سوار کے تین دن کی مسافت ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَهُمْ فِیْهَا کَالِحُوْنَ قَالَ تَشْوِیْهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْیَا حَتّٰی تَبْلُغَ وَسْطَ رَاْسِهٖ وَیَسْتَرْخِیْ شَفَتُهُ السُّفْلٰی حَتّٰی تَضْرِبَ سُرَّتَهٗ ۔ (رواہ الترمذی مشکوۃ، صفحہ:503)

ترجمہ: دوزخی کے دوزخ میں تیوری چڑھے اور دانت کھلے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا آگ کافر کے منھ کو بھون دے گی، اس کے اوپر کا ہونٹ لٹک کر نیچے آجائے گا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْکَافِرِ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَاِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَیْنَ الْمَکَّةِ وَالْمَدِیْنَةِ ۔ (رواہ الترمذی ومشکوۃ، صفحہ:503)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بے شک کافر کی کھال کا موٹاپا 42 گز ہوگا اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر اور تحقیق اس کے بیٹھنے کی جگہ اتنی ہوگی جتنا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان فاصلہ ہے۔

دوزخی کے ہاتھ کا طول 10 دن کی مسافت کے برابر اور موٹائی ایک دن کی مسافت کے برابر، ران ورقان کی طرح اور پنڈلی کا طول 5 رات کی مسافت کے برابر اور ہر آنکھ کوہِ حرا کی طرح ہوگی، جب سر کے اوپر تارکول ڈال دیا جائے گا تو آگ بھڑکنے لگے گی اور التہاب بڑھتا ہی جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر کوئی آدمی ایسی حالت میں دوزخ سے باہر آجائے کہ دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں، گردن میں طوق پڑے ہوں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور زنجیر کھینچتا ہوا باہر نکل آئے،

لوگ اس حالت میں اس کو دیکھ لیں تو بھاگ کھڑے ہوں اور جہاں تک ممکن ہو بھاگ جائیں۔

دوزخیوں کے چہرے اس روز نہایت سیاہ اور کالے ہوں گے اور ان پر گرد پڑی ہوگی، اس کی زبان لمبی اور باہر نکلی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (سورۂ عبس، آیت:60-62)

ترجمہ: اور کتنے منہ پر اس دن گرد پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ یہ وہی ہیں کافر بدکار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْكَافِرَ لَيَسْحَبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّأُهُ النَّاسُ۔

ترجمہ: بے شک کافر اپنی زبان ایک فرسخ اور دو فرسخ گھسیٹے گا اور لوگ اس کو پاؤں سے روندیں گے۔

غرض کہ دوزخی کو زیادہ سے زیادہ عذاب دینے کے لیے ان کے جسم بڑے بڑے بنا دیے جائیں گے اور ان کی شکلیں کریہہ ہوں گی اور کچھ دوزخ کا عذاب ان کی شکلوں کو اور جسموں پر اثر انداز ہوگا۔

دوزخ میں عذاب کی شدت

دوزخ کی گرمی تاریکی انواع اور عذاب کی گونا گونی اور فرودگاہوں کی تنگی سے دوزخیوں کے گوشت نیلے ہوجائیں گے۔ ہڈیاں پھٹ جائیں گی، دماغ کھولنے لگیں گے اور ابال کھا کر کھالوں پر آپڑیں گے، کھالیں جل جائیں گی جوڑ پارہ پارہ ہوجائیں گے اور ان سے کچا لہو بہنے لگے گا۔

دوزخیوں کے کیڑے

دوزخیوں کے جسموں میں کیڑے پڑ جائیں گے، ہر کیڑا گوشت کی طرح موٹا ہوگا،

گدھوں اور عقابوں کی طرح ان کے ناخن بھی ہوں گے۔ کھال اور گوشت کے اندر دوڑیں گے، کاٹیں گے، پھنکارے ماریں گے، ڈرے ہوئے جنگلی جانوروں کی طرح گھومیں گے، گوشت کھائیں گے، خون پئیں گے اور گوشت اور خون کے سوا ان کے کھانے کی کوئی چیز نہ ہوگی۔

فرشتے دوزخیوں کو پکڑ کر انگاروں پر اور نیزوں کے بھالوں کی طرح نوکیلے پتھروں پر قوت اور شدت کے ساتھ گھسیٹیں گے اور اس طرح بحر جہنم کی طرف 70 سال کی مسافت کے برابر جائیں گے۔ یہاں تک کہ جوڑ پارہ پارہ ہو جائے گا اور روزانہ ۷۰ ہزار نئی کھالیں ملیں گی، آخر لے جاکر جہنم کے مؤکلوں کے سپرد کردیں گے، جہنم کے مؤکل ٹانگیں پکڑ کر جہنم کے سمندر میں پھینک دیں گے۔

بحرِ جہنم

بحر جہنم کی گہرائیاں سوائے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ تورات میں آیا ہے کہ بحر جہنم میں پھینکے جانے کے بعد جب دوزخی عذاب کا مزہ چکھیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے، اس سے پہلے جو کچھ ہم کو عذاب دیا گیا تھا وہ تو محض ایک خواب تھا۔ غرض ان کو بحر جہنم میں غوطہ دیا جائے گا اور بحر جہنم میں جوش آنے کی وجہ سے پھر وہ اوپر کو ابھریں گے تو 70 ہاتھ سمندر ان کو پھینک دے گا اور ایک ہاتھ مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہوگا۔

فرشتے پھر گرز مار مار کر اور ہانک کر واپس سمندر کی گہرائی میں 70 سال کی مسافت کے برابر تک لے جائیں گے، دوبارہ پھر ایک سو چالیس سال کی مسافت تک بقدر ابھریں گے اور سانس لینا چاہیں گے تو فرشتے فوراً آگے بڑھ کر 70 ہاتھ سمندر میں لے جائیں گے، ہر شخص جب سر اٹھائے گا تو 70 گرز سر پر پڑیں گے جن میں سے ایک بھی خطا نہیں جائے گا۔ جب تک اللہ چاہے گا اسی حال میں رہیں گے یہاں تک کہ گوشت اور ہڈیاں فنا ہو جائیں گی۔ صرف جانیں رہ جائیں گی تو ایک موج آکر ان کو 70 سال کی مسافت کی دوری پر

کسی ساحل پر پھینک دے گی۔

غار اور ان میں سانپ اور بچھو

ساحل میں 70 ہزار غار ہوں گے، ہر غار کی 70 ہزار شاخیں ہوں گی، ہر شاخ کا طول ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگا، ہر شاخ کے اندر 70 ہزار اژدہے ہوں گے اور ہر اژدہے کی لمبائی 70 گز ہوگی اور 70 دانت ہوں گے، ہر دانت میں مٹکا بھر زہر ہوگا، ہر اژدہے کے گوشۂ لب میں ایک ہزار بچھو ہوں گے اور ہر بچھو کی پشت پر 70 لہرے ہوں گے اور ہر لہرے کے اندر مٹکا بھر زہر ہوگا۔

ان غاروں میں آنے کے بعد ان کی روحوں کو نئے بدن اور نئی کھالیں دی جائیں گی اور لوہے کے طوق پہنائے جائیں گے۔ سانپ اور بچھو آکر ان سے لٹک جائیں گے، ہر آدمی کو 70 ہزار سانپ اور 70 ہزار بچھو اس طرح چمٹ جائیں گے کہ اول گھٹنوں تک اوپر کو آئیں گے، دوزخی صبر کریں گے پھر سینے تک، پھر گلے کی ہنسلی تک اوپر کو آئیں گے، پھر بھی وہ صبر کریں گے پھر سانپ اور بچھو ناک کے نتھنوں، لبوں اور کانوں کو پکڑ کر لٹک جائیں گے اور ان کو اپنا تمام زہر پلائیں گے۔ اس وقت سوائے جہنم کی طرف بھاگ کر اس میں چھلانگ لگانے کے اور کوئی فریادرس نہ ہوگا۔ سانپ گوشت چبائیں گے اور خون پئیں گے۔ بچھو چوسیں گے، اس طرح گوشت گر پڑے گا اور جوڑ جوڑ الگ ہو جائے گا جب بھاگ کر دوزخ میں جا گریں گے تو سانپ اور بچھوؤں کے زہر کی وجہ سے 70 سال تک آگ ان کو نہ جلائے گی، 70 سال کے بعد جلا ڈالے گی تو ازسرنو ان کو جسم اور کھالیں دی جائیں گی۔

دوزخیوں کا کھانا

وہاں کھانے کے لیے فریاد کریں گے تو فرشتے ایک قسم کا کھانا لاکر رکھ دیں گے جس کا نام ولیمہ ہوگا لیکن وہ لوہے سے زیادہ سخت اور خشک ہوگا اور اس کو چبائیں گے تو کچھ بھی نہ کھا سکیں گے اور تھوک دیں گے۔ شدت بھوک سے وہ اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں کو کھا جائیں گے پھر کہنیوں تک کلائیاں کھا جائیں گے پھر کندھوں تک کہنیوں سمیت کھا جائیں گے اور اس

سے آگے منہ نہیں پہنچے گا۔

پھر لوہے کے آنکڑوں میں ان کی کونچیں اٹکا کر درخت زقوم کی شاخوں میں لٹکا دیے جائیں گے، ہر شاخ میں 70 ہزار الٹے لٹکے ہوں گے مگر شاخ نیچے کو نہیں جھکے گی، نیچے سے جہنم کی آگ کی پھٹ لگے گی اور 70 برس تک جھلستی رہے گی یہاں تک کہ جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی، پھر ازسرنو کھالیں اور جسم پیدا کیے جائیں گے اور ہاتھوں کو پورے باندھ کر لٹکایا جائے گا اور سرہنوں کے اندر آگ کی پھٹ گھس کے دلوں کو کھائے گی اور نتھنوں، کانوں اور منہ سے باہر نکلے گی۔ یہ حالت 70 سال تک رہے گی۔ جب ہڈیاں اور گوشت پگھل جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور صرف جانیں رہ جائیں گی تو ازسرنو جسم اور کھالیں پیدا کی جائیں گی اور اس مرتبہ آنکھوں میں آنکڑے ڈال کر لٹکایا جائے گا۔ اسی طرح برابر عذاب ہوتا رہے گا، کوئی جوڑ اور سر کا کوئی بال ایسا نہ بچے گا جہاں آنکڑے چبھو کر زقوم کے درخت کے ساتھ 70 سال تک لٹکایا نہ جائے۔ اس طرح ہر ہر جوڑ سے موت کا مزہ آئے گا مگر موت نہیں آئے گی اس کے بعد اور بھی طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ جب فرشتے اس طرح کے عذاب دے چکیں گے اور چھوڑ دیں گے تو ہر آدمی کو زنجیر کے ساتھ باندھ کر منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے اندر ان کی فرودگاہوں میں لے جائیں گے۔ ہر شخص کی قیام گاہ اس کے اعمال کے موافق ہوگی کسی کی قیام گاہ کا طول اور عرض ایک مہینہ کی راہ کے موافق، کسی کی 19 دن کی راہ کے موافق اور یہاں تک کہ کسی کی قیام گاہ صرف ایک دن کی راہ کے بقدر ہوگی۔ وہ ان قیام گاہوں میں صرف اکیلے ہوں گے اور مکانوں کی تنگی اور فراخی کے مطابق ہی عذاب ہوگا۔ کسی کو الٹا لٹکا کر عذاب دیا جائے گا، کسی کو چت لٹا کر، کسی کو گھٹنوں کے بل اور کسی کو کھڑا کر کے عذاب دیا جائے گا۔ یہ تمام مقامات عذاب پانے والوں کے لیے نیزہ کی نوک سے بھی زیادہ تنگ ہوں گے، بعض کے ٹخنوں تک آگ ہوگی۔ بعض کے گھٹنوں تک، بعض کے کولہوں تک، بعض کی ناف تک، بعض کی ہنسلی تک اور بعض غرق ہوں گے۔

کبھی آگ کا جوش ان کو اوپر لے آئے گا اور کبھی گھما کر نیچے مہینے کی راہ کے موافق گہرائی میں لے جائے گا۔ ان فرودگاہوں میں لے جا کر ہر ایک کو اس کے ساتھی کے ساتھ

ملا دیا جائے گا۔ وہاں وہ اس قدر روئیں گے کہ آنسو سوکھ جائیں گے اور خون کے آنسو روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو ان سے بہنے لگیں۔

دوزخیوں کا اجتماع

دوزخ کی تہہ میں دوزخیوں کے اجتماع کا ایک دن ہوگا اور اس دن کے بعد پھر کبھی ان کا اجتماع نہ ہوگا۔ بحکم خداوندی ایک منادی دوزخ میں ندا کرے گا جس کی آواز قریب یا بعید اوپر اور نیچے طبقوں والے سب سنیں گے۔ اس منادی کا نام حشر ہوگا، حشر پکارے گا دوزخیو! جمع ہو جاؤ سب دوزخی جہنم کی تہہ میں جمع ہو جائیں گے اور دوزخ کے فرشتے بھی ساتھ ہوں گے دوزخی باہم کلام کریں گے۔

ضعفا اور ان کے اکابرین کی ایک دوسرے سے بیزاری

جو لوگ دنیا میں کمزور تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے۔ اللہ کے عذاب کے مقابلے میں ہماری کچھ مدد کرو، وہ کہیں گے ہم سب دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کا فیصلہ کر چکا ہے تمھیں ناخوشی ہے۔ تم ہم سے فریاد کرتے ہو، وہ جواب دیں گے ہمیں نہیں پتہ، بلکہ تمھیں ناخوشی ہو تم ہی نے یہ عذاب ہمارے لیے لازم کیا ہے یہ بری جگہ ہے۔ پھر یہ ضعیف لوگ کہیں گے کہ پروردگار! جو لوگ ہمارے لیے عذاب کا سبب بے ہیں ان کو دوزخ میں دوگنا عذاب دے تو وہ بڑے بننے والے کہیں گے: اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم تم کو ہدایت کرتے۔ وہ کہیں گے کہ یہ بات نہیں بلکہ شبانہ روز کی تمہاری مکاری اس کا سبب ہے کیونکہ تم ہم کو مشورہ دیتے تھے کہ ہم اللہ کے منکر ہو جائیں اور اس کے ہمسر قرار دیں۔ آج ہم تم سے اور ان جھوٹے معبودوں سے جن کی تم دعوتِ پرستش دیتے تھے، بیزار ہیں۔

شیاطین کی بیزاری

پھر سب کے سب اپنے ساتھی شیاطین کی طرف متوجہ ہوں گے۔ شیاطین کہیں گے کہ

ہم گمراہ تھے تم کو بھی ہم نے بہکایا اور آخر میں شیطان اونچی آواز سے کہے گا: دوزخیو! اللہ عزوجل نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور تم کو جنت کی طرف بلایا تھا مگر تم نے اس کی دعوت کو نہ مانا اور اس کے وعدے کو سچا نہ جانا، میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا، میری تم پر کوئی زبردستی تو تھی نہیں، صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے دعوت قبول کر لی۔ اب مجھے برا نہ کہو، خود اپنے آپ پر ملامت کرو، میں نہ تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں نہ اپنی مدد۔ اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کرتے تھے آج میں ان کا منکر ہوں۔ اس کے بعد ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ط (سورۂ ابراہیم، آیت:22)

ترجمہ: اور شیطان کہے گا: جب فیصلہ ہو چکے گا بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا۔ تم نے میری مان لی، تو اب مجھ پر الزام نہ رکھو۔ خود اپنے اوپر الزام رکھو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو، وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھہرایا تھا میں اس سے سخت بیزار ہوں۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس کے بعد ایک منادی ندا کرے گا:

''ظالموں پر اللہ کی لعنت اس وقت کمزور؛ بڑے بننے والوں پر اور بڑے؛ کمزوروں پر لعنت کریں گے اور پھر سب اپنے ساتھی شیطانوں پر اور شیطان ان پر لعنت کریں گے اور وہ شیطانوں سے کہیں گے: کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان مشرق اور مغرب کے فاصلے کے برابر دوری ہو جائے۔ آج تم برے ساتھی ہو اور دنیا میں برے مددگار تھے۔''

دوزخ کے مؤکلوں سے فریاد

اس کے بعد لوگ اپنی جماعت پر نظر ڈالیں گے اور ایک دوسرے سے کہے گا: آؤ ان مؤکلوں سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ سے وہ ہماری سفارش کردیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ایک دن کا عذاب ہی ہلکا کردے۔

مؤکلوں سے گفتگو کرنے میں ان کو تقریباً 70 سال لگیں گے اور اس پوری مدت میں وہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ آخر مؤکلوں سے گفتگو کریں گے تو وہ جواب دیں گے: کیا پیغمبر تمہارے پاس احکام لے کر نہیں پہنچے تھے؟ سب جواب دیں گے: ''کیوں نہیں پہنچے تھے۔''

مؤکل کہیں گے تو اب پکارے جاؤ مگر کافروں کی پکار بیکار ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ مؤکلوں نے کوئی مفید جواب نہیں دیا تو منتظم دوزخ سے فریاد کریں گے اور کہیں گے: اے مالک! تم ہی ہمارے لیے رب سے دعا کرو کہ اللہ ہماری موت کا حکم دے دے، مالک بقدر مدتِ دنیا تو کوئی جواب نہیں دے گا، پھر بولے گا، فیصلۂ موت سے پہلے تو مدتوں تم کو یہاں رہنا ہوگا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ مالک نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تو وہ رب تعالیٰ سے فریاد کریں گے۔

اے پروردگار! اب تو ہم کو یہاں سے نکال دے۔ اگر دوبارہ ہم نے تیری نافرمانی کی تو بلاشبہ ہم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے فریاد

70 سال تک تو اللہ تعالیٰ ان سے کوئی کلام نہیں فرمائے گا، پھر ایسے فرمائے گا جیسے کتوں سے کہا جاتا ہے۔ ''اسی ذلت میں پڑے رہو مجھ سے بات بھی نہ کرو۔''

جب وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب بھی ان پر رحم نہیں فرماتا اور کوئی مفید جواب نہیں ملا تو ایک دوسرے سے کہیں گے:

ہم اس عذاب پر صبر کریں یا نہ کریں دونوں برابر ہیں۔ ہم کو رہائی نہیں ملے گی نہ ہمارا

کوئی سفارشی ہے نہ دل بہلانے والا دوست، اگر ایک بار ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ضرور ہم اہل ایمان میں سے ہوجائیں۔ (القرآن)

ٹھکانوں کو واپسی

اس کے بعد فرشتے ان کو لوٹا کر ان کے ٹھکانوں میں لے جائیں گے، ان کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے، حجتیں ناکارہ ہوچکی ہوں گی، اللہ کے غضب کو دیکھ چکے ہوں گے، اس کی رحمت سے ناامید ہوچکے ہوں گے، سخت بے چینی سامنے ہوگی، طویل رسوائی اور خواری ان پر مسلط ہوگی اور وہ حسرت کے ساتھ اپنے دنیاوی قصوروں پر فریاد کریں گے لیکن اپنے اور اپنے پیروؤں سے ذرا بھر بوجھ کم نہ کرسکیں گے، ان پر عذاب مٹی کے ذرّوں اور سمندر کے قطروں سے زیادہ ہوگا، دوزخ کے فرشتوں سے واسطہ ہوگا۔

دوزخ کے فرشتے

جن کا کام حکم کی فوری تعمیل اور کلام سخت ہوگا، جسم بڑے بڑے، بجلی کی طرح کوندتے چہرے، انگاروں کی طرح آنکھیں، شعلۂ آتش کی طرح رنگ، دانت باہر نکلے ہوئے، بیل کے سینگوں کی طرح ناخن، ہاتھوں میں لمبے اور بھاری گرز لیے ہوئے کہ اگر پہاڑ پر ماردیں تو پہاڑ ریزہ ہوجائیں۔ ان گرزوں سے اللہ کے نافرمانوں کو ماریں گے تو اس پر اگر ان کی آنکھیں آنسوؤں کے بعد خون بہائیں گی تو بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ان فرشتوں کو پکاریں گے تو وہ جواب نہیں دیں گے، روئیں گے تو ان کو رحم نہیں آئے گا، ٹھنڈے پانی کے لیے فریاد کریں گے تو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پانی دیں گے جو چہروں کو بھون دے گا۔

عذاب کا بادل

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ک دوزخیوں پر روزانہ ایک بڑا بادل آئے گا جس میں نگاہوں کو اچکنے والی بجلیاں اور کمر توڑ دینے والی گرج ہوگی کہ دوزخ کے فرشتوں کو اس تاریکی میں دوزخی نہ دیکھ سکیں گے۔ ابر بلند آواز سے پکار کر کہے گا: اے اہل دوزخ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم پر بارش

کروں تو سب یک زبان پکاریں گے، ہاں! ہم پر ٹھنڈا پانی برسا، تو بادل سے کچھ دیر تک پتھر
برسیں گے جو ان کے سروں پر گر کر کھوپڑیاں توڑ دیں گے۔ پھر کچھ دیر کھولتے پانی کے دریا
برسیں گے اور انگارے اور کوڑے اور لوہے کے آنکڑے برسیں گے، پھر سانپ، بچھو، کیڑے،
مکوڑے اور زخموں کا دھون برسے گا۔ جب جہنم پر یہ بارش ہوگی تو اس کا سمندر ابلے گا، سمندر سے
موجیں اٹھیں گی اور جہنم کے ہر میدان اور پہاڑ سے اونچی ہو جائیں گی۔ تمام دوزخیوں کو غرق
کر دیں گی مگر کسی کو موت نہیں آئے گی۔

نافرمانوں پر جو اس کے اندر ہوں گے اس کا غضب، حرارت، زفیر شعلے، دھواں،
تاریکی، لو، گرم پانی، بھڑکتی اور دہکتی آگ کی شدت، پروردگار کے غضب کی وجہ سے اور بڑھ
جائے گی۔

مختلف اعمالِ سیئات کا عذاب

سب سے کم عذاب کے وہ لوگ ہوں گے جن کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنَ النَّارِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:502)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ ہوگا
جس کے لیے دو جوتیاں اور دو تسمے آگ کے ہوں گے۔ ان کی وجہ سے اس کا دماغ ایسا
کھولے گا جیسا کہ دیگ کھولتی ہے۔ وہ یہ گمان کرے گا کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں،
حالانکہ سب سے ہلکا عذاب اس کو ہوگا۔

لیکن ان کی بھی یہ حالت ہوگی کہ آگ ان کے کانوں سے اور ناک کے سوراخوں سے نکلے
گی اور دماغ کھولیں گے، ان سے متصل وہ لوگ ہوں گے جو دوزخ کے پتھر پر اکیلے تڑپیں گے
جیسے بھنا جانے والا دانہ آگ سے، ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر گریں گے۔ دوزخیوں کو ان
کے اعمال کے موافق عذاب دیا جائے گا۔ ہم ان کے اعمال اور ان کے ٹھکانے سے اللہ کی پناہ

مانگتے ہیں۔

حرام کاری کا عذاب

حضور ﷺ نے فرمایا: جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت نہیں کرتے ان کا عذاب
یہ ہوگا کہ ان کی شرم گاہوں کو آنکڑے میں چھبو کر دوزخ میں بقدر مدت دنیا لٹکایا جائے گا۔
یہاں تک کہ ان کے جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی پھر ان کو اتار کر از سرِ نو جسم
اور کھالیں دی جائیں گی، پھر ان کو بقدر مدت دنیا عذاب دیا جائے گا۔ 70 ہزار فرشتے ہر آدمی
کو کوڑے ماریں گے یہاں تک کہ بدن پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی۔

چوری کا عذاب

چوری کا عذاب یہ ہوگا کہ چور کا بند کاٹا جائے گا، پھر از سرِ نو دیا جائے گا اور ہر آدمی کی
طرف 70 ہزار فرشتے چھریاں لے کر کاٹنے کو بڑھیں گے۔

جھوٹی گواہی کا عذاب

جھوٹی گواہی دینے والوں کی سزا یہ ہوگی کہ ان کی زبانوں میں آنکڑے ڈال کر ان کو
دوزخ میں لٹا دیا جائے گا، پھر ہر آدمی کو 70 ہزار فرشتے کوڑے ماریں گے یہاں تک کہ ان
کے جسم پگھل جائیں گے اور جانیں رہ جائیں گی۔

مشرکوں کا عذاب

مشرکوں کا عذاب اس طرح ہوگا کہ ان کو جہنم کے غار میں ڈال کر منہ بند کر دیا جائے گا۔
اندر سانپ، بچھو، بکثرت انگارے، شعلے اور سخت دھواں ہوگا۔

سرکشوں اور مغروروں کی سزا

فرعون، ہامان، اور نمرود جیسے سرکش اور مغروروں کا عذاب یہ ہوگا کہ ان کو جہنم کے غار
میں ڈال کر منہ بند کر دیا جائے گا۔ اندر سانپ، بچھو، بکثرت انگارے، شعلے اور سخت دھواں کا

عذاب ہوگا اور روزانہ ایک ہزار نئی کھالیں دی جائیں گی۔

خیانت کاری کا عذاب

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے خیانت کا مال لے کر آئیں گے، پھر جہنم کے سمندر میں اس مال کو ڈال کر حکم دیا جائے گا کہ غوطہ مار کر اس کے اندر سے نکال کر لاؤ، اس حکم کی غرض یہ ہوگی کہ وہ بحر جہنم کی تہہ تک پہنچ جائیں گے مگر اس کی گہرائی سے سوائے اس کے پیدا کرنے والے کے کوئی واقف نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ غوطہ مارتے رہیں گے، پھر سانس لینے کے لیے سر اوپر نکالیں گے تو ہر شخص کی طرف 70 ہزار فرشتے گرز لوہے کے لے کر بڑھیں گے اور مار کر پھر سمندر میں لڑھکا دیں گے۔ یونہی ہمیشہ ان کو عذاب ہوتا رہے گا۔

رسول ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہاں کئی احقاب رہیں گے مجھے یہ معلوم نہیں کہ کتنے احقاب رہیں گے ہاں ایک حقب اسّی ہزار سال کا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور دن تمہاری گنتی کے ہزار سال کا ہوگا۔ پس ہلاکت ہوگی دوزخیوں کے لئے اور ہلاکت ہوگی آگ کی لپٹ مارنے سے ان کے چہروں کی جو دھوپ کی گرمی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ ہلاکت ہوگی ان سروں کی جن پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا، حالانکہ وہ دنیا میں ذرا سا سر درد برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ ہلاکت ہوگی ان آنکھوں کی جو دکھن برداشت نہیں کرسکتی تھیں وہ نیلی پڑ جائیں گی اور پتھرا جائیں گی۔ ہلاکت ہوگی ان کانوں کی جو داستانوں اور راگ ورنگ سے لطف اٹھاتے تھے جب کہ ان سے شعلے نکلیں گے۔ ہلاکت ہوگی ناک کے ان سوراخوں کی جو مردار کی بدبو برداشت نہیں کرسکتے تھے جب کہ آگ سے وہ پارہ پارہ ہوجائیں گے۔ ہلاکت ہوگی ان گردنوں کی جو درد بھی برداشت نہ کرسکتی تھیں اور ان میں طوق ڈالے جائیں گے۔ ہلاکت ہوگی ان کھالوں کی جو کھردرا لباس نہیں برداشت کرسکتی تھیں جب کہ ان پر کھردرا سڑاند والا آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور آگ کے شعلے اس سے بھڑکتے ہوں گے۔ ہلاکت ہوگی ان پیٹوں کی جو بھوک کی ذرا سی شدت برداشت نہیں کرسکتے، جب کہ وہ بھوک سے بے قرار ہوں گے اور ان کے اندر زقوم، پیپ اور

کھولتا پانی رانگ جیسا پھرے گا اور آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ ہلاکت ہوگی ان قدموں کی جو ننگے نہیں رہ سکتے تھے جب کہ ان کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے۔ ہلاکت ہوگی دوزخیوں کی طرح طرح کے عذاب سے۔

الٰہی! ہمیں اپنے فضل عام کی برکت سے دوزخی نہ بنانا۔

یا اللہ! تو ہمارا بھی مالک ہے اور دوزخ کا بھی۔ ہم کو دوزخ کے حوض میں نہ اتارنا، ہماری گردنوں کو اس کے طوق سے بچانا اس کے لباس، زقوم کے کھانے اور گرم پانی سے بچانا۔

الٰہی! ہمیں اس کے مؤکلوں سے اور ان کے غضب سے بچانا۔ الٰہی! اپنی رحمت سے ہمیں پل صراط سے بحفاظت گزار دینا اور دوزخ کی چنگاریوں اور شعلوں کا رخ ہماری طرف سے پھیر دینا۔ ہم کو اپنی رحمت سے دوزخ کی آگ اور اس کے دھوئیں سے اس کی سختی اور عذاب سے محفوظ رکھنا۔ آمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِوَالِدَیْنَا وَلِاِخْوَانِنَا وَلِاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّتِنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ط آمین!

☆☆☆

بتیسواں وعظ

در بیانِ دنیا وحیاتِ دنیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَاضْرِبْ لَھُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ ھَشِیْمًا تَذْرُوْہُ الرِّیٰحُ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا۔ (سورۂ کہف، آیت:45)

سب تعریفیں اس خالق برحق کو سزاوار ہیں کہ جس نے انسان کو پیدا فرمایا۔ اس کے لیے رنگارنگ کی نعمتیں پیدا فرمائیں اور دنیا کی رنگینیوں کو انسان کے امتحان وآزمائش کے لیے بنایا کہ جوان دنیاوی زیب وزینت کے دھوکے میں پھنس کر رہ گیا وہ بلاشبہ خسارے کی طرف گیا لیکن جس نے اپنے دامن کو دنیاوی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیا بے شک وہ فلاح پا گیا۔

دنیا کی تخلیق کا مقصد

انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا فرمایا ہے۔

اس مقصد کے لیے تو انسان کو جنت میں رکھا گیا تھا لیکن جن کے بہکانے پر اس حضرت سے کچھ چوک ہوگئی تو اسے زمین پر اتار کر دنیا کے قید خانے میں قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔
(مسلم ومشکوٰۃ، صفحہ:439)

ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے لیکن کافر کے لیے جنت ہے۔

دنیا میں انسان کے لیے بیحد آزمائشیں رکھی گئی ہیں، کہیں اسے مصیبتوں میں ڈال کر امتحان لیا جارہا ہے تو کہیں اسے بہکانے والی خوبصورت اور دل آویز رعنائیوں سے۔ فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:100)

ترجمہ: ہم خوف وبھوک اور جان ومال اور ثمرات کے نقصان سے ان کو آزماتے ہیں۔

تو ان دنیاوی رعنائیوں اور رنگینیوں میں پھنس کر جو لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں وہ لوگ اسے مانند جنت خیال کرتے ہیں اور اپنے خالق حقیقی کو بھلا کر اللہ عزوجل کے بتلائے ہوئے صراط مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں، پس ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں لیکن جو لوگ دنیا کی اس امتحان گاہ میں کامیاب رہے اور انھیں شیطانی وساوس اور دنیاوی رنگینیوں سے دور رہنے کا موقعہ مل گیا تو سمجھ لیجیے کہ انھوں نے اللہ کے بتلائے ہوئے راستے کو اختیار کیا اور وہ دنیا وآخرت میں فلاح پاگئے۔

فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورۂ بقرہ، آیت:38)

ترجمہ: جس نے میری ہدایت کی اتباع کی اسے آخرت میں نہ خوف وہراس ہوگا نہ حزن وملال۔

ہاں تو دوستو! میں عرض کررہا تھا کہ دنیا مومن کے لیے ایک قید خانہ ہے لیکن کافر کے لیے نعمتوں کا گھر، اللہ تعالیٰ عزوجل مومن کی آزمائش جان ومال کی کمی اور دکھ اور تکالیف سے کرتا ہے لیکن کافر کو اس کی خواہش سے بھی زیادہ دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

وَیَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ

اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے وہ کافر اور زیادہ گمراہ ہوکر جنت سماوی کی نعمتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتے ہیں۔

حکایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے ایک مومن اور ایک کافر کو دریا کے کنارے مچھلیاں پکڑتے دیکھا۔ مومن جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جال لگاتا تھا کچھ نہ پاتا تھا، لیکن کافر جو اپنے بتوں کے نام پر جال ڈالتا تھا مچھلیاں پکڑنے میں کامیاب تھا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام بہت متعجب ہوئے اور عرض کیا: یا الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے پر جب جنت میں نگاہ دوڑائی تو ایک سونے کا حوض دیکھا جس پر اس مومن کا نام کندہ تھا اور اس حوض میں بے شمار مچھلیاں تھیں، پھر دوزخ کی طرف امر الٰہی سے نگاہ کی تو اس کافر کا نام ایک آگ کے مکان پر لکھا ہوا دیکھا جس میں سانپ اور بچھو اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ اللہ عزوجل کو ہی ان کی گنتی معلوم ہو سکتی ہے۔ (نزہۃ المجالس، صفحہ:204)

کافر کو اس کی نیکی کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے

دنیا میں کافر اس لیے بھی آسودہ حال رہتا ہے کہ اس کی نیکیوں کا بدلہ اسے دنیا میں ہی دنیاوی مال و دولت کی صورت میں یا اس کی خواہش کی تکمیل کی صورت میں دے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگا: فلاں شہر میں ایک قریب المرگ یہودی نے مچھلی کے گوشت کی خواہش کی ہے لیکن اس کے علاقے کے دریاؤں میں مچھلیاں نہیں ہیں، مجھے حکم ملا ہے کہ مچھلیاں چلا کر اس کے دریا میں لے جاؤں تاکہ اس یہودی کے آدمی ان کو پکڑ کر اس کی خواہش کی تکمیل کر سکیں، کیونکہ اس کی ایک نیکی باقی ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس کی موت سے پہلے دنیا میں دینا چاہتا ہے۔ دوسرے فرشتے نے کہا: مجھے بھی ایک حکم ملا ہے کہ فلاں شہر میں ایک نیک شخص ہے جس کی ہر برائی کی سزا اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں دے دی ہے، اب اس کی وفات کا وقت قریب ہے اور اس نے زیتون کی خواہش کی ہے لیکن اس کا ایک گناہ ابھی باقی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں زیتون برتن سے گرا دوں تاکہ اس کی خواہش کی تکمیل نہ ہونے سے جو اسے

رنج ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا گناہ بخش دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہ ہو۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:205)

دوستو! اس حکایت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی مومن کو کوئی تکلیف یا غم پہنچتا ہے تو وہ اس کے لیے اس کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس لیے انسان کو کسی مصیبت میں آہ و فغاں نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے اللہ کی طرف سے اس کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہوئے کہنا چاہیے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط
کیونکہ کسی مومن پر جب کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

دنیا کا مال و دولت

ہاں! دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا سے مومن نفرت کرتا ہے لیکن کافر اس سے محبت، اس کی وجہ کیا ہے؟ آخر دنیا کس چیز کا نام ہے جس سے مومن کو نفرت ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ سے دور رکھنے کی باتیں، مثلاً: مال و دولت، کھیل تماشے، فخر و غرور اور زن و زر اور اولاد جن میں کھو کر انسان اپنے محسن حقیقی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (سورۂ حدید، آیت:20)

ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

تو میرے دوستو! یہی وہ دنیا ہے جس سے مومن کو نفرت ہے اور کافر کو محبت ہے اور اگر انسان ان دنیاوی مال و دولت، لہو لعب اور زینت و آرائش میں پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے مالک حقیقی کو بھلا بیٹھتا ہے اور ان کے حصول کے لیے ہر بڑے سے بڑا فعل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، اسی لیے تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ط (سورۂ کہف، آیت:46)

ترجمہ: مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی۔

مال و دولت اور اولاد سب کچھ دنیا میں رہ جائے گا، ان میں سے کوئی بھی موت کے وقت کسی کا ساتھ نہیں دے گا اور نہ ہی آخرت میں کوئی کسی کا ساتھ دے گا۔ جب مال و دولت گنہگاروں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے تو صرف کام آنے والی چیز اس وقت نیک اعمال ہوں گے جو اسے آگ کے گڑھے سے بچا سکیں گے، ورنہ یہ مال و دولت اس وقت کسی کام کا نہ ہوں گے بلکہ یوں کہیے کہ دنیا میں بھی مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں، اسی لیے اللہ والے مال و دولت کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت مسلم بن احمد درویش رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے خلیفہ کے خوبصورت اور کشادہ محل کو دیکھ کر فرمایا: اگر تیرے محل کی طرح تیری قبر بھی کشادہ اور روشن ہو تو کیا ہی خوب ہو۔ خلیفہ خوفزدہ ہو گیا اور عرض کیا: اے مسلم! مجھے کوئی نصیحت کیجیے جس سے میری عاقبت سنور جائے اور دنیا میں میرے کام آئے۔ انھوں نے فرمایا: اے خلیفہ! اگر تجھے پانی نہ ملے اور تو پیاس سے مر رہا ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی تیرے پاس پانی کا پیالہ لے کر آئے تو تو اسے کتنی قیمت سے خرید لے گا۔ خلیفہ نے کہا: آدھی سلطنت سے۔ پھر پوچھا: اگر پانی پی کر تیرا پیشاب بند ہو جائے یہاں تک کہ اس مرض سے موت کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس مرض کے علاج کے لیے کیا خرچ کرے گا؟ خلیفہ نے کہا: باقی آدھی سلطنت۔ تو حضرت مسلم نے فرمایا: اے خلیفہ! ایسی دنیا کی کیا حقیقت ہے جو ایک پیالہ پانی اور پیشاب کے جاری ہونے کے بدلے میں جاتی رہے، اس لیے ایسی بے قدر و قیمت دنیا سے محبت ترک کر کے اپنے خالق حقیقی سے لو لگاؤ۔

میرے بھائیو! ایسی بے قدر اور بے قیمت دنیا سے محبت کرنا بڑی حماقت اور خسارے کا باعث ہے۔ انسان اس دنیا میں خواہ کتنا ہی طاقتور بن جائے لیکن آخر اسے موت کا چنگال زیر کر کے مٹی میں ملا دیتا ہے اور اس کے اعمال اس کی سزا و جزا کے منتظر ہوتے ہیں۔

ابن جوزی سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ اپنے حواریوں کے

ہمراہ جا رہے تھے، راستے میں ایک مردے کی کھوپڑی دیکھی اور ساتھیوں کے اصرار پر اللہ عزوجل کے حضور دست بدعا ہوئے۔ جب کھوپڑی میں قوت گویائی پیدا ہو گئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: دنیا میں تیری کیا حیثیت تھی اور تو نے دنیا اور آخرت کو کیسا پایا؟

تو اس کھوپڑی نے جواب دیا: اے عیسیٰ! میں اس زمین پر حکومت کرتا تھا۔ ہزار سال تک زندہ رہا، مجھ سے ہزار اولاد ہوئی، ہزار شہر فتح کیے، ہزار لشکروں کو شکست دی اور ہزار بادشاہوں کو قتل کیا۔ آخر اس زمانے بھر کے فاتح کو موت کے ہاتھوں زیر ہونا پڑا اور اے عیسیٰ! میں نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ زہد و تقویٰ سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں اور حرص و طمع میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ مدینہ کے قبرستان میں گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل قبور پر سلام کر کے فرمایا: تم اپنی خبر بتلاؤ گے یا ہم بتلائیں؟ قبرستان میں سے وعلیکم السلام کی آواز سنائی دی اور کسی نے کہا: ''اے امیر المومنین! تم ہی کوئی خبر دو کہ ہمارے بعد کیا ہوا؟'' آپ نے فرمایا: ''سن لو تمہاری بیویوں نے شادی کر لی، تمہارے مال بٹ گئے، تمہاری اولاد یتیموں میں شامل ہو گئے اور جس مکان کو تم نے بہت مستحکم بنایا تھا اس میں تمہارے دشمن آباد ہو گئے۔'' یہ سن کر ایک مردے نے کہا:

ہمارے کفن پارہ پارہ ہو گئے، بال جھڑ کر بکھر گئے، کھالیں ریزہ ریزہ ہو گئیں، آنکھیں بہہ کر رخساروں پر آ گئیں اور نتھنوں میں سے پیپ بہہ رہی ہے، ہم نے جو کچھ آگے بھیجا تھا پا لیا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا تھا اس میں نقصان ہوا، ہم تو اپنے اعمال کے ہی ممنون کرم ہیں۔

(تاریخ نیشاپوری)

اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت

دوستو! دنیا اللہ عزوجل کے نزدیک بالکل بے قدر قیمت ہے اور وہ اس کی وقعت مچھر کے پر یا مردہ جانور کے برابر بھی نہیں سمجھتا تو اللہ کے بندے اس بے قیمت چیز سے کس

طرح لوا گائیں گے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً۝ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے برابر قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ ایک بھیڑ کے مردہ بچے کے پاس سے گزرے جس کے کان کٹے ہوئے تھے، فرمایا:

اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۝ (رواہ مسلم، مشکوۃ، صفحہ:439)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس کو ایک درہم میں پسند کرتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا: ہم اس کو کسی چیز کے بدلے پسند نہیں کرتے۔ فرمایا: خدا کی قسم! البتہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

دوستو! دنیا جس کی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، بھلا اللہ والے اس حقیر دنیا کو کب قبول کرتے ہیں، وہ دنیا سے بھاگتے ہیں، لیکن دنیا ان کے قدموں میں ہوتی ہے، وہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور صرف اپنے محبوب خالق حقیقی کی رضا جوئی چاہتے ہیں اور اس ملعون دنیا کو خرید کر لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پسند نہیں کرتے۔

دنیا ملعون ہے

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۝ (رواہ الترمذی وابن ماجہ مشکوۃ، صفحہ:441)

ترجمہ: خبردار! دنیا لعنت کی گئی ہے اور سب چیزیں دنیا کی ملعون ہیں مگر ذکر خدا اور جسے

اللہ دوست رکھے اور عالم اور علم سیکھنے والا۔

دوستو! بتلاؤ کہ اس ملعون دنیا کو خریدنے والا اس کا عاشق وطالب کیسا ہوگا؟ کیا وہ لعنت کا مستحق نہیں؟ کیا وہ اپنے خالق کے احکام کا جھٹلانے والا نہیں؟

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

اہلِ دنیا کافراں مطلق اند — روز وشب در زق و در بق بق اند

چیست دنیا از خدا غافل بدن — نے قماش ونقرہ وفرزند و زن

مولانا صاحب نے دنیا کی حقیقت بڑے اچھے انداز میں بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ شادی بیاہ کر کے انسان دنیا میں رہے، بال بچوں کی پرورش کرے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے روزی کمائے اور سونا چاندی حاصل کرے بلکہ دنیا تو وہ چیز ہے جو انسان کو اپنے سچے خالق اور اصل معبود سے غافل کر دے۔ جو شخص دنیا میں حقوق العباد کو پورا کرتے ہوئے حقوق اللہ کا بھی خیال رکھتا ہے وہ دنیا کا طالب نہیں بلکہ وہ مومن ہے اور آخرت میں جنت کا وارث اور دنیا کے طالب اللہ عزوجل کو بھلا بیٹھتے ہیں اور وہ دوزخ کے حقدار ہوتے ہیں۔

سورۂ یونس کی تفسیر میں درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گاؤں کے پاس سے گزرے اور اس بستی کے لوگوں کو گلیوں میں بے گور وکفن پڑے دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوئے تو اللہ عزوجل کا حکم آیا کہ رات کو ان لوگوں کو پکارنا یہ لوگ خود ہی اپنے حالات سے آگاہ کریں گے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مردوں کو آواز دی، ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز کا جواب دیا اور کہا: لبیك یا روح الله۝ آپ نے فرمایا: تمہارا یہ کیا قصہ ہے؟ تو وہ بولا اے اللہ کے پیغمبر! ہم رات آرام سے بسر کرتے ہیں اور دن کو دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا: اے اللہ کے پیغمبر! ہم دنیا سے بے حد محبت کرنے والے تھے جیسے ماں بچے سے محبت کرتی ہے اور دنیا کو پا کر نہایت مسرور ہوتے تھے اور دنیا کو نہ پا کر رنجور ہوتے تھے اور آہ وبکا کرتے تھے، پھر فرمایا: تیرے دوسرے ساتھی جواب کیوں نہیں

دیتے؟

عرض کیا: وہ سخت فرشتوں کے ہاتھوں گرفتار ہیں، ان کو آگ کی لگام چڑھادی گئی ہے جس کی وجہ سے بول نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا: تجھے بولنے کی اجازت کیسے ہوئی؟ تو عرض کیا: میں ان سے نہیں ہوں۔ البتہ جب عذاب نازل ہورہا تھا تو میں ان کے قریب سے گزرا اور اس عذاب میں گرفتار ہوگیا۔ اب میں دوزخ کے کنارے پر بالوں کے بل لٹکا ہوا ہوں اور معلوم نہیں کہ میں اس سے نجات پاؤں گا یا نہیں۔ میرے بھائیو! یہ ہے دنیا کے طالب کا انجام۔

دوستو! یہ دنیا کی زندگی دھوکہ اور فریب ہے، احمق لوگ اس کے فریب پر فریفتہ اور عقل مند گریختہ ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس دنیا کی زیب وزینت پر شیدا ہیں وہ جان لیں کہ دنیا ایک سراب کی مانند ہے جس کا طالب ہمیشہ دھوکے میں رہتا ہے اور آخر ہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۰ (سورۂ حدید، آیت:20)

ترجمہ: دنیاوی زندگی محض دھوکہ ہے۔

دنیا کی مثال کچھ ایسی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۰ (سورۂ کہف، آیت:45)

ترجمہ: ان کے سامنے دنیا کی زندگانی کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اُتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہوکر نکلا، پھر سوکھی گھاس ہوگیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو پانے والا ہے۔

طالب دنیا کے لیے ہلاکت ہے

دوستو! ذرا غور کرو اور دیکھو دنیا اپنے چاہنے والے طلب گاروں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے۔

وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک یہودی بھی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس صرف ایک روٹی تھی اور اس یہودی کے پاس دو۔

آپ نے یہودی سے فرمایا: ہم اپنے طعام میں شرکت کریں۔ یہودی نے کہا ٹھیک ہے لیکن آپ کے پاس صرف ایک روٹی دیکھ کر پریشان ہوا اور جب روٹی کھانے بیٹھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی روٹی نکالی، یہودی نے بھی ایک روٹی نکالی۔ جب آپ نے دوسری روٹی کے بارے میں پوچھا: تو کہنے لگا: میرے پاس صرف ایک ہی روٹی ہے۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک اندھا ملا، آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور وہ بینا ہوگیا تو آپ نے اس یہودی سے فرمایا: تجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے اس اندھے کو نورِ نظر عطا فرمایا۔ سچ سچ بتلا کہ دوسری روٹی کہاں گئی؟ وہ بولا: میرے پاس تو ایک ہی روٹی تھی، پھر ایک ہرنی کو دیکھا جو چر رہی تھی۔ آپ نے اسے بلایا وہ آگئی تو اسے ذبح کرکے کھایا اور پھر اس کی زندگی کے لیے دعا کی تو زندہ ہوگئی۔ آپ نے پھر اس یہودی سے کہا: تجھے اس ذات کی قسم! جس نے اس ہرنی کو دوبارہ زندگی بخشی، بتا کہ تیری دوسری روٹی کس نے کھائی؟ اس نے پھر وہی جواب دیا، پھر ان کا گزر ایک گاؤں سے ہوا اور یہودی حضرت عیسیٰ کا عصا چرا کر گاؤں کے کوچوں میں آواز لگائی "طبیب طبیب" اس گاؤں کا بادشاہ بیمار تھا، لوگ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ یہودی نے اسے عصا مارا جس سے وہ مر گیا اور پھر دوبارہ عصا مارا اور کہا: قم باذن اللّٰہ ۰ اللہ کے حکم سے اٹھ۔ لیکن وہ نہ اٹھا، اس پر لوگوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ جب یہ خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی تو وہ فوراً وہاں پہنچے اور کہا: میں تمہارے بادشاہ کو زندہ کر دیتا ہوں، تم میرے ساتھی کو چھوڑ دو۔

چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور بادشاہ زندہ ہوگیا۔ اب آپ نے پھر وہی بات دہرائی اور پوچھا: تمہاری دوسری روٹی کس نے کھائی؟ تو یہودی نے کہا: خدا کی قسم! میرے پاس ایک ہی روٹی تھی۔ اس کے بعد ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جو برباد پڑی تھی، وہاں انھوں نے تین

سونے کی اینٹیں دیکھیں۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان کو ہم اپنی روٹیوں کے مطابق تقسیم کریں گے تو یہودی جھٹ بول اٹھا: وہ روٹی میں نے کھائی تھی، اس وقت آپ نماز ادا کررہے تھے۔ جب یہودی اینٹ اٹھانے لگا تو وہ بہت بھاری ہوگئی اور وہ اسے اٹھانہ سکا۔ آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور آگے چل پڑے مگر یہودی کے دل میں ان اینٹوں کی حرص موجود رہی پھر اور تین شخص ان اینٹوں کے پاس آئے اور دیکھ کر خوش ہوئے۔ وہ بھوکے تھے ان کو کھانا لانے کے لیے بھیج دیا گیا اور ان دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا، جب وہ کھانا لایا تو اسے قتل کردیا اور خود بھی کھاتے ہی مر گئے، کیونکہ اس تیسرے نے کھانے میں زہر ملادی تھی۔ اب اینٹیں پڑی کی پڑی رہ گئیں اور وہ پاس مردہ پڑے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر ادھر سے گزرے تو پھر اپنے ساتھی کو بتایا کہ یہ دنیا اپنے پیاروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے۔ پھر ان مردوں کے لیے دعا فرمائی تو وہ زندہ ہوگئے اور دنیا کی محبت سے توبہ کی، لیکن وہ یہودی بولا کہ یہ اینٹیں مجھے دے دیجیے۔

آپ نے فرمایا: لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، پس اللہ تعالیٰ نے اس یہودی کو اینٹوں سمیت زمین میں غرق کردیا۔ (نزہۃ المجالس، جلد اول، صفحہ:207)

☆☆☆

تینتیسواں وعظ

دربیانِ سینماوسرور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّخِذَهَا هُزُواً أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ۔ وَإِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ آیَاتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِراً كَأَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِیْ أُذُنَیْهِ وَقْراً فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِیْمٍ۔ (سورۂ لقمان)

الحمدللہ کہ سب تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں جس نے انسان کو پیدا فرما کر طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور خصوصاً انسان کی تخلیق احسن تقویم پر فرمائی۔ احسن تقویم یہ ہے کہ اس کو خوبصورتی، خوبروئی، خوش خلقی اور خوش الحانی عطا فرمائی۔ اس مالک حقیقی نے اپنے بندوں میں سے جس پر مہربانی فرمائی اسے بے حد نوازا کہ اس شہنشاہ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو جو خوش الحانی عطا فرمائی ہے تو اس کے مقابلے پر آج تک اس کا ثانی پیدا نہیں کیا۔ اسی طرح سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطانی عطا فرمائی تو آج تک کوئی ایسا حکمراں پیدا نہیں کیا جو ہر جن و بشر اور چرند پرند پر حکم رکھتا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ شرف حاصل تھا کہ اللہ عزوجل سے کلام فرماتے تھے۔ اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سی نبوت کسی کو عطا فرمائی ہی نہیں۔

کشف المحجوب میں ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا تو اعلیٰ درجے کی خوش الحان آواز عطا فرمائی کہ آپ کی خوش الحانی سے پہاڑ بھی نرم ہو کر بہہ جاتے تھے۔ جنگلوں کے درندے اور پرندے آپ کی آواز سن کر جنگلوں سے نکل آتے تھے

اور آواز کے سرور میں اس قدر کھو جاتے تھے کہ اپنی طبعی صفات کو بھول جاتے تھے۔ پرندے اڑتے ہوئے گر پڑتے تھے، جنگل کے مخلوق ایک ماہ تک کچھ نہ کھاتے تھے، بچے دودھ نہیں پیتے تھے، پانی بہنے سے رک جاتا تھا اور درخت جھوم اٹھتے تھے حتیٰ کہ آپ کی نغمہ سرائی کے وقت سرور اور لذت کی یہ کیفیت طاری ہوجاتی کہ اکثر انسان دارِفنا کو سدھارتے تھے۔

سرور و ساز کا آغاز

کشف المحجوب میں یہ روایت درج ہے کہ ایک دفعہ آپ کی آواز کے اثر سے 7سو دوشیزائیں اور 12 ہزار بوڑھے مرد مر گئے کہ وہ آپ کی آواز کی اور غنا کی لذت کو برداشت نہ کرسکے۔ یہ دیکھ کر ابلیس کی طبیعت بےقرار ہوگئی اور اس نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی تدبیر کی۔

چنانچہ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے اس مقصد کے لیے بانسری، سارنگی، طنور، ستار اور ڈھولک تیار کیے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابل اپنی مجلس جمائی اب لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ جو اہل سعادت تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے شیدائی تھے لیکن جو گمراہ تھے وہ ابلیس کے سازوں کی طرف مائل ہوگئے۔ (کشف المحجوب، صفحہ:235)

دوستو! یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس موجودہ راگ رنگ، ناچ گانوں، فلموں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا اصل موجد شیطان ہے، اس لیے یہ سارے کام شیطانی ہیں اور اب یہ طبیعت کو شیطانی کاموں اور گنہگاری کی طرف اکسانے والے ناچ کھیل، راگ رنگ زوروں پر ہیں۔ یہی وہ دنیاداری اور لہو ولعب ہے جو انسان کے ایمان و اعمال اور اخلاق کو تباہ اور برباد کردیتا ہے۔ کیونکہ لوگ ناچ گانوں، فلموں، سنیماؤں اور دیگر کلبوں وغیرہ کی طرف رجوع کرکے شیطانی اعمال اور حرام کاری کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ اعمال اور اخلاق کا دیوالیہ نہیں تو اور کیا ہے۔

ایسے لوگوں کے دل مردہ ہوجاتے ہیں اور ان کی سیہ کاری انھیں راہ راست پر نہیں آنے دیتی۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن

سَبِيلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (سورۂ لقمان، آیت:6-7)

ترجمہ: بعض آدمی کھیل کی باتوں (ناچ گانے سنیما) کو خرید کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بن سمجھے گمراہ کردیں اور اللہ کی آیتوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے اور جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جائیں تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر جاتے ہیں جیسے کہ انھوں نے سنا ہی نہیں گویا ان کے کان بہرے ہیں، ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔

روایت ہے کہ ایک کافر نضر بن حارث لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے حیرہ کے علاقے سے عجمیوں کی کتابیں لاتا اور قریش کو شاہانِ فارس اسفندریار اور رستم وغیرہ کے فیصلے سناتا تھا تاکہ وہ لوگ اللہ کے کلام کی طرف رجوع نہ کریں اور ان کہانیوں میں مشغول ہوجائیں۔ (خازن، صفحہ:439)

تو اللہ عزوجل نے لوگوں کی ہدایت کے لیے مذکورہ آیت مبارکہ بھیجی۔ اس لحاظ سے ریڈیو پروگرام کے گانے سننا بھی حرام ہیں۔ چہ جائیکہ ٹیلی ویژن پر بنی سنوری صورت کو دیکھ کر نفسانی خواہشات زیادہ ابھریں اور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمیں ہی موجودہ فحاشی کا سبب ہیں کیونکہ یہ مردوں اور عورتوں کے جذبات کو برانگیختہ کرکے معصیت کی طرف متوجہ کرتے ہیں، ناسمجھ بچے اور عورتیں ان گانوں اور تصاویر سے اپنے جذبات کو برانگیختہ پاکر کسی غلط راہ پر گامزن ہوسکتے ہیں۔

عورتوں کے جذبات مردوں کی نسبت جلد برانگیختہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ عقل میں کمزور ہوتی ہیں لیکن نفسانیت میں مرد سے سوگنا زیادہ۔

ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

فُضِّلَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الرَّجُلِ بِتِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ جُزْأً مِّنَ اللَّذَّةِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَلْقٰى عَلَيْهَا الْحَيَاءَ ۝ (کشف الغمہ، جلد:2، صفحہ:77)

ترجمہ: عورت کو مرد سے 99 گنا لذت وشہوت زیادہ دی گئی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس

پر حیا ڈال دیا ہے۔

عورت کا گانا درست نہیں

عورت کی طبیعت میں قدرتی طور پر نزاکت اور اس کی آواز میں لطافت اور نرمی پائی جاتی ہے، اس لیے علما نے عورت کی آواز کو ستر قرار دیا ہے اور وہ کسی نامحرم کے ساتھ کلام نہیں کر سکتی حتیٰ کہ کلام اللہ کو بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتی، اس لیے عورت کو کسی مرد سے کلام کرنے سے روکا گیا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے:

نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ تُكَلِّمَ النِّسَآءُ اِلَّا بِاِذْنِ اَزْوَاجِهِنَّ۔ (طبرانی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو خاوند کی اجازت کے بغیر کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: لَيْسَ لِلنِّسَآءِ سَلَامٌ وَلَا عَلَيْهِنَّ سَلَامٌ۔ (کنز الاعمال، جلد:8)

ترجمہ: (اجنبی) عورتوں کا سلام کرنا اسی طرح (اجنبی) مردوں کے سلام کا جواب دینا عورت کے لیے جائز نہیں ہے۔

عورت پر یہاں تک پابندی ہے کہ وہ اگر کوئی زیور پہنے ہوئے ہو تو اپنے پاؤں کو زمین پر نہ مارے کہ اس کا زیور ظاہر ہو، چہ جائے کہ وہ ناچنے اور گانے کا کام کرے جو سخت بے حیائی اور بے غیرتی ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ط (سورۂ نور، آیت:31)

ترجمہ: عورتیں زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں تاکہ ان کی چھپی ہوئی زینت کا دوسروں کو علم نہ ہو جائے۔

لیکن ہمارے یہاں عورتیں گاتی ہیں، ناچتی ہیں اور تقریریں کرتی ہیں کیونکہ وہ مردوں کے برابر کے حقوق حاصل کرنے کی خواہش رکھتی ہیں۔ اس لیے وہ غیر مردوں کے ساتھ

گانے یا ایکٹنگ کرنے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

ایسے شرفا کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هُوَ دَيَّاثَةٌ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَانَ دَيُّوْثًا۔ (المدخل، جلد:3، صفحہ:103)

اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ گانے والے اور سننے والے پر لعنت کرتا ہے۔

گانا شہوت کو برانگیختہ کرتا ہے

عشقیہ گانے اور غزلیں نفسانی خواہشات کو بھڑکاتی ہیں۔ خاص طور پر عورتوں کے گائے ہوئے نغمے انسان کے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ اس طرح معصیت کو ترقی ہوتی ہے، کیونکہ گانا بجانا نشہ آور چیزوں کی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

اِيَّاكُمْ وَالْغِنَاءَ فَاِنَّهٗ يَزِيْدُ الشَّهْوَةَ وَيَهْدِمُ الْمَرُوَّةَ وَاِنَّهٗ لَيَنُوْبُ عَنِ الْخَمْرِ وَيَفْعَلُ مَا يَفْعَلُ السُّكْرُ۔ (المدخل، جلد:3، صفحہ:108)

ترجمہ: گانے سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ یہ شہوت کو زیادہ کرتا ہے اور مروت کو برباد کر دیتا ہے اور وہ شراب کے قائم مقام ہے، گانا وہی اثر کرتا ہے جو نشہ کرتا ہے۔

گانے والے کی آمدنی حرام ہوتی ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَسْبُ الْمُغْنِيْ وَالْمُغْنِيَّةِ حَرَامٌ۔ (المدخل، جلد:3، صفحہ:102)

ترجمہ: گانے والے مرد اور گانے والی عورت کی کمائی حرام ہے۔

لیکن یہاں عورت کی کمائی بڑے فخر سے کھائی جاتی ہے۔ جو ریڈیو پروگرام سے تنخواہ کے طور پر یا کسی فلمی گانے کی صدابندی سے عوضانے کے طور پر لاتی ہے۔

ایسی گانے والی عورتیں خود بھی گنہگار ہیں اور دوسروں کے جذبات کو برانگیختہ کر کے ان کے عصیاں کا حصہ بھی پاتی ہیں اور جب تک ان کا گانا نشر ہوتا رہے گا اس کا دائمی گناہ اس کو ملتا رہے گا۔

دوستو! کیا اچھا ہو کہ ہم اپنی اولاد کو فلمی ایکٹر یا سنگر کی بجائے قرآن کے حافظ اور قاری بنائیں تا کہ ان کی بخشش بھی ہو اور ہماری بخشش کے سامان بھی مہیا ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

راگ سننے سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔

(بیہقی و مشکوٰۃ، صفحہ:411)

ترجمہ: راگ دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو پیدا کرتا ہے۔

دوستو! سوچو کہ ہم ہر وقت ریڈیو سے گانے سنتے ہیں لیکن ہمارے دلوں کا کیا حال ہوگا اور گانے بھی عورتوں کے گائے ہوئے پورے سازوں کے ساتھ، اس دور میں اللہ کی پناہ لینے سے ہی کچھ بچت ہو سکتی ہے، ورنہ ہمارے دل تو نفاق کا ذخیرہ بن چکے ہیں۔

گانے بجانے سے مصائب اور بلائیں نازل ہوتی ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہو جائیں گی تو ان پر مصائب اور بلائیں نازل ہوں گی۔

عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون سی خصلتیں ہیں؟ تو فرمایا:

اِذَا کَانَ الْمُغْنَمُ دُوَلًا وَالْاَمَانَۃُ مُغْنَمًا وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ وَعَقَّ اُمَّہٗ وَبَرَّ صَدِیْقَہٗ وَجَفَا اَبَاہُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِکَ رِیْحًا حَمْرَاءَ اَوْ خَسْفًا اَوْ مَسْخًا۔ (ترمذی، جلد:2، صفحہ:104)

ترجمہ: جس وقت غنیمت کو دولت بنایا جائے گا یعنی امراء مال غنیمت کھا جائیں گے اور فقرا وحق دار محروم رہ جائیں گے اور امانت غنیمت ہوگی یعنی مال میں خیانت ہوگی اور زکوٰۃ چٹی بن

جائے گی اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا اور اپنے دوست سے نیکی کرے گا اور اپنے باپ پر ظلم کرے گا اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی یعنی مسجدوں میں باجوں اور راگ کی آوازیں آئیں گی اور قوم کا لیڈر کمینہ شخص ہوگا، فاسق مرد کی عزت اس کی شرارت کے خوف سے کی جائے گی اور شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والی عورتیں اور باجے پکڑے جائیں گے اور اس امت کا آخری گروہ، اگلوں پر لعنت کرے گا پس اس وقت کا انتظار کرو جب سرخ آندھی آئے یا زمین دھنس جائے یا صورتیں مسخ ہو جائیں۔

دوستو! حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق وہ وقت آچکا ہے اور یہ تمام خصلتیں امت مسلمہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب تو صرف ان بلیات وآفات کا انتظار ہے جن کا آخر میں ذکر ہوا ہے۔

سینما گھر شیطان کی آماجگاہ ہیں

دوستو! حسب ارشاد حضور رحمت للعالمین سینما گھر جہاں تصاویر دکھائی جاتی ہیں، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے تو جہاں رحمت کے فرشتے داخل نہ ہوں وہاں صرف شیاطین ہی جائیں گے اور جو کچھ سینما گھروں میں ہوتا ہے وہ سینما دیکھنے والے خوب جانتے ہیں، کیونکہ سینما ہالوں، گیلریوں اور بکسوں میں مرد اور عورتیں مل کر سینما دیکھنے جاتے ہیں اور وہاں حرام کاری اور شیطانی حرکتیں لازماً ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے شر سے سب کو محفوظ رکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَتَصَاوِیْرُ۔

(بخاری، مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ:385)

ترجمہ: جس گھر میں کتا اور تصاویر ہوں اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

دوستو! آج کل جو ٹیلی ویژن کا عام رواج ہو رہا ہے یہ ٹیلی ویژن بھی سینما کے حکم میں شامل ہے۔ اس لیے ٹیلی ویژن کے شائقین بھی اس بات سے آگاہ رہیں کہ ان کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے جہاں تصاویر ہوتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

اِشْتَرَيْتُ نَمْرَقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَأَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ أَتُوْبُ إِلَى اللهِ وَإِلَى رَسُوْلِهِ مَاذَا أَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَابَالُ هٰذِهِ النَّمْرَقَةِ قُلْتُ اِشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ۔

(رواہ البخاری ومسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:285)

ترجمہ: آپ نے ایک تکیہ (سرہانہ) خریدا جس میں تصویریں تھیں۔ پس جب اس کو سید عالم ﷺ نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمایاں دیکھے، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! (ﷺ) اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی توبہ کرتی ہوں۔ میں کیا گناہ کر بیٹھی؟ تو سرکار اعظم ﷺ نے فرمایا: یہ سرہانہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کی: میں نے اس کو آپ کے لیے خریدا ہے، تا کہ آپ اس پر تشریف رکھیں اور ٹیک لگائیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک ان تصاویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اسے زندہ کرو اور جس گھر میں تصویر ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

فلم بینی زنا کاری کی طرف اُکساتی ہے

دوستو! فلموں میں کام کرنے والے تو اکثر زانی ہوتے ہیں اور ناچ رنگ اور فلمیں دیکھنے والے بھی زنا کاری سے نہیں بچ سکتے۔ وہ ان حسیناؤں کی صورت دیکھ کر دل میں عاشق ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں زنا کرتی ہیں، ان کے پاؤں ان کے پاس چل کر جاتے ہیں۔ تو یہ پاؤں کا زنا ہے اور وہ ان ناچنے گانے والیوں سے راہ ورسم پیدا کر کے زنا کاری پر اُتر آتے

ہیں۔ اس طرح فلم سازی، فلم بینی اور ناچ رنگ زنا کاری کی طرف مائل کرتے ہیں کیونکہ عورتیں پورے سنگار کے ساتھ اسٹیج پر آتی ہیں اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذَالِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهٗ۔ (مسلم، جلد:2، صفحہ:336)

ترجمہ: دونوں آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے فرج اس کی تصدیق کرتا ہے اور تکذیب کرتا ہے۔

زنا کاروں کا عذاب

اب یہ بھی سنو کہ زبان وہاتھ، آنکھوں یا فرج سے زنا کرنے والوں کی کیا سزا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل ومیکائیل کی معیت میں بہت سے لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا اور زانیوں کے عذاب کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

فَانْطَلَقْنَا اِلٰى نَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَاَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ فَاِذَا فَتَرَتْ اِرْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادُوْا يَخْرُجُوْ فَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَفِيْهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ۔

ترجمہ: پس ہم ایک غار کی طرف گئے جو بشکل تنور تھی، اس کا اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا فراخ۔ اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔ پس جب آگ بھڑکتی تو لوگ اوپر آجاتے۔ قریب تھا کہ نکل پڑیں، جب وہ بجھ جاتی تو وہ اس کے ساتھ نیچے چلے جاتے۔ اس میں مرد اور عورتیں ننگی تھیں۔

فحاشی کے اعلان سے وبائیں پھیلتی ہیں

حیا سوز اور فحش فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور بازاروں میں اس کا اعلان ہوتا ہے،

اشتہارات تقسیم ہوتے ہیں اور کھلم کھلا ملک کے مرد وزن دیکھتے ہیں۔

سرکار دو جہاں ﷺ فرماتے ہیں: لَمْ يَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا اِلَّا فَشٰى فِيْهِمِ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ اَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا۔

ترجمہ: کبھی کسی قوم میں بے حیائی نہیں ظاہر ہوتی یہاں تک کہ اس کا اعلان کریں مگر اس قوم میں طاعون پھیل جاتا ہے اور ایسی بیماریاں کہ ان کے گزشتہ بزرگوں میں کبھی نہیں ہوتیں۔

سنیما معصیت کا سبب ہے

فلموں میں باجے، مزامیر، طبلے، سارنگیاں ودیگر ساز عام بجائے جاتے ہیں جو لہو ولعب اور معصیت کا سبب ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ باجے اور مزامیر کو مٹا ڈالوں۔ اس کو احمد نے روایت کیا ہے۔

جن باجوں کے مٹانے کے لیے سردار دو جہاں تشریف لائیں ہماری پوری قوم مسلم ان ہی باجوں اور سازوں کو بجا کر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور دل میں ان کی برائی کا احساس تک بھی نہیں کرتے، یہ بڑی نمک حرامی ہے کہ مشفق نبی پاک ﷺ کے فرمانِ پاک کو پامال کر رہے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے۔ ہم کلمہ پڑھ کر اپنے نبی کو دھوکہ دے رہے ہیں، یہ تو ہمارا حال ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے بزرگ راہ گزرتے ہوئے باجے ڈھول طبلے کی آواز بھی سن لیتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ دَنَا عَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخِرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا۔ فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ۔ (رواہ احمد، ابی داؤد، مشکوۃ، صفحہ:411)

ترجمہ: میں ایک راستے میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ آپ نے

باجے بجنے کا آواز سنا تو آپ نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اس راہ سے ہٹ کر دوسری طرف ہوگئے۔ پھر جب آپ دور چلے گئے تو فرمایا: اے نافع! کیا تجھے کچھ سنائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں، تب آپ نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکال کر فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا تو آپ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

نیز حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حبشی عورت کے دیکھنے سے منع فرمایا جو نغمہ وسرور میں مصروف تھی اور فرمایا: وہ شیطان کی ساتھی ہے۔ (کشف المحجوب، صفحہ:340)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جو نغمہ سرائی کرتا تھا درّے لگائے۔

(کشف المحجوب، صفحہ:340)

حکایت

حضرت ابوالحارث بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کسی نے میرے حجرے کے دروازے پر آکر کہا: طالبانِ حق کی جماعت جمع ہو رہی ہے اور سب شیخ کے دیدار کے آرزومند ہیں۔ اگر آپ مہربانی فرما کر قدم رنجہ فرمائیں تو عین نوازش ہوگی میں نے کہا: اچھا چلو میں ابھی آتا ہوں۔

چنانچہ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک گروہ کے قریب پہنچے۔ لوگ حلقہ باندھے بیٹھے تھے اور ایک بوڑھا مرد اُن کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس نے میری بہت ہی عزت کی اور بولا: اگر اجازت ہو تو میں چند اشعار سن لوں۔ میں نے قبول کیا۔ پس دو آدمیوں نے نہایت خوش الحانی سے ایسے اشعار پڑھے جو حسن وعشق وغیرہ کے مضامین پر مشتمل تھے اور سب حاضرین سن کر وجد میں آگئے اور خوشی کے نعرے مارنے لگے۔ میں ان کے حال پر متعجب تھا کہ توحید ومعرفت یا دیگر مضامین پر نہیں بلکہ فسق وفجور پر یہ لوگ کیوں اس قدر وجد کرتے ہیں۔ اتنے میں بوڑھے نے مجھ سے کہا: اے شیخ! آپ نے مجھ سے میری حقیقت دریافت نہیں کی؟ میں نے کہا کہ تیری وحشت مجھے سوال کرنے سے مانع رہی۔ اس نے کہا: میں شیطان ہوں اور یہ سب میرے فرزند ہیں۔ نغمہ وسرور کی یہ محفل جمانے میں مجھے دو

فائدے ہیں: ایک یہ کہ مجھے خدا کی درگاہ میں اپنے عروج ومقبولیت کے دن نہیں بھولتے۔ لہٰذا میں نغمہ وسرور کے ذریعے اپنے درد وغم کو بھلانے کی کوشش کرتا ہوں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں اس نغمہ وسرور سے بندگانِ خدا کو لذتِ نفسانی میں مبتلا کر کے گمراہ کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ سن کر میں فوراً وہاں سے بھاگا اور ہمیشہ کے لیے نغمہ وسرور سننے سے توبہ کی۔ (کشف المحجوب، صفحہ:340)

اس سے پتہ چلا کہ نغمہ وسرور کی محفلیں (سنیما گھر) شیطان منعقد کرتا ہے اور ان میں شمولیت کرنے والے اس کی اولاد ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے۔

قرآن پاک بھی یہی فرماتا ہے کہ نغمہ اور سرور اور گانے کے محافل شیطان کے آواز ہیں، سنیے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُوراً۔ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت:64-65)

ترجمہ: ڈگادے ان میں سے جس پر طاقت رکھتا ہے اپنی آواز سے اور آوازہ کر ان پر اپنے سواروں اور پیدلوں سے اور شریک ہوں ان کو مالوں اور اولادوں میں اور وعدے دے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا شیطان مگر دھوکہ فریب کا۔ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔

مفسرین عظام نے فرمایا ہے کہ شیطان کے آواز سے مراد گانے، باجے اور لہو ولعب کی آوازیں ہیں۔ (تفسیر جلالین، صفحہ:235)

ہمارے نوجوان سنیما گھر جانے اور وہاں کے نغمے سننے کے ایسے شائق ہو گئے ہیں کہ اگر روٹی میسر نہ ہو تو کوئی پرواہ نہیں مگر سنیما گھر کی ٹکٹ ضرور خریدتے ہیں۔ اسی طرح اپنی کمائی کا معتدبہ حصہ مفت میں ضائع ورائیگاں کر کے شیطان کے بھائی بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ

الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت:26-27)

ترجمہ: فضول نہ اُڑا، بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیاطین اپنے ربّ کے ناشکرے ہیں۔

سنیما فسق وفجور کا اعلان ہے

سنیما والے بذریعہ اشتہار اور اخبار اور منادی کے اطلاع دیتے ہیں کہ رات فلاں وقت فلاں کھیل اور گانا ہوگا۔ تو فسق وفجور کا ایک کھلم کھلا اعلان ہے جو سخت گناہ ہے۔ ہمارے رہبر اعظم اور ہادی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافَاةٌ إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ۔ (بخاری، جلد:2، صفحہ:892)

ترجمہ: میری امت کے لیے معافی ہے مگر جو کھلم کھلا گناہ کرتے ہیں، اس کے لیے نہیں۔

سنیما ایمان سے دور رکھتا ہے

جب لوگوں کو راگ ناچ طبلے سارنگی وغیرہ کے سننے کی عادت ہو جاتی ہیں تو اس کی برائی دل سے نکل جاتی ہے اور ایسے گناہ میں شریک ہونے میں غم تو کیا ہوتا ہے الٹی خوشی ومسرت ہوتی ہے اور یہ بڑا خطرناک مقام ہے کیونکہ جذبۂ ایمان یہ کہتا ہے کہ گناہ کر کے دل برا ہو اور نیکی کر کے دل خوش ہو۔

ہمارے پیارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، جب آپ سے ایمان کی علامت پوچھی گئی: إِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ۔

(مشکوٰۃ، صفحہ:16)

ترجمہ: جب تجھے نیکی خوش کرے اور برائی ناپسند لگے تو سمجھ لے کہ اب مومن ہے۔

اس سے اندازہ کیجیے کہ سنیما دیکھنے والوں کا ایمان کتنا ضعیف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محرومی

خود سنیما والوں اور وہاں جانے والوں کو نماز پڑھنی تو کیا نصیب ہوگی وہ خود تو اس نعمتِ

عظمیٰ سے محروم ہیں مگر ظلم یہ ہے کہ سنیما کی آوازوں کی وجہ سے نمازیوں کو نماز پڑھنی مشکل ہوجاتی ہے اور ان کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

نیز پڑوس والوں کی نیند حرام کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ سارا وبال سنیما کے سرپرستوں اور اس میں شریک ہونے والوں کے سر ہے۔

فلم ساز کے ذمے گناہ ہے

سنیما کے سرپرستوں اور اس کی حرام آمدنی کھانے والوں کے لیے اتنا کافی ہے کہ جتنا گناہ جدا جدا سب کو ملے گا اسی قدر سب کو ملا کر سنیما کے بانی اور مالک کو ملے گا۔

سید دوعالم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يُنْقَصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔ (مسلم، جلد:2، صفحہ:341)

ترجمہ: جو شخص اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے اور اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے تو ان لوگوں کے مثل اجر اُسے ملے گا جنھوں نے اس کے ساتھ عمل کیا اور نہیں کم کی جائے گی ان کے اجروں میں کچھ شئی اور جو اسلام میں برا طریقہ نکالے اور اس کے بعد اس کے ساتھ عمل کیا گیا تو لکھا جائے گا اس پر اس شخص کے مثل گناہ جس نے اس پر عمل کیا اور نہ گھٹایا جائے گا ان کے گناہوں سے کچھ بھی۔

فائدہ: بانی سنیما سمجھتا ہے کہ آج رات مفت میں دولت جمع ہوگئی ہے جس سے میں آرام سے زندگی بسر کروں گا مگر حدیث رسول پاک ﷺ فرماتی ہے کہ سنیما کے سرپرست و مالک نے ان تمام شامل ہونے والوں کے گناہوں کا مجموعہ جمع کرلیا ہے جو آرام کی بجائے عذاب الٰہی میں پڑنے کا موجب و باعث بنے گا۔

☆☆☆

چونتیسواں وعظ

دربیانِ فضیلت حجاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ۔ (سورۂ احزاب، آیت:53)

سب تعریفیں اس خالق باری کے لیے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے اور جس نے انسان کو تمام مخلوق میں افضل اور حسین بنایا لیکن اسے عقل دی تاکہ وہ اپنے نفع یا نقصان اور اپنی عزت وحرمت یا بے عزتی کا خیال رکھ سکے۔ بے شک عورت انسان کی نسل کشی کا ذریعہ ہے لیکن ایک قاعدے اور اصول پر قائم رہ کر، نہ کہ گھوڑوں، گدھوں اور کتوں کی طرح سر بازار اپنی ہوس کا نشانہ بنا کر۔

اس زمانے میں ہمارے معاشرے میں جو جنسی برائیاں اور بدکاریاں موجود ہیں ان کی وجہ بے پردگی ہے اور ہماری بیٹیاں اور بہنیں ننگے منہ اور ننگے سر مردوں کے ساتھ مصروف عمل ہیں اور بناؤ سنگار کرکے لڑکیاں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرتی ہیں، دفتروں میں کام کرتی ہیں، جلسوں جلوسوں اور ہڑتالوں میں مردوں کے ساتھ شامل ہوتی ہیں۔ اس مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے برائیاں جنم لیتی ہیں اور زنا کاری اور فحاشی کو ترقی ملتی ہے۔

بعض حضرات عورتوں کو نشانۂ ہوس بنانے کے لیے بے پردگی پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ مل کر ان کے دوش بدوش کام کرنا چاہیے لیکن اس دوش بدوش کام کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ کھلے منھ رہیں اور ان کی ہوس کا نشانہ بنیں، یہ سخت بے حیائی ہے اور اس بے حیائی اور زنا جاری کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

مغربی تہذیب کا اثر

ہمارے یہاں بعض لوگ مغربی تہذیب کے دلدادہ اور غیر مسلم ممالک کی طرح عورتوں کو میدان عمل میں غیر مردوں کے ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت کو گھر میں قید کر کے اس کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں اور اس طرح سے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اس طرح بے حیائی اور زنا کاری کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو کسی قوم کی پستی اور تنزلی کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ عزوجل نے مسلمانوں کو اس بے حیائی اور تنزلی سے بچانے کے لیے اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے پیغام بھیجا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔

(سورۂ احزاب، آیت:59)

ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منھ پر ڈالے رہیں۔ یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ عزوجل نے لوگوں کو اپنی عزت وناموس کی حفاظت کا حکم دیا ہے لیکن جو لوگ بے پردگی کے قائل ہیں وہ ذلیل اور بے غیرت ہیں اور احکام الٰہی کے جھٹلانے والے ہیں، وہ شیطان کے بھائی ہیں اور حرام کاری کو دعوت دینے والے ہیں۔

میرے دوستو! ہماری بیٹیاں اور بہنیں جب زرق برق لباس پہن کر باہر نکلتی ہیں تو لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہیں اوباش اور آوارہ لوگ ان پر آوازیں کستے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں وسواس پیدا ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں کا حسن مردوں کے جذبات کو بھڑکاتا ہے، اس لیے حرام کاری کو فروغ ہوتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے: اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطٰنُ۔

(رواہ ترمذی و مشکوٰۃ، صفحہ:269)

ترجمہ: عورت سرتاپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔

بے پردگی جاہلیت ہے

بعض اصحاب کے نزدیک آج کل بے پردگی ترقی اور تہذیب کا نشان ہے لیکن یاد رہے کہ عریاں کاری جاہلیت اور پستی کا اظہار ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں بے شرمی اور بدکاری عام تھی اور کھلے میدانوں میں عورتیں اور مرد ننگے پھرتے تھے اور جانوروں کی طرح ایک دوسرے سے پردہ نہ تھا، ننگے ہو کر نہاتے اور رفع حاجت کے لیے باہر نکلتے تھے۔ مرد اور عورتیں ننگے ہو کر اکٹھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے لیکن اس جانوروں اور گدھوں جیسی بے حیائی اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہ تھی اور اس نے ان جانوروں کو سمجھانے کے لیے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا جنھوں نے فرمایا: أَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی ننگا حرم محترم کا طواف کرے۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں عورتیں اترائی ہوئی نکلتی تھیں اور اپنی زینت ومحاسن کا اظہار کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسا پہنتی تھیں کہ جن سے جسم کے اعضا صاف نظر آئیں۔ اسلام نے بڑی سختی سے اس بے حیائی اور بے شرمی کو روکا اور فرمایا:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (سورۂ احزاب، آیت:33)

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی تھی اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بھی آج کل کی عورتوں کی طرح بناؤ سنگار کر کے غیر مردوں کو دکھاتی تھیں لیکن آج کی عورت پہلے وقتوں کی عورت سے کچھ زیادہ ہی ترقی کر گئی ہے، وہ بازاروں، تقریبوں، جلسوں، تفریح گاہوں اور سنیما گھروں میں بناؤ سنگار کر کے جاتی ہے اور نامحرم یعنی غیر مردوں سے باتیں کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ اس طرح سے جاہل عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر برائی اور بے حیائی کو دعوت دیتی ہیں۔ یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ شیطان تو ہر وقت انسان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور اسے گنہگاری کی طرف راغب کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (رواہ ترمذی و مشکوٰۃ، صفحہ:269)

ترجمہ: مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ اکیلے مکان میں جمع نہیں ہوتا مگر تیسرا ان کا شیطان ہوتا ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔

(رواہ بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، صفحہ:268)

حضرت عقبہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: تم اپنے آپ کو عورتوں کے پاس جانے سے بچاؤ۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! دیور کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: دیور تو موت ہے۔

یہاں تو یہ حال ہے کہ اسلام عورت کو اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے پردہ کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن ہمارے یہاں اس بات کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ بعض عورتیں

کہتی ہیں کہ یہ رشتے میں مجھ سے چھوٹا ہے یا عمر میں کم ہے اس سے پردہ نہیں، حالانکہ ہر نامحرم سے پردہ لازمی چیز ہے کیونکہ جو اپنے سے عمر میں کم ہو وہ بھی گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ہمارے یہاں چودھریوں کے گھروں میں یا لیڈروں کے گھروں میں لوگ یوں ہی داخل ہو جاتے ہیں۔ ملازمین اپنے آفیسروں کے گھروں میں بلا جھجک اور بلا روک ٹوک داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں ہے اور جاہلیت ہے۔

اکثر گھروں میں مرد کام کاج کے لیے رکھ لیے جاتے ہیں اور ان سے ملازم ہونے کی حیثیت سے کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یہ ملازمین بعض اوقات اپنے صاحبوں کی امانت میں خیانت کر جاتے ہیں اور صاحب چونکہ کام کی کثرت کی وجہ سے فارغ نہیں ہوتے تو عورتیں ان ملازموں سے اپنے خاوند کے حقوق کا کام بھی لے لیتی ہیں اور کچھ نہ بن پڑے تو یہ ملازمین بچوں کو بے راہ روی پر لگا دیتے ہیں۔

دوستو! اس حالت میں صرف نامحرم مرد سے گریز ہی بہتر ہے جس کو پردے کا نام دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پردہ آنکھوں کا ہے اور اگر عورت حیادار ہے تو خواہ ننگے منہ اور ننگے سر چلی جائے کوئی حرج نہیں وہ لوگوں کو نہیں دیکھے گی۔

دوستو! اگر وہ کسی غیر کی طرف نہیں دیکھے گی تو یہ تو اس کے بس میں ہوگا اور کیا وہ دوسروں کو اپنی طرف دیکھنے سے روک سکتی ہے۔ اس بات کا گناہ کس کے سر ہوگا کہ لوگ اسے دیکھیں اور اپنے دلوں کو میلا کریں۔ صرف پردہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیں گنہگاری سے روک سکتا ہے۔

اسلام میں پردے کی ابتدا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سورۂ احزاب کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں نیک و بد سب طرح کے لوگ حاضر ہوتے ہیں، اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کے متعلق فرما دیں تو اچھا ہے،

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ۔ (سورۂ احزاب، آیت:53)

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو، جب تک اذن نہ پاؤ، مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ، یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو، ہاں! جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھے رہو باتوں میں دل بہلاؤ۔ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی ہے۔ تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو، اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتلاتے ہیں کہ میں 10 سال کا تھا اور میری ماں مجھے حضور کی خدمت کرنے کی ہدایت فرماتی رہتی، چونکہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اس لیے مجھے پردے کی آیت کے شان نزول کا زیادہ علم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت زینب بن جحش سے نکاح فرمایا تو لوگوں کو صبح ولیمہ پر مدعو کیا گیا۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر چلے گئے لیکن کچھ لوگ آپ کے پاس بیٹھے رہے حتیٰ کہ آپ کو بار محسوس ہوا۔ چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور باہر تشریف لے آئے تاکہ وہ لوگ چلے جائیں اور ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں بھی ساتھ تھا، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کی طرف گئے اور واپس حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف آئے تو وہ لوگ ابھی تک بیٹھے تھے، پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لائے اور ٹہلتے ٹہلتے پھر واپس آئے تو وہ لوگ جا چکے تھے۔

اس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان ایک پردہ کھینچ لیا تو یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔ (الادب المفرد، صفحہ:461)

دوستو! پردے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا لازمی ہے اور نہ عمل کرنے والا اسلام سے دور اور شیطان کا بھائی ہے اور برائیوں کو دعوت دینے والا ہے۔

خوشبو لگانے کی ممانعت

پردہ صرف کپڑا اوڑھ لینا ہی نہیں ہے کہ ہماری بیٹیاں اور بہنیں پردے کے نام پر ایک برقعہ سلا لیتی ہیں جس سے جسم کے سارے اعضا نمایاں ہوتے ہیں اور بازاروں کی طرف چل نکلتی ہیں یہ پردہ نہیں ہے۔ بھائیو! اگر کسی کام سے عورت کو باہر جانا ہی پڑے تو وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے اور باہر جانے کی صورت میں وہ نہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے نہ خوشبو لگا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبی ﷺ ہے: كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا يَعْنِيْ زَانِيَةٌ۔ (رواہ ترمذی و مشکوٰۃ: صفحہ:96)

خوش گلوئی سے بولنے کی ممانعت

بعض عورتوں کی آواز اتنی سریلی اور دلکش ہوتی ہے کہ لوگوں کے جذبات اس کی آواز پر ہی ابھر سکتے ہیں اور اس طرح برے خیالات ان کی برائی کی طرف مائل کر سکتے ہیں، اس لیے اگر کسی غیر مرد سے پس پردہ گفتگو کرنا ہی پڑ جائے تو عورت کو چاہیے کہ اپنے لہجے میں نزاکت اور لوچ نہ آنے دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (سورۂ احزاب، آیت:23)

ترجمہ: تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو۔

خواتین کا مساجد میں جانا

عہد رسالت میں عورتیں مسجدوں میں جاتی تھیں تاکہ احکام دین کو خود حضور ﷺ سے

سیکھیں لیکن اب عورتیں مسجدوں میں کچھ سیکھنے کے لیے جانے کی بجائے عید یا جمعہ کے دن اچھے اچھے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اور پورا سنگار کر کے جاتی ہیں جس کا مقصد صرف دکھاوا ہے لیکن اس دکھاوے کی نیکی اس پرفتن زمانے میں گنہگاری کی طرف راغب کر سکتی ہے اور نیکیوں کے دھوکے میں برائیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

نیز عورتیں مسجد میں جا کر باتیں کرتی ہیں جس سے شور وغل کا احتمال ہے اس لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی عادات وخصائل کے پیش نظر عورتوں کا مسجد میں داخل ہونا نامناسب بتلایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں:

لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَحْدَثَ النِّسَآءَ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ۔ (بخاری، جلد: اوّل، صفحہ:120)

علما وفقہا نے بھی عورتوں کے مسجد میں جانے کی مخالفت کی ہے اور ان کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔ چنانچہ درمختار میں کتاب الصلوٰۃ میں ہے:

وَيُكْرَهُ حُضُوْرُهُنَّ الْجَمَاعَةَ وَلَوْ لِجُمُعَةٍ وَعِيْدٍ وَوَعْظٍ مُطْلَقًا وَلَوْ عَجُوْزًا لَيْلًا عَلَى الْمَذْهَبِ الْمُفْتٰى بِهٖ لِفَسَادِ الزَّمَانِ۔ (درمختار، جلد اول، کتاب الصلوٰۃ)

نگاہوں کا پردہ

عموماً زنا کی ابتدا بدنظری سے ہوتی ہے، کیونکہ جب تک کوئی ایک دوسرے کو دیکھے گا نہیں برائی کا ارتکاب ناممکن ہے، اس لیے سب سے ضروری بات جو بدکاری کو روکنے کے لیے مدد ومعاون ہے وہ کسی کی طرف برے ارادے سے دیکھنا، یا تاکنا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ برائی نہ پھیل سکے۔ ارشاد ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۔ (سورۂ نور، آیت:31-30)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت

کریں۔ اس میں ان کے لیے پاکیزگی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف ہے۔ مومن عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ امہات المومنین حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں، ابن مکتوم آئے۔ حضور ﷺ نے امہات المومنین کو پردے کا حکم فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا: وہ تو نابینا ہے، فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔ (مشکوٰۃ، صفحہ:269)

حضور نبی کریم ﷺ نے بری نظر سے دیکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

چنانچہ فرمایا: **لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ۔** (رواہ بیہقی ومشکوٰۃ، صفحہ:270)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ دیکھنے والے پر اور دیکھی جانے والی چیز پر لعنت کرتا ہے۔

یہاں دیکھنے والا سے مراد بری نظر سے دیکھنے والا اور دیکھی جانے والی چیز کا مطلب ہے، بناؤ سنگار کرنے والا جو کسی کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے۔

گھروں میں جھانکنے کی ممانعت

اسلام نے بے حیائی کو روکنے کے لیے جو پابندیاں لگائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی کسی کے گھر میں جھانکی نہ لگائے اور نہ دروازے کے سوراخوں میں سے جھانک کر دیکھے۔

حضرت سہیل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے سوراخ میں سے جھانکا اس وقت آپ سر مبارک میں کنگھی فرما رہے تھے۔ آپ نے اس کی حرکت پر فرمایا: اگر مجھ کو معلوم ہو جاتا کہ تم مجھے اس طرح جھانک رہے ہو تو میں یہ کنگھا ہی تمہاری آنکھ میں مار دیتا اور فرمایا: اجازت کی ضرورت اسی نظر کی وجہ سے ہی تو ہے۔

(الادب المفرد، صفحہ:468)

حضرت مسلم بن نذیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اندر داخلے کی اجازت چاہی مگر ساتھ ہی اندر جھانکنے لگا۔ آپ نے فرمایا: تیری آنکھ تو داخل ہو رہی ہے، اب رہ گئی تیری پشت تو اس کو داخل نہ کر یعنی اسے اجازت نہ دی۔

(الادب المفرد، صفحہ:276)

اجازت لینا

دور جاہلیت میں ایک یہ بے حیائی بھی عام تھی کہ لوگ دوسروں کے گھروں میں بغیر آواز دیے گھس جاتے تھے اور غیر محرم عورتوں کو ننگا دیکھ لیتے تھے۔ اس بے حیائی کو روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمان بھیجا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (سورۂ نور، آیت:27)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو اور ان کے ساکنوں پر سلام کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم دھیان کرو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے والدین بیٹے یا بہن بھائیوں سے اجازت لے کر گھر میں داخل ہو۔

حضرت عطار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: میں اپنی بہن کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں؟ فرمایا: ہاں! میں نے پھر یہی سوال کیا: میری دو بہنیں جو میری زیر کفالت میں ہیں کیا ان کے پاس بھی اجازت لے کر جاؤں؟ فرمایا: ہاں! کیا تم ان کو ننگا دیکھنا پسند کرو گے؟ (الادب المفرد، صفحہ:466)

☆☆☆

پینتیسواں وعظ

در بیانِ توبہ واستغفار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
وَمَن يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

سب تعریفیں اس خالق کائنات کو جس نے انسان کے لیے خیر وشر پیدا کیے پھر اسے راہِ راست دکھائی اور اس کی ہدایت کے لیے مختلف ادوار میں اپنے برگزیدہ بندے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجے کہ اللہ عزوجل کو پہچانیں جو ان کا خالق اور رزاق ہے۔

ہزاروں درود و کروڑوں سلام اس پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کی ہدایت تمام جہانوں کے لئے ہے اور جس نے اپنے ماننے والوں کے لئے ہر دم اللہ سے معافی اور مغفرت طلب کی ہے۔

بیشک بنی آدم کے حصے میں خطا کاری آئی لیکن اسے تکلیف ومشقت کے ساتھ توبہ بھی وراثت ملی ہے جو اس کے تمام گناہوں اور خطاؤں کا ازالہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو جنتی لباس ان کے بدن سے گر پڑا۔ شرم گاہ کا ستر جاتا رہا اور تاج واکلیل اتار لیا گیا اور آواز آئی کہ میرے قریب سے تم اور حوا اتر جاؤ، نافرمان میرے قرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ قرب خداوندی، آرام بخش زندگی، سلطنت عظیم، فضیلت وعزت اور محبوبیت سے محروم ہوئے اور زمین پر پھینک دیے گئے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے حضور شب وروز روتے اور آہ وبکا کرتے رہے۔ اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو فرشتے مبارکباد دینے آئے۔ جبرئیل، میکائیل اور

اسرائیل بھی اتر کر آئے اور کہا: آدم! تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: جبرئیل اگر اس توبہ کے بعد بھی سوال ہوا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اس پر اللہ نے وحی بھیجی: اے آدم! تو نے اپنی نسل کو تکلیف مشقت اور توبہ کا وارث بنا دیا۔ پس جو مجھے پکارے گا میں اسے لبیک کہوں گا۔ جیسے تجھے لبیک کہا اور جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے گا میں اسے معاف کرنے میں بخل نہیں کروں گا۔ میں قریب ومجیب ہوں، میں توبہ کرنے والے کو جنت میں جمع کروں گا اور قبروں سے ایسے حال میں نکالوں گا کہ وہ ہشاش بشاش، ہنستے ہوئے اور شگفتہ رو ہوں گے، ان کی دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَن يَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورۂ نسا، آیت:11)

ترجمہ: جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔

توبہ فرض ہے

غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شخص پر توبہ فرض عین ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی ہاتھ پاؤں کے عملی گناہ سے خالی نہیں۔ اگر عملی گناہ نہ بھی ہو تو دل سے گناہ کا ارادہ ہی ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو شیطانی وسوسے ضرور آئیں گے جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے ضرور ہوں گے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے حصول میں کوتاہی اور غفلت سے کوئی خالی نہیں۔ لہٰذا توبہ ہر خاص وعام کے لیے ضروری ہے۔

ہر شخص گناہ کرتا ہے لیکن اس کے گناہ کی نوعیت علیحدہ ہوتی ہے۔ گناہ اگر بندے کی نظر میں چھوٹا ہو، وہ اللہ عزوجل کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور اگر بندہ بڑا سمجھے تو وہ اللہ کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔

مومن گناہ کو اپنے اوپر پہاڑ کی طرح سمجھتا ہے اور اس کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں اس پر گر نہ پڑے

منافق اس کے برعکس اپنے گناہ کو ناک پر بیٹھنے والی مکھی کی طرح خیال کرتا ہے کہ اسے ہاتھ سے اُڑا دیا۔

گناہ کے چھوٹا ہونے کو نہ دیکھنا چاہیے بلکہ جس کے سامنے گناہ کرتے ہیں اس کی عظمت کو دیکھنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے معرفت رکھنے والے کسی بھی گناہ کو صغیرہ نہیں سمجھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہر مخالفت کو خواہ کتنی ہی ادنیٰ ہو کبیرہ گناہ خیال کرتے ہیں۔

ایک صحابی نے اپنے شاگردوں یعنی تابعین سے فرمایا کہ تم بعض ایسے کام کرتے ہو جو تمہارے نزدیک بال سے بھی زیادہ باریک اور حقیر ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم ان کو ہلاکت خیال کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا قرب حاصل تھا اور وہ اللہ عزوجل کے بھی بہت قریب تھے۔ عارف اور عامی کے علم معرفت میں جتنا فرق ہوگا اسی لحاظ سے ان کی خطائیں قابل مواخذہ ہوں گی یا قابل درگزر۔

دیکھیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل تھا۔ انھوں نے ممنوعہ پھل کھایا تو خالق حقیقی نے انھیں زمین پر پھینک دیا اور فرمایا:

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝ اس طرح سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور گنہگاری میں مبتلا ہو گئے۔

گو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول تو ہوئی لیکن ان کے اس گناہ نے انسان کو کس قدر دور پھینک دیا کہ وہ اپنے مالک حقیقی کے قرب سے نکل کر ظلم وستم اور گناہ کاری پر اُتر آیا۔

اس لیے دوستو! توبہ ہر شخص پر ضروری ہے اور ہر شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں سر رکھ کر روئے اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے اور نیکی کی طرف رجوع کرے۔ بے شک اللہ عزوجل بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ سے گناہ جھڑتے ہیں اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی توبہ سے بے نیاز نہ تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''میرے دل پر کوئی چیز چھا جاتی ہے اور میں اللہ سے دن رات 70 بار استغفار کرتا ہوں۔''

علاوہ ازیں آپ کا ارشاد گرامی ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ تُوْبُوْا اِلَی اللهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ مِأَۃَ مَرَّۃٍ۔

ترجمہ: اے لوگو! اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ بے شک میں دن میں سو مرتبہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ توبہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

تُوْبُوْا اِلَی اللهِ جَمِیْعًا۔ یعنی تم سب اللہ کی طرف توبہ (رجوع) کرو۔

اس میں توبہ کا عمومی حکم ہے تاکہ سب مومن اللہ عزوجل کے حضور توبہ کر کے پاک ہوں اور جنت کے وارث بنیں پھر فرمایا:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللهِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ (سورۂ تحریم، آیت:8)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے خالص اور سچی توبہ کرو۔

یعنی بندہ اللہ عزوجل کے حضور اس طرح رجوع کرے کہ تمام گناہوں اور دنیاوی حرص وہوا کو چھوڑ کر خالص اللہ کی اطاعت پر قائم ہو جائے۔ لہٰذا ہر قسم کے گناہوں اور کوتاہیوں سے توبہ کرنا ہر خاص وعام کا فرض ہے۔

اللہ عزوجل توبہ قبول فرماتا ہے

چونکہ اللہ تعالیٰ تواب ورحیم ہے اور توبہ قبول فرماتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت خود بیان فرمائی ہے کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے اور اپنے گنہگار بندوں پر رحم کھا کر ان کی عاجزی کو قبول فرمالیتا ہے اور ان کو بخش دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

حٰمٓ۔ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ۔ ذِی الطَّوْلِ ط لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ط اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ۔

(سورۂ غافر، آیت:1 تا 3)

ترجمہ: یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا، علم والا، گناہ بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب کرنے والا اور بڑے انعام والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اسی کی طرف پھرنا ہے۔ وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (سورۂ نور، آیت:31)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

یہاں تو خدائے کریم ایمان داروں کو توبہ کرنے کا حکم دیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے کرم سے تمہاری توبہ قبول بھی کروں گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّئَاتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۂ شوریٰ، آیت:25)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں کو درگزر فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

حکایت

پہلے زمانے میں ایک بندہ تھا جس نے اپنی ساری عمر اللہ کی نافرمانی میں گزاری۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم فرمایا کہ اس کو توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ چنانچہ اس نے ایک روز اپنی بیوی سے پوچھا: کیا کوئی ایسا دوست ہے جو میری شفاعت کرے، اس نے کہا: نہیں۔ اس بندے نے کہا: میں بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتا ہوں۔ بیوی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ذکر، نہ کر کیونکہ تو اس معاملے کو جو تیرے اور اللہ کے درمیان تھا خراب کر چکا ہے، وہ یہ سنتے ہی جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں وہ کبھی آسمان کو اپنی سفارش کے لیے پکارتا تھا اور کبھی زمین کو، اسی طرح وہ پکارتے پکارتے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اللہ کو رحم آیا، اس نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اسے اٹھا کر بیٹھا دیا اور اس کے چہرے سے گرد وغبار کو صاف کیا اور کہا: تجھے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:36)

حکایت

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرا کام ڈاکہ ڈالنا اور لوگوں کو لوٹنا تھا۔ ایک روز دریائے دجلہ پر گیا، وہاں دو کھجور کے درخت تھے: ایک تروتازہ اور ایک خشک۔ میں نے دیکھا کہ

ایک پرندہ تروتازہ درخت سے کھجوریں توڑتا ہے اور پھر اڑ کر خشک کھجور پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں ایک اندھا سانپ ہے، یہ پرندہ اس کو کھجوریں کھلاتا ہے۔ میں نے دل میں کہا: اے پروردگار! یہ سانپ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جس کے مارنے کا حکم دیا ہے تونے اس کے کھانا کھلانے کے لیے ایک پرندہ مقرر فرما دیا ہے، حالانکہ میں تیری وحدانیت کی شہادت دیتا ہوں پھر بھی مجھے ڈاکو بنا دیا ہے۔ اتنے میں ہاتف غیبی نے آواز دی: میرے بندے! توبہ کرنے والوں کے لیے میرا دروازہ کھلا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے اپنی تلوار توڑ دی اور توبہ توبہ پکارنے لگا اور غیب سے یہ آواز آنے لگی: قَبِلْنَاكَ قَبِلْنَاكَ۔ ہم نے تجھے قبول کیا ہم نے تجھے قبول کیا۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا۔ جب انھوں نے یہ سنا کہ میں توبہ توبہ پکارتا پھرتا ہوں، تو انھوں نے اس کی وجہ پوچھی، میں نے کہا: اب میں نے اپنے اللہ سے صلح کر لی ہے۔ یہ سن کر ساتھیوں نے کہا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ صلح کرتے ہیں۔ ہم نے چوری کے اپنے بدن سے کپڑے اتار دیے اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم ایک گاؤں میں داخل ہوئے، وہاں ایک بڑھیا ملی۔ اس نے ہم سے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ فلاں شخص ہے؟ میں نے کہا: وہ میں ہی ہوں۔ اس نے کچھ کپڑے نکال کر کہا: یہ میرے بچے کے کپڑے ہیں، میں آپ پر ان کو صدقہ کرنا چاہتی ہوں کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے خواب میں حکم فرمایا ہے کہ یہ کپڑے فلاں شخص کو دے دو، چنانچہ میں نے وہ کپڑے بڑھیا سے لے لیے اور ان کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔
(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:39)

حکایت

بصرہ کا ایک نوجوان تھا جو ہمیشہ اپنے پروردگار کی نافرمانی کرتا تھا۔ اس کی والدہ اسے برے کاموں سے روکتی تھی مگر وہ باز نہ آتا تھا۔ اس کی والدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتی تھی اور پھر واپس آ کر اپنے لڑکے کو وعظ سنا کر ڈراتی تھی۔ جب

اس نوجوان کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے عرض کیا: تم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو میرے پاس بلاؤ تا کہ وہ مجھے توبہ کرنے کا طریقہ سمجھا دے۔ جب اس کی والدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچی اور اپنے بچے کی درخواست پیش کی تو انھوں نے فرمایا: میں ایک فاجر و فاسق کے پاس نہیں جاؤں گا اور نہ ہی اس کا جنازہ پڑھوں گا۔ والدہ غمزدہ ہو کر گھر واپس آئی اور سارا قصہ اپنے بچے کو سنا دیا۔ بیٹے نے والدہ کو وصیت کی کہ جب میں مر گیا تو میری گردن میں رسی ڈال دینا اور مجھے منھ کے بل گھر میں گھسیٹتے ہوئے یہ کہنا کہ: اللہ کے نافرمان بندوں کی یہی سزا ہوتی ہے اور پھر گھر میں ہی میری قبر بنوانا تا کہ دوسرے مردوں کو مجھ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے مرنے کے بعد والدہ نے جب اس کی گردن میں رسی ڈالی تو آواز آئی کہ: نوجوان کی والدہ اللہ کے دوست کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو، پھر اسے گھر میں ہی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے خواب میں فرمایا ہے: اے حسن! تونے میرے بندے کو ناامید کر دیا تھا لیکن میں نے اپنے بندے کو بخش کر جنت میں مقام عطا فرمایا ہے۔ (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:45)

دوستو! جب بندہ اپنے مالک حقیقی کے دربار میں اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے۔ خدائے عزوجل نے خود فرمایا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

تو ہمیں بخشش کی امید رکھتے ہوئے اپنے مالک حقیقی کے حضور توبہ کرنی چاہیے، عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے گناہوں پر ندامت ظاہر کر کے اللہ کے حضور بخشش اور رحمت کا طالب ہونا چاہیے تو پھر اللہ تعالیٰ بخوشی ہماری توبہ قبول فرمائے گا اور ہمیں ضرور بخش دے گا۔

مشکوٰۃ میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، صفحہ:263)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

توبہ توڑنے کے بعد بھی توبہ قبول ہوتی ہے۔

دوستو! جب گناہوں سے توبہ کرلی تو پھر گناہوں کے قریب نہ جانا چاہیے، اگر پھر بھی کوئی گناہ کرے تو اللہ کریم کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلکہ پھر توبہ کرے، خدائے کریم اس کی پھر بھی توبہ قبول فرمالے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

ترجمہ: بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو گناہ کر کے توبہ کر لیتے ہیں اور پھر گناہ کرتے ہیں اور پھر توبہ کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْلِیْ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَاشَآءَ (رواہ بخاری و مسلم و مشکوٰۃ، صفحہ:203)

ترجمہ: بے شک بندہ ایک گناہ کرتا ہے پھر عرض کرتا ہے: اے رب! میں نے گناہ کیا ہے تو اسے بخش دے۔ اس کا رب فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ بخشتا ہے اور اس کی وجہ سے پکڑتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا وہ ٹھہرتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ چاہے پھر گناہ کر لیتا ہے اور عرض کرتا ہے میں نے ایک گناہ کیا ہے تو اس کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخش دیا پھر جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے ٹھہرتا ہے پھر گناہ کر بیٹھتا ہے۔ عرض

کرتا ہے: اے رب! میں گناہ کر بیٹھا ہوں تو اس کو بخش دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ بخشتا ہے اور اس پر گرفت فرماتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے سو کرے۔

حکایت

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک آدمی تھا جو توبہ کر کے توڑ دیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی کہ اس شخص سے کہہ دو کہ وہ آئندہ توبہ کر کے نہ توڑے، ورنہ میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا اور اسے سخت عذاب دوں گا۔ یہ پیغام سن کر وہ شخص چند روز تو اپنی عادت کے خلاف صبر سے رہا لیکن پھر توبہ سے پھر گیا اور نافرمانی پر اتر آیا۔ اس پر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے پھر وحی بھیجی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نافرمان بندے سے ناراض ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ پیغام سن کر وہ اللہ کا عاصی بندہ جنگل کی طرف نکل گیا اور تنہائی میں یوں اللہ عزوجل سے مخاطب ہوا:

"اے پروردگار! تو نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے یہ پیغام بھیجا ہے، کیا تیرے بخشش کے خزانے ختم ہو گئے ہیں یا میری نافرمانی سے تجھے کوئی نقصان پہنچا ہے؟ کیا تو اپنے بندوں پر بخل سے کام لیتا ہے کیا کوئی گناہ تیرے عفو و کرم سے بڑا ہے؟ جب عفو و کرم تیری صفت ہے پھر تو مجھے نہیں بخشے گا؟ اگر تو اپنے بندوں کو ناامید کر دے گا تو وہ کس دروازے پر جائیں گے؟ تیرے در سے ٹھکرائے ہوئے کس کی پناہ تلاش کریں گے؟"

الٰہی! اگر تیری رحمت ختم ہو چکی ہے اور تیرا عذاب مجھ پر لازم ہو گیا تو اپنے بندوں کے گناہ مجھ پر ڈال دے، میں ان سب کے لیے اپنی جان قربان کرتا ہوں۔

اس پر اللہ عزوجل کی رحمت جوش میں آئی اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس آدمی کو پیغام بھیجا کہ: "اے میرے گنہگار بندے! تو میری رحمت سے ناامید نہ ہو، اگر تیری خطاؤں سے زمین اور آسمان کے درمیان کی فضا بھی بھر جائے تو بھی میں تجھے بخش دوں گا

کیونکہ تو میری رحمت کاملہ اور عفو کا اعتراف کرتا ہے۔" (نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:40)

توبہ سے گناہ جھڑتے ہیں

دوستو! جب اللہ عزوجل کے حضور اس کا بندہ توبہ کرتا ہے اور اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اور وہ اس کی عاجزی وانکساری کو قبول فرماتا ہے اور اپنے گنہگار بندے کو بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ غفور ورحیم ہے اور بار بار بخشنے والا ہے لیکن انسان کو چاہیے کہ اس مالک حقیقی کی شان کا خیال رکھے اور بار بار نافرمانی نہ کرے، بلکہ سچی توبہ کرے اور گناہوں کی طرف پھر راغب نہ ہو۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے اور بے شک وہی توبہ قابل قبول ہے جو سچی ہو اور ایسی توبہ انسان کو گناہوں سے پاک کردیتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ (سورۂ تحریم، آیت:8)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے حضور ایسی توبہ کرو جو خالص اور سچی ہو، یعنی آئندہ کے لیے نصیحت ہو، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ تم سے مٹا کر تمہیں جنت میں داخل کرے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کا قول ہے: توبۃ النصوح کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کے بعد پھر آدمی گناہوں کی طرف نہ لوٹے، جیسے نکلا ہوا دودھ پھر تھن میں واپس نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب مومن سچے دل سے اپنے پروردگار کے حضور توبہ کرتا ہے تو گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، پھر اسے چاہیے کہ گناہوں سے پرہیز کرے تاکہ وہ وارث جنت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ ۔ (رواہ ابن ماجہ مشکوۃ، صفحہ:206)

ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔

حکایت

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے 99 قتل کیے اور آخر کار ایک دن وہ توبہ کی غرض سے نکلا اور ایک زاہد وعابد کے پاس حاضر ہوا، اپنا حال بتا کر توبہ کی قبولیت کا راستہ پوچھا، تو اس نے کہا: تیری توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس نے اس عابد کو بھی قتل کردیا اور پھر کسی اللہ والے کی تلاش شروع کردی۔ چنانچہ ایک شخص نے اسے کہا: تو فلاں گاؤں چلا جا، وہاں ایک بزرگ عالم ہے جو تجھے توبہ کا طریقہ بتلائے گا۔ اس پر وہ اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ جب آدھی رات طے کرلی تو اس کی موت ہوگئی اور اس نے اپنا سینہ اس گاؤں کی طرف جھکا دیا۔

اس وقت رحمت اور موت کے فرشتے اس کے پاس جمع ہوگئے اور عذاب کے فرشتوں نے اسے قاتل اور مجرم ٹھہرایا لیکن رحمت کے فرشتوں نے اسے تائب بتلایا کیونکہ وہ توبہ کے لیے اس گاؤں کی طرف جارہا تھا۔ چنانچہ اس کی بستی اور جس بستی کو جارہا تھا دونوں کا فاصلہ اس سے ناپنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی اللہ نے اس عالم کی بستی کو قریب ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بالشت بھر اس بستی کے قریب نکلا۔ اس طرح اللہ عزوجل نے اس کی بخشش کے سامان پیدا کردیے اور اس کی روح رحمت کے فرشتے لے گئے۔ (مشکوۃ، صفحہ:203)

دوستو! بے شک اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کی جائے تو وہ اپنے گنہگار بندوں کو معاف فرمادیتا ہے، خواہ اس کے گناہوں سے زمین وآسمان کے درمیان کی فضا کیوں نہ بھری ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کو بخشنے میں کوئی عار نہیں اور وہ بخشنے پر آئے تو خطاؤں کے سمندر بھی بھرے ہوں تو بھی بخش دے اور تائب کو پاک کردے۔ بشرطیکہ توبہ سچے دل سے کی جائے اور محبت الٰہی میں دل موجزن ہو، اللہ عزوجل کی بڑائی اور عظمت کا دل میں خیال رہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا اُبَالِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عِنَانَ السَّمَآءِ ثُمَّ

اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِیْ یَا اِبْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ لَوْ لَقِیْتَنِیْ بِقُرَابِهَا الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَاتُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

(رواہ ترمذی، مشکوۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے! جب تک تو مجھ سے مانگتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تیری بخشش کرتا رہوں گا، خواہ تیرے اعمال کیسے ہوں اور میں پرواہ نہیں کرتا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا، مجھے پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں کہ تیرے گناہوں سے زمین بھری ہو پھر اس حال میں کہ تو نے کسی کو میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں تیری طرف بخشش سے بھری ہوئی زمین کے ساتھ آؤں گا۔

دیکھو دوستو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو کس قدر بخشنے کے لیے تیار ہے۔

حکایت

بنی اسرائیل میں ایک شخص ذوالکفل تھا جو گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ ایک عورت کو 60 دینار کی ضرورت پیش آئی وہ اس کے پاس آئی تو اس نے اس شرط پر مطلوبہ دینار دیے کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے، لیکن جب وہ عورت کے قریب گیا تو رونے اور کانپنے لگی۔ عورت سے جب رونے اور کانپنے کا اس نے سبب پوچھا تو اس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتی ہوں اور مجھے ضرورت نے اس کام پر مجبور کیا ہے، ورنہ میں نے یہ کام آج تک نہیں کیا۔ ذوالکفل نے کہا: جب تو عورت ہو کر اللہ سے ڈرتی ہے تو میں مرد ہوں، مجھے اللہ سے بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیے یہ کہا اور عورت کو اجازت دے دی کہ یہ 60 دینار اپنے ساتھ لے جائے اور قسم کھا کر کہنے لگا: میں اس کے بعد کبھی بھی اپنے رب کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ جب رات کو سویا تو اس کی روح اس کے بدن سے پرواز کر گئی، صبح کے وقت جب لوگوں نے دیکھا تو اس کے دروازے پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لِذِی الْكِفْلِ۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا۔ (نزہۃ المجالس،

جلد:2، صفحہ:30)

حکایت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کی بیمار پرسی کے لیے گیا، اس وقت اس پر سکرات موت طاری تھے۔ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کرنے کا حکم فرمایا تو وہ زبان سے توبہ نہ کر سکا، اس لیے دل سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور نادم ہوا، اسی وقت اللہ کریم نے فرمایا: اے فرشتو! میرا بندہ زبان سے توبہ نہیں کر سکا مگر دل میں شرمندہ ہوا۔ میں تم کو اس بات پر گواہ بنالیتا ہوں کہ میں نے اس کے سب گناہ بخش دیے ہیں، اگرچہ وہ ریگستان کی ریت سے زیادہ ہوں۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:48)

کتنا مہربان ہے وہ پروردگار جو ہمیں بخشنے میں ذرا تاخیر نہیں کرتا۔ جس قدر شیطان رجیم ہمیں گمراہ کرتا ہے اور گناہوں کے جال میں پھنساتا ہے اسی قدر وہ رحمن ورحیم ہمیں توبہ کی ترغیب دلاتا ہے اور ہمیں بخشتا ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَارَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَادَمَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَبِعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ۔ (رواہ احمد، مشکوۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: بے شک شیطان نے کہا: اے پروردگار! تیری عزت کی قسم میں ہمیشہ تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں جان ہے تو اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی عزت کی قسم اور بلندی مکان کی قسم! میں ان کو بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت کے طالب رہیں گے۔

توبہ سے برائیاں، نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں

جب اللہ عزوجل کے حضور اس کا بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں

معاف کر دیتا ہے اور اس کی جگہ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (سورۂ فرقان، آیت:70)

ترجمہ: مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دیتا ہے کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص حاضر کیا جائے گا۔ فرشتے اس کے صغیرہ گناہ اللہ کے حکم سے ایک ایک کر کے اسے یاد دلائیں گے وہ اقرار کرے گا اور بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے ڈرتا ہوگا۔ اس کے بعد کہا جائے گا کہ ایک بدی کے عوض تجھے نیکی دی گئی، یہ بیان فرماتے ہوئے حضور ﷺ اللہ عزوجل کے کرم پر اس قدر خوش ہوئے کہ چہرہ انور پر سرور کے نشان نمایاں ہو گئے۔ (خزائن العرفان، صفحہ:517)

توبہ عذاب سے بچاتی ہے

دوستو! دنیا اور آخرت میں عذاب الٰہی اور ہلاکت سے بچنے کے لیے توبہ واستغفار ڈھال کا کام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشش مانگنے والوں پر عذاب نہیں کرتا۔

فرمانِ ربانی ہے: وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (سورۂ انفال، آیت:33)

ترجمہ: اور اللہ عزوجل ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا جب تک آپ ان میں ہیں اور جب تک وہ بخشش طلب کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

توبہ سے مغفرت ہوتی ہے اور جنت ملتی ہے

خزائن العرفان میں ہے کہ ایک خرما فروش کے پاس ایک حسین عورت خرمے خریدنے آئی، اس نے کہا: یہ خرمے اچھے نہیں ہیں، عمدہ خرمے مکان کے اندر ہیں۔ اس حیلے سے اس کو مکان کے اندر لے گیا اور گلا پکڑ کر لپٹا لیا اور منہ چوم لیا۔ عورت نے کہا: اللہ سے ڈر، یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا اور شرمندہ ہوا اور سید دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال

عرض کیا: اس پر یہ آیت: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا نازل ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی کے درمیان دوستی تھی، ہر ایک نے ایک دوسرے کو بھائی بنایا ہوا تھا۔ ثقفی جہاد میں چلا گیا اور اپنے مکان کی نگرانی اپنے بھائی انصاری کے سپرد کر گیا تھا، ایک روز انصاری گوشت لایا۔ جب ثقفی کی عورت نے گوشت لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انصاری نے اس کا ہاتھ چوم لیا مگر چومتے ہی اس کو سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی اور وہ جنگل میں نکل گیا۔ اپنے سر پر خاک ڈالی اور منہ پر طمانچے مارے۔ جب ثقفی جہاد سے واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال معلوم کیا اس نے کہا: اللہ ایسے بھائی نہ بنائے اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ادھر انصاری پہاڑوں میں روتا اور استغفار کرتا پھرتا تھا، وہ اس کو تلاش کر کے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور اس کے حق میں یہ آیتیں نازل ہوئی:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ (سورۂ آل عمران، آیت:136-135)

ترجمہ: اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کو اللہ کے سوا کون بخشے اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں، ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیابیوں کا کیا ہی اچھا اور نیک بدلہ ہے۔

توبہ واستغفار سے رزق بڑھتا ہے اور غم دور ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش طلب کرنے سے ہر سختی ٹل جاتی ہے، رنج وغم دور ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب سے رزق فرماتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ

فَرَجًا وَّرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (رواہ احمد ومشکوۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: جو شخص استغفار کو لازم کرے اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بناتا ہے اور ہر غم سے خلاصی دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔

توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے

جو شخص اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے اور بخش دیتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:222)

ترجمہ: بے شک اللہ پسند رکھتا ہے، بہت توبہ کرنے والوں اور پسند رکھتا ہے، بہت ستھروں کو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کریم توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور ان سے محبت فرماتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ۔ (رواہ بیہقی ومشکوۃ، صفحہ:206)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندۂ مومن کو جو گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے اور بہت توبہ کرتا ہے، دوست رکھتا ہے۔

توبہ سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے

جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کے حضور توبہ کر کے اپنی عاجزی اور کم ہمتی کا اظہار کرتا ہے اور اسے قادرِ مطلق اور غفور ورحیم تسلیم کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس بندے کی عاجزی سے بے حد خوش ہوتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ

بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (رواہ مسلم ومشکوۃ، صفحہ:202)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جب وہ توبہ کرتا ہے بہت خوش ہوتا ہے، ایسے جیسے تم میں سے کوئی جنگل میں ہو اور اس کی سواری جس پر اس کا کھانا اور پینا ہو، جاتی رہے اور وہ اسے تلاش کر کے ناامید ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے آ کر لیٹ گیا اور ناامید ہوا۔ پھر اس نے اچانک دیکھا کہ اس کی سواری اس کے نزدیک کھڑی ہے، پس اس کی مہار پکڑی اور نہایت خوشی کے مارے کہا: یا اللہ! میں ہوں مالک تیرا اور تو ہے مملوک میرا، یعنی خوشی کی زیادتی سے اس کی زبان چوک گئی۔

توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کی مغفرت کے لیے قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے کیونکہ اس کو علم ہے کہ شیطان کے وسواس ڈالنے سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور وہ اپنی فلاح کے لیے اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ تا قیامت قبول کرتا رہے کیونکہ وہ تواب الرحیم ہے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ سَبْعِيْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ۔ (رواہ ترمذی ومشکوۃ، صفحہ:204)

ترجمہ: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کے لیے مغرب میں ایک دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی 70 سال کی مسافت کے برابر ہے۔ وہ دروازہ بند نہ کیا جائے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا یوم یاتی الآیۃ۔

دوستو! بے شک اللہ عزوجل نے قیامت تک توبہ کی قبولیت کے دروازے اپنے گنہگار بندوں کے لیے کھول رکھے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم تا قیامت گناہوں میں پھنسے

رہیں۔ بلکہ یہ وقت توبہ کرنے کا ہے۔ یہ گھڑی اور پل ضائع کرنے کا نہیں، کیونکہ پتہ نہیں کس وقت اللہ عزوجل اجل کے فرشتے کو بھیج دے اور ہمیں توبہ کی مہلت ہی نہ مل سکے۔ توبہ بھی سچے دل سے اور نیک نیتی سے ہو اور توبہ کے بعد گناہوں سے مقدور بھر بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یحییٰ بن معاذ کا فرمان ہے کہ توبہ کے بعد ایک لغزش توبہ کے پہلے گناہوں سے زیادہ بری ہوتی ہے۔ جنید نے فرمایا: توبہ تین معانی پر حاوی ہے:

(1) گناہ پر پشیمان ہونا۔

(2) جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا ہو، اس کو دوبارہ نہ کرنے کا ارادہ پختہ کرنا۔

(3) حقوق العباد کو ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

توبہ کی شناخت یہ ہے کہ زبان کی حفاظت کرے، دل کو پاک کرے، بروں کی صحبت چھوڑ دے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غضب کا مشاہدہ کرتا رہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

چھتیسواں وعظ

در بیانِ حسد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ رَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔
وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ (سورۂ فلق)

سب تعریفیں اس خالق کو سزاوار ہیں جو انسان کو اعلیٰ صورت اور سیرت کا حامل بنانے والا ہے۔ بے شک اس نے اپنی خلافت کے لیے انسان کو موزوں خیال فرمایا اور اسے خوبصورت تخلیق کر کے اسے قلب سلیم بخشا اور اس لامکان نے اس قلب کو اپنا مکان بنایا۔

کسی صوفی شاعر کا قول ہے:

مسجد ڈھاوے مندر ڈھاوے ڈھاوے جو کچھ ڈھیندا
پر اک بندے دا دِل نہ ڈھاویں رب دلاں وچہ رہندا

تو اللہ عزوجل کا مکان انسان کا دل ہے تو دل کو اس محبوبِ حقیقی کی آماجگاہ بنانے کے لیے اس کی صفائی ضروری ہے، کیونکہ اس اکبر و عظیم محسن کا احسان چکانا تو ناممکن ہے۔ ہم صرف اس کی عزت و توقیر کے لیے اس کے مکان یعنی قلب کو آراستہ کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام غیر اللہ چیزوں کا خیال دل سے نکال کر خالص اسی کے ذکر و فکر سے اسے آراستہ کریں، چہ جائیکہ اس کو دنیاوی آلائشوں اور خیالات سے گندہ کریں۔ ان آلائشوں میں جن سے بچنا ہر انسان خاص کر مومن کے لیے ضروری ہے ایک آلائش حسد کی ہے جو شیطانی وسواس کی پیداوار ہے۔

دوستو! اللہ کی اس بڑی لعنت حسد سے پناہ مانگو، بے شک وہی اس مرض کا ٹالنے والا ہے۔

حسد برائیوں کی جڑ ہے

دوستو! حسد ایک ایسا روحانی مرض ہے کہ انسان اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ طرح طرح کے شیطانی وسواس میں کھو جاتا ہے۔ وہ دوسروں پر اللہ تعالیٰ کے انعام کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا اور خواہش رکھتا ہے کہ دوسروں کا مال و دولت اور دوسری سہولتیں ان سے چھن کر اسے مل جائیں۔ چنانچہ ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دوسروں سے چھیننے کے لیے ہر وقت تاڑ میں لگا رہتا ہے اور حیلے بہانے سوچتا ہے۔ اس طرح سے چوری، ڈاکہ، رہزنی، قتل و غارت، زنا کاری اور دیگر برائیوں کی داغ بیل پڑتی ہے اور حاسد حرام خوری، چغلی، جھوٹ بولنے اور پھوٹ ڈالنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اس طرح سے بغاوت اور فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مرض کو اپنے قلب میں پیدا نہ ہونے دیا جائے تو ہر قسم کی برائیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلا حاسد

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ جو آسمان میں صادر ہوا، وہ ابلیس لعین کا حسد تھا جو اس نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اس طرح زمین پر جو سب سے پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حضرت ہابیل سے تھا، جس نے قتل و غارت کو جنم دیا۔ (تفسیر عزیزی، صفحہ:297)

اسی نامراد حسد نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برسوں رُلایا۔ اسی حسد نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے والد اور عزیزوں سے دور زنداں میں ڈالا۔ اسی حسد نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا میں شہید کیا۔ بے شک حسد کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہوتا ہے، لیکن وہ نامراد اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ غضبِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ بے شک یہ بُرا فعل ہے اور قتل و غارت پر اُبھارتا ہے۔ اس کی شرانگیزی سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ کہہ دیجیے میں اپنے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد اللہ کے غضب کا باعث ہے

یہودیوں کا خیال تھا کہ ختم نبوت کا منصب بنی اسرائیل کو عطا ہوگا۔ یعنی نبی آخر الزماں ان میں سے ہوں گے لیکن ان کی خواہش کے خلاف یہ منصب بنی اسماعیل کو ملا اور وہ محروم رہے۔ تو مارے حسد کے انھوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا اور جھٹلانے لگے۔ اس پر اللہ عز و جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (سورۂ بقرہ، آیت:90)

ترجمہ: کیسی بُری قیمت سے انھوں نے اپنی جانیں خرید لیں کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اُتارے ہوئے کلام سے منکر ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے پر چاہے اپنا کلام نازل فرماتا ہے، پس وہ غضب پر غضب کے سزاوار ٹھہرے اور کافروں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار نے اخوت کے رشتے میں منسلک ہو کر جب اسلام کے قلعے کی دیواروں کو مضبوط کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے انعام و اکرام سے نوازا، اس پر یہودیوں نے جلنا شروع کیا اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حسد کی بیماری کو بے نقاب کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورۂ نسا، آیت:54)

ترجمہ: یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔

حاسدوں کے دل میں جلن رہتی ہے

یہودی اس قدر حسد کرنے لگے تھے کہ وہ ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سوچتے رہتے تھے۔ کچھ لوگوں نے ظاہراً اسلام قبول کر کے اپنی منافقت سے مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کی کوشش کی لیکن جن کی اللہ تعالیٰ پشت پناہی فرماتا ہے انھیں ان کے ایمان میں اور مضبوط اور ثابت قدم کر دیتا ہے۔ وہ ان کو ڈگمگانے نہیں دیتا بلکہ دشمنوں اور

حاسدوں کو بے نقاب فرماتا ہے۔

چنانچہ اس عالم الغیب والشہادۃ کا فرمان ہے:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ (سورۂ بقرہ، آیت:109)

ترجمہ: بہت سے اہلِ کتاب نے چاہا کہ کاش! تمھیں ایمان سے پھیر کر کافر بنادیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے ان پر حق ظاہر ہوجانے کے بعد بھی۔

دوستو! فرمانِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ حاسدوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے اور وہ اسی آگ میں جل کر فنا ہوجاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں سے محروم کردیتا ہے اور وہ دوسروں کی نعمتوں تک باوجود سخت کوشش کے رسائی نہیں پاسکتے۔

حاسد اپنے حسد کی سزا پالیتا ہے

مثل مشہور ہے ''چاہ کن را چاہ در پیش'' جو کسی کے لیے بُرا سوچتا ہے پروردگار اس کی اس بدنیت کے بدلے اُس پر اپنی رحمتوں کو اسے بدبختی کا سزاوار ٹھہراتا ہے اور جو دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھتے ہیں اللہ عز وجل انھیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے۔ کہتے ہیں برائی کر بُرا ہوگا، بھلائی کر بھلا ہوگا۔ لہٰذا حاسد جب کسی کی نعمت کے چھن جانے کے لیے تدبیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کے سامان مہیا کردیتا ہے۔

حکایت

حضرت بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں ایک مردِ خدا ہر روز کہا کرتا تھا کہ: نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرو کیونکہ بدعمل کے لیے بدعملی ہی کافی ہے، اسے اس کے کردار پر ہی چھوڑ دو۔

چونکہ بادشاہ کو اس کی یہ بات پسند تھی اور وہ اس کے اِس خیال پر خوش تھا، اس لیے اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کا مرتبہ بادشاہ کے دربار میں بلند تھا لیکن ایک حاسد اس کے اس مرتبے سے حسد کرنے لگا اور اسے ذلیل کرنے کی ٹھانی۔

چنانچہ بادشاہ سے کہنے لگا: حضور! فلاں شخص کہتا ہے کہ بادشاہ کے منھ سے بدبو آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا: تیرے اس الزام کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا: جب آپ اسے بلائیں گے تو وہ اپنے ناک پر ہاتھ رکھ کر آپ کے سامنے حاضر ہوگا۔ پھر اس اللہ کے مرد کو دعوت دی اور کھانے میں لہسن وغیرہ کھلایا کہ اس کے منھ سے بدبو آنے لگی۔ بادشاہ نے جب اس مردِ خدا کو بلایا تو وہ لہسن کی بدبو کو چھپانے کے لیے اپنے منھ پر ہاتھ رکھ کر حاضرِ خدمت ہوا۔ اس پر بادشاہ نے اس حاسد کی بات کا یقین کرلیا اور بادشاہ نے ایک عامل کے نام لکھا کہ جب یہ حامل فرمان تمہارے پاس پہنچے تو اس کا سر کاٹ دو اور اس کی کھال میں بھوسا بھر کے میرے پاس بھیج دو۔

بادشاہ نے یہ حکم نامہ اپنی مہر سے بند کیا اور اس مردِ خدا کے حوالے کیا۔ جب وہ مردِ خدا بادشاہ سے رخصت ہوکر چلا تو حاسد نے اسے دیکھا اور پوچھا: یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے بتلایا کہ یہ فرمانِ خلعت ہے جو فلاں عامل کی طرف لے جارہا ہوں۔ بادشاہ نے چونکہ اپنی قلم سے فرمانِ خلعت کے سوا کبھی کچھ نہ لکھا تھا اس لیے اسے فرمانِ خلعت ہی سمجھا گیا۔

چنانچہ اس حاسد نے کسی حیلے بہانے سے وہ فرمان اس مردِ خدا سے لے لیا اور اس عامل کے پاس جا پہنچا۔ عامل نے جب اس فرمانِ شاہی کو کھولا تو اس مرد سے کہا: اس میں لکھا ہے کہ میں حامل فرمان کو قتل کردوں اور اس کے جسم میں بھُس بھر دوں۔ حاسد پریشان ہوا، خلعت کو مصیبت وہلاکت پاکر بولا: یہ فرمان تو ایک اور شخص کے لیے ہے۔ بادشاہ سے تصدیق کرلو، اس پر عامل نے جواب دیا کہ ہم شاہی فرمان کی دوبارہ تصدیق نہیں کیا کرتے اور اس شخص کو قتل کرکے فرمانِ شاہی کی تعمیل کی۔

دوسرے روز جب وہ نیک مرد بادشاہ کے حضور کھڑے ہوکر حسبِ معمول اپنے کلمات دہرانے لگا تو بادشاہ اسے دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا: وہ فرمان کہاں ہے؟ عرض کیا: بادشاہ سلامت! وہ تو فلاں شخص لے گیا ہے، پھر پوچھا: وہ تو کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میرے منھ سے بدبو آتی ہے۔ جب اس مرد نے انکار کیا، تو بادشاہ نے پوچھا: تو نے اس روز اپنے منھ اور ناک پر ہاتھ کیوں رکھا تھا؟ نیک مرد نے جواب دیا: اس حاسد نے مجھے لہسن کھلا دیا تھا۔ تو میں نے

اس لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا کہ آپ کو بدبو نہ آئے۔ بادشاہ نے کہا: تُو واقعی سچ کہتا ہے اس بدکردار کے لیے اس کے برے عمل کی سزا کافی ہے اور اس نے اپنی سزا پالی۔

(احیاء العلوم، جلد:3، صفحہ:185)

حسد دین کو مونڈنے والی بیماری ہے

دوستو! حسد ایک ایسا شیطانی مرض ہے جو انسان کے دل میں وسواس پیدا کر کے اسے قتل وغارت اور دوسرے قبیح افعال کی طرف راغب کرتا ہے، جس سے بھائی بھائی کا گلا کاٹنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ہمارے دین کی اساس اخوت اور بھائی چارے پر کہ مہاجرین جب مدینہ پہنچے تو انصار نے اپنے بھائیوں کو اپنے مالوں اور جائیدادوں میں برابر کا شریک ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ جس کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک بیوی تک کی پیشکش کر دی۔ اس طرح اخوت، بھائی چارہ اور باہمی ہمدردی نے اسلام کو فروغ دیا کہ مسلمان اسی محبت واخوت کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک ایسی طاقت بن گئے کہ ساری دنیا پر چھا گئے۔

لیکن جب خود غرضی اور حسد نے ان کے دلوں کا رخ کیا، پھر وہ آپس میں کٹ کر مرنے لگے اور ذلت ورسوائی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس شیطانی مرض کے اسلام میں پھیلانے والے وہ یہودی تھے جو اسلام قبول کر کے درپردہ منافقت میں مصروف تھے۔

اسی طرح وہ اپنی بیماری کو مسلمانوں میں پھیلا کر اس دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا چاہتے تھے لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلِكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ ۔ (رواہ احمد وترمذی ومشکوٰۃ، صفحہ:428)

ترجمہ: پہلی امتوں کی بیماری تم میں سرایت کر چکی ہے وہ بیماری حسد وبغض ہے۔ یہ مونڈنے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے لیکن وہ دین کو مونڈتی ہے۔

حسد سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں

دوستو! حاسد اپنے حسد کے شر سے اپنی نیکیوں کو برباد کر لیتا ہے، کیونکہ وہ اپنے حسد کی

بنا پر دوسروں کی حق تلفی کی کوشش کرتا ہے، دوسرے کے مال ودولت اور جاہ وحشم پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، چغل خوری اور غیبت سے شر انگیزی کرتا ہے اور فسق وفجور کی بنیاد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نامراد سے ناراض ہو کر اس کی نیکیاں ضائع فرما دیتا ہے اور قیامت کے دن حاسد کی نیکیاں محسود کو دے دی جائیں گی۔ اس طرح سے حاسد اپنی نیکیوں سے محروم رہ جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ ۔ (رواہ ابوداؤد ومشکوٰۃ، صفحہ:428)

ترجمہ: اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

حاسد دوزخ میں جائے گا

حاسد اپنے دل کی جلن کو دور کرنے کے لیے دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے اور قتل وغارت گری، فسق وفجور کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے وہ اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتوں سے کچھ دے بلکہ اس کی برائی کے عوض اسے آگ میں ڈالا جائے گا تا کہ اس کے دل کی جلن اسے دوزخ کی آگ کی جلن کا مزہ چکھائے، نیز حاسد کی نیکیاں چونکہ برباد ہو چکی ہوں گی اور محسود کو مل جائیں گی، اس لیے وہ نیکیوں سے محروم ہوگا اور برائیوں کی سزا بھگتنے کے لیے تیار کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھ گروہ حساب سے ایک سال پہلے دوزخ میں جائیں گے:

1- حکام ظلم کی وجہ سے
2- عرب تعصب کی وجہ سے
3- دہقان تکبر کی وجہ سے
4- سوداگر خیانت کی وجہ سے

5- گنوار نادانی کی وجہ سے

6- علما حسد کی وجہ سے

دوستو! حسد ایک لعنت ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے بچائے رکھے۔ آمین۔

حسد سے بچنے والا مومن جنتی ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جنتی شخص آنے والا ہے اتنے میں ایک انصاری آیا جس کے بائیں ہاتھ میں جوتیاں تھیں اور داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے روز بھی آپ نے یہی فرمایا اور وہی شخص آیا، اسی طرح تیسرے روز بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا: تو وہی شخص آیا۔

حضرت عبداللہ بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کون سا نیک عمل کرتا ہے۔ اس کے پاس گئے اور کہا: میں اپنے باپ پر ناراض ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ تین راتیں تمہارے پاس بسر کروں۔ اس نے کہا: بہت بہتر۔ وہ پہلی رات دیکھتے رہے لیکن اس نے کوئی عمل ایسا نہ دیکھا بجز اس کے کہ وہ کبھی خواب سے بیدار ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا، اسی طرح تین راتیں گزر گئیں۔ آخر کار میں نے اس سے کہا: میں باپ سے ناراض نہیں ہوں لیکن حضور ﷺ تیرے حق میں یہ الفاظ ارشاد فرماتے تھے، اس لیے میری خواہش تھی کہ میں تیرے عمل سے واقف ہو جاؤں۔ اس نے کہا: ہاں! یہی میرا عمل تھا جو تم نے دیکھ لیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وہاں سے چلا تو اس نے مجھے آواز دی اور کہا: ایک اور بات ہے جو میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے کبھی بھی کسی پر حسد نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسی سے تجھے بلند مرتبہ ملا ہے۔

(کیمیائے سعادت، صفحہ:407)

حسد سے بچنے والا قرب الٰہی پاتا ہے

احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرد کو عرش عظیم کے سایہ میں دیکھا تو آپ نے اس کے مرتبے پر رشک فرماتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ کے حضور اس شخص کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

عرض کیا: یا الٰہ العالمین! یہ نیک مرد کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کے تین عمل تقرب کا باعث ہیں:

- ایک تو اس نے کبھی کسی سے حسد نہیں کیا۔
- دوسرے اس نے کبھی والدین کی نافرمانی نہیں کی۔
- تیسرے اس نے کبھی چغل خوری نہیں کی۔

دوستو! مومن کا کام نہیں کہ حسد کی سی شیطانی بیماری کو اختیار کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا متلاشی ہے۔ دوستی، بھائی چارے اور محبت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مومن خرید نا پسند نہیں کرتا۔

اس لیے اللہ عزوجل حسد جیسے موذی مرض سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور حاسدوں کے شر سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

سینتیسواں وعظ

دربیانِ شب برأت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

حٰمٓ۔ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (سورۂ دخان، آیت: 1-6)

سب تعریفیں اس خالق و مالک کو سزاوار ہیں جس نے امت مسلمہ کی مغفرت اور بخشش کے لیے بے حساب ذرائع مہیا کیے ہیں کیونکہ اس امت کے سردار، سردارِ دو جہاں رحمۃ للعالمین ہیں، ہزاروں درود اور کروڑوں سلام اس ذات پر کہ جس کے طفیل مومنوں کی بخشش کے لیے اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ کا عذاب عظیم ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لیے غفور و رحیم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کے لیے بخشش کے دروازے کھول کر ان کو اپنی رحمت اور شفقت سے نوازا ہے۔ ان کے درجات بلند کر کے انھیں جنت کا وارث قرار دیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ سچ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہمارے معبود حقیقی نے ہمیں بخشش کے جو مواقع فراہم کیے ہیں ان سے پورے طور پر استفادہ کریں اور ہر وقت اس کی مغفرت اور بخشش کے طالب رہیں اور اس کی رحمت کا سہارا تلاش کرتے رہیں کیونکہ ہم ہر وقت عصیاں میں گھرے رہتے ہیں اور اس کے حضور حاضر ہونے کا صحیح طریقہ جو ہمیں بتایا گیا ہے اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

دوستو! اپنے آقا کے حضور عجز و انکساری سے اس کی حمد کے ساتھ دعا کرتے رہنا ہی ہمارے لیے سودمند ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو ان کے عجز و انکساری کی بدولت بے حد اجر و ثواب سے نوازا ہے اور اس مقصد کے لیے ہر نیکی کا بدلہ دس گنا، ہر لفظ کلام پاک کے بدلے دس نیکیاں اور اس طرح ہر رات کی عبادت کو احسن و مقبول ترین اور دنوں میں جمعہ کا دن اور راتوں میں جمعہ کی رات کو عبادت کے لیے افضل قرار دیا۔

اور سب مہینوں میں رمضان المبارک کو افضل بنایا اور رمضان المبارک کی راتوں میں لیلۃ القدر کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل اور اسی طرح ماہ شعبان کی لیلۃ المبارکہ کو بھی بے پناہ درجہ بخشا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

حٰمٓ۔ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ۔ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (سورۂ دخان، آیت: 1-6)

ترجمہ: قسم ہے اس روشن کتاب کی ہم نے اسے برکت والی رات میں اتارا ہے۔ بے شک ہم ڈرسنانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام، ہمارے پاس کے حکم سے۔ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں تمہارے رب کی طرف سے رحمت۔ بے شک وہ سنتا جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حٰمٓ سے مراد ہے کہ روز قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما چکا ہے۔

وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ۔ سے مراد کلام مجید کی قسم کھائی ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ ہم نے یہ قرآن کریم برکت والی رات یعنی نصف شعبان کی رات میں نازل کیا۔ اکثر اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ لیلہ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات یعنی شب برأت ہے۔

نزولِ قرآن

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شب برأت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے

توشب قدر اور رمضان المبارک کا ذکر کیوں فرمایا ہے، ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

اور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۝ یعنی رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے کلام پاک کو رمضان المبارک میں لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ہے۔

اب وضاحت طلب یہ بات ہے کہ قرآن دو مختلف راتوں میں کیسے نازل ہوا، اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نزول دو قسم کا ہے: ایک نزول تقدیری اور دوسرا نزول حقیقی

نزول تقدیری یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کلام پاک کو لوح محفوظ سے نقل کرلو۔ چنانچہ فرشتوں کے لوح محفوظ سے کلام پاک نقل کرنے کو نزول تقدیری کہا جاتا ہے۔

نزول حقیقی یہ ہے کہ کلام پاک کو دنیا میں لایا گیا کیونکہ عملی طور پر کلام پاک دنیا میں لایا گیا، اس لیے یہ نزول حقیقی ہے اور قرآن کریم کا نزولِ حقیقی لیلۃ القدر میں رمضان المبارک میں ہوا۔

شب برأت کی برکتیں

اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو کلامِ مجید میں مبارک بتلایا ہے، مثلاً خود کلام اللہ کو جو ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے: هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ فرمایا ہے۔

پھر وَأَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَكًا فرما کر بارش کے پانی کو مبارک بتادیا کہ جس کی برکت سے زندگی، نشوونما اور طاقت حاصل ہوتی ہے: مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ سے زیتون کے درخت کی برکتوں کا اظہار ہوتا ہے جو انسان کے لیے غذا و ضیا مہیا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبارک فرمایا اور ان کا قول بتلایا کہ فرماتے تھے: وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اور مجھے مبارک بنایا کیونکہ یہ آپ ہی کی برکت تھی کہ حضرت مریم

علیہا السلام کے لیے کھجور کے خشک درخت میں پھل پیدا ہوگئے اور نیچے چشمہ جاری ہوگیا۔ آپ کی برکت سے اندھے اور کوڑھی شفا پاتے تھے اور مردوں کو دوبارہ زندگی مل جاتی تھی۔

پھر خانہ کعبہ کو مبارک فرمایا کہ اگر کوئی شخص ڈھیروں گناہوں کا حامل بھی ہو تو اس مبارک گھر کی حاضری اسے گناہوں سے سبکدوش کردیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور محفوظ کردیتا ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے شب برأت کو بھی مبارک فرمایا ہے کیونکہ زمین والوں کے لیے اسی رات میں رحمت، خیر و برکت، گناہوں کی معافی اور مغفرت نازل ہوتی ہے۔

ابونصر اپنے والد کی اسناد سے بحوالہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس ہشام بن عروہ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر یعنی نیکی کو خوب بہاتا ہے۔ بقرعید کی رات کو، عیدالفطر کی رات کو، نصف شعبان کی رات کو، جس میں اللہ تعالیٰ عمریں اور رزق لکھتا ہے اور حج کرنے والوں کو بھی لکھ دیتا ہے اور چوتھی رات عرفہ (حج) کی ہے اور نیکی کا یہ بہاؤ فجر کی اذان تک ہوتا ہے۔ سعید نے کہا مجھے ابراہیم بن نجیح کہتے تھے کہ ایسی راتیں پانچ ہیں جس میں شب جمعہ بھی شامل ہے۔ (غنیۃ الطالبین)

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف جھانکتا ہے۔ مومنوں کو بخش دیتا ہے، کافروں کو ڈھیل دیتا ہے، کینہ پروروں کو اس وقت تک چھوڑے رکھتا ہے جب تک کہ وہ کینہ ترک نہ کردیں۔

نزولِ رحمت باری تعالیٰ کی رات

حدیث پاک میں ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور کارکنانِ غیبی مالک حقیقی کے حضور بندوں کے سال بھر کے اعمال نامے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ عزوجل اپنی رحمت اور شفقت سے اپنے بندوں کو پکارتا ہے:

أَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَ لَهُ أَلَا مِنْ مُّبْتَلٍ

فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَوْ كَذَا حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ ۰ (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: خبردار! ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔ خبردار! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں۔ خبردار! ہے کوئی مصیبت میں گرفتار کہ میں اس کو معافی عطا فرماؤں۔ خبردار! ہے کوئی ایسا ایسا یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے سعادت مند بندے جو رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اپنے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں، رزق میں فراخی حاصل کرتے ہیں اور بیماریوں اور مصیبتوں سے پناہ مانگ کر ان سے نجات پا لیتے ہیں۔

بخشش کی رات

اس رات میں اللہ عزوجل اپنی رحمت و برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت فرماتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات کو اللہ تعالیٰ قریب والے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے، رشتہ داری منقطع کرنے والے اور بدکار عورت کے ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَطَّلِعُ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ ۰ (رواہ ابن ماجہ، مشکوۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں رحمت کی تجلی فرماتا ہے پس تمام مخلوق کی سوائے مشرک اور کینہ پرور کے بخشش فرماتا ہے۔

ابونصر از ابوعلی از عبداللہ بن محمد از اسحاق احمد فارسی از احمد بن صباح بن ابی شرح از یزید بن ہارون از حجاج بن ارطاۃ از یحییٰ بن ابی کثیر از عروہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ایک رات میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو تلاش کے لیے گھر سے نکلی دیکھا کہ بقیع میں موجود ہیں اور سر آسمان کی طرف

اٹھا ہوا ہے۔ فرمایا گیا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیری حق تلفی فرمائیں گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) میرا گمان تو یہی تھا کہ کسی بی بی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔

فرمایا: نصف شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ قریب والے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ بخشش فرماتا ہے۔

آزادی کی رات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! یہ کون سی رات ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

فرمایا: نصف شعبان کی رات ہے اس میں بندوں کے اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس رات میں دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ کیا تم آج رات مجھے اجازت دوگی؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو حضور ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

کہا گیا ہے کہ شب برأت کو برأت کی رات اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو آزادیاں ہوتی ہیں۔ بدبختوں کی آزادی اللہ سے ہوتی ہے اور اولیا کی آزادی نامراد چھوڑ دینے سے۔

(غنیۃ الطالبین)

فرشتوں کے لیے عید کی رات ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس طرح زمین پر مسلمانوں کے لیے عید کے دو دن ہوتے ہیں اسی طرح آسمان پر فرشتوں کے لیے عید کی دو راتیں ہیں: شب برأت اور شب قدر۔ مسلمانوں کی عید دن میں ہوتی ہے اور ملائکہ کی عید رات کو ہوتی ہے، کیونکہ فرشتے سوتے نہیں، اہل ایمان چونکہ سوتے ہیں اس لیے ان کی عید دن کو ہوتی ہے۔

عبادت و ذکر کی رات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

کہ نصف شعبان کی رات کو جب چوتھائی رات ہوئی تو جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اترے اور کہا: محمد! (ﷺ) سر اٹھاؤ۔ اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو جنت کے دروازے کھلے نظر آئے۔

پہلے دروازے پر ایک فرشتہ ندا دے رہا تھا خوشی ہو اُس کے لیے جس نے اس رات کو رکوع کیا۔ دوسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اس رات میں سجدہ کیا۔ تیسرے دروازے پر ایک فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو اُس شخص کے لیے جس نے اس رات دعا کی۔ چوتھے دروازے پر فرشتہ پکار رہا تھا خوشی ہو اِس رات میں عبادت وذکر کرنے والوں کے لیے۔ پانچویں دروازے پر ندا آ رہی تھی خوشی ہے اس شخص کے لیے جو اس رات میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا۔ چھٹے دروازے پر فرشتہ کہہ رہا تھا خوشی ہو۔ اس رات میں مسلمان مومنوں کے لیے اور ساتویں دروازے پر سے یہ ندا آ رہی تھی کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کی دعا قبول ہو اور خواہش پوری ہو اور آٹھویں دروازے پر ایک فرشتہ پکار رہا تھا کہ: ہے کوئی معافی کا طلب گار کہ اس کے گناہ معاف کیے جائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے؟ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہائی پانے والوں کی تعداد بنی کلب کی بکریوں کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا ۝

(مشکوٰۃ، صفحہ:115)

ترجمہ: جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس کی رات قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو میری امت میں سے ہے، شب برأت میں دس رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھے تو اس کے گناہ معاف ہوں گے اور اس کی عمر میں برکت ہوگی۔

(نزہۃ المجالس، جلد:2، صفحہ:131)

حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ عبادت

ابو نصر نے اپنے والد کی اسناد سے بحوالہ یحییٰ بن سعید عروہ سے بیان کیا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات رسول اللہ ﷺ میری چادر سے خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئے۔ واللہ! میری چادر حریر کی تھی، نہ قز کی، نہ پوست کتان کی، نہ باریک اُون کی۔

عروہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: سبحان اللہ! پھر کس چیز کی تھی؟ تو فرمایا: اس کا تانا بالوں کا تھا اور بانا اونٹ کی اون کا۔ پھر فرمایا: میرا گمان تھا کہ حضور ﷺ کسی بی بی کے یہاں تشریف لے گئے ہیں، میں نے اٹھ کر کوٹھری میں تلاش کیا تو میرے ہاتھ حضور کے پاؤں پر پڑ گئے۔ آپ اس وقت سجدے میں تھے اور میں نے آپ کی دعا یاد کر لی۔

آپ کہہ رہے تھے کہ میرے جسم اور دل نے تجھے سجدہ کیا، میرا دل تجھ پر ایمان لایا، میں تیری نعمتوں کا اقرار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے، مجھے بخش دے، تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی، تیری سزا سے تیری رحمت کی، تیرے غضب سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ صبح تک رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز میں کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے حتیٰ کہ پاؤں سوج گئے، میں پاؤں کو دباتی ہوئی کہنے لگی: **فداك امي وابي**۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرمائے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ رحمت نہیں کی؟ کیا ایسا ایسا نہیں ہے؟ تو ارشاد فرمایا:

اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار نہ بنوں؟

سلیمان بن مسلم نے بروایت مکحول بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی

کریم ﷺ نصف شعبان کی رات کو نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، قیام خفیف کیا، سورۂ فاتحہ اور ایک چھوٹی سورت پڑھی، پھر آدھی رات تک سجدے میں پڑے رہے، پھر کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی اور اس میں بھی پہلی رکعت کی طرح قرأت کی۔ حضور ﷺ کا یہ سجدہ فجر تک رہا اور میں دیکھتی رہی، مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور ﷺ کی روح قبض نہ کر لی ہو، زیادہ دیر ہو گئی تو میں قریب گئی اور پاؤں کے تلوؤں کو چھوا تو حضور ﷺ نے حرکت کی۔ میں نے خود سنا کہ حضور ﷺ کہہ رہے تھے:

''میں تیرے عذاب سے تیرے عفو کی، تیرے غضب سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، تیری ذات بزرگ ہے اور میں تیری تعریف پوری نہیں کر سکتا جیسی تو نے اپنی ثنا کی ہے تو ویسا ہی ہے۔''

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو ایسا ذکر کرتے سنا کہ پہلے کبھی ایسا ذکر کرتے نہیں سنا۔ فرمایا گیا: تم کو علم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو ان کو سیکھ لو اور سکھاؤ۔ جبرئیل نے مجھے اس طرح ذکر کرنے کا حکم دیا تھا۔

صلحا و علمائے سلف کی ترکیب

سو رکعتوں میں ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص یعنی ہر رکعت میں دس مرتبہ پڑھی جائے، اس نماز کا نام ''صلوٰۃ الخیر'' ہے۔ اس کی برکتیں پھیلتی ہیں، صلحائے سلف اس نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے۔ اس کی فضیلت اور ثواب کثیر کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے 30 صحابیوں نے بیان کیا کہ اس رات جو شخص یہ نماز پڑھتا ہے اللہ اس کی طرف 70 بار دیکھتا ہے اور ہر نگاہ میں 70 حاجتیں پوری کرتا ہے جن میں سب سے ادنیٰ حاجت گناہوں کی مغفرت ہے۔

آئندہ سال کے امور کی تقسیم

حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ نے آیت: **فیہا یفرق کل امر حکیم۔**

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ آئندہ سال کے امور کا انتظام فرما دیتا ہے۔ بعض زندوں کو مردوں کی فہرست میں لکھ دیتا ہے اور بیت اللہ کے حاجیوں کو بھی، پھر اس لکھی ہوئی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

حکیم بن کسان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات میں اپنی مخلوق کو جھانکتا ہے، اسی رات میں جس کو پاک کر دیتا ہے اس کو آئندہ رات تک پاک رکھتا ہے یعنی پورا سال بھر۔

عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کو سال بھر ہونے والے امور کی پیشی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ سفر کو جاتے ہیں، حالانکہ ان کا نام زندوں سے نکال کر مردوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب برأت کو ظاہر کر دیا اور شب قدر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شب قدر رحمت و مغفرت اور دوزخ سے آزادی کی رات ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو پوشیدہ رکھا تا کہ لوگ اس رات کے بھروسہ پر نہ بیٹھ رہیں اور شب برأت حکم اور فیصلے کی رات ہے، ناراضگی اور رضامندی کی رات ہے، مقبول اور مردود کرنے کی رات ہے، وصل اور اعراض کی رات ہے، خوش نصیبی اور بدبختی کی رات ہے، حصولِ عزت اور اندیشے کی رات ہے، کسی کو اس میں سعادت حاصل ہوتی ہے، کسی کو دور کر دیا جاتا ہے، کسی کو جزا دی جاتی ہے اور کسی کو سزا دی جاتی ہے اور کسی کو رسوا کیا جاتا ہے، کسی کو نوازا جاتا ہے اور کسی کو محروم رکھا جاتا ہے، بہت کفن دھوئے ہوئے رکھے ہوتے ہیں، لیکن پہننے والے غافل بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، بہتوں کی قبریں تیار ہوتی ہیں اور وہ خوشی میں مگن فریب خوردہ رہتے ہیں۔

بہت سے چہرے ہنستے ہیں حالانکہ ان کی ہلاکت کا زمانہ قریب ہوتا ہے، بہت سے مکانوں کی تعمیر مکمل ہوتی ہے، لیکن مالک مکان کی موت قریب ہوتی ہے، بہت سے لوگ ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں، لیکن عذاب ان کے سامنے آتا ہے، بہت سے خوشخبری کے امیدوار ہوتے ہیں لیکن ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں، بہت سے وصل کا یقین رکھتے ہیں لیکن جدائی پاتے ہیں، کئی عطا کے امیدوار محروم ہو جاتے ہیں، حکومت کی آس رکھنے والے

ہلاکت کا منہ دیکھتے ہیں، جنت کا یقین رکھنے والے دوزخ میں جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ پندرہویں شعبان کو جب خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مکان سے باہر آتے تو چہرے سے معلوم ہوتا کہ انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا تھا، اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: خدا کی قسم! جس کی کشتی وسط سمندر میں ٹوٹ گئی ہو، اس کی مصیبت میری مصیبت سے بڑی نہیں، کیونکہ مجھے اپنے گناہوں کا تو یقین ہے لیکن نیکیوں کی طرف سے اندیشہ۔ معلوم نہیں قبول ہوتی ہیں یا میرے منہ پر ماری جاتی ہیں۔

اللہ اللہ! اللہ کے بندوں کو اپنی معصیت اور گنہگاری کا کتنا خوف ہے، حالانکہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

دوستو! ہمیں بھی چاہیے کہ ہر وقت اللہ کی طرف سے دھیان رکھیں، اس کی پکڑ سے خوف کھائیں اور ہر وقت مغفرت وبخشش کی دعا کریں اور ایسی راتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے افضل قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس کی خوشنودی حاصل کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور نیکیوں میں اضافہ کریں۔ لیکن بعض لوگ ایسی مقبول راتیں بجائے عبادت وذکر الٰہی کے گنہگاری میں صرف کرتے ہیں اور آتش بازی جیسی فضول رسموں سے ہلاکت اور بربادی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

آتش بازی

شب برأت جو عبادت اور ذکر الٰہی کرنے کی دعوت دیتی ہے جب کہ ہمارے مقدر کی تحریر سال بھر کے لیے مقرر ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے بدقسمتی کا پیغام لاتی ہے جو ہندوانہ رسوم کے قائل ہو کر کفار کی سی عادتیں اپنائے ہوئے ہیں۔ اس مبارک رات میں آتش بازی کرتے ہیں، اس وقت جب کہ اللہ عزوجل ہمارے اعمال ملاحظہ فرما رہا ہوتا ہے اور گنہگاروں کو اپنی رحمت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہوتا ہے۔ اس وقت ہم اور ہمارے بچے آسمان کی طرف آگ کی چنگاریاں پھینک کر نمرود کی اتباع کرتے ہیں اور یاجوج ماجوج کی مشابہت حاصل کرتے ہیں۔

دوستو! غور کرو کہ یہ بری حرکت ہی نہیں ہے بلکہ دنیاوی نفع ونقصان کے لحاظ سے بھی ایک غیر نفع بخش چیز ہے، کیونکہ اس غلط رسم پر ہم اپنی رقم خرچ کر کے فضول خرچی اور اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں جو ایک شیطانی فعل ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۝

ترجمہ: فضول خرچی نہ کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

آتش بازی سے نہ صرف فضول خرچی ہوتی ہے بلکہ ہم اپنے آپ کو اور دوسروں کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں اور خود اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

اکثر واقعات سننے میں آتے ہیں کہ آتش بازی کے سامان کے جل اٹھنے سے عمارتیں جل گئیں، اتنے افراد ہلاک ہو گئے یا جل کر مر گئے، آتش بازی میں بچوں کے ہاتھ جل جاتے ہیں، چہرے جھلس جاتے ہیں اور کئی دفعہ غلے کے کھلیانوں کو بھی آگ لگتی ہے۔

دوستو! اس طرح سے ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور اللہ عزوجل کے اس حکم کی طرف دھیان نہیں دیتے کہ: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ۝

ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف نہ ڈالو۔

اللہ عزوجل ہمیں ان برائیوں سے محفوظ رکھے اور اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہم راہ راست پر چل کر اس کی خوشنودی حاصل کریں اور اللہ عزوجل سے اجر عظیم پائیں۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

اڑتیسواں وعظ

دربیانِ اسلام وتہذیب جدید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ (سورۂ آل عمران، آیت:19)

سب تعریفیں اس پاک پروردگار کے لیے جس نے زمین وآسمان کی تخلیق کے بعد انھیں آراستہ کیا اور رونق بخشی ہزاروں درود اور کروڑوں سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جس کو خاتم المرسلین بنایا اور امام الانبیاء کے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا اور اس دین کو جس کے پیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلام کا نام دیا اور قرآن کریم میں اس کی پسندیدگی کا اظہار یوں فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے کیونکہ یہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل ہے اور اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات بنا کر قرآن کریم کی صورت میں بھیج دیا تا کہ اس نور ہدایت کی روشنی میں فلاح ونجات کا راستہ تلاش کر کے انسان اپنی گم شدہ منزل کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو ضابطۂ حیات بھیجا اس کی ہدایات کی روشنی میں ہمارے، ہادی وپیشوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر کر کے ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم اس مثالی زندگی سے عملی طور پر سبق حاصل کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعلیٰ اور مکمل ضابطۂ حیات، عملی طور پر ہمارے سامنے پیش کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھنے اور سوچنے اور ان پر عمل کرنے کے قابل بنایا ہے اور زندگی کے کسی شعبے میں کسی بات کی کمی نہیں رہنے دی،

تا کہ گمراہی کے گڑھے کی طرف قدم نہ اٹھا سکیں۔ اس دین یعنی دین اسلام کی کاملیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا فرمایا۔

اور فرمایا: وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (سورۂ مائدہ، آیت:3)

ترجمہ: تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔

اللہ اللہ! دین اسلام کا بنانے والا خود اللہ ہے اور اسے مکمل کرنے والا بھی وہی ہے۔ جس دین کا نظام حیات خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہو اور اس نے اسے مکمل واکمل قرار دیا ہو، پھر اس سے بڑھ کر کوئی اور دین ہو سکتا ہے اور اس دین کے نظام میں کوئی کمی بیشی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہونا تو درکنار ایسا سوچنا بھی گناہ ہے۔

اس دین کی پسندیدگی اور اس کی دوسرے ادیان پر فوقیت کی کئی ایک وجوہات ہیں سب سے پہلے یہ کہ:

کاملیت

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو کامل واکمل فرمایا ہے اور زندگی کا کوئی ایک شعبہ بھی نہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے روشنی نہ ڈالی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا ہو، قانون سازی میں قرآن وسنت سے بڑھ کر کوئی قانون نہیں۔ قاضی القضاۃ، سپہ سالاری، حکمرانی، درویشانہ زندگی، الغرض ہر طرح کی زندگی کے لوازمات وضروریات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی سے نمونہ پیش کر کے راہ ہدایت کو روشن فرمایا۔

اسلام میں جبر واکراہ نہیں

اس دین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جبر وتشدد کی مخالفت پائی جاتی ہے اور

کسی صورت میں بھی جبر وتشدد کو جائز قرار نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۔ دین میں کوئی جبر وتشدد نہیں ہے۔

جو چاہے اس دین خداوندی میں شامل ہو، اس کے لیے بھلائی ہے اور جو نہ چاہے اس پر تشدد نہیں، کیونکہ اسلام کے قوانین وضوابط اس قدر واضح ہیں کہ ان پر غور کرنے والا اس دین کو قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ بات علاحدہ ہے کہ کوئی حسد وبغض یا ہٹ دھرمی کی بنا پر اسے قبول نہ کرے۔

عمل کو ترجیح

دین اسلام میں خیالات اور زبانی قیل وقال پر اعمال کو ترجیح دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جو کچھ بتلایا وہ خود عملی طور پر کر کے دکھایا، تاکہ لوگوں کے لیے حجت ہو اور وہ کسی قسم کی دشواری محسوس کرتے ہوئے بہانہ سازی سے کام نہ لیں اور اللہ کے دین میں کمی بیشی نہ کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی زبانی قیل وقال پر افعال کو ترجیح دی ہے۔ بقول شاعر:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی ترجیح نہیں اور نہ ہی کسی حسب ونسب سے کوئی بڑا ہوتا ہے، بلکہ اس کا ایمان اور کردار اسے بڑا بناتا ہے۔

پھر فرمایا: سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُ الْقَوْمِ ۔

قوم کی سرداری صرف اس کو سزاوار ہے جو قوم کی خدمت کرے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے عمل کو ترجیح دی ہے اور اچھے اعمال والے کو اعلیٰ اور گھٹیا افعال والے کو ادنیٰ قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے افعال کو اقوال پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَا لَا

تَفْعَلُوْنَ ۔

ترجمہ: تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

لہٰذا یہ دین نیک اعمال کی بنیاد پر استوار ہے، صحابہ کرام اور مشائخ عظام کی عملی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

اسلام اور علم

رسول اللہ ﷺ نے حصول علم پر بہت زور دیا اور فرمایا کہ علم مسلمان کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے ملے لے لو۔

عالم کی قدر ومنزلت کے بارے فرمایا: عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل ہے۔

پھر فرمایا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ ۔ علم حاصل کرو خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔

یہ ارشاد فرما کر طالب علم کی پیاس کو اور بڑھا دیا ہے اور مسلمانوں نے علم حاصل کرنے کے لیے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ ہندوستان، چین، مصر اور یونان کے علوم کی چھان بین کی اور اصلاح وایزاد کے بعد انھیں مفید عام بنایا۔

علم الادویہ کے مبادیات مسلمانوں نے یونان سے حاصل کیے۔ سمندروں اور خشکیوں کو چھان مارا، نقشے تیار کیے، پانی اور بارش ناپنے کے آلے تیار کیے، سڑکوں اور بازاروں میں روشنی کا انتظام کیا، پانی کے نکاس کا انتظام کیا، لندن اور پیرس کے بازاروں میں جن دنوں کیچڑ کا دور دورہ تھا، چلنا دشوار تھا، ان دنوں قرطبہ کے بازاروں میں پختہ فرش لگے ہوئے تھے اور قندیلیں روشن تھیں کہ رات کو بھی دن کا سماں نظر آتا تھا۔

علم کیمیا کے بانی عرب ہیں، علم طب کے ماہر ابن سینا ہیں۔ سوئی کو عربوں نے ایجاد کیا۔ غرض عربوں نے ہر طرف سے علم کے خزانے جمع کر کے اپنی زبان میں جمع کر لیے اور اسلامی دار العلوم اور درس گاہوں اور بادشاہوں کی ذاتی مطالعہ گاہوں میں علم کے خزانے جمع

تھے جنھوں نے دوسری زبانوں کے ترجمے کرا کر اپنی زبان میں محفوظ کر لیے تھے اور مختلف درس گاہیں اور کتب خانے تعمیر کر کے علم کے چراغ گھر گھر روشن کیے، علم ہندسہ کے موجد مسلمان ہیں اور کاغذ سازی کا کام بھی پہلے مسلمانوں ہی نے شروع کیا۔ غرض کہ مسلمانوں نے جو علمی ادبی خدمات انجام دی ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔

یورپی اقوام نے اسلامی درس گاہوں سے تعلیم حاصل کر کے اسے اپنایا اور اپنی زبان میں ترجمے کر کے اسلامی علوم پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

اسلامی رواداری

اسلام رواداری کی تعلیم دیتا ہے، انبیائے سابقین نے جو اپنے پیروکاروں کو تعلیم دی ہے وہ ان ہی قوموں کے لیے موزوں اور مناسب تھی جن میں وہ مبعوث ہوئے۔ پھر حضرت محمد ﷺ کو تمام انسانیت کی رہنمائی کے لیے بھیجا جنھوں نے پیش رو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مذہبی تعمیر کو مکمل کر دیا اور وہ تعلیمات دنیا کے سامنے پیش فرمائیں جو ہماری تمام ضروریات کے لیے ہر زمانے میں کافی ہیں کیونکہ ان کی بنیاد فطرت کے بنیادی اصولوں پر رکھی گئی ہے اور ان تمام بنی نوع انسان کا مفاد پیش نظر ہے۔

اللہ عزوجل شانہ نے حکم دیا ہے کہ تمام انبیائے کرام کی عزت کرو اور کسی نبی میں فرق نہ کرو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔
مومن اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔

آزادی

دوستو! آزادی کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ بے حیائی عام ہو اور عورتیں مردوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر سر بازار پھریں۔ اللہ کے لیے آزادی کا مطلب یہ نہ لیجیے، یہ تو سراسر گمراہی اور بے حیائی ہے۔

آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کو اس کے طرز عمل میں مقررہ حدود کے اندر رہ کر اختیار حاصل ہو، مثلاً مذہبی آزادی میں ہر مذہب کے افراد کو اپنے مذہب کے مطابق رسومات ادا

کرنے کی اجازت ہو۔ سیاسی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ سیاست میں سب کے حقوق بحال ہوں، کسی پر کوئی جبر وتشدد نہ ہو، کسی عامل کی برائیوں کے خلاف بولنے کی اجازت ہو اور اصلاح کے طریقہ ہائے کار پیش کرنے کا اختیار ہو، اسی طرح ہر شخص کو اپنی رائے کے مطابق اپنا سردار، اپنا پیشہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہو، کسی جماعت یا مخالف گروہ پر پابندی نہ ہو کسی گروہ یا جماعت کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی نہ ہو، بلکہ عوام کو ان کے پورے پورے حقوق حاصل ہوں، مغرب میں ایسی آزادی بالکل مفقود ہے بلکہ اسلام میں جس کے قوانین کا بنانے والا خود اللہ ہے ہر قسم کی آزادی حاصل ماسوائے فحاشی اور بے حیائی کے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے یا اپنے مسلک پر اڑا رہے، اسلام کسی قسم کی سختی کو جائز قرار نہیں دیتا۔

مساوات

اخوۃ للمومنین سے ظاہر ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو انصار ومہاجرین کو مواخات کا سبق دیا اور فرمایا: مسلمان بھائی ہیں اور بھائیوں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے اس درس اخوت نے مسلمانوں میں ایسی روح پھونکی کہ انھوں نے اپنی جائیدادیں اور مال واسباب سب بانٹ دیا۔

آپ نے فرمایا کہ گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر فوقیت نہیں، نہ ہی کسی خاندان کی وجاہت کی وجہ سے کسی کو فوقیت حاصل ہو سکتی ہے، اللہ کے حضور میں سب برابر ہیں۔

نماز میں امیر وغریب، اعلیٰ وادنیٰ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور ایک ہی امام کی اقتدا میں اللہ کے حضور جھکتے ہیں۔ اس نظم وضبط کی مثال بھی کسی دیگر مذہب یا قوم میں نہیں ملتی۔

اللہ کے قانون کے آگے سب امیر وغریب اور شاہ وگدا ایک سے مجرم ہوتے ہیں۔ انصاف کے کٹہرے میں بادشاہ غلام کے برابر کھڑا ہو کر داد پاتا ہے۔

آج کسی مغربی ملک میں ایسا انصاف ہے؟ ذرا غور کیجیے ترقی یافتہ ممالک نے کس بات میں ترقی کی ہے؟

غربا کی امداد

کسی ملک سے سماجی برائیوں، مثلاً ڈاکہ، دھوکہ دہی، قتل وغارت جیسی برائیوں کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے افراد کو افلاس سے نجات دلائی جائے۔

اس مقصود کے لیے اسلام نے زکاۃ کا نظام قائم کیا ہے، جس سے غربا کی حاجت روائی ہوسکتی ہے اور غربا کی ضروریات پوری ہوجائیں تو وہ برائی پر آمادہ نہیں ہوتے، زکاۃ کا نظام ملک وقوم سے افلاس کے مرض کو دور کرنے کا بہترین نظام ہے۔ نہ کوئی بھوکا مرے گا، نہ چوری ڈاکے کی واردات پیش آئے گی۔ نہ پولیس اور ججوں کی ضرورت پیش آئے گی، کیسا اچھا طریقہ ہے، کیسا اچھا نظام ہے، کسی دوسرے مذہب میں یا قوم میں ماسوائے اسلام کے ایسی خوبی نظر نہیں آتی کہ غریب عوام کو امرا اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ دیں۔

قانون وراثت

اسلام کا قانون وراثت سرمایہ داری کا قلع قمع کرتا ہے۔ بڑے سے بڑے مالدار کی جائیداد جب اس کے ورثا میں تقسیم ہوتی ہے تو اس کی جائیداد کے کئی حصے ہوجاتے ہیں، کہیں بیوی کا مہر بیوی کا حصہ، ماں اور باپ کا حصہ، دادا دادی کا حصہ، بھائیوں اور بہنوں کے حصے، بیٹے اور بیٹیوں کے حصے، پوتے اور پوتیوں کے حصے، اسی طرح سے جائیداد مختلف حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

اس قانون کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس گھر یا خاندان کا ہر فرد اس کی جائیداد سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ لڑکیاں لڑکوں سے گو کم حصہ پاتی ہیں، لیکن جب لڑکوں کو حق مہر ادا کرنا پڑے تو لڑکیاں لڑکوں کے برابر پہنچ جاتی ہیں، اسلام کے اس عمدہ نظام کی مثال نہیں ملتی۔

سود اور تجارت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیع یعنی تجارت کو حلال اور سودی

کاروبار یعنی ربی کو حرام قرار دیا ہے۔

دوستو! سود لینے سے سودخور کے مال میں اضافہ ہوتا ہے لیکن غریب قرض دار، سودخور کے سود کے بوجھ تلے دبتا جاتا ہے۔ قرض خواہ اپنے قرض کی رقم کو سود کی مدد سے بڑھاتا جاتا ہے اور بہت اچھے طریقوں سے وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن غریب قرض دار قرض دے نہیں پاتا تو ذلیل ورسوا ہوتا ہے۔ اس طرح سے دونوں میں کشمکش شروع ہوجاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوجاتے ہیں، کہیں غریب جیل میں ہوتا ہے تو کہیں مالدار تہہ تیغ ہوجاتا ہے۔

غرض اسلام نے سودخواری کی لعنت کو ختم کردیا اور مالداروں کو اپنی دولت ناجائز طریقوں سے بڑھانے کی اجازت نہیں۔ تجارت کو اس لیے حلال قرار دیا گیا ہے کہ اس میں محنت کی ضرورت ہے، پھر کبھی منافع تو کبھی خسارہ بھی ہوتا ہے، کبھی خوشی کا موقع ہوتا ہے تو کبھی غم بھی آتا ہے، تجارت میں بھی زیادہ منافع لینا اور ذخیرہ اندوزی کرنا جائز نہیں ہے۔

عالمگیر اخوت

اسلام نے رنگ اور نسب کے امتیاز کو ختم کرکے سب اسلامی برادری کو ایک ہونے کا حکم دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ بے شک مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

چنانچہ اس بھائی چارے کی مثال حج بیت اللہ شریف کے موقعہ پر ملتی ہے، جب لاکھوں کی تعداد میں مسلمان بھائی سب ایک ہی سعی وکوشش میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس اسلامی برادری میں کسی کو رنگ ونسل کی وجہ سے کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ شخص بزرگ ہوسکتا ہے جو پرہیزگاری اور تقویٰ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

ترجمہ: بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اسلام غلاموں کے ساتھ بھی بھائیوں جیسا سلوک کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وہ تمہارے بھائی ہیں جنھیں اللہ نے تمہارے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ ان کی دلجوئی کرو، جیسا خود کھاؤ ان کو کھلاؤ، جیسا خود پہنو اُن کو پہناؤ۔

پھر غلاموں کو آزاد کرنے کا بڑا اجر ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آگ سے آزاد فرمائے گا۔

عورتوں کے حقوق اور طلاق

اسلام نے عورتوں کو مساوی حقوق دیے ہیں، مستورات جائیداد پر قابض ہوسکتی ہیں، خاتون کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہوسکتی اور ناسازگار حالات میں خاوند سے علیحدگی کا حق حاصل ہے، اگر شادی کے بعد مخالفت پیدا ہوجائے تو خاوند بیوی کو باہم صلح کے لیے ایک حکم (پنچ) مقرر کرنا چاہیے، اگر مصالحت ہوجائے تو فبہا ورنہ طلاق عمل میں آئے گی۔ اعلان طلاق کے بعد تین حیض کی عدت ہوگی، اگر اس مدت میں پھر باہم تعلقات قائم کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، ورنہ عدت کے بعد فریقین اپنی حسب منشا جہاں چاہیں شادی کرسکتے ہیں، جب کہ مغربی ممالک میں باہمی رضامندی سے طلاق نہیں ہوسکتی بلکہ یہ ضروری ہے کہ مرد سے طلاق لینے کے لیے خاتون مرد کی حرام کاری اور ظلم کا ثبوت دے۔ علاوہ ازیں طلاق لینے میں اتنا خرچ آتا ہے کہ ایک غریب آدمی اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ نہ عیسائیت نہ ہندو مذہب نے طلاق کی اجازت دی ہے۔ عیسائی ملکوں میں طلاق کے جواز میں قوانین پاس کیے گئے ہیں اور ہنود بھی ایسا قانون پاس کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ دنیا کس طرح اب وہ اصول اختیار کرتی جارہی ہے جن کو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے مقرر کیا تھا۔

غرض کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جسے تمام دنیا کے مذاہب پر فوقیت حاصل ہے اور ہمہ گیر مساوات، عالمی برادری اور مذہبی رواداری کا حامل ہے۔

اسلامی قوانین کے آگے دنیا کے تمام قوانین ہیچ ہیں کیونکہ اس مذہب کے قوانین کا تیار

کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور ان کو رائج کرنے والا امام الانبیاء ہے تو دنیا کا کوئی قانون اور کوئی تہذیب اسلامی تہذیب کے سامنے نہیں چل سکتی۔

اس لیے اسلامی قوانین اور اصولوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی طریقے اختیار کرنا بے شک موجب ہلاکت وتباہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیک راہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلامی اصول اختیار کرنے کی ہدایت بخشے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ

ڈجکوٹ روڈ، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین مواعظ رضویہ (حصہ سوم)

(ختم شد)

حرفِ آغاز

اَلحَمدُ لِلّٰہِ :- کتاب "مواعظ رضویہ" حصہ سوم چھپ کر زیورِ علم و فن آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ کتاب بڑے سادہ دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اشعار کی بجائے قرآنی آیات، احادیث، حکایات و اقوال بزرگانِ دین کا اتنا بڑا مواد ہے کہ آپ کو دوسری کتب وعظ میں ملنا محال ہے۔

ہم نے مصنف موصوف سے اُن کے تمام وعظوں کے حقوق حاصل کر لئے ہیں۔ اور آئندہ باقی حصص انشاء اللہ العزیز آپ کی خدمت میں جلد ہی پیش کر رہے ہیں۔

کتاب علمی نقطہ نگاہ سے بلند پایہ ہے۔ ہر موضوع دلائل و براہین سے واضح کیا گیا ہے۔ وعظ کی جامع و مدلل کتاب ہے۔ حالاتِ حاضرہ سے متعلقہ موضوعات پر عوام کی تنبیہ کے لئے زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس کتاب کے ہوتے ہوئے مقرر کو وعظ کی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ صرف یہی کتاب عالم فاضل بنا دیتی ہے۔

دوسری کتب وعظ سے اخذ کردہ تقریر سے عوام کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا صاحب فلاں کتاب سے بیان فرما رہے ہیں۔ مگر مواعظ رضویہ آپ کو اس بات سے بے نیاز کر دے گی۔ آپ خود مسائل کو اپنی طرز پر سیٹ کر کے خود اپنی تقریر تیار کریں اور عوام کو دینِ حق سے روشناس کرائیں آپ بوقتِ ضرورت اشعار خود لگا سکتے ہیں۔ مصنف موصوف کی طبیعت اشعار کیطرف مائل نہ تھی۔

المختصر یہ کتاب علماء و مقررین کے لئے معاون و مددگار کتاب ہے

وعظ سے پیشتر چند منٹ صرف کئے ہوئے آپ کو تحسین و آفرین سے ہمکنار کردیں گے۔

ہم نے یہ کتب خانہ کسی ذاتی غرض و غایت کے پیش نظر قائم نہیں کیا بلکہ مذہب برحق اہلسنت و جماعت کی خدمت و اشاعت ہمارا نصب العین ہے۔ ہم بڑی کوشش سے اپنے مسلک سے متعلقہ کتب فراہم کرتے ہیں۔

آپ سے استدعا ہے کہ آپ بھی ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں کتابیں منگوا کر پڑھیں تاکہ ہم اپنے نصب العین میں کامیاب ہوسکیں۔ مزید التماس کہ اپنے قیمتی مشوروں سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس کتب خانہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو۔

دعاگو

فقیر ابو سلیم محمد اسلم علوی، قادری، رضوی

مالک و مینجر سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ لائیلپور

پہلا وعظ

حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم اوّل مخلوق اور باعث ایجاد عالم ہیں

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وتبارک ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

ان کلمات اعجاز سمات میں حمد خدا اور ثنائے الٰہی بیان کی گئی ہے۔ نیز یہی آیت حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت اور وصف کو بھی متضمن ہے یعنی جیسا کہ اوّل آخر۔ ظاہر۔ باطن اسمائے وصفات خداوندی ہیں اسی طرح اوّل، آخر، ظاہر، باطن حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے اسماء اور صفات بھی ہیں۔ کیونکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اسماء و صفات الٰہی سے متخلق اور متصف ہیں۔ (مدارج جلد اول صـ۲)

اول، آخر، ظاہر، باطن اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ظاہر باہر ہیں مگر یہ اوصاف حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اسطرح ہیں کہ آپ اول تو اس لئے ہیں کہ سب سے اول آپکا نور مخلوق ہوا جب کہ نہ آسمان تھا نہ زمین۔ نہ لوح تھی اور نہ قلم نہ آدم تھے نہ جن تھے نیز روز میثاق سب سے پہلے آپ نے بلیٰ کہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ پر سب سے پہلے آپ نے ایمان لایا تھا۔ قَالَ اللّٰہُ تبارک وتعالیٰ وبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ نیز قیامت کے روز اول آپ ہی قبر انور سے باہر تشریف لائینگے اور آپ ہی اولا درشفاعت کھولینگے اور سب سے پہلے آپ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ اور آخر آپ اس لئے ہیں کہ آپ کی بعثت سب انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہوئی۔ آپ کا دین آخری دین ہے اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے کہ اسلام اور قرآن کے بعد کوئی دین اور کتاب نہیں ہوگا۔ ظاہر اس لئے ہیں کہ تمام آفاق عالم میں آپکے انوار موجود ہیں جس سے عالم روشن ہے۔ اور باطن یعنی پوشیدہ اس لئے ہیں کہ آپ کی حقیقت نگاہ عالم سے پوشیدہ ہے۔ اور حقیقت محمدیہ صلوٰۃ اللہ علیہا وسلامہ کو سوائے خداوند عالم کے کسی نے نہ جانا۔ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اس لئے ہیں کہ آپ باذن اللہ ہر شے کے عالم ہیں (مدارج جلد اول صـ۳)

حضرات مسلمین! اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول پاک کا نور سب سے اول پیدا فرمایا جب کہ نہ زمین تھی نہ آسمان نہ شمس و قمر نہ ملائکہ۔ نہ جن و انسان تھا۔ غرضیکہ اسوقت سوائے رب العزت جل و علیٰ کے کچھ بھی نہ تھا۔ حدیث میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (مدارج النبوت حصہ دوم صا/ تاریخ حبیب اللہ ص۳ شہاب ثاقب مصنفہ مولوی حسین احمد دیوبندی ص۴۷ معارج کن اول ص۱۹۶)

ترجمہ:۔ سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ ایک حدیث پاک میں وارد ہوا ہے۔ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ مگر اس حدیث میں اولیت اضافی ہے کہ عرش اور پانی کے بعد قلم کو پیدا فرمایا۔ اور حضور انور کے نور والی حدیث میں اولیت حقیقی ہے لہٰذا تعارض منتفی ہو کر دونوں حدیثوں میں تطابق ہو گیا۔ (مدارج حصہ دوم صا)

بعض علماء نے ان حدیثوں کا جواب یہ دیا ہے۔ نور اور عقل اور علم سب عبارت نور مصطفٰے سے ہے۔ چونکہ حضور ظاہر بنفسہٖ ہیں اور مظہر لغیرہٖ ہیں اس اعتبار سے آپ کو نور کہا گیا۔ اس جہت سے کہ آپ کو جملہ اشیاء کا تعلق ہے اس لحاظ سے آپ کو عقل کہا گیا۔ اس حیثیت سے کہ تمام علوم لوح محفوظ میں آپ کے واسطے سے مندرج ہیں۔ اس واسطے آپ کو قلم کہا گیا (معارج رکن اول ص۱۹۶)

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۱۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ حضور کے لئے نبوت کب سے ثابت ہے فرمایا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی ابھی تک آپ کے روح کا تعلق آپ کے جسم کیا تھ نہیں تھا۔ ثابت ہوا کہ حضور کے نور کی تخلیق آدم علیہ السلام سے قبل ہے اور حضور آدم سے پہلے نبی بن چکے تھے۔

(۲) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ وَسَاُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ

دَعْوَۃُ اِبْرَاهِيْمَ وَبِشَارَۃُ عِيْسٰی وَرُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ رواہ فی شرح السنۃ (مشکوٰۃ ص۵۱۳)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسوقت خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی گوندھی ہوئی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ میں ابھی اپنے امر کا اول بیان کرتا ہوں۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں اور عیسٰے علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی اماں جان کا وہ رویا آنکھ سے دیکھا ہوں جسکو انہوں نے مجھے جنتے ہوئے دیکھا۔ بالیقین (اسوقت) ایک نور نکلا جس سے میری اماں جان کے سامنے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

فائدہ: حضرات اس حدیث پاک سے تین باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے پہلے مخلوق ہوئے دوسری یہ کہ آپ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حضور نور حسی ہیں۔ کہ ولادت کے وقت اتنی روشنی ہوئی کہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شام کے محلات کو ملاحظہ فرمالیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

(۴) حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (مدارج حصہ دوم ص۳) ترجمہ:۔ میں اسوقت نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(۵) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَبِّيْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ ص۳)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے ہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال قبل نور تھا۔ یعنی میرا نور آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت قبل ہے۔

(۶) رَوَى عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِسَنَدِهٖ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْاَشْيَاءِ قَالَ

یا جابر اِنَّ اللّٰہ تعالٰی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذالک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللّٰہ تعالٰی ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انسی فلما اراد اللّٰہ تعالٰی ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم و من الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربع اجزاء فخلق من الجزء الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملائکۃ ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاول السموٰت ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنۃ والنار ثم قسم الرابع اربعۃ اجزاء الحدیث بطولہ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز پیدا فرمائی فرمایا اے جابر بیشک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا اس وقت لوح و قلم۔ جنت و دوزخ فرشتگان آسمان و زمین۔ سورج چاند جن و انسان کچھ نہ تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے فرمائے پہلے سے قلم دوسرے سے لوح۔ تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ پہلے سے فرشتگان حامل عرش۔ دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کئے پھر چوتھے کے چار حصے کئے پہلے سے آسمان۔ دوسرے سے زمین۔ تیسرے سے بہشت و دوزخ بنائے۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ الیٰ آخر الحدیث۔

اس حدیث کو علامہ زرقانی نے شرح مواہب جلد اول صہ۴۶ میں۔ امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں۔ علامہ یوسف بن اسماعیل نے انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صہ۱۳ میں علامہ شیخ محقق دہلوی نے مدارج النبوۃ صہ۳۰۹ جلد اول۔ علامہ فہامہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی نے سیرت حلبی صہ۳۷ میں اور علامہ فاسی امام مہدی بن احمد نے مطالع المسرات صہ۲۱ میں اور خاتم الفقہاء والمحدثین شیخ شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی

نے فتاویٰ حدیثیہ ص۵۱ میں درج فرمایا۔ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص۶ میں اور مولوی محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے مقامات کے حاشیہ ص۱ میں اس حدیث کو نقل کیا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ کَمْ عُمِّرْتَ مِنَ السِّنِیْنَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَسْتُ اَعْلَمُ غَیْرَ اَنَّ فِی الْحِجَابِ الرَّابِعِ نَجْمًا یَطْلُعُ فِیْ کُلِّ سَبْعِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مَرَّةً رَأَیْتُهُ اِثْنَیْنِ وَسَبْعِیْنَ اَلْفَ مَرَّةٍ فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ وَعِزَّةِ رَبِّیْ جَلَّ جَلَالُهٗ اَنَا ذٰلِكَ الْکَوْکَبُ (سیرت حلبی ص۳۶)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا اے جبریل بتاؤ تمہاری عمر کتنے سال کی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ اسکا مجھے کوئی علم نہیں البتہ حجاب رابع میں ایک ستارہ ستر ہزار سال کے بعد ایک دفعہ طلوع کرتا تھا اس کو میں نے بہتر ہزار دیکھا۔ آپ نے فرمایا اے جبریل مجھے اپنے رب کی عزت و جلال کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے مخلوق ہو چکے تھے۔

حضور تمام مخلوقات کی پیدائش کیلئے واسطہ ہیں:۔ حضرات! یہ ساری کائنات آسمان و زمین، شمس و قمر، جنت دوزخ، انس و جن حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں وجود میں آئی ہے۔ اگر آپ کی ذات بابرکات تشریف نہ لاتی تو عالم میں کوئی ایک شئے بھی پیدا نہ ہوتی۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم است (مدارج حصہ دوم ص۱)

الحاصل شمس و قمر کی روشنی گلاب و چنبیلی کی خوشبوئیں۔ باغ کے پھول اور

سارے عالم کی یہ چہل پہل اور رونقیں محض اور صرف حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے وجود میں آئی ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔

توئی شاہ وایں جملہ خیل تو اند
تو مقصود وا ینہا طفیل تو اند

نیز اعلحضرت عظیم البرکت بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

ہے انہی کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حضور علیہ السلام کے واسطہ سے پیدا کیا (مدارج جلد اول ص ۳۰۹) معلوم ہوا کہ آپ تمام کائنات کے کے لئے واسطہ ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ اس مضمون پر بہت حدیثیں اور اقوال صحابہ ناطق ہیں۔ سنئے۔

(۱) عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ هَبَطَ جِبْرِيْلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اِنْ كُنْتُ اتَّخَذْتُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا فَقَدِ اتَّخَذْتُكَ حَبِيْبًا وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْكَ وَلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَاَهْلَهَا لِاُعَرِّفَهُمْ كَرَامَتَكَ وَمَنْزِلَتَكَ عِنْدِيْ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ ص ۱۴، مدارج حصہ دوم ص ۲۰)

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ کا رب فرماتا ہے میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنایا مگر آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ کسی مخلوق کو آپ سے زیادہ بزرگ پیدا نہیں کیا۔ بیشک میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اسو اسطے پیدا فرمایا کہ جو عزت و منزلت آپ کی میرے نزدیک ہے ان پر ظاہر کردوں۔ اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

(۲) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِمَّ خُلِقْتَ قَالَ لَمَّا اُوْحِيَ اِلَيَّ رَبِّيْ مَا اُوْحِيَ قُلْتُ يَا رَبِّ مِمَّا خَلَقْتَنِيْ قَالَ تَعَالٰى وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآئِيْ قُلْتُ يَا رَبِّ مِمَّ خَلَقْتَنِيْ قَالَ تَعَالٰى وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ جَنَّتِيْ وَلَا نَارِيْ (نزہۃ المجالس حصہ دوم ص۸۱)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ کس لئے مخلوق فرمائے گئے۔ فرمایا۔ جب مجھ پر وحی نازل ہوئی میں نے عرض کی اے رب تو نے مجھے کس لئے پیدا فرمایا۔ ارشاد ہوا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی زمین اور آسمان کو پیدا نہ فرماتا۔ پھر میں نے یہی عرض کیا۔ پھر مجھے خطاب ہوا۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی جنت ودوزخ کو نہ بناتا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما تحت تفسیر آیہ کریمہ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَاهُ تحریر فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے الواح تورات عنائیت ہوئیں تو آپ بہت خوش ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔ خدایا تونے مجھے ایسی کرامت کے ساتھ سرفراز فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی کو اس کے ساتھ مکرم نہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) چونکہ ہم نے تیرے قلب کو سب سے زیادہ متواضع پایا۔ لہٰذا کلام ورسالت سے مشرف فرمایا خُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ وَمُتْ عَلَى التَّوْحِيْدِ وَعَلٰى حُبِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرو اور میری توحید اور محبت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جان دینا۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ الٰہی محمد کون ہیں۔ جسکی محبت میری توحید سے مقرون ہے۔ ارشاد ہوا کہ محمد (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) وہ ہیں کہ جن کا نام نامی دو ہزار برس پہلے آسمان وزمین کی پیدائش سے میں نے عرش پر لکھا ہے۔ اگر تو میری بارگاہ میں نزدیکی چاہتا ہے تو ان پر بکثرت درود بھیجا کر۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض

کی الٰہی! مجھے محمد (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) سے آگاہ فرمادے کہ وہ کون ہیں۔ جن کے بغیر تیرے دربار میں قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ خطاب آیا۔ اے موسیٰ لولا محمدٌ وَ اُمَّتُہٗ لَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَا النَّارَ وَلَا الشَّمْسَ وَلَا الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلَ وَلَا النَّہَارَ وَلَا مَلَکًا مُقَرَّبًا وَلَا نَبِیًّا مُرْسَلًا وَلَا اِیَّاکَ۔ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور انکی امت نہ ہوتی تو میں بہشت و دوزخ۔ چاند۔ سورج شب و روز۔ ملائکہ انبیا کسی کو پیدا نہ کرتا۔ اور نہ تجھے پیدا کرتا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ خدایا۔ کیا میں تیرے دربار میں زیادہ محبوب ہوں یا محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم زیادہ محبوب ہیں ارشاد ہوا اے موسیٰ تو میرا کلیم ہے اور محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میرے حبیب ہیں اور قاعدہ ہے کہ حبیب کلیم سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ خداوند کلیم اور حبیب میں فرق کیا ہے ارشاد ہوا اے موسیٰ (علیہ السلام) کلیم وہ ہوتا ہے جو خدا کو دوست رکھے اور اسکی رضا طلب کرے۔ حبیب وہ ہوتا ہے کہ خود خدا اسکو دوست رکھتا ہے۔ اور اسکی رضا چاہتا ہے (حدیث قدسی میں ہے۔ یَا مُحَمَّدُ (صلے اللہ علیہ وسلم) کُلٌّ اُحِدٍ یَطْلُبُ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ (نزہتہ المجالس ص۸۲ حصہ دوم)

نیز کلیم وہ ہوتا ہے جو چالیس روز روزہ رکھے اور چالیس راتیں عبادت کرے پھر خود کوہ طور پر آئے اور میرے ساتھ کلام کرے۔ حبیب وہ ہوتا ہے جو اپنے بستر مبارک محو خواب ہو اور میں خود جبریل (علیہ السلام) کو بھیج کر اپنے پاس بلاؤں اور اس سے ہم کلام ہوں (معارج النبوت رکن اول ص۱۳)

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک روز بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ جب میں زبور پڑھتا ہوں تو ایک ایسا نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے میرے دل کو راحت و چین حاصل ہوتا ہے اور میرا تمام عبادت خانہ روشن و منور ہو جاتا ہے اور محراب و در جنبش میں آتے ہیں۔ خداوندا یہ نور کیسا ہے۔ خطاب آیا۔ یہ نور میرے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لِاَجْلِہٖ خَلَقْتُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ وَاٰدَمَ وَحَوَّاءَ وَالْجَنَّۃَ وَالنَّارَ۔ یعنی ان ہی کے لئے میں نے دنیا اور آخرت کو پیدا کیا اور آدم وحوا۔ جنت و دوزخ کو

پیدا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب رونقیں حبیب خدا کے لئے بنائی گئی ہیں۔ (معارج رکن اول صـ۱۳)

(۵) اَلدَّیْلَمِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا مَرْفُوْعًا اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَلَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ (سیرت نبوی صـ۶)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرئیل (علیہ السلام) نے میرے پاس آکر کہا کہ اللہ تبارک وتعالٰے ارشاد فرماتا ہے۔ محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت نہ پیدا کرتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ نہ بناتا۔

(۶) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کی اے میرے رب حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں میری خطا معاف فرما۔ ارشاد ہوا۔ آدم۔ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیونکر پہچانا۔ عرض کی کہ جب تو نے مجھے اپنے ید قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں روح ڈالی۔ میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لکھا دیکھا اس سے میں نے جان لیا اور سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام جہان سے پیارا ہے۔ بس اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ صَدَقْتَ یَا اٰدَمُ اِنَّہٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِذَا سَاَلْتَنِیْ بِحَقِّہٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ۔ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِہٖ (سیرت نبوی صـ۶، مدارج النبوت حصہ دوم صـ۲، انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صـ۱۴)

یعنی اے آدم تو نے درست کہا واقعی وہ مجھے سارے جہان سے پیارا ہے۔ تو نے جب ان کا واسطہ پیش کیا تو میں نے تجھے بخش دیا۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو اے آدم میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی یَا رَبِّ بِحُرْمَۃِ ہٰذَا الْوَلَدِ ارْحَمْ ہٰذَا الْوَالِدَ فَنُوْدِیَ یَا اٰدَمُ لَوْ تَشَفَّعْتَ اِلَیْنَا بِمُحَمَّدٍ فِیْ اَہْلِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَشَفَّعْنَاكَ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صـ۱۴)

ترجمہ:- اے میرے پروردگار اس ولد کی برکت سے اس والد پر رحم کر اور خطاء معاف فرما- آواز آیا اے آدم اگر تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش تمام آسمان والوں اور زمین والوں کے حق میں کرتا تو میں تیری سفارش قبول کرتا اور سب کو بخش دیتا- سبحان اللہ- حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم وہ مرتبہ عظمیٰ رکھتے ہیں کہ ان کے واسطے سے سب کی مغفرت ہوتی ہے- للہذا مسلمانو! ہم بھی اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے ان کا وسیلہ تلاش کریں-

دوسرا وعظ

بیان ولادت پاک حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ - پارہ ۶

حضرات! آج کی مجلس میں بیان کیا جائیگا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسطرح اپنے آباء کرام کی پشتوں میں تشریف لائے اور ان حضرات کو آپ نے کیا رحمت و کرم عنایت فرمایا- روایت میں ہے- جب خدائے قدوس و برتر نے اپنے حبیب پاک کا نور پیدا فرمایا- اور اس نور سے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار کو ظاہر فرمایا تو حضور کے نور کو ان کے انوار کی طرف نظر کرنے کا حکم دیا- پس اسی نور کرامت ظہور نے جب انوار انبیاء پر بموجب حکم احکم الحاکمین نظر فرمائی تو آپ کے نور کی روشنی کے آگے تمام انبیاء کرام کے انوار کی روشنی مضمحل اور ماند ہوگئی اور سب نبیوں کے نور پر آپ کا نور غالب آیا- انوار انبیاء نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی- مولا یہ کس کا نور ہے جس کی چمک دمک کے روبرو ہمارے انوار پھیکے پڑ گئے- ارشاد ہوا یہ نور میرے پیارے حبیب محمد بن عبداللہ کا ہے- اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو مرتبہ نبوت پر فائض ہوگے سب نے یک زبان ہوکر عرض کی- مولا! ہم اس پر اور اسکی نبوت پر ایمان لائے- ارشاد ہوا پس میں تم پر گواہ ہوں- سبحان اللہ- ہمارے رسول پاک کا کیا بلند مکان ہے کہ تمام

انبیاء کرام اور رسل عظام کو ان کے صدقے میں نبوت عطا فرمائی جا رہی ہے۔ بلکہ ان سب سے حضور پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا اقرار لیا جا رہا ہے۔ قرآن پاک میں اسکی تفصیل موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ پارہ ۳ سورۃ آل عمران

ترجمہ:۔ یاد فرمائیے اے محبوب جب خدائے برتر نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس رسول معظم تشریف لائے تصدیق فرماتا اسکی جو تمہارے پاس ہے تو ضرور بر ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اسکی مدد کرنا۔ پھر فرمایا۔ کیا تم نے اقرار کیا۔ اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی۔ ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور فرمان ہے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ہمارے رسول معظم صرف ہمارے نبی نہیں ہیں بلکہ جملہ انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں حضور سراپا نور کے امتی ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

علامہ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام پر لکھتے ہیں

"پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء است وظاہر گردد ایں معنی آخرت کہ جمیع انبیاء تحت لوائے وے باشد صلی اللہ علیہ وسلم وہمچنیں درشب اسراء امامت کرد ایشاں را واگر اتفاق مے افتاد ہمی او در زمن آدم ونوح۔ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ صلوات اللہ علیہم واجب میگشت برایشان وبرامم ایشاں ایمان بوے ونصرت وے۔ (مدارج حصہ دوم صد۲، انوار محمدیہ صلا)

شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَتَكُوْنُ نُبُوَّتُهٗ وَرِسَالَتُهٗ عَامَّةً لِجَمِيْعِ الْخَلْقِ مِنْ زَمَنِ آدَمَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَتَكُوْنُ الْاَنْبِيَآءُ وَاُمَمُهُمْ كُلُّهُمْ مِنْ اُمَّتِهٖ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صـ)

ترجمہ: حضور کی نبوت و رسالت تمام مخلوق کیلئے عام ہے آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر روز قیامت تک تمام انبیاء اور ان کی امتیں حضور کی امت ہیں حضرت علی شیر خدا مشکل کشا کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا مِنْ آدَمَ فَمَنْ بَعْدَهٗ اِلَّا اَخَذَ عَلَيْهِ الْعَهْدَ فِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بُعِثَ وَهُوَ حَيٌّ لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَيَنْصُرَنَّهٗ وَيَاْخُذُ بِذٰلِكَ الْعَهْدَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۝ وَهُوَ يُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَيْضًا (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صـ۱۱، اور شفا جلد اول صـ۲۸)

یعنی اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے سب سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ اگر آپ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں۔ تو وہ ان پر ایمان لائے۔ اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے اسی مضمون کا عہد لے۔ چنانچہ اس عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے مناقب بیان کرتے رہے۔ اور اپنی مجالس و محافل میں حضور کی تعریف کرتے اور اپنی امتوں سے حضور سراپا نور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے۔ یہانتک کہ وہ آخری مژدہ رساں حضرت مسیح بن مریم صلوٰۃ اللہ علیہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ کہتا ہوا تشریف لایا۔

نور پاک پشت آدم میں:۔ اللہ تعالٰے نے آسمان زمین اور شمس و قمر وغیرہ پیدا فرمائے۔ پھر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر تمام عالم میں ندا کی گئی کہ تم میں سے جو کوئی نور مصطفےٰ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی امانت رکھنے کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہو وہ اس امانت کو اٹھالے۔ جب عالم میں سے کسی نے اپنے میں گوہر بے بہا کے ودیعت رکھنے کی قابلیت و اہلیت نہ دیکھی سب نے سر عجز جھکا

دیا۔ تب اشرف المخلوقات حضرت آدم علیہ السلام نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ اہل اشارات فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں اسی امانت کی طرف اشارہ ہے۔ آیۂ شریف یہ ہے۔
اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔ (پارہ ۲۲ سورۂ احزاب)
ترجمہ: بیشک ہم نے امانت (نور مصطفےٰ) پیش فرمائی۔ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان (آدم علیہ السلام) نے اسکو اٹھا لیا۔ (معارج النبوۃ رکن اول صفحہ ۱۹)
الغرض نور مصطفےٰ ونور اللہ کو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں اور بعض روایت ہے کہ آپ کی پشت میں ودلعیت رکھا گیا تو بارگاہ الٰہی میں آدم صفی اللہ علیہ السلام کا رتبہ بہت بلند ہو گیا۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے اس نور مصطفےٰ کی برکت سے آدم علیہ السلام کو جملہ مخلوقات کے اسمار تعلیم فرمائے۔ قرآن پاک میں ہے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (مدارج حصہ دوم صفحہ ۴۲) یعنی اللہ تعالےٰ نے جملہ اسماء آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائے۔ کتاب ابریز شریف میں ہے کہ اس آیت میں اسماء سے مراد اسماء عالیہ ہیں نہ سافلہ فَاِنَّ كُلَّ مَخْلُوْقٍ لَهٗ اِسْمٌ عَالٍ وَاِسْمٌ نَازِلٌ فَالْاِسْمُ النَّازِلُ هُوَ الَّذِيْ يُشْعِرُ بِالْمُسَمّٰى فِي الْجُمْلَةِ وَالْاِسْمُ الْعَالِيْ هُوَ الَّذِيْ يُشْعِرُ بِاَصْلِ الْمُسَمّٰى وَمِنْ اَيِّ شَيْئٍ هُوَ وَبِفَائِدَةِ الْمُسَمّٰى وَلِاَيِّ شَيْئٍ يَصْلُحُ (ابریز شریف)
ترجمہ: یعنی ہر مخلوق کے دو نام ہوتے ہیں۔ عالی اور نازل۔ اسم نازل وہ ہوتا ہے جو فی الجملہ مسمیٰ کی خبر دیتا ہے اور اسم عالی وہ ہوتا ہے جو اصل مسمیٰ کیطرف مشعر ہوتا ہے۔ اور وہ کس چیز سے بنایا گیا ہے۔ اور اسکا فائدہ کیا ہے۔ اور کس چیز کی صلاحیت رکھتا ہے۔
نیز اللہ تعالےٰ نے اس نور پاک کی برکت سے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا اور تمام ملائکہ نے سجدہ کیا (مدارج حصہ دوم صفحہ ۴۲)
قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ٥ پارہ پہلا

ترجمہ:- اور یاد کرو- جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو- تو سب نے سجدہ کیا- سوا ابلیس کے- منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا-

محققین اور عرفا فرماتے ہیں کہ یہ ملائکہ کا سجدہ ظاہر آدم علیہ السلام اور درحقیقت نور محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو تھا- (سیرۃ نبوی ص۵)

جب ملائکہ سجدہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو بذریعہ ملائکہ بہشتی جوڑا پہنایا جس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) منقوش تھا- سر پر نورانی تاج رکھا- اور فرشتوں نے بہشتی تخت پر بٹھایا- ستر ہزار فرشتے آدم علیہ السلام کے دائیں طرف ستر ہزار فرشتے بائیں طرف- ستر ہزار فرشتے آپ کے آگے- ستر ہزار فرشتے آپ کے پیچھے ہو کر صلاۃ و تحیۃ پڑھتے ہوئے بہشت میں لے گئے- وہاں رضوان خلد بریں اور حوران ماہ جبین نے آپ کا شاندار استقبال کیا- اور آپ پر صلاۃ و تسلیم کے طباق نچھاور کئے (معارج رکن اول ص۲۲۷)

منقول ہے کہ جب نور محمدی پیشانی آدم میں جلوہ فرما ہوا- آپ اپنی پیشانی سے باریک آواز سننے لگے- بارگاہ خداوندی میں عرض کی- مولا! یہ آواز کیسی ہے ارشاد ہوا- اے آدم یہ آواز ہمارے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کی تسبیح ہے- جو تمہارا فرزند ارجمند ہوگا- (معارج رکن دوم ص۵)

تفسیر بحر العلوم نسفی میں ہے کہ جب نور محمدی پیشانی آدم علیہ السلام میں رونق افروز ہوا تو ملاء اعلیٰ میں ان کی تعظیم ہونے لگی- تمام ملائکہ آپ کے پیچھے بطور اکرام و تعظیم کے چلتے تو ایک روز آدم علیہ السلام نے بارگاہ میں عرض کی الٰہی میری اس تعظیم و توقیر کا کیا سبب ہے- خطاب آیا- اے آدم- جو نور تمہاری پیشانی میں جلوہ گر ہے- یہ سب تعظیم و توقیر اس نور محمدی کی ہے- عرض کی- الٰہی! اسے کسی ایسے عضو میں منتقل فرما تاکہ اسکی زیارت سے مشرف ہو سکوں- اور اپنے قلب کو مسرور کر سکوں- چنانچہ وہ نور محمدی آپ کے دست راست کی انگلی سبابہ میں منتقل فرمایا گیا

جب آپ نے اس نور کا مشاہدہ کیا۔ زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس انگلی کو اٹھایا۔ اور پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہی وجہ ہے کہ اس انگلی کا نام شہادت کی انگلی پڑ گیا۔ اسکے بعد اس انگلی کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا۔ اور حضور پر درود شریف پڑھا۔ اس کے بعد معارج النبوت میں منقول ہے۔

گویند در وقت آذان در حین استماع اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسیدن انگشت بر دیدہ نہادن نیز سنت آدم است علیہ السلام واحادیث در فضل آں آوردہ اند (معارج رکن اول ص۲۳۸)

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

ایں سنت درمیان اولاد تا بہ قیامت بگذاشت (معارج رکن اول ص۱۲۴)

ثابت ہوا کہ انگوٹھے چومنا سنت آدم علیہ السلام ہے۔ لہٰذا جو آدم علیہ السلام کی صحیح اولاد ہے وہ چومے گا۔ اور جو اولاد آدم نہیں وہ اسکا انکار کرے گا۔ شامی جلد اول باب الآذان میں ہے۔

یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سِمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًا لَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ۔

حضرت حوا کی پیدائش: جب آدم علیہ السلام بہشت میں قیام پذیر ہوئے اکیلے تھے۔ کوئی ہم جنس نہ تھا۔ تو آپ نے اپنے ہم جنس جوڑے کی درخواست پیش کی پس اللہ تعالےٰ نے ان پر خواب طاری فرمکر ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے۔ حضرت حواء کو دیکھکر نہایت خوش ہوئے اور ان کی طرف دست تصرف دراز کیا۔ ملائکہ مقربین بحکم رب العالمین مانع ہوئے اور کہا اے آدم قبل نکاح وادائے مہر حوا کو ہاتھ نہ لگانا۔ پوچھا۔ ان کا مہر کیا ہے۔ کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ اور ایک روایت میں بیس مرتبہ درود

شریف پڑھنا ان کا مہر ہے۔ پس آدم علیہ السلام نے حضور پر درود پڑھا۔ اور حضرت جل جلالہٗ نے خود خطبہ پڑھکر حوا کا آدم علیہ السلام سے نکاح کیا۔ (مدارج حصہ دوم صفحہ ۵۔ انوار محمدیہ صفحہ ۱۴ سیرت نبوی صفحہ ۸)

نور محمدی کا انتقال بجانب حواؑ:۔ منقول ہے کہ جب آدم علیہ السلام بہشت سے زمین کی جانب بھیجے گئے اور سلسلہ توالد و تناسل کا جاری ہوا۔ تو ایک دن آدم علیہ السلام ایک پاکیزہ مکان میں تشریف فرما تھے کہ اچانک غیب سے ایک نہر صاف شفاف ان کے روبرو جاری ہوئی۔ یہ نہر ایک عظیم نہر تھی جو بہشت سے ظاہر ہوئی تھی۔ اس نہر کے پیچھے حضرت جبرئیل علیہ السلام معہ دیگر ملائکہ مقربین میوہ بہشتی کا طبق ہاتھ میں لئے ہوئے ظاہر ہوئے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ سلام دے کر کہا آپ ان میووں کو جانتے ہیں۔ فرمایا ہاں یہ بہشتی میوے ہیں۔ ملائکہ نے عرض کی کہ آپ یہ بہشتی میوہ تناول فرمائیں۔ اور اس نہر میں غسل فرما کر حضرت حوا سے صحبت کریں۔ کیونکہ آج انتقال نور محمدی بجانب حوا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے وہ میوہ بہشتی تناول فرمایا اور نہر میں غسل کیا۔ اور حضرت حوا کے ساتھ صحبت کی۔ پس وہ نور محمدی حضرت حوا کی جانب منتقل ہوا۔ مدت حمل میں حضرت حوا کے دونوں پستانوں کی درمیانی جگہ سورج کی طرح چمکتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام وقتِ پیدائش سے اس وقت تک تمام ملائکہ کی نگاہوں میں معزز و مکرم تھے۔ اور سب فرشتے ان کی تعظیم کرتے تھے۔ جب نور محمدی حضرت حوا کی طرف منتقل ہوا تو تمام فرشتے حضرت حوا کی تعظیم و تکریم کرنے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ الٰہی! یہ سب فرشتے مجھ سے پھر کر حوا کی تعظیم کرنے لگ گئے۔ حکم ہوا اے آدم یہ سب تعظیم و اکرام تیری اس نور کے باعث تھی جو تیری پشت میں جلوہ فرما تھا اب چونکہ وہ نور حوا کی جانب منتقل ہو گیا۔ لہٰذا ان سب کی توجہ انہیں کی جانب ہو گئی۔ (معارج رکن اول صفحہ ۵۷)

تیسرا وعظ

نور مصطفٰے کا انتقال حضرت شیث علیہ کیطرف

قَالَ تَعَالٰی قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝

حضرات! جب نور محمدی بجانب حوا منتقل ہوا۔ مدت حمل پوری ہوگئی۔ وضع حمل کا وقت آگیا تو حضرت شیث علیہ السلام تن تنہا پیدا ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے ہر حمل سے دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی بقدرت خدا پیدا ہوتے رہے۔ مگر جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو اکیلے پیدا ہوئے ان کے اکیلے پیدا ہونے کی حکمت یہ تھی کہ نور محمدی ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو۔ (مدارج حصہ دوم صہ ٦)

حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت شیث علیہ السلام زیادہ خوبصورت اور نیک سیرت اور مستجمع کمالات تھے۔ اور نور محمدی ان کی پیشانی سے درخشاں تھا۔ جب آپ حد بلوغ کو پہنچے تو آپ سے حفاظت نور حضور پُر نور سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر عہد لیا گیا اور ایک عہد نامہ اس مضمون کا تحریر کرایا گیا کہ وہ نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی حفاظت کریں۔ اور اسے ارحام طاہرات اور اصلاب طیبات میں جائز طور پر پہنچائیں اور اپنی اولاد کو اس نور کی حفاظت کی تاکید بلیغ کریں۔ اور ان سے وصیت فرمائیں کہ وہ بطناً بعد بطنٍ اس عہد نامہ کو ایک دوسرے تک پہنچائیں اور ہر ایک اس پر عمل کرے چنانچہ وہ عہد نامہ مشتمل بمواہیر ملائکہ بموجب وصیت شیث علیہ السلام ان کی اولاد میں قرناً بعد قرن زمانہ حضرت عبداللہ پدر بزرگوار حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تک ہر ایک کو یکے بعد دیگرے موصول ہوتا رہا اور ہر ایک نور محمدی کی حفاظت اور اسے ارحام طیبات میں جائز طور پر پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ لہٰذا نسب شریف حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہر زمانہ میں سفاح جاہلیت سے پاک رہا۔ (معارج رکن اول صہ ۲۵۷، انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صہ ۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے تَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ کی تفسیر یہ فرمائی۔ ہمیشہ بود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تقلب میکرد در اصلاب انبیاء تا کہ بزائید

مادر وے۔ (مدارج حصہ دوم ص۶، سیرۃ حلبی ص۳۴)

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِکُمْ۔ بفتح فا پڑھا اور فرمایا اَنَا اَنْفَسُکُمْ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّحَسَبًا۔ الحدیث۔ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ ص۱۵، مدارج ص۶)

یعنی میں نفیس ترین ہوں تم سے نسب وصہر وحسب کے اعتبار سے ابونعیم نے دلائل میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (انوار محمدیہ ص۱۶، سیرت نبوی ص۹/۸، مدارج حصہ دوم ص۶)

میں تمام زمین کے مشرقوں اور مغربوں میں پھرا یعنی ساری دنیا دیکھی مگر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بہتر کسی کو نہ دیکھا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام ۔ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضور پر نور کے جملہ آباء مسلمان تھے

حضرت آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام والد اور از آدم علیہ السلام تا عبد اللہ و آمنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما سب موحد تھے۔ کوئی بھی مشرک نہ تھا کیونکہ خود سرور دو جہان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِيْ مِنَ الْاَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلَى الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ

انوار محمدیہ ص۱۵، مدارج ص۶، سیرۃ نبوی ص۳۲۔

ایک اور حدیث میں یوں بیان فرمایا۔ لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ (سیرۃ حلبی ص۳۲)

ان دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ میرے جملہ آباء کرام اور مائیں پاک تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی مشرک نہ تھا۔ بلکہ مومن اور موحد تھے۔ کیونکہ مشرک نجس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ

نَجَسٌ۔ بیشک مشرک نجس اور پلید ہوتے ہیں۔ اور حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ و سلم کے جملہ آباؤ اجداد پاک ہیں۔ (سیرۃ حلبی ص ۳۳)

امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِنَّ جَمِیْعَ اٰبَآءِ مُحَمَّدٍ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ وَ مِمَّا یَدُلُّ عَلٰی ذٰلِکَ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِیْنَ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَقَدْ قَالَ تَعَالٰی اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَوَجَبَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ اَحَدٌ مِّنْ اَجْدَادِہٖ مُشْرِکًا۔ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ ص ۳۴)

یعنی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام باپ مسلمان تھے۔ اس پر خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث دال ہے۔ کہ میں ہمیشہ طاہر پشتوں سے طاہر رحموں کی جانب منتقل کیا گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بیشک مشرک نجس اور پلید ہیں۔ تو ضروری ہے کہ آپ کے اجداد سے کوئی ایک بھی مشرک نہ ہو (بلکہ تمام مسلمان ہیں) ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے تمام باپ اور مائیں مسلمان تھیں۔ ان میں کوئی ایک مشرک اور کافر نہیں تھا جو لوگ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم خصوصًا والدین کریمین کو معاذ اللہ کافر ناری کہتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ ایسی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نسب پاک میں سوئے ادب ہے اور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اے منکرو! اگر تمہیں محققین کا مسلک پسند نہ ہو۔ کم از کم اس مسئلہ میں توقف ہی اختیار کر لو۔ آخر نازک مقام ہے۔ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے بچ جاؤ۔ نجات اسی اسی میں ہے۔

سوال:۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ پارہ ۷ سورۃ انعام۔ یاد کرو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر تھا اور وہ کافر و مشرک تھا حالانکہ وہ حضور اقدس صلے

اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا باپ تھا۔ لہذا یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔

جواب :۔ اس کے جواب علمائے حقانی نے بہت سے دیئے ہیں مگر یہاں حضرت شیخ احمد صاوی مالکی کا جواب ذکر کرتا ہوں جو انہوں نے تفسیر صاوی میں دیا ہے۔

وَهُوَ هٰذَا مُقْتَضٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاٰيَةِ مَرْيَمَ اَنَّ اٰزَرَ اَبَا اِبْرَاهِيْمَ كَانَ كَافِرًا وَهُوَ يُشْكِلُ عَلٰى مَا قَالَهُ الْمُحَقِّقُوْنَ اَنَّ نَسَبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَحْفُوْظٌ مِّنَ الشِّرْكِ فَلَمْ يَسْجُدْ اَحَدٌ مِّنْ اٰبَائِهٖ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ اِلٰى اٰدَمَ لِصَنَمٍ قَطُّ وَبِذٰلِكَ قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ قَالَ الْبُوْصِيْرِيُّ فِي الْهَمْزِيَّةِ

وبدا للوجود منك كريم من كريم اٰباؤه كريم

اُجِيْبَ عَنْ ذٰلِكَ بِاَنَّ حِفْظَهُمْ مِنَ الْاِشْرَاكِ مَادَامَ النُّوْرُ الْمُحَمَّدِيُّ فِيْ ظُهُوْرِهِمْ فَاِذَا انْتَقَلَ جَازَ اَنْ يَكْفُرُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ كَذَا قَالَ الْمُفَسِّرُ هُنَا وَهٰذَا عَلٰى تَسْلِيْمِ اَنَّ اٰزَرَ اَبُوْهُ وَاَجَابَ بَعْضُهُمْ اَيْضًا بِمَنْعِ اَنَّ اٰزَرَ اَبُوْهُ بَلْ كَانَ عَمَّهٗ وَكَانَ كَافِرًا وَتَارَخُ اَبُوْهُ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ وَلَمْ يَثْبُتْ سُجُوْدُهٗ لِصَنَمٍ وَاِنَّمَا سَمَّاهُ اَبًا عَلٰى عَادَةِ الْعَرَبِ مِنْ تَسْمِيَةِ الْعَمِّ اَبًا وَفِي التَّوْرَاةِ اِسْمُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ تَارَخُ (تفسیر صاوی جلد دوم ص۲۲)

ترجمہ:۔ اس آیتہ اور سورۃ مریم کا مقتضی یہ ہے کہ آزر ابراہیم کے باپ کافر تھا اس پر سوال پیدا ہوگا کہ محققین نے کہا رسول پاک صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نسب پاک شرک سے محفوظ ہے۔ آپ کے آباد حضرت عبداللہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے لے کر آدم (علیہ السلام) تک کسی نے بت کا سجدہ ہرگز نہیں کیا ہے۔ اسی کے ساتھ مفسرین نے اس آیت میں قول کیا ہے۔ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۝ آپ سجدہ کرنے والوں میں ادلتے بدلتے رہے (آپ کے تمام آباء مسلمان تھے) تو

چوتھا وعظ

نور احمدی کا انتقال ہاشم و عبد المطلب کیطرف

قَالَ تَعَالیٰ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ

حضرات مسلمین! نور احمدی حضرت شیث علیہ السلام سے درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا حضرت نوح علیہ السلام کیطرف منتقل ہوا تو ان کو طوفان سے محفوظ فرمایا۔ پھر درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں جلوہ گر ہوا تو ان پہ نار کو گلزار بنایا۔ (سیرت نبوی صہ ۹، اور نشر الطیب صہ ۹)

پھر وہ نور درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا حضرت ہاشم تک پہنچا۔ تو حضرت ہاشم کی پیشانی میں نور محمدی کی شعائیں چمکتی تھیں۔ جو یہودی عالم آپ کو دیکھتا۔ آپ کا ہاتھ چومتا۔ اور جس چیز پر گذر فرماتے وہ انہیں سجدہ کرتی۔ قبائل عرب اور وفود علماء اہل کتاب اپنی اپنی لڑکیاں برائے نکاح ان کے روبرو پیش کرتے یہاں تک کہ ہرقل بادشاہ روم نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے جس سے زیادہ حسین وجمیل اور درخشندہ رو کوئی عورت پیدا نہ ہوئی ہوگی۔ آپ میرے پاس تشریف لایئے تاکہ آپ کا نکاح اپنی اس دختر سے کردوں کیونکہ آپ کا شہرہ جود وکرم مجھ تک پہنچا ہے۔ مگر مقصود اسکا وہ نور محمدی تھا جس کے اوصاف کریمہ انجیل میں لکھے ہوئے پائے تھے۔ مگر حضرت ہاشم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے انکار فرمادیا۔ (سیرت نبوی بحوالہ مواہب لدنیہ صہ ۱۹)

انتقال نور احمدی کا بجانب عبد المطلب

جب نور محمدی حضرت عبد المطلب کی منتقل ہوا۔ تو آپ کے جسم سے مشک کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اور ان کی پیشانی میں نور محمدی چمکتا تھا۔ جب قریش قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبل ثبیر پہ لاتے اور ان کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ پیش کرتے۔ تو اللہ تعالٰے اپنے حبیب کے نور کی برکت سے بارش رحمت برساتا اور انہیں سیراب کرتا۔ (سیرۃ نبوی صہ ۲۱، انوار محمدیہ صہ ۱۸، مدارج حصہ دوم صہ ۹)

ایک روز حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالٰے عنہ حجر میں جو کعبہ معظمہ میں ایک مقام

کا نام ہے۔ سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہے اور سر تیل سے چپڑا ہوا ہے اور بیش قیمت اور خوبصورت لباس میں ملبوس ہیں یہ سب کچھ دیکھکر بڑے حیران ہوئے کہ یہ کس نے کیا ہے انکے والد آپکو قریش کے کاہنوں کے پاس لیگئے کاہنوں نے خبر کردی کہ پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس جوان کی شادی کردو چنانچہ آپ کی شادی کردی گئی۔ (مدارج صد ۹، انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صد ۱۸)

روایت ہے کہ جب ابرہہ والی یمن اپنا لشکر اور ہاتھی لے کر بیت اللہ شریف کے گرانے کے لئے مکہ معظمہ کیطرف بڑھا تو قوم قریش بڑے خائف ہوئے۔ جب یہ خبر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالے عنہ کو پہنچی۔ قریش کو جمع کیا اور فرمایا کہ کوئی خوف نہ کرو اس گھر کا محافظ خود اللہ تعالے ہے۔ وہی اسے ابرہہ کے شر سے محفوظ رکھے گا میں صرف اس در یتیم (نور محمدی) کا محافظ ہوں ابرہہ آیا اور قریش کے اونٹ اور بکریاں پکڑ کرلے گیا۔ جن میں حضرت عبدالمطلب کے چار سو اونٹ بھی پکڑ لئے حضرت عبدالمطلب قریش کے ہمراہ ثبیر پہاڑ پر تشریف لائے۔ تو ان کی پیشانی سے نور مصطفےٰ کی شعاعیں چمکیں خانہ کعبہ پر پڑیں جس سے وہ روشن ہوگیا۔ عبدالمطلب ان شعاعوں کو دیکھکر قریش سے کہا۔ اے گروہ قریش واپس چلے جاؤ تمہاری مہم سر ہوگئی۔ ابرہہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیگا۔ خدا کی قسم جب کسی مہم میں اس نور کی شعاعیں اس طرح روشن ہوتی ہیں۔ تو ضرور کامیابی ہوتی ہے (یہ ہے نور محمدی کی مشکل کشائی) تمام لوگ اپنے اپنے گھر واپس آگئے۔ جب ابرہہ نے ایک جبرئیل کو فوج دے کر کہا کہ تو اہل مکہ کو شکست دے اور بیت اللہ کو گرادے۔ جب وہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبدالمطلب کی صورت اسے نظر پڑی بے اختیار چیخا جیسا کہ گائے وقت ذبح چیختی ہے۔ اور بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا عبدالمطلب کو سجدہ کیا اور کہا اَشْهَدُ اَنَّكَ سَيِّدُ قُرَيْشٍ حَقًّا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو قریش کا سچا سردار ہے۔

(مدارج حصہ دوم صد ۹، انوار محمدیہ صد ۱۸، سیرت نبوی صد ۳۰)

روایت ہے کہ جب سفید ہاتھی نے جو انہدام کعبہ کے لئے لایا گیا تھا حضرت

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ . . شرک سے محفوظ تھے۔ جب کہ نور محمدی ان کی پشت میں جلوہ گر تھا۔ جب نور محمدی منتقل ہو گیا تو اس کے بعد ان سے کفر جائز ہے اسطرح بعض مفسرین نے کہا لیکن یہ جواب تب ہے جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا چچا تھا۔ اور کافر تھا۔ آپ کا والد تارخ تھا جو زمانہ فترت میں وفات پا چکے تھے۔ اور انہوں نے کسی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا تھا اور چچا کو باپ اس لئے کہا گیا ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ چچا کو باپ کہتے ہیں۔ اور توراۃ شریف میں حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ لکھا ہے۔

فائدہ: علامہ صاوی کی اس عبارت قَالَہٗ الْمُحَقِّقُوْنَ اَنَّ نَسَبَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَحْفُوْظٌ عَنِ الشِّرْکِ سے پتہ چلتا ہے کہ علماء محققین حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نسب پاک کو شرک سے محفوظ مانتے ہیں اور جو نسب پاک کو شرک سے محفوظ نہیں مانتے وہ غیر محقق ہیں۔ اللہ تعالے انکو ہدایت دے

حضرات! منکرین زمانہ کے منہ بند کرنے کے لئے فقیر مولوی عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ نقل کرتا ہے۔ باقی ہدایت قبضہ خدا میں ہے

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ثبوت ایمان والدین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں۔ اور جو کوئی ان دونوں (والدین) کی طرف تحریراً یا تقریراً نسبت کفر کرے اسکا کیا حکم ہے۔

ھو المصوب: اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف واقع ہے۔ بعض ایمان بعد الاحیاء کے قائل ہوئے۔ اور بعض احادیث احیاء کو موضوع کہتے ہیں اور عدم ایمان کے قائل ہیں۔ اور بوجہ ہونے ان کے ارباب فترت نجات کے قائل ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے سات رسالے تحریر کئے ہیں اور بشد و مد نجات ثابت کرتے ہیں۔ ملا علی قاری اور ابراہیم حلبی ان کے بعض رسائل کا رد لکھ چکے ہیں۔ لیکن چونکہ اس باب میں دلائل متعارض ہیں اسوجہ سے سکوت اسلم۔ اور کہنا کہ

والدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کافر ہیں۔ یا فی النار ہیں بڑی بے ادبی اور موجب اذیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ حموی شرح اشباہ میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان السلف اختلفوا فی ابوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھل ماتا علی الکفرام لا نذھب الی الاول جمع منھم صاحب التیسیر وذھب الی الثانی جماعۃ ونفر من الجمع الاول قالوا ابیجا تھما من النار و سئل القاضی ابوبکر ابن العربی احد الائمۃ المالکیۃ عن رجل قال ان ابا النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی النار فاجاب بانہ ملعون لان اللہ تعالیٰ قال ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیہ انہ فی النار وقال السھیلی فی الروض الانف لیس لنا نحن ان نقول ذلک فی ابویہ لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات اللہ یقول ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الایۃ و امرنا ان نمسک اللسان اذا ذکروا صحابہ بشیئ یرجع ذالک علی العیب فیھم فلان نمسک عن ابویہ احق واحری فجملۃ المرام فی ھذہ المسالۃ ان ھذہ المسالۃ لیست من الاعتقادات فلاحظ للقلب منھا و اما اللسان فحقہ الامساک عما یتادر منہ النقصان انتھی مخلصاً ومختصراً واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ (فتاویٰ عبد الحی جلد دوم کتاب المناقب ص۲۳۲-۲۳۳)

اب تو ان دریدہ دہنوں کو لائق ہے کہ اس مسئلہ میں اپنے منہ میں لگام دیں اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اذیت پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

چودھویں صدی کا حضور کا کلمہ پڑھکر بھی حضور کو مالک ومختار نہیں ماننا۔ خدا تعالیٰ عقل ودانش عطا فرمائے۔ آمین۔

پانچواں وعظ

انتقال نور محمدی کا بجانب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝

حضرات! اب نور محمدی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صلب عبدالمطلب سے منتقل ہوکر حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی پشت میں تشریف لاتا ہے۔ تو کیا رنگ لاتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ خوبصورت اور با اخلاق تھے نور محمدی ان کے چہرے میں چمکتا تھا۔ چہرہ مبارک ایک روشن ستارے کی نظر آتا تھا۔ (سیرۃ نبوی صـ۳۳)

ایک دن حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں عرض کی کہ جب میں بطحائے مکہ کی طرف جاتا ہوں تو میری پشت سے ایک نور نکلتا ہے۔ اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ مشرق کو اور دوسرا مغرب کو گھیر لیتا ہے۔ پھر وہ نور مدور ہوکر بادل کی طرح بن کر میرے سر پر سایہ کرتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں وہ نور بادل کی صورت میں آسمان کی طرف صعود کرتا ہے۔ پھر وہ واپس آکر میری پشت میں داخل ہو جاتا ہے اور جس جگہ میں بیٹھتا ہوں وہاں سے آواز آتی ہے اے شخص تیری پشت میں نور محمدی جلوہ گر ہے۔ تجھ پر سلام ہو۔ نیز جس خشک درخت کے نیچے بیٹھتا ہوں فوراً وہ سرسبز ہو جاتا ہے۔ اور مجھ پر سایہ کرتا ہے۔ جب اس سے اٹھ جاتا ہوں تو پہلے کی طرح خشک ہو جاتا ہے۔ جب کسی بت خانے کے قریب سے گذرتا ہوں تو بت چیخنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے عبداللہ تو ہمارے قریب نہ آ کیونکہ تیری پیشانی میں نور رسول آخر الزمان جلوہ گر ہے۔ جو بتوں اور بت پرستوں کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ پس عبدالمطلب نے کہا اے عبداللہ تجھے بشارت ہو کہ تمہاری

پشت میں نور محمدی جلوہ گر ہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ تمہاری پشت سے ظاہر ہوگا۔ (معارج النبوت ص۴۰۳ رکن اول)

روایت ہے جب نور محمدی پیشانی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چمکا عرب میں ان کے حسن و جمال کا شہرہ بلند ہوا۔ جوق در جوق یہود آتے اور دیکھ کر کہتے یہ نور عبداللہ کا نہیں بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخر الزمان نبی کا ہے جو ان کی پشت سے پیدا ہوگا۔ تمام یہودی حضرت عبداللہ کے دشمن بن گئے اور آپ کے قتل کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ نوے یہودی ملک شام کے زہر آلود تلواریں لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل کے ارادے سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے ہیں حالانکہ تک کہ حوالی مکہ میں پہنچ گئے۔ موقع کے منتظر ہے ایک روز حضرت عبداللہ تن تنہا جنگل میں شکار کے لئے تشریف لے گئے دشمنوں نے آپ کو گھیر لیا۔ اتفاقاً اسی روز وہب بن عبد المناف شکار کے لئے اسی صحرا میں تھے اور دور سے یہ سارا واقعہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل میں آیا کہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عبداللہ کی مدد کر دوں۔ مگر کثرت دشمن سے ڈر گئے پھر خیال کیا۔ اچھا عبداللہ کی سفارش کر دوں کہ دشمن دفع ہو جائیں ابھی اسی خیال میں تھے دیکھا۔ کہ چند سوار عالم غیب سے ظاہر ہوئے جنکی شکل و صورت ہماری طرح نہ تھی۔ انہوں نے دشمن ناہنجار کو قتل کیا۔ واقعی اللہ تعالےٰ سچ فرماتا ہے

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(مدارج ص۱۷، معارج رکن اول ص۳۱)

جمال عبداللہ پر عورتوں کا فدا ہونا:۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سن بلوغ کو پہنچے آپ کے حسن و جمال کا شہرہ ہوا۔ بڑی بڑی صاحب ثروت ماہ رو عورتیں آپ کا جمال جہاں آرا دیکھکر عاشق ہوگئیں۔ اور طالب وصال ہوئیں۔ اور فریفتہ ہوکر اس راستے پر بیٹھ جاتیں۔ جہاں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا سجدہ میں گر گیا۔ حالانکہ اس نے کبھی ابرہہ کو بھی سجدہ نہیں کیا تھا جیسا کہ دوسرے ہاتھی سجدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سفید ہاتھی کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ تو ہاتھی نے کہا سلام ہو اس نور پر اے عبدالمطلب جو تیری پشت میں جلوہ گر ہے۔ (مدارج ص۹، انوار محمدیہ ص۱۹، سیرت نبوی ص۳۰)

حضرات! ہاتھی جیسے جانور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو مانتے ہیں اور اس کے سامنے سر عجز جھکا دیتے مگر منکر نجدی انسان ہو کر نور مصطفےٰ کے منکر ہیں خدا تعالیٰ نے ہدایت بخشے۔ حضرت عبدالمطلب جب اپنے اونٹ چھڑانے کے واسطے ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ نے آپ کی صورت پاک جس میں نور محمدی چمک رہا تھا۔ دیکھ کر آپکی بڑی تعظیم و تکریم کی اور تخت سے اترا اور آپکو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ کس مطلب کے لئے تشریف لائے ہو آپ نے فرمایا کہ اپنے اونٹوں کو چھڑانے کے لیئے آیا ہوں۔ ابرہہ نے فوراً حکم دیا کہ سردار قریش کے اونٹ واپس کر دئے جائیں اور کہا اے عبدالمطلب تمہاری عزت و تعظیم میرے دل میں اتنی ہے کہ اگر تم خانہ کعبہ کے محفوظ رکھنے کے لئے کہتے تو میں اسے منہدم نہ کرتا۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خانہ کعبہ کا محافظ و نگہبان خود خدائے برتر ہے وہ خود اسکی حفاظت کریگا میرے کہنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ جب ابراہہ لشکر لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے چلا اللہ تعالیٰ نے ابابیل کا لشکر بھیجا۔ ہر پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور ایک ایک پنجے میں اور ایک دوسرے پنجے میں کنکریاں مسور کی دال کے برابر تھیں۔ جس آدمی پر ایک کنکری لگتی تھی۔ ہلاک ہو جاتا تھا۔ اسی طرح سارا لشکر تباہ ہو گیا ابرہہ واپس اپنے ملک کو بھاگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن میں ایسی بیماری پیدا فرمائی کہ اسکی انگلیاں ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے بدن سے پیپ اور خون بہتا تھا۔ یہاں تک کہ اسکا دل پھٹ گیا اور ذلیل و خوار ہو کر مر گیا۔ اسی قصہ کیطرف اللہ تعالیٰ نے سورۃ فیل میں اشارہ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

ترجمہ:- اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔ کیا ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا۔ اور ان پر ابابیل کا لشکر بھیجا کہ انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے۔ تو انہیں ہلاک کر ڈالا۔ جیسے کھائی کھیتی کی پتی۔ (سیرت نبوی ص۳۱، تواریخ حبیب اللہ ص۹)
سبحان اللہ ایسی عظمت نور محمدی کی تھی کہ دیکھکر بادشاہ ہیبت میں آجاتے تھے اور تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کے اندر حالت خواب میں دیکھا کہ میری پشت سے ایک درخت نکلا۔ (بعض روایت میں ہے کہ چاندی کی زنجیر نکلی) جسکا سر آسمان تک پہنچ گیا۔ اور اسکی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیل گئیں وہ اتنا نورانی تھا کہ اس سے زیادہ چمکدار نور میں نے کبھی نہ دیکھا۔ اسکا نور آفتاب کے کے نور سے ستر درجے زائد تھا۔ اور اسکا نور اور ارتفاع ہر ساعت زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ عرب و عجم کے لوگ اسے سجدہ کرتے تھے اور ایک جماعت قریش کی اسکی ڈالیاں پکڑ کر لٹک رہی تھی اور ایک قوم قریش کی اسکے کاٹنے کا ارادہ کرتی تھی۔ جب پاس جاتی تھی۔ تو ایک جوان جس سے زیادہ حسین کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس قوم کی پیٹھ توڑ ڈالتا اور آنکھیں نکال ڈالتا تھا۔ پس میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سے حصہ لینا چاہا مگر وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ کسی نے کہا اس میں تیرا حصہ نہیں۔ میں نے کہا پھر کس کا حصہ ہے۔ کہا جو اس سے پہلے معلق ہو چکے ہیں آپ یہ خواب دیکھکر بہت ڈرے ایک کاہن (خواب داں) کے پاس جاکر اپنا خواب بیان کیا معبر نے خواب سن کر کہا۔ اِن صَدَقَتْ رُؤْيَاكَ لَيَخْرُجَنَّ مِنْ صُلْبِكَ رَجُلٌ يَمْلِكُ الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ وَيَدِيْنُ لَهُ النَّاسُ
اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو ضرور بضرور تمہاری پشت سے ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا مالک و مختار ہوگا۔ لوگ اسکا دین قبول کرینگے۔ ایمان لائیں گے اور اس کے حلقہ بگوش غلام بنیں گے۔ (سیرت نبوی ص۳۲، انوار محمدیہ ص۱۹)

پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے رسول ہیں جنکی گواہی پہلے اور خواب داں دے رہے ہیں۔ کہ وہ تمام کائنات کے مالک و مختار ہونگے۔ مگر منکر وہابی

بنظیر حسب ونسب میں سب سے افضل تھیں۔

خداوند تعالٰی کو یہی منظور تھا کہ ایسی پاکیزہ خاتون کے ساتھ حضرت عبداللہ کا نکاح ہو۔ وہب بن عبدمناف نے حضرت عبداللہ کی اس کرامت کو دیکھا تھا جب کہ دشمنوں نے (یہود) آپ کو جنگل میں گھیرا ہوا تھا اور آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ غیبی سپاہ آئی اور دشمنوں کو قتل کر دیا حضرت وہب بن عبدمناف اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ جب گھر واپس لوٹے تو اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی دختر نیک اختر حضرت آمنہ خاتون کا رشتہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کو دیدوں۔ آپ کی بیوی اس پر رضامند ہوگئی۔ چنانچہ حضرت وہب بن عبدمناف نے اپنے بعض دوستوں کے واسطے سے حضرت عبدالمطلب کو اپنا رشتہ دینے کا پیغام بھیجا۔ ادھر حضرت عبدالمطلب بھی اس تلاش میں تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے ایسا رشتہ ملیگا۔ جو حسب ونسب وعفت حسن وجمال میں بے مثل ہو۔ اب ان کو ایسا رشتہ خودبخود مل گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نکاح حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا سے ہوگیا۔ (مدارج النبوت حصہ دوم ص۱۷)

رحم آمنہ خاتون میں نور محمدی:۔ نکاح کے بعد ماہ رجب میں شب جمعہ کو نور محمدی حضرت آمنہ خاتون کے شکم اقدس میں جلوہ افروز ہوا۔ سبحان اللہ کیا شان والی رات تھی جس رات میں محبوب خدا اپنی اماں جان کے شکم اقدس میں تشریف لائے۔ اسی واسطے حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ شب جمعہ کو لیلۃ القدر سے افضل بتاتے ہیں کیونکہ جو خیرات وبرکات کرامات وسعادت اس رات نازل ہوئیں کسی اور شب میں قیامت تک بلکہ ابدالآباد نازل نہ ہوئیں اور نہ ہی ہونگی (مدارج ص۱۷)

آپکے حمل میں آنے سے عجائبات کا ظہور جب نور محمدی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم رحم مادر میں جلوہ گر ہوا تو دنیائے عالم میں عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے۔ اللہ تعالٰے نے خازن جنت کو حکم دیا کہ فردوس بریں کے دروازے کھول دے اور تمام عالم کو خوشبو سے معطر کرے اور آسمانوں زمین میں یہ ندا کی جائے۔ الا

اِنَّ النُّوْرَ الْمَخْزُوْنَ الْمَكْنُوْنَ الَّذِیْ یَکُوْنُ مِنْهُ النَّبِیُّ الْهَادِیْ یَسْتَقِرُّ فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ (انوار محمدیہ ص۲۱، مدارج ص۱۸)

آج رات وہ نور مخزون اور گوہر مکنون شکم مادر میں رونق افروز ہوا۔ قریش کے تمام چارپائے بولنے اور کہنے لگے۔ حُمِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ وَهُوَ اِمَامُ الدُّنْیَا وَسِرَاجُ اَهْلِهَا۔ (انوار محمدیہ ص۲۱)

حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حمل میں تشریف لے آئے ہیں کعبہ کے رب کی قسم وہ دنیائے عالم کا سردار ہے اور دنیا کے رہنے والوں کے لئے سراج ہے اور مشرق کے جانوروں نے مغرب کے جانوروں کو حضور کی آمد کی خوشخبری دی۔ (مدارج ص۱۸)

اس رات کی صبح کو تمام روئے زمین کے بت اوندھے منہ گر پڑے اور تمام بادشاہوں کے تخت سرنگوں ہوگئے۔ (مدارج حصہ دوم ص۱۸، سیرۃ نبوی ص۳۶، انوار محمدیہ ص۲۱)

اس رات برکت نشان میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جو روشن نہ ہوا ہو اور ہر مکان میں نور داخل ہوا۔ (مدارج حصہ دوم ص۱۸ انوار محمدیہ ص۲۲)

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے شکم مادر میں آنے سے قبل قریش کے علاقے میں سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ درخت خشک ہوگئے تھے۔ جانور لاغر ہو چکے تھے مگر نور محمدی رحم مادر میں جلوہ گر ہوئے تو دنیا کی حالت بدل گئی۔ رحمت کی بارش برسی۔ زمین سرسبز و شاداب ہوگئی۔ درختوں پر پتے لگے۔ میوہ جات کی کثرت ہوئی عرب نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج رکھا۔ (مدارج حصہ دوم ص۱۸، انوار محمدیہ ص۲۱، سیرت نبوی ص۳۷)

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس سال تمام دنیا کی عورتیں اس نور محمدی کی برکت سے بچے جنیں۔ لڑکی کوئی نہ جنے (سیرت نبوی ص۳۰، انوار محمدیہ ص۲۲)

اس شب ابلیس لعین نے کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر ایک چیخ ماری تمام شیطان اس کے پاس اکٹھے ہوئے اور پوچھنے لگے اے ابلیس آج تجھے کیا تکلیف پہنچی اور یہ گھبراہٹ کیسی ہے۔ کہنے لگا آج شب حبیب خدا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

گزرتے۔ اور آپ کو اپنی طرف بلاتیں۔ مگر حضرت عبداللہ بہ برکت نورِ محمدی ان کی جانب ذرا بھی التفات نہ فرماتے نہ نگاہ اٹھا کر دیکھتے۔ (مدارج حصہ دوم ص۱۰۷)

ایک روز حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کعبہ شریف کے قریب سے گذرے۔ وہاں ایک عورت بنی اسد کی بنام رُقَیقہ یا قتیلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ عورت حضرت عبداللہ کو دیکھ کر آپ کے حسن و جمال پر عاشق ہوگئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے طالب وصال ہوئی۔ اور سو اونٹ دینے کا وعدہ کیا۔ مگر آپ نے انکار کیا اور واپس گھر آگئے۔ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحبت کی اور نورِ محمدی بی بی آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شکم قدس میں جلوہ گر ہوا۔ تو ایک روز حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی عورت جو طالب وصال ہوئی تھی کے پاس سے گذرے۔ اس نے آپ کے چہرے کو دیکھا۔ مگر وہ چمکتا نور نظر نہ آیا۔ کہنے لگی۔ کیا تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے فرمایا ہاں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی ہے۔ کہنے لگی اب مجھ کو تمہاری حاجت نہیں۔ میں تو اس نور کی طالب تھی جو تیری پیشانی میں چمکتا تھا۔ مگر وہ جس کے نصیب کا تھا۔ اُسے مل گیا۔ (مدارج حصہ دوم ص۱۸)

اسی طرح فاطمہ شامیہ کا قصہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فاطمہ نامی عورت ملک شام کے رہنے والی تھی۔ بڑی عفیفہ اور پاکیزہ اخلاق تھی۔ اس کے علاوہ کتب سادی کی عالمہ بھی تھی۔ اور فن کہانت میں ماہر تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نورِ محمدی کے طلوع ہونے کا وقت قریب ہے اور وہ حضرت عبدالمطلب کے بیٹے سے پیدا ہوگا۔ چنانچہ وہ نورِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے حصول کی خاطر ولایت شام سے چل کر صحرائے مکہ معظمہ میں آکر ٹھہری اور حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ شکار سے واپس ہو کر اس کی منزل سے گذرے تو فاطمہ کی نظر عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑی تو علامات سے پہچانا کہ میرا مقصود انہی سے حاصل ہوگا۔ اپنی جھونپڑی سے نکلی اور آپ کو اندر آنے کی دعوت دی۔ آپ اسکی دعوت کو منظور فرما کر اندر تشریف لے گئے۔ تو فاطمہ نے آپ کا بہت

احترام واکرام کیا اور بتایا کہ میں آپ کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتی ہوں حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد حضرت عبدالمطلب کی اجازت کا بہانہ کرکے گھر تشریف لے آئے۔ تقدیر الٰہی اسی رات نور محمدی حضرت آمنہ خاتون کی جانب منتقل ہوا آپ علے الصبح اپنے والد ماجد کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فاطمہ شامی کا قصہ بیان فرمایا حضرت عبدالمطلب نے نکاح کی اجازت مرحمت فرمائی آپ خوش و خرم ہوکر فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اپنے والد کی اجازت در بارہ نکاح بیان کی۔ مگر جب فاطمہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے چہرہ کو دیکھا تو اسے وہ چمکتا نور محمدی نظر نہ آیا۔ کہنے لگی اے عبداللہ جس نور کی خاطر میں نے یہ صحرا نوردی کی ہے اور صعوبتیں جھیلی ہیں وہ نور آپ سے رخصت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب مجھے نکاح کا شوق نہیں رہا چنانچہ فاطمہ بڑی حسرت لے کر اپنے وطن کو واپس ہوگئی۔ (معارج رکن اول صفحہ ۴۹،۵۰)

غرضیکہ بہت سی خواتین حسینہ و جمیلہ اس نور محمدی کی طالب ہوئیں جب وہ نور ان کو میسر نہ ہوا وہ پاگل اور دیوانی ہوگئیں۔ حتیٰ کہ جس رات حضرت آمنہ کی طرف نور محمدی منتقل ہوا تو دو سَو عورتیں رشک سے مرگئیں۔ (معارج النبوت رکن اول صفحہ ۴۹)

چھٹا وعظ

نور محمدی کا انتقال بجانب حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝

حضرت عبداللہ کا نکاح:۔ جب حضرت عبدالمطلب کو معلوم ہوگیا کہ زنان عرب عبداللہ پر مائل ہیں اور ہر ایک طالب ہے تو ان کے نکاح کا فکر ہوا اور ایسی لڑکی کی تلاش ہوئی جو پاک دامن نیک سیرت ہو۔ حسب و نسب حسن و جمال عقل و تمیز میں سب سے افضل ہو۔ ان دنوں میں وہب بن عبد مناف کی ایک دختر تھی جس کا نام آمنہ خاتون تھا جو حسن و جمال میں یکتا۔ صورت و سیرت میں بے مثل عقل و تمیز میں

میں نے پوچھا آپ کون ہیں فرمانے لگے میں ہود علیہ السلام ہوں۔ چھٹے ماہ میں ایک اور بزرگ تشریف لائے فرمانے لگے۔ اَبْشِرِیْ فَقَدْ حَمَلْتِ بِالنَّبِیِّ الْہَاشِمِیِّ آمنہ بی بی تو خوش ہو جا کہ تیرے شکم اقدس میں نبی ہاشمی جلوہ فرما ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں فرمایا میں ابراہیم علیہ السلام ہوں۔ ساتویں ماہ میں ایک بزرگ آئے اور فرمانے لگے۔ اَبْشِرِیْ فَقَدْ حَمَلْتِ بِحَبِیْبِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ آپ کو بشارت ہو کہ آپ اللہ تعالٰے کے حبیب و محبوب سے حاملہ ہیں میں نے پوچھا آپ کون بزرگ ہیں فرمایا۔ میں اسماعیل علیہ السلام ہوں آٹھویں ماہ میں ایک اور بزرگ تشریف لاتے ہیں اور بشارت سناتے ہیں۔ اَبْشِرِیْ فَقَدْ حَمَلْتِ بِخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ۔ آپ کو خوشی ہو کہ آپ ایسے نبی سے حاملہ ہیں جو تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے ہیں میں نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے بتایا میں موسیٰ علیہ السلام ہوں۔ نویں ماہ میں ایک بزرگ آکر فرمانے لگے کہ اَبْشِرِیْ فَقَدْ حَمَلْتِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ آمنہ خاتون! تو خوشی منا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم آپ کے شکم اقدس میں تشریف لے آئے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ فرمایا عیسٰے علیہ السلام ہوں۔ (نزہۃ المجالس ص ۸۲-۸۲ حصہ دوم)

ساتواں وعظ

حبیب خدا رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا اور ولادت باسعادت کا بیان مبارک۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَتَبَارَکَ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝

تاریخ ولادت حضور سراپا نور

حضور سراپا صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی۔ جمہور اہل سیر کا یہی خیال ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ مہینہ مبارک ربیع الاول کا تھا۔ اور اسکی بارہویں

تاریخ تھی۔ اسی لئے اہل مکہ اسی تاریخ کو موضع ولادت شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔ اور پیر کا دن تھا اسی پیر کے روز آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اسی پیر کو آپ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی۔ اور اسی پیر کو مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ اسی پیر کو مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اور اسی پیر کو آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔ (مدارج ص۲)

وقت میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا آپ کی ولادت باسعادت طلوع آفتاب سے پہلے تھی، بعض نے فرمایا رات میں ولادت پاک ہوئی۔ اکثر روایات میں ہے کہ ولادت شریف عین اسوقت تھی جب رات جا رہی تھی اور صبح صادق طلوع ہو رہی تھی یعنی نورانی وقت تھا۔ (مدارج حصہ دوم ص۲)

زمان کو حضور سے شرافت حاصل ہے

اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک کو ان مہینوں میں پیدا نہیں فرمایا جو برکت و کرامت میں مشہور ہیں جیسے محرم و رجب اور رمضان مبارک اور نہ ہی افضل دن میں جیساکہ جمعہ مبارک ہے پیدا فرمایا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ حضور کو اس بزرگ ماہ یا بزرگ دن سے شرافت حاصل ہوئی حالانکہ زمان مکان ہر شے کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے شرافت ملی ہے۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

"حق آں است کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم متشرف بزماں نیست بلکہ زماں متشرف بادست۔ وہمیں است حکمت درعدم وقوع ولادت شریف دراشہر مشہور بکرامت وبرکت۔ (مدارج جلد دوم ص۲)

یعنی حق بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو زمان سے شرافت نہیں ملی۔ بلکہ زمانہ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے شرافت حاصل کی ہے یہی حکمت تھی۔ کہ بزرگ مہینوں میں آپ کی ولادت شریف نہیں ہوئی

اپنی والدہ کے شکم اقدس میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ دنیا میں تشریف لاکر ادیان باطلہ کو ختم کر دیں گے اور بتوں کو توڑ دیں گے۔ (نزہتہ المجالس صہ ۸۲)

روایت ہے کہ حضور سراپا نور حمل میں جلوہ فرما ہوئے تو ہر آسمان سے یہ آواز آتی تھی۔ اَبْشِرُوْا فَقَدْ آنَ اَنْ یَّظْهَرَ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَیْمُوْنًا مُّبَارَكًا (انوار محمدیہ صہ ۲۲)

لوگو! خوشیاں مناؤ۔ اب وہ وقت قریب آگیا ہے کہ مبارک اور سعادت مند رسول پاک کا دنیا میں ظہور ہوگا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰے عنہا فرماتی ہیں جب رسول پاک میرے شکم اقدس میں تھے تو میں نے دیکھا کہ ایک ایک نور مجھ سے جدا ہوا اس نور سے سب جہان منور ہو گیا اور میں نے کسریٰ کے محلات کو دیکھ لیا۔ (مدارج حصہ دوم صہ ۱۹)

آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ ابتدائے حمل سے آخر تک مجھے کوئی علامت وگرانی حمل جو اور عورتوں کو ایام حمل میں معلوم ہوتی ہے محسوس نہ ہوئی۔ صرف اتنی بات تھی کہ حیض منقطع ہو چکا تھا۔ (انوار محمدیہ صہ ۲۲، مدارج حصہ دوم صہ ۱۸، نزہتہ المجالس صہ ۸۲)

جب آپ شکم مادر میں دو ماہ کے تھے کہ آپ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ تو ملائکہ نے عرض کی۔ مولا۔ تیرا حبیب یتیم ہو گیا ہے۔ تو اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا۔ اَنَا لَهٗ حَافِظٌ وَّنَصِیْرٌ (مدارج صہ ۱۹، انوار محمدیہ صہ ۲۲، سیرت نبوی صہ ۳۶) میں خود اسکی حفاظت ونصرت کرنے والا ہوں۔

ایک روایت میں ہے۔ اَنَا وَلِیُّهٗ حَافِظُهٗ وَحَامِیْهِ وَرَبُّهٗ وَعَوْنُهٗ وَرَازِقُهٗ وَكَافِیْهِ فَصَلُّوْا عَلَیْهِ وَتَبَرَّكُوْا بِاسْمِهٖ (سیرت نبوی صہ ۳۶)

میں اس کا والی اور محافظ وحامی اور رب اور مددگار۔ رزاق اور کافی ہوں۔ اے فرشتو! تم ان پر درود پاک پڑھو اور آپ کے نام سے تبرک حاصل کرو۔

حکایت:۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالٰے عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے یتیم ہونے کی کیا حکمت ہے۔ کہ ماں مبارک

کے شکم اقدس میں تھے۔ والد ماجد انتقال فرما گئے۔ چھ سال کے ہوئے تو والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں۔ پھر دادا حضرت عبد المطلب داغ مفارقت دے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اس لئے تاکہ آپ پر کسی مخلوق کا حق نہ ہو۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یعنی حضور سراپا نور صرف اپنے خدائے بزرگ کی طرف محتاج ہیں۔ نیز اس لئے آپ کو در یتیم بنایا گیا۔ تاکہ آئندہ آنے والوں یتیموں کا قدر بلند ہو جائے۔ اور لوگ ان پر رحم و کرم کریں۔ (سیرت نبوی ص۳۶)

انبیائے کرام کی آمنہ بی بی کو بشارتیں

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حمل کے اول ماہ میں دراز قد والے بزرگ دیکھے۔ انہوں نے فرمایا۔ اَلْبُشْرٰی فَقَدْ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اے آمنہ تجھے بشارت ہو۔ تو تمام رسولوں کے سردار سے حاملہ ہے۔ میں نے کہا آپ کون ہیں۔ فرمایا۔ میں ان کے والد آدم (علیہ السلام) ہوں دوسرے ماہ میں ایک بزرگ میرے پاس تشریف لائے۔ فرمایا۔ اَلْبُشْرٰی فَقَدْ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ بشارت ہو تمہیں بیشک تو اولین و آخرین کے سردار سے حاملہ ہے۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں فرمایا شیث علیہ السلام۔ فرماتی ہیں تیسرے ماہ میں ایک بزرگ تشریف اور فرمانے لگے۔ اَلْبُشْرٰی فَقَدْ حَمَلْتِ بِالنَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔ آمنہ خاتون تجھے بشارت ہو تیرے پیٹ میں نبی کریم تشریف فرما ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں فرمایا میں نوح علیہ السلام ہوں۔ چوتھے ماہ ایک اور بزرگ تشریف لائے اور فرمایا۔ اَلْبُشْرٰی فَقَدْ حَمَلْتِ بِالسَّیِّدِ الشَّرِیْفِ وَالنَّبِیِّ الْعَفِیْفِ۔ تمہیں بشارت ہو کہ تم ایک بزرگ صاحب شرافت اور پاک نبی سے حاملہ ہے میں نے پوچھا آپ کون بزرگ ہیں۔ کہنے لگے میں ادریس علیہ السلام ہوں۔ پانچویں ماہ ایک بزرگ آئے اور فرمایا اَلْبُشْرٰی فَقَدْ حَمَلْتِ بِسَیِّدِ الْبَشَرِ آپ کو خوشخبری ہو کہ آپ تمام انسانوں کے سردار سے حاملہ ہیں۔

آپ نے ماہ ربیع الاول اور پیر کو ولادت پاک سے وہ شرافت بخشی جو کسی اور مہینہ اور دن کو نہیں۔ حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگرچہ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے مگر پیر کی اس ساعت مبارک کا کیا مقابلہ کر سکتی ہے جس میں دونوں جہان کی رحمت نازل ہوئی۔ (مدارج جلد دوم صن۲)

حضور کے ظہور کے وقت جنت کا سجانا

اب وہ مبارک وقت آتا ہے کہ دونوں جہان کا سردار دنیائے عالم کو اپنے قدم مبارک سے مزین اور نورانی فرماتے ہیں۔ خالق کائنات کا ملائکہ کو حکم ہوا کہ آسمانوں کے دروازے کھول دو۔ جنت کے در بھی کھول دو شمس کو لباس نور پہنا دو۔ گویا عالم کو نور علیٰ نور کر دو۔ کیوں نور والا تشریف لاتا ہے۔ (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ صت۲)

جنتی عورتیں اور حوریں دائیاں بن کر آتی ہیں

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتی ہیں کہ جب ولادت شریف کا وقت قریب ہوا تو میں بالکل تنہا تھی حضرت عبد المطلب طواف کعبہ میں مشغول تھے۔ میں نے ایک آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہوئی اور پھر میں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندے نے اپنا بازو میرے دل پر ملا تو مجھ سے خوف و ہراس چلا گیا۔ پھر میں نے اپنے پاس سفید رنگ کا شربت دیکھا پس اسکو نوش فرمایا اس سے مجھے قرار حاصل ہوا اور ایک نور بلند کو ملاحظہ فرمایا۔ میں بالکل اکیلی تھی۔ اب کیا دیکھتی ہوں کہ کچھ عورتیں بلند قد کھجور کے درخت کی مانند موجود ہیں۔ گویا وہ عبد مناف کی بیٹیاں ہیں۔ میں بڑی حیران ہوئی کہ یہ عورتیں بلند قامت کہاں سے میرے پاس تشریف لے آئیں ہیں۔ میں اسی حیرانگی میں تھی کہ ایک خاتون بولی کہ میں آسیہ بیگم فرعون کی عورت ہوں۔ دوسری نے کہا میں حضرت مریم بنت عمران ہوں۔ اور

یہ دوسری بیگمات حوریں ہیں۔

حضرات! اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے کرام زندہ ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ ان کو مردہ خیال کرنے والا خود مردہ ہے۔ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالٰے عنہا فرماتی ہیں ہر ساعت ایک ہولناک آواز سنتی تھی جو پہلے سے زیادہ ڈراؤنی ہوتی تھی۔

ملائکہ کا حضور کی زیارت کے لئے آنا

حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ اسی اثنا میں سفید رنگ کی دیباج دیکھی۔ جسے آسمان و زمین کے درمیان بچھایا گیا۔ بہت سے آدمی دیکھے جو آسمان و زمین کے مابین کھڑے ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کے لوٹے ہیں پھر پرندوں کی ایک جماعت دیکھی جنہوں نے میرے کمرے کو ڈھانک دیا۔ ان کی چونچیں زمرد اور پر یاقوت کے تھے اللہ تعالٰے نے میری آنکھوں سے حجابات کو دور کر دیا۔ میں نے مشرق و مغرب کو ملاحظہ فرمایا (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰے اپنے خاص بندوں سے حجابات دور فرماتا ہے۔ اور تمام دنیا بیکوقت ان کی نگاہ میں ہوتی ہے) پھر آپ نے تین جھنڈے دیکھے کہ ایک مشرق میں نصب کیا گیا اور ایک مغرب میں اور ایک کعبہ شریف کی چھت پر (یہ اشارہ تھا کہ آپ کی حکومت مشرق سے مغرب تک ہو گئی) جھنڈے نصب ہو گئے تو اب شہنشاہ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے باہزاراں جاہ وجلال اس گلشن دنیا میں طلوع اجلال فرمایا۔ جس کی آمد کا مژدہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالٰے کی طرف سے نور تشریف لایا ہے۔ آپ نے دنیا میں قدم مبارک رکھتے ہی اللہ تعالٰے کی بارگاہ میں اپنا سر مبارک سجدہ میں جھکا کر دنیا کو تلا دیا کہ محبوبان خدا عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔

حضور کا تمام دنیا کا دورہ کرنا ۔ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک سفید بادل نے آپ کو ڈھانک کر میری نگاہ سے غائب کردیا میں نے ایک آواز سنی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ طُوفُوْا بِہٖ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَاَدْخِلُوْهُ الْبِحَارَ لِيَعْرِفُوْهُ بِاِسْمِهٖ وَنَعْتِهٖ وَصُوْرَتِهٖ۔ یعنے آپ کو زمین کے مشرق اور مغرب کا دورہ کراؤ اور سمندروں میں لے جاؤ۔ تاکہ اہل دنیا آپ کے اسم مبارک اور نعت شریف۔ صورت سے واقف ہو جائیں۔ پھر وہ بادل چلا گیا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ ایک ریشمی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور پانی کے قطرات گر رہے ہیں۔ اور کہنے والا کہہ رہا ہے بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا لَمْ يَبْقَ خَلْقٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِلَّا دَخَلَ فِيْ قَبْضَتِهٖ۔ واہ واہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ جما لیا ہے اہل دنیا سے کوئی مخلوق باقی نہیں رہی جو آپ کے قبضہ میں داخل نہ ہوئی ہو (ثابت ہوا کہ تمام دنیا پر آپ کا اختیار ہے۔ اور آپ مالک ہیں) جب میں نے حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ چودھویں رات کے چاند ہیں۔ اور آپ سے کستوری کی مشک آرہی ہے۔ (مدارج جلد دوم صـ۲۳/۲۲، انوار محمدیہ صـ۲۳/۲۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے۔ رضوان جنت نے آپ کے کان مبارک میں عرض کی۔

اَبْشِرْ يَا مُحَمَّدُ فَمَا بَقِيَ لِنَبِيٍّ عِلْمٌ وَقَدْ اُعْطِيْتَهٗ فَاَنْتَ اَكْثَرُهُمْ عِلْمًا وَاَشْجَعُهُمْ قَلْبًا۔

یا رسول اللہ بشارت ہو میں نے ہر نبی کا علم آپ کو عطا کیا ہے۔

آپ کا علم سب نبیوں سے زیادہ ہے اور تمام سے زیادہ دلیر اور شجاع ہیں (انوار محمدیہ صہ۲۴)

وقت ولادت عجائبات کا ظہور

حضور اقدس صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت عجیب عجیب واقعات ظہور میں آئے ان میں کچھ معتبر کتابوں کے حوالوں سے قلمبند کئے جاتے ہیں

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت کعبہ معظمہ کے پاس گیا آدھی رات کو دیکھا کہ کعبہ معظمہ مقام ابراہیم کو جھک گیا اور سجدہ کیا۔ اور اس سے آواز آئی۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَبُّ مُحَمَّدِ ِالْمُصْطَفٰى اَلْاٰنَ قَدْ طَهَّرَنِیْ رَبِّیْ مِنْ اَنْجَاسِ الْاَصْنَامِ وَاَرْجَاسِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ محمد مصطفٰے (صلے اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے۔ اب بیشک پاک کیا مجھ کو میرے رب نے بتوں کی ناپاکی اور مشرکوں کی پلیدی سے۔ نیز غیب سے آواز آئی کہ کعبہ کے خدا کی قسم حق تعالے نے کعبہ معظمہ کو حضور اقدس صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کا قبلہ اور مسکن بنایا۔ خانہ کعبہ کے آس پاس کے تمام بت پارہ پارہ ہو گئے۔ ہبل نامی بت جو بہت بڑا تھا زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ آمنہ خاتون (رضی اللہ تعالے عنہا) سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم پیدا ہو گئے ہیں۔ (مدارج النبوت جلد دوم صہ۲۳)

(۲) آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں۔ جس وقت آپ پیدا ہوئے تو میں نے ایک نور دیکھا کہ اس نور کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان محلات کو ملاحظہ فرمایا۔ (مدارج جلد دوم صہ۲۲)

خود سرکار دو عالم نور مجسم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں۔ سَأُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَۃُ اِبْرَاہِیْمَ وَبِشَارَۃُ عِیْسٰی وَرُؤْیَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَأَتْ حِیْنَ وَضَعَتْنِیْ وَقَدْ خَرَجَ لَھَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَھَا مِنْہُ قُصُوْرُ الشَّامِ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۳)

ترجمہ:۔ عنقریب میں اپنے امر کا اول بیان کرتا ہوں۔ میں دعوۃ ابراہیم (علیہ السلام) ہوں۔ اور بشارت عیسےٰ (علیہ السلام) ہوں۔ اور اماجان کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے مجھے جنتے وقت دیکھا تھا بیشک ایک نور نکلا جس سے ان کے سامنے ولایت شام کے محلات روشن ہو گئے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ پیدا ہوئے۔ خَرَجَ مَعَہٗ نُوْرٌ اَضَاءَ لَہٗ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (انوار محمدیہ ص۲۴)

ترجمہ:۔ ایک نور آپ کے ساتھ ظاہر ہوا۔ جس سے مشرق و مغرب کا مابین روشن ہو گیا۔ یعنے سب روئے زمین چمک اٹھی۔ جب چمکانے والا نور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالے عنہ عرض کرتے ہیں۔ وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِکَ الْاُفُقُ۔ فَنَحْنُ فِیْ ذٰلِکَ الضِّیَاءِ وَفِی النُّوْرِ وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ۔ (سیرت حلبی ص۹۶، انوار محمدیہ ص۲۵)

ترجمہ:۔ اور جب آپ پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور مبارک سے آفاق منور ہو گئے پس ہم اس ضیاء اور نور میں ہدایت، کے راستوں کو قطع کر رہے ہیں۔

ان روایتوں سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ حبیب خدا نور رکھے۔ جسکی وجہ سے تمام زمین روشن ہو گئی۔

(۲) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالے عنہ اپنی والدہ سے

روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں شہنشاہ دو عالم کی ولادت با سعادت کے وقت حاضر تھی۔ میں نے ایک نور دیکھا جس سے سارا گھر روشن ہوگیا۔ ستاروں کو دیکھا کہ وہ زمین کے بالکل قریب آگئے۔ میں خیال کرنے لگی۔ کہ وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

(مدارج النبوت جلد دوم ص۲۱، انوار محمدیہ ص۲۵، سیرت نبوی ص۳۸، سیرت حلبی ص۶۸)

(۴) حضرت عبدالرحمن بن عوف اپنی والدہ شفاء رضی اللہ تعالے عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ جب حضرت آمنہ رضی اللہ تعالے عنہا سے آپ پیدا ہوئے تو میرے ہاتھوں پر آئے اور آپ کی آواز نکلی تو میں نے کہنے والے کو سنا کہہ رہا ہے۔ رَحِمَكَ اللّٰهُ۔ (یعنی اے محمد صلے اللہ تعالے علیہ وسلم آپ پر اللہ تعالے کی رحمت ہو) شفاء رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی۔ یہاں تک کہ میں نے روم ولایت کے بعض محل دیکھے۔ پھر آپ کو کپڑا پہنایا۔ اور لٹا دیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی۔ کہ مجھ پر ایک تاریکی اور رعب اور لرزہ چھا گیا۔ آپ میری نظر سے غائب ہوگئے۔ پس میں نے ایک کہنے والے کی آواز سنی۔ کہ کہتا ہے کہ ان کو کہاں لے گئے تھے۔ جواب دینے والے نے کہا مشرق کی طرف۔ حضرت شفاء رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں اس واقعہ کی عظمت برابر میرے دل میں رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالے نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ پس میں اول اسلام لانے والوں میں ہوئی۔ (انوار محمدیہ ص۲۵،۲۶، نشر الطیب ص۱۸)

(۵) آپ کی ولادت مبارک کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا اور پھٹ گیا۔ اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے علماء کرام نے فرمایا

کہ چودہ کنگروں کا گرنا اشارہ تھا کہ چودہ بادشاہوں کے بعد ان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ (مدارج جلد دوم صـ۲۴، سیرت حلبی صـ۸۵ انوار محمدیہ صـ۲۶)

(۶) دریائے سادہ خشک ہو گیا اور نہر سادہ جو ایک مدت سے خشک تھی جاری ہو گئی۔ اور فارس کا آتشکدہ جو ایک ہزار برس سے برابر روشن تھا کہ کبھی نہ بجھا تھا حضور کی ولادت پاک کے وقت بجھ گیا۔ (مدارج جلد دوم صـ۲۴۔ انوار محمدیہ صـ۲۶۔ سیرت حلبی صـ۸۶)

(۷) جس رات سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ایک جماعت قریش کی جس میں ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل بھی شامل تھے۔ اپنے بُت کے پاس گئے۔ دیکھا کہ بت سرنگون زمین پر گرا پڑا ہے۔ اسے سیدھا کیا۔ وہ پھر گر پڑا۔ اسی طرح وہ تین مرتبہ کھڑا کیا مگر وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ کہنے لگے آج کوئی بات ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ گر پڑتا ہے۔ بڑے مغموم اور ملول ہوئے۔ اتنے میں بت کے اندر ہاتف نے بلند آواز سے کہا۔ شعر

تَرَدّٰی لِمَوْلُوْدٍ اَنَارَتْ بِنُوْرِہٖ ٭ جَمِیْعُ فِجَاجِ الْاَرْضِ بِالشَّرْقِ وَالْغَرْبِ

وَخَرَّتْ لَہُ الْاَوْثَانُ طُرًّا وَاَرْعَدَتْ ٭ قُلُوْبُ مُلُوْکِ الْاَرْضِ جَمْعًا مِّنَ الرُّعْبِ

ترجمہ:۔ بت اس مبارک مولود کی وجہ سے گر جاتا ہے۔ جس کے نور سے مشرق و مغرب کی تمام زمین روشن ہو گئی اور تمام بت گر گئے اور رعب کی وجہ سے تمام دنیا کے بادشاہوں کے دل کانپ اٹھے۔

(سیرۃ حلبی صـ۸۴/۸۵، مدارج جلد دوم صـ۲۵)

آٹھواں وعظ

حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کا میلاد مبارک

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ٥ پارہ ۳۰

ترجمہ:۔ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضرات! زمانہ قدیم سے دنیائے اسلام میں عید میلاد النبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی تقریب منائی جاتی ہے۔ بارہویں ربیع الاول کا مقدس روز اہل ایمان کے واسطے مسرت و خوشی کے اعتبار سے بمنزلہ عید کے ہے۔ مگر ہر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ جن کو حضور سراپا نور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم نہیں بھاتی۔ وہ صرف اس میلاد شریف کو بدعت ہی نہیں کہتے بلکہ میلاد شریف کے کرنے والوں کو بدعتی اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کو اس کار خیر میں حصہ لینے سے روکتے ہیں۔ اس واسطے حق کے اظہار کے لئے میلاد مبارک کی تقریر لکھی جاتی ہے۔

حضرات! میلاد شریف کا ثبوت قرآن مجید۔ حدیث پاک اور اقوال سلف سے ہے۔ میلاد شریف میں ہزاروں برکتیں ہیں اس کو بدعت کہنے والے خود بدعتی اور بے دین ہیں۔

محفل میلاد کی حقیقت:۔ سب سے پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ حقیقت میلاد کیا ہے۔ میلاد مولود۔ مولد یہ تینوں لفظ متقارب المعنی ہیں۔ حقیقت میلاد صرف یہ ہے کہ مسلمان ایک جگہ جمع ہوں اور ایک عالم دین ان کے سامنے حضور سراپا نور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ولادت مبارک۔ معجزات اور آپ کے اخلاق حمیدہ وغیرہ بیان کرے۔ آخر میں بارگاہ رسالت میں درود و سلام با ادب کھڑے ہو کر پیش کریں۔ اگر توفیق ہو تو

شیرینی پر فاتحہ دے کر فقراء و مساکین کو کھلائیں۔ احباب میں تقسیم کریں پھر دعا مانگ کر اپنے اپنے گھروں میں واپس آجائیں۔

یہ تمام چیزیں جو ذکر کی گئیں ہیں حدیث و قرآن اور علماء امت کے زریں اقوال سے ثابت کی جاتی ہیں باقی ہدایت کی توفیق دینا قبضہ خدا میں ہے۔

میلاد سنت الٰہیہ ہے:۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف خود اللہ تعالےٰ نے بیان کیا تو میلاد شریف بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ٥ پارہ ۱۱ سورۃ توبہ۔

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں اور مسلمانوں پر کرم کرنے والے مہربان ہیں۔

حضرات! اللہ تعالےٰ نے فرمایا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ الآیۃ۔ اے مسلمانو! تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لائے۔ اس میں ولادت باسعادت کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا مِّنْ أَنفُسِكُمْ۔ آپ تم میں سے ہیں۔ اگر بفتح فاء پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا۔ تمہاری بہترین جماعت میں ہیں۔ اس میں سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب پاک بیان ہوا۔ پھر حَرِيصٌ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ میں آپ کی نعت شریف کا بیان فرمایا۔ میلاد مبارک مروجہ میں یہی تین امور بیان ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ میلاد شریف بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔

(۲) لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا۔ پارہ ۴ سورۃ آل عمران

بیشک اللہ تعالٰے نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ ان میں اپنا رسول معظم بھیجدیا
دیکھو یہاں حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی آمد کا ذکر ہے
اور یہی میلاد مبارک ہے۔

(۳) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی نعمت ہیں
خاتم الانبیاء
نبی الانبیاء

حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ وحدہٗ لاشریک کی ایک نعمت عظمٰی ہیں اور یہ ایک بدیہی امر ہے اور کسی دلیل کی طرف محتاج نہیں۔ مگر منکر نجدی بدیہات کے بھی منکر ہیں۔ لہٰذا ان کے رفع شکوک کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا نعمت الٰہی ہونا حدیث صحیح بخاری سے پیش کیا جاتا ہے۔ خدا تعالٰے عقل و فہم سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

عن ابن عباس اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ کُفْرًا قَالَ ھُمْ وَاللّٰہِ کُفَّارُ قُرَیْشٍ قَالَ عَمْرٌو ھُمْ قُرَیْشٌ وَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَۃُ اللّٰہِ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۵۶۶)

ترجمہ:- ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے بدل دیا اللہ کی نعمت کو کفر سے۔ فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خدا کی قسم وہ کفار قریش ہیں۔ عمرو (ابن دینار) رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا وہ (بدلنے والے) قریش ہیں اور اللہ تعالٰے کی نعمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرات۔ اس آیت اور اسکی تفسیر سے صراحۃً ثابت ہوا کہ آقائے دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اللہ تعالٰی کی عظیم نعمت ہیں اور اس نعمت کی بے قدری کرنے والے کفار قریش ہیں۔ اب بھی جو بدقسمت اسکی ناقدری کرتا ہے وہ انہی کفار کے ساتھ ہوگا۔ العیاذ باللہ۔
جب سید عالم نعمت اللہ ہیں تو نعمت اللہ کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے یہ فیصلہ خود

اللہ تعالیٰ کی کلام ہی کرے گی۔ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ — اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

پارہ ۳۰

۲۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ — اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے۔

پارہ ۴ سورۃ آل عمران

دیکھو۔ اللہ تعالیٰ حضور کے ذکر کرنے اور چرچا کرنے کا حکم فرماتا ہے اور میلاد مبارک میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہی ہوتا ہے۔ جو مامور بہ ہے۔ تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد شریف بدعت و ناجائز کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ بدعت کے کرنے کا بھی حکم دیتا ہے۔ میلاد پاک کو بدعت کہنے والے قرآن عظیم کے حقائق کے سمجھنے سے کتنے دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو معارف قرآن کے سمجھنے کی توفیق ہی عطا نہیں فرمائی۔

میلاد بیان کرنا سنت مصطفٰے ہے

حضرات! منکر اور نجدی وہابی خواہ مخواہ میلاد مبارک کے بارے میں بضد ہیں۔ اور اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں حالانکہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا میلاد خود اپنی مبارک زبان سے بیان کیا۔ حضرات سنیو! سنو۔ اور اپنے قلوب کو حسن عقیدت سے کرو۔ وہابیہ تو ہمیشہ اس نعمت سے محروم ہی رہیں گے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی بد عقیدہ نے آپ کے نسب شریف میں طعن کیا ہے تو

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا — پس حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور فرمایا

أَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ قَالَ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا الخ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا

رواہ الترمذی

(مشکوٰۃ ص۵۱۳)

کہ میں کون ہوں۔ صحابہ نے عرض کی آپ اللہ کے رسول۔ فرمایا میں عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کا بیٹا ہوں۔ اللہ نے مخلوق پیدا کی ان میں سب سے بہتر مجھے بنایا پھر سب مخلوق کے دو گروہ کئے ان میں مجھے بہتر بنایا۔ پھر ان کے گھرانے بنائے۔ مجھے ان میں بہتر بنایا تو میں ان سب میں اپنی ذات کے اعتبار اور گھرانے کے اعتبار سے بہتر ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خود محفل میلاد منعقد فرمائی جس میں اپنا حسب ونسب بیان فرمایا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ محفل میلاد کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس محفل میں ان لوگوں کا رد کیا جائے جو آپ کی بدگوئی کریں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

حضرات! اب منکرین سے پوچھو کہ اب بتاؤ میلاد بیان کرنا حرام وبدعت ہے یا سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ خدا تم کو فہم و دانش ہی نہیں بلکہ ہدایت وسعادت عطا فرمائے ورنہ شیطان کچھ کم عالم ہے۔ مگر راندۂ بارگاہ الٰہی ہے۔

میلاد مبارک پر منکرین کا بڑا اعتراض

منکرین میلاد پاک کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ میلاد شریف میں دن مقرر کیا جاتا ہے اور دن کا تعین شریعت میں زیادتی ہے لہٰذا میلاد ناجائز ہے۔ ان کا یہ سوال گیارہویں۔ تیجہ ساتواں۔

چالیسواں وغیرہ میں مشترک ہے۔

اولاً اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک دن کا تعین واجب و ضروری نہیں۔ بلکہ ہم اہلسنت رات۔ دن ہر ہفتہ اور ہر مہینے میں میلاد کرنا باعث نجات وسعادت سمجھتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اس زمانہ کے منکرین میلاد سیرت نبوی کے جلسے کرتے ہیں جن میں دن مقرر کیا جاتا ہے اور تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ مولوی مقرر کئے جاتے ہیں۔ وقت مقررہ پر لوگوں کو بڑے زور سے بلایا جاتا ہے۔ یہ چیزیں فقیر نے دیکھی اور سنی ہیں۔ پس اگر اتنے تعینات کے باوجود جلسہ سیرت نبوی تو جائز ہو جاتا ہے۔ (کیونکہ وہ خود کرتے ہیں اور ملا کے گھر ہر شئے حلال ہوتی ہے۔ حرام صرف دوسروں کے لئے ہوتی ہے) اور جلسۂ میلاد نبوی حرام و بدعت ہو جاتا ہے۔

ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ مابہ الامتیاز پیش کرو۔ کہ جس سے سیرت کے جلسے جائز رہیں اور میلاد کے جلسے اور محفلیں حرام ہوں۔ ذرا منہ کھولو۔ اور جواب دو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جو چیز ان کے عقیدے میں بھی حرام ہے۔ وہ ان کے لئے حلال ہے۔ جو چیز فی نفسہ حلال ہے۔ وہ ہم اہلسنت پر حرام ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ جب خدا دین لیتا ہے تو عقل بھی لے لیتا ہے۔

ثالثاً یہ کہنا کہ دن مقرر کرنا یا کسی دن کی یادگار منانا حرام و بدعت ہے یہ منکرین کی اپنی خود ساختہ شریعت ہے۔ قرآن پاک اور حدیث پاک میں اسکی تصریح موجود ہے۔ مگر اندھوں کو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ ان کی بدقسمتی ہے اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ وہ اپنی بدقسمتی پر روئیں۔

(۱) گوش ہوش سے سنو! قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ (اے موسیٰ علیہ السلام) ان کو یاد دلایئے اللہ کے دن۔

پارہ ۱۳ سورۃ ابراہیم

تشریح سب عام وخاص جانتے ہیں کہ ہر دن اور ہر رات اللہ تعالٰے ہی کی ہے۔ پھر ان اللہ کے ایام سے کیا مراد ہے پتہ چلا۔ کہ اللہ کے دنوں سے مراد ہے۔ خدا کے وہ مخصوص دن جن میں اسکی نعمتیں اس کے بندوں پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں حضرت سیدنا موسےٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ آپ اپنی قوم کو وہ دن یاد دلائیں۔ جن دنوں میں اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔ عقلمند اگر من وسلوای کے نزول کا دن بنی اسرائیل کو منانے کا حکم ہوتا ہے تو آقائے دو جہان صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جو تمام نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بلکہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو باقی نعمتیں اسی نعمت عظمےٰ کے واسطے سے نازل ہوتی ہیں۔ تو یوم ولادت باسعادت منانا اور خوشی میں جلوس نکالنے اور جلسے منعقد کرنے۔ مساکین کے لئے کھانا تقسیم کرنا کیوں بدعت و حرام ہے۔

حدیث پاک سے تعین یوم پر دلیل

۱:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَوَجَدَ الْیَھُوْدَ صِیَامًا یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاھٰذَا الْیَوْمُ الَّذِیْ تَصُوْمُوْنَہٗ فَقَالُوْا ھٰذَا یَوْمٌ عَظِیْمٌ اَنْجَی اللّٰہُ فِیْہِ مُوْسٰی وَ قَوْمَہٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَہٗ

ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ یہود یوم عاشورا کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے پوچھا اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو۔ یہودیوں نے کہا یہ ایک بڑا دن ہے جس میں اللہ نے موسےٰ (علیہ السلام) اور انکی قوم کو نجات

فَصَامَهٗ مُوْسٰی شُکْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ -
متفق علیہ
(مشکوٰۃ ص۱۸۰)

دی اور فرعون اور اسکی قوم کو غرق کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے (اس) شکریئے میں روزہ رکھا اور ہم بھی اس دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم موسیٰ (علیہ السلام) سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہیں تو آپ نے خود روزہ رکھا اور (دوسروں کو) روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

حضرات! اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ نعمت ملی کہ دشمن سے نجات ملی اور دشمن ہلاک ہوا تو اس روز بطور شکر یہ اسی دن کی یادگار منانے کے لئے ہمیشہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے اور خود سردار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ کر اور حکم دے کر واضح فرمادیا۔ کہ نعمت نازل ہونے کے دن عبادت کرنا اور اسکی یادگار منانا سنت انبیاء ہے۔ لہٰذا ہم اہلسنت ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو جس میں ولادت با سعادت کی نعمت نازل ہوئی جو سب نعمتوں سے عظیم ترین نعمت ہے جلسے منعقد کر کے جلوس نکال کر خوشی کا اظہار کر کے سنت انبیاء پر عمل کرتے ہیں۔ اور منکرین اس روز شیطان کی طرح جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ کوئی سنت انبیاء پر عمل کرتا ہے اور کوئی سنت شیطان پر عمل کرتا ہے۔

(۲) دوسری حدیث

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزہ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا

يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۱۷۹)

کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن اترا۔

دیکھو سنیئے! حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر پیر کے روز دو نعمتیں ملی تھیں تو آپ نے پیر کے دن روزہ رکھنے کے لئے معین فرمایا۔ منکرین تعین یوم کو بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اب ان سے پوچھو۔ کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن کو روزہ کے لئے معین اور مخصوص فرمایا ہے۔ اب کیا فتویٰ ہے۔ نالائقو! تمہارے فتووں سے سارا دین برباد ہو جائیگا۔ لہذا ایسے من گھڑت فتووں سے باز آو۔ ورنہ خدائے قہار کا عذاب شدید ہے۔

منکرین خود حرام کے مرتکب ہیں

منکرین دن مقرر کرنے کو حرام بتاتے ہیں۔ یوم آزادی کے روز ہر سال جلسوں میں شریک ہو کر خود ہی حرام کا ارتکاب کرتے ہیں یہ ہے ان کی دیانت۔

جواز میلاد پر اولیائے کرام اور علمائے اعلام کی شہادتیں۔

حضرات! یوں تو میلاد مبارک کے استحباب و استحسان پر بہت سے علماء سلف کے اقوال موجود ہیں۔ مگر بخوف طوالت چند کے اقوال درج کتاب کئے جاتے ہیں جو شکوک کے ازالہ کے لئے کافی ہیں۔ اور ضدی منکر کے لئے تو سارا دفتر بھی بیکار ہے۔

(۱) امام ابو شامہ امام نووی کے استاد کا قول

وَمِنْ اَحْسَنِ مَا ابْتُدِعَ فِيْ زَمَانِنَا مَا يُفْعَلُ كُلَّ عَامٍ فِي الْيَوْمِ الْمُوَافِقِ لِيَوْمِ مَوْلِدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّدَقَاتِ

ہمارے زمانے کی اچھی ایجادوں میں وہ افعال ہیں جو مولد النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دن کئے جاتے ہیں۔ یعنے صدقات۔ بھلائی کے کام۔ زینت

وَالْمَعْرُوْفِ وَاِظْهَارِ الزِّيْنَةِ	وسرور کا اظہار۔ کیونکہ ......
فَاِنَّ ذٰلِکَ مَعَ مَافِیْهِ مِنَ الْاِحْسَانِ	اس میں فقرا کے ساتھ احسان کرنے
لِلْفُقَرَاءِ مُشْعِرٌ بِمَحَبَّةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ	کے علاوہ اس بات کا اشعار ہے کہ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَعْظِیْمِهٖ فِیْ قَلْبِ فَاعِلِ	میلاد کرنے والے کے دل میں نبی
ذٰلِکَ وَشُکْرُ اللّٰهِ عَلٰی مَامَنَّ بِهٖ مِنْ	کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت
اِیْجَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	اور تعظیم ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا
اَلَّذِیْ اَرْسَلَهٗ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔	شکریہ ادا کرنا ہے جو اس نے رحمۃ للعٰلمین
(سیرت حلبی ص۸۰ سیرۃ نبوی ص۴۵)	کو پیدا فرما کر ہم پر احسان فرمایا ہے۔

(۲) حضرت حافظ الحدیث ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

فَاِذَا کَانَ هٰذَا اَبُوْلَهَبٍ الْکَافِرُ	جب ابولہب کافر جس کی مذمت میں قرآن
اَلَّذِیْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِذَمِّهٖ جُوْزِیَ	پاک نازل ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ
بِفَرْحِهٖ لَیْلَةَ مَوْلِدِ النَّبِیِّ	تعالےٰ علیہ وسلم کی ولادت کی
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَا حَالُ	خوشی میں جزا نیک مل گئی (عذاب
الْمُسْلِمِ الْمُوَحِّدِ مِنْ اُمَّتِهٖ	میں تخفیف) تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسَرُّ	وسلام کی امامت کے مسلمان۔ موحد
بِمَوْلِدِهٖ وَیَبْذُلُ مَا تَصِلُ	کا کیا حال ہوگا۔ جو حضور کی ولادت
اِلَیْهِ قُدْرَتُهٗ فِیْ مَحَبَّتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ	کی خوشی مناتا ہو اور حضور کی محبت میں
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَمْرِیْ اِنَّمَا یَکُوْنُ	حسب طاقت خرچ کرتا ہو۔ مجھے اپنی
جَزَاؤُهٗ مِنَ اللّٰهِ الْکَرِیْمِ اَنْ یُّدْخِلَهٗ	جان کی قسم اللہ کریم سے اس کی
بِفَضْلِهِ الْعَمِیْمِ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ۔	جزا یہ ہے کہ اس کو اپنے فضل عمیم سے
(انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ ص۲۸)	جنت نعیم میں داخل فرمائے گا۔

(۳) حضرت امام سخاوی علیہ رحمت الباری کا مبارک قول

لَمْ يَفْعَلْهُ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ فِي الْقُرُوْنِ الثَّلَاثَةِ وَاِنَّمَا حَدَثَ بَعْدُ ثُمَّ لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْكِبَارِ يَعْمَلُوْنَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ فِي لَيَالِيْهِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَمِيْمٍ

تینوں زمانوں میں سلف نے کسی نے میلاد (مروجہ) نہیں کیا اس کے بعد شروع ہوا پھر ہمیشہ مسلمان ہر طرف اور بڑے شہروں میں میلاد کرتے ہیں اور ان راتوں میں ہر قسم کا صدقہ کرتے ہیں اور میلاد شریف بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں میلاد شریف کی برکت سے ان پر ہر قسم کا فضل و رحمت نازل ہوتی ہے

(سیرۃ حلبی ص۸۰ و سیرۃ نبوی ص۴۵)

فائدہ امام سخاوی کی کلام سے ثابت ہوا کہ میلاد شریف مسلمان کرتے ہیں اور ہر ملک ہر شہر میں کرتے ہیں۔ اور میلاد کرنے والوں پر فضل الٰہی نازل ہوتا ہے۔

(۴) حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

لَا زَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ يَحْتَفِلُوْنَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَيَعْمَلُوْنَ الْوَلَائِمَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ فِي لَيَالِيْهِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيُظْهِرُوْنَ السُّرُوْرَ وَيَزِيْدُوْنَ فِي الْمَبَرَّاتِ وَيَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيْمِ

(انوار محمدیہ ص۲۹)

ہمیشہ مسلمان ولادت پاک کے مہینہ میں محفل میلاد منعقد کرتے آئے ہیں۔ اور دعوتیں کرتے ہیں۔ اور اس ماہ کی راتوں میں ہر قسم کا صدقہ کرتے ہیں۔ اور خوشی مناتے ہیں۔ نیکی زیادہ کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔

۵۔ حضرت امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

مِنْ خَوَاصِّهٖ اِنَّهٗ اَمَانٌ فِیْ ذٰلِكَ الْعَامِ وَبُشْرٰی عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ وَاَوَّلُ مَنْ اَحْدَثَهٗ مِنَ الْمُلُوْكِ اَلْمَلِكُ الْمُظَفَّرُ اَبُوْ سَعِيْدٍ صَاحِبُ اَرْبَلْ وَاَلَّفَ لَهُ الْحَافِظُ ابْنُ وَحْيَةَ تَاْلِيْفًا سَمَّاهُ التَّنْوِيْرُ فِیْ مَوْلِدِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ فَاَجَازَهُ الْمَلِكُ الْمُظَفَّرُ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ وَصَنَعَ الْمَلِكُ الْمُظَفَّرُ الْمَوْلِدَ وَكَانَ يَعْمَلُهٗ فِیْ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ وَيَحْتَفِلُ بِهٖ اِحْتِفَالًا هَائِلًا وَكَانَ شَهْمًا شُجَاعًا بَطَلًا عَاقِلًا عَالِمًا عَادِلًا وَطَالَتْ مُدَّتُهٗ فِی الْمُلْكِ اِلٰی اَنْ مَاتَ وَهُوَ مُحَاصِرًا لِفَرَنْجِ بِمَدِيْنَةِ عَكَا سَنَةَ ثَلَاثِيْنَ وَسِتَّمِائَةٍ مَحْمُوْدُ السِّيْرَةِ وَالسَّرِيْرَةِ (سیرت نبوی ص)

میلاد شریف کی ایک تاثیر یہ ہے سال بھر امن رہیگا اور مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے۔ بادشاہوں میں سے جس سے پہلے میلاد شریف کا ایجاد کیا وہ منظفر ابو سعید شاہ اُرْبَلْ تھا۔ اس کے لئے حافظ ابن وحیہ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام التنویر فِیْ مَوْلِدِ الْبَشِيْرِ النَّذِيْرِ رکھا بادشاہ نے اسکو ہزار دینار نذر کئے بادشاہ مظفر نے میلاد کیا۔ اور وہ ربیع الاول شریف میں میلاد کیا کرتا تھا۔ اور اس میں عظیم الشان محفل منعقد کرتا تھا۔ اور وہ ذکی۔ بہادر۔ دلیر عقلمند۔ عالم۔ عادل تھا۔ اس کا زمانہ حکومت طویل رہا یہاں تک انگریزوں کا محاصرہ کرتے ہوئے عکا شہر میں انتقال کر گیا ۶۳۰ھ میں وہ سیرت اور عادت کا اچھا تھا۔

فائدہ اس مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ اُرْبَلْ ملک منظفر ابو سعید عالم عادل ہونے کے علاوہ مجاہد بھی تھا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی لہٰذا جن لوگوں نے انہیں بُرے کلمات سے یاد کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔

(۶) حضرت ابن جوزی کے پوتے رحمۃ اللہ علیہ کا قول

قَالَ سِبْطُ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِیْ مِرْآۃِ الزَّمَانِ حَکٰی لِیْ بَعْضُ مَنْ حَضَرَ سِمَاطَ الْمُظَفَّرِ فِیْ بَعْضِ الْمَوْلِدِ فَذَکَرَ اَنَّہٗ عَدَّ فِیْہِ خَمْسَۃَ اٰلَافِ رَاْسِ غَنَمٍ وَعَشَرَۃَ اٰلَافِ دُجَاجَۃٍ وَمِائَۃَ اَلْفِ زُبْدِیَّۃٍ وَثَلَاثِیْنَ اَلْفِ صَحْنِ حَلْوٰی وَکَانَ یَحْضُرُ عِنْدَہٗ فِی الْمَوْلِدِ اَعْیَانُ الْعُلَمَآءِ وَالصُّوْفِیَّۃِ فَیَخْلَعُ عَلَیْہِمْ وَیُطْلِقُ لَہُمُ الْبَخُوْرَ وَکَانَ یَصْرِفُ عَلَی الْمَوْلِدِ ثَلٰثَمِائَۃَ اَلْفِ دِیْنَارٍ

(سیرۃ نبوی ص۴۵)

حضرت ابن جوزی کے پوتے فرماتے ہیں کہ مجھے لوگوں نے بتایا جو ملک مظفر کے دستر خوان پر میلاد شریف کے موقع پر حاضر ہوئے۔ کہ اس کے دستر خوان پر پانچ ہزار بکریوں کے بھنے ہوئے سر۔ دس ہزار مرغ ایک لاکھ پیالی مکھن کی اور تیس ہزار طباق حلوے کے تھے۔ اور میلاد میں اس کے ہاں مشاہیر علماء اور صوفی حضرات حاضر تھے ان سب کو خلعتیں عطا کرتا تھا اور خوشبو دار چیزیں سلگاتا تھا اور میلاد مبارک پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔

فائدہ عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ میلاد مبارک میں فقط عوام ہی حاضر نہیں ہوتے تھے بلکہ مشاہیر علماء اور اولیاء بھی شرکت کرتے تھے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

(۷) حضرت سید احمد زینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

عَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَہٗ کَذٰلِکَ مُسْتَحْسَنٌ

(سیرۃ نبوی ص۴۵)

میلاد شریف کرنا اور لوگوں کا اس میں جمع ہونا بہت اچھا ہے۔

(۸) حضرت سید احمد زینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اَلْمَوَالِدُ وَالْاَذْکَارُ الَّتِیْ تُفْعَلُ عِنْدَنَا اَکْثَرُھَا مُشْتَمِلٌ عَلٰی خَیْرٍ کَصَدَقَۃٍ وَذِکْرٍ وَصَلَاۃٍ وَسَلَامٍ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَدْحِہٖ (فتاویٰ حدیثیہ ص۱۲۹)

محافل میلاد اور اذکار جو ہمارے ہاں کئے جاتے ہیں ان میں سے اکثر بھلائی پر مشتمل ہیں جیسے صدقہ ذکر، صلاۃ وسلام رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی مدح پر۔

۹:۔ افضل الفضلاء علم العلماء فرید العصر مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کا فرمان مبارک

دریں جا سند است مراہل موالید را کہ در شب میلاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سرور کنند و بذل اموال نمایند یعنے ابولہب کافر بود و قرآن بمذمت وے نازل شدہ چوں بسرور میلاد آنحضرت و بذل شیر جاریہ وے بجہت آنحضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است بمحبت و سرور و بذل مال در وے چہ باشد۔ (مدارج جلد دوم ص۲۶)

میلاد شریف کرنے والوں کے لئے اس میں سند ہے جو شب میلاد خوشیاں مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ یعنی ابولہب کافر تھا اور قرآن پاک اس کی مذمت میں نازل ہوا۔ جب اسے میلاد کی خوشی منانے اور اپنی لونڈی کے دودھ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خرچ کرنے کی وجہ سے جزا دی گئی تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو محبت اور خوشی میں بھرپور ہے اس میلاد پاک میں مال خرچ کرتا ہے

۱۱۰۔ فاضل اجل عالم بے بدل خاتم المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نورانی قول

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے کہ میں حاضر ہوا اس مجلس میں جو مکہ معظمہ میں مکان مولد شریف میں تھی۔ بارہویں ربیع الاول کو اور ذکر ولادت شریف اور خوارق عادت وقت ولادت کا پڑھا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یکبارگی کچھ انوار اس مجلس سے ظاہر ہوئے میں نے ان انوار میں تامل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ انوار تھے۔ ملائکہ کے جو ایسی محافل متبرکہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔ اور بھی انوار تھے۔ رحمت الہٰی کے (تواریخ حبیب اللہ صث)

فائدہ:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں ایک مشہور و مقبول محدث تھے۔ تمام دیوبندیوں کی سندیں آپ تک پہنچتی ہیں اب بتاؤ شاہ صاحب بدعتی ہیں (معاذ اللہ) یا تم خود بدعتی ہو۔ فیصلہ کرلو۔ اور جواب دو۔ نیز معلوم ہوا کہ میلاد شریف کی محفل پر انوار رحمت برستے ہیں مگر منکرین ان انوار رحمت سے محروم ہیں۔ بدعت بدعت کہہ کہہ کر عین بدعت ہو گئے ہیں۔

۱۱۱ حضرت مولانا مولوی محمد عنایت احمد صاحب کا قول

حرمین شریفین اور اکثر بلاد اسلام میں عادت ہے کہ ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کرکے ذکر مولود شریف کرتے ہیں اور اکثرت درود کرتے ہیں اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرنی تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ امر موجب برکات عظیمہ ہے۔ اور سبب ہے زیادت محبت کا ساتھ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ محفل متبرک مسجد شریف میں ہوتی ہے اور مکہ مکرمہ میں مکان

ولادت آنحضرت میں (تواریخ حبیب اللہ ص۸)

فائدہ اس کتاب کا حوالہ خاص کر اس لئے دیا گیا کہ منکرین اس کتاب کو معتبر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی نے اپنی کتاب نشر الطیب میں اس کو معتبر کتاب مانا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ منکرین نے ضد و عناد میں آکر غیر معتبر سمجھ لیا ہو۔ دیکھو مصنف کیا لکھتا ہے۔ کبھی لکھتا ہے مولود شریف۔ مگر تم مولود کو بدعت سمجھتے ہو۔ کبھی لکھتا ہے۔ یہ امر موجب برکات عظیمہ ہے۔ تم اس کو موجب ضلالت سمجھتے ہو۔ خدارا انصاف سے کام لو۔ منہ کو سنبھالو۔ برکت کو ضلالت کیوں کہتے ہو۔ مگر سچ یہ ہے کہ تمہارے گھر سچ ہی نہیں ہے۔

(۱۲) عالم ربانی فاضل لاثانی حامی دین نبوی حضرت مولانا حاجی حافظ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی کا قول

نفس ذکر مولود بدعت ضلالت نیست بدو وجہ وجہ اول ذکر مولد عبارت است۔ ازیں کہ ذکر آیتے از آیات قرآنیہ یا حدیثے نبویہ تلاوت کردہ در شرح آں قدرے از فضائل و معجزات احمدیہ و برخے از احوال ولادت و نسب نبوی و خوارقے کہ بوقت ولادت و قبل ازاں ظاہر گردیدند داشاں آنہا بیان ساز و کذا حققہ ابن حجر مالکی فی النعمۃ الکبری علی العالم بمولد

میلاد شریف بدعت ضلالت نہیں دو وجہ سے وجہ اول یہ ہے کہ میلاد کا مطلب یہ ہے کہ مقرر کوئی قرآن کی آیت یا حضور کی حدیث پڑھے اور اس کی تشریح میں حضور کے فضائل معجزات ولادت۔ نسب کے احوال اور ولادت خوارق عادت جو آپ سے ظاہر ہوئے بیان کرے۔ جیسا کہ اسکی تحقیق ابن حجر مالکی نے النعمۃ الکبریٰ علی العالم بمولد سید ولد آدم

سید ولد آدم وغیرہ من العلماء الماہرین
وجود ایں حقیقت در زمانہ نبوی و
زمانہ اصحاب ہم بود۔ اگرچہ مسمیٰ باین
تسمیہ نباشد۔ بر ماہرین فن حدیث
مخفی نخواہد بود کہ صحابہ در مجالس وعظ
و تعلیم علم ذکر فضائل نبویہ و کیفیات
ولادت احمدیہ میکردند و در صحاح
مرویست کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
حسان بن ثابت را در مسجد خود بر منبر
نشانیدند و او شان مدیح نبویہ را
نظم کردہ بودند۔ خواندند آنحضرت
او شاں را دعائے خیر دادند و فرمودند
اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
و ناظر دیوان حسان مخفی نخواہد ماند
کہ در قصائد شاں معجزات نبویہ و
کیفیات ولادت و ذکر نسب شریف
وغیرہ موجود است پس خواندن ہمچوں
اشعار بر سر مجلس عین ذکر مولد است۔
(فتاویٰ ص۱۱۱)

میں کی ہے ان کے علاوہ علمائے
ماہرین نے کی ہے۔
یہ حقیقت یعنی میلاد شریف نبی پاک
صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پاک کے
زمانہ میں موجود تھی اگرچہ یہ نام نہ تھا
فن حدیث کے ماہرین پر یہ پوشیدہ
نہیں۔ کہ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ
علیہم اجمعین مجالس وعظ اور تعلیم
علم میں فضائل اور حالات ولادت
احمدیہ کا ذکر کرتے تھے۔ صحاح میں
مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو اپنی مسجد شریف میں منبر شریف
پر بٹھاتے تھے اور وہ حضور کے
صفت کو نظم اور اشعار میں پڑھتے
تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان
کے حق میں دعائے خیر کرتے اور
فرماتے۔ اے اللہ روح قدس سے
ان کی تائید فرما۔ دیوان حسان کے
ناظر پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ
ان کے قصائد میں معجزات، اور ولادت
پاک کے حالات اور نسب شریف کا ذکر
موجود تھا۔ پس اس قسم کے اشعار کا

پڑھنا کسی محفل و مجلس میں، عین میلاد شریف ہے۔

بعض منکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کو اکٹھا کر کے میلاد شریف پڑھنا جائز نہیں۔ مولانا عبدالحی صاحب ان کی تردید میں لکھتے ہیں۔

دیگر اگر اختلاج ایں امر شود کہ اگرچہ وجود نفس ذکر مولد و فضائل وغیرہ ثابت شدہ مگر ذکر مولد بجمع کردن مردم و طلب کردن احباب از خانہا ثبوت نرسید۔ دفع آں بایں طرح کردہ شود کہ جمع کردن مردم و طلب ایشان برائے نشر علم در حدیث ثابت است
مجموعہ فتاوٰی صلا

اگر یہ شبہ دل میں پیدا ہو کہ اگرچہ نفس ذکر ولادت اور فضائل وغیرہ ثابت ہیں۔ مگر میلاد کا ذکر کرنا لوگوں کو جمع کر کے اور دوستوں کو گھروں سے بلا کر ثابت نہیں۔ تو اسکو اسطرح رد کیا جائیگا کہ علم کے پھیلانے کے لئے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا حدیث پاک سے ثابت ہے۔

فائدہ مولانا نے پھر ایک حدیث بیان کی جس سے ثابت کیا کہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلا کر اپنا میلاد شریف بیان فرمایا

وجہ دوم اینکہ سلمنا کہ وجود ذکر مولد در زمانے از ازمنہ ثلاثہ نبودہ است پس میگوئیم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ کل فرد من افراد نشر العلم فہو مندوب و ذکر مولد فردیست از افراد نشر علم نتیجہ برآمد ذکر المولد مندوب۔
(مجموعہ فتاوٰی صلا ۱۲)

دوسری وجہ جو (میلاد کے لئے) یہ ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ میلاد کا ذکر زمانہ ثلاثہ میں نہ تھا تو ہم کہتے ہیں کہ شرع میں یہ قاعدہ ثابت ہے۔ نشر علم کا ہر فرد مندوب ہوتا ہے اور میلاد شریف کا ذکر بھی نشر علم کا ایک فرد ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ میلاد کرنا مندوب ہے

میلاد شریف کرنے کے قائل کون حضرات ہیں۔ مولانا حافظ عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے سنیئے۔

برہیں مسالک فقہائے متبحرین	اور اسی مسلک پر بہت بڑے فقیہ
واہل افتائے مستنبطین مثل ابوشامہ	اور مفتی حضرات۔ مثل ابوشامہ اور
و حافظ ابن حجر و شامی و امثال آنہا رفتہ	حافظ ابن حجر اور شامی رحمتہ اللہ علیہم
اند و حکم بہ ندب ذکر مولد وادہ اند	اور ان جیسے علماء گئے ہیں۔ اور میلاد
مجموعہ فتاوی ص۱۲	شریف کرنا مستحب بتایا ہے۔

فائدہ اب ہم منکرین میلاد پاک سے پوچھتے ہیں۔ تم بتاؤ۔ کہ کیا اتنے بڑے جید اور متبحر علمائے اسلام سے بھی کوئی تمہارے ساتھ ہے۔

الحمد للہ! کہ اہلسنت کا ہاتھ ایسے اہل اللہ اور متبحرین علمائے اسلام کے پاک دامنوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ خدا تعالیٰ منکرین کو بھی ہدایت نصیب فرمائے۔ کہ ایسی ہستیوں کے دامن کو تھام لیں۔

حضرات! اب یہ بھی مولانا عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے ہی سن لو۔ کہ منکرین کے ساتھ کتنے لوگ ہیں اور کیسے ہیں۔

مخلص مقام اینکہ ذکر مولد فی نفسہ	خلاصہ اس مقام کا یہ ہے کہ ذکر مولد
امریست مندوب خواہ بسبب	فی نفسہ ایک امر مندوب و مستحب
وجود او در خیر الازمنہ یا بسبب اند	ہے۔ خواہ اس لئے کہ قرون ثلاثہ میں
راجش زیر سند شرعی و کسے ندبش	اسکا وجود تھا۔ یا اس لئے کہ یہ قاعدہ
را منکر نشدہ مگر یک طائفہ قلیلہ	شرعی کے نیچے داخل ہے۔ کسی نے
کہ رب النوع آں طائفہ تاج الدین	اس (میلاد) کے ندب کا انکار نہیں کیا
فاکہانی مالکی است۔ ولوا طاقتے	مگر ایک فرقہ قلیلہ (چھوٹا) نے جن
نیست کہ بمقابلہ علمائے مستنبطین	کا بڑا تاج الدین فاکہانی مالکی ہے۔
کہ فتوی بہ ندب ذکر مولد دارند کندپس	اور یہ طاقت (علمی) نہیں رکھتا ہے
قولش دریں باب معتبر نیست	کہ علمائے مستنبطین کا جنہوں نے ذکر
(مجموعہ فتاوی ص۱۳)	مولد کے ندب کا فتوی دیا ہے مقابلہ

کر سکے۔ لہٰذا اسکا قول اس باب
میں غیر معتبر ہے۔

فائدہ مولانا عبدالحی کی مندرجہ بالا عبارت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ منکرین میلاد کی جماعت بالکل قلیل ہے۔ وہ بھی علم و عمل میں ایسے ہیں جو اہل حق علماء کرام کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے اور ان کا قول غیر معتبر ہے فالحمد للّٰہ علٰے ذٰلک

(۱۳) عارف معارف حقیقت سالک مسالک شریعت و طریقت مولانا الحاج الحافظ شاہ محمد امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل

حضرات اب فقیر دیوبندیوں کے پیر و مرشد جن کو صرف عالم ہی نہیں بلکہ عالم گر کہتے ہیں۔ اقوال زریں پیش کرتا ہے۔

۱:۔ فرمایا کہ مولد شریف تمامی اہل حرمین کرتے ہیں۔ اس قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے۔ (شمائم امدادیہ ص۸۷)

۲:۔ اور ہمارے علماء اس زمانے میں جو کچھ قلم میں آتا ہے بے محابا فتوے دے دیتے ہیں۔ علمائے ظاہر کے لئے علم باطن بہت ضروری ہے۔ بدوں اس کے کچھ کام درست نہیں ہوتا۔ فرمایا ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازع کرتے ہیں۔ تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں۔ جب صورت جواز کی موجود ہے۔ پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں۔ اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے۔ (شمائم امدادیہ ص۹۳)

۳:۔ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۵)

منکرین کو نصیحت اب فقیر پر تقصیر سراپا حقیر منکرین کی خدمت میں آخری یہی نصیحت کرتا ہوں کہ اہل حق کے ساتھ عرفاء

اور علمائے متبحرین ہیں۔ لہٰذا میلاد شریف کرنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ ورنہ کم از کم ان سے اس مسئلہ میں الجھو نہیں۔ میری بات نہ مانو اپنے بزرگوں کے پیرو مرشد کی بات ہی مان لو۔

منکرین کا لفظ عید پر ابال

جس وقت اہل حق میلاد شریف کے ساتھ لفظ عید بڑھاتے ہیں تو منکرین بڑے غیظ و غضب میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ دیکھو شریعت پر کتنی زیادتی ہے کہ شریعت نے فقط دو عیدیں بتائی ہیں۔ انہوں نے تیسری عید بڑھا دی۔ منکرین ذرا اس آیت پر غور کریں تو اس کا پارہ غضب ٹھنڈا ہو سکتا ہے۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ٥ (پارہ ۷ سورۃ مائدہ)

اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو۔ ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی۔ اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

حضرات! غور کا مقام ہے کہ بنی اسرائیل پر آسمان سے جس دن خوان اترے تو وہ دن ان کے اگلے پچھلوں کے لئے عید بن جائے۔ جس میں وہ خوشی کا اظہار کریں اور جس روز سید عالم فخر رسل حضرت احمد مجتبٰے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں۔ ضروری ہے کہ وہ عیدوں کی جان بن جائے۔ جس پر سب عیدیں قربان ہوں۔

مغالطہ

منکرین کا یہ کہنا کہ روز ولادت کو عید منانا شریعت پر زیادتی ہے کیونکہ شارع نے صرف دو عیدیں مقرر فرمائی ہیں ان کا یہ کہنا بھی مغالطہ ہے۔ شارع نے یوم جمعہ کو بھی عید فرمایا ہے۔

۱۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ — سرکار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ رَوَاهُ مَالِكٌ ورواه ابن ماجه وهو عن ابن عباس متصلا۔

جمعوں میں ایک جمعہ کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ اے مسلمانوں کے گروہ۔ بیشک یہ روزہ روز ہے کہ اس کو اللہ تعالےٰ نے عید بنایا ہے (سرور وخوشی کا دن) پس نہاؤ اور جس شخص کے پاس خوشبو ہو اس کو یہ بات نقصان نہیں دیتی کہ خوشبو لے اور مسواک لازم پکڑو

۲:۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَأَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الاٰية وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ (مشکوٰۃ ص۱۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الاٰية پڑھی آپ کے پاس ایک یہودی موجود تھا اس نے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اسدن کو عید بناتے پس فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے یہ آیت جس روز اتری اس دن دو عیدیں جمع تھیں ایک جمعہ کا دن اور ایک عرفہ کا دن۔

فائدہ دیکھا حضرات! اس حدیث میں دو اور عیدیں ثابت ہوئیں۔ ایک عید جمعہ کا دن اور ایک عید عرفہ کا دن۔ معلوم ہوا کہ منکرین کا یہ کہنا کہ دو عیدوں سے زائد کوئی عید نہیں ہے یہ ان کا عوام کو مغالطہ دینا ہے۔ اللہ تعالےٰ بطفیل رسول پاک ہمارے عوام کو ان لوگوں کے مغالطوں سے بچائے۔

میلاد کا روز اکابر علماء کے ہاں عید ہے

منکرین عید میلاد کے لفظ عید پر خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں۔ حالانکہ اکابر علماء نے صرف میلاد شریف کے دن کو نہیں بلکہ سارے ربیع الاول کے دنوں اور راتوں کو عید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَرَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً اتَّخَذَ لَیَالِیَ شَھْرِ مَوْلِدِہِ الْمُبَارَکَۃِ اَعْیَادًا۔ (انوار محمدیہ ص۲۹)

پس اللہ تعالےٰ رحم فرمائے اس شخص پر جس نے آپ کے میلاد مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عید بنایا۔

فائدہ ثابت ہوا کہ عید میلاد النبی کوئی نئی اصطلاح نہیں بلکہ اکابر علماء کی اس پر تصریح موجود ہے۔

یوم ولادت پاک خوشی منانے کی برکت

نیک بخت ہے وہ مسلمان جو یوم ولادت باسعادت کی خوشی منائے۔ اظہار سرور کرے۔ اس خوشی میں صدقہ وخیرات کرے۔ عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ جلسے منعقد کرے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک اور معجزات وکمالات بیان کرے تو اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ ایسے مسلمان کو دنیا میں امن وامان عنایت فرمائے گا۔ اور کل قیامت کے روز نار جہنم سے آزاد فرمائے گا۔ کیونکہ ابولہب کافر نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی آزاد کی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی۔

بخاری شریف میں ہے۔

ثُوَیْبَۃُ مَوْلَاۃٌ لِاَبِیْ لَھَبٍ کَانَ اَبُوْلَھَبٍ اَعْتَقَھَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَھَبٍ رَاٰہُ بَعْضُ اَھْلِہٖ

ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اسکو آزاد کر دیا تھا۔ اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا۔ جب کہ ابولہب مرگیا تو اس کے گھر

بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ قَالَ اَبُولَهَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا اِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِهٖ بِعِتَاقَتِيْ ثُوَيْبَةَ ۔

(بخاری جلد دوم ص۷۶۲)

والوں میں سے کسی نے اسکو خواب میں بُری حالت میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے۔ ابولہب نے کہا تمہارے بعد مجھے کوئی بھلائی نہیں ملی۔ مگر ثویبہ کے آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے اس انگلی میں سیراب کیا جاتا ہے۔ یعنی ہر پیر کو عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اور جس انگلی سے اشارہ کر کے ثویبہ کو آزاد کیا تھا اس سے تھوڑا سا پانی چوس لیتا ہوں۔ یہ صدقہ اس خوشی کا ہے جو ابولہب نے حضور کی ولادت پر منائی تھی۔ جب کافر کو خوشی منانے کا بدلہ مل گیا۔ تو مسلمان کو اللہ تعالیٰ اس خوشی کے بدلے میں جنت نعیم عطا فرمائے گا۔

قیام کرنا عرف عام میں قیام کے معنی کھڑے ہو کر سلام بھیجنا ہے۔ اس سلام میں پیارے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے جو بندۂ مومن کا شعار ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے چند اکابر علماء کے قول پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) سید احمد زینی شافعی مفتی مکہ کا قول

جَرَتِ الْعَادَةُ اَنَّ النَّاسَ اِذَا سَمِعُوْا ذِكْرَ وَضْعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُوْنَ تَعْظِيْمًا لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا الْقِيَامُ مُسْتَحْسَنٌ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَعْظِيْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ فَعَلَ ذٰلِكَ كَثِيْرٌ

لوگوں کی عادت جاری ہے کہ جب ولادت پاک کا ذکر سنتے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام کرتے ہیں۔ یہ قیام مستحسن ہے کیونکہ اس میں حضورِ اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور یہ قیام بہت سے علماء امت نے

مِنْ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ الَّذِیْنَ یُقْتَدٰی بِھِمْ (سیرت نبوی صہ۴۲)

کیا ہے جو مقتدا اور پیشوا مانے گئے ہیں۔

(۲) امام عالم علامہ فہامہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی کا مبارک قول

قَدْ وُجِدَ الْقِیَامُ عِنْدَ ذِکْرِ اِسْمِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عَالِمِ الْاُمَّۃِ وَمُقْتَدَی الْاَئِمَّۃِ دِیْنًا وَّوَرْعًا الْاِمَامِ تَقِیِّ الدِّیْنِ السُّبْکِیِّ وَتَابَعَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ مَشَایِخُ الْاِسْلَامِ فِیْ عَصْرِہٖ (سیرت حلبی صہ۱)

بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام مبارک کے ذکر کے وقت ایسے عالم امت اور پیشوائے آئمہ سے قیام ثابت ہے۔ جو دین اور پرہیز گاری میں مشہور ہیں۔ جن کا نام امام تقی الدین سبکی ہے۔ اس قیام میں بڑے بڑے مشائخ اسلام نے ان کے زمانہ میں اتباع کی ہے۔

فائدہ جب بڑے بڑے علمائے دین اور مشائخ اسلام سے قیام کا ثبوت ہے تو ہم منکروں کا قول کیوں مانتے ہیں۔ ہم اپنے مشائخ اسلام کے فعل پر عمل کر کے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے

حضرت امام سبکی کا قیام اب ہم اپنے امام اور پیشوائے دین تقی الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ کا قیام بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کس محبت و تعظیم سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا نام و مدح سن کر قیام کیا تھا۔ سنیئے۔

۳۔ حَکٰی بَعْضُھُمْ اَنَّ الْاِمَامَ السُّبْکِیَّ اِجْتَمَعَ عِنْدَہٗ جَمْعٌ کَثِیْرٌ مِّنْ عُلَمَاءِ عَصْرِہٖ فَاَنْشَدَ مُنْشِدٌ قَوْلَ الصَّرْصَرِیِّ فِیْ

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام سبکی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ان کے زمانہ میں ایک بڑی جماعت علماء کی حاضر تھی۔ کہ ایک نعت خوان نے

مَنْ جَہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَلِیْلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفٰی الْخَطُّ بِالذَّھَبِ عَلٰی وَرَقٍ مِّنْ خَطٍّ اَحْسَنَ مِنْ کَتَبَ اَنْ تَنْھَضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سِمَاعِہٖ قِیَامًا صُفُوْفًا اَوْ جِثِیًّا عَلَی الرُّکَبِ فَعِنْدَ ذٰلِکَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْکِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَجَمِیْعُ مَنْ فِی الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ کَبِیْرٌ بِذٰلِکَ الْمَجْلِسِ وَیَکْفِیْ مِثْلُ ذٰلِکَ فِی الْاِقْتِدَاءِ۔ (سیرت حلبی وسیرت نبوی ص۴۵)	ابوذکریا یحییٰ مرصری کے وہ اشعار جو سرکار دو عالم کی مدح شریف میں تھے پڑھے مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لئے اچھے کاتب کے خط سے سنہری خط چاندی پر لکھوایا جائے تو بھی کم ہے۔ اگر شریف انسان ان کا ذکر سنتے ہی کھڑے ہوجائیں حالت قیام میں صف بستہ یا گھٹنوں کے بل یہ سنتے ہی امام سبکی علیہ الرحمۃ کھڑے ہوگئے اور سب مجلس والوں نے بھی قیام کیا اور مجلس میں ایک وجد طاری ہوگیا ایسے امام اور علماء کا قیام کرنا ہمارے لئے کافی ہے۔

فائدہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کے وقت قیام کرنا شریفوں کا کام ہے۔ مگر منکرین کو شرافت سے کیا تعلق۔

۴:- علامہ فہامہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صفوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اَلْقِیَامُ عِنْدَ وِلَادَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اِنْکَارَ فِیْہِ فَاِنَّہٗ مِنَ الْبِدَعِ الْمُسْتَحْسَنَۃِ وَقَدْ اَفْتٰی جَمَاعَۃٌ بِاسْتِحْبَابِہٖ عِنْدَ ذِکْرِ وِلَادَتِہٖ وَذٰلِکَ مِنَ الْاِکْرَامِ وَالتَّعْظِیْمِ لَہٗ صَلَّی	سرکار دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنے میں کوئی انکار نہیں کیونکہ یہ بدعت حسنہ ہے۔ اور بیشک ایک جماعت علماء نے آپ کی ولادت پاک کے ذکر کے وقت استحباب

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِکْرَامُہٗ وَتَعْظِیْمُہٗ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَلَا شَکَّ اِنَّ الْقِیَامَ لَہٗ عِنْدَ الْوِلَادَۃِ مِنَ التَّعْظِیْمِ وَالْاِکْرَامِ وَّاَلْ مُؤَلِّفُہٗ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْ اَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ لَوِاسْتَطَعْتُ الْقِیَامَ عَلٰی رَاْسِیْ لَفَعَلْتُ اَبْتَغِیْ بِذٰلِکَ الزُّلْفٰی عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ

(نزہتہ المجالس صفحہ ۸۳ حصہ دوم)

قیام کا فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اکرام وتعظیم ہے اور آپ کا اکرام اور تعظیم ہر مومن پر واجب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وقت ذکر ولادت قیام میں حضور کی تعظیم واکرام ہے۔ خود مؤلف عبدالرحمٰن صفوری رحمتہ اللہ علیہ کہتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے حبیب کو دونوں جہان کی رحمت بنا کر بھیجا ہے اگر میں سر کے بل کھڑا ہو سکتا تو بھی قیام کرتا۔ محض بارگاہ الٰہی میں قرب حاصل کرنے کے لئے۔

حرفِ آخر

ہم نے بحمد اللہ چند اکابر علماء کے اقوال پیش کئے ہیں۔ جس سے قیام کا ثبوت ہوتا ہے۔ عاقل کیلئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ مگر منکر معاند۔ ضدی کیلئے دفتر بھی بے کار ہے۔ اب آخر میں دیوبندی کے پیشوا حضرت امداد اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل کیا جاتا ہے اگر قبول افتد زہے نصیب۔

مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں (فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۵)

فقیر نے مولد شریف کے ثبوت میں یہ مختصر تقریر مگر جامع لکھی ہے۔ اس کا نام التقریر فی ثبوت مولد البشیر النذیر رکھتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوند تعالےٰ اس سے عامہ مسلمانوں کو نفع عظیم عطا فرمائے۔ بحرمتہ سید الابرار۔

آمین۔ ثم آمین۔

نواں وعظ

حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کا حال اور اس زمانہ کے خوارق بیان

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی پارہ ۳۰

ترجمہ:۔ کیا اس نے تجھے یتیم نہ پایا پھر جگہ دی۔

دونوں جہان کا سردار ایک یتیم ہیں

سبحان اللہ۔ خدا کا محبوب باوجود یتیم ہونے کے ان کے رب نے اس یتیم کو دونوں جہانوں کا سردار ہی نہیں بلکہ امام الانبیاء۔ خاتم الانبیاء نبی الانبیاء بنایا۔ یتیم ایسے کہ ابھی والدہ ماجدہ کے بطن میں تھے۔ صرف دو ماہ کا حمل تھا کہ آپ کے والد ماجد نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور نہ کچھ مال چھوڑا اور نہ ہی کوئی جگہ چھوڑی۔ آپ کی خدمت کے شکفل آپ کے دادا حضرت عبد المطلب ہوئے۔ جب آپ کی عمر شریف چار یا چھ سال کی ہوئی والدہ صاحبہ نے بھی وفات پائی۔ جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا عبد المطلب نے بھی وفات پائی۔ پھر آپ کے حقیقی چچا ابوطالب آپ کی خدمت میں سرگرم رہے۔ یہانتک کہ آپ کو اللہ تعالے نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ (خزائن العرفان صـ۸۳۸)

اسی بارے میں فرمایا جا رہا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی پارہ ۳۰
یعنی آپ یتیم تھے اور ہم نے آپ کی تربیت کا انتظام فرمایا۔

رؤسائے قریش کا دستور

مکہ معظمہ میں بالعموم اور رؤسائے قریش میں بالخصوص یہ دستور تھا کہ جب ان کے ہاں بچہ ہوتا تھا۔ تو آس پاس کے دیہات میں دائیوں کے پاس بھیج دیتے تھے

وہ ان کو دودھ پلاتی تھیں۔ پھر دودھ چھڑانے کے بعد ان بچوں کو اپنے والدین کے پاس چھوڑ جاتی تھیں۔ والدین ان دائیوں کو نقد و جنس کے تحائف پیش کرتے تھے۔ اس کی وجہ ایک یہ تھی کہ گاؤں کا پانی عمدہ اور آب و ہوا خوشگوار ہوتی ہے۔ جو بچوں کی تربیت کے لئے نہایت مناسب ہوتی ہے۔ دوسرے گاؤں کی زبان شہر کی نسبت اصلی اور فصیح و بلیغ ہوتی ہے۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا ہے اس لئے اپنے دودھ پیتے بچوں کو وہاں بھیج دیتے تاکہ ان کی زبان فصیح و بلیغ ہو۔ (معارج صہ ۵۹ رکن دوم)

آپ کی رضائی والدہ حضرت حلیمہ کا بخت

آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سات روز اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا دودھ پیا۔ چند روز ثوبیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر یہ سعادت حضرت حلیمہ کو نصیب ہوئی۔ جو بنی سعد بن بکر قبیلہ سے تھی۔ اس کی تفصیل وہ ہے جو ابن اسحاق اور ابن راہویہ۔ ابو یعلی۔ طبرانی۔ بیہقی ابو نعیم نے حلیمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں بنی سعد بن بکر کی عورتوں کے ہمراہ بچوں کی تلاش میں مکہ معظمہ آئی۔ وہ سال اتنا قحط باراں کا تھا کہ بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں پڑا تھا۔ میری ایک گدھی تھی جو کمزوری کی وجہ سے چل بھی نہیں سکتی تھی۔ اور ایک اونٹنی تھی جس کے نیچے ایک قطرہ دودھ نہیں تھا۔ میرے ساتھ اپنا بچہ اور خاوند بھی تھا۔ میں اسقدر غریب اور تنگدست تھی کہ رات کو نیند نہ دن کو چین۔ جب میری قوم کی عورتیں مکہ معظمہ پہنچیں اور بچے دودھ پلانے کے لئے پکڑ لئے۔ صرف ایک بچہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے۔ کیونکہ آپ یتیم تھے۔ لہذا کسی دائی نے آپ کی طرف توجہ نہ کی (کیونکہ اجرت و انعام ملنے کا امکان نہیں تھا) چونکہ مجھ سے پہلے سب بچے دائیوں نے لے لئے تھے لہذا مجھے کوئی بچہ نہ مل سکا سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے۔ میں

نے اپنے خاوند کو کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ بغیر بچہ کے واپس چلی جاؤں۔ لہذا
میں اس یتیم کو ہی لے لیتی ہوں۔ جب میں آپ کے پاس گئی۔ تو دیکھا کہ آپ کے
نیچے سبز حریر بچھا ہوا ہے۔ اور سفید صوف کے کپڑے میں لپیٹے ہوئے گردن کے
بل سوئے ہوئے اور خراٹے مار رہے ہیں۔ اور آپ سے کستوری کی مشک
آ رہی ہے۔ میں آپ کا حسن و جمال دیکھکر آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ اپنا ہاتھ آپ
کے سینہ مبارک پر رکھا۔ آپ نے اپنی آنکھ مبارک کھول کر میری طرف دیکھا
اور تبسم فرمایا (گویا آپ نے معلوم کر لیا کہ رضائی ماں آگئی ہے) میں نے دیکھا کہ
آپ کی مبارک آنکھ سے ایک نور نکلا۔ جس کی شعاع آسمان تک پہنچی میں
نے آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور اپنی گود میں بٹھایا۔ تاکہ آپ کو
دودھ پلاؤں۔ اپنا داہنا پستان آپ کے منہ میں دیا۔ آپ نے دودھ پیا
جب بایاں پستان پیش کیا۔ تو آپ نے اس سے دودھ نہ پیا۔ حضرت ابن
عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالٰے نے بچپن میں ہی آپ کو
یہ علم عطا فرمایا کہ میرا ایک رضائی بھائی ہے۔ اس لئے آپ نے عدالت اور
انصاف کا پہلو اختیار فرمایا۔ اور جب تک دودھ پیتے رہے بالضرور ایک
پستان اپنے رضائی بھائی کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ یہ ہے انصاف اور
یہ ہے عدالت محمدی۔ حلیمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ
کو اٹھا کر اپنی منزل میں لے گئی۔ اور اپنے خاوند کو دکھایا۔ وہ بھی آپ کے
جمال مبارک سے ایسے فریفتہ ہوئے۔ کہ سجدہ میں گر گئے۔ جب اپنی اونٹنی
کے پاس گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے پستان دودھ سے بھرے ہوئے
ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے ایک قطرہ دودھ کا بھی پستانوں میں نہیں ہوتا
تھا۔ انہوں نے دودھ دوہا۔ اور اتنا دودھ نکلا کہ میں اور میرے خاوند نے
سیر ہو کر پیا۔ اور آرام کی نیند سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے بھوک اور پریشانی
کی وجہ سے نیند نہیں آتی تھی۔ مجھے خاوند نے کہا۔ اے حلیمہ تجھے مبارک ہو

ہو کر تو ایسا مبارک بچہ اپنے گھر لے آئی ہے۔ جس سے کثیر خیر و برکت حاصل ہوئی ہے
اور مجھے امید ہے کہ ہمیشہ خیر و برکت میں اور زیادتی ہوتی رہے گی۔ حلیمہ فرماتی ہیں
ہم چند راتیں مکہ معظمہ میں ٹھہرے ایک رات میں نے دیکھا۔ کہ حضور کے اردگرد
نور روشن ہے۔ اور ایک مرد سبز جوڑا پہنے ہوئے آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔ میں نے
خاوند کو جگا کر کہا کہ اٹھو یہ (نظارہ) دیکھو۔ خاوند نے کہا۔ اے حلیمہ خاموش ہو جا اور
اس راز کو پوشیدہ رکھ۔ کیونکہ جس دن یہ (مبارک) بچہ پیدا ہوا ہے اس دن سے
علمائے یہود کا کھانا پینا ناگوار ہو گیا ہے اور بےچین ہو گئے ہیں پھر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی
والدہ ماجدہ سے رخصت لی ہیں اپنے دراز گوش پر سوار ہوتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے
آگے بٹھایا۔ تو میری سواری بڑی چست و چالاک ہو گئی۔ اور گردن بلند کر کے
چلنے لگی۔ جب کعبہ شریف کے پاس پہنچی۔ تو اس نے تین سجدے کئے۔
پھر اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف کیا اور روانہ ہو گئی۔ اور اتنی تیز چلی کہ قوم کی سواریوں
سے آگے بڑھ گئی۔ میرے ساتھی یہ دیکھ کر متعجب ہوئے۔ کچھ عورتوں نے
جو میرے ہمراہ تھیں۔ کہنے لگیں کہ اے حلیمہ کیا یہ وہی سواری نہیں ہے۔ جو آتے
وقت چل بھی نہیں سکتی تھی۔ اب اتنی تیز ہو گئی ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم
یہ وہی دراز گوش ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے اس بچے کی برکت سے اسے چست
و چالاک کر دیا ہے۔ کہنے لگیں بخدا اس بچے کی بہت بڑی شان ہے۔ حلیمہ فرماتی
ہیں کہ میں نے سنا کہ میری سواری کہہ رہی تھی۔ بخدا اس بچے کی واقعی بڑی شان ہے
میں مردہ تھی۔ مجھے اس نے زندہ کر دیا۔ کمزور تھی۔ قوی کر دیا۔ اے زنان بنی سعد! تم
کو معلوم نہیں کہ میری پشت پر کون سوار ہے۔ میری پشت پر وہ ہستی سوار ہے۔
جو سید المرسلین اور خیر الاولین والآخرین۔ حبیب رب العلمین ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ راستے میں دائیں بائیں سے یہ آواز آتی تھی۔ جسکو میں سنتی
تھی۔ اے حلیمہ تو غنی ہو گئی۔ بنی سعد کی عورتوں سے بزرگ بن گئی بھیڑ بکریوں
کے ریوڑوں سے گذرتی تو تمام بھیڑیں بکریاں میرے پاس آکر کہتیں کہ اے حلیمہ کیا

تجھے علم ہے کہ تیرا رضیع (دودھ پینے والا بچہ) کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے جو آسمان وزمین کے پروردگار کا رسول ہے۔ اور تمام بنی آدم سے بہترین ہے۔ جس منزل پر اترتی۔ تو وہ سبزہ زار نظر آتی۔ حالانکہ قحط سالی کا زمانہ تھا جب ہم اپنی اپنی منزلوں میں پہنچے۔ تو زمین بالکل خشک اور ویران تھی (اس کے باوجود) جب میری بکریاں چراگاہ سے چرکر شام کو واپس آتیں۔ تو سیر ہو کر آتیں۔ ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوتے۔ ہم دودھ دوہتے اور سیر ہو کر پیتے (قوم کی بکریاں قحط کی وجہ سے بھوکی آتیں) وہ اپنے چرواہوں کو کہتے تھے۔ کہ تم بھی بکریوں کو وہاں چراؤ جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس برکت کی وجہ کیا ہے۔ یہ برکت تو ساری حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ الغرض جب قوم کے چرواہوں نے بکریوں کو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چرانا شروع کیا تو ان کی بکریوں اور مالوں میں بھی خیر و برکت آگئی۔ جب تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے قبیلہ میں تشریف رکھتے رہے۔ تو بڑی خیرات و برکات ہمارے شامل حال رہیں۔ جب آپ بولنے لگے۔ تو سب سے پہلے آپ نے زبان مبارک سے یہ کلمات فرمائے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ ایک رات میں نے سنا کہ آپ فرمارہے تھے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُيُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ جب آپ مہد میں ہوتے تو آپ چاند سے باتیں کرتے اور اپنی انگلی سے اسکی طرف اشارہ کرتے جس طرف اشارہ کرتے چاند ادھر ہی جھک جاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی۔ (رَاَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ تُنَاجِي الْقَمَرَ وَتُشِيْرُ اِلَيْهِ بِاُصْبُعِكَ فَحَيْثُ اَشَرْتَ اِلَيْهِ مَالَ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ اُحَدِّثُهٗ وَيُحَدِّثُنِيْ وَيُلْهِيْنِيْ عَنِ الْبُكَاءِ وَاَسْمَعُ وَجْبَتَهٗ حِيْنَ يَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ) آپ کا جھولا فرشتے جھلایا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی بھی اپنے کپڑوں میں بول و براز نہیں کیا۔ بلکہ آپ کا ایک وقت معین ہوتا جس میں

پیشاب وغیرہ کرتے تھے۔ جب میں آپکا منہ مبارک دودھ وغیرہ سے صاف کرنیکا ارادہ کرتی تو
غیب سے فرشتے اگر مجھ سے پہلے آپ کا منہ صاف کر دیتے۔ جب کبھی آپ کا ستر کھل جاتا
تو آپ حرکت کرتے اور رونا شروع کر دیتے۔ میں کپڑا ٹھیک کر دیتی۔ اگر مجھ سے کچھ دیر ہو جاتی
تو غیب سے آپکا ستر ڈھانک دیا جاتا جب چلنے پھرنے لگے تو دوسرں بچوں کے ساتھ
نہیں کھیلتے تھے بلکہ انکو بھی کھیل کود سے منع کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ ہمکو کھیل کود کے
لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتے جتنا دوسرا بچہ ایک ماہ میں بڑھتا ہے
اور ایک ماہ میں اتنے بڑھتے جتنا دوسرے بچے سال بھر میں بڑھا کرتے ہیں۔ ہر روز آفتاب
کی مثل ایک نور اترتا جو آپ کو ڈھانک دیتا۔ پھر وہ نور غائب ہو جاتا۔ آپ نے نہ کبھی
بد خلقی کی اور نہ ہی روئے۔ جب کسی چیز کو پکڑتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے۔ میں آپکی
ہر وقت حفاظت کرتی رہتی۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ میں کسی کام میں لگ جاؤں اور آپ کہیں
دور نہ نکل جائیں۔ (اور کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے) ایک دن میں کسی کام میں لگ گئی۔
کہ آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ہمراہ باہر چلے گئے۔ دن گرم تھا۔ میں آپکی تلاش میں باہر
آئی آپ اپنی شیماء کے ساتھ تھے۔ میں نے شیماء کو کہا اتنی گرمی میں آپکو باہر کیوں لے
آئی۔ شیماء نے کہا انکو گرمی سے کیا تعلق۔ کیونکہ ان کے اوپر بادل سایہ کرتا تھا۔

(مدارج جلد دوم ص۲۶-۲۷)

دسواں وعظ

حضور کا شق صدر بچپن میں

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ۔ پارہ نمبر ۳۰

ایک روز آپ نے اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ کو کہا کہ مجھے بھی اجازت
دو تاکہ میں بھی اپنے بھائیوں کے ہمراہ چراگاہ کا سیر کروں اور بکریاں چراؤں
حلیمہ نے آپ کو اجازت دے کر آپ کے بالوں میں کنگھی کی۔ آنکھوں میں
سرمہ ڈالا اور نئی پوشاک پہنائی۔ یمنی منکوں کا ایک گلو بند گلے میں ڈالا۔

تاکہ نظر بد نہ لگ جائے۔ آپ نے وہ گلو بند گردن سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میرا محافظ و نگہبان میرا پروردگار ہے۔ پس اپنے رضاعی بھائیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ اور بکریوں کے چرانے میں مشغول ہو گئے۔ جب دوپہر ہوئی ضمرہ پسر حلیمہ دوڑتا ہوا اور روتا ہوا آیا اور اطلاع دی کہ میرے بھائی قریشی کو دو مردوں نے لٹا دیا ہے۔ اور آپ کا شکم مبارک چاک کر دیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ آپ کا کیا حال ہے۔ یہ سن کر حلیمہ اور ان کے شوہر عالم پریشانی میں دوڑ کر آپ کے پاس پہنچے۔ دیکھا کہ آپ پہاڑ پر تشریف فرما ہیں اور آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے ہم کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ ہم نے آپ کے سر و چشم کو بوسہ دے کر پوچھا۔ جان ما فدائے تو باد، واقعہ کیا ہے آپ نے اپنا سارا حال کہہ سنایا یہ قصہ کتب احادیث میں معمولی اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ ابو یعلی اور ابو نعیم و ابن عساکر حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰے عنہ سے راوی ہیں کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں بنی لیث بن بکر کے ہاں دودھ پیتا تھا۔ اور اپنے رضاعی بھائیوں کے ہمراہ ایک وادی میں تھا کہ اچانک مجھے تین شخص نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک سونے کا طشت تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ میں چاندی کا لوٹا دوسرے ہاتھ میں سبز زمرد کا تھال برف سے بھرا ہوا تھا۔ ایک نے مجھے پکڑ کر نرمی سے زمین پر لٹا دیا۔ پھر اس نے میرے سینے کو پیڑو تک چاق کر کے اس سے مضغہ سیاہ نکال کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ پھر دل کو اس چیز سے پر کیا جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ پھر ایک نورانی مہر پکڑی جس کے نور سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ میرے دل پر مہر لگائی جس سے میرا دل نور سے پر ہو گیا۔ وہ نور نبوت اور حکمت تھی۔ پھر دل کو اپنے مقام میں رکھ دیا۔ میں اس مہر کی خنکی اور خوشی ایک مدت تک محسوس کرتا رہا۔ ایک شخص نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا جس سے میرا شگاف بھر گیا اور

درست ہوگیا۔ پھر مجھے بڑی نرمی سے اٹھا کر اپنے اپنے سینوں سے لگایا۔
میرے سر کو اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا کہ اے دوست
خدا ڈرنا نہیں۔ پھر مجھے اس جگہ چھوڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر گئے آپکا
شق صدر کئی مرتبہ ہوا۔ ایک اسوقت جبکہ آپ حلیمہ کے پاس تھے۔ پھر
دس برس کی عمر میں۔ پھر ابتداء وحی میں۔ پھر شب معراج میں۔ حضرت حلیمہ
فرماتی ہیں۔ شق صدر کے بعد میرے شوہر اور دیگر لوگوں نے کہا کہ اس بچے
کو اپنی والدہ اور دادے کے پاس آسیب کے پہنچنے سے پہلے پہنچا دینا چاہیئے
حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ کو لے کر مکہ معظمہ
کو روانہ ہوگئی۔ جب حوالی مکہ میں پہنچی تو میں نے آپ کو ایک جگہ بٹھایا
اور خود قضائے حاجت کے لئے چلی گئی۔ جب واپس آئی تو آپ وہاں
تشریف نہیں رکھتے۔ بڑی تلاش کی۔ مگر آپ نہ ملے۔ نا امید ہو کر سر
پہ ہاتھ رکھ کر وامحمداہ ولداہ کہنا شروع کیا۔ اتنے میں اچانک دیکھا کہ ایک
بوڑھا ہاتھ میں عصا لئے ہوئے میرے پاس آیا۔ اور کہا۔ اے حلیمہ سعدیہ
تجھے کیا مصیبت پیش آئی ہے۔ کہ اتنا جزع و فزع کر رہی ہے میں نے کہا
محمد بن عبد المطلب کو ایک عرصہ دودھ پلاتی رہی۔ اب ان کو اپنی والدہ
کے پاس لا رہی تھی۔ کہ مجھ سے گم ہوگیا ہے۔ بوڑھا کہنے لگا۔ رو نہیں غم نہ کر
میں تجھے ایسا شخص بتلاتا ہوں۔ جو جانتا ہے۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اگر تو چاہے تو
وہ ان کو تیرے پاس پہنچا دے گا۔ حلیمہ فرماتی ہیں۔ میں نے کہا میری جان تجھ
پر قربان ہو۔ وہ کون ہے۔ اس نے کہا وہ ہبل جو بڑا بت ہے۔ اور عالی قدر
وہ جانتا ہے۔ کہ تیرا فرزند کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہو کہ تو نے
نہیں سنا کہ جس رات آپ پیدا ہوئے تھے۔ بتوں کی کیسی بری حالت ہوئی تھی۔ تمام
بت شکستہ ہو کر اوندھے منہ گر پڑے تھے (مگر بوڑھے نے میری بات نہ مانی) اور زبردستی
ہبل بت کے پاس چلا گیا۔ پہلے اسکا طواف کیا۔ پھر میرا قصہ اس کے سامنے پیش کیا۔

یہ سن کر ہبل منہ کے بل گر پڑا۔ اور تمام بت سرنگوں ہو گئے۔ ان کے پیٹ سے آواز آئی۔ اے بوڑھے ہمارے سامنے سے دُور ہو جا اور اس بچے کا مبارک نام ہمارے سامنے نہ لے۔ کیونکہ تمام بت اور بت پرست ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوں گے۔ اور خدا تعالےٰ ان کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہ ہر حال میں ان کا نگہبان ہے حلیمہ فرماتی ہیں۔ پھر میں عبدالمطلب کے پاس حاضر ہوئی۔ انہوں نے مجھے دیکھکر فرمایا اے حلیمہ تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ کہ پریشان نظر آتی ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ساتھ نہیں ہے۔ میں نے کہا اے اباحارث۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے ساتھ تھے۔ جب میں مکہ معظمہ کے قریب پہنچی۔ آپ کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کرنے لگی۔ تو آپ مجھ سے غائب ہو گئے۔ بہت ہی تلاش کیا۔ مگر آپ کا پتہ نہ چلا۔ یہ سن کر عبدالمطلب کوہ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا۔ اے آلِ غالب۔ یہ سن کر تمام قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اے سردار کیا مصیبت پیش آئی ہے۔ فرمایا۔ میرا بیٹا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔ پھر عبدالمطلب قریش کے ہمراہ سوار ہو کر حضور کی تلاش میں لگ گئے۔ بہت تلاش کی مگر آپ نہ مل سکے۔ پھر عبدالمطلب مسجد حرام میں تشریف لائے۔ طواف کر کے دعا مانگی۔ ہاتف نے غیب سے کہا۔ اے لوگو۔ غم نہ کھاؤ۔ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خدا ان کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ عبدالمطلب نے فرمایا۔ اے ندا کرنے والے یہ بتا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں۔ ہاتف نے کہا۔ کہ اسوقت آپ وادئے تہامہ میں درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ عبدالمطلب اسی وقت وادئے تہامہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ورقہ بن نوفل ملے وہ بھی ہمراہ ہو گئے۔ جب وادئے تہامہ میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے کہا۔ اے بچے۔ تم کون ہو۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلے اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا۔ روحی فداک تو یاد۔ میں تیرا دادا عبدالمطلب ہوں۔ پس عبدالمطلب نے آپ کو اپنے آگے بٹھا کر مکہ معظمہ

ہیں لائے۔ اس خوشی میں بہت سا سونا اور بیشمار اونٹ صدقہ میں دئے۔ اور حلیمہ کو بہت انعام دیا۔

اللہ تعالٰے نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔ یعنی پایا تم کو بیابان مکہ میں راہ بھولا ہوا۔ پس راہ دکھائی اور تمہارے دادا کے پاس پہنچایا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا۔ اور بعض نے اس آیت کے اور معانی بھی بیان کئے ہیں۔ جن کو ہم آگے چل کر سورۃ الضحٰے کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مدارج جلد دوم ص۲۹/۳۰)

ابن حجر نے شرح الہمزیتہ میں کہا کہ حضرت حلیمہ بمعہ خاوند اور بچوں کے دولت اسلام سے مشرف ہوئی۔ ہجرت کی اور مدینہ پاک میں وفات فرمائی۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ قبر ان کی مشہور ہے جسکی زیارت کی جاتی ہے (سیرۃ نبوی ص۵۵)

گیارہواں وعظ

ذکر والدہ ماجدہ اور کفالت عبدالمطلب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى پارہ ۳۰

ترجمہ:۔ کیا اس نے تجھے یتیم نہ پایا۔ پھر جگہ دی۔

والدہ ماجدہ کا انتقال امام زہری حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے راوی کہ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس کو پہنچی تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو معیت ام ایمن کے آپ کے والد ماجد کے اخوال کے پاس جو قبیلہ بنی نجار سے تھے۔ لے گئی ایک مہینہ وہاں اقامت فرمائی۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت فرماکر تشریف لائے۔ تو آپ ان امور کو یاد فرمایا کرتے جو اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ مدینہ منورہ میں ملاحظہ فرمائے تھے۔ جب اس گھر کو دیکھتے جہاں والدہ ماجدہ کے ہمراہ رہائش فرمائی تھی۔ یہ وہ گھر ہے۔ جہاں میری والدہ ماجدہ رہی

تھی۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ ان دنوں میں جب یہود میرے پاس آتے اور مجھ کو دیکھتے۔ تو کہتے کہ یہ آمنہ کا فرزند نبی ہوگا۔ اور یہ مدینہ منورہ آپ کی دار ہجرت ہوگی ایک ماہ کے قیام کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوگئیں۔ جب مقام ابواء میں پہنچے تو والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا۔ (سیرت نبوی صفحہ ۵۶، مدارج جلد دوم صفحہ ۲۳)

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا آپ کی تربیت کے کفیل ہوئے آپ کو اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ پیارا سمجھتے تھے۔ اور آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ آپ کے بغیر ہرگز کھانا نہیں کھاتے تھے اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور اپنی خاص مسند پر بٹھایا کرتے تھے۔ جب کبھی عبدالمطلب کے خواص سے کوئی حضور کو مسند پر بیٹھنے سے روکتا تو عبدالمطلب فرماتے میرے بچے کو کچھ نہ کہو۔ مسند پر بیٹھنے دو۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ یہ میرا فرزند شرافت کے اس مرتبہ کو پہنچے گا کہ آپ سے پہلے کوئی بھی اس مرتبہ کو نہیں پہنچا ہے اور آپ کے بعد نہ کوئی پہنچ سکیگا۔

بچپن میں حضور کی خیر و برکت

اہل قیافہ (قائف۔ قدم شناس) حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے کہ اس فرزند ارجمند کی خوب حفاظت رکھنا کیونکہ آپ کا قدم مبارک ایسا ہے۔ جیسا کہ مقام ابراہیم میں قدم کا نشان ہے۔ یعنی آپ کا قدم حضرت ابراہیم کے قدم کے مشابہ ہے۔ اسی سال حضرت عبدالمطلب سیف بن ذی یزن کو مبارک دینے کے لئے جانب یمن تشریف لے گئے تو اس نے عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے آخر الزمان پیغمبر ظاہر ہوگا۔ (مدارج جلد دوم صفحہ ۲۴)

ابو طالب کی کفالت

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس کی تھی کہ آپ کے دادا عبدالمطلب ایک سو دس یا ایک سو چالیس برس کی عمر پا کر وفات پا گئے۔ تو آپ کی کفالت آپکے

چچا ابو طالب نے کی۔ ابو طالب بھی آپ کے ساتھ دلی محبت کرتے تھے۔ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھتے۔ اپنے پاس سلاتے۔ اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے۔ چونکہ ابو طالب مال کے اعتبار سے کمزور تھے۔ جس وقت آپ کا اہل وعیال حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا کھاتے تو بھوکے رہتے۔ جب حضور کے ساتھ مل کر کھاتے تو سیر ہو جاتے۔ ابو طالب کی عادت تھی کہ جب بال بچوں کو کھانا کھلاتے تو فرماتے ٹھہر وتا کہ میرا بیٹا (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئیں۔ جب حضور تشریف لاتے اور ان کے ساتھ کھانا کھاتے تو سب سیر ہو کر کھاتے۔ پھر بھی کھانا بچ جاتا۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ سب سے پہلے پیش کیا جاتا۔ آپ پیالے سے دودھ نوش فرماتے۔ پھر وہی پیالہ تمام گھر والے پیتے۔ اور اسی ایک پیالہ سے سیراب ہو جاتے۔ حالانکہ ایک پیالہ سے فقط ایک آدمی سیراب ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں خشک سالی ہو گئی تمام قریش ابو طالب کے پاس آئے۔ اور بارش طلب کی۔ ابو طالب اور اپنے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو لے کر کعبہ معظمہ میں آئے۔ ابو طالب نے حضور کی پشت مبارک کعبہ سے مس کی اور آپ نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ کوئی بادل نہیں تھا۔ اشارہ فرماتے ہی چاروں طرف سے بادل جمع ہوئے۔ اور برسنے لگے۔ اتنی بارش ہوئی کہ وادیاں بھر گئیں۔ نالے جاری ہو گئے۔ اسی باب میں ابو طالب نے اپنے قصیدہ میں یہ شعر کہا ہے۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِّلْاَرَامِلِ

ترجمہ:۔ وہ (رسول پاک) سفید اور گورے رنگ والا اپنے چہرے کی برکت سے بادل سے پانی مانگتا ہے۔ جو یتیموں کی پناہ ہے اور بیوہ عورتوں کی عصمت ہے (سیرت نبوی، ص۹۳)

بحیرہ راہب کی شہادت

ملک شام میں بحیرہ نام ایک راہب بصریٰ شہر کے قریب اپنے گرجے میں رہتا تھا۔ بڑا زاہد۔ عابد

تارک الدنیا تھا۔ پیغمبر آخر الزمان کی زیارت کے انتظار میں زندگی گذار رہا تھا۔ جب قریش کا کوئی قافلہ اس جگہ سے گذرتا تو اپنے صومعہ سے نکل کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرتا جب ان میں حضور کا کوئی نشان نہ پاتا تو اپنے صومعہ کو واپس ہو جاتا۔ ایک دفعہ قریش کا قافلہ وہاں سے گذرا۔ بحیرہ راہب نے اسکی جانب نظر کی۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ بادل کا ایک ٹکڑا اس قافلہ پر سایہ کرتا ہوا ان کیساتھ آرہا ہے۔ جب آنحضرت ابو طالب کے ہمراہ درخت کے نیچے بیٹھے۔ تو بادل اس درخت کے اوپر آکر کھڑا ہو گیا۔ بحیرہ یہ دیکھ کر متحیر و متعجب ہوا۔ اور قافلہ کی ضیافت کی اور سب کو اپنے پاس بلایا۔ ابو طالب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو وہیں منزل میں چھوڑ کر چلے آئے۔ بحیرہ نے جب منزل کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ بادل اسی جگہ کھڑا ہوا ہے۔ بحیرہ نے پوچھا کیا تمہارا کوئی فرد ایسا تو نہیں رہ گیا جو یہاں نہ آیا ہو آخر آپ کو بھی بلا لیا گیا۔ جب آپ تشریف لائے تو بادل آپ پر سایہ کرتا ہوا ساتھ آیا۔ نیز بحیرہ راہب نے ہر شجر اور حجر سے سنا کہ کہتے تھے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ آپ کے شانۂ مبارک میں مہر نبوت دیکھی۔ اسکو بوسہ دیا۔ یہ سب باتیں دیکھ کر بحیرہ راہب نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ کیساتھ ایمان لایا۔ ان دنوں میں سات آدمی شام کے نصرانیوں سے یہ حال دریافت کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر اس راستے سے ہوگا۔ آپ کے قتل کیواسطے اس طرف آئے تھے۔ بحیرہ نے ان سے کہا کہ وہ پیغمبر برحق ہیں۔ تم ان کی اطاعت کرو۔ کیونکہ جب خدا کو منظور ہے کہ ان کو بلند مرتبہ عطا فرمائے۔ تمہارے ٹالنے سے نہیں ٹلے گا۔ اور تم انہیں مار سکتے۔ تب وہ اس ارادے سے باز رہے۔ (مدارج جلد دوم ص۲۴۔۲۵)

بحیرہ نے ابو طالب کو بہت تاکید کی کہ یہ بچہ آخر الزمان پیغمبر ہوگا۔ اور اس کا دین تمام دینوں کے لئے ناسخ ہوگا۔ شام کی ولایت میں آپ کے یہود بہت دشمن ہیں۔ وہاں ان کو نہ لے جاؤ۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنا سامان یہاں بصریٰ میں بیچ ڈالا اور مکہ معظمہ کو واپس ہو گئے۔ (مدارج جلد دوم ص۲۶)

نبی کریم کا سفر تجارت

مکہ معظمہ میں حضرت خدیجہ بنت خویلد ایک مالدار عورت تھی۔ لوگوں کو اپنا مال بطور مضاربت دیگر تجارت کے لئے بیرونی ممالک میں بھیجا کرتی تھیں اس لئے ان کو ایک ایسے امانت دار شخص کی ضرورت رہتی تھی۔ کہ اپنا مال تجارت کے لئے اسکو دیں۔ اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ امین مکہ معظمہ میں کوئی بھی نہ تھا۔ تمام مکے والے لوگ آپ کو قبل ظہور نبوت امین کہتے تھے۔ اس لئے حضرت خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف آدمی بھیج کر درخواست کی۔ کہ میرا مال ملک شام میں تجارت کیلئے لے جائیں۔ نفع ہوگا تو جتنا مال آپ چاہیں گے لے سکتے ہیں۔ آپ اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کرنے کے بعد سفر تجارت پر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پس حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) نے اپنا ایک غلام میسرہ نامی اور اپنا رشتہ دار خزیمہ آپ کے ہمراہ بھیج دیئے۔ جب آپکا قافلہ بصریٰ شہر کے قریب نسطورا راہب کے پاس پہنچا تو آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے۔ نسطورا راہب نے دیکھا تو کہا کہ اس درخت کے نیچے فقط پیغمبر ہی بیٹھتا ہے۔ نیز وہ درخت بالکل خشک تھا۔ کوئی ایک پتہ بھی اس پر نہیں تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی برکت سے درخت سرسبز ہوگیا۔ پتے لگ گئے۔ پھل لگ گئے۔ اور اسکے اردگرد کی زمین بھی سرسبز و شاداب ہوگئی۔ نسطورا یہ سب کچھ دیکھکر آپ کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا۔ اس کو دیکھتا تھا اور کہتا تھا۔ اس خدا کی قسم جس نے عیسےٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ آخرالزمان پیغمبر ہیں۔ القصہ آپ نے اپنا مال تجارت بصریٰ میں فروخت کیا۔ اور نفع عظیم حاصل ہوا۔ اور آپ کی برکت سے تمام اہل قافلہ کو نفع ہوا۔ جب واپس مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو دوپہر کا وقت تھا۔ یعنی گرمی بہت تھی۔ حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) عورتوں کے ہمراہ اپنے بالاخانہ میں تشریف رکھتی تھیں۔ وہاں سے اہل قافلہ کو دیکھ رہی تھیں۔ اور آقائے دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم اس شان سے آرہے تھے۔ کہ دو فرشتوں نے (جو پرندوں کی شکل میں تھے) آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہ سب کچھ اپنی آنکھوں

سے دیکھ رہی تھی۔ ادھران کے غلام میسرہ نے بھی جو کچھ اس سفر میں آپکی کرامات ملاحظہ کی تھیں۔ خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو تفصیلاً بیان کر دیں۔

آپ کا نکاح بی بی خدیجہ کیساتھ

جب خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنے غلام میسرہ سے آپ کی کرامات سنیں۔ تو دل و جان سے آپ پر فدا ہو گئیں۔ دل میں خیال آیا کہ آپ سے میرا نکاح ہو جائے (تو سب کرامات گھر میں ہی آجائیں) حالانکہ اس سے پیشتر بڑے بڑے رؤسا نے پیغام نکاح بھیجے تھے۔ مگر انہوں نے کسی کو قبول نہ کیا۔ پس خدیجہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) نے خفیہ طور پر آپ کے پاس ایک عورت اس غرض کیلئے بھیجی۔ کہ آیا آپ نکاح کی خواہش رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس عورت نے آپ کو نکاح کرنے کی ترغیب دی حضور نے فرمایا کہ میں نکاح کیسے کر سکتا ہوں جب کہ میرے پاس نکاح کا ساز و سامان نہیں ہے۔ عورت نے کہا اگر کوئی ایسی عورت مل جائے۔ جو شرافت نسبی کے علاوہ پاکیزہ اخلاق اور صاحب حسن و جمال بھی ہو۔ اور نکاح کے جملہ مصارف کی بھی کفیل بن جائے۔ تو آپ نے فرمایا ایسی عورت کہاں مل سکتی ہے۔ عورت نے کہا کہ خدیجہ بنت خویلد آپ کو بہت پسند رکھتی ہے۔ اگر حکم ہو تو میں اسکو اس بات پر راضی کر سکتی ہوں۔ عورت نے واپس آکر سارا قصہ خدیجہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) کو کہہ سنایا۔ چنانچہ خدیجہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بلا کر کہا۔ تاکہ وہ میرا رشتہ حضرت محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) سے کر دیں۔ چنانچہ خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے چچا آئے اور ابو طالب کیساتھ بات چیت کر کے تاریخ معین پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بمع ابو طالب اور بعض چچوں اور ابو بکر اور رؤسائے مکہ کے تشریف لائے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ اور بعد ایجاب و قبول کے نکاح ہو گیا۔

(مدارج جلد دوم ص۲۸/۳۶)

بارہواں وعظ

حضور پُرنور کا حسن و جمال

قَوْلُہٗ تعالیٰ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝

حضرات! حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے حسن و جمال میں بے مثل ہیں۔ کوئی انسان آپ کا حسن و جمال کیسے بیان کر سکتا ہے۔ حضرات علماء کرام تصریح فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس بات پر ایمان نہ لایا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کو اس شان سے پیدا فرمایا کہ کوئی انسان آپ جیسا نہ آپ سے پہلے پیدا ہوا نہ آپ کے بعد پیدا ہو گا۔ (انوار محمدیہ صـ۱۹۴)

آپ جیسا کون ہو سکتا ہے۔ کہ خود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ۔ تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور مجسم تشریف لائے ہے اس نور مجسم جیسا اور کوئی کون ہو سکتا ہے۔ خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَنَا اَمْلَحُ وَاَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ (مدارج النبوت جلد اول صـ۵ تواریخ حبیب اللہ صـ۱۵۷) میں ملیح ہوں اور میرے بھائی یوسف (علیہ السلام خوب گورے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام اپنے حسن و جمال میں شہرہ آفاق ہیں۔ مگر حضور فرماتے ہیں کہ میں ان سے زیادہ ملاحت رکھتا ہوں۔ ثابت ہوا کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم یوسف علیہ السلام سے بھی زیادہ خوبصورت تھے آپ کے حسن و جمال کے ملاحظہ کرنے والے صحابہ کیا فرماتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ مَارَاَیْتُ شَیْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْھِہٖ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالےٰ کے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی شئے زیادہ خوبصورت نہیں

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۱۸) دیکھی۔ گویا آفتاب آپ کے چہرے میں اتر آیا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فرمان۔

قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَۃٍ اِضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اُنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِلَی الْقَمَرِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَآءُ فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ رواہ الترمذی والدارمی (مشکوٰۃ ص۵۱۷)

فرمایا۔ میں نے چاندنی رات میں نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے دھاریدار جوڑا زیب تن کیا ہوا تھا۔ پس میں ایک نظر حضور حضور کی طرف کرتا تھا اور ایک چاند کی طرف پس آپ میرے نزدیک چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

فائدہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ فرمان کہ حضور میرے نزدیک زیادہ خوبصورت تھے۔ یہ بطور تلذذ فرمایا۔ ورنہ واقع میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمام کے نزدیک چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (مدارج جلد اول ص۷)

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان۔

آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

لَمْ اَرَ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ مِثْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۱۷)

میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا فرمان

قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَھَا فَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

میں تمام مشارق و مغارب میں پھرا۔ پس میں نے کوئی شخص حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

(انوار محمدیہ صلا۱۲ / نشر الطیب صلا۱۴) سے افضل نہیں دیکھا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

علامہ بوصیری رحمتہ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں۔

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهِ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

آپ فضائل باطنی و ظاہری میں کمال کے درجے کو پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر خداوند تعالےٰ نے آپ کو اپنا حبیب بنایا اور آپ اپنی خوبصورتی اور خوبیوں میں شریک سے پاک ہیں۔ جو ہر حسن جو آپ میں پایا جاتا ہے وہ غیر منقسم اور غیر مشترک ہے

مندرجہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم حسن و جمال میں اس انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں کوئی بھی نہیں پہنچا۔ اور نہ ابدالآباد تک پہنچ سکے گا۔ حقیقت وہ ہے جو امام قرطبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

لَمْ یَظْهَرْ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ لَنَا تَمَامُ حُسْنِهِ لَمَا اَطَاقَتْ اَعْیُنُنَا رُؤْیَتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (انوار محمدیہ صلا۱۴۳)

ہمارے سامنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تمام حسن ظاہر نہیں ہوا کیوں کہ اگر تمام حسن ہمارے سامنے ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتیں۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال پاک پر ستر ہزار پردے ڈال رکھے تھے تاکہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں۔ ورنہ کس کی آنکھ

تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اصلی کا مشاہدہ کر سکتی۔ (معارج النبوت رکن دوم صـ۱۱۸)

جسم پاک کی نورانیت

سبحان اللہ۔ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس نورانی تھا سر مبارک سے لے کر پاؤں شریف تک نور تھے۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

آنحضرت بتمام از فرق تا قدم ہمہ نور بود کہ دیدۂ خیرت در جمال باکمال وے خیرہ میشد مثل ماہ و آفتاب تاباں و روشن بود و اگر نہ نقاب بشریت پوشیدہ بودے۔ ہیچکس را مجال نظر و ادراک حسن او ممکن نبودے (مدارج نبوت جلد اول صـ۱۳۷)

رسول پاک بتمامہ چوٹی سے تا قدم بالکل نور تھے۔ کہ انسان کی آنکھ آپ کے جمال باکمال کو دیکھنے سے چندھیا جاتی تھی۔ چاند اور سورج کی مانند روشن اور چمکدار تھے۔ اگر لباس بشریت نہ پہنا ہوتا تو کسی کو آپ کے طرف نظر کرنے اور آپ کے حسن کا ادراک ممکن نہ ہوتا۔

چونکہ آپ نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے آپ کا سایہ بھی نہیں تھا۔
حضرت ذکوان رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

مر آنحضرت را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول۔ (مدارج نبوت جلد اول صـ۲۶)

رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں تھا۔ نہ چاندنی چاندنی میں حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے نوادر الاصول میں اس کو روایت کیا۔

دیوبندیوں کی مسلمہ کتاب تواریخ حبیب اللہ میں ہے۔
آپ کا بدن نور تھا۔ اسی سبب سے آپ کا سایہ نہ تھا۔ اس لئے کہ سایہ جسم کثیف ظلماتی کا ہوتا ہے۔ نہ لطیف و نورانی کا۔ (تواریخ حبیب اللہ صـ۱۵۹)

حضور کے جسم اقدس کی لطافت و نظافت

حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم اتنے صاف اور پاکیزہ تھے کہ جسم اقدس پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ اور نہ ہی آپ کے کپڑوں میں جوئیں پڑتی تھیں۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۱۱۴، شفا شریف صفحہ ۲۳۲، انوار محمدیہ صفحہ ۳۱۱)

فائدہ

مکھی کی عادت ہے کہ ہر فقیر امیر پر بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ ہفت اقلیم کے بادشاہ پر بھی بیٹھ جاتی ہے۔ تاکہ اس کا غرور وتکبر خاک میں مل جائے۔ نیز وہ تواضع اور عاجزی اختیار کرے۔ مکھی کا حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم پر نہ بیٹھنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ اصلی شہنشاہ مخلوقات میں فقط آپ ہی ہیں۔ الحمد للہ علی ذلک۔

جسم اقدس خوشبودار تھا

ہمارے آقا و مولا کا جسم اقدس سے کستوری و عنبر کی سی خوشبو آیا کرتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

لَا شَمَمْتُ مِسْكًا وَلَا عَنْبَرَةً	میں نے کوئی کستوری اور عنبر حضور
اَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ	صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس صلے
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔	اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے
متفق علیہ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۶)	زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شخص مصافحہ کرتا تو اس کے ہاتھوں سے تمام دن خوشبو آیا کرتی تھی۔ اور جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے تھے وہ بچوں میں خوشبودار مشہور ہو جاتا تھا۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۳۰، شفا شریف صفحہ ۴۰)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى	میں نے صبح کی نماز رسول پاک صلے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْاُوْلٰى	اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پڑھی۔ پھر
ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَخَرَجْتُ	آپ اپنے گھر کی طرف نکلے میں بھی

مَعَہٗ فَاسْتَقْبَلَہٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ یَمْسَحُ خَدَّیْ اَحَدِھِمْ وَاحِدًا وَّاحِدًا وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّیْ فَوَجَدْتُ لِیَدِہٖ بَرْدًا اَوْ رِیْحًا کَاَنَّمَا اَخْرَجَھَا مِنْ جُوْنَۃِ عَطَّارٍ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۱۷)

آپ کے ساتھ نکلا۔ آپ کے سامنے بہت سے بچے آئے۔ آپ ہر ایک بچہ کے رخسارے پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ میرے رخسارہ پر بھی ہاتھ مبارک پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ میں ٹھنڈک محسوس کی بلکہ ایک خوشبو پائی۔ گویا کہ آپ نے وہ خوشبو عطر فروش کے ڈبے سے نکالی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں۔

غَسَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَھَبْتُ اَنْظُرُ مَا یَکُوْنُ مِنَ الْمَیِّتِ فَلَمْ اَجِدْ شَیْئًا فَقُلْتُ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا قَالَ وَسَطَعَتْ مِنْہُ رِیْحٌ طَیِّبَۃٌ لَمْ نَجِدْ مِثْلَھَا قَطُّ (شفا شریف ص۱۲)

میں نے (وقت انتقال) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ میں وہ چیز جو میت سے نکلا کرتی ہے۔ دیکھنے لگا۔ مگر میں نے کوئی چیز نہ دیکھی تو میں نے کہا آپ زندگی اور موت میں بھی پاکیزہ ہیں۔ فرمایا۔ کہ آپ سے ایسی خوشبو نکلی۔ کہ میں نے ہرگز اسکی مثل نہیں پائی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَرْدَفَنِی النَّبِیُّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلْفَہٗ فَالْتَقَمْتُ خَاتَمَ النُّبُوَّۃِ بِفَمِیْ فَکَانَ یَنُمُّ عَلَیَّ مِسْکًا۔ (شفاء ص۳۲)

(ایک دفعہ) مجھے پیارے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ میں نے مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا۔ پس

مجھ پر خوشبو اور کستوری کی لپٹ
آنی شروع ہوگی۔

حکایت

ایک عورت ام عاصم عتبہ بن فرقد سلمی کی بی بی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتی ہے کہ عتبہ کی ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک یہی کوشش کرتی تھی۔ کہ میں عتبہ کے نزدیک زیادہ خوشبودار ثابت ہوں۔ اس لئے ہم قسم قسم کی خوشبوئیں استعمال کرتی تھیں۔ مگر اس کے باوجود ہمارا شوہر عتبہ ہم سے زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا۔ حالانکہ وہ کوئی خاص قسم کی خوشبو استعمال نہیں کرتا تھا۔ صرف تیل ہاتھ میں لے کر داڑھی چپڑ لیتا تھا۔ ہر ایک سے زیادہ خوشبودار بن جاتا۔ جب عام لوگوں کے سامنے آتا۔ تو ہر ایک یہی کہتا کہ عتبہ کی خوشبو سے کوئی خوشبو بھی زیادہ اچھی نہیں ہے۔ ام عاصم رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے عتبہ کو کہا۔ کہ کیا وجہ ہے۔ کہ ہم خوشبو کے استعمال کرنے میں غایت درجہ کوشش کرتی ہیں۔ مگر پھر بھی تو ہم سے زیادہ خوشبودار ہوتا ہے۔ عتبہ نے کہا۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں میرے بدن پر چھوٹے چھوٹے آبلے (دانے) نکل پڑے تھے۔ تو میں اپنے مولا و آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی بیماری کی شکایت کی آپ نے فرمایا۔ کہ ذرا کپڑے اتار ڈالیں۔ میں اپنے کپڑے اتار کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اقدس پر دم کر کے اپنا مبارک ہاتھ میری پشت اور پیٹ پر پھیرا تو اسدن سے میرا بدن خوشبودار بن گیا۔ اسکو طبرانی سے روایت کیا ہے۔
(مدارج جلد اول صـ۲۹، انوار محمدیہ صـ۲۱۷)

سبحان اللہ کیا شان ہے ہمارے رسول معظم کا کہ جو آپ کے جسم اقدس سے چھو جاتا ہے۔ خوشبودار بن جاتا ہے۔

سردار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم جس گلی کوچے سے گذر فرماتے وہ کوچہ بھی خوشبودار ہو جاتا۔ اور اس کوچہ سے بھی خوشبو سونگھ کر آپ کے پاس پہنچ

جاتا۔ (مدارج ص۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْلُكْ طَرِيْقًا فَيَتْبَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اَنَّهُ قَدْ سَلَكَهُ مِنْ طِيْبِ عَرْقِهِ اَوْ قَالَ مِنْ رِيْحِ عَرْقِهِ۔ رواه الدارمی۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۶)

بیشک حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گذرتے اور کوئی شخص آپ کی تلاش میں جاتا تو وہ خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ اس راستے سے تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ فِيْ طَرِيْقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَجَدُوْا مِنْهُ رَائِحَةَ الطِّيْبِ وَقَالُوْا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الطَّرِيْقِ۔ رواه ابو یعلی (انوار محمدیہ ص۲۱۷)

جب حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے کسی راہ پر گذر فرماتے تو لوگ اس راہ میں خوشبو پاتے اور کہتے کہ رسول پاک اس راہ سے گذرے ہیں۔

تیرھواں وعظ

حضور اقدس کے جسم پاک کی برکت کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝

حضرات! جس ذات پاک کو خدا نے نور فرمائے۔ اس ذات پاک کے جسم اقدس کی برکت کتنی بڑی ہوگی۔

جسم اقدس کی برکت سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے کسی عضو سے کوئی شے چھو جاتی تو اس میں

برکت آجاتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُدْعُ اللّٰہَ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ فَضَمَّھُنَّ ثُمَّ دَعَالِیْ فِیْھِنَّ بِالْبَرَکَۃِ قَالَ خُذْھُنَّ فَاجْعَلْھُنَّ فِیْ مِزْوَدِکَ کُلَّمَا اَرَدْتَ اَنْ تَاْخُذَ مِنْہُ شَیْئًا فَاَدْخِلْ فِیْہِ یَدَکَ فَخُذْہُ وَلَا تَنْثُرْہُ نَثْرًا فَقَدْ حَمَلْتُ مِنْ ذٰلِکَ التَّمْرِ کَذَا وَکَذَا مِنْ وَسْقٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَکُنَّا نَاْکُلُ مِنْہُ وَنُطْعِمُ وَکَانَ لَایُفَارِقُ حَقْوِیْ حَتّٰی کَانَ یَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ فَاِنَّہٗ انْقَطَعَ۔ رواہ الترمذی

(مشکوٰۃ ص۵۴۲)

میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں چند کھجور لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی یارسول اللہ ان میں برکت کی دعا فرمایئے۔ ان کو اپنے ہاتھ میں اکٹھا کیا۔ پھر میرے لئے دعائے برکت کی۔ فرمایا ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال دے۔ جب تو کچھ اس سے لینا چاہے تو اپنا ہاتھ ڈال کر لے لینا مگر جھاڑنا نہیں۔ بس میں نے ان تمروں سے اتنے اتنے وسق اللہ کے راستہ میں نکالے ہم خود بھی اس سے کھاتے تھے۔ اور کھلاتے بھی تھے۔ وہ تھیلا میری کمر سے کبھی بھی جدا نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک کہ جبدن حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہو گئے تو وہ مجھ سے گر کر ضائع ہو گیا۔ یہ برکت دست مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشَرَۃَ

حدیبیہ کے روز ہم چودہ سو افراد رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے

مِائَةً يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَ الْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيرِهَا ثُمَّ دَعَا بِإِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَدَعَا ثُمَّ صَبَّهُ فِيهَا ثُمَّ قَالَ دَعُوهَا سَاعَةً فَأَرْوَوْا أَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتّٰى ارْتَحَلُوا

رواہ البخاری۔ (مشکوٰۃ شریف ۵۳۲)

ساتھ تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں تھا۔ ہم نے اسکا پانی کھینچ لیا۔ اس میں ایک قطرہ پانی کا نہ چھوڑا۔ پس یہ بات حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ پس اس کے پاس تشریف لائے۔ اور اس کے کنارے بیٹھ گئے پھر آپ نے ایک پانی کا برتن منگایا۔ وضو فرمایا۔ پھر (اس میں) کلی کی اور دعا فرمائی۔ پھر اس پانی کو کنویں میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا ایک ساعت اسکو چھوڑ دو۔ پس انہوں نے اپنے نفس اور اپنی سواریاں سیراب کیں۔ یہاں تک کہ کوچ کیا۔

ثابت ہوا کہ آپ کے جسم پاک سے چھونے والی چیز میں برکت آجاتی ہے حضور اقدس کے منہ مبارک سے نکلا ہوا پانی جب کنویں میں پڑا تو کنواں پانی سے بھر گیا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس میں وہ برکت ہے ۔ جب آپ کا ہاتھ کسی بیمار کو لگ جائے۔ تو فوراً صحت ہو جائے۔ حضرت براء رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا إِلٰى أَبِي رَافِعٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَتِيكٍ بَيْتَهُ لَيْلًا وَهُوَ نَائِمٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَتِيكٍ فَوَضَعْتُ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت (صحابہ کی) ابو رافع یہودی کی طرف (اس کے قتل کے لئے) بھیجی۔ رات کو اس کے گھر میں حضرت عبداللہ بن عتیک داخل ہوئے وہ

السَّيْفَ فِیْ بَطْنِہٖ حَتّٰی اَخَذَ فِیْ ظَهْرِهٖ فَعَرَفْتُ اَنِّیْ قَتَلْتُهٗ فَجَعَلْتُ اَفْتَحُ الْاَبْوَابَ حَتّٰی اِنْتَهَیْتُ اِلٰی دَرَجَةٍ فَوَضَعْتُ رِجْلِیْ فَوَقَعْتُ فِیْ لَیْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْکَسَرَتْ سَاقِیْ فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَةٍ فَانْطَلَقْتُ اِلٰی اَصْحَابِیْ فَانْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهٗ فَقَالَ اُبْسُطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَهَا فَکَاَنَّمَا لَمْ اَشْتَکِهَا قَطُّ رواہ البخاری (مشکوٰۃ صـ۵۳)

سو یا ہوا تھا۔ پس آپ نے اسے قتل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک فرماتے ہیں۔ میں نے اس کے پیٹ میں تلوار ماری جو اسکی پشت تک پہنچ گئی۔ میں نے پہچان لیا کہ میں نے اسکو قتل کر دیا ہے۔ پس میں دروازہ کھولتا ہوا واپس آیا یہاں تک کہ میں زینہ تک پہنچا۔ رات چاندنی تھی۔ میں نے اپنا پاؤں رکھا۔ (اس خیال سے کہ زمین تک پہنچ گیا ہوں) پس میں گر پڑا (زینہ سے) تو میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ اسکو اپنی پگڑی سے باندھ دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ آپ کو ساری بات عرض کی۔ فرمایا پاؤں بچھا دو۔ میں نے پاؤں بچھا دیا۔ آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ایسا معلوم ہوا گویا اس کو کبھی درد ہوا ہی نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہما فرماتے ہیں۔

اَنَّ امْرَاَةً جَاءَتْ بِابْنٍ لَّهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ بِهٖ جُنُوْنٌ وَاِنَّهٗ لَیَاْخُذُهٗ عِنْدَ غَدَائِنَا وَعَشَائِنَا فَمَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

تحقیق ایک عورت اپنا بیٹا لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ عرض کی یا رسول اللہ میرے بیٹے کو جنون ہے اور وہ اسکو صبح و شام پکڑ لیتا ہے۔ پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر

صَدْرَہٗ وَدَعَا فَثَعَّ ثَعَّۃً وَخَرَجَ مِنْ جَوْفِہٖ مِثْلُ الْجَرْوِ الْاَسْوَدِ یَسْعٰی رواہ الدارمی۔ (مشکوٰۃ ص۵۴۰)

ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی تو بچے نے قے کی تو لڑکے کے پیٹ سے کتے کے چھوٹے چھوٹے بچے نکلے اور دوڑنے لگے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاءَہٗ رَجُلٌ یَسْتَطْعِمُہٗ فَاَطْعَمَہٗ شَطْرَ وَسْقِ شَعِیْرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ یَاْکُلُ مِنْہُ وَامْرَاَتُہٗ وَضَیْفُہُمَا حَتّٰی کَالَہٗ فَفَنِیَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْلَمْ تَکِلْہُ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ وَلَقَامَ لَکُمْ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۴۰)

تحقیق حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور آپ سے طعام کی درخواست کی آپ نے اسکو نصف وسق جو طعام عنایت فرمائے۔ وہ خود اور اس کی بیوی اور ان کے مہمان ہمیشہ اس سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے اسکو ماپ دیا تو ختم ہوگیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ فرمایا اگر تو اس کو نہ ماپتا تو تم اس سے کھاتے رہتے اور وہ ختم نہ ہوتا

حضرات! سرور دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس تو نرا ہی شفا تھا۔ اگر آپ کا کپڑا کسی مریض کو لگ جائے تو بھی باعث شفا بن جاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں۔

در صحیح آمدہ کہ بیروں آورد اسماء بنت ابی بکر جبہ طیالسہ را وگفت کہ ایں جبہ را پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ است سو ماشوئیم آں را برائے

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک جبہ طیالسہ باہر نکالا۔ اور فرمایا کہ اس جبہ شریف کو سرکار دو عالم صلے اللہ

بماراں وشفامے جوئیم باں۔ وبود کاسہ آنحضرت کہ آب مے انداختند دراں وشفا جستند باں وبود چند موئے از آنحضرت در کلاہ خالد بن ولید وحاضر نشد باآنہا ہیچ قتال راگر آنکہ دادہ شد نصرت۔ (مدارج جلد اول صہ ۲۴۴)

علیہ وسلم نے پہنا ہے اور ہم اس اور اس سے شفا حاصل کرتے ہیں آپ کا ایک پیالہ تھا جس میں پانی ڈالا کرتے تھے (پینے وغیرہ کے لئے) مسلمان اس پیالہ سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ آپ کے چند بال خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے۔ آپ جس جنگ میں اس کو پہن کر تشریف لے جاتے فتح ونصرت ان کے قدم چومتی۔

حضرت سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک آگ سے چھو جاتا تو آگ ٹھنڈی ہو جاتی اور اس سے جلانے کی قوت سلب ہو جاتی۔ سیئے۔

ایک دن رحمتہ لعالمین صلے اللہ علیہ وسلم حضرت خاتون جنت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے در دولت پر تشریف لائے۔ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تنور تپایا۔ اور روٹیاں لگانی شروع کیں۔ حضرت خاتون جنت کو تنور کی گرمی محسوس ہوئی۔ یہ دیکھ کر خود رحمتہ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت دست مبارک سے چند روٹیاں لگائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب خاتون جنت رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے دیکھا۔ تو رحمتہ للعٰلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک سے لگی ہوئی روٹیاں اسی طرح کچی ہیں۔ آگ نے ان پر اپنا کوئی اثر نہیں کیا۔ آپ حیران ہوئیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وجہ حیرانگی دریافت فرمائی۔ تو خاتون جنت نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں اس لئے حیران ہوں۔ کہ آپ کے دست اقدس سے لگی ہوئی تمام روٹیاں ابھی تک اسی طرح کچی ہیں اور آگ نے ان پر ذرا بھی اثر نہیں کیا۔ فرمایا اے لخت جگر! یہ کوئی حیرانگی کی

بات نہیں۔ کیونکہ جو شئے میرے دست اقدس سے چھو جاتی ہے آگ اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا میرے دست اقدس سے لگی ہوئی روٹیوں پر تنور کی آگ کیا اثر کرسکتی ہے۔ (مدارج جلد دوم ص۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے چھو جانیوالی شئے پر دوزخ کی آگ اثر نہیں کرسکیگی

علامہ محقق عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء نے اسکی وجہ بیان کی ہے کہ فتح مکہ کے روز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو خود اٹھا کر حکم دیا کہ بتوں کو اتارے اور توڑے۔ اور خود اپنے ہاتھ سے نہ اتارے اور نہ ہی توڑے۔

وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ تم اور تمہارے معبود (بت) سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ جب خدا تعالٰے نے فرمادیا کہ بت دوزخ میں جلیں گے اور دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ پس اگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اپنے دستِ اقدس سے بتوں کو اتارتے تو آپ کا دست اقدس بتوں کو لگ جاتا۔ تو وہ دوزخ میں جل نہ سکتے تھے۔ کیونکہ جس چیز پر دست مصطفٰے لگ جائے۔ اسکو دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی اس واسطے آپ نے ان بتوں کو اتارنے کے لئے حضرت شیر خدا کو حکم فرمایا تھا۔ (مدارج جلد دوم ص۳۸۵)

تنبیہ مسلمانو! سنو۔ غور کرو کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے آٹا چھو جائے تو اسکو تنور کی آگ نہ جلا سکے اور حضور کے گورے گورے دست پاک سے بت مس کر جاتے تو دوزخ کی آگ ان کو نہ جلا سکتی۔ تو بتاؤ جس صدیق و فاروق و عثمان۔ عائشہ صدیقہ وغیرہ رضوان اللہ

علیہم کے جسم کو جسم اقدس نے چھوا ہو ان کو نارِ دوزخ کیا جلا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَلْبَابِ۔

حضرات! اب فقیر آخر میں ایک حدیث پاک جسم اقدس کی برکت پر پیش کر کے اس وعظ کو ختم کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

تُوُفِّیَ اَبِیْ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ فَعَرَضْتُ عَلٰی غُرَمَآئِہٖ اَنْ یَّاْخُذُوا التَّمْرَ بِمَا عَلَیْہِ فَاَبَوْا فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ وَالِدِیْ اُسْتُشْہِدَ یَوْمَ اُحُدٍ وَتَرَکَ دَیْنًا کَثِیْرًا وَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَّرَاکَ الْغُرَمَآءُ فَقَالَ لِیْ اِذْھَبْ فَبَیْدِرْ کُلَّ تَمْرٍ عَلٰی نَاحِیَۃٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُہٗ فَلَمَّا نَظَرُوْٓا اِلَیْہِ کَاَنَّھُمْ اُغْرُوْا بِیْ تِلْکَ السَّاعَۃَ فَلَمَّا رَاٰی مَا یَصْنَعُوْنَ طَافَ حَوْلَ اَعْظَمِہَا بَیْدَرًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِیْ اَصْحَابَکَ فَمَا زَالَ یَکِیْلُ لَھُمْ حَتّٰی اَدَّی اللّٰہُ۔

میرے والد قرضہ چھوڑ کر انتقال فرما گئے۔ میں اپنے باپ کے قرضخواہوں پر پیش کیا کہ اپنے قرضے کے مقابلہ میں کھجور پکڑ لیں۔ تو انہوں نے انکار کیا۔ پس میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ جانتے ہیں کہ میرا والد احد کے روز شہید ہو گیا ہے۔ اور بہت سا قرضہ چھوڑ گیا ہے۔ اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آپ تشریف لائیں، تو آپ کو قرضخواہ دیکھیں گے (تو شاید کچھ معاف کر دیں) آپ نے مجھے فرمایا۔ جاؤ اور تمام کھجور کا ڈھیر ایک طرف لگا دو۔ میں نے ایسا کیا پھر آپ کو بلایا۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا۔ تو مجھ پر اس وقت دلیر کئے گئے (یعنی مطالبہ میں اور زیادہ مصر ہوئے کہ شاید آپ معافی کا حکم فرمائیں) جب آپ نے ان کا یہ حال

عنْ وَالِدِیْ
اَمَانَتَہٗ وَاَنَا اَرْضٰی اَنْ یُؤَدِّیَ
اللّٰہُ اَمَانَۃَ وَالِدِیْ وَلَا اَرْجِعُ
اِلٰی اِخْوَتِیْ بِتَمْرَۃٍ فَسَلَّمَ اللّٰہُ
الْبَیَادِرَ کُلَّھَا وَحَتّٰی اَنِّیْ اَنْظُرُ
اِلَی الْبَیْدَرِ الَّذِیْ کَانَ عَلَیْہِ
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَ
نَّھَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَۃٌ وَاحِدَۃٌ
رواہ البخاری۔ (مشکوٰۃ ص۵۳۵)

ملاحظہ فرمایا تو بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے۔ پھر اس پر بیٹھ گئے پھر فرمایا میرے سامنے اپنے دوستوں کو بلاؤ (وہ آگئے) آپ ان کو ماپ کر دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے میرے والد کا قرضہ ادا کر دیا۔ میں اس بات پر راضی تھا کہ اللہ تعالےٰ میرے والد کا قرضہ ادا کر دے اور اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی واپس نہ لے جاؤں۔ پس اللہ تعالےٰ نے (حضور کی برکت سے) سب ڈھیر سلامت رکھے۔ جب میں اس ڈھیر کی طرف دیکھتا جس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ تو گویا (اس سے) ایک دانہ کھجور کا بھی کم نہیں ہوا۔

سبحان اللہ کیا برکت ہے۔ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ حضرت جابرؓ کا سارا قرضہ بھی دور ہو گیا اور ایک دانہ بھی کم نہ ہوا۔

چودھواں وعظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت و شجاعت

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ پارہ ۳۰

ترجمہ:۔ اے محبوب بیشک ہم نے آپ کو بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

حضرات۔ اللہ تبارک نے اپنے محبوب کو جہاں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ان خوبیوں میں سے ایک طاقت اور شجاعت بھی علے وجہ اتم عطا فرمائی گئی۔ دنیائے عالم میں آپ کی طاقت و شجاعت کی نظیر ناممکن ہے۔ تن تنہا آپ نے

عرب جیسے ملک کو جسکو آجتک کوئی فتح نہیں کرسکا تھا مسخر کرلیا تمام قوموں کو جو آپ کے مقابل ہوئیں۔سب کو آپ نے مغلوب کرلیا۔تمام مخالفین و معاندین کو چکنا چور کردیا۔آپ اتنے طاقتور اور مضبوط تھے۔جو آپ پر گرتا چور چور ہو جاتا۔اور جس پر آپ گرتے اسے پاش پاش کردیتے۔

حضور کی خداداد طاقت

آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خداداد قوت بے حد تھی۔چالیس مرد جنتی کی قوت آپ کو منجانب اللہ عطا فرمائی گئی تھی۔علامہ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

در حدیث انس آمدہ است کہ آنحضرت مے گشت بر تمامہ نساء خود در یک شب و آں یازدہ تن بودند گفت راوی گفتم با انس اما طاقت داشت آں را گفت انس بودیم ما کہ مے گفتیم میان خود کہ دادہ شدہ است قوت آنحضرت را سی مرد رواہ البخاری و در بعضے روایات قوت اربعین مرد از مردان بہشت و آمدہ است کہ ہر مرد از مردان بہشت قوت صد کس باشد۔

(مدارج جلد اول ص ۳۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول پاک اپنی تمام عورتوں پر ایک رات میں دورہ فرماتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔

راوی نے کہا کہ میں نے انس کو کہا کیا آپ اتنی طاقت رکھتے تھے۔انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپس میں کہتے تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔ اسکو بخاری نے روایت کیا۔اور بعض روایات میں آیا ہے کہ چالیس مردوں بہشتیوں کی قوت آپ کو عطا کی گئی ہے اور ایک مرد بہشتی کی قوت سو مردوں کے برابر ہے

اللہ تعالےٰ نے آپ کو وہ قوت اور زور بازو عنایت فرمایا تھا کہ دنیا کے نامی پہلوان آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب میں

نقل کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں رکانہ نامی ایک مشہور پہلوان تھا جو بڑا شہ زور فن کشتی میں ماہر اور یکتا تھا۔ مختلف شہروں سے پہلوان اس سے کشتی لڑنے کے لئے آتے۔ رکانہ ہر ایک کو گرا دیتا تھا۔ ایک روز مکہ معظمہ کی ایک گھاٹی میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ آپ نے فرمایا۔ اے رکانہ خدا سے نہیں ڈرتا۔ کیوں میری دعوت اسلام قبول نہیں کرتا۔ رکانہ نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی صداقت پر کوئی گواہ پیش کرو۔ فرمایا۔ اگر میں کشتی میں تجھے پچھاڑ دوں تو ایمان لائیگا۔ رکانہ نے کہا ہاں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا تیار ہو جا۔ کشتی شروع ہوگئی۔ آپ نے اسکو پکڑ کر زمین پر پچھاڑ دیا۔ اس کی ساری شیخی خاک میں ملا دی۔ رکانہ حیران ہوگیا۔ دوبارہ کشتی لڑنے کی درخواست پیش کی۔ دوسری مرتبہ بھی آپ نے اس کو گرا دیا۔ تیسری مرتبہ رکانہ نے پھر کشتی کی۔ آپ نے اسے تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا رکانہ نے متعجب ہو کر کہا۔ یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تیری عجیب شان ہے۔ (مدارج ص ۶۴، شفاء ص ۱۴۷، انوار محمدیہ ص ۲۲۴)

عرب شریف میں ایک اور پہلوان تھا۔ جسکا نام ابو الاسود حجمی تھا۔ بڑا شہ زور تھا۔ لکھتے ہیں کہ اگر وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس مرد اس چمڑے کو کھینچتے تاکہ چمڑا اس کے قدم سے نکال دیں۔ تو چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اس کے پاؤں سے نہ نکل سکتا۔

اس نے ہمارے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم سے کشتی کرنے کی درخواست کی اور کہا کہ اگر آپ مجھ کو پچھاڑ دو گے تو میں آپ کے ساتھ ایمان لاؤں گا۔ آپ نے اسکی درخواست قبول فرمائی۔ کشتی ہوئی۔ آپ نے اسکو خوب پچھاڑا مگر وہ بدقسمت ایمان نہ لایا۔ (مدارج جلد اول ص ۴۶، انوار محمدیہ ص ۲۲۴)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت کا بیان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ کی زبان سے سنیئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِيْ مَشْيِهِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهٗ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ (رواہ الترمذی) (مشکوٰۃ ص۵۱۸)	میں نے چلنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو زیادہ تیز رفتار نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کے لئے لپیٹ دی جاتی ہے بے شک ہم اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیتے مگر آپ کو پرواہ بھی نہ ہوتی۔

حضرات! یہ جو کچھ لکھا گیا ہے آپ کی ظاہری طاقت کا ایک کرشمہ تھا۔ مگر آپ کی روحانی اور باطنی طاقت و قوت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ایں کمال قوت جسمانی اوست و قوت روحانی آنحضرت خود آنچنان بود کہ آسمان را از حرکت باز میداشت بلکہ برخلاف حرکتش میبرد چنانکہ ازرد شمس بعد از غروب کہ در احادیث آمدہ است ظاہر میگردد۔ (مدارج جلد دوم ص۳۳)	یہ کمال آپ کی قوت جسمانی کا ہے۔ مگر آپ کی قوت روحانی اتنی تھی۔ کہ آسمان کو حرکت کرنے سے روک دیتے تھے۔ بلکہ اس کو اس کی حرکت کے خلاف چلاتے تھے جیسا کہ شمس کو غروب کے بعد واپس لوٹانا جو حدیثوں میں آیا ہے ظاہر کرتا ہے۔

تنبیہ اے طاقت مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے منکرو۔ حدیث دانی کے دعویدارو۔ تم کو ہمارا رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم ایک عاجز بندہ نظر آتا ہے۔ آؤ محدث دہلوی کے اس کلام کو سنو۔ جو انہوں نے حدیث پاک سے سمجھی ہے۔ یہ ہے حدیث دانی اور یہ ہے علم و فضل کا کمال معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے منکروں کو حدیث کا فہم عنایت ہی نہیں فرمایا۔ اگرچہ وہ اسکا دعویٰ بھی کرتے ہوں۔ مگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

آپ کی شجاعت آپ اتنے دلیر اور شجاع تھے۔ جن خطرناک مقامات پر

بڑے بڑے دلاور پیٹھ پھیر جاتے۔آپ بڑی دلیری سے ثابت قدم رہتے۔اب آپ صحابہ کی زبان سے آپ کی شجاعت سنئے۔اور داد دیجئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَاَجْوَدَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ اِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ يَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا وَهُوَ عَلٰى فَرَسٍ لِاَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ وَفِيْ عُنُقِهٖ سَيْفٌ فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْتُهٗ بَحْرًا۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص۵۱۸)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سخی اور زیادہ شجاع تھے۔ایک رات مدینہ شریف کے لوگ ڈر گئے۔(جیساکہ کوئی چور یا دشمن آجائے) لوگ آواز کی جانب گئے۔پس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے آگے سے تشریف لائے۔حالانکہ آپ لوگوں سے پہلے آواز کی طرف تشریف لے گئے تھے۔فرمانے لگے کوئی خوف نہ کرو۔کوئی خوف نہ کرو۔آپ ابوطلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گھوڑے پر سوار تھے جو برہنہ پشت تھا۔اور اس کا کاٹھی نہیں تھی۔آپ کی مبارک گردن میں تلوار تھی۔پس آپ نے فرمایا تحقیق میں نے اس گھوڑے کو دریا کی مثل پایا۔

فائدہ حدیث بالا میں تصریح موجود ہے کہ آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ شجاع ہیں۔نیز واقعہ بیان کرکے ثابت کیا کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ دلیر تھے۔ساتھ ہی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم

وسلم کی برکت معلوم ہوگئی۔کہ وہ گھوڑا پہلے سست رفتار تھا۔آپ کے سوار ہونے کے بعد تیز رفتار ہوگیا۔شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

ہر کس را ہر چیز را کہ یاری ومددگاری از آنحضرت بود اگر لاشیئی باشد شیئی میگردد واگر زبون بود غالب شود و اگر پست بود بلند گردد واگر ضعیف بود قوی گردد۔ (بیت)

تو مرا دل دہ و دلیرے بود!
روبۂ خویش خوان وشیرے ہیں
(اشعتہ اللمعات جلد رابع صلـ۴۹۴ـ)

جس شخص کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد حاصل ہوجائے۔تو اگر وہ لاشی ہوشی ہوجائیگا۔اگر عاجز ہوگا۔غالب ہوجائے گا۔ اگر پست ہوگا۔بلند ہوجائیگا۔اگر کمزور ہوگا تو قوی ہوجائے گا۔ (بیت)

یارسول اللہ تو مجھے دل عطا فرما تو میں دلیر بن جاؤں گا، تو مجھے اپنی لومڑی بنالے تو میں شیر بن جاؤں گا۔

حضرات! مضمون کچھ طویل ہوگیا ہے۔اس لئے آخر میں ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو آپ کی شجاعت پر اوّل دلیل ہے۔

عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ یَا اَبَا عُمَارَۃَ فَرَرْتُمْ یَوْمَ حُنَیْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰہِ مَا وَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنْ خَرَجَ شُبَّانُ اَصْحَابِہٖ لَیْسَ عَلَیْھِمْ کَثِیْرُ سِلَاحٍ فَلَقُوْا قَوْمًا رُمَاۃً لَا یَکَادُ یَسْقُطُ لَھُمْ سَھْمٌ فَرَشَقُوْھُمْ رَشْقًا مَا یَکَادُوْنَ یُخْطِئُوْنَ فَاَ

ابو اسحاق (تابعی ہیں) رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت براو رضی اللہ تعالے عنہ (صحابی ہیں) کو کہا اے ابو عمارہ (کنیت براء کی ہے) تم حنین کے روز بھاگ گئے تھے۔ فرمایا نہیں،خدا کی قسم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پشت نہیں پھیری تھی۔ لیکن آپ کے اصحاب کے نوجوان جن کے پاس زیادہ ہتھیار

فَبَلُوْا هُنَاكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَآءِ وَ اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ يَقُوْدُهٗ فَنَزَلَ وَ اسْتَنْصَرَ وَقَالَ

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ثُمَّ صَفَّهُمْ رواہ مسلم وللبخاری معناہ۔ (مشکوٰۃ ص۵۳۴)

نہ تھے۔ پس کفار کی قوم تیر انداز کو ملے قریب نہ تھا کہ ان کا تیر گرے۔ یعنی ان کا نشانہ خطا نہیں جاتا تھا۔ پس انہوں نے ان کو تیر مارے۔ قریب نہ تھا کہ وہ خطا کریں۔ پس نوجوان اس جگہ سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث آپ کو یعنی آپ کی سواری کھینچ رہے تھے پس آپ نیچے اترے اور اللہ تعالےٰ سے مدد مانگی۔ اور فرمایا میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ پھر آپ نے انکی صف بندی کی۔

نیز براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی شجاعت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

كُنَّا وَاللّٰہِ اِذَا احْمَرَّ الْبَاْسُ نَتَّقِىْ بِهٖ وَاِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِىْ يُحَاذِىْ بِهٖ يَعْنِى النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رواہ البخاری ومسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۳۴)

خدا کی قسم جب جنگ سخت ہو جاتی تو ہم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پناہ ڈھونڈتے تھے۔ اور بے شک ہم میں سے بڑا دلیر وہ ہوتا تھا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برابر کھڑا ہوتا۔

الغرض ہمارے مولا و آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی خداداد قوت و شجاعت بے اندازہ ہے انسان کی زبان و قلم کو طاقت ہی نہیں جو آپ کی طاقت پورے طور پر بیان کر سکے۔

پندرہواں وعظ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک پسینہ اور فضلات خوشبودار تھے

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ

حضرات! علمائے مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک قراۃ تو اَنْفُسِکُمْ ضمہ فاد کے ساتھ ہے اور ایک قراۃ اَنْفَسِکُمْ فتحہ فا کے ساتھ ہے۔ اگر فتحہ فاد کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا۔ کہ بے شک تشریف لائے رسول معظم جو تم میں زیادہ نفیس ہیں۔ ہمارا پسینہ اور فضلات (پیشاب و پاخانہ) بدبودار ہوتا ہے۔ مگر قربان اس آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ کا پسینہ خوشبودار تھا اور آپ کے فضلات پاک ہی نہیں تھے۔ بلکہ خوشبودار بھی تھے۔ اس لئے خود رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ تمہارے پاس رسول پاک تشریف لائے جو تم سب سے زیادہ نفیس ہیں۔

آپ کا مبارک پسینہ

آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک پسینہ اسقدر خوشبودار کہ مدینہ کے لوگ اس کو بطور خوشبو استعمال کرتے تھے۔ حضرت شیخ محقق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مدارج النبوت میں لکھتے ہیں۔

مردے میخواست کہ دختر خود را بخانہ شوہر فرستد طیب نداشت۔ پیش آنحضرت آمد تا چیزے عطا کند۔ چیزے حاضر نہ بود پس شیشہ طلبید و طیب انداخت درو ے۔ پس پاک کرد از جسد شریف خود از عرق در شیشہ انداخت و گفت بیند از دریں شیشہ طیب و بفرما او را کہ تطیب کند باین۔ پس

ایک مرد نے چاہا کہ اپنی لڑکی خاوند کے گھر بھیجے۔ اس کے پاس خوشبو نہ تھی۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ کوئی شئی عطا کریں۔ کوئی چیز حاضر نہ تھی۔ پس ایک شیشی منگائی اور اس میں خوشبو ڈالی۔ پھر اپنے جسم پاک کا تھوڑا سا پسینہ مبارک شیشی میں ڈال کر فرمایا۔ کہ اس شیشی میں خوشبو

بود آں زن چوں میکرد بداں مے بوئید نداہل مدینہ آزاونام کردند خانہ ایشاں را بیت الطیبین۔
(مدارج جلد اول ص۲۹)

بلا دواد اپنی لڑکی کو کہہ دو کہ وہ اس سے خوشبو استعمال کرے پس جب وہ عورت اس سے خوشبو لگایا کرتی تھی تو تمام مدینہ کے لوگ وہ خوشبو سونگھتے تھے۔ انہوں نے ان کے گھر کو خوشبوداروں کا گھر نام رکھا تھا۔

نیز یہ روایت انوار محمدیہ کے ص۲۱ پر بھی ہے۔
حضرت انس کی والدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَأْتِیْھَا فَیَقِیْلُ عَلَیْہِ وَکَانَ کَثِیْرَ الْعَرَقِ فَکَانَتْ تَجْمَعُ عَرَقَہٗ فَتَجْعَلُہٗ فِی الطِّیْبِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اُمَّ سُلَیْمٍ مَا ھٰذَا قَالَتْ عَرَقُکَ نَجْعَلُہٗ فِیْ طِیْبِنَا وَھُوَ مِنْ اَطْیَبِ الطِّیْبِ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۸)

بیشک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے پاس تشریف لاتے اور قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ ام سلیم چمڑے کا بچھونا بچھاتی تھیں۔ آپ اس پر قیلولہ فرماتے۔ آپ کو پسینہ بہت آیا کرتا تھا۔ پس ام سلیم آپ کا پسینہ جمع کرتی اسکو خوشبو میں لاتی تھی۔ (بیدار ہوکر) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ام سلیم یہ کیا ہے عرض کی۔ آپ کا پسینہ ہے اس کو اپنی خوشبو میں ملاتے ہیں کیونکہ آپ کا پسینہ خوشبو ترین خوشبو ہے

فائدہ حضرات ہم لوگ گلاب کے پھول کو سونگھتے ہیں اور اس سے خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ بھلا یہ بھی معلوم ہے۔ کہ پھول گلاب میں خوشبو کہاں سے آگئی ہے۔ در اصل یہ گلاب کے پھول میں بھی ہمارے

مولا و آقا صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک پسینہ کا اثر ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

بدانکہ در بعضے احادیث آمدہ کہ گل سرخ پیدا شدہ است۔ از عرق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز آمدہ است کہ فرمود بعد از رجوع از معراج قطرہ از عرق من برزمین افتاد و روئید ازاں گل سرخ ہر کہ خواہد کہ بوید بوئے مرا باید کہ بوید گل سرخ را۔
(معارج جلد اول ص۳۰)

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ پھول گلاب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک پسینہ سے پیدا ہوا ہے۔ نیز یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ معراج کی واپسی کے بعد میرے پسینے کا ایک قطرہ زمین پر گر گیا اس سے گلاب پیدا ہوا۔ جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ پھول گلاب کو سونگھ لے۔

خون مبارک پاک اور باعث برکت ہے

حضرات! ہمارا خون ناپاک ہے مگر ہمارے رسول پاک کا خون مبارک پاک ہے۔ اور اسکا پینا باعث برکت ہے۔ شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حجامے حجامت کرد آنحضرت را پس بیرون برد خون را و فرو برد او را در شکم خود پرسید آنحضرت چکار کردی خون را گفت بیرون بردم تا پنہاں کنم آنرا نخواستم کہ خون ترا برزمین ریزم پس پنہاں بردم آں را در شکم خود فرمود بتحقیق عذر کردی و نگاہداشتی نفس خود را یعنی از امراض و بلا۔

ایک حجام نے آپ کو سنگی لگائی۔ پس آپ کا خون باہر لے گیا اور اس کو پی لیا۔ آپ نے پوچھا خون کا کیا کیا۔ عرض کی باہر لے گیا تھا تاکہ اسکو پوشیدہ کردوں مگر مجھے یہ پسند نہ آیا کہ آپ کا خون زمین پر گراؤں پس اس کو اپنے شکم میں پوشیدہ کر دیا آپ نے فرمایا تو نے عذر پیش کیا۔

(مدارج جلد اول ص۳۱، انوار محمدیہ) اور اپنے آپ کو بیماریوں سے محفوظ کر دیا۔

آپ کا دم محبت سے پی جانے سے مسلمان جنتی بن جاتا ہے۔ سنیئے۔

لَمَّا جُرِحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَصَّ جُرْحَهُ مَالِكُ وَالِدُ اَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ حَتّٰى اَنْقَاهُ وَلَاحَ اَبْيَضَ قَالُوْا مُجَّهُ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا اَمُجُّهُ اَبَدًا ثُمَّ ازْدَرَدَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا۔

(انوار محمدیہ ص۲۱۹، مدارج جلد اول ص۳۱، وشفاء ص۴۱)

جب (یوم احد) سرور دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو حضرت مالک بن سنان والد ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپ کے زخم کو چوس کر صاف کر دیا وہ سفید نظر آنے لگا۔ لوگوں نے کہا اس کو اپنے منہ سے ڈال دو۔ کہا۔ نہیں اللہ کی قسم میں کبھی بھی اس کو اپنے منہ سے نہ ڈالوں گا۔ پھر انہوں نے اس خون کو پی لیا۔ تو سرکار نے فرمایا جو شخص جنتی مرد دیکھنا چاہے۔ اس کو دیکھ لے۔

(سبحان اللہ حضور کا خون پینے والا جنتی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اور انسانوں کا خون پینا حرام ہے اور اس پر نص وارد ہے)

سرور دو عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کا آپ کا بول و براز امت کے حق میں پاک ہے

بول و براز امت کے حق میں پاک ہے۔ بدن یا کپڑے پر لگ جائے تو پلید نہ ہو گا۔ اور بول کا پینا بھی جائز ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ بِطَهَارَةِ هٰذَيْنِ الْحَدَثَيْنِ

اہل علم سے ایک قوم نے فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

مِنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ اَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ (شفاء صـ۴۱ جلد اول)

کا بول و براز پاک ہے۔ یہی قول بعض شوافع کا ہے۔

حضرت یوسف اسمٰعیل نبہانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وَفِيْ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثِ دَلَالَةٌ عَلٰى طَهَارَةِ بَوْلِهٖ وَدَمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ ابْنُ حَجَرٍ قَدْ تَكَاثَرَتِ الْاَدِلَّةُ عَلٰى طَهَارَةِ فُضَلَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَقَلَ النَّوَوِيُّ عَنِ الْقَاضِيْ حُسَيْنٍ اَنَّ الْاَصَحَّ الْقَطْعُ بِطَهَارَةِ الْجَمِيْعِ وَبِهٰذَا قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَمَا قَالَهُ الْعَيْنِيُّ (انوار محمدیہ صـ۲۱۹)

ان حدیثوں میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پیشاب اور دم کی طہارت پر دلیل ہے۔ شیخ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ فضلات حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی طہارت پر کثیر دلائل ہیں۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی حسین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ آپ کے تمام فضلات وخون پاک ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالے عنہ کا یہی قول ہے جیسا کہ عینی نے کہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دریں احادیث دلالت است بر طہارت بول ودم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وبریں قیاس سائر فضلات وعینی شارح صحیح بخاری کہ حنفی مذہب است گفتہ کہ بہمیں قائل است

یہ حدیثیں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے پیشاب وخون کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ باقی فضلات کو بھی اس پر قیاس کرتے ہیں۔ عینی شارح صحیح بخاری کہ حنفی مذہب ہے کہا

امام ابو حنیفہ و شیخ ابن حجر گفتہ کہ دلائل متکاثرہ و متظاہرہ طہارت فضلات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم۔ (مدارج جلد اول ص۲۲)	ہے کہ امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے اور شیخ ابن حجر نے کہا ہے کہ کثیر دلائل آپ کے فضلات کی طہارت پر موجود ہیں۔

آپ کا بول و براز خوشبودار تھا

حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت فرماتے تو زمین پھٹ جاتی اور آپ کا بول و براز نگل جاتی اور وہاں سے خوشبو آتی۔

(مدارج جلد اول ص۳۰، انوار محمدیہ ص۲۱۸، شفاء ص۴۲)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر ہم وہاں کوئی پلیدی نہیں دیکھتے فرمایا۔ اے عائشہ تو نہیں جانتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے جو چیز نکلتی ہے زمین اسکو نگل جاتی ہے۔ لہذا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ (مدارج جلد اول ص۳۱ شفاء ص۴۲)

حضرات! آپ کا بول (پیشاب) اتنا پاکیزہ اور خوشبودار تھا کہ اگر کوئی قسمت پی جاتا اس کے بدن سے خوشبو آیا کرتی تھی۔

حکایت

ایک شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا پیشاب مبارک پی گیا تو جب تک زندہ رہا۔ اس کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ اور اس کی اولاد سے بھی کئی پیڑھیوں تک خوشبو آتی رہی۔

(مدارج جلد اول ص۳۱، مظاہر حق جلد اول ص۱۲۵)

آپ کا بول مبارک باعث شفا ہے

آپ کا بول پی لینے سے پیٹ کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت تھی کہ رات کو اپنی چارپائی کے نیچے ایک پیالہ رکھتے تھے۔ کہ رات کو اس میں پیشاب کیا کرتے تھے (یہ امت

کے بوڑھوں کے لئے ایک قسم کی تعلیم تھی) ایک رات اس پیالہ میں پیشاب کیا۔ جب صبح ہوئی فرمایا اے ام ایمن اس پیالہ میں جو کچھ ہے۔ اسکو باہر گرادو۔ مگر پیالہ بالکل خالی تھا۔ اس میں کچھ بھی نہ تھا۔ تو ام ایمن نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں پیاسی تھی (لاعلمی) میں اسکو پی لیا ہے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا اے ام ایمن تیرا پیٹ کبھی درد نہیں کرے گا۔ (مدارج جلد اول صـ۳۱، شفاء صـ۴۲، انوار محمدیہ صـ۲۱۹)

نیز ایک عورت برکتہ نام والی تھی۔ جو آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے آپ کا پیشاب پی لیا تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو کبھی بھی بیمار نہ ہوگی۔ پس وہ عورت عمر بھر بیمار نہ ہوئی۔ (مدارج جلد اول صـ۳۱)

سولہواں وعظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے شریفہ کا حسن و جمال

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ پارہ ۳۰

ترجمہ:۔ محبوب کے رخ انور کی قسم اور قسم ہے محبوب کی زلفوں کی جب چہرے پر چھا جائیں۔ (تفسیر عزیزی صـ۲۱۷)

حضرات! ہمارے آقا و مولا کا ہر عضو اپنے حسن و جمال میں بے مثال ہے۔ قرآن پاک نے کسی انسان کے اعضاء کو تفصیلاً بیان نہیں فرمایا۔ مگر اپنے محبوب کے عضو عضو کو بیان فرمایا ہے۔ بعض عضو مبارک کو دو دفعہ بھی بیان کیا ہے۔ چہرے مبارک کا ذکر اس طرح بیان فرمایا۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِكَ فِی السَّمَآءِ پارہ ۲

زبان پاک کو اس طرح ذکر کیا

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ پارہ ۲۷

زبان مبارک کو دوبارہ اسطرح ذکر فرمایا۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِكَ پارہ ۲۵

آنکھ مبارک کو اسطرح ذکر فرمایا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ پارہ ۲۷

ہاتھ اور گردن مبارک کو اسطرح ذکر کیا۔	وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ پارہ ۱۵
سینہ مبارک کو اس طرح ذکر فرمایا	أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ پارہ ۳۰
قلب مبارک کو یوں ذکر کیا	مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى پارہ ۲۷
قلب مبارک کا دوبارہ یوں ذکر فرمایا۔	نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ پارہ ۱۹
پشت مبارک کو اسطرح ذکر کیا	وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْ أَنْقَضَ ظَهْرَكَ پارہ ۳۰

چہرۂ اقدس کا بیان

آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور جمال الٰہی کا شیشہ تھا۔ اور انوار نا متناہی کا مظہر اتم تھا۔ اللہ تعالےٰ کو دیکھنا ہو تو چہرہ مصطفےٰ کو دیکھ لو۔ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھ لیا۔ کیونکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جمال الٰہی کا شیشہ اور مظہر اتم ہیں۔ (مدارج جلد اول ص۵)

چہرہ انور انوار الٰہی کا تجلی گاہ تھا۔ کہ غیر مسلم چہرہ انور دیکھ کر مسلمان ہو جاتے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چہرہ انور کو دیکھا اور کہا کہ یہ چہرہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ فوراً مسلمان ہو جاتے ہیں۔ یہ چہرہ انور جس کی قسم اسکا خالق کھاتا ہے اور فرماتا ہے۔

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى پارہ ۳۰	محبوب کے چہرۂ انور کی قسم اور قسم ہے اسکی زلفوں سیاہ کی جب کہ اس چہرہ پر چھا جائیں۔

وہ چہرۂ اقدس جسکو خود اس کا خالق نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي	تحقیق ہم آپ کے چہرہ کو دیکھ رہے ہے

وہ چہرۂ مصطفےٰ جو سورج اور چاند کی طرح چمکدار تھا۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جب کسی نے پوچھا تو فرمایا۔

قَالَ رَجُلٌ وَجْهُهٗ مِثْلُ السَّيْفِ	کسی نے پوچھا کہ آپ کا چہرہ تلوار کی
قَالَ لَا بَلْ كَانَ مِثْلُ الشَّمْسِ	مانند تھا۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ آفتاب اور
وَالْقَمَرِ وَكَانَ مُسْتَدِيرًا۔	چاند کی طرح چمکدار اور گول تھا۔

(مشکوٰۃ ص۵۱۸)

وہ چہرۂ انور جس سے بڑھکر کوئی حسین چہرہ پیدا نہیں ہوا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ	میں نے حضور اقدس سے کسی کو زیادہ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا کہ سورج
كَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ	آپ کے چہرہ میں اتر آیا ہے۔

(مشکوٰۃ ص۵۱۸)

وہ مبارک چہرہ کہ وقتِ مسرت چمک اٹھتا تھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ	رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب مسرت
سَلَّمَ اِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهٗ	میں آتے تو آپ کا چہرہ جگمگا جاتا تھا
حَتّٰى كَاَنَّ وَجْهَهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ	یہاں تک کہ آپ کا چہرہ چاند کا
وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ متفق عليه	ٹکڑا بن جاتا تھا۔

(مشکوٰۃ ص۵۱۸)

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سُرَّ	جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم خوش
تَبْرُقُ اَسَارِيْرُ وَجْهِهٖ كَاَنَّهٗ	ہوتے تو آپ کے چہرے کی لکیریں

قِطْعَةَ قَمَرٍ۔ چمک اٹھتی تھیں کہ چاند کا ٹکڑا ہے

(انوار محمدیہ ص۱۹۵، مدارج جلد اول ص۶)

ایک ہمدانی عورت صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

حَجَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهَا شَبِّهِيهِ قَالَتْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ (انوار محمدیہ ص۱۹۶، مدارج جلد اول ص۶)	میں نے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا۔ میں نے کہا۔ آپ کی چہرے کی وصف بیان کر۔ اس نے کہا کہ (آپ کا چہرہ) چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا۔ میں نے نہ آپ سے پہلے نہ بعد میں کسی کو دیکھا۔ جو آپ کی مثل ہو۔

ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔ (انوار محمدیہ ص۱۹۶)	آپ کا چہرہ اقدس ایسا چمکتا تھا۔ جیسا کہ چودھویں رات کا چاند چمکتا ہے۔

مبارک لب ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک لب باریک اور خوبصورت تھے۔ گویا گلاب کے پھول کی پتیاں تھیں۔ ہر وقت ان لبوں پر تبسم رہتا تھا۔

علامہ طبرانی روایت کرتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ عِبَادِ اللّٰهِ شَفَتَيْنِ (انوار محمدیہ ص۲)	رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک لب تمام بندگانِ خدا سے زیادہ خوبصورت تھے۔

دندان مبارک حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک نورانی چمکدار تھے۔ گویا موتیوں کی لڑیاں تھیں ان کے

درمیان کھڑکیاں تھیں۔ جن سے نور جھڑتا تھا۔ ابن ابی ہالہ اللہ تعالےٰ عنہ رضی آپ کے مبارک دانتوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

اَشْنَبُ مُفَلَّجُ الْاَسْنَانِ	آپ کے مبارک دانت رونق دار (چمکیلے) اور کشادہ تھے۔
(انوار محمدیہ ص۱۹۹، مدارج جلد اول ص۱۱)	

آپ کے دانت اتنے چمکیلے اور نورانی تھے کہ ان سے نور جھڑتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ اِذَا تَكَلَّمَ رُأِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ رواہ الدارمی (مشکوٰۃ ص۵۱۸)	رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اگلے دو دانت کشادہ تھے۔ جب کلام فرماتے تو آپ کے دونوں دانتوں سے نور نکلتا تھا۔

جب آپ ہنستے تو آپ کے دانتوں سے اتنا نور نکلتا کہ دیواریں چمک جاتی تھیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ الشَّمْسُ تَجْرِىْ فِىْ وَجْهِهٖ وَاِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَأُ نُوْرُهٗ فِى الْجُدُرِ ۔ (شفاء ص۳۹) نشر الطیب ص۱۱۱، مدارج جلد اول ص۱۱	حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں سورج جاری ہوتا تھا۔ اور جب ہنستے تو آپ کے نور سے دیواریں چمک جاتی تھیں۔

لعاب دہن

آپ کا لعاب دہن خوشبودار۔ شہد سے زیادہ میٹھا اور عاشقوں اور بیماروں کے لئے شفا ہے۔

لعاب مبارک کی خوشبو

جس چیز میں آپ کا لعاب مبارک پڑجاتا خوشبودار ہو جاتی۔ روایت ہے۔

مَجَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ بِئْرٍ فَفَاحَ مِنْهَا رَائِحَةُ الْمِسْكِ	حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کنویں میں کلی فرمائی جس سے

(انوار محمدیہ صنٓ۲، مدارج جلد اول صلا) اس کنویں سے کستوری کی خوشبو آنے لگی۔

امام طبرانی روایت کرتے ہیں۔

دَخَلَتْ عَلَيْهِ عُمَيْرَةُ بِنْتُ مَسْعُوْدٍ هِيَ وَاَخَوَاتُهَا يُبَايِعْنَهُ وَهُنَّ خَمْسٌ فَوَجَدْنَهُ يَاْكُلُ قَدِيْدًا فَمَضَغَ لَهُنَّ قَدِيْدَةً فَمَضَغْنَهَا كُلُّ وَاحِدَةٍ قِطْعَةً فَلَقِيْنَ اللهَ وَمَا وُجِدَ لِاَفْوَاهِهِنَّ خُلُوْفٌ۔ (انوار محمدیہ صنٓ۲)

آپ کی خدمت میں عمیرہ بنت مسعود مع اپنی بہنوں رضی اللہ تعالٰے عنہن کے حاضر ہوئی۔ اور یہ پانچ تھیں۔ پس انہوں نے آپ کو خشک گوشت کھاتے ہوئے پایا۔ آپ نے ان کو وہ گوشت منہ میں چبا کر دیا۔ پس ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا چبایا۔ تو اللہ تعالٰے کی رحمت کو ملاقی ہو گئیں مگر ان کے منہ میں بدبو کبھی بھی نہ آئی۔

حضرات! دیکھا۔ جو چیز ہمارے مولا و آقا صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ کے لعاب سے لگ جاتی ہے۔ وہ شئی خود خوشبو دار ہو جاتی ہے۔ بلکہ دوسری چیز کو بھی خوشبو دار بنا دیتی ہے۔ الحمد للہ علے ذٰلك۔

لعاب کی شیرینی

آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک لعاب شہد سے زیادہ میٹھا اور شیریں تھا۔ جس چیز میں پڑ جاتا۔ اسکو بھی شیریں بنا دیتا۔

بَصَقَ فِيْ بِئْرٍ فِيْ دَارِ اَنَسٍ فَلَمْ يَكُنْ بِالْمَدِيْنَةِ بِئْرٌ اَعْذَبَ مِنْهَا۔

(انوار محمدیہ صنٓ۲، مدارج جلد اول صلا)

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰے کے گھر کے کنویں میں (جو کھاری تھا) اپنا لعاب ڈالا۔ تو (اتنا میٹھا ہو گیا) کہ مدینہ منورہ میں اس سے زیادہ کوئی

کنواں میٹھا نہ رہا۔

لعاب کی شفاء

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا لعاب ایسا نورانی تھا۔ کہ جس بیمار کو دیا جاتا۔ شفا پاتا۔

سہل بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوْمَ خَیْبَرَ لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّھُمْ یَرْجُوْنَ اَنْ یُّعْطَاھَا فَقَالَ اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالُوْا ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَشْتَکِیْ عَیْنَیْہِ قَالَ فَاَرْسِلُوْا اِلَیْہِ فَاُتِیَ بِہٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ فَبَرَأَ حَتّٰی کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ بِہٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاہُ الرَّایَةَ (مشکوٰۃ ص۵۶۳)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز فرمایا میں کل ایسے مرد خدا کو جھنڈا دوں گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھوں پر فتح عنایت فرمائے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اسکو دوست رکھتے ہیں۔ جبکہ صبح ہوئی تو لوگ علی الصبح خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور ہر ایک یہ تمنا رکھتا تھا کہ جھنڈا مجھے عطا ہو۔ حضور نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ اس کی آنکھیں دکھتی ہیں، فرمایا اس کو بلا لاؤ، پس ان کو بلایا گیا تو آپ نے اُن کی آنکھوں میں لعاب ڈالی پس وہ اچھے ہوگئے۔ کہ گویا ان کو درد تھا ہی نہیں پھر آپ نے ان کو علم عطا فرمایا۔

لعاب مبارک کی غذائیت

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک لعاب شفا تھا اور شفا کے علاوہ غذا بھی تھا۔ غذا بھی نفیس غذا تھا۔ جو بھوک اور پیاس میں دودھ اور پانی کا کام دیتا تھا۔

علامہ محقق حضرت عبدالحق دہلوی و علامہ یوسف بنہانی لکھتے ہیں۔

یک باری طفلاں شیر خوارہ را نزد آنحضرت آوردند پس انداخت آب دہن خود را در دہنہائی ایشاں پس سیراب شدند و شیر نخوردند در آں روز۔ روزے امام حسن مجتبےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سخت تشنہ بود۔ پس آنحضرت زبان شریف خود را در دہان وے نہاد دبکید آں را تمام آں روز سیراب بود۔
(مدارج جلد اول ص۱۱، انوار محمدیہ ص۲)

ایک دفعہ دودھ پیتے بچوں کو رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈال دیا پس ایسے سیراب ہو گئے کہ اس دن انہوں نے دودھ نہ پیا۔ ایک دن امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ بہت پیاسے ہو گئے۔ تو سرکار نے اپنی زبان اقدس کو ان کے منہ میں رکھ دیا امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے زبان کو چوسا تو سارا دن سیراب رہے (کسی دودھ کی ضرورت نہ ہوئی)

سترہواں وعظ

مبارک آنکھوں و زلفوں کا حسن دلربا

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی پارہ ۲۷ سورۃ نجم

ترجمہ:- آنکھ نہ کسی طرف پھیری نہ حد سے بڑھی۔

حضرات انسان ضعیف النسیان ان مبارک آنکھوں کی صفت کیا بیان کر سکتا ہے۔ جن آنکھوں نے ذات الٰہی کے جلوے دیکھے ہوں۔ اور جن کی وصف خود اسکا خالق فرماتا ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی

آنکھ یار کے جلوہ دیکھتے ہوئے)
نہ کسی طرف پھیری نہ حد سے بڑھی۔

مبارک آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں اور ان کی پتلی سیاہ تھی۔ بغیر سرمہ لگائے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا ہوا ہے۔ آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے تھے۔ جو آنکھوں کے حسن وجمال کو چار چاند لگاتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ (مشکوٰۃ ص۵۱۷)

(آپ کی آنکھیں) سیاہ رنگ بڑی موٹی تھیں اور پلکیں دراز تھیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَلِیْعَ الْفَمِ اَشْکَلَ الْعَیْنِ (مشکوٰۃ ص۵۱۶)

آپ کا منہ کشادہ تھا۔ اور آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی۔

مبارک آنکھوں کا کمال

آپ کی آنکھیں اندھیرے میں ایسا دیکھتی تھیں جیسا کہ روشنی میں دیکھتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرٰی فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی فِی الضَّوْءِ (شفاء ص۴۳، انوار محمدیہ ص۱۹۶)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں ایسا دیکھتے تھے۔ جیسا کہ روشنی میں دیکھتے تھے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرٰی بِاللَّیْلِ فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی بِالنَّہَارِ فِی الضَّوْءِ۔ (انوار محمدیہ ص۱۹۶ مدارج ص۸ جلد اول)

اللہ کا پیارا رسول رات کے اندھیرے میں ایسا دیکھتے تھے جیسا کہ دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔

وہ مبارک آنکھیں دور والی شئی کو ایسا دیکھتی تھیں۔ جیسا کہ قریب والی شئی کو دیکھتی تھیں۔

کَانَ یَرٰی مِنْ بَعِیْدٍ کَمَا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم دور سے ایسا

يَرٰى مِنْ قَرِيْبٍ۔ دیکھتے تھے۔ جیساکہ قریب سے دیکھتے۔

(نشر الطیب ص۱۱۲)

۱:۔ آپ نے مدینہ منورہ میں ملک حبشہ میں نجاشی بادشاہ کا جنازہ دیکھا اور صحابہ کے ساتھ اسکی نماز جنازہ پڑھی۔

۲:۔ معراج شریف کے اعلان کے بعد جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ نے مکہ معظمہ سے بیت المقدس کو دیکھتے جاتے تھے اور قریش کو اسکا نقشہ بتاتے تھے۔

۳:۔ جب آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر مدینہ منورہ شروع کی تو کعبہ معظمہ کو دیکھ کر مسجد کی سمت قبلہ درست فرمائی (شفاء ص۲۴۳، نشر الطیب ص۱۲۱)

۴:۔ ایک دفعہ زمانہ اقدس میں سورج کو گرہن لگا تو آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف پڑھی۔ فراغت کے بعد صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ۔ ہم نے آپ کو دیکھا۔ کہ آپ نے اس مقام میں کھڑے ہو کر کسی شئے کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اور پھر آپ پیچھے ہٹ گئے۔ یہ کیا بات تھی۔ فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور ارادہ کیا کہ اسکا ایک خوشہ انگور پکڑوں۔ اگر اسکو پکڑتا تو تم اسے کھاتے رہتے۔ تو وہ خوشہ ختم نہ ہوتا۔ پھر فرمایا میں نے دوزخ کو دیکھا جو بہت بُرا منظر تھا۔ (مشکوٰۃ ص۱۲۹)

سبحان اللہ۔ وہ مبارک آنکھیں مدینہ طیبہ سے جنت دوزخ کو دیکھتی ہیں جو جنت آسمانوں کے اوپر اور دوزخ تمام زمینوں سے نیچے ہے۔

۵:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما فرماتے ہیں کہ نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے۔ اور فرمایا۔ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو تو اس لئے۔ کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرے کو چغل خوری کیوجہ سے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲)

فائدہ :۔ ان حدیثوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کی مبارک آنکھوں

سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ خواہ وہ دور ہو یا زمین میں چھپی ہوئی ہو۔ لہٰذا ان لوگوں کا قول مردود ہے جو کہتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں۔

علامہ محقق حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اینجا اشکال مے آرند کہ در بعضے روایات آمدہ است۔ کہ گفت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہ من بندہ ام۔ نمیدانم آنچہ در پس ایں دیوار است۔ جوابش آں است کہ ایں سخن اصلی ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است (مدارج جلد اول ص۹)

لوگ (وہابی) اعتراض کرتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا۔ کہ میں بندہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کی کوئی اصلیت نہیں اور روایت اس کے ساتھ صحیح وارد نہیں ہوئی۔

قربان جائیے۔ ان مبارک آنکھوں پر جو آگے پیچھے یکساں دیکھتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْھِہٖ فَقَالَ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ اِمَامُکُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالرُّکُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِیَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ اَمَامِیْ وَمِنْ خَلْفِیْ۔ رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ ص۱۰۱)

ایک روز ہم کو رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری کی۔ ہماری طرف اپنے چہرہ سے متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو! بیشک میں تمہارا امام ہوں۔ مجھ سے پہلے رکوع و سجدہ اور قیام و انصراف نہ کیا کرو۔ بیشک میں تم کو اپنے آگے اور پیچھے سے (یکساں) دیکھتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تُرَوْنَ اَنَّهٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ ص۷۷)	ہم کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی۔ آخری صف میں کسی نے نماز میں خرابی کی پس جب آپ نے سلام پھیرا۔ تو حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو آواز دی اے فلاں۔ کیا تو اللہ تعالےٰ سے نہیں ڈرتا۔ کیا نہیں دیکھتا کیسے نماز پڑھتا ہے بیشک تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے افعال مجھ پر پوشیدہ ہیں۔ بخدا میں پیچھے ایسا دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے آگے۔

وہ مبارک آنکھیں جو صرف ظاہر ہی کو فقط نہیں دیکھتیں بلکہ باطن کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں۔ اور دل کی پوشیدہ رازوں کو دیکھ لیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلَا رُکُوْعُکُمْ اِنِّیْ لَاَرٰکُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِیْ (بخاری جلد اول ص۵۹)	بیشک رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہ ہے۔ بخدا مجھ پر تمہارا خشوع اور نہ رکوع مخفی ہے تحقیق میں تمکو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

فائدہ حضرات! خشوع دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو نمازی کو نماز میں حاصل ہوتی ہے۔ مگر نگاہ مصطفےٰ پر قربان جایئے کہ وہ نمازی کے دل کا خشوع بھی دیکھ لیتی ہے۔

وہ نورانی آنکھیں کہ بیک وقت تمام عالم کو دیکھ لیتی ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا

رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۲)

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اللہ تعالٰے نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے۔ پس میں نے تمام شرق و غرب کو ملاحظہ فرمایا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

حَاصِلُهٗ اَنَّهٗ طَوٰى لَهُ الْاَرْضَ وَجَعَلَهَا مَجْمُوْعَةً كَهَيْئَةِ كَفٍّ فِيْ مِرْآةِ نَظَرِهٖ

(حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۱۲)

حاصل مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے آپ کے لئے زمین کو لپیٹ دیا ہے اور تمام زمین کو آپ کی آنکھوں کے سامنے ایسا کر دیا ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی۔

فائدہ ثابت ہوا کہ تمام عالم رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہے۔ ایک ذرہ بھی نظر پاک سے مخفی نہیں رسول پاک تو نبی الانبیاء ہیں۔ آپ کا مرتبہ تو بہت بلند ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم سے (اولیاء کرام) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے عالم میں ذرہ بھر بھی مخفی نہیں۔

ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں اولیاء کرام کی نظر کے سامنے ہوتی ہیں

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُوْنَ السَّبْعُ فِيْ نَظَرِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ اِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ فِيْ فَلَاةٍ مِنَ

سات آسمان اور سات زمینیں مرد مومن کی نظر میں ایسے ہیں جیسا کہ ایک حلقہ جنگل میں پڑا ہوا ہو۔

(الابریز شریف ص۲۴۲)

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں۔

حضرت عزیزاں علیہ الرحمۃ گفتہ اند کہ زمین در نظر این طائفہ چوں سفرہ ایست و ما میگوئیم کہ چوں ناخنے است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست (نفحات الانس ملا جامی)

حضرت عزیزاں علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دستر خوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مثل ناخن کے ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔

بال مبارک

سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال بہت خوبصورت تھے۔ بڑے سیاہ اور نرم۔ تھوڑے پھرے ہوئے۔ نہ بہت گھونگریلے نہ بالکل سیدھے۔ کبھی دوش مبارک تک کبھی نرمہ گوش تک اور بالوں کے درمیان مانگ نکالا کرتے تھے۔

صحابہ کے نزدیک حضور کے بالوں کی عظمت

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاں حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال بڑے محبوب اور معظم تھے۔ ایک بال مبارک ان کے نزدیک تمام دنیا کے مال ومتاع سے زیادہ پیارا تھا۔ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قُلْتُ لِعُبَيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ قَالَ لِاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِىْ شَعْرَةٌ مِّنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔ (انوار محمدیہ ص۲۱۴)

میں نے حضرت عبیدہ کو کہا کہ ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند بال ہیں۔ جو حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جانب سے ہمکو حاصل ہوئے۔ فرمایا میرے نزدیک حضور کا ایک بال بھی دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَاَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ۔ رواہ مسلم۔ (انوار محمدیہ صک۲۱)	میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال اتار رہا تھا اور آپ کے ارد گرد آپ کے اصحاب طواف کر رہے تھے۔ وہ نہیں ارادہ کرتے تھے کہ بال مبارک گرے۔ مگر کسی مرد کے ہاتھ میں۔

فائدہ پتہ چلا کہ صحابہ کرام کے ذہنوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بالوں کی اتنی عظمت تھی کہ زمین پر بال مبارک گرنے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتے ہیں تاکہ وہ بال مبارک ان کے لئے ذریعہ نجات بن جائیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود اپنے بال مبارک بطور تبرک اپنے صحابہ میں تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتَى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ	بیشک نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم جمرہ کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔ پھر اپنی منزل میں جو منٰی میں تھی تشریف فرما ہوئے اور قربانی ذبح فرمائی پھر حجام کو بلوایا اور دایاں حصہ سر کا اس کو پکڑایا۔ اس نے اسکا حلق کیا پھر آپ نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اسکو یہ بال عنایت فرمائے۔ پھر آپ نے بایاں

النَّاسِ۔ متفق علیہ۔
(مشکوٰۃ ص۲۳۲)

حصہ حجام کو پکڑا یا اور فرمایا اسکو مونڈ دو اس نے اسکو مونڈا پس آپ نے ان کو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا کہ انکو لوگوں میں تقسیم کردو

مبارک بالوں کی برکت

حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال باعث برکت تھے۔ صحابہ کرام ان سے برکت حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ حاکم و دیگر محدثین روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک میں حضرت خالد رضی اللہ تعالٰے عنہ کی ٹوپی گم ہو گئی۔ آپ گھوڑے سے اتر کر اپنی ٹوپی کی تلاش کرنے لگے۔ مسلمان فوجیوں کو حضرت خالد کی یہ حرکت ناپسند آئی۔ اور کہا کہ تیر برس رہے ہیں۔ تلواریں چل رہی ہیں۔ موت و حیات کا سوال ہے۔ اور فوج کا جرنیل گھوڑے سے اتر کر ٹوپی کی تلاش میں ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالٰے عنہ ٹوپی کی تلاش کے بعد فوجیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہنے لگے تمہاری حیرانگی بجا ہے۔ مگر تمہیں معلوم نہیں کہ میری ٹوپی میں سردار دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال ہیں۔

جب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم عمرہ فرما کر اپنے بال کٹوانے لگے تو ہر صحابی آپ کے بال مبارک حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھکر آپ کی پیشانی مبارک کے بال حاصل کئے اور اپنی ٹوپی میں رکھ لئے تو۔

فَلَمْ اَشْهَدْ قِتَالًا وَهِيَ مَعِيَ اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ۔

کسی معرکہ میں حاضر نہیں ہوا جب کہ وہ بال مبارک ساتھ ہوتے مگر مجھے اللہ کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔

(حجۃ العالمین ص۶۸۶، مدارج حصہ اول ص۲۲۱)

حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَرْسَلَنِیْ اَهْلِیْ اِلٰی اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدْحٍ مِّنْ مَّاءٍ وَقَبَضَ اِسْرَائِیْلُ ثَلٰثَ اَصَابِعَ مِنْ قُصَّةٍ فِیْهِ شَعْرٌ مِّنْ شَعْرٍ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَیْنٌ اَوْ شَیْءٌ بَعَثَ اِلَیْهَا الْخَضَبَةَ (بخاری ص۸۷۵)

مجھے میرے گھر والوں نے پانی پیالہ میں دیکر ام سلمہ کے پاس بھیجا (کہ ان سے حضور کے بالوں کا پانی لاؤ) تو اسرائیل نے تین چلو میرے پیلے میں اس پیلے سے جس میں آپ کے بال تھے ڈالے جب کسی کو نظر بد لگ جاتی یا اور کوئی بیمار رہتا تو ام سلمہ کے پاس برتن بھیج دیا جاتا۔

فائدہ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے بالوں مبارک میں شفا ہے۔ مریض لوگ ان سے شفا حاصل کرتے ہیں۔

حکایت بلخ شہر میں ایک مالدار رہتا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے جب باپ مرگیا تو ہر ایک بیٹے نے نصف نصف ترکہ لے لیا۔ اس ترکہ میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین مبارک بال بھی تھے ہر ایک بیٹے نے ایک ایک بال لے لیا۔ اور ایک بال مبارک باقی رہ گیا۔ تو بڑے لڑکے نے کہا کہ اس بال کے دو ٹکڑے کر کے تقسیم کرلیں۔ چھوٹے لڑکے نے کہا ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کے دو ٹکڑے نہیں کرتے کیونکہ حضور کے بال مبارک معظم ہیں۔ اسکو توڑنا نامناسب ہے۔

بڑے نے کہا کہ تو میراث سے اپنا حصہ صرف بال لے لو اور مال مجھے دے دو۔ چھوٹے بیٹے نے کہا۔ ہاں مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال دیدو۔ اور تم تمام مال لے لو۔ پس بڑے بیٹے نے تمام مال لے لیا اور چھوٹے بیٹے نے صرف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تین بال لے لئے قدرت خدا

سے کچھ مدت کے بعد بڑے بیٹے کا سب مال ہلاک ہوگیا۔ اور وہ فقیر بن گیا۔ اس نے ایک روز سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا (خواب میں) تو اس نے اپنے حال کی شکایت خدمت رسول پاک میں عرض کی آپ نے فرمایا اے بدنصیب تو نے دنیا کے مال کو پسند کیا اور میرے بالوں سے اعراض کیا۔ مگر تیرے بھائی نے میرے بالوں کو اختیار کیا۔ اور جب وہ ان کی زیارت کرتا ہے تو مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالٰی نے اسکو دنیا و آخرت میں نیک بخت بنا دیا ہے۔ جب یہ خواب سے بیدار ہوا تو فوراً اپنے چھوٹے بھائی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسکی خدمت کرنی اختیار کی۔ (نزہتہ المجالس ص ۹۳ حصہ دوم)

یہ ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی برکت۔ کہ یہ بال دونوں جہانوں میں مومن کو فائدہ دیتے ہیں۔

اٹھارواں وعظ

معراج شریف کے بیان میں

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل۔

تَرجَمہ:۔ پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصٰے تک۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔ کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

حضرات! اللہ تعالٰے نے اپنے پیارے حبیب حضرت احمد مجتبٰے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں خصائص و فضائل اور کمالات و کرامات و معجزات عنایت فرمائے ہیں۔ ان سب سے اعلٰی جو خصوصیت و کرامت و کمال و معجزہ عنایت ہوا وہ معراج شریف ہے۔ اب آپ معراج شریف کی قدرے تفصیل سنیئے۔

معراج کے متعلق عقیدہ

مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ تک اسراء کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے۔ منکر اسکا کافر ہے۔ اور مسجد اقصےٰ سے آسمانوں تک کی سیر کا ثبوت احادیث مشہورہ سے ہے۔ منکر اسکا مبتدع اور فاسق ہے۔ دیگر جزئیات عجائب وغرائب کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے۔ انکا منکر جاہل اور محروم اور بدنصیب ہے (مدارج نبوت حصہ اول ص۱۸۹)

حضور کی سیر کے دو حصے

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سیر کے دو حصے ہیں۔ ایک مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اسکو اسراء کہتے ہیں۔ دوسرا حصہ مسجد اقصےٰ سے آسمانوں تک ہے اسے معراج کہا جاتا ہے۔ مگر عرف عام میں اس ساری سیر پر معراج کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سیر اسراء ہے۔ اور بیت المقدس سے آسمانوں تک سیر کا نام معراج ہے۔ اور آسمانوں سے مقام قاب قوسین تک کا نام اعراج ہے۔ (فوائد الفواد جلد چہارم ص۳۵)

معراج کی کیفیت میں اختلاف ہے

اہل اسلام کا کیفیت معراج میں اختلاف ہے۔ اس میں تین مشہور قول ہیں :۔ ۱۔ بعض کا قول ہے کہ معراج روحانی خواب میں تھا۔ مگر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب حق ہوتے ہیں۔ اور وحی الٰہی ہوتے ہیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ آپکے خواب میں آپکا دل بیدار ہوتا ہے۔ فقط آنکھ پوشیدہ ہوتی ہے۔ ۲۔ بعض کا قول ہے کہ مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک حالت بیداری میں جسمانی معراج تھا اور بیت المقدس سے آسمانوں تک روحانی تھا۔ ۳۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ آپ کا یہ تمام سیر حالت بیداری میں تھا۔ اور جسمانی معراج تھا۔ یہی مذہب اکثر صحابہ تابعین اور محدثین وفقہاء۔ متکلمین ومفسرین کا ہے۔ (شفاء ص۱۱۳، مدارج النبوت ص۱۸۹ جلد اول)

۴۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ اسراء اور معراج بہت ہیں چنانچہ چونتیس ۳۴ ہیں ان میں سے ایک حالت بیداری میں معراج تھا اور باقی حالت خواب میں روحانی معراج تھے (مدارج حصہ اول صفحہ ۱۰)

روح البیان میں ہے۔

قَالَ الشَّیْخُ الْاَکْبَرُ قُدِّسَ سِرُّہٗ اَنَّ مِعْرَاجَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَرَّۃً وَاحِدَۃً بِجَسَدِہٖ وَالْبَاقِیْ بِرُوْحِہٖ (حاشیہ جلالین صفحہ ۲۲۵، سیرۃ حلبیہ صفحہ ۴۰۴)

یعنی شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا سرکار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف چونتیس ۳۴ مرتبہ تھا۔ ایک دفعہ جسمانی اور باقی روحانی۔

جسمانی معراج پر دلائل

مذہب جمہور یہی ہے کہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج شریف جسمانی تھا نہ کہ روحانی۔ اس جسمانی معراج پر کثیر دلائل ہیں۔ ان میں سے چند دلیلیں سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

(۱) اللہ تعالٰے نے فرمایا۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ اور عبد روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں تو لفظ عبد کا یہاں استعمال فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ معراج جسمانی تھا۔ ۲۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے براق سواری پیش کی گئی جس پر آپ سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ براق کا سواری بننا دلیل ہے کہ معراج جسمانی تھا کیونکہ براق جو چوپایہ ہے۔ اس پر جسم سوار ہوتا ہے۔ نہ کہ روح۔ کیونکہ روح کو سواری کی حاجت نہیں ہوتی۔ ۳۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ اَسْرٰی۔ اور اسریٰ رات کے سیر کو کہتے ہیں۔ اسراء کا طلاق اس سیر پر نہیں ہوتا۔ جو خواب میں ہو۔ ۴۔ اللہ تعالٰے نے قصہ معراج میں فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ نہ ٹیڑھی ہوئی نگاہ نہ بہکی۔ لفظ بصر جسمانی نگاہ کے لئے آتا ہے۔ خواب میں دیکھنے کو بصر نہیں کہتے۔ ثابت ہوا کہ معراج جسمانی تھا نہ کہ روحانی۔ ۵۔ معراج شریف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک اعظم معجزہ ہے۔ اگر روحانی معراج ہوتی تو یہ معجزہ کیسے بن سکتا۔ معلوم ہوا کہ معراج جسمانی تھا۔ ۶۔ اگر معراج خواب میں روحانی ہوتا تو کفار مکہ اسکو بعید نہ سمجھتے اور آپ کی تکذیب کے درپے نہ ہوتے۔ کیونکہ خواب میں ہر ایک کی روح دور دور تک قلیل عرصہ میں کر آتی ہے۔ کفار کی تکذیب

کمرنی اس بات پر شاہد ہے کہ حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ جسمانی معراج کا تھا جسکو کفار نے بعید از عقل سمجھا۔ اور تکذیب کے درپے ہو گئے۔ ۷۔ جب آپ نے دعویٰ معراج کا کیا تو ایک جماعت ضعیف ایمان والی یہ دعویٰ سنکر مرتد ہو گئی۔ اگر روحانی معراج کا دعویٰ ہوتا تو ان کے ارتداد کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ ثابت ہوا کہ معراج جسمانی تھا۔ اس کے علاوہ مشاہیر علماء نے معراج جسمانی کی بہت سی دلیلیں پیش کی ہیں جو مطولات میں مذکور ہیں۔ مَنْ شَآءَ فَلْیَرْجِعْ اِلَیْھَا۔

فلاسفہ کا انکار معراج

فلاسفہ ملحدین اور نیچری خیال کے وہم پرست واقعہ معراج سے انکار کرتے ہیں اور اسکو محال سمجھتے ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

۱۔ جسم ثقیل کا اوپر جانا عقلاً محال ہے۔ ۲۔ آسمانوں پر حضور جا نہیں سکتے کیونکہ آسمانوں کا خرق و التیام ممتنع ہے۔ ۳۔ راستے میں کرہ ناری ہے۔ اس سے عبور ناممکن ہے۔ ۴۔ اتنے تھوڑے سے وقت میں آسمانوں پر جانا اور عجائب غرائب ارضی و سماوی کی سیر کر کے اتنی جلدی واپس تشریف لانا کہ بستر بھی گرم ہے اور دروازہ کی کنڈی بھی ہلتی ہے۔ اور وضو کا پانی بھی چلتا ہے عقل کے نزدیک محال ہے۔

اہل اسلام کیطرف سے ان وہم پرستوں کے تمام اعتراضات کا جواب فقط ایک ہے۔ کہ اگرچہ انکے نزدیک یہ تمام باتیں محال ہیں مگر قدرت والے رب کے نزدیک یہ محال نہیں ہیں کیونکہ یہ سب محالات عادیہ ہیں۔ نہ محال بالذات۔ کیونکہ محال بالذات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور محالات عادیہ ممکن بالذات ہوتے ہیں۔ اور ممکن بالذات تحت قدرت ہے۔ لہٰذا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں۔ اور معراج کرانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ اور معراج کرانیکی نسبت اپنی ذات کی طرف فرمائی۔ تاکہ منکرین کا کوئی اعتراض وارد نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل اسلام کے نزدیک معراج شریف معجزہ ہے۔ اور معجزہ وہی ہوتا ہے جسکا وقوع عادتاً محال ہو۔ اگر یہ امور عادتاً محال نہ ہوتے تو معجزہ کیسے بن سکتا۔

انیسواں وعظ

آسمانوں پر جانیکے نقلی دلائل

نقلی دلائل اہل اسلام کے ہاں آسمانوں پر جانے پر نقلی دلائل بھی موجود ہیں جن سے اسلام کا دعویٰ کرنیوالا معراج جسمانی کا انکار نہیں کر سکتا۔ ۱۔ حضرت آدم علیہ السلام اسی جسم کیساتھ بہشت میں رہے جو آسمانوں سے اوپر ہے قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۔ پارہ اول	اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی جنت میں رہے اور جہاں سے چاہو کھاؤ۔

پھر آپ بحکم خداوندی اسی جسم کیساتھ زمین پر تشریف لائے۔ ارشاد باری ہے۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ پارہ اول	اور ہم نے فرمایا اتر جاؤ۔ بعض تمہارا بعض کا دشمن ہوگا۔ اور تمہارے لئے زمین جائے قرار ہے اور ایک وقت تک نفع ہے۔

نتیجہ اگر آدم علیہ السلام آسمانوں پر تشریف لے جائیں اور پھر اتریں تو آسمانوں کا خرق والتیام اور ثقالت جسمی اور کرہ ناری مانع نہ ہو تو محبوب خدا آسمانوں پر تشریف لے جائیں اور پھر واپس آئیں تو کونسی چیز مانع ہوگی۔ ۲۔ حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ السلام بایں جسد عنصری آسمانوں پر تشریف لے گئے اور بہشت میں داخل ہوئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا ۝ پارہ ۱۶ سورۃ مریم	یاد فرماؤ کتاب میں ادریس کو بیشک وہ سچا نبی تھا۔ اور ہم نے انکو مکان بلند (جنت) میں بلند کیا۔

جب ادریس علیہ السلام آسمانوں پر گئے جنت میں داخل ہوئے تو آسمانوں کا خرق

والقیام اور کرۂ ناری اور ثقالت بھی مانع نہ ہوئی تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں پر جانے سے کونسی شئے مانع بن سکتی ہے۔ ۳۔ حضرت مسیح کلمۃ اللہ عیسٰے علی نبینا و علیہ السلام اپنے اس جسد عنصری کیساتھ آسمانوں کو تشریف لے گئے اور اب بھی چوتھے آسمان پر تشریف فرما ہیں۔ اسی عقیدہ پر صحابہ کرام۔ تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور عامہ مسلمین ہیں۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝	بیشک انہوں نے اسکو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عیسٰے علیہ السلام کو زندہ آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسٰے علیہ السلام چوتھے آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور قرب قیامت نازل ہوں گے۔ پس جب عیسٰے علیہ السلام بایں جسد عنصری آسمانوں پر جا سکتے ہیں اور پھر واپس آ سکتے ہیں تو سید رسل احمد مجتبٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی جسم عنصری کیساتھ آسمانوں پر جا سکتے ہیں۔ اور پھر واپس آ سکتے ہیں۔ کوئی چیز مانع نہیں ہے

۴۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکومت نمرود نے ایک بڑی آگ میں ڈالدیا۔ اور آپ آگ میں تشریف لائے۔ تو آگ کو گلزار بنا دیا رب تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔	ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ پیارے خلیل پر ٹھنڈی اور سلامتی بن جا۔

جب حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جنکی پیشانی میں نور مصطفٰے مخزون تھا آگ میں کود کر اسے گلزار بنا سکتے ہیں۔ تو حبیب خدا بالطریق اولیٰ کرۂ ناری کو گلزار بنا کر آسمان پر جا سکتے ہیں

۵۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام خادم اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مخدوم ہیں۔ اور مخدوم کا مرتبہ خادم سے بڑھکر ہوتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہٰی سے زمین پر آتے جاتے ہیں اور انکو کرۂ ناری نہ ضرر دے اور نہ ہی آسمانوں کا خرق ولتیام

مانع ہو تو مخدوم جہان جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی آسمانوں پر جائیں اور تشریف لائیں کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ یہی دلیل پیارے صدیق رضی اللہ تعالے عنہ نے کفار کو دی جب کہ آپ نے معراج کی تصدیق کی تھی۔ تو کفار نے دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب جبرائیل علیہ السلام صبح و شام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے ہیں تو رسول پاک بھی آسمانوں پر جا سکتے ہیں۔ (معارج النبوت صد ۱۰۹ حصہ سوم)

نیچریوں کا دوسرا سوال اور اسکا جواب

نیچری خیال کے وہم پرست لوگ اسلئے بھی معراج شریف کا انکار کرتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں حضور علیہ السلام کا مسجد حرام سے بیت المقدس تک تشریف لے جانا پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر کرنی عقل باور نہیں کر سکتی۔ اسکے جواب میں ہم ایسے نظائر پیش کرتے ہیں کہ تھوڑے سے وقت میں بہت سی مسافت طے ہو سکتی ہے۔ ۱۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام ایک وقت میں صدہا ارواح مشرق و مغرب میں قبض کر لیتا ہے۔ لہٰذا حبیب خدا بھی مختصر وقت میں آسمانوں پر پہنچکر واپس آ سکتے ہیں ۲۔ ہماری آنکھوں کا نور ایک آن میں آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ ادھر آنکھ کھولی ادھر آسمان نظر آگیا۔ تو حبیب خدا جو نور خدا ہیں۔ نور نظر سے زیادہ لطیف ہیں۔ تھوڑے سے وقت میں آسمانوں پر جا کر واپس تشریف لا سکتے ہیں۔ ۳۔ شیطان جو بدترین خلق ہے ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق میں پہنچ جاتا ہے۔ اگر ذات بابرکات جو تمام خلق سے بہترین اور بزرگ و برتر ہے۔ تھوڑی دیر میں تمام آسمانوں و جہاں کی سیر فرما کر واپس تشریف لائیں۔ تو کیا قباحت لازم آئیگی۔ ۴۔ آفتاب جو چوتھے آسمان پر چمکتا ہے۔ تو اسکی روشنی فوراً آن واحد میں آسمانوں سے گذرتی ہوئی فرش زمین پر پہنچ جاتی ہے۔ کوئی دیر نہیں لگتی۔ تو آفتاب رسالت جو نور خدا ہیں۔ اگر مختصر وقت میں آسمانوں پر تشریف لیجا کر واپس تشریف لائیں تو کون مانع ہو سکتا ہے۔

فائدہ وہم پرست اپنے اوہام میں مبتلا ہیں۔ ان کو اسلامی اصول سے واقفیت نہیں ہے۔ اسلام میں طے زمان و مکان کا ایک مسئلہ مسلم ہے

تمام عرفاء اور اولیاء اسکے قائل ہیں۔ کہ عام لوگوں پر ایک ساعت گذرتی ہے۔ مگر وہی ایک ساعت محبوبان خدا کیلئے کئی سالوں کی بن جاتی ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت حکایت سے سنئے۔

حکایت حضرت جنید قدس سرہ کا ایک مرید دجلہ ندی پر غسل کرنے کیلئے گیا۔ دریا کے ساحل پر کپڑے اتارے اور خود دریا میں غوطہ لگایا۔ جب باہر نکلا۔ تو دیکھا کہ وہ ولایت ہندوستان میں پہنچ چکا ہے۔ وہاں اس نے شادی کی پھر اسکی اولاد ہوئی۔ کافی مدت وہاں رہا۔ ایک دن اس نے غسل کرنے کیلئے کسی دریا میں غوطہ لگایا۔ جب باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی دریائے دجلہ ہے۔ کپڑے اسطرح کنارے پر موجود ہیں۔ جیسے کہ وہاں رکھکر گیا تھا۔ کپڑے پہنے۔ اور اپنے شیخ کی خانقاہ پر حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ لوگ ابھی ابھی نماز کیلئے وضو کر رہے ہیں۔ (معارج النبوت حصہ سوم ص ۱۱۲)

مقولہ حضرت جنید حضرت جنید قدس سرہ کا مقولہ ہے کہ جب مرد کامل مسند ولایت پر فائض ہوتا ہے۔ تو ایک سانس میں ہزار سال کی طاعت کر سکتا ہے۔ نیز بہت بزرگان دین سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک ساعت میں تمام قرآن پاک حرف حرف اور آیت آیت پڑھکر ختم کیا۔ (معارج النبوت حصہ سوم ص ۱۱۳)

حکایت دوم حضرت سلطان الاولیاء علی المرتضےٰ مشکل کشا کرم اللہ وجہہ جب ایک پاؤں رکاب میں رکھتے تو قرآن پاک پڑھنا شروع کرتے دوسرا پاؤں رکاب میں رکھنے سے پہلے تمام قرآن پاک ختم کر لیتے (معارج النبوت حصہ سوم ص ۱۱۳)

اسطرح نبی الانبیاء حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی چند ساعتوں میں مسجد حرام سے بالائے عرش سیر فرمائی اور واپس تشریف لائے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

بیسواں وعظ

معراج شریف کی حکمتیں

علمائے کرام نے معراج شریف کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند

حکمتیں ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

۱:۔ ایک رات حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپکی امت کے اعمال پیش کئے گئے۔ تو آپ نے اپنی امت کے گناہ اور جرم بیشمار دیکھکر بہت ملول ومخزون ہوئے۔ مگر محبوب کے رب کو یہ کب پسند تھا کہ اسکا محبوب غم زدہ ہو۔ چنانچہ رب العلین نے اپنے محبوب کو شب معراج میں اپنے پاس بلایا۔ اور اپنے دریائے رحمت وخزائن مغفرت دکھائے اور فرمایا اے محبوب! کیا تیری امت کے گناہ زیادہ ہیں یا تیرے رب کی رحمت ومغفرت زیادہ ہے۔ یہ تھی معراج کی ایک حکمت۔ (ملخص از معارج النبوت حصہ سوم صلا)

۲:۔ اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے اپنے محبوب کو روز محشر میں تمام مخلوقات کے لئے شفاعت کرنیوالا بنایا ہے۔ قیامت کا دن بڑا خوفناک ہوگا۔ ہر ایک پر جو خوف طاری ہوگا کسی کو دوسرے کا حال معلوم کرنیکی طاقت نہ ہوگی۔ بلکہ اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ اسواسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شب معراج میں اپنے پاس بلاکر عجائب غرائب اور درجات بہشت ودرکات جہنم دکھائے۔ تاکہ کل قیامت کے روز کی ہیبت آپ پر اثر انداز نہ ہو اور آپ بلاخوف وخطر گنہگاروں کی شفاعت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ روز قیامت سب نفسی نفسی بولیں گے اور خدا کا حبیب امتی امتی فرمائیں گے۔

(معارج النبوت حصہ سوم ص ۹۲)

۳:۔ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ مجازی کسی کو اپنی محبت کیساتھ مخصوص کرتا ہے تو تمام خزائن ودفائن دکھا کر اپنی تمام سلطنت کی اشیاء کا مالک ومختار بناتا ہے۔ اسیطرح بلاتشبیہ بادشاہ حقیقی اللہ جل مجدہ نے اپنے رسول پاک حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبت کیساتھ مخصوص فرمایا تو اپنے محبوب کو پہلے دنیا کے تمام خزائن ودفائن دکھلائے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ فَاُرِیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا۔	میرے سامنے تمام زمین سمیٹ دی گئی پس میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔
(انوار محمدیہ ص۳۰، مدارج حصہ اول ص۱۳۹)	

جب زمین کے جملہ خزائن و دفائن دکھلائے گئے۔ تو ان کی چابیاں آپکو عنایت فرماکر مالک و مختار بنایا گیا۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔

اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ — مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عنایت کی گئی ہیں۔

(انوار محمدیہ صہ ۳۱۲ ، معارج حصہ اول صہ ۱۴۹، مشکوٰۃ شریف صہ ۵۱۳)

آسمان کے خزائن باقی تھے لہذا رب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ شب معراج میں آسمانی خزائن بھی دکھائے جائیں اور جنت و دوزخ کی کنجیاں دستِ اقدس میں تھمائیں اسلئے معراج شریف کرایا گیا۔ (معارج النبوت حصہ سوم صہ ۹۳/۹۲)

۴:۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے مال و جان خرید لئے جنت کے بدلے میں۔ لہذا اللہ تعالیٰ خریدار اور مومن بیچنے والے۔ جان و مال مبیع اور جنت قیمت اور حبیب خدا اس بڑے سودے میں وکیل اعظم۔ وکیل اعظم کا کام ہوتا ہے کہ مبیع کو دیکھے اور اسکی قیمت کو بھی دیکھے۔ لہذا آپکو معراج کرایا گیا کہ آپ نے اپنے غلاموں کے جان و مال کو دیکھ لیا ہے۔ آؤ جنت کو بھی دیکھ لو۔ اور ان کے باغات اور عمارتیں حور و قصور بھی ملاحظہ فرمالو۔ بلکہ خریدار کو بھی دیکھ لو۔ کیونکہ امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءۃ ہوتی ہے امام کا دیکھنا سب کا دیکھنا ہوتا ہے۔ (ملخص از معارج صہ ۹۲)

۵:۔ جب اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تو زمین و آسمان میں مناظرہ ہوا۔ زمین نے کہا اے آسمان میں تجھ سے بہتر ہوں۔ کیونکہ مجھ میں اشجار۔ انہار۔ اثمار اور وحوش و طیور۔ چرند و پرند۔ جن و انس ہیں۔ اور مجھکو رنگا رنگ کے پھولوں سے زینت دی گئی ہے۔ آسمان نے کہا۔ مجھ میں سورج چاند ستارے۔ عرش و کرسی۔ لوح و قلم جنت و دوزخ ہیں۔ اور حور و غلمان سے مجھکو مزین کیا گیا ہے۔ زمین نے کہا مجھ پر خانہ کعبہ شریف ہے جسکی زیارت انبیاء و اولیاء اور تمام مسلمان کرتے ہیں۔ آسمان نے کہا مجھ میں بیت المعمور ہے جسکا طواف فرشتے کرتے ہیں۔ اور مجھ میں جنت ہے جہاں انبیاء اولیا و صلحاء اور

شہداء کی روحیں رہتی ہیں اور قیامت کے بعد سب اسی میں رہینگے۔ زمین نے کہا اے آسمان میں تجھ سے بہتر ہوں کیونکہ مجھ میں حبیب خدا ہیں جو جنت کے مالک ہیں۔ یہ سنکر آسمان خاموش ہوگیا نہایت تضرع سے دعا مانگی۔ الہی میں مناظرے میں ہار گیا ہوں۔ لہذا ایک دفعہ اپنے حبیب کو آسمان پر بلا تاکہ آپ اپنا قدم مجھ پر رکھیں تاکہ میں زمین کے مقابلے میں شرمندہ نہ ہوں لہذا اللہ تعالے نے اپنے محبوب کو آسمان پر بلا کر آسمان کی دعا قبول کی (ملخص از معارج ص۹۳)

۶:۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانیوالا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کی۔ اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ۔ اللہ تعالے نے فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یعنی میں ان کی اولاد سے اپنا حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرماؤں گا۔ تمہاری نظر اے فرشتو! فسادیوں اور خون ریزوں کی طرف ہے۔ اور میری نظر اپنے حبیب کی طرف ہے۔ جس کے واسطے میں نے چودہ طبق بنائے ہیں۔ فرشتوں نے جب حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنا تو آپ کے دیدار کے مشتاق ہوئے اور دربار خدا میں یوں عرض کرنے لگے۔ الہا! ایک دفعہ اپنے حبیب کو آسمان پر بلا تاکہ ہم بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو شب معراج میں آسمان میں بلاکر فرشتوں کو زیارت کرنیکا موقعہ دیا (مدارج حصہ سوم ص۹۵)

۷:۔ آسمان بریں کے فرشتوں میں چند مسائل پر بحث وتکرار رہا۔ اس مناظرہ میں چار لاکھ سال گذر گئے مگر بحث ومناظرہ ختم نہ ہوا اور کوئی شافی جواب کسی سے نہ بن سکا۔ اتنے میں حبیب خدا کا دنیا میں ظہور ہوا فرشتوں نے حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا شہرہ سنا تو جان گئے کہ ہمارے ان مسائل کا حل حبیب خدا فرمائیں گے۔ لہذا فرشتوں نے دربار الہی میں دعا کی کہ مولا۔ ایک دفعہ اپنے حبیب کو ہمارے پاس بھیج تاکہ ہماری مشکل حل ہو جائے۔ لہذا حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم شب معراج فرشتوں کی اس مشکل کو حل کرنے

کے لئے تشریف لے گئے۔ (معارج النبوت حصہ سوم ص۹۷)

۸:۔ معراج شریف کی حکمت ایک یہ بھی تھی۔ کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی بزرگی آسمان والوں اور زمین والوں پر ظاہر ہو۔ زمین والوں میں سب سے زیادہ بزرگ انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ لہٰذا معراج کی رات بیت المقدس میں سب انبیاء علیہم السلام کے امام بنے تو آپ کی بزرگی زمین والوں پر ظاہر ہو گئی۔ اور آسمان میں فرشتے بزرگ تھے لہٰذا شب معراج بیت المعمور میں ان کے امام بنے۔ تو آپ کی بزرگی ملائکہ پر ظاہر ہو گئی۔ گویا معراج شریف آپ کی بزرگی کا اعلان ہے (معارج النبوت حصہ سوم ص۹۷)

۹:۔ قاعدہ ہے کہ ہر شئے اپنے وطن اور مقام کو جانا پسند کرتی ہے۔ دیکھو۔ آگ جلائی جائے تو اوپر کو جاتی ہے۔ کیونکہ اسکا مقام اوپر ہے۔ وہ اپنے مقام کا شوق رکھتی ہے۔ بلبل وغیرہ پرندے جن کا مقام اور وطن باغ ہوتا ہے جب شکاری ان کو پکڑ کر پنجرے میں بند کر دیتا ہے۔ تو وہ بلبل وغیرہ پنجرے میں پھڑکتی ہے کیونکہ اسے اپنے وطن جو باغ ہے کی یاد ستاتی ہے۔ انسان سفر میں کتنا ہی آرام و آسائش میں ہو پھر بھی اسے اپنا وطن یاد آتا ہے اور اسکا شوق اسکے دل میں باقی رہتا ہے۔ اسیطرح جب اللہ تعالےٰ نے اپنے نور سے بلا تجزیہ نور مصطفےٰ کو پیدا کیا تو آپ کا نور تین مقاموں میں رہا۔ مقام ہیبت مقام لطف۔ مقام قرب۔ ان تینوں مقاموں میں ہزار ہزار سال قیام فرمایا۔ جو ایک طویل مدت ہے۔ جب وہ نور قالب وجود میں تشریف لایا تو آپ کو اپنا پرانا مقام اور وطن یاد آیا۔ جو مقام قرب تھا۔ اس وطن قدیم کی محبت رہتی۔ کہ اس میں پہنچ کر دل کو قرار حاصل ہو۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کو شب معراج میں آپ کے وطن اصلی میں بلایا تا کہ آپکو سکون و چین قلبی حاصل ہو۔ جب آپ شب معراج میں اپنے وطن اصلی میں پہنچے جو مقام قرب تھا۔ چونکہ مقام عمدہ تھا لہٰذا عرض کی مولیٰ! اب میں واپس نہ جاوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب! اگر تو واپس نہ گیا تو آپکی امت کے سر پر ہاتھ کون رکھے گا ان کی دستگیری کون کریگا۔ اس واسطے آپ کو واپس بھیجا گیا۔ اسی لئے اس مقام پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا آسمانوں پر جانا تعجب نہیں کیونکہ ہر ایک اپنے وطن کو جایا کرتا ہے۔

بلکہ آسمانوں سے زمین پر واپس آنا تعجب ہے۔ (ملخص از معارج النبوت حصہ سوم ص۹۸)

۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے معجزات اور درجات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو الگ الگ عنایت فرمائے۔ وہ بالتمام اور ان سے زائد اپنے محبوب کو عطا فرمائے۔ شعر

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو یہ درجہ ملا کہ کوہ طور پر آپ کو معراج کرایا گیا۔ حضرت عیسےٰ روح اللہ علیہ السلام کو چوتھے آسمان تک معراج کرایا گیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو اور آدم علیہ السلام کو جنت تک معراج کرایا گیا۔ لہٰذا حکمت خدا مقتضی تھی کہ حبیب خدا کو ایسا معراج کرایا جائے جو ان سب معراجوں مذکورہ کو شامل ہو۔ اور ان سے زائد بھی ہو۔ اس لئے آپ کو ایسا معراج کرایا گیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ سے کلام بھی ہے آسمانوں کی سیر بھی اور جنت میں داخلہ بھی۔ غرضیکہ جن مقاموں اور درجات کو اور انبیاء نے الگ الگ طے فرمایا تھا آپ نے ان سب کو طے فرمایا۔ مگر پھر بھی بڑا فرق ہے۔ حضرت کلیم اللہ کوہ طور پر اور حبیب اللہ عرش عظیم پر کلیم اللہ خود جاتے ہیں۔ اور حبیب اللہ بلائے جاتے ہیں۔ (از افادات مفتی صاحب گجراتی)

اس کے علاوہ بھی معراج شریف کی حکمتیں ہیں جن کو بخوف طوالت چھوڑ دیا گیا ہے۔

اکیسواں وعظ

معراج شریف کیلئے رات کے تعین کی حکمت

محبوب خدا کو معراج شریف رات میں کرایا گیا۔ اس میں بہت حکمتیں ہیں ان میں سے چند حکمتیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ رات میں معراج کرانے میں یہ حکمت تھی۔ کہ صدیق اور زندیق۔ مومن اور کافر۔ مصدق و مکذب میں امتیاز ہو جائے۔ کیونکہ اگر معراج دن میں ہوتا تو کوئی انکار نہ کر سکتا کیونکہ ہر ایک دیکھ لیتا کہ یہ براق ہے۔ یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یہ

سردار دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم آسمانوں کو جا رہے ہیں۔ مگر معراج رات کو ہوگی۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم واپسی پر اعلان فرمائینگے کہ میں آسمانوں کی سیر کر کے آیا ہوں۔ جو تصدیق کرے گا۔ صدیق کہلائے گا۔ جو انکار کرے گا۔ زندیق اور ابوجہل بنیں گا۔ جیسا کہ روایت ہے کہ واقعہ معراج سن کر ضعیف الایمان لوگ مرتد ہو گئے۔ کفار نے تکذیب کی۔ ہنسی اڑائی۔ ایک جماعت مشرکین کی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے۔ کہ تیرا یار گمان کرتا ہے کہ میں راتوں رات بیت المقدس میں گیا ہوں اور صبح سے پہلے واپس آگیا ہوں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پوچھا کیا میرے رسول پاک نے ایسا فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا۔ لَئِنْ قَالَ ذٰلِكَ لَقَدْ صَدَقَ۔ اگر یہ دعویٰ میرے محبوب کی زبان سے نکلا ہے تو آپ نے سچ فرمایا ہے۔ میں اسکی تصدیق کرتا ہوں۔ کہنے لگے۔ کیا تم ایسے بعید امر کی تصدیق کرتے ہو۔ فرمایا۔ نَعَمْ اِنِّیْ لَاُصَدِّقُهٗ فِیْمَا هُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذٰلِكَ۔ ہاں میں اس سے بعید امر کی بھی تصدیق کرتا ہوں تو اسوقت آپکا نام اللہ تعالیٰ نے صدیق رکھا۔ (مدارج حصہ اول ص۲۰۶، انوار محمدیہ ص۳۴۹، سیرت حلبی ص۴۱۸)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معراج کی تصدیق کی تو آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ ابوجہل نے تکذیب کی تو ہمیشہ کیلئے جہالت کا باپ بنا۔

۲:۔ معراج شریف رات کو اس لئے خاص کیا گیا تاکہ ایک آسمان پر دو آفتاب جمع نہ ہو جائیں۔ ایک آفتاب رسالت جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرا آسمانی آفتاب۔ اگر دو آفتاب جمع ہو جاتے تو کسی کو ممکن نہ ہوتا کہ ان کی روشنی برداشت کر سکتا۔

(ملخص از معارج النبوت ص۱۰۵)

۳:۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نور حقیقی ہے اور آفتاب کا نور مجازی ہے آفتاب اپنا نور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نور پاک سے حصہ لیتا ہے۔ لہٰذا اگر معراج شریف دن کو ہوتا تو آفتاب کا نور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کی تاب نہ لا سکتا اور آپ کے نور کے سامنے شرمندہ ہو جاتا۔ اس لئے معراج شریف دن کو نہ کرایا گیا۔ بلکہ رات میں کرایا گیا۔ (معارج حصہ سوم ص۱۰۶)

۴:۔ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ محب جب اپنے محبوب سے راز و نیاز کی باتیں کرنا چاہتا ہوں تو اس کے لئے رات ہی کو متعین کرتا ہے۔ کیونکہ رات پردہ پوش ہے۔ ایسے ہی بلا تشبیہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو اسرار ماوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ سے مشرف فرمانا چاہا تو رات ہی کو اختیار فرمایا۔ تاکہ کسی غیر کو بالکل اطلاع ہی نہ ہو۔ (ملخص از معارج ص۱۰۱)

۵:۔ چونکہ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام دنیٰ فتدلیٰ میں جانا تھا لہٰذا آپکے جسم اقدس پر جو ستر ہزار حجاب بشریت کے پہنے ہوئے تھے ان کو اتارا جانا تھا۔ آپ کی نورانیت کے ظہور کا وقت تھا۔ معراج دن میں ہوتا تو کس آنکھ میں طاقت تھی جو آپ کو دیکھ سکتی۔ اس لئے معراج کے لئے رات کو اختیار فرمایا گیا۔

۶:۔ قاعدہ ہے کہ محب یہی چاہتا ہے کہ اس کے محبوب کے حسن و جمال کو غیر نہ دیکھے محب کی غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کرتی کہ میرے محبوب کے حسن و جمال کو میرے سوا اور بھی کوئی دیکھے۔ بلا تشبیہ اللہ تعالیٰ محب ہے اور اسکا پیارا رسول حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالٰی کی غیرت کب گوارا کرتی ہے کہ کوئی غیر اس کے محبوب کے حسن و جمال کو دیکھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیرت مند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو خلق کی طرف بھیجا تو آپ کو بشریت کا برقعہ پہنا کر بھیجا۔ تاکہ آپ کا حسن و جمال غیروں سے چھپا رہے۔ کوئی بھی آپ کے پورے حسن و جمال کو نہ دیکھ سکے۔ اب معراج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنی طرف بلانا ہے اور اصلی حسن و جمال میں بلانا ہے۔ اگر معراج دن کو ہوتا تو مخلوقات بھی آپ کے اصلی حسن و جمال دیکھ لیتی اور یہ غیرت خداوندی کے خلاف تھا۔ اس لئے آپ کو معراج رات میں کرایا گیا تاکہ سوائے اللہ تعالٰی کے کوئی بھی آپ کو نہ دیکھ سکے۔

۷:۔ یہ مسئلہ مسلمات سے ہے کہ رات کا وقت توبہ و استغفار کی قبولیت کا ہوتا ہے۔ بلکہ خود رب العالمین آخری شب میں ندا فرماتا ہے کہ کوئی ہے توبہ کرنے والا کہ میں اسکی توبہ قبول کر دوں۔ کوئی ہے رزق مانگنے والا کہ میں اسکو رزق دوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ کہ میرے محبوب کو اپنی امت کا ہر وقت فکر رہتا ہے اور اسکی بخشش کی

دعائیں مانگتا ہے۔ آج معراج میں بھی اپنی امت کو فراموش نہ فرمائے گا۔ ضرور اسکی بخشش کی دعا مانگے گا۔ رات کا وقت ہوگا حبیب دعا مانگے گا۔ تو اسکی دعا قبول کروں گا۔ اور اسکی امت کو بخش دونگا۔ گویا معراج کیا تھی آپ کی امت کے بخشنے کا ایک بہانہ تھا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

۸:۔ رات کے فضائل اور خصائص بےشمار ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱:۔ اصحاب اضطرار کا آرام و قرار رات میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ۔ ہم نے رات کو اس لئے بنایا کہ تم اس میں آرام کرو۔

۲:۔ صائم (روزہ دار) کو فرحت وقت افطار ملتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَۃٌ عِنْدَ الْاِفْطَارِ وَ فَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَآءِ الرَّحْمٰنِ۔ افطار کا وقت رات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ۔ پھر روزوں کو رات تک پورا کرو ثابت ہوا فرحت رات میں حاصل ہوتی ہے۔

۳:۔ عابدوں کو عبادت میں حلاوت رات کو حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً۔ رات کو عبادت کیلئے قیام فرماؤ۔ مگر تھوڑا۔

۴:۔ سعادت مند لوگ رات میں زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔ اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ اللَّیْلِ۔ کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں عبادت کرتے ہیں۔

۵:۔ نیک حضرات رات میں قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ اللَّیْلِ۔ رات کی گھڑیوں میں قرآن پڑھتے ہیں۔

۶:۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا رات میں افضل ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَسَبِّحْہُ لَیْلاً طَوِیْلاً۔ اللہ تعالےٰ کی تسبیح لمبی رات میں پڑھو۔

۷:۔ قرآن مجید اور فرقان حمید رات میں ہی نازل ہوا۔ خود قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔ ہم نے قرآن پاک لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔

۸:۔ چہرہ کی خوبصورتی رات میں عبادت کرنے سے حاصل ہوتی ہے سردار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ کَثُرَتْ صَلٰوتُہٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْھُہٗ بِالنَّھَارِ۔ جو رات میں زیادہ سے زیادہ نماز پڑھے دن میں اسکا چہرہ خوبصورت ہوگا۔

لہٰذا مناسب تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام دنیٰ فتدلیٰ میں پہنچنے کا وقت بھی رات ہو اس لئے معراج پاک کے لئے رات اختیار کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔

(ملخص از معارج النبوت حصہ سوم ص۱۰۰)

بائیسواں وعظ

معراج کس جگہ سے ہوا اور کس تاریخ کو ہوا اور آیت کے نکات

معراج کس جگہ سے ہوا وہ مقام جہاں سے سفر مبارک معراج کا شروع ہو۔ مختلف فیہ ہے۔ ۱۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ اپنے گھر میں تھے۔ اور چھت کھولی گئی۔ (رواہ البخاری)

۲:۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں حطیم میں تھا کہ جبریل علیہ السلام آئے

۳:۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ام ہانی کے گھر تھا۔

۴:۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ شعب ابی طالب میں تھے (سیرۃ حلبی)

ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے ان روایتوں میں یوں تطبیق دی کہ آپ ام ہانی کے گھر تھے۔ اور یہ گھر شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ آپ نے بوجہ سکونت اپنا گھر فرمادیا وہاں سے آپ کو مسجد میں لایا گیا۔ کہ ابھی نیند کا اثر باقی تھا۔ وہاں حطیم کے پاس لیٹ گئے۔ (سیرۃ حلبی ص۴۵، ۴۶)

تاریخ معراج معراج شریف کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے سنہ میں بھی اختلاف ہے۔ مہینہ میں بھی دن میں بھی اور تاریخ میں بھی۔

۱:۔ ہجرت سے ایک سال قبل ابن حزم کا یہی قول ہے۔ ۲۔ ہجرت سے دو سال پہلے

(۳) ہجرت سے تین سال قبل۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں (سیرۃ حلبی ص۴۰۴)
مہینہ میں یہ اختلاف ہے (۱) ربیع الاول (۲) ربیع الآخر (۳) رجب (۴) رمضان پاک۔ (سیرۃ حلبی ص۴۰۴)

دن میں یہ اختلاف ہے۔ (۱) جمعہ کی رات (۲) پیر کی رات (۳) ہفتہ کی رات مگر ابن وحبہ کا قول ہے کہ پیر کی رات تھی۔ کیونکہ آپ پیر کو ہی پیدا ہوئے اور پیر ہی کو وصال فرمایا اور پیر ہی کو نبوت کا دعویٰ کیا۔ پیر ہی کو مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی اور پیر ہی کو مدینہ منورہ میں داخل ہوئے (سیرت حلبی ص۴۰۵)

تاریخ میں یہ اختلاف ہے (۱) ۱۷ ربیع الاول (۲) ۲۷ ربیع الاول (۳) ۲۷ رمضان مبارک (۴) ۲۷ ربیع الآخر (۵) ۲۷ رجب المرجب۔ (سیرت حلبی ص۴۰۴)
اور یہی آخری قول زیادہ صحیح ہے۔
شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّهٗ قَدِ اشْتَهَرَ بِدِيَارِ الْعَرَبِ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ اَنَّ مِعْرَاجَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ مِنْ رَجَبَ (ماثبت بالسنۃ ص۱۳۹)	جاننا چاہئے کہ دیار عرب میں لوگوں کے درمیان میں مشہور ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف ۲۷ رجب المرجب کو ہوئی

آیت اسراء کے نکات

سُبْحٰن اللہ تعالےٰ نے آیت اسراء کو لفظ سُبْحٰن سے شروع فرمایا۔ جو تعجب کے مقام استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ واقعۂ معراج بھی ایک عجیب واقعہ تھا۔ جو انسانی عقل سے بالاتر تھا۔ اسی لئے کفار نے انکار کیا۔ تو سبحٰن فرما کر اشارہ فرمایا کہ واقعہ معراج ایک عجیب واقعہ ہے۔ مگر اس ذات نے کروایا جو سبحان ہے۔ عجز و عیب سے پاک ہے۔ اس کے ہاں یہ کوئی مشکل نہیں۔ وہ ہر شئے پر قادر ہے۔ تو منکر انکار کیوں کرتے ہیں۔ دوسرے سبحٰن کا کلمہ اس لئے فرمایا کہ کفار نے واقعہ معراج سن کر حبیب خدا کو جھوٹا اور کاذب کہا۔

اللہ تعالےٰ نے کفار کو جواب دیا کہ میری ذات پاک ہے کہ میں کاذب اور جھوٹا رسول بناؤں۔ لہٰذا میرا رسول سچا ہے۔ جھوٹے ہو تو تم ہو۔

اَلَّذِیْٓ اَسْرٰی یہاں اَلَّذِیْ اَسْرٰی موصول وصلہ ذکر کیا اور نام اپنا ذکر نہ کیا۔ اس لئے کہ اس سیر کا فاعل فقط اللہ تعالےٰ ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی معراج میں نے اپنے حبیب کو کرایا ہے۔ اب جو معراج پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ مجھ خدا پر کرتا ہے۔

بِعَبْدِہٖ اللہ تعالےٰ نے کلمہ بعبدہٖ فرما کر واضح فرما دیا کہ آپ کا معراج شریف جسمانی تھا نہ کہ روحانی۔ کیونکہ عبد کا اطلاق روح مع الجسم پر ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث محاورات عرب میں جب بھی حیات ظاہری میں کسی پر لفظ عبد اطلاق کیا گیا ہے۔ اس سے مراد روح مع الجسد مراد ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا ۲۵پ — اے موسیٰ (علیہ السلام) میرے بندوں کو رات میں لے جاؤ۔

نیز اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔ — کیا تو نے دیکھا اسکو جو عبد مقدس (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کو روکتا ہے۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

یہاں بھی عبد سے مراد روح مع الجسم مراد ہے۔ کیونکہ نماز پڑھنا روح معہ الجسم کا کام ہے۔ نیز اللہ تعالےٰ ایک مقام پر فرماتا ہے۔

لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ — جب کھڑا ہوا اللہ کا عبد پاک (حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم) اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔ اس آیت میں لفظ عبد کا اطلاق جسم وروح کے مجموعہ پر ہے۔

پس اسی طرح اَسریٰ بِعَبْدِہٖ میں بھی روح مع الجسم مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ آپ کا معراج جسمانی تھا۔

بِعَبْدِہٖ کی وضاحت

اللہ تعالٰے نے اپنے عبد (حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم) کی اضافت اپنی طرف کی تاکہ تصریح ہو جائے کہ اللہ تعالٰے کا حبیب عام عباد کی طرح عبد نہیں ہیں اور ہم بندوں جیسے نہیں ہیں۔ جیسا کہ ابنائے زمان کہتے ہیں۔ یعنی کامل عابد باقی عابدان جیسے نہیں ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی مضمون کو اپنے شعر میں ادا کیا ہے ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر ۔۔۔ او سراپا انتظار ایں منتظر

وہابیہ کا لفظ عبد پر اعتراض

وہابیہ اس مقام پر لفظ عبد کی آڑ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے انکار کرتے ہیں کہ دیکھو حضور صلے اللہ علیہ وسلم عبد یعنی بشر ہیں۔ نور نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالٰے نے بعبدہٖ فرمایا ہے اور بنورہٖ نہیں فرمایا۔ اگر نور ہوتے تو بِعَبْدِہٖ نہ فرماتے۔ مگر وہابیہ کا یہ اعتراض ان کی کج فہمی پر مبنی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ عبدیت و نورانیت میں کوئی تضاد نہیں تاکہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی ہو جائے۔ بلکہ عبد بھی ہوتا ہے اور نور بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ۔ بلکہ وہ فرشتے عزت والے بندے ہیں۔ یہاں ملائکہ پر جو بالاتفاق نور ہیں لفظ عباد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ثابت ہوا کہ بِعَبْدِہٖ کے کہنے سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے نور کی نفی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ بِعَبْدِہٖ سے رسول و نبی کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

بِعَبْدِہٖ کے فرمانے کی حکمت

اس مقام پر اللہ تعالٰے نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو عبد فرمایا۔ رسول یا نبی وغیرہ نہ فرمایا۔ اسکی ایک حکمت یہ تھی کہ جب آپ خالق سے مخلوق کی طرف تشریف لائے۔ تو آپ کو رسول و نبی فرمایا گیا۔ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مگر یہاں

مخلوق سے خالق کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں لہٰذا آج شان رسالت کے اظہار کا وقت نہیں ہے بلکہ اظہار عبدیت کا وقت ہے۔ اسی لئے بعبدہ فرمایا گیا۔
دوسری حکمت یہ تھی کہ حضرت مسیح کلمۃ اللہ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا یا گیا تو ان کے ماننے والوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو فقط آسمانوں تک ہی نہیں بلکہ فوق العرش تشریف لے گئے۔ ہوسکتا تھا کہ آپ کو لوگ خود خدا یا اس کا بیٹا کہہ دیتے تو اللہ تعالٰے نے حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کی امت پر رحم فرمایا۔ اور بعبدہ فرمایا تاکہ کوئی آپ کو خدا کا بیٹا نہ کہے۔

لَيْلًا اسرا رات ہی کی سیر کو کہتے ہیں۔ پھر لیلاً کا ذکر تاکید کے لئے ہے۔ منصوب بنابر ظرفیت ہے۔ لیلاً کو نکرہ ذکر فرما کر تصریح فرمادی کہ معراج شریف ساری رات میں نہیں ہوئی۔ بلکہ رات کے بہت تھوڑے حصّہ میں ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض نے فرمایا تین ساعتیں تھیں۔ بعض نے کہا چار مگر امام سبکی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ اس سیر پر فقط ایک لحظہ خرچ ہوا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالٰے قادر ہے کہ قصیر زمانہ کو طویل کردے اور طویل کو قصیر کردے۔ (سیرت حلبی صفحہ ۳۴۱)

مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ مسجد حرام مکہ معظمہ کی وہ عزت والی مسجد ہے جس کے وسط میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ مگر مسجد سے مراد مکہ معظمہ ہے نہ خود مسجد شریف کیونکہ معراج ہانی کے گھر سے ہوا۔ جو حرم شریف میں ہے۔ (حاشیہ جلالین ص۲۲۸)

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى بیت المقدس کی مشہور مسجد ہے جو انبیاء سابقین کا قبلہ تھی۔ اقصٰے کے معنی دور کے ہیں۔ اس مسجد کو بھی اقصٰے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی مکہ معظمہ سے بہت دور ہے۔ چنانچہ وہ مسجد حرام سے ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔

اعتراض:۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کا سیر فقط مسجد اقصٰے تک ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے مسجد اقصٰے کو اس سیر کی غایت بیان کی ہے۔ اگر آسمانوں تک سیر ہوتی تو مسجد اقصٰے کو غایت اس سفر کی نہ بنایا جاتا۔

جواب :۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ سیر مسجد اقصٰے سے آسمانوں اور ان کے اوپر تک بھی تھی۔ مگر مسجد اقصٰے کے ذکر کی تخصیص کی حکمت یہ ہے کہ کفار مکہ نے مسجد اقصٰے دیکھی ہوئی تھی۔ اور اس کے متعلق معلومات رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے واقعہ معراج کے انکار کے وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی علامتیں دریافت کیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی علامتیں ٹھیک ٹھیک بتادیں جن کو سن کر انہیں اپنے دل میں قائل ہونا پڑا کہ واقعی آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ مسجد اقصٰے تک جانے میں جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا ہونا ثابت ہو گیا تو آسمانوں کی معراج بھی سچی ثابت ہو گئی۔ اس لئے کہ جس طرح آسمان پر جانا محال ہے۔ بالکل اسی طرح رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصٰے جا کر واپس آجانا بھی محال ہے۔ جب مسجد اقصٰے تک جانا اور آنا محال نہ رہا تو آسمان پر جا کر واپس آنا آپ کے لئے کیسے محال ہو سکتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ اگرچہ ایک اعتبار سے مسجد اقصٰے کا ذکر بطور غایت وانتہا کے مگر ایک دوسرے اعتبار سے مبدء بھی ہے کیونکہ آگے آرہا ہے۔ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا۔ تاکہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں اور وہ نشانیاں فقط مسجد اقصٰے میں منحصر نہیں بلکہ آسمانوں میں ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے مسجد اقصٰے مبدء ان نشانیوں کا ہے۔ آسمانوں اور اس کے اوپر کی نشانیاں غایت ہیں لہٰذا آسمانوں تک کی سیر اسی آیت سے ثابت ہے۔

(مدارج حصہ اول ص۱۰۹)

اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ وہ مسجد جس کے گرد اگرد ہم نے برکت رکھی ہے۔ یہ مسجد اقصٰے کی مدح ہے۔

اس سے خود مسجد کا مبارک ہونا بدرجہ اولیٰ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ جب اس کے

اردگرد برکت ہے تو خود اس میں بھی برکت ہوگی۔ وہاں دو قسم کی برکتیں ہیں۔ ایک دُنیوی
دینوی برکت تو یہ ہے۔ پھل پھول بکثرت ہیں اور نہریں بھی بہت ہیں جن سے آب پاشی
ہوتی ہے۔ اور دینوی برکتیں یہ ہیں کہ وہ مہبط وحی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے لے کر
تمام انبیاء کا قبلہ رہا ہے۔ ابتداء میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی قبلہ تھا بعد
میں منسوخ ہوگیا۔ مدفن انبیاء علیہم السلام ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاں اللہ تعالٰے کا کوئی
پیارا مدفون ہو تو وہ مقام برکت والا ہوتا ہے۔ وہاں جانا برکت کے مقام پر جانا ہوتا ہے

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا

تاکہ دکھائیں ہم ان کو اپنی نشانیاں۔ یعنی ہم نے اپنے پیارے کو اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں۔ یہ سیر کی حکمت بیان کی۔ کہ یہ سیر اس لئے نہیں کہ سوائے تفریح طبع کے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ آپ کو اپنی قدرت کے عجائبات دکھانے مقصود ہیں۔ وہ آسمانوں کا دکھانا۔ ملائکہ کا دکھانا۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ بیت المعمور جنت و دوزخ وغیرہ کا دکھانا ہے۔ گویا اس آیت میں اسراء اور معراج دونوں کا بیان ہے۔

لفظ من سے مغالطہ کا ازالہ

اللہ تعالٰے کے اس قول من اٰیٰتِنا میں لفظ من سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لگتا ہے کہ من تبعیضیہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالٰے نے سردار دو جہاں صاحب معراج شب اسراء کے دولہا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں اور بعض نہیں دکھائیں
اس مغالطہ کا ازالہ یہ ہے کہ نشانیاں مختلف قسم کی تھیں بعض کا تعلق سننے
سمجھنے اور چکھنے سے تھا۔ جیسے صریف اقلام کا سننا اور دودھ کا چکھنا وغیرہ۔ اگر
من تبعیضیہ ہو تو اس کی وجہ سے کل نشانیوں کا بعض مراد ہوں گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ
جو نشانیاں دیکھنے کے قابل ہیں وہ کل نشانیوں کا بعض ہی ہیں۔ لہٰذا اس آیت کا
معنی یہ ہوگا کہ کل نشانیوں میں سے جو نشانیاں دیکھنے کے قابل تھیں وہ ہم نے اپنے
حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھانے کیلئے آسمانوں پر بلند فرمایا۔ اس صورت میں بعض
آیات سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی ثابت نہ ہوئی۔ الحمد للہ رب العالمین علی ذلک۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے

ضمیر غائب کا مرجع مفسرین کے دو قول ہیں۔ اول یہ کہ مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ دوسرا یہ کہ مرجع حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہوں۔ (تفسیر صاوی جزء دوم صہ ۲۸۲)

اگر مرجع ضمیر کا اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو ماقبل یعنی معراج کی دلیل ہوگی کہ میں چونکہ اپنے محبوب کے اقوال کو سننے والا اور آپ کے افعال کو دیکھنے والا ہوں آپ کے یہ اقوال و افعال مجھے ایسے پسند ہیں کہ میں نے اپنے محبوب کو معراج کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ یا اگر مرجع ضمیر کا اللہ تعالیٰ ہو اور یہ مکذبین معراج کے لئے ایک وعید ہو کہ ہم اے منکرین تمہاری تکذیب و انکار کو دیکھتے اور سنتے ہیں اور ہم تمہیں خوب سزا دیں گے۔ یا مرجع ضمیر کا اللہ تعالیٰ ہو اور سمیع بمعنی مُسمع یعنی سنانے والا اور بصیر بمعنی مُبصر دکھانے والا ہو تو یہ معنی ہونگے۔ بے شک اللہ تعالیٰ آج شب معراج اپنے حبیب کو اپنی کلام سنانے والا ہے۔ اور اپنی قدرت کے آیات دکھانے والا ہے۔ اگر مرجع ضمیر کا محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ بے شک وہ حبیب پاک اللہ تعالیٰ کا کلام سننے والا ہے۔ پہلے وہ کلام بذریعہ وحی سنتا تھا۔ آج بلا واسطہ جبرئیل علیہ السلام سن رہا ہے۔ اور وہ حبیب خدا آج اپنے خدا تعالیٰ کے جمال پاک کو بلا حجاب دیکھ رہا ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ حبیب خدا کی۔ کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام خود دیکھنے کی درخواست فرمائیں اور لَنْ تَرَانِی کا جواب سن کر دیدار الٰہی سے محروم ہو جائیں۔ اور حبیب خدا کو بغیر درخواست کے مقام دنیٰ فتدلیٰ میں بلا کر اپنے جمال پاک کی زیارت سے مشرف فرمایا جائے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

تیئیسواں وعظ

حضور علیہ السلام کا ام ہانی رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر سے تشریف لاکر براق پر سوار ہونا۔

منقول ہے کہ سردار کائنات مفخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر بستر استراحت پر آرام فرما ہوئے۔ چشم اقدس خواب میں دل مولیٰ کی یاد میں زبان امت کے ذکر میں مشغول تھی کہ احکم الحاکمین کا حکم جبرائیل علیہ السلام کو پہنچا۔ کہ اے جبرئیل آج کی رات طاعت کو چھوڑ۔ تسبیح وتہلیل کو چھوڑ دو۔ پر طاؤس وزیور فردوسی سے آراستہ ہو جا اور میکائیل کو کہہ دو کہ رزق کی تقسیم موقوف کر دے۔ اسرافیل (علیہ السلام) کو کہہ دو کہ صور نہ پھونکے۔ عزرائیل (علیہ السلام) کو کہہ دو کہ اپنا ہاتھ ارواح کے قبضہ کرنے سے روک دے داروغہ بہشت کو حکم سنادو کہ جنت کی آئینہ بندی کر دے۔ حوران خلد بریں کو فرمادو کہ آراستہ پیراستہ ہو کر ہاتھوں میں طبق زر وجواہر لے کر غرف جنت میں صف صف بستہ کھڑی ہو جائیں۔ مالک دوزخ کو حکم سنادو کہ دوزخ کے دروازے بند کر دے۔ آدم وابراہیم۔ موسیٰ وعیسےٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو خبر کر دے کہ وہ اپنی روحوں کو روائح قدس سے معطر ومعنبر کریں۔ پھر ستر ہزار فرشتے اپنے ہمراہ لے کر بہشت میں جاؤ۔ اور وہاں سے ایک براق ساتھ لے کر زمین پر جاؤ۔ اور میرے پیارے حبیب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ آج کی رات آپ کے رب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ اور اپنا دیدار دکھانے اور کلام سنانے کے لئے اپنے پاس بلایا ہے۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام بحسب ارشاد رب جلیل بہشت بریں میں براق لانے کے لئے تشریف لائے۔ دیکھا کہ بہشت میں چالیس ہزار براق چر رہے ہیں اور ہر ایک کی پیشانی پر سردار دو جہان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا ہے ان میں سے ایک براق نہایت غم زدہ سر نیچے ڈالے ہوئے

ایک جانب کھڑا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہا رہا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام اس کے پاس گئے۔ اور اس کے رنج وغم کا سبب دریافت فرمایا۔ براق نے کہا کہ چالیس ہزار سال ہوئے کہ حبیب خدا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنا تھا اس وقت سے آپ کی محبت وعشق میں جل رہا ہوں۔ نہ چرنے کا شوق ہے نہ آرام کو دل چاہتا ہے۔ جب جبرئیل علیہ السلام نے اس براق کو محبت محمدی میں ڈوبا ہوا پایا تو اسی براق کو آپ کی سواری کے لئے تجویز کیا۔

(معارج النبوت ص۱۴۲ حصہ سوم، ملخص از نزہتہ المجالس ص۱۶۳ حصہ دوم)

جبرئیل علیہ السلام براق کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کو نیند میں پایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنا منہ حضور علیہ السلام کے کف پا پر ملا۔ جب جبرئیل علیہ السلام کے منہ کی ٹھنڈک پہنچی۔ تو آپ بیدار ہوئے تو دیکھا جبرائیل علیہ السلام حاضر ہیں۔ (معارج النبوت ص۱۶۱)

حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو اٹھا کر مسجد حرام میں لے گئے وہاں آپ کا سینہ مبارک اور شکم اقدس کو شق کیا جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

اَتَانِیْ فِی الْحَطِیْمِ وَرُبَّمَا فِی الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَشَقَّ مَا بَیْنَ هٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ یَعْنِیْ مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهٖ اِلٰی شِعْرَتِهٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مَمْلُوٍّ اِیْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِیْدَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَآءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِئَ اِیْمَانًا وَّحِکْمَةً رَوَاهُ الْبُخَارِیْ	میں حطیم میں تھا اور بعض وقت کہا حجر میں۔ اس حال میں کہ میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس آنے والا آیا پس چیرا اس چیز کو جو درمیان اس کے ہے اس تک یعنی گڑھے حلق سے زیر ناف کے بالوں تک۔ پس نکالا دل میرا پھر لایا گیا میرے پاس ایک لگن سونے کا بھرا ہوا ایمان سے۔ پس دھویا گیا پھر بھر گیا (علم وایمان سے پھر اپنی جگہ دل) لوٹایا گیا۔ اور ایک روایت

وَ المسلم - (مشکوٰۃ ص۵۳۶) ہے - پھر دھویا گیا پیٹ زمزم کے پانی سے - پھر بھر اگیا ایمان اور حکمت سے -

شق صدر مبارک کی حکمت

سید دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا شق صدر چار دفعہ ہوا۔

۱:- جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے - اسکی حکمت یہ تھی کہ آپ کے دل سے لہو ولعب و دیگر ناشائستہ حرکات کی محبت نکال دی جائے -

۲:- جب آپ دس سال کے تھے - بلوغت سے قبل شق صدر ہوا - تاکہ آپ کے دل میں جوانی کے زمانہ میں ایسے کاموں کی رغبت نہ ہو جو رضائے الٰہی کے خلاف ہوں۔

۳:- قبل نزول وحی کے سینہ اقدس کو چاک کیا گیا تاکہ دل کو قوت تحمل وحی کی ہو۔

۴:- شب معراج میں شق صدر ہوا تاکہ دل کو ایسی قوت قدسیہ حاصل ہو جس سے آسمانوں پر تشریف لے جانے اور عالم سماوات کا مشاہدہ کرنے بالخصوص دیدار جمال الٰہی سے مشرف ہونے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہ آنے پائے -

(ملخص از تفسیر عزیزی ص۲۲۱ سورۃ الم نشرح)

سونے کا طشت

شق صدر کے وقت سونے کا طشت پیش ہونا اور اس میں دل اقدس کو دھویا جانا آپ کی انتہائی تعظیم ہے اور اشارہ ہے کہ آپ تمام عالم میں مکرم و معظم ہیں - باقی یہ اعتراض کہ آپ کی شریعت میں سونے کا استعمال حرام ہے تو اس کے بہت سے جواب ہیں -

۱:- سونے کا استعمال دنیا میں حرام ہے نہ کہ آخرت میں - بلکہ آخرت میں مومنوں کے لئے سونے کا استعمال جائز ہے - جیسا کہ خود سرور دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ هُوَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ۔ یعنی کفار کے لئے سونا دنیا میں ہے اور ہم اسے آخرت میں استعمال کریں گے اور واقعہ معراج بھی عالم آخرت سے ہے

۲:۔ استعمال سونے کا ممنوع ہے۔ اور خود حضور علیہ السلام نے استعمال نہیں کیا تھا بلکہ فرشتوں نے کیا تھا اور فرشتے مکلف نہیں ہیں۔

۳:۔ جس وقت سونے کا استعمال کیا گیا اس وقت میں سونے کا استعمال حرام نہیں تھا کیونکہ سونے کی تحریم مدینہ منورہ میں ہوئی اور قصہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا۔
(مدارج النبوت جلد اول ص ۱۹۳)

پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان و حکمت سے بسریز تھا۔ جو آپ کے سینے میں بھر دیا گیا۔ تو یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان و حکمت جواہر نورانیہ سے ہیں۔ جو اہر محسوسہ سے نہیں ہیں۔ تاکہ طشت ان سے بھرا ہوا ہے۔ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے قادر ہے کہ غیر جسمانی چیزوں کو جسمانی صورت عطا فرمادے جیسا کہ موت کو قیامت کے روز مینڈھے کی صورت میں متمثل کیا جاوے گا۔ اور نیک اعمال کی صورت حسنہ دیکر میزان میں تولا جائے گا۔

ایسے ہی اللہ تعالٰے نے ایمان و حکمت کو جسمانی صورت میں متمثل فرما دیا۔ ہوا اور یہ تمثیل حبیب خدا کے لئے رفعت شان کا باعث ہو۔ (مدارج جلد اول ص ۱۹۳)

قلب اقدس کا زمزم سے دھویا جانا

آپ کے قلب اقدس کو ماء زمزم سے دھویا جانا کسی الائش کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سید الطیبین والطاہرین ہیں۔ ایسے طیب و طاہر کہ ولادت باسعادت کے بعد آپ کو غسل نہیں دیا گیا۔ لہذا قلب اقدس کا زمزم سے دھویا جانا محض اس حکمت پر مبنی تھا کہ زمزم کے پانی کو وہ شرف بخشا جائے جو کوثر و تسنیم کے پانی کو بھی حاصل نہ ہو۔

براق کا حاضر کیا جانا:۔ شق صدر کے بعد حضرت جبرئیل نے آپ کا دست

اقدس پکڑا اور خانہ کعبہ سے بطحائے مکہ میں لے آئے۔ آپ نے وہاں میکائیل و اسرافیل کو مع ستر ہزار فرشتوں کے صف بستہ کھڑے ہوئے۔ ملاحظہ فرمایا۔ جو آپ کے استقبال کیلئے حاضر ہوئے تھے۔ جب ملائکہ کی نظر سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو نہایت ادب و تعظیم سے حضور پر سلام عرض کیا اور رضائے الٰہی اور کرامتہائے ناتناہی کی مبارک باد دی۔ آپ نے بھی ان کو جواب سے مشرف فرمایا۔ پھر ایک سواری پیش کی گئی (معارج النبوت جلد سوم ص۱۱۶) جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ثُمَّ اُتِیْتُ بِدَآبَّۃٍ دُوْنَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ اَبْیَضُ یُقَالُ لَہٗ الْبُرَاقُ یَقَعُ خَطْوُہٗ عِنْدَ اَقْصٰے طَرْفِہٖ فَحُمِلْتُ عَلَیْہِ۔ رواہ البخاری والمسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۷)	پھر پیش کیا گیا میرے سامنے ایک جانور جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا سفید رنگ کا اسکو براق کہا جاتا ہے رکھتا تھا اپنا قدم نزدیک تمام ہونے نگاہ اپنی کے۔ پس مجھے اس پر سوار کیا گیا۔

براق کی وجہ تسمیہ

براق کو براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ برق بمعنی بجلی سے مشتق ہے۔ اور یہ بھی تیز رفتاری میں مانند بجلی کے تھا یہ گیا وہ گیا۔ یا برق بمعنی چمکدار سے مشتق ہے اور اس کا رنگ بھی چمکدار تھا۔

براق بھیجنے میں حکمت

شب اسرا میں براق خدمت والا میں بھیجا گیا حالانکہ رب تعالٰے قادر تھا۔ کہ بغیر براق کے بھی لیجا سکتا تھا۔ اسکی حکمت یہ تھی کہ جب محب محبوب کو بلایا کرتا ہے تو اس کے لئے سواری بھیجتا ہے کیونکہ اس میں محبوب کی تعظیم ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بھی محبوب رب العالمین ہیں۔ لہذا جب آپ کو اپنے پاس بلایا تو آپ کی تعظیم کے لئے خدمت اقدس میں سواری بھیجی (مدارج حصہ اول ص۱۹۴)

براق پر سواری

براق خدمت عالی میں حاضر ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے رکاب تھامی ہے۔ اور میکائیل علیہ السلام نے لگام پکڑی ہوئی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ کہ اے حبیب خدا سوار ہو جاؤ۔ اور عالم بالا کی سیر کو چلو۔ کیونکہ تمام ملائکہ ملاء اعلیٰ و مقربان عالم انتظار میں ہیں غمگسار امت صلے اللہ علیہ وسلم براق کو دیکھ کر غمزدہ ہو کر سر مبارک نیچے کر دیا۔ اتنے میں حکم الٰہی آیا کہ اے جبرئیل میرے حبیب سے پوچھو۔ سبب توقف کا اور رنج و ملال کا کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا جبرئیل! آج مجھے اللہ تعالےٰ نے طرح طرح کے انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔ اور میری سواری کے لئے براق بھیجا۔ کل قیامت کے روز میری امت قبروں سے اٹھے بھوکی پیاسی ہوگی۔ سرتاپا برہنہ ہوگی گناہوں کا بوجھ سر پر ہوگا۔ پچاس ہزار سال قیامت کا راہ ہے۔ تیس ہزار سال پلصراط کا راہ ہے یہ کسطرح طے کرے گی۔ حکم خدا ہوا کہ اے حبیب اپنے دل سے رنج و غم کو نکال دو میں نے جس طرح آپ کی سواری کے لئے براق بھیجا ہے اسی طرح قیامت کے روز آپ کے ہر امتی کی قبر پر ایک ایک براق بھیجوں گا۔ اور سب کو براق پر سوار کر کے طرفۃ العین میں پچاس ہزار سال راہ قیامت کا طے کرا کے اور پلصراط سے پار لگا دوں گا۔ اور بہشت عنبر سرشت میں داخل فرمادونگا۔ پس حضور نے یہ خبر فرحت اثر سن کر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا تو براق نے شوخی شروع کی اور اچھلنا کودنا شروع کیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے براق کو کہا

أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ مِنْهُ قَالَ فَارْفَضَّ عَرَقًا۔	کیا رسول پاک سے ایسا کرتا ہے۔ کوئی تجھ پر سوار نہیں ہوا جو آپ سے عند اللہ زیادہ مکرم ہو۔ پس وہ پسینہ پسینہ ہوگیا۔

(ترمذی جلد دوم ص۱۴۱)

فائدہ: ۔ علمائے اعلام نے فرمایا ہے کہ براق کی یہ شوخی بطور سرکشی نہ

تھی بلکہ بطور ناز و فخر تھی۔ جیسا کہ ایک دفعہ آپ کوہ ثبیر پر تشریف لائے تو پہاڑ خوشی سے حرکت کرنے لگا تو آپ نے فرمایا۔ اُثْبُتْ یَا ثَبِیْرُ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ۔ تو پہاڑ یہ سن کر ساکن ہو گیا۔ (مدارج جلد اول ص۱۹۴)

ظہور شان حبیب خدا منقول ہے شب معراج حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بطحائے مکہ میں تشریف فرما ہیں۔ آج آپ کی شان کے مکمل ظہور کا وقت ہے۔ کہ اسی ہزار ملائکہ آپ کے داہنی طرف اور اسی ہزار بائیں جانب موجود ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں مشعل نوری و شمع کافوری ہے۔ جن کی روشنی و خوشبو سے تمام بطحائے مکہ روشن و معطر ہو رہا تھا کہ اتنے میں فرمان الٰہی پہنچا۔ اے جبرئیل (علیہ السلام) میرے حبیب کے چہرۂ انور سے جو ستر ہزار پردے (بشریت) کے پڑے ہوئے ہیں ان میں ایک پردہ ہٹادو جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے چہرۂ اقدس سے ایک پردہ اٹھایا تو اس سے ایسا نور ظاہر ہوا کہ تمام مشعلوں اور شمعوں کی روشنی اس نور کے سامنے مضمحل ہو گئی (معارج رکن سوم ص۱۱۸)

فائدہ اس روایت سے وہابیہ کا یہ اعتراض ہو گیا کہ جب حضور نور ہیں تو جب چلتے یا بیٹھتے تو روشنی کیوں نہیں ہوتی۔ جواب واضح ہے کہ واقعی سرکار دو عالم نور ہیں۔ روشنی نہیں ہوتی تو اس لئے کہ آپ پر ستر ہزار پردے ڈالے ہوئے تھے۔ اگر پردے نہ ہوتے تو کس کی آنکھ میں طاقت تھی۔ کہ آپ کے نور اور روشنی کو دیکھ سکتا۔

چوبیسواں وعظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بطحائے مکہ سے روانگی اور عجائبات کا ملاحظہ فرمانا

سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم دو طابن کر براق پر سوار ہو کر مسجد اقصٰی کی طرف روانہ

ہوئے۔ آپ کا گذر ایسی زمین پر ہوا جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے خدمت عالیہ میں عرض کی۔ یا رسول اللہ سواری سے اتر کر نماز (نفل) پڑھو۔ آپ نے اتر کر نماز پڑھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ نے یثرب (مدینہ طیبہ) میں نماز پڑھی ہے۔ یعنی یہ جگہ آپ کی سکونت بنے گی۔

(مدارج جلد اول ص۱۹۵، انوار محمدیہ ص۳۳۴)

پھر آپ کی سواری ایک سفید زمین پر گزری۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی حضور! یہاں بھی اتر کر نماز پڑھیں۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ نے مدین میں نماز پڑھی ہے۔ وہاں سے چل کر بیت اللحم پر گذر ہوا۔ وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی حبیب خدا اتریئے اور نماز نفل پڑھیئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۴)

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ مقام بزرگ میں نماز (نفل) پڑھنا باعث ثواب ہے اور سنت مصطفےٰ ہے۔ لہٰذا اجمیر میں اور حضرت داتا گنج بخش کی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ وہابیہ اللہ تعالےٰ ان کو ہدایت دے منع کرتے ہیں۔

آپ کی سواری جا رہی تھی کہ راستے میں ایک بوڑھی عورت نظر آئی۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی حضور آپ چلے چلیں۔ آپ چل رہے تھے کہ ایک بوڑھا راستہ میں ملا۔ جو آپ کو بلانے لگا کہ یا رسول اللہ ادھر تشریف لاؤ۔ مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی حضور! سفر جاری رکھیں۔

پھر آپ کا گذر ایک ایسی جماعت پر ہوا۔ انہوں نے آپ کو بایں الفاظ سلام عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَوَّلُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اٰخِرُ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَاشِرُ۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی حضور! ان کو سلام کا جواب دو۔ آپ نے انکو سلام کا جواب دیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ جو

آپ نے بوڑھی عورت دیکھی ہے وہ دنیا ہے۔ اب دنیا کی عمر اتنی باقی رہ گئی ہے۔ جتنی اس بوڑھی عورت کی۔ اگر اس بوڑھی عورت کو جو دنیا تھی جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر اختیار کرتی اور جس نے آواز دے کر آپ کو بلایا تھا وہ ابلیس تھا۔ اگر آپ اسکو جواب دیتے۔ کہ آپ کی امت کو گمراہ کر دیتا۔ اور وہ جماعت جس نے آپ کو سلام کیا ہے وہ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسےٰ علیہم السلام تھے۔
(مدارج جلد اول صـ۱۹۵، انوار محمدیہ صـ۳۳۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ کا گذر موسیٰ علیہ السلام پر ہوا جو اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے سچے رسول ہیں۔ (مدارج جلد اول صـ۱۹۵ انوار محمدیہ صـ۳۳۴)

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء زندہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اہل بہشت بہشت میں اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ مکلف ہوں۔ حضرت علامہ محقق مولانا عبدالحق فرماتے ہیں

چوں انبیاء زندہ اند نزد خدا تعبد میکنند
(مدارج جلد اول صـ۱۹۵)

چونکہ انبیاء زندہ ہوتے ہیں نزد خدا اور عبادت کرتے ہیں۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں۔

لَا مَانِعَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يُصَلُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ لِاَنَّهُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (انوار محمدیہ صـ۳۳۴)

اس میں کوئی منع کی بات نہیں ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ کثیر دلائل موجود ہیں کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ فقیر نے

مواعظ رضویہ حصہ دوم میں بعض دلائل نقل کئے ہیں اور پھر حصہ سوم میں حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک مستقل وعظ ہے۔ اسکا مطالعہ کریں اور لطف اٹھائیں۔

مجاہدین کا ملاحظہ فرمانا جب سرور دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم اس سے آگے چلے تو آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو ایک ہی دن کھیتی بوتے ہیں اور اسی دن کاٹ لیتے ہیں۔ جب وہ کاٹتے ہیں پھر وہ کھیتی ایسی ہو جاتی ہے جیسے کاٹنے کے قبل تھی۔ آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ لوگ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ان کی نیکی سات سو گنا سے زیادہ کی جاتی ہے۔ اور یہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اللہ تعالےٰ اسکا نعم البدل عنایت فرماتا ہے اور بہتر رزق دینے والا ہے۔ (انوار محمدیہ صلـ۳۳۵)

تارک صلاۃ کا ملاحظہ فرمانا پھر آپ نے ایک ایسی قوم پر گذر فرمایا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں جب وہ کچلے جاتے ہیں تو پھر سابقہ حالت پر ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا آپ نے پوچھا۔ جبرئیل! یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز فرض سے روگردانی کرتے ہیں۔ (انوار محمدیہ صلـ۳۳۵)

تارک زکوٰۃ کا دیکھنا پھر آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ ان کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑے۔ لپٹے ہوئے ہیں۔ اور وہ مویشیوں کی طرح چر رہے ہیں۔ اور کانٹے زقوم اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ ان پر اللہ تعالےٰ نے ظلم نہیں کیا۔ اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ) (انوار محمدیہ صلـ۳۳۵)

زانیوں کا دیکھنا:۔ پھر آپ کا گذر ایک قوم پر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی

میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور ایک ہانڈی میں کچا بدبودار گوشت رکھا ہوا ہے۔ مگر وہ لوگ اس بدبودار کچے گوشت کو کھاتے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے ہیں آپ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی امت میں وہ مرد ہیں۔ جن کے پاس حلال اور طیب بیویاں ہوں اور پھر وہ خبیث اور پلید عورتوں کے پاس آئیں اور ان کے پاس صبح تک رات گذاریں۔ اسی طرح وہ عورتیں ہیں۔ جو اپنے حلال طیب شوہروں کے پاس سے اٹھ کر ناپاک مردوں کے پاس آئیں۔ اور رات کو ان کے پاس رہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۵)

حریص کو دیکھنا

پھر آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جس نے ایک بہت بڑا گٹھا لکڑیوں کا جمع کر رکھا ہے۔ کہ وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا۔ مگر وہ اس میں لکڑیاں اور لا لا کر رکھتا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ آپ کی امت میں ایک ایسا شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے بہت سے حقوق اور امانتیں ہیں۔ جن کی ادا پر وہ قادر نہیں ہے اور وہ اور زیادہ لدتا چلا جاتا ہے۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۵)

واعظ سوء کو دیکھنا

پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور جب کٹ جاتے ہیں۔ تو پھر حالت سابقہ پر ہو جاتے ہیں اور یہی سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ گمراہی میں ڈالنے والے وعظ ہیں۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۵)

پھر آپ کا گذر ایک چھوٹے پتھر پر ہوا۔ جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے۔ لیکن نہیں جا سکتا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بری بات منہ سے نکالے پھر اس پر نادم ہو اور اس بات کو منہ میں واپس کرنا چاہتا ہے مگر

وہ واپس نہیں کر سکتا۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۶)

جنت کی آواز سُننا

پھر ایک وادی پر گذرے۔ وہاں ایک ٹھنڈی پاکیزہ ہوا اور مشک کی خوشبو آئی اور ایک آواز سنی آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اے رب جو تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔ وہ مجھے دیجئے۔ کیونکہ میرے بالاخانے اور استبرق اور حریر اور سندس اور عبقری اور موتی اور مونگے اور چاندی اور سونا۔ گلاس اور تشتریاں اور دستہ دار کوزے اور مرکب۔ شہد اور پانی اور دودھ اور شراب بہت کثرت کو پہنچ گئے ہیں۔ تو اب میرے وعدے کی چیز (سکان جنت) مجھے دیجئے (تاکہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں) اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ تجھے دیا جائے گا۔ ہر مسلم مرد اور مسلمہ عورت اور مومن مرد اور مومنہ عورت اور جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے۔ اور میرے سوا کسی کو خدا نہ مانے اور مجھ سے ڈرتے گا۔ وہ مامون رہیگا۔ اور جو مجھ سے مانگے گا میں اس دوں گا۔ اور جو مجھ کو قرض دے گا۔ میں اسکو جزا دوں گا۔ اور جو مجھ پر توکل کریگا میں اسکو کفایت کروں گا۔ میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا بیشک مومن کامیاب ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ جو احسن الخالقین ہے بابرکت ہے۔ جنت نے (یہ سن کر) کہا میں راضی ہوں۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۶)

دوزخ کا آواز سننا

پھر آپ کا گذر ایک وادی پر ہوا۔ وہاں ایک وحشت ناک آواز سنی۔ اور بدبو محسوس ہوئی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی۔ یہ جہنم کی آواز ہے۔ کہتی ہے اے رب میری زنجیریں اور طوق اور شعلے اور گرم پانی اور پیپ اور عذاب کثرت کو پہنچ گئے ہیں اور میری گہرائی بہت دراز ہوگئی ہے۔ اور میری گرمی سخت ہوگئی ہے۔ اور جو مجھ سے تو نے وعدہ کیا ہے وہ مجھے دے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہوا۔ ہر مُشرک مرد اور ہر مُشرک عورت کافر اور کافرہ۔ اور ہر متکبر جو قیامت کے دن کے ساتھ ایمان نہیں

رکھتا وہ تجھ کو دیا جائیگا۔ دوزخ نے کہا میں راضی ہوگئی (انوار محمدیہ صفحہ ۳۳۶)

یہود و نصرانی کا بلانا

آپ نے فرمایا کہ ایک پکارنے والے نے مجھ کو دائیں طرف سے بلایا۔ کہ میری طرف نظر کیجئے میں آپ سے کچھ دریافت کرتا ہوں۔ میں نے اسکی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر ایک اور نے بائیں طرف سے اسی طرح بلایا۔ میں نے اسکو بھی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے ایک عورت دیکھی جو اپنے بازؤں کو کھولے ہوئے تھی اور اس پر ہر قسم کی آرائش تھی۔ جو خدا تعالے نے بنائی ہے۔ اس نے بھی کہا۔ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میری طرف نگاہ کیجئے۔ میں آپ سے کچھ دریافت کرونگی۔ آپ نے اسکی طرف التفات نہ فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا۔ کہ پہلا پکارنے والا یہود کا داعی تھا۔ اگر آپ اسکو جواب دیتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔ اور دوسرا پکارنے والا نصاریٰ کا داعی تھا۔ اگر آپ اسکو جواب دیتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی۔ اور عورت دنیا تھی۔ یعنی اسکو جواب دینے سے یہ اثر ہوتا کہ آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی (انوار محمدیہ صفحہ ۳۳۶)

حرام کھانے والے ملاحظہ فرمائے

پھر آپ نے بہت سے خوان دیکھے جن پر طیب و پاکیزہ گوشت رکھا ہوا ہے مگر ان پر کوئی شخص نہیں ہے۔ کچھ اور خوان ہیں جن پر سڑا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے اور بہت سے لوگ وہ گوشت کھا رہے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو حلال کو چھوڑتے ہیں اور حرام کو کھاتے ہیں۔

سود خواروں کو دیکھا

پھر آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا۔ جن کے پیٹ اتنے بڑے ہیں۔ جیسے کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ جب ان میں سے کوئی اٹھتا ہے فوراً گر پڑتا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ سود خوار ہیں۔ (انوار محمدیہ صفحہ ۳۳۷)

مال یتیم کھانے والے دیکھے

پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا کہ ان کے ہونٹ اتنے بڑے ہیں جیسے اونٹوں کے ہوتے ہیں

آگ کے انگارے نکلتے ہیں۔ اور وہ انگارے ان کے نیچے سے نکل جاتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی۔ یارسول اللہ! یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے تھے (انوار محمدیہ ص۳۳)

زانی عورتوں کا دیکھنا پھر آپ کا گذر ایسی عورتوں پر ہوا۔ جو پستانوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی ہیں۔ یہ زانی عورتیں تھیں (انوار محمدیہ ص۳۳)

چغل خور پھر آپ کا گذر ایسی قوم پر ہوا جنکا پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور یہ لوگ چغل خور اور عیب چین تھے۔ (انوار محمدیہ ص۳۳)

وہابیہ کا اعتراض منکرین علم غیب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم وہابیہ اس جگہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب امور سابقہ میں جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کو ان امور کا علم نہ تھا۔

جواب اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ سوال ہمیشہ لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی حکمت کی بناء پر بھی ہوتا ہے جیساکہ اللہ تعالےٰ موسیٰ علیہ السلام سے سوال فرماتا ہے۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى۔ اے موسےٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ تو کیا رب تعالےٰ جو علام الغیوب ہے۔ اسکو بھی علم نہ تھا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ان صورتوں میں پوچھنے میں یہ حکمت ظاہر ہے۔ کہ اگر آپ نہ پوچھتے تو ان صور مذکورہ کی وضاحت کیسے ہوتی اور ہم کیسے جانتے کہ وہ کون لوگ تھے۔ جب آپ نے پوچھا۔ جبرئیل نے وضاحت کی تو ہم کو معلوم ہوگیا کہ وہ لوگ زانی تھے یا سود خوار وغیرہ۔ فالحمد للہ رب العٰلمین

پچیسواں وعظ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس میں پہنچنا

آپ کی سواری بیت المقدس کے قریب پہنچی تو آپ سواری سے نیچے اترے اور سواری کو مسجد کے حلقہ کے ساتھ باندھا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت

ہے کہ حضور اقدس صاحب معراج صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَتّٰی اَتَیْتُ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ فَرَبَطْتُہٗ بِالْحَلْقَةِ الَّتِیْ تَرْبِطُ بِھَا الْاَنْبِیَآءُ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۸)

پس میں بیت المقدس میں تشریف لایا اور براق کو اس حلقہ دروازہ مسجد سے باندھا کہ باندھتے تھے انبیاء

فائدہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود براق کو باندھا۔ مگر مراد اس باندھنے سے حکم باندھنے کا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ اور انہوں نے سواری کو باندھا جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَمَّا انْتَھَیْنَا اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ قَالَ جِبْرَئِیْلُ بِاُصْبِعِہٖ فَخَرَقَ بِہِ الْحَجَرَ وَشَدَّ بِھَا الْبُرَاقَ (ترمذی ص۱۴۱ جلد دوم)

جب ہم بیت المقدس تک پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور اس سے براق کو باندھا

پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے وہاں آپ کے استقبال کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام حاضر تھے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسےٰ علیہ السلام تک انہوں نے آپ کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کی ثنا کی اور حضور پر درود پاک پڑھا۔ اور سب نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کا اعتراف کیا۔ پھر آذان دی گئی اور تکبیر کہی گئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے صفوف درست کئے اور انتظار کرنے لگے کہ کون امام بنے گا۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام نے امام الانبیاء حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر سب کا امام بنایا۔ آپ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی (مدارج ص۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَعَرَفْتُ

میں مسجد اقصےٰ میں داخل ہوا۔ تمام انبیاء

النَّبِيِّيْنَ مَا بَيْنَ قَائِمٍ وَّرَاكِعٍ وَّ سَاجِدٍ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقُمْنَا صُفُوْفًا نَنْتَظِرُ مَنْ يَّؤُمُّنَا فَاَخَذَ بِيَدِىْ جِبْرِئِيْلُ فَقَدَّمَنِىْ فَصَلَّيْتُ بِهِمْ (انوار محمدیہ ص ۳۴۷)

کو میں نے پہچانا۔ کوئی صاحب قیام میں۔ کوئی رکوع میں۔ کوئی سجدہ میں تھے۔ پھر موذن نے آذان دی۔ پس نماز کی اقامت کہی گئی۔ ہم نے کھڑے ہوکر صفیں تیار کیں۔ اور انتظار کرنے لگے کہ کون ہمارا امام بنیں گا۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا تو میں نے انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔

فائدہ ثابت ہوا کہ محبوب خدا تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور امام ہیں۔ اور سب سے افضل ہیں۔ اس معراج میں خدا تعالےٰ کو اپنے حبیب کی شانِ رفعت دکھانی ہی منظور تھی۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ثابت ہوچکا ہے۔

انبیاء کرام کا ثنا کرنا اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام نے نوبت نبوت اپنے اللہ تعالےٰ کی ثنا و حمد بیان کی۔ اور اس کے ضمن میں اپنے خصائص و کمالات ظاہر کئے۔ سب سے پہلے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اتَّخَذَنِىْ خَلِيْلًا وَّاَعْطَانِىْ مُلْكًا عَظِيْمًا وَّ جَعَلَنِىْ اُمَّةً قَانِتًا يُّؤْتَمُّ بِىْ وَاَنْقَذَنِىْ مِنَ النَّارِ وَجَعَلَهَا بَرْدًا وَّسَلَامًا۔

تمام حمدیں اللہ تعالےٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا۔ اور مجھے مقتدا صاحب قنوت بنایا کہ میرا اقتدار کیا جاتا ہے اور مجھے نار سے نجات دی اور اسکو مجھ پر ٹھنڈی اور سلامتی

والی بنائی۔

پھر حضرت موسے علیہ السلام نے اپنے رب کی یوں تعریف کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَلَّمَنِیْ تَکْلِیْمًا وَّاصْطَفَانِیْ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ التَّوْرَاۃَ وَجَعَلَ ھَلَاکَ فِرْعَوْنَ وَنَجَاۃَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی یَدِیْ وَجَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ قَوْمًا یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ۔	تمام محامد اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے میرے ساتھ کلام فرمایا اور مجھے برگزیدہ کیا۔ اور مجھ پر تورات نازل کی اور فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات میرے ہاتھ پر ظاہر کی۔ اور میری امت کو ایسی قوم بنایا کہ حق کے موافق وہ ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل کرتے ہیں

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لِیْ مُلْکًا عَظِیْمًا وَّعَلَّمَنِیَ الزَّبُوْرَ وَاَلَانَ لِیَ الْحَدِیْدَ وَسَخَّرَ لِیَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ مَعِیْ وَالطَّیْرَ وَاٰتَانِیَ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔	تمام حمدیں اللہ تعالٰے کے لئے ہیں۔ جس نے مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھے زبور کا علم دیا۔ اور میرے لئے لوہے کو موم کیا۔ اور میرے لئے پہاڑوں کو تابع کیا۔ جو میرے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں اور پرندوں کو بھی تابع کیا تسبیح کے لئے اور مجھے حکمت اور صاف تقریر عطا فرمائی۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد کا خطبہ پڑھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لِیَ الرِّیَاحَ وَسَخَّرَ لِیَ الشَّیَاطِیْنَ یَعْمَلُوْنَ مَا شِئْتُ مِنْ مَّحَارِیْبَ	تمام محامد اس اللہ تعالٰے کے لئے ہیں جس نے میرے لئے ہوائیں تابع کیں۔ اور شیطانوں کو مسخر کیا جو میں چاہتا ہوں

وَ تَمَاثِيْلَ وَ عَلَّمَنِيْ مَنْطِقَ الطَّيْرِ
وَاٰتَانِيْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَ سَخَّرَ لِيْ
جُنُوْدَ الشَّيَاطِيْنِ وَالْاِنْسِ وَ
الْجِنِّ وَالطَّيْرِ وَ اٰتَانِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ
لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ وَ جَعَلَ مُلْكِيْ
مُلْكًا طَيِّبًا لَيْسَ فِيْهِ حِسَابٌ

کرتے ہیں۔ عمارتیں۔ تصویریں (کہ
اسوقت جائز تھیں) اور پرندوں
کی بولی کا علم دیا۔ اور ہر شئے مجھے دی
اور میرے لئے شیطانوں۔ انسانوں۔
جنوں پرندوں کو مسخر کیا۔ اور مجھے
ایسا ملک عطا فرمایا۔ جو میرے بعد کسی
کے لائق نہیں ہوگا۔ اور میرے لئے
ایسی پاکیزہ سلطنت بنائی۔ کہ اس کے
متعلق مجھ سے حساب نہ ہوگا۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ثنا کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنِيْ كَلِمَتَهٗ
وَجَعَلَنِيْ مِثْلَ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ
وَعَلَّمَنِيَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَجَعَلَنِيْ
اَخْلُقُ اَيْ اُصَوِّرُ مِنَ الطِّيْنِ
كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ
طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَجَعَلَنِيْ اُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِي الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ وَرَفَعَنِيْ وَطَهَّرَنِيْ وَ
اَعَاذَنِيْ وَاُمِّيْ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيْمِ فَلَمْ يَكُنْ لِلشَّيْطَانِ
عَلَيْنَا سَبِيْلًا۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں
جس نے مجھکو اپنا کلمہ بنایا اور مجھکو مشابہ
آدم (علیہ السلام) کے بنایا۔ کہ ان کو مٹی سے
بنایا۔ پھر فرمایا کہ ہو جا۔ پس وہ ہو گئے
اور مجھے کتاب (لکھنا) حکمت اور تورات
اور انجیل کا علم دیا۔ اور مجھے ایسا بنایا کہ
میں مٹی سے پرندوں کی صورتیں بناتا
ہوں۔ پس اس میں میں پھونکتا ہوں
پس اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے
اور مجھکو ایسا بناتا کہ میں مادرزاد اندھے
اور جذامی کو اچھا کر دیتا تھا۔ اور مُردوں
کو زندہ کرتا تھا۔ اور مجھے (آسمانوں پر)
بلند کیا۔ اور مجھے اور میری اماں کو شیطان

رجیم سے پناہ دی۔ پس شیطان کا ہم پر کوئی قابو نہیں چلتا تھا

آپ نے فرمایا۔ اب تک تم حضرات نے اپنے رب کی حمد وثنا کی اب میں اپنے رب کی ثنا کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَکَافَۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْہِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْئٍ وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّۃً وَّسَطًا وَّجَعَلَ اُمَّتِیْ ھُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَھُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ (انوار محمدیہ ص۳۳۸ مدارج ص۱۹۶)

تمام محامد اللہ تعالٰے کے لئے ہیں جس نے مجھے رحمتہ للعالمین اور تمام لوگوں کیلئے بشیر ونذیر بنایا اور مجھ پر فرقان اتارا جس میں ہر شئے کا واضح بیان ہے اور میری امت کو بہترین امت بنایا کہ لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے اور میری امت کو امت عادلہ بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ (رتبہ میں) اول (وجود میں) آخری بھی ہیں اور میرے سینے کو کھول دیا۔ اور میرے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ اور میرے ذکر کو بلند کیا۔ اور مجھے شروع کرنے والا اور سب کا ختم کرنیوالا بنایا۔ یعنی نبوت مجھ سے شروع اور پھر مجھ پر ختم ہوئی۔

حضور کا سب سے افضل ہونا

جب امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی حمد وثنا کے بیان سے فارغ ہوئے تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام انبیاء کی موجوگی میں فیصلہ فرما کر کہا۔ بِھٰذَا فَضَلَکُمْ مُحَمَّدٌ (صلے اللہ علیہ وسلم) یعنے ان کمالات کے سبب سے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم سب سے فضیلت لیگئے۔ تمام انبیاء نے سنا اور اسکو تسلیم کیا۔ ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کا اجماع

ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ (مدارج ص۱۹۷، انوار محمدیہ ص۲۳۹)

چھبیسواں وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان اول پر جلوہ فرمانا

قرآن پاک سے بھی آسمانی معراج ثابت ہے اور حدیث پاک سے بھی ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ سورہ نجم میں فرماتا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ ذُوْ مِرَّةٍ ۚ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى ۚ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۚ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۚ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۚ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۚ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۚ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۚ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۚ (پارہ ۲۷)

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ تھا۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا۔ تو اس جلوہ اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا۔ جو دیکھا۔ کیا تم ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس

اسکے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا۔ آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

ان مبارک آیتوں کی پوری تفصیل تو آگے ذکر کی جائے گی۔ مگر آسمانی معراج تو ثابت ہی ہوتا ہے۔ اب حدیث پاک سے آسمانی معراج کا ثبوت سنئے۔

آسمان دنیا کی طرف عروج

جب آپ بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو آپ کے لئے آسمان پر چڑھنے کیلئے ایک سیڑھی سونے کی اور ایک سیڑھی چاندی کی پیش کی گئی جو بڑی خوبصورت تھی۔ آپ بمع جبرئیل علیہ السلام سیڑھی پر چڑھے جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فَوُضِعَتْ لَهٗ مِرْقَاةٌ مِّنْ فِضَّةٍ وَمِرْقَاةٌ مِّنْ ذَهَبٍ حَتّٰى عَرَجَ هُوَ وَجِبْرِيْلُ۔ (انوار محمدیہ ص۳۴۰)

آپ کے لئے ایک سیڑھی چاندی کی اور ایک سیڑھی سونے کی رکھی گئی۔ یہاں تک کہ آپ اور جبرئیل (علیہ السلام) چڑھے۔

کتاب شرف المصطفیٰ میں اسطرح روایت ہے۔

اَنَّهٗ اُتِیَ بِالْمِعْرَاجِ مِنْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ وَاَنَّهٗ مُنَضَّدٌ بِاللُّؤْلُؤِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ مَلٰٓئِكَةٌ وَعَنْ يَّسَارِهٖ مَلٰٓئِكَةٌ (انوار محمدیہ ص۳۴۰)

بے شک شان یہ ہے کہ آپ کے لئے جنت الفردوس سے ایک سیڑھی لائی گئی جو موتیوں سے جڑی ہوئی تھی۔ اس کے دائیں طرف بھی فرشتے تھے۔ اور بائیں جانب بھی فرشتے تھے۔

سماء دنیا پر پہنچا

سیڑھی پر چڑھتے ہوئے سماء دنیا تک پہنچ گئے جیساکہ آپ کا ارشاد ہے۔

فَعُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ فَلَمَّا جِئْتُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ

مجھے آسمان تک چڑھایا گیا۔ جب میں سماء دنیا تک پہنچا تو جبرئیل (علیہ السلام)

لِخَازِنِ السَّمَآءِ اِفْتَحْ قَالَ مَنْ
هٰذَا قَالَ هٰذَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ
هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ
مُحَمَّدٌ فَقَالَ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ
فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
اِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ
وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ اِذَا نَظَرَ قِبَلَ
يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ
بَكٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ
وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرَئِيْلَ
مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ وَهٰذِهِ
الْاَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ
نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ
اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِيْ
عَنْ شِمَالِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَاِذَا
نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ
قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى - رواہ البخاری
والمسلم - (مشکوٰۃ ص۵۲۹)

نے آسمان کے خازن کو فرمایا۔ دروازہ
کھولو۔ اس نے کہا۔ یہ کون ہے۔ جبریل
(علیہ السلام) نے فرمایا یہ جبریل ہے۔
خازن نے کہا۔ تیرے ہمراہ کیا کوئی ہے
فرمایا ہاں میرے ہمراہ حضرت محمد رسول
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خازن نے
کہا۔ آپ کو آسمان کی طرف بھیجا گیا۔
جبریل (علیہ السلام) نے کہا ہاں۔ جبکہ
دروازہ کھولا گیا تو ہم پہلے آسمان
پر چڑھے تو دیکھا کہ مرد خدا (آدم علیہ
السلام) تشریف فرما ہے۔ جس کی دائیں
طرف کچھ شخص ہیں اور بائیں جانب بھی
کچھ شخص ہیں۔ جب دائیں طرف نظر کرتے
ہیں تو خوش ہوتے۔ جب بائیں جانب
دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ یعنی غمزدہ ہوتے
ہیں۔ اس نے کہا نبی صالح اور ابن صالح
کو مرحبا ہو۔ میں نے جبریل کو کہا یہ کون
ہیں۔ اس نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں
اور اسکی دائیں جانب والے شخص اور
بائیں جانب والے اسکی اولاد کے روح
ہیں۔ دائیں جانب والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔ جب دائیں جانب
نظر کرتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔

نجدیہ کا اعتراض:۔ جبرائیل علیہ السلام جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت

میں آسمانوں پر پہنچے تو ہر آسمان پر محافظ فرشتوں نے یہ سوال کیا کہ کون ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ "جبرئیل" فرشتوں نے کہا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ پھر فرشتوں نے پوچھا۔ کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ فرشتوں نے کہا۔ مَرْحَبًا بِهٖ اَهْلًا اور دوسری روایت میں ہے۔ نِعْمَ الْمَجِیْءُ جَآءَ

ان تمام سوالات وجوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو معراج کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے سے پہلے کچھ علم نہ تھا

جواب: فرشتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے سے قبل معراج کا علم نہ ہونا حدیث شریف کے خلاف ہے بخاری شریف میں حدیث معراج کے الفاظ موجود ہیں۔

فَیَسْتَبْشِرُ بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری آسمانوں والے سنتے تھے۔ (بخاری جلد دوم ص۱۱۲۰)

امام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں۔ کَاَنَّهُمْ کَانُوْا عَلِمُوْا اَنَّهٗ سَیُعْرَجُ بِهٖ فَکَانُوْا مُتَرَقِّبِیْنَ لِذٰلِكَ (فتح الباری جلد سوم ص۴۱) یعنی فرشتے جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عنقریب معراج کرائی جائیگی لہذا آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے ثابت ہوا کہ فرشتے یہ جانتے تھے کہ آپ کو معراج کرائی جانی ہے۔ باقی رہا فرشتوں کا سوال کرنا لاعلمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ حکمت کی بناء پر تھا۔ حکمت یہ تھی۔

۱۔ یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہفت سماوات میں عزت وکرامت کے مخصوص دروازے سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سواکسی کے لئے نہیں کھولے جاسکتے خواہ وہ جبرئیل علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ اگر فرشتے یہ نہ پوچھتے کہ کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ تو جبرئیل علیہ السلام نَعَمْ (ہاں) کہہ کر اقرار بھی نہ کرتے۔ جبرئیل علیہ السلام نے جب اس امر کا اقرار کیا کہ ہاں وہ بلائے گئے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اور فضیلت پر دلیل قائم ہوگئی کہ حضور خود نہیں آئے بلکہ آپ کو بلایا گیا ہے۔ اور اپنے آنے میں اور بلائے جانے میں بہت فرق ہے۔ جس جسکو اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔

آدم علیہ السلام زندہ ہیں:۔ اس حدیث میں آپکا آدم علیہ السلام سے ملاقی ہونا اور

ان کا آپکو مرحبا کہنے کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے خاص جسم پاک کے ساتھ زندہ ہیں۔ جیسا کہ صاحبان جمل نے فرمایا۔

نَقِیَ اٰدَمَ اَتٰی بِرُوْحِہٖ وَجَسَدِہٖ مَعًا کَبَقِیَّۃِ الْاَنْبِیَآءِ الَّاتِیْ ذِکْرُھُمْ فِی السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ فَاجْتَمَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھِمْ بِاَجْسَادِھِمْ وَاَرْوَاحِھِمْ بَعْدَ اَنِ اجْتَمَعَ بِھِمْ کَذٰلِکَ فِیْ جُمْلَۃِ الْاَنْبِیَآءِ فِیْ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ۔

(حاشیہ جلالین ص۲۲۹)

آپ آدم علیہ السلام سے ملاقی ہوئے یعنی ان کے روح اور جسم دونوں کے ساتھ جیسا کہ باقی انبیاء کرام کے ساتھ جن کا ذکر ساتوں آسمانوں میں آئے گا۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان سب کے ساتھ جمع ہوئے بمع اجسام اور ارواح کے ساتھ۔ بعد اس کے کہ آپ ان کے ساتھ بمع روح و جسم کے ساتھ بیت المقدس میں جمع ہو چکے تھے۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں جو لوگ انکو مردہ خیال کرتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے لوگوں کے خود دل مردہ ہیں۔ فالحمد للہ علی ذٰلک

آسمانوں پر جبریل علیہ السلام کا حضرات انبیاء سے تعارف کرانا

حدیث پاک میں ہے کہ آسمانوں میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو جبریل امین علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں وغیرہ۔ تو اس سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ ان سب حضرات کو بیت المقدس میں دیکھ چکے تھے۔ لہذا جبریل علیہ السلام کا تعارف آپ کے عدم التفات کیوجہ سے تھا یا اپنی شان خادمانہ ظاہر کرنے کے لئے۔

آسمان پر امور غریبہ کا دیکھنا

آپ نے آسمان اول پر بہت سے امور غریبہ ملاحظہ فرمائے جن میں سے بعض ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ آپ نے ایک جماعت فرشتوں کی دیکھی۔ جو صفیں باندھے ہوئے قیام میں کھڑے تھے۔ اور یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوحِ آپ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کب سے اس عبادت میں مشغول ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ جب سے آسمان پیدا ہوا ہے۔ اس وقت سے لیکر قیامت تک اس عبادت میں مشغول رہینگے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ! اپنے رب تعالٰی سے درخواست کریں۔ تاکہ اس عبادت کا ثواب آپکی امت کو ملجائے۔ آپ نے درخواست کی اللہ تعالٰی نے منظور فرمائی۔ اور قیام نماز میں فرض فرمادیا۔ آپنے پوچھا جبریل انکی تعداد کتنی ہے جبریل نے عرض کی کہ سوائے خدا کے انکی تعداد کوئی نہیں جانتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (معارج رکن ۲ ص۱۲۴)

۲۔ آپ نے پہلے آسمان پر ایک فرشتہ دیکھا۔ جو انسانی شکل کا تھا۔ کہ اسکا اوپر کا حصہ آگ کا تھا اور نصف زیریں برف کا تھا۔ مگر آگ برف کو نہیں پگھلاتی تھی اور برف آگ کو نہیں بجھاتی تھی اور اسکی تسبیح یہ تھی۔ سُبْحَانَ الَّذِي بَيْنَ الثَّلْجِ وَالنَّارِ وَأَلِّفْ بَيْنَ قُلُوبِ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ۔ آپ نے پوچھا یہ فرشتہ کون ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ۔ اللہ تعالٰی نے اس فرشتے کو اپنی کمال قدرت سے پیدا فرما کر بادل پر مقرر فرمایا ہے جہاں اللہ تعالٰی کا ارادہ معلق ہوتا ہے۔ بارش برساتا ہے۔ اور اس فرشتے کا نام رعد ہے۔ (معارج ص۱۲۷)

ستائیسواں وعظ

دوسرے آسمان سے چھٹے تک سیر

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پہلے آسمان کی سیر کر کے دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں عجائب و غرائب ملاحظہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ مَنْ	پھر وہ مجھے پر چڑھا لے گیا۔ یہاں تک کہ ثانی آسمان پر پہنچا۔ دروازے کھولنے

اور باقی نصف دیگر انسانوں کو عنایت فرمایا۔ مگر یہ حسن جو دیا گیا۔ یہ آقائے دو عالم صلے اللہ علیہ السلام کے ماسوا حسن ہے۔ جو یوسف علیہ السلام اور دیگر انسانوں کو دیا گیا کیونکہ حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اور آپ سب سے زیادہ حسین ہیں۔ صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں۔

فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٍ	آپ کا جوہر حسن منقسم نہیں ہے۔

(سیرۃ حلبی صٓ۲۳۶)

حضور سراپا نور صلے اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا بَعَثَ نَبِيًّا اِلَّا حُسْنَ الْوَجْهِ	اللہ تعالے نے کسی نبی کو مبعوث نہیں
حُسْنَ الصَّوْتِ وَكَانَ نَبِيُّكُمْ	فرمایا مگر سب سے زیادہ خوبصورت
اَحْسَنُهُمْ وَجْهًا اَحْسَنُهُمْ	اور زیادہ خوش آواز۔ اور تمہارے
صَوْتًا رواہ الترمذی صٓ۲۳	نبی سب سے زیادہ خوبصورت اور
شمائل ترمذی (سیرۃ حلبی صٓ۲۳۶)	خوش آواز ہیں۔

ثابت ہوا کہ فخر دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوسف علیہ السلام و دیگر انبیائے عظام سے خوبصورت تھے۔

تیسرے آسمان پر آپ نے بہت سے فرشتے دیکھے۔ جو صفیں باندھے سجدہ میں تھے۔ اور یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَ الخالق العلیم الذی لامفر ولا ملجاء الا الیہ سُبحان العلی الاعلیٰ۔ آپکو یہ عبادت پسند آئی۔ اللہ تعالیٰ نے نمازیں اور سجدے فرض کر دیئے۔ (معارج صٓ۱۲۸)

چوتھے آسمان کی سیر

پھر آپ چوتھے آسمان پر تشریف لے جاتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات فرماتے ہیں سرکار دو عالم خود فرماتے ہیں

ثُمَّ صَعِدَ بِیْ حَتّٰی اَتَی السَّمَاءَ	پھر مجھے جبریل علیہ السلام چوتھے آسمان
الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا	پر لیکر پہنچے اور دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا
قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ	کون ہے۔ کہا جبریل۔ پوچھا گیا تمہارے

قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِدْرِيْسُ فَقَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ رواہ بخاری و مسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۷)

ساتھ کون ہے۔ کہا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا۔ ان کو بلایا گیا ہے۔ کہا۔ ہاں۔ دربان نے کہا ان کو خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے دروازہ کھولا پس میں داخل ہوا تو ادریس علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا۔ یہ ادریس ہیں ان کو سلام دو میں نے ان کو سلام کہا۔ اور انہوں نے جواب دے کر کہا خوش آمدید ہو۔ بھائی صالح اور نبی صالح۔

فائدہ یہ حضرت ادریس علیہ السلام وہی ہیں جو جنت میں اسوقت بھی زندہ ہیں اور انہی کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد ہے۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ یعنی ہم انکو زندگی ہی میں مکان بلند (جنت میں) اٹھالیا۔ شب معراج چوتھے آسمان پر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے تشریف لائے تھے۔ (سیرۃ حلبی ص۴۲۷)

آخری قعود فرض ہے

آپ نے آسمان چہارم پر ایک جماعت ملائکہ کی ملاحظہ فرمائی۔ جو تشہد کی حالت میں بیٹھے ہوئے یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔ سُبْحَانَ الرَّؤُفِ الرَّحِيْمِ سُبْحَانَ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ آپ کو فرشتوں کی یہ عبادت پسند آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر آخری قعود فرض فرمادیا۔ (معارج رکن سوم ص۱۳۰)

پانچویں آسمان کی سیر

جب آپ چوتھے آسمان کی سیر سے فارغ ہوئے تو پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ خود صاحب معراج صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِيْءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا هَارُوْنُ قَالَ هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ۔ رواہ البخاری والمسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۷)	پھر مجھے جبریل علیہ السلام ساتھ لے کر اوپر چڑھے۔ یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے۔ دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے۔ کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تیرے ہمراہ کون ہے کہا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے۔ کہا ہاں دربان نے کہا خوش آمدید ان کو۔ ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک۔ دروازہ کھولا گیا۔ پس جب میں داخل ہوا تو حضرت ہارون علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ حضرت

ہارون علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام دیجئے۔ میں نے انکو سلام دیا انہوں سلام دے کر کہا خوش آمدید ہو بھائی صالح اور نبی صالح کو۔

چھٹے آسمان کی سیر

جب آپ نے پانچویں آسمان کی سیر سے فراغت پائی تو چھٹے آسمان کی طرف پرواز فرمائی۔ اور وہاں حضرت سیدنا موسےٰ علیہ السلام کو اپنی زیارت سے مشرف فرمایا۔ جیسا کہ حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتّٰى اَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيْلَ مَرْحَبًا بِهٖ	پھر جبریل علیہ السلام مجھے اوپر چڑھا لے گئے یہاں تک کہ چھٹے آسمان تک پہنچے۔ دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے کہا جبریل ہوں۔ پوچھا گیا تیرے ساتھ کون ہے۔ کہا حضرت محمد مصطفےٰ صلے

فَنِعْمَ الْمَجِیُٔ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا مُوْسٰی قَالَ هٰذَا مُوْسٰی فَسَلِّمْ عَلَیْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَکٰی قِیْلَ لَهٗ مَا یُبْکِیْكَ قَالَ اَبْکِیْ لِاَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِیْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَکْثَرُ مِمَّنْ یَدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِیْ۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۷)

اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے۔ کہا ہاں۔ دربان نے کہا خوش آمدید ہو ان کو۔ پس انکا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے۔ پھر جب میں داخل ہوا تو موسےٰ علیہ السلام موجود تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ موسےٰ علیہ السلام ہیں ان کو سلام دیجئے پس میں نے انکو سلام دیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا خوش آمدید ہو۔ بھائی صالح اور نبی صالح کو۔ جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہو تو انہوں نے کہا کہ میں (اسلئے) روتا ہوں کہ میرے بعد ایک (مقدس) لڑکا مبعوث کیا گیا۔ جسکی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

موسیٰ علیہ السلام کا رونا

موسےٰ علیہ السلام کا رونا معاذ اللہ کسی حسد کی بنا پر نہ تھا۔ کیونکہ اس عالم میں تو حسد ہر مومن کے دل سے نکالا جائیگا۔ چہ جائیکہ ایک نبی ہو وہ بھی اولوالعزم نبی حضرت موسےٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہاں حسد کا کیا شائبہ ہے بلکہ اپنی امت پر تاسف و تحسر کرتے ہوئے یہ کلمہ فرمایا۔ (مدارج جلد اول ص۱۹۷)

حضور کو غلام کہا

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے آپ کو غلام یعنی نوجوان کہا کہ آپ کے اتباع تھوڑی مدت ہیں کہ اسوقت تک آپ شیخوخت تک ابھی نہ پہنچیں گے کہ اتنی کثرت سے ہو جائینگے کہ دوسروں کے سن شیخوخت تک بھی اتباع نہیں ہوئے۔ یا آپ کی ہمت مردانہ کے اعتبار سے آپ کو نوجوان کہا۔

اٹھائیسواں وعظ

ساتویں آسمان کی سیر

شہنشاہِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری ساتویں آسمان کی طرف گئی۔ اس میں پہنچ کر حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے۔

ثُمَّ صَعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ قِیْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرَائِیْلُ قِیْلَ وَمَنْ مَعَکَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ نَعَمْ قِیْلَ مَرْحَبًا بِهٖ فَنِعْمَ الْمَجِیْءُ جَآءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَاِذَا اِبْرَاهِیْمُ قَالَ هٰذَا اَبُوْکَ اِبْرَاهِیْمُ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ

رواہ البخاری والمسلم۔

(مشکوٰۃ شریف ص۵۲۷)

پھر جبریل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان کی طرف چڑھا لے گئے۔ دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون ہے۔ کہا۔ جبریل ہوں پوچھا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے۔ کہا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ کہا ہاں۔ دربان فرشتے نے کہا انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے۔ پس جب میں داخل ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام موجود تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ابراہیم علیہ السلام آپ کے باپ ہیں۔ ان کو سلام دیجیے۔ پس میں نے انکو سلام دیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا خوش آمدید ہو۔ بیٹے صالح اور نبی صالح کو۔

ایک روایت میں ہے

فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِیْمَ مُسْنِدًا ظَهْرَهٗ اِلَی الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ یَدْخُلُهٗ

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس حال میں ملا کہ انہوں نے اپنی پشت بیت

كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ شریف ص۵۲۸)

المعمور کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ اور بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جو پھر نہیں لوٹتے۔ یعنی اور نئے فرشتے آتے ہیں۔ ان کی پھر باری نہیں آتی۔

بیت المعمور

بیت المعمور آسمانوں پر ایک مسجد کا نام ہے۔ خانہ کعبہ کے عین مقابل ہے۔ بالفرض وہ گرے تو عین کعبہ کے گرد گرے کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو بیت المعمور آپ کے لئے عبادت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور آپ کے انتقال کے بعد واپس آسمانوں پر اٹھایا گیا۔ ملائکہ کے لئے یہ بمنزلہ کعبہ شریف کے ہے اسکا طواف کرتے ہیں اور اس میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اسکی زیارت کیلئے آتے ہیں دوبارہ انکو موقع نہیں ملتا (مدارج جلد اول ۱۹۵)

نہر الحیواۃ

روایت ہے کہ چوتھے آسمان پر ایک نہر ہے، جسکو نہر الحیوات کہتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام ہر روز سحری کے وقت اس میں غوطہ لگاتے ہیں۔ جب باہر آکر اپنے پر جھاڑتے ہیں تو ستر ہزار قطرہ جدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالے ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جو بیت المعمور میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اس میں واپس نہیں آتے (مدارج جلد اول ص۲، سیرۃ حلبی ص۴۲۹)

حضرت علامہ محقق علی الاطلاق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روایت میں ہے کہ آسمانوں پر فرشتے ہیں کہ جب وہ تسبیح پڑھتے ہیں۔ تو اللہ تعالے ہر تسبیح پر ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ ایسا ہی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور صلحائے امت کی تسبیحات اور تہلیلات سے بھی فرشتے پیدا ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (مدارج النبوت جلد اول ص۲۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام

حضرت خلیل الرحمٰن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خدمت مصطفٰے علیہ السلام میں عرض کی کہ اپنی امت کو

میرا سلام پہنچا کر یہ پیغام دیدینا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اور زمین بڑی وسیع ہے۔ اس میں کثرت سے درخت لگائیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بہشت میں درخت کیسے لگائیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور ایک روایت ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ (سیرت حلبی ص۴۳۹، نزہتہ المجالس ص۱۱۵ جلد دوم)

ساتویں آسمان پر نیکوں اور بدوں کا دیکھنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک جماعت دیکھی جو سفید چہرہ اور خوش رنگ تھی۔ اور دوسری جماعت دیکھی جن کے رنگ سیاہ تھے۔ پس یہ جماعت آئی اور ایک نہر میں غسل کیا تو ان سے کچھ تاریکی اور سیاہی دور ہوگئی۔ پھر دوسری نہر میں انہوں نے غسل کیا۔ تو سب سیاہی چل گئی۔ اور سفید رنگ ہو گئے۔ جیسے کہ وہ پہلی جماعت سفید رنگ تھی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ سفید رنگ اور سیاہ رنگ کون ہیں۔ اور یہ مرد خدا کون بیٹھا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ مرد آپ کا باپ ہے اور یہ سفید رنگ والی جماعت وہ ہے جس نے اپنے نفس کو کوئی ظلم نہیں کیا یہ سیاہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک عملوں کے ساتھ برے اعمال بھی خلط کئے پھر انہوں نے توبہ کی اور حق تعالے نے ان پر رحمت کی۔ اور پہلی نہر رحمت تھی اور دوسری نہر نعمت اور نہر وَسَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا۔ مدارج جلد اول ص۲۰۱، انوار محمدیہ ص۳۴۴)

حوض کوثر

سردار دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آسمان پر ایک نہر ملاحظہ فرمائی جو یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر جاری تھی اور اس کے برتن سونے۔ چاندی۔ یاقوت اور موتی اور زبرجد کے تھے۔ اسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ آپ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا یہ کیا ہے، جبریل علیہ السلام نے عرض کیا یہ حوض کوثر ہے۔ جو اللہ تعالے نے حضور کو عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ

انگوٹھے۔ (مدارج جلد اول صـ ۱۹۹ / انوار محمدیہ صـ ۳۴۴)

ایک جسم کا آن واحد میں متعدد جگہ حاضر ہونا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم موسےٰ علیہ السلام کے مزار اقدس سے گذرے تو وہ اپنی قبر انور میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر مسجد اقصےٰ میں سب انبیاء کرام علیہم السلام موجود تھے اور انہوں نے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ پھر جب آپ آسمانوں پر پہنچے تو ساتوں آسمانوں پر مخصوص انبیاء کرام کو موجود پایا۔ اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ انبیاء کرام زندہ ہیں دوسرے یہ کہ انبیاء کرام آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہوتے ہیں۔ یہ صرف کاتب الحروف فقیر نور محمد غفرلہٗ ہی فقط نہیں کہتا بلکہ عارف ربانی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ آپ کی عبارت حسب ذیل ہے۔ جس میں فوائد معراج بیان کیے گئے ہیں۔

وَمِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ اٰنٍ وَاحِدٍ كَمَا رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسَهٗ فِيْ اَشْخَاصِ بَنِيْ اٰدَمَ السُّعَدَاءِ حِيْنَ اجْتَمَعَ بِهٖ فِي السَّمَاءِ الْاُوْلٰى كَمَا مَرَّ وَكَذٰلِكَ اٰدَمُ وَمُوْسٰى وَغَيْرُهُمَا فَاِنَّهُمْ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فِي الْاَرْضِ حَالَ كَوْنِهِمْ سَاكِنِيْنَ فِي السَّمَاءِ فَاِنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ اٰدَمَ رَاَيْتُ مُوْسٰى رَاَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ وَاَطْلَقَ وَمَا قَالَ رَاَيْتُ رُوْحَ اٰدَمَ وَلَا رُوْحَ مُوْسٰى فَرَاجِعْ

فوائد معراج سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جسم واحد ایک آن میں دو مکانوں میں حاضر ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو نیک بخت نبی آدم کے اشخاص میں دیکھا۔ جبکہ پہلے آسمان میں انکے ساتھ جمع ہوئے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ اور اسی طرح آدم اور موسیٰ اور ان کے غیر کو دیکھا بیشک وہ حضرات زمین میں اپنی قبروں میں بھی تھے جبکہ وہ آسمانوں میں تشریف رکھتے تھے کیونکہ آپ نے فرمایا۔ میں نے آدم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوسٰى فِي السَّمَاءِ وَهُوَ بِعَيْنِهٖ فِي قَبْرِهٖ فِي الْاَرْضِ قَائِمًا يُصَلِّي كَمَا وَرَدَ فَيَا مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا يَكُوْنُ فِي مَكَانَيْنِ كَيْفَ يَكُوْنُ اِيْمَانُكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔

(الیواقیت والجواہر جلد دوم ص۳۶)

کو دیکھا میں نے موسیٰ کو دیکھا۔ جس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور مطلق فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آدم اور موسیٰ کی روح کو دیکھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو آسمانوں میں دوبارہ دیکھا۔ حالانکہ موسےٰ علیہ السلام بعینہٖ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ تو اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ جسم واحد دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث معراج کے ساتھ تیرا ایمان کس طرح ہوگا۔

فائدہ حضرات اعرفاء اور اولیاء و علماء کے نزدیک یہ مسئلہ مسلمات سے ہے کہ انبیاء اور اولیاء بیک وقت متعدد مقامات میں حاضر ہوتے ہیں مگر زمانہ حال کے وہابی خیال کے لوگ اسکا سخت انکار کرتے ہیں یہ ان کی کور باطنی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کو ہدایت فرمائے آمین

نویسندہ :۔ قاضی اقبال حسین خوشنویس بمقام مرد یکے تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ

مواعظ رضویہ

(حصہ سوم)

انتیسواں وعظ

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سدرۃ المنتہیٰ اور جنت میں تشریف لیجانا

ملنے کا پتہ

سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ ڈجکوٹ روڈ

لائلپور

انتیسواں وعظ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سدرۃ المنتہیٰ اور جنت میں تشریف لے جانا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے پرواز کر کے سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچے۔ اور عجائبات کا ملاحظہ فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ رُفِعَتْ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی فَاِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرٍ وَاِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ اٰذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هٰذَا سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی رواہ البخاری والمسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۷)

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا۔ تو اس کے (بیری) کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اسکے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

اس سدرہ (بیری) کے پتے اتنے بڑے تھے کہ ساری مخلوقات ایک پتے کے سائے میں بیٹھ سکتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسکا ایک ہی پتہ ظاہر ہو تو ساری کائنات کو ڈھانک سکتا ہے۔ (سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۴۴۰)

سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ اور اس کو منتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام ملائکہ جب نیچے سے جاتے ہیں تو اس سدرہ پر ٹھہر جاتے ہیں۔ سدرہ ان کا منتہیٰ ہے۔ کسی نے بھی سدرۃ سے تجاوز نہیں کیا۔ مگر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ اس سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۱۹۸) نیز خلق کے اعمال زمین سے سدرہ تک پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں سے بقدرت الٰہی اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو احکام اوپر سے آتے

ہیں۔ پہلے وہ سدرہ پر نزول کرتے ہیں پھر وہاں سے عالم دنیا میں لائے جاتے ہیں۔ اسی واسطے اسکا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔

اِلَيْهَا يَنْتَهِىْ مَا يُعْرَجُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ فَيُقْبَضُ مِنْهَا وَاِلَيْهَا يَنْتَهِىْ مَا يُهْبَطُ بِهٖ مِنْ فَوْقِهَا فَيُقْبَضُ مِنْهَا رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۹)

سدرہ کی طرف ختم ہوتے ہیں۔ جو (اعمال) زمین سے چڑھائے جاتے ہیں۔ پھر اس سے ان کو پکڑا جاتا ہے اور اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ جو (احکام) اوپر سے اتارے جاتے ہیں۔ پھر ان کو اس سے پکڑا جاتا ہے۔

سدرہ کا حسن منظر

سدرہ ایک خوش منظر درخت ہے جسے انوار الٰہی اور ملائکہ نے گھیر رکھا ہے۔ اس کی تعریف میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۵ پارہ ۲۷۔ جس وقت ڈھانک رکھا تھا سدرہ کو اس چیز نے کہ ڈھانکا تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اسکے ہر پتے پر فرشتہ کھڑا ہے جو تسبیح پڑھتا رہتا ہے۔ (مظاہر حق صفحہ ۴۹۲) ان فرشتوں کے اردگرد پرندے اڑتے رہتے ہیں جو سونے کے پروانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یا اسکو انوار الٰہی نے گھیر رکھا ہے۔ (تفسیر حسینی ص ۴۹۲) نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سدرہ کو سنہری رنگ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا جو ٹڈی کی شکل کے تھے۔ ہر فرشتے کے پاس لطائف کے بیشمار طبق تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذرے تو ان فرشتوں نے وہ طبق آپ پر نچھاور کئے (نزہتہ المجالس جلد دوم صفحہ ۱۱۷) الغرض کوئی اس کی وصف نہیں بیان کر سکتا ہے۔

چار نہریں ملاحظہ فرمائیں

آپ نے سدرہ کی جڑ سے چار نہریں نکلتی ملاحظہ فرمائیں جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هٰذَانِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ اَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ

پس وہاں چار نہریں تھیں۔ دو پوشیدہ اور دو ظاہر۔ میں نے پوچھا اے جبریل یہ نہرا کیسی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ان میں جو پوشیدہ

فِی الْجَنَّۃِ وَاَمَّا الظَّاھِرَانِ فَالنِّیْلُ وَ الْفُرَاتُ رواہ بخاری و مسلم۔ ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں۔ اور جو ظاہر ہیں وہ نیل و فرات ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۷)

نہروں کی تشریح

جو دو نہریں جنت میں ہیں وہ کوثر اور دوسری نہر رحمت ہے جب گنہگار دوزخ سے جلے ہوئے سیاہ ہوئے ہوئے باہر نکالے جائیں گے تو اس نہر میں غسل کریں گے تو اسی وقت تر و تازہ ہو کر جنت میں داخل ہونگے۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۱۹۹) اور نیل سے مراد نیل مصر اور فرات سے مراد کوفہ کی فرات نہر ہے۔ اسی حدیث کے حکم کے مطابق وہ سدرہ کی جڑ سے نکلتی ہوں اور قدرت خدا سے زمین پر پڑتی ہوں اور جاری ہوتی ہوں۔ (مظاہر حق جلد چہارم صفحہ ۴۸۵)

سدرہ پر جبریل علیہ السلام کا رک جانا

جب آپ مقام سدرۃ المنتہٰی کے عجائبات کے ملاحظ فرما چکے اور اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھے تو حضرت جبریل علیہ السلام رک گئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے جبریل۔ یہ مقام جدا ہونے کا نہیں ہے۔ ایسے مقام پر دوست دوست کو اکیلا و تنہا نہیں چھوڑا کرتے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر ایک انگلی کی مقدار بھی اوپر جاتا ہوں تو جلتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی کا ترجمہ کر کے کہا ہے۔

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام

چوں در دوستی مخلصم یافتی — عنانم ز صحبت چرا تافتی!

بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

جبریل علیہ السلام کی حاجت

جب حضرت جبریل علیہ السلام نے آگے جانے سے معذرت پیش کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَا جِبْرِیْلُ ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ اِلٰی رَبِّکَ۔ اے جبریل اگر کوئی حاجت ہو اپنے رب کی طرف تو پیش کر دو۔ میں اُسے بارگاہِ الٰہی میں پیش کردوں گا۔ جبریل علیہ السلام

نے عرض کی یارسول اللہ! میری ایک حاجت ہے کہ قیامت کے روز مجھے اجازت ہو کہ میں اپنا بازو پلصراط پر بچھا دوں۔ تاکہ آپ کی امت آرام سے پل صراط عبور کر جائے۔
(مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۹۸۔ انوار محمدیہ صفحہ ۳۴۶۔ سیرت حلبی صفحہ ۴۴۴۔ نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۱۲۱)

فائدہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریل علیہ السلام کو فرمانا کہ کوئی حاجت ہو تو پیش کرو۔ اس میں یہ حکمت فہم ناقص میں آتی ہے کہ حضور کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالنا چاہا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ اے پیارے خلیل! اگر کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا تمہاری طرف کوئی حاجت نہیں۔ فرما کر صاف انکار کر دیا تھا۔ لہذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جبریل علیہ السلام سے ان کی حاجت دریافت فرما کر اپنے جدِ کریم سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جبریل علیہ السلام کے اس احسان کا بدلہ اتار دیا۔ یہی مضمون نزہۃ المجالس سے سمجھا جاتا ہے۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم ص۱۲۱)

قلموں کا آواز سننا آپ اسکے بعد اوپر پہنچے۔ اور مقام مستوی میں پہنچے۔ وہاں قلموں کے چلنے کا آوازہ سماع فرمایا۔ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔

ثُمَّ عُرِجَ بِیْ حَتّٰی ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًی اَسْمَعُ فِیْهِ صَرِیْفَ الْاَقْلَامِ رَوَاهُ البخاری والمسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۹)

پھر اوپر لے جایا گیا مجھ کو یہانتک کہ چڑھا میں ایک بلند مقام پر۔ سنتا تھا میں اس میں قلموں کے لکھنے کی آواز۔

قلموں کے لکھنے کی تشریح اللہ تعالے کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو تقدیر اور قضائے الہٰی لکھتے ہیں اور لوح محفوظ سے احکام الہٰی نقل کرتے ہیں۔ تقدیر و قضا اگرچہ قدیم ہے مگر ان کی کتابت حادث ہے۔ یہ فرشتے جس کتاب میں لکھتے ہیں اسکو صحف ملائکہ کہتے ہیں اور اس میں محو و اثبات ممکن ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالے ہے۔ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ (مدارج جلد اول ص۲۰۱)

جنت ودوزخ کا ملاحظہ کرنا

پھر آپ نے جنت کا ملاحظہ فرمایا جو مظہر رحمت الٰہی ہے۔ اس کے دروازے کشادہ تھے۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ (رواہ والمسلم (مشکوٰۃ ص۵۲۹)

پھر مجھے بہشت میں داخل کیا گیا جس میں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک تھی یعنی خوشبو اسکی مثل مشک کے تھی۔ یا حقیقت میں مشک وکستوری ہے۔ اور بہت خوشبودار ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جنت کی خوشبو کی لپٹ پانچسو سال کی راہ کی مسافت پر پہنچتی ہے (مظاہر جلد ۴ صفحہ ۴۹۱)

بیہقی کی حدیث میں مذکور ہے کہ جنت کی سیر کے بعد دوزخ میرے سامنے پیش کی گئی۔ اس میں اللہ تعالےٰ کا غضب اور عذاب اور انتقام تھا۔ اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی ڈال دیا جائے تو اسکو بھی کھالے۔ اسکے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اپنی جگہ پر رہا اور آپ اپنی جگہ پر رہے۔ درمیان سے حجاب اٹھا کر آپ کو دکھلایا گیا۔ (نشر الطیب ص۵۳ اور سیرۃ حلبی صفحہ ۴۴۸)

تیسواں وعظ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش عظیم پر تشریف لیجانا

حضور کی عرش الٰہی پر جلوہ گری

اس میں اختلاف ہے کہ جب آپ بیت المقدس سے آسمانوں پر جلوہ گر ہوئے تو براق پر تشریف رکھتے تھے یا براق کو وہاں چھوڑ دیا تھا۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۱۹۴) بعض فرماتے ہیں کہ آپ براق پر سوار ہو کر آسمانوں میں تشریف لے گئے ہیں۔ پھر عارف ربانی امام شعرانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ براق سدرۃ المنتہیٰ تک آئی اور جہاں جبریل علیہ السلام

رک گئے تھے۔ وہاں براق بھی رک گئی تھی۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۴) تاریخ حبیب الٰہ میں بھی لکھا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے وہاں سے براق کو آپ نے چھوڑ دیا (تواریخ حبیب الٰہ صفحہ ۲۷) القصہ براق کے رک جانے کے بعد آپ کی خدمت میں رفرف جو سبز رنگ کا بچھونا تھا اور تخت رواں کی طرح چلتا تھا جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا پیش کیا گیا۔ آپ اس پر سوار ہو کر عرش بریں پر پہنچے۔ جیسا کہ سرکار فرماتے ہیں۔

ثُمَّ دُلِّيَ لِي رَفْرَفٌ اَخْضَرُ تَغْلِبُ خُضْرَتُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ فَالْتَمَعَ بَصَرِيْ وَ وُضِعْتُ عَلٰی ذٰلِكَ الرَّفْرَفِ ثُمَّ احْتُمِلْتُ حَتّٰی وَصَلْتُ اِلَی الْعَرْشِ فَاَبْصَرْتُ اَمْرًا عَظِیْمًا لَا تَنَالُهُ الْاَلْسُنُ۔ (انوار محمدیہ صفحہ ۳۴۸۔ مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۳۔ نزہتہ المجالس صفحہ ۱۲۲)

پھر میرے لئے رفرف سبز رنگ کی بچھائی گئی کہ اسکا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا جس سے میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور مجھے اس رفرف پر رکھا گیا پھر مجھے اٹھایا گیا۔ یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچ گیا۔ پس میں نے ایک ایسا امر عظیم تھا۔ جس کی وصف زبانیں نہیں کر سکتیں۔

اس روایت کو مولوی اشرف علی دیوبندی نے بھی نشر الطیب کے صفحہ ۵۵ پر نقل کیا ہے۔

عرش پر علم ماکان ومایکون کا حاصل ہونا

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر جلوہ گر ہوئے تو ایک قطرہ آپ کے حلق اقدس میں گرایا گیا۔ جس کے فیض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ماکان اور ومایکون کا حاصل ہو گیا۔ فاضل اجل حسین بن علی کاشفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر حسینی میں بحر الحقائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

در بحر الحقائق میفرماید کہ آں علم ماکان و ما سیکون است کہ حق سبحانہ در شب اسراء بداں حضرت عطا فرمودہ چنانچہ در حدیث معراجیہ آمدہ است کہ در زیر عرش بودم قطرہ در حلق ریختند فَعَلِمْتُ بِهَا مَا كَانَ

بحر الحقائق میں فرماتے ہیں کہ وہ علم ماکان وما یکون تھا کہ اللہ تعالےٰ نے شب معراج آنحضرت کو عطا فرمایا تھا۔ جیسا کہ حدیث معراج میں ہے کہ میں عرش کے نیچے تھا ایک قطرہ میرے حلق میں گرایا گیا تو میں ماکان اور مایکون جان گیا پس جاء ایسا ہی

وَمَا سَيَكُوْن۔ پس دانستم آنچہ بود و آنچہ خواہد۔ (تفسیر حسینی صفحہ ۱۲۴) — میں نے جو کچھ ہوا اور جو ہوگا۔

ایک اور حدیث میں حضور علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں۔

ثُمَّ دُلِّيَ بِي قَطْرَةٌ مِنَ الْعَرْشِ فَوَقَعَتْ عَلٰى لِسَانِيْ فَمَا ذَاقَ الذَّائِقُوْنَ شَيْئًا قَطُّ اَحْلٰى مِنْهَا فَاَنْبَأَنِيَ اللّٰهُ بِهَا نَبَأَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَنَوَّرَ قَلْبِيْ۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۱۲۲۔ انوار محمدیہ صفحہ ۳۱ مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۳) — پھر ایک قطرہ عرش سے گرایا گیا۔ وہ میری زبان پر گرا۔ پس چکھنے والوں نے کبھی بھی اس سے زیادہ میٹھی چیز نہیں چکھی۔ پس اللہ تعالٰی اسکے سبب سے مجھے اولین و آخرین کی خبریں بتا دیں اور میرا قلب روشن فرما دیا۔

وہابیوں کی خیانت

مولوی اشرف علی نے نشر الطیب میں اس روایت کو جس میں رفرف پر سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کا بیان بیان ہے۔ بیان کی مگر قطرہ کا حلق اقدس میں گرائے جانے کا بیان جس میں علم ماکان ومایکون کا بیان ہے ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ اس کے عقیدے کے مخالف تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بڑے خائن ہیں۔

تاریخ حبیب اللہ

صاحب تاریخ حبیب اللہ لکھتے ہیں کہ جب براق کو آپ نے چھوڑا وہاں رفرف سبز آیا کہ روشنی اسکی آفتاب کی روشنی پر غالب تھی۔ اس پر آپ کو بٹھایا۔ وہ آپ کو کرسی وغیرہ سب مکانات آسمانی اور حجب نورانی طے کرا کے عرش تک لے گیا۔ (تواریخ حبیب اللہ صفحہ ۲۷)

امام شعرانی

عالم ربانی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالٰی نے اپنے استواء علی العرش کو اپنی مدح کا موجب قرار دیا اسی طرح اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر لے جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان کا اظہار فرمایا۔ فرماتے ہیں حَيْثُ كَانَ الْعَرْشُ اَعْلٰى مَقَامٍ يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ مَنْ اُسْرِيَ بِهٖ مِنَ الرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ قَالَ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ

الْإِسْرَآءَ كَانَ بِجِسْمِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ۔ (الیواقیت والجواہر جلد دوم ص۳۷)

مردانِ خدا کی نظریں عرش پر پڑتی ہیں

جس عرش عظیم پر حبیب خدا کے قدم پہنچے وہاں اولیاء کرام کی نظریں پہنچتی ہیں۔ عالم ربانی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء عظام اور ان کے سچے تابعدار (اولیاء) اتنے بڑے عرش کو ایسا دیکھتے ہیں جیسے کہ ہوا میں اڑتا ہوا ایک ذرہ ہوتا ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ حضرت سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مردِ خدا وہ نہیں جس کی نظر جنت و دوزخ اور آسمان اور عرش پر پہنچے بلکہ مردِ خدا وہ ہے جس کی نظر عرش و جنت سے آگے بڑھ جائے۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۶ جلد دوم)

اکنیسواں وعظ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام قدس میں پہنچنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفرف پر سوار ہو کر عرش اعظم سے آگے تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر پہنچے تو رفرف بھی غائب ہو گیا اور آپ کے ہمراہ کوئی نہ رہا۔ آپ کو انوار نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۵) آپ نے ستر ہزار حجاب طے فرمائے۔ ان میں ایک حجاب دوسرے حجاب کے مشابہ نہ تھا۔ ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ تھی۔ آپ بالکل تنہا جا رہے تھے کہ آپ کو وحشت طاری ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک پکارنے والے نے ابو بکر کے لہجہ میں پکارا قِفْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ۔ یا رسول اللہ! ٹھہریئے۔ آپ کا رب نماز پڑھتا ہے۔ میں نے سوچا کہ کیا ابو بکر مجھ پر سبقت کر گئے ہیں۔ اور میرا رب نماز پڑھنے سے بے نیاز ہے۔ اس وقت میری وحشت دور ہو گئی۔ پھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آواز آئی اُدْنُ يَا اَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ۔ پس مجھے میرے پروردگار نے اپنے پاس اتنا نزدیک کیا جیسا کہ فرمایا ہے

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۔یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے اپنے رب تعالےٰ سے اور زیادہ قریب ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار یا اس سے زیادہ قریب ہو گیا۔ اس صورت میں دَنٰی اور فَتَدَلّٰی کی ضمیریں کا مرجع سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ یا دَنٰی فَتَدَلّٰی کا مرجع اللہ سبحانہٗ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ قریب ہوا۔ پھر زیادہ قریب ہوا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ سے دو کمانوں کی مقدار یا اس سے زیادہ قریب ہو گئے۔ یہ دونوں احتمال سیرت حلبی میں مذکور ہیں۔ اسکے علاوہ بخاری شریف میں بھی ان ضمائر کا مرجع اللہ تعالےٰ بیان کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی عبارت یہ ہے۔ وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی۔ (بخاری جلد دوم صفحہ ۱۱۲۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور امام حسن بصری۔ محمد بن کعب۔ جعفر بن محمد وغیرہم بھی یہ قرب اللہ اور اسکے حبیب میں فرماتے ہیں۔ (نووی شرح مسلم صفحہ ۹۷) القصہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ خدا میں پہنچے تو فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے رب نے سوال کیا تو میں جواب نہ دے سکا تو اللہ تعالےٰ نے اپنا دستِ قدرت بلا تشبیہ میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی تو مجھے اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا اور مجھے علم کے کئی انواع سے سرفراز فرمایا۔ ایک نوع علم کا ایسا تھا جسکے پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا کیونکہ اس کی برداشت کی قوت میرے سوا کوئی نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک نوع علم میں مجھے اختیار دیا۔ جسے چاہوں بتلاؤں۔ جسے چاہوں نہ بتلاؤں۔ ایک نوع علم کا ایسا تھا جس کے متعلق حکم تھا کہ اسے خاص و عام میں تبلیغ کیا جائے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ خدا میں عرض کیا۔ مولا! تیری بارگاہ میں پہنچنے سے قبل مجھے وحشت طاری ہوئی تھی تب میں نے ایک منادی کو سنا جو ابوبکر کے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ قِفْ فَاِنَّ رَبَّكَ یُصَلِّیْ۔ تو مجھے تعجب لاحق ہوا کہ کیا اس مقام میں مجھ سے پہلے ابوبکر پہنچ گیا ہے۔ اور میرا رب نماز سے بے نیاز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نماز پڑھنے سے بے نیاز ہوں۔ میں تو کہتا ہوں سُبْحَانِیْ سُبْحَانِیْ

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ۔ یارسول اللہ اس آیت کو پڑھیئے۔ هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ہ
پس میری صلاۃ رحمت ہے۔ تجھ پر اور تیری امت پر۔ باقی آپ کو ابو بکرؓ کی آواز جو سنایا گیا ہے یہ اسلئے تھا تاکہ تو اپنے دوست کی آواز سنکر مانوس ہو جائے۔ اسی طرح جب میں نے تیرے بھائی موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی تو ان پر ہیبت طاری ہو گئی تو میں نے ان سے پوچھا وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى۔ تو ان کو ذکر عصا سے انس حاصل ہوا تو اسی طرح یارسول اللہ میں نے چاہا کہ تجھے اپنے یار کی آواز سے انس حاصل ہو کیونکہ تجھے اور ابو بکر کو ایک ہی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ابو بکر دنیا اور آخرت میں تیرے انیس و یار ہیں۔ پس میں نے ایک فرشتہ ابو بکر کی صورت پر پیدا کیا کہ وہ ابو بکر کے لہجہ میں ندا کرے اور آپ سے وحشت زائل ہو جائے۔ پھر اللہ تعالے نے فرمایا کہ جبریل کی حاجت کیا تھی۔ میں نے کہا۔ مولا تو بہتر جانتا ہے۔ فرمایا یارسول اللہ میں نے جبریل کی حاجت قبول کی لیکن ان لوگوں کے حق میں جو تجھے اور تیرے صحابہ کو دوست رکھے۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۱۳۶ ـ ۱۳۷۔ انوار محمدیہ صفحہ ۲۴۶ ـ ۲۴۷ ـ مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۳۔ سیرۃ حلبی جلد اول صفحہ ۲۴۴)

قاب قوسین کی حکمت

قاب مقدار کو کہتے ہیں اور قوس کا معنی کمان ہے مگر اسکی پوری حقیقت کا علم تو اللہ تعالے اور اسکے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن بعض عرفاء اس کی کئی حکمتیں بیان کی ہیں۔ فقیر صرف دو حکمتوں پر اکتفاء کرتا ہے۔

حکمت اول

عرب شریف میں دستور تھا کہ جب سردار آپس میں معاہدہ کرتے تھے اور آپس میں عقد محبت استوار کرتے تو ہر ایک اپنی کمان کو دوسرے کی کمان سے ملا کر تیر پھینکتے۔ جو اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ ان دونوں میں ایسی یگانگت و اتفاق ہے کہ ایک کی ناراضگی دوسرے کی ناراضگی ایک کی رضا دوسرے کی رضا ہے۔ پس اس آیت [illegible] بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالے [illegible]

اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ دوستی ہے کہ حبیب کے بارگاہ کا مقبول اللہ تعالےٰ کا مقبول اور حبیب کی بارگاہ کا مردود اللہ تعالےٰ کے ہاں مردود۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ یعنی رسول پاک کا مطیع اللہ تعالےٰ کا مطیع ہے۔ نیز فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ۔ یعنی رسول پاک سے بیعت کرنے والا اللہ تعالےٰ سے بیعت کرنے والا ہے۔ (معارج حصہ سوم صفحہ ۱۴۱ تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۳۵۸۔ کمالین حاشیہ جلالین صفحہ ۴۲۷)

حکمتِ دوم

عرب شریف میں یہ بھی دستور تھا کہ جب دو قبیلوں میں نزاع و جنگ برپا ہوتا تو اس نزاع کو دور کرنے کے لئے ایسا کرتے کہ ایک قبیلہ کا سردار اپنی کمان کا چلہ کھول کر دوسرے قبیلہ کے سردار کی کمان پر باندھ دیتا۔ اسی طرح دوسرا سردار اپنی کمان سے چلہ کھول کر دوسرے سردار کی کمان پر باندھتا پھر وہ ان کمانوں کو اپنے اپنے گھروں میں لٹکا دیتے تھے۔ تو جب تک وہ کمانیں ان کے گھروں میں لٹکی رہتیں۔ تو دونوں قبیلوں میں امن وامان رہتا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یا رسول اللہ تیرے پاس کمان شفاعت ہے اور میرے پاس کمانِ رحمت تو میری کمانِ رحمت کا چلہ اپنی کمانِ شفاعت پر باندھ دے۔ اور میں تیری کمانِ شفاعت کا چلہ اپنی کمانِ رحمت پر باندھ دیتا ہوں۔ اور دونوں کمانوں کو ساقِ عرش پر لٹکا دیتا ہوں۔ تاکہ جب تک عرش باقی رہے گا تو تیرے اور میرے درمیان صلح و محبت باقی رہے گی اور تیری امت امن وامان میں رہے گی۔ (معارج حصہ سوم صفحہ ۱۴۱)

حبیبِ پاک کا صفاتِ باری سے متصف ہونا

عالم ربانی حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معراج کی حکمتیں بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

اَنَّہٗ اِذَا مَرَّ عَلٰی حَضَرَاتِ الْاَسْمَاءِ	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسماء الہیہ
الْاِلٰہِیَّۃِ صَارَ مُتَخَلِّقًا بِصِفَاتِھَا فَاِذَا	کی بارگاہوں سے گذرے تو ان اسماء کی
مَرَّ عَلَی الرَّحِیْمِ کَانَ رَحِیْمًا اَوْ عَلٰی	صفات کیساتھ متصف ہوتے گئے جب

الْغَفُوْرِ كَانَ غَفُوْرًا اَوْ عَلَى الْكَرِيْمِ كَانَ كَرِيْمًا اَوْ عَلَى الْحَلِيْمِ كَانَ حَلِيْمًا اَوْ عَلَى الشَّكُوْرِ كَانَ شَكُوْرًا اَوْ عَلَى الْجَوَادِ كَانَ جَوَادًا اَوْ هٰكَذَا فَمَا يَرْجِعُ مِنْ ذٰلِكَ الْمِعْرَاجِ اِلَّا هُوَ فِيْ غَايَةِ الْكَمَالِ ۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۶)

رحیم پر گزرے تو رحیم ہو گئے۔ کریم پر گزرے تو کریم ہو گئے۔ حلیم پر گذرے تو حلیم ہو گئے شکور پر گزرے تو شکور ہو گئے جواد پر گذرے تو جواد ہو گئے۔ اسی طرح دیگر اسماء الٰہیہ کی بارگاہوں سے گزرتے گئے تو ان کی صفات سے متصف ہوتے گئے معراج سے واپس نہیں تشریف لائے مگر انتہائے کمال میں۔ یعنی پورے کامل ہو کر آئے ۔

بتیسواں وعظ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار جمال باری تعالے سے مشرف ہونا

امکان رؤیتہ باری تعالے

اس میں اختلاف ہے کہ رؤیتہ باری تعالے ممکن ہے یا ممتنع ہے۔ فلاسفہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ رؤیتہ باری تعالے ممتنع ہے۔ اور اہلسنت کہتے ہیں کہ رؤیتہ باری تعالے ممکن ہے۔ فلاسفہ اور معتزلہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ کسی شئے کی رویت کی یہ شرطیں ہیں کہ وہ شئے رائی کے مقابل جہت میں ہو۔ اور مکان میں ہو۔ زمان میں ہو۔ مگر اللہ تعالے جہت اور مکان وزمان سے پاک ہے۔ لہٰذا اسکی رؤیتہ ممتنع ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ واقعی ان شرائط کا پایا جانا عادتاً ضروری ہے۔ عقلاً ضروری نہیں۔ یعنی عادت اسی طرح جاری ہے۔ کہ جہت مقابلہ وزمان ومکان کے بغیر کوئی چیز دیکھی نہیں جاتی۔ لیکن اللہ تعالے اس بات پر قادر ہے کہ خرق عادت کے طور پر ان شرائط کے بغیر بھی رؤیتہ کو واقع کر دے۔ اور معراج کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالے کی رؤیت خرق عادت کے

طریقے پر ہوتی۔ لہذا کوئی اعتراض وارد نہ ہوا۔

دوسری دلیل امتناع کی یہ ہے کہ اگر رؤیۃ باری تعالےٰ ممکن ہوتی تو جب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ تو اللہ تعالےٰ لَنْ تَرَانِیْ کے ساتھ جواب نہ دیتا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ آیۃ سے رؤیۃ باری تعالےٰ کا امتناع ثابت نہیں۔ بلکہ اسی آیت سے امکان رؤیۃ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ آپ رؤیۃ باری تعالےٰ کے امکان کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ کا دیکھنا محال ہوتا تو یہ اعتقاد ضلالت و گمراہی قرار پاتا۔ کیونکہ جو چیز اللہ تعالےٰ کے حق میں محال ہو اسکو ممکن ماننا ضلالت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو کلیم اللہ ہیں۔ اولو العزم رسول ہیں کسطرح گمراہی کا اعتقاد رکھ سکتے ہیں۔ اسی لئے عارف ربانی امام شعرانی لکھتے ہیں۔

دَلِیْلُ جَوَازِهَا فِی الْیَقْظَةِ هُوَ اِنَّ مُوْسٰی عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ طَلَبَهَا حَیْثُ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ وَهُوَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَا یَجْهَلُ مَا یَجُوْزُ وَیَمْتَنِعُ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ۔ (الیواقیت والجواہر صفحہ ۱۱۹ جلداول)	بیداری میں رؤیۃ باری تعالےٰ کی امکان کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رؤیۃ کا سوال کیا۔ جب کہ عرض کیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ حالانکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جاہل نہ تھے اس چیز سے جو جائز اور ممتنع ہو اللہ تعالےٰ پر۔

اسی طرح قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب شفاء میں لکھتے ہیں۔

وَالدَّلِیْلُ عَلٰی جَوَازِهَا فِی الدُّنْیَا سُوَالُ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ لَهَا وَمُحَالٌ اَنْ یَجْهَلَ نَبِیٌّ مَا یَجُوْزُ عَلَی اللّٰهِ وَمَا لَا یَجُوْزُ عَلَیْهِ بَلْ لَمْ یَسْأَلْ اِلَّا جَائِزًا۔ (شفاء شریف جلد اول صفحہ ۱۲۱)	دنیا میں رؤیۃ باری تعالےٰ کے جواز کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کا رؤیۃ کے لئے سوال ہے کیونکہ محال ہے کہ نبی جاہل ہو اس چیز سے جو اللہ پر جائز ہو اور نا جائز ہو۔ بلکہ نبی سوال نہیں کرتا مگر جائز امر کا۔

نیز امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعینہ امکان رؤیت باری تعالےٰ میں یہی دلیل

بیان کی۔ (شرح مسلم صفحہ ۹۷)

ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کا دیکھنا ممکن ہے۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام پر معاذ اللہ گمراہی کا الزام عائد ہو گا۔

دوسری دلیل امکان رؤیت پر

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرماتا ہے۔ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ۔

پارہ ۲۹۔ اس دن کچھ چہرے ہونگے (مومن) اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے اور تروتازہ ہونگے۔ ثابت ہوا کہ مومن قیامت کے روز اللہ تعالےٰ کو دیکھیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رؤیت محال ہوتی تو قیامت کے روز مومن بھی رب تعالےٰ کو نہ دیکھ سکتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار الٰہی سے مشرف ہونا

حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوئے تو اپنے پروردگار کو بلا حجاب و بلا جہت و بلا کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دیدار جمال الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ۙ عِنۡدَ سِدۡرَۃِ الۡمُنۡتَہٰی ۙ (پارہ ۲۹ سورت نجم) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

فائدہ آیت میں ضمیر مستتر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ضمیر غائب اللہ تعالےٰ کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے مگر محققین اس ضمیر کا مرجع اللہ تعالےٰ بتاتے ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا دو دفعہ۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا (شرح مسلم جلد اول صفحہ ۹۸)

تفسیر روح المعانی میں بھی ضمیر غائب کا مرجع اللہ تعالےٰ نے بیان کیا ہے (روح المعانی پارہ ۲۷ صفحہ ۴۶)

اسی طرح فاضل اجل کمال الملتہ و الدین علامہ حسین بن علی کاشفی ہروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

بتفسیر مشہور معنی آنست کہ خدا تعالےٰ را دیدبار دیگر وقتیکہ خود نزدیک سدرہ بود۔ (تفسیر حسینی پارہ ۲۹ صفحہ ۳۵۸)

مشہور تفسیر میں معنی یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ کو دوبارہ دیکھا جب کہ نزدیک سدرۃ المنتہیٰ کے تھے۔

باقی دوبارہ اسلئے فرمایا کہ نماز کی تخفیف کی درخواستوں کے لئے چند بار عروج و نزول ہوا اس لئے دوبارہ فرمایا۔ ماقبل کی تفسیروں کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدائے پاک کا دیدار کیا۔

دیدارِ الٰہی کے وقت حضور کی کمال قدرت

جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا شوق ظاہر کیا تو اللہ تعالےٰ نے لَنْ تَرَانِیْ فرما کر فرمایا۔ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ جب رب تعالےٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر جب محبوب خدا دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے تو کسی طرف نہ التفات ہے نہ آنکھ مشاہدہ جمال الٰہی کے سوا کسی طرف پھری۔ بلکہ آنکھ جمال الٰہی کی طرف رہی۔ اسکے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی طرح بیہوش بھی نہ ہوئے۔ بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کی اس کمال قوت کی تعریف کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ پارہ ۲۷

آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی بلکہ مقصود کی طرف رہی۔

دیدارِ الٰہی میں آپکو کوئی شک نہ رہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا۔ تو اس رویت میں آپ کو کسی قسم کا شک و تردد نہ رہا بلکہ قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی۔ اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ (پارہ ۲۹ سورہ نجم)

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مارأی کیا تھا بعض نے فرمایا وہ صورت جبریل علیہ السلام تھی۔ بعض نے فرمایا مارأی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ (صاوی پارہ ۲۹ صفحہ ۱۱۶)

تفسیر حسینی میں ہے کہ ایں مرئی بقول اول جبریل است وبقول ثانی حق سبحانہ (تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۳۵۸)

امام نووی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ اِلٰى اَنَّ الْمُرَادُ اَنَّهٗ رَاٰى رَبَّهٗ سُبْحَانَهٗ۔ (شرح مسلم صفحہ ۹۷)

ان تفسیروں سے بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہے

رؤیتہ باری کے متعلق مذہب جمہور

اس میں اختلاف ہے کہ آیا حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو شب معراج دیکھا تھا یا نہیں۔ بعض حضرات اس رویت سے انکار کرتے ہیں مگر جمہور صحابہ۔ تابعین۔ محدثین ومتکلمین کا یہی مذہب ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

اُخْتُلِفَ فِيْ تِلْكَ الرُّؤْيَةِ فَقِيْلَ رَاٰهُ بِعَيْنِهٖ حَقِيْقَةً وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ۔ (تفسیر صاوی پارہ ۲۹ صفحہ ۱۱۶)

اس رؤیتہ باری تعالیٰ میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً اپنی آنکھ سے دیکھا اور یہی قول جمہور صحابہ وتابعین کا ہے۔

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین بن علی کاشفی ہروی لکھتے ہیں۔

اکثر صحابہ برآں اند کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا را در شب معراج دیدہ۔ (تفسیر حسینی جلد دوم صفحہ ۲۵۸)

اکثر صحابہ کرام کا مذہب یہ ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔

علامہ فہامہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی رقمطراز ہیں۔

نُقِلَ عَنِ الدَّارِمِيِّ الْحَافِظِ اَنَّهٗ نَقَلَ اِجْمَاعَ الصَّحَابَةِ عَلٰى ذٰلِكَ وَنَقَدَ

حافظ دارمی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے صحابہ کا اجماع اس پر (عدم رویت) پر

فِيْهِ وَذَهَبَ اِلَى الرُّؤْيَةِ اِلَى الْمَذْكُوْرَةِ وَاَكْثَرُ الصَّحَابَةِ وَكَثِيْرٌ مِّنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ بَلْ حَكٰى بَعْضُ الْحُفَّاظِ عَلٰى وُقُوْعِ الرُّؤْيَةِ لَهٗ بِعَيْنِ رَأْسِهٖ الْاِجْمَاعَ۔ (سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۴۵۱)

نقل کیا پھر اس پر اعتراض کیا اور رؤیت مذکورہ کی طرف گیا۔ نیز اکثر صحابہ اور بہت سے محدثین اور متکلمین رؤیت کی طرف گئے بلکہ بعض حفاظ حدیث نے اجماع کی حکایت کی اس بات پر کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سر کی آنکھوں سے خدا تعالےٰ کو دیکھا۔

نیز سیرت حلبی میں ہے

اُخْتُلِفَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَاَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ عَلٰى وُقُوْعِ ذٰلِكَ اِلٰى اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعَيْنِ رَأْسِهٖ۔

(سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۴۵۰)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج دیدار الٰہی کرنے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس دیدار کرنے پر ہیں۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالےٰ کو اپنے سر کی آنکھ سے دیکھا ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ الرَّاجِحَ عِنْدَ اَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ بِعَيْنَيْ رَاْسِهٖ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ۔

(شرح مسلم صفحہ ۹۷)

یعنی اکثر علماء کرام کے نزدیک راجح یہی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

فائدہ ان مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اکثر امت مسلمہ کا مسلک یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جمال خداوندی کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ یہی مسلک علمائے اہلسنت یعنی بریلوی علماء کا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ؛

تینتسواں وعظ

رؤیتہ باری تعالٰی کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال بزرگان دین سے

چوتھے وعظ میں بتایا گیا ہے کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک یہ ہے کہ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تعالٰی کا دیدار کیا۔ اسکا ثبوت صحیح حدیثوں اور اقوال بزرگوں سے لکھا جاتا ہے۔

حدیث اوّل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا يَقُوْلُ اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَمَرَّةً بِفُؤَادِهٖ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔ (مواہب اللدنیہ جلد۲ صفحہ ۳۷۔ نشر الطیب صفحہ ۵۵)

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ اپنی آنکھ سے اور ایک دفعہ اپنے دل سے۔

حدیث دوم

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتّٰى جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّا بَنُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوْسٰى فَكَلَّمَ مُوْسٰى مَرَّتَيْنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ (ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۶۰)

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عرفات میں ملے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کوئی سوال کیا تو کعب نے اللہ اکبر کہا۔ یہاں تک کہ پہاڑ گونج اٹھے۔ تو ابن عباس رضی اللہ

عنہا نے فرمایا ہم بنی ہاشم ہیں (یعنی جلال میں نہ آؤ) تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور کلام کو حضرت محمد اور موسیٰ علیہما السلام میں تقسیم کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ کلام کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ اپنے کریم کو دیکھا۔

حدیث سوم

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ۔ (ترمذی جلد دوم صفحہ ۱۶۰)

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

فائدہ حضرت امام نووی شارح مسلم شریف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ قول اپنے ظن اور اجتہاد سے کیا ہو بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث موقوف کے حکم میں ہوگی۔ (شرح مسلم صفحہ ۹۷)

حدیث چہارم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَعْجَبُوْنَ أَنْ تَكُوْنَ الْخُلَّةُ لِإِبْرَاهِيْمَ وَالْكَلَامُ لِمُوْسٰى وَالرُّؤْيَةُ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کیا تم تعجب کرتے ہو کہ خلت حضرت ابراہیم کے لئے اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے رؤیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے۔

ایضاً (مواہب جلد ۲ صفحہ ۲۷۔ شرح مسلم صفحہ ۹۷۔ شفا شریف جلد اول صفحہ ۱۲۰)

حدیث پنجم

عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ۔ (مواہب جلد ۲ صفحہ ۳۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

شرح مسلم صفحہ ۹۷)　　　اپنے رب کو دیکھا۔

اقوالِ بزرگانِ دین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا۔ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کو دیکھا۔ فرمایا ہاں۔ (شفا شریف جلد اول صفحہ ۱۲۰)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کو دیکھا۔ (شفا شریف صفحہ ۱۲۰۔ شرح مسلم صفحہ ۹۷)

ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ

ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہزاروں خصوصیتیں عطا کی گئیں۔ ان میں ایک رؤیت ہے اور بارگاہ الٰہی کا قرب۔ (سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۴۵۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث (کہ حضور نے اپنے رب کو آنکھوں سے دیکھا) کا قائل ہوں۔ پھر فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے۔ یہانتک کہ آپکا سانس رک گیا۔ (شفاء شریف جلد اول صفحہ ۱۲۰ اور مدارج صفحہ ۲۰۸) بعض نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں۔ کہ جو شخص زعم کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالٰی پر بڑا افترا کیا۔ تو کونسی دلیل سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کہ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب کریم کو دیکھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قول سے بڑا ہے۔ (سیرت حلبی صفحہ ۴۵۲۔ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۲۰۸)

ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ (شفاء شریف صفحہ ۱۲۱ جلد اول)

مُحدّث امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ راجح اکثر علماء کے نزدیک یہی ہے کہ رسول پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کریم کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ (شرح مسلم صفحہ ۹۷۔ سیرت حلبی صفحہ ۴۵۲)

شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ محقق علی الاطلاق مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ اما ایں مقدار خلجان میکند۔ کہ معراج اتم مقامات واقصیٰ کمالات آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہیچ یکے از انبیاء را در آنجا بادی شرکت نہ بود و ہیچ بشرے وملکی را گنجائش آں مقام نہ پس عجب است کہ درآں مقام ببرند و در خلوت خاص درآرند و باعلیٰ مطلب واقصیٰ مآرب کہ دیدار است مشرف نگردانند وآں حضرت بایں معنی راضی باشد۔ اگرچہ بکمال بندگی وادب وسطوت کبریائی حق بریں وارد کہ سوال تواند کرد واز ذوق کلام مست گشتہ انبساط نماید وطلب دیدار نہ کند۔ چنانکہ موسیٰ علیہ السلام کرد۔ اما کمال محبت ومحبوبیت کہ باجناب اقدس دارد۔ کجا میگزرد کہ حجابے درمیاں ماند۔ ایں دولت بطلب بدست نے آید تحقیق آں است کہ ناکامی موسیٰ علیہ السلام بجہت آں بود کہ ہنوز سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم ندیدہ وبایں دولت نرسیدہ دیگرے راچہ مجال کہ بطلبد و ببیند و علماء خود ہمہ متفق اند بر امکان رؤیت در دنیا بعد از امکان مانع باشد و خود مقام معراج درحقیقت عالم آخرت است وہرچہ در عالم آخرت دیدنی ودیا فتی بود دید ویافت تا دعوت خلق بحکم عین الیقین کند۔ چنانکہ گفتہ اند مصرع از دیدہ بے فرق بود تا بشنیدہ۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۸ - ۲۰۹)

شیخ الشیوخ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیران پیر۔ پیر دستگیر سیدنا ومولانا

عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے کہ دیدارالٰہی ای رؤیۃ باری تعالےٰ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو دنیا میں حاصل نہیں ہوا۔ (الیواقیت والجواہر جلد اول صفحہ ۱۲۸)

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ہر قسم کے آداب رسول اللہ سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ آپ تمام ظاہری یا باطنی آداب کے مخزن ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں آپ کے حسن ادب کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ نہ نگاہ بہکی نہ حد سے آگے بڑھی۔ (عوارف المعارف صفحہ ۳۴)

شیخ سہل عبداللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبداللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کے مشاہدہ کے ساتھ رجوع نہیں کیا بلکہ سراپا اپنے پروردگار کا مشاہدہ فرماتے رہے۔ (عوارف المعارف صفحہ ۳۳۵)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوبات میں لکھتے ہیں۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُسْرِیَ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ بِالْجَسَدِ اِلٰی مَاشَاءَ تَعَالٰی وَعُرِضَ عَلَیْہِ الْجَنَّۃُ وَالنَّارُ وَاُوْحِیَ اِلَیْہِ مَا اُوْحِیَ وَشُرِّفَ ثَمَّۃَ بِالرُّؤْیَۃِ الْبَصَرِیَّۃِ۔ (مکتوبات دفتر اول حصہ سوم صفحہ ۱۸)

بیشک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج جسمانی سیر کرائی گئی جہاں تک اللہ تعالےٰ نے چاہا۔ اور آپ پر جنت و دوزخ پیش کی گئی۔ اور وحی آپ کی طرف کی گئی۔ اور مشرف فرمائے گئے اس جگہ رؤیت بصری سے۔

نیز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

درجواب گوئیم کہ رؤیت آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام در شب معراج در دنیا واقع

نشدہ است۔ بلکہ در آخرت واقع شدہ زیرا کہ آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام در آں شب
چوں از دائرہ مکان وزمان بیروں جست وازتنگی مکان برآمد ازل وابد را آں واحد یافت
بدایت ونہایت را در یک نقطہ متحد دید اہل بہشت را بعد از چندیں ہزار سال بہ بہشت
خواہند رفت ودر بہشت دید عبدالرحمٰن بن عوف را کہ بعد از پانصد سال از فقراء
صحابہ رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین بہ بہشت خواہد رفت دید کہ بہ بہشت بعد
از مضی آں مدت درآمد وسر توقف را از وے پرسید ند۔ پس رؤیتے کہ در آں موطن
واقع شد داخل رؤیت آخرت خواہد بود۔ ومنافات با جماع بر عدم وقوع آں نخواہد
داشت وآں رؤیت را رؤیت دنیوی گفتن محمول بر تجوز است ومبنی بہ ظاہر۔

(مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم صفحہ ۴۱ - ۴۲)

پنتیسواں وعظ

مخالفین کا عدم رؤیۃ پر استدلال اور اسکا جواب

جو لوگ عدم رؤیۃ کے قائل ہیں ان کے پاس بڑی دلیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ تعالٰے عنہا کی ہے جسکا مسلم نے اپنی صحیح میں اخراج کیا ہے۔ حضرت مسروق
فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ نے
فرمایا۔

ثَلٰثٌ مَنْ تَكَلَّمَ بِوَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قُلْتُ مَا هُنَّ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰى رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ
الحدیث (مسلم جلد اول صفحہ ۹۸)

تین باتیں ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کے ساتھ کلام کرے گا تو اس نے اللہ تعالٰی پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں۔ فرمایا جو یہ زعم کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب

کو دیکھا۔ اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ بولا۔

لہذا معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اپنے رب کریم کا دیدار نہیں کیا۔ مخالفین رویت کے پاس یہی ایک بڑی دلیل ہے۔

حدیث مذکورہ کا جواب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا نے جو رؤیۃ کی نفی فرمائی ہے وہ محض ان کی اپنی رائے ہے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر نہیں فرمایا۔ اگر آپ سے سنا ہوتا تو حدیث مرفوع ضرور بیان کرتیں۔ مگر آپ نے عدم رؤیۃ کے بارے میں کوئی حدیث سرکار سے ذکر نہیں کی جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ اور اپنا قول ہے۔ جو انہوں نے بعض آیتوں کے عموم سے استنباط فرمایا ہے۔ جن کا ذکر حدیث پاک میں ہے بعض صحابہ نے ان کی مخالفت کی۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی ایک صحابی قول کرے اور دیگر صحابہ سے کوئی اس کی مخالفت کرے تو وہ قول بالاتفاق حجت نہیں رہتا۔ یہ جواب امام نووی و ابن حزیمہ کا ہے۔ جو شرح مسلم صفحہ ۹۷ پر مذکور ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ حدیث صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا نافی ہے اور حدیث ابن عباس مثبت ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر (تفسیر صاوی جلد ۴ صفحہ ۱۲۶)

لہذا رؤیت کا ثبوت ہوا۔ وہی ہمارا مسلک ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عدم رؤیت کے اثبات میں دو آیتیں بیان کی ہیں۔

پہلی آیت

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ یعنی آنکھیں اللہ تعالے کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اور وہ سب آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالے کو نہیں دیکھا۔

جواب اول

ایک یہ ہے کہ ادراک حقیقت کا اور ایک رؤیۃ حقیقت اور کنہ کی۔ ادراک خاص ہے۔ رویۃ عام ہے۔ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ تو ادراک کی نفی سے رؤیۃ کی نفی کیسے ہوگی۔ جیسا کہ کوئی قمر کو دیکھتا ہے اور اسکی

حقیقت کا ادراک نہیں کرتا۔ تو دیکھو یہاں قمر کی رؤیتہ حاصل ہے اور اسکی حقیقت کا ادراک منفی ہے۔ ایسے ہی آیت پاک میں ادراک حقیقت ذات خدا کی نفی ہے اور حقیقت کی رؤیتہ کی نفی نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس سے نفی رؤیتہ کی ثابت نہیں ہے جو مطلوب ہے۔ صرف نفی ادراک کی جو غیر مطلوب ہے۔ یہ جواب علامہ محقق محدث دہلوی کا ہے۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۷)

جواب دوم یہاں ادراک کا معنی رؤیت نہیں بلکہ احاطہ ہے۔ اور عدم احاطہ سے عدم رؤیت کب لازم آتی ہے۔ جیساکہ علم کے ساتھ عدم احاطہ سے عدم علم لازم نہیں آتا۔ جب ادراک کا معنی احاطہ ہے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کو گھیرے میں نہیں لے سکتیں۔ اللہ تعالےٰ آنکھوں کو محیط ہے۔ قدرت و علم سے۔ لہذا آیت کا مستفاد صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو کوئی بطور احاطہ نہیں دیکھ سکتا۔ اور رؤیت بغیر احاطہ کی نفی نہیں ہے۔ اور ہم رؤیت بلا احاطہ کے قائل ہیں۔ دیکھو یہ حدیث ہے (لا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ اس میں ثنائے الٰہی کے احصاء و احاطہ کی نفی ہے۔ تو احاطہ ثنائے الٰہی کی نفی سے مطلق ثناء جو بغیر احاطہ ہے اسکی نفی لازم نہیں آتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ثناء ہی نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ جیساکہ احاطہ ثناء کی نفی سے مطلق ثناء کی نفی لازم نہیں آتی ایسا ہی رؤیت بالاحاطہ کی نفی سے مطلق رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۷۔ شرح مسلم صفحہ ۹۷)

دوسری آیت مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا الآیۃ۔ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس سے کلام کرے۔ لیکن وحی کے ذریعے سے اور یا پردے کے پیچھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رؤیت کی نفی ہے۔

جواب اوّل آیت پاک میں جس کی نفی ہے وہ کلام بے حجاب کی ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی بشر سے بلا حجاب کلام نہیں فرماتا۔ اس میں یہ مضمون نہیں ہے کہ بغیر کلام کے اپنا دیدار بھی کسی کو نہیں دکھاتا۔ لہذا یہ آیت قائلین رؤیت کی مخالف نہیں ہے۔

اور قائلین عدم رؤیت کو کوئی مفید نہیں ہے۔

جواب دوم یہ نفی کلام کی بشر من حیث ھُوَ بشر کیلئے ہے۔ اور جب انسلاخ عن البشریت کا حال طاری ہو۔ اور بشریت کا کوئی حجاب باقی نہ رہے تو پھر یہ حکم نہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیدار الٰہی نصیب ہوا تو آپ اس وقت باوجود بشریت مقدسہ کے منسلخ عن البشریت تھے۔ یعنی بشریت مقدسہ موجود تھی مگر قدرت خدا سے اوصاف اور خواص بشریت کا ظہور نہ تھا۔ اور حجاب بشریت اٹھ چکا تھا۔ لہٰذا آقائے دو عالم نے بلا واسطہ کلام بھی کی ہو اور اسی وقت دیدار الٰہی سے بھی مشرف ہوئے ہوں۔ (برکت از علامہ کاظمی صاحب مدظلہ العالی)

حدیث ابوذر مخالفین رؤیت نے اپنے دعویٰ پر حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو بھی دلیل بنایا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَاَیْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ۔ (مسلم شریف صفحہ ۹۹ جلد اول)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کریم کو دیکھا ہے۔ فرمایا وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار الٰہی نہیں کیا۔

جواب یہاں حدیث ابوذر میں تین روایتیں ہیں۔ ایک تو یہی نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ۔ دوسری روایت میں ہے۔ رَاَیْتُ نُوْرًا۔ تیسری روایت میں ہے نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ۔ دوسری اور تیسری روایت کا معنی ایک ہی ہے کہ میں نے نور دیکھا۔ اور پہلی روایت کا معنی یہ ہے کہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ یہ آخری دونوں روایتیں اسکے بالکل معارض ہیں کیونکہ پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ وہ نور ہے میں نے نہیں دیکھا۔ اور دوسری تیسری روایت کا مطلب یہ ہے کہ وہ نور ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ لہٰذا مخالفین رؤیۃ حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو اپنے دعویٰ کی دلیل نہیں بنا سکتے ہیں۔

انصاف کی بات

انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ اقوال سب صحیح ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود۔ عائشہ صدیقہ۔ ابوذر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم سب حق پر ہیں۔ اور اپنے اپنے مقام سے خبر دے رہے ہیں۔ مواہب اللدنیہ کی ایک عبارت کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جس سے اس مسئلہ کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر معراج سے واپس تشریف لائے تو حضور علیہ السلام نے ہر ایک کو اس کی عقل اور مرتبہ کے موافق حالات بتائے۔ کفار کو جو سب سے نیچے اور انتہائی پستی میں تھے۔ صرف عالم اجسام کی باتیں بتائیں۔ مثلاً مسجد اقصیٰ کا حال جو ان کو پہلے سے معلوم تھا۔ یا راستہ میں قافلہ کے حالات بتائے جو جلد ہی ان کے سامنے آگئے۔ جن کی وجہ سے ان کے دل اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے مجبور ہو گئے۔ اسکے بعد حضور علیہ السلام نے واقعات معراج کے بیان کرنے میں کچھ ترقی فرمائی۔ اور آسمانوں پر تشریف لے جانے اور وہاں کے عجائب و غرائب مشاہدہ فرمانے کو بیان فرمایا۔ لیکن ہر صحابی کو اسکے حسب حال خبر دی۔ جو جس کا مرتبہ تھا اس سے اسی کے لائق کلام فرمایا۔ اور ساتویں آسمان تک بغیر تنگی کے حالات بیان فرمائے۔ (واقعات بیان فرماتے ہوئے) حضور علیہ السلام جب مقام جبریل علیہ السلام پر پہنچے تو افق مبین کی بات بیان کی۔ اور اس کے مافوق مقام دَنٰی فَتَدَلّٰی اور فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کا وہ بلند مقام جہاں مخلوقات کے تصورات ختم ہو جاتے ہیں اور ماسوی اللہ کی تمام صورتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس بارگاہ اقدس کی خبر بھی صحابہ کرام کو (ان کے مرتبہ اور مقام کے لائق) دی۔ یہ بیان معراج گویا سننے والوں صحابہ کرام کے لئے بمنزلہ معراج تھا۔ اس لئے ہر ایک نے اس سے اپنے مرتبہ کے موافق حصہ پایا۔ کوئی مقام جبریل تک رہا۔ کوئی رؤیت قلبی تک پہنچا۔ کسی کو رؤیۃ عینی کے بیان کا حصہ نصیب ہوا۔ اس لئے کسی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اس نے بھی سچ کہا۔ کسی نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کو دیکھا۔ اس کی بات بھی حق ہے۔ اور پھر جس کے حصہ میں رؤیۃ قلبی کا بیان آیا اس نے رویۃ قلبی کو بیان کیا جس نے رؤیت عینی کی بات سنی اس نے صاف کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اقدس

کی مبارک آنکھوں سے اپنے رب کریم کو دیکھا۔ مختصر یہ کہ ہر ایک نے اپنے مرتبے اور مقام کی بات کی اور یقیناً سچی بات کی۔ جب یہ حقیقت واضح ہوگئی۔ تو بخوبی معلوم ہوگیا کہ رؤیتہ جبریل علیہ السلام اور رؤیتہ باری تعالےٰ۔ نیز رؤیتہ قلبی اور رؤیتہ عینیہ کے جملہ مقامات اور ان کے بارے میں اختلاف اقوال سب ٹھیک ہیں۔ عبداللہ بن مسعود۔ عائشہ صدیقہ۔ کعب۔ ابوذر۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سب حق پر ہیں۔ (مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۳۷ - ۳۸)

چوتیسواں وعظ

اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کا شرف پانا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ایزدی میں وہ قرب حاصل کیا جو کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی فرشتہ اس قرب کو پہنچا۔ یہ وہ مقام ہے جو آپ ہی کے لئے خاص تھا۔ اس لامکان میں اپنے رب کریم کا دیدار بلا حجاب ہی فقط نہیں کیا بلکہ اپنے رب کریم سے بے واسطہ کلام کرنے کی شرافت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی اگرچہ کلام بلا واسطہ کی تھی مگر ایک تو کوہ طور اور دوسرے درمیان میں حجاب تھا۔ مگر جب حبیب خدا اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں تو فوق العرش لامکان پر اور بلا حجاب۔ قرآن پاک اس کلام کو بیان فرماتا ہے۔ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى وحی کی اپنے خاص بندے کی طرف وحی کی۔ اللہ تعالےٰ نے اتنا تو بتلا دیا کہ میں نے اپنے حبیب کے ساتھ کلام فرمائی مگر یہ ظاہر نہ فرمایا کہ کلام کیا تھی۔ کیونکہ دوستوں کے درمیان اسرار پوشیدہ اچھے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس میں ابہام رکھا مگر اس ابہام کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی اس ابہام کی وسعت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بتمامہ علوم و معارف و حقائق و بشارت	رب تعالےٰ نے حضور علیہ السلام پر جو سارے
و شارات و اخبار و آثار و کرامات و کمالات	علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے

کہ در حیطۂ ایں ابہام داخل است وہمہ را شامل از کثرت وعظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نکرد۔ اشارت بآنکہ جز علم علام الغیوب ورسولِ محبوب بدآں محیط نتواند شد مگر آنچہ آنحضرت بیان کردہ یا آنچہ از مقابلہ ومحاذات روح اقدس وے بر بواطن بعضے از کمل اولیاء کہ بشرف اتباع وے متسعد ومشرف اند تافتہ۔ (مدارج جلد اول صفحہ ۲۰۵)

اور خبریں اور کرامتیں وکمالات وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں۔ اور سب کو شامل ہیں ان کی کثرت اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام ذکر فرمایا۔ اور بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم غیبیہ کو سوائے رب تعالےٰ اور اسکے محبوب رسول کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جو کچھ بھی حضور نے بیان فرمایا یا جو کچھ حضور اقدس سے بعض کامل اولیاء کے بواطن پر چمکا بوجہ آپکی اتباع کے مشرف ہوئے۔

اللہ تعالےٰ کے سلام سے مشرف ہونا

جب صاحب معراج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیدار اور کلام سے مشرف ہوئے تو آپ نے بالہام الٰہی بارگاہ الٰہی میں کہا۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّيِّبَاتُ — تمام عبادتیں زبانی۔ بدنی اور مالی اللہ کے لئے ہیں۔

تو بارگاہِ الٰہی کی جانب سے سلام کا انعام دیا گیا۔ جلّ جلالہٗ نے فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ — اے پیارے نبی آپ پر سلام اور رحمت وبرکت نازل ہو۔

سبحان اللہ! کیا بلند مقام ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم لوگوں کو اگر کوئی بڑا افسر سلام دیتا ہے تو ہمارے لئے باعث فخر اور تعظیم بن جاتا ہے۔ بتاؤ اس حبیب پاک کی تعظیم کا کتنا بلند مقام ہے جسکو خود بادشاہوں کا بادشاہ واحکم الحاکمین سلام دے رہا ہے اللہ اکبر! سرکار نے جب ملاحظہ فرمایا کہ آج اللہ تعالےٰ رحمتیں اور برکتیں تقسیم کر رہا ہے اور مجھ پر بے شمار خسروانہ انعامات نثار کئے جا رہے ہیں۔ اسی وقت آپ کو اپنی امت

یاد آجاتی ہے۔ تو بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ۝ — سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر

محبوب خدا نے اس مقام پر جہاں نہ کسی مرسل رسول کو پہنچ اور نہ ہی جبریل امین کو حصول وہاں اپنی امت کا ذکر پہنچا دیا۔ مگر عجیب رنگ سے۔ صلحاء کو تو صراحتاً ذکر فرما کر اور ہم گنہگاروں کو عَلَيْنَا کی ضمیر متکلم مع الغیر میں چھپا کر۔ جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

فرشتوں کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ حقیقی نے اپنے محبوب کو مقام قرب میں اَن گنت نعمتوں سے نوازا ہے تو ان فرشتوں نے بے اختیار ہو کر بادشاہ حقیقی کی حمد و ثنا اور اسکے حبیب کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہنے لگے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ — میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک حضرت محمد اسکے بندے اور رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جب حبیب خدا نے واپسی کا اظہار فرمایا تو خطاب الٰہی ہوا۔ اے حبیب۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص سفر سے واپس آتا ہے اپنے دوستوں کے لئے تحفہ لایا کرتا ہے تم اپنی امت کے لئے اس سفر کی واپسی پر کیا تحفہ لے جاؤ گے۔ عرض کی خداوندا جو تو عطا فرمائے وہی لے جاؤں گا فرمایا۔ جو تو نے کہا اور میں نے کہا اور فرشتوں نے کہا وہ تم اپنی امت کے لئے تحفہ کے طور پر لے جاؤ تاکہ وہ اسکو ہر نماز میں پڑھیں اور سعادت ابدی سے مشرف ہوں۔ (معارج جلد سوم صفحہ ۱۵۲)

فرضیت نماز

اسی بارگاہ قدس سے نماز کا تحفہ آپ کو ملا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دن رات میں آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہیں بعض روایات میں چھ ماہ روزے بھی آئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی سے یہ تحفہ کر خوشی خوشی واپس تشریف لائے۔ جیسا کہ سرکار دو عالم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلٰوةُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ۔ (مشکوٰۃ ص۵۲۸)

مجھ پر یعنی میری امت پر اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پس میں واپس آیا۔

واپسی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب دربار خداوندی سے نماز کا تحفہ لے کر خوشی خوشی واپس آرہے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام آپ کے انتظار میں تھے کہ کب حضور نبی الانبیاء تشریف لائیں تاکہ ملاقات کا شرف ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام دیدار الٰہی کے شائق تھے۔ مگر وہ حاصل نہ ہو سکا۔ اب وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کے دیکھنے کا بہت شوق رکھتے۔ کیونکہ وہ چہرہ ذاتِ خدا کو دیکھ کر آیا ہے۔ حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَمَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً كُلَّ يَوْمٍ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّيْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوٰتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَ ـعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ مِثْلَهٗ

پس میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرا تو انہوں نے کہا آپ کو کس چیز کا حکم کیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے ہر دن میں پچاس نمازوں کا حکم کیا گیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا بیشک تیری امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکیگی میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کو بہت ہی آزمایا ہے۔ اپنے رب کی طرف واپس جاؤ اور امت کے لئے تخفیف کا سوال کرو۔ پس میں لوٹا۔ پس اللہ تعالےٰ نے مجھے دس نمازیں معاف کر دیں پس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی۔ پس میں واپس گیا تو دس نمازیں اور معاف ہو گئیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کی طرف واپس آیا تو انہوں

فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوٰتٍ	نے وہی کہا پھر میں واپس گیا تو دس اور نمازیں
كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ	معاف ہوئیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کے پاس
بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ	آیا تو انہوں نے اسی طرح کہا۔ پس میں واپس
صَلَوٰتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا	آیا دس اور معاف ہوگئیں۔ پس مجھے دس نمازیں
تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوٰتٍ كُلَّ يَوْمٍ	ہر روز پڑھنے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے
وَاِنِّىْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَ	پاس واپس آیا۔ تو انہوں نے وہی بات کہی۔ پس
عَالَجْتُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ	میں واپس آیا تو ہر روز پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم
فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ	ہوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو کہا کیا
لِاُمَّتِكَ قَالَ سَاَلْتُ رَبِّىْ حَتّٰى	حکم ہوا۔ میں نے کہا ہر روز پانچ نمازوں کا
اسْتَحْيَيْتُ وَلٰكِنِّىْ اَرْضٰى وَاُسَلِّمُ	کہنے لگے آپ کی امت ہر روز پانچ نمازوں
فَلَمَّا جَاوَزْتُ نَادٰى مُنَادٍ اَمْضَيْتُ	کی بھی طاقت نہیں رکھیگی۔ کیونکہ میں نے
فَرِيْضَتِىْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِىْ۔	لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کو خوب
رَوَاهُ الْمُسْلِمُ وَالْبُخَارِىْ (مشکوٰۃ شریف)	آزمایا ہے۔ لہذا اپنے رب کی طرف پھر جاؤ

اور امت کے لئے تخفیف کا سوال پیش کرو۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اتنا مانگا یہاں تک کہ مجھے شرم آتا ہے۔ لیکن میں اس پر راضی برضا ہوں۔ جب میں آگے بڑھا کہ منادی نے پکارا کہ میں نے اپنے فرض کو جاری کیا اور اپنے بندوں پر تخفیف فرمائی ؛

مسلم شریف کی روایت میں اتنا اور زائد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

يَا مُحَمَّدُ اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوٰتٍ كُلَّ يَوْمٍ	حبیب! یہ ہر روز پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز
وَلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ	کیلئے دس نمازیں ہونگی۔ تو یہ (ثواب کے
خَمْسُوْنَ صَلٰوةً مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ	اعتبار سے) پچاس نمازیں ہیں۔ جو شخص
فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ فَاِنْ	نیکی کا ارادہ کرے اور کرے نہیں تو اسکے
عَمِلَهَا كُتِبَ لَهٗ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ	لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور جو شخص
بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ لَهٗ	برائی کا ارادہ کرے اور کرے نہیں تو کچھ بھی

شَيْئًا فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ سَيِّئَةٌ وَاحِدَةٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۸)

نہیں لکھا جاتا۔ اگر اسکو کرے تو اس کے لئے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں میں تخفیف طلب کرنے کا مشورہ دینا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کو علم ہوتا کہ میری امت پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی تو موسیٰ علیہ السلام کے بغیر کہے خود طلب تخفیف فرماتے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے از خود ایسا نہ کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے واپس گئے اور نمازیں کم ہونے کی درخواست کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تجربہ کی بنا پر علم تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے باوجود عالم الغیب ہونے کے پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔ اور اولاً از خود کوئی تخفیف نہ فرمائی۔ اللہ تعالےٰ حکیم ہے۔ اسکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے اس فعل میں حکمت تھی۔ اور نبی کریم کے خاموش رہنے میں بھی وہی حکمت تھی۔ حکمت کو لاعلمی کہنا جہالت ہے۔ اس واقعہ میں یہ حکمت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیات ظاہری کے بعد بھی ہم دنیا والوں کے فائدہ کا وسیلہ بن گئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اہل قبور خواہ انبیاء علیہم السلام ہی کیوں نہ ہوں دنیا والوں کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس قول کو رد فرما دیا۔ اور وہ اسطرح کہ پینتالیس نمازیں معاف فرمانے والا اللہ تعالےٰ ہے اور معاف کرانے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معافی حاصل کرنے کے لئے بھیجنے والے اور معافی کا وسیلہ بننے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو صاحب قبر ہیں۔ اور غالباً اسی حکمت کو ظاہر فرمانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ کہ جب میں مسجد اقصیٰ جا رہا تھا تو میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گذرا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ خاص طور پر لفظ قبر ارشاد فرمانے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اہل قبور کا دنیا والوں کو فائدہ پہنچانا ثابت ہو جائے اور وہ فائدہ بھی ایسا کہ تمام دنیا والے مل کر بھی

وہ فائدہ کسی کو نہیں پہنچا سکتے۔ دیکھو اگر سارا جہان بھی زور لگائے تو فرائض کا ایک سجدہ بھی کم نہیں کرا سکتا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے بالواسطہ پینتالیس نمازیں معاف کرا دیں۔ اسکے علاوہ یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازیں معاف کرانے کے لئے بار بار بھیج رہے تھے تاکہ حضور علیہ السلام ہر مرتبہ اللہ تعالےٰ کا دیدار کریں اور موسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کریں اور اسطرح آئینہ مصطفےٰ میں اپنے رب کریم کا دیدار حاصل ہو سکے۔ (برکت از بعض مشائخ)

چھتیسواں وعظ

واپسی پر قافلوں کا ملاحظہ فرمانا

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ کو ام ہانی ابی طالب سے جن کا نام ہند ہے۔ معراج نبوی کے متعلق یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ جب آپ کو معراج ہوئی آپ میرے گھر میں سوتے تھے۔ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر سو گئے۔ اور ہم بھی سو گئے۔ جب فجر کے قبل کا وقت ہوا۔ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کیا۔ جب آپ صبح کی نماز پڑھ چکے۔ اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ فرمایا اے ام ہانی میں نے تم لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ جیساکہ تم نے دیکھا تھا۔ پھر بیت المقدس پہنچا اور اس میں نماز پڑھی۔ پھر میں نے اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی۔ جیسا تم دیکھ رہے ہو۔ پھر آپ باہر جانے کے لئے اٹھے۔ میں نے آپ کی چادر کا گوشہ پکڑ لیا۔ اور عرض کی۔ یارسول اللہ! لوگوں سے یہ قصہ بیان نہ کرنا۔ کیونکہ وہ آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔ آپ نے فرمایا وَاللّٰہ میں ضرور ان سے اسکو بیان کروں گا۔ میں نے اپنی ایک حبشی لونڈی سے کہا کہ آپ کے پیچھے پیچھے جا۔ تاکہ جو آپ لوگوں سے کہیں اور لوگ آپ سے کہیں اسکو سنے۔ جب آپ باہر تشریف لے گئے۔ لوگوں کو معراج کی خبر دی۔ انہوں نے تعجب کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کی کوئی نشانی ہے (تاکہ ہم کو یقین آ سکے) کیونکہ ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ آپ نے فرمایا۔ نشانی اس کی یہ ہے کہ میں فلاں وادی میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر گزرا تھا اور ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور میں نے ان کو بتلایا تھا۔ اس وقت میں شام کو جا رہا تھا۔ پھر میں واپس آیا۔ یہانتک کہ جب ضجنان میں فلاں قبیلہ کے قافلہ پر پہنچا تو ان کو سوتا ہوا پایا۔ اور ان کا ایک برتن تھا جس میں پانی تھا اور اسکو ڈھانک رکھا تھا۔ میں نے ڈھکنا اتار کر اسکا پانی پیا۔ پھر اسی طرح بدستور ڈھانک دیا۔ اور اس کی یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ان کا قافلہ اب بیضاء سے تنعیم کو آ رہا ہے۔ سب سے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔ اس پر دو بورے لدے ہوئے ہیں۔ ایک کالا دوسرا دھاری دار۔ لوگ تنعیم کی طرف دوڑ کر گئے تو اس اونٹ سے پہلے کوئی اور اونٹ نہیں ملا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ اور ان سے برتن کا قصہ پوچھا۔ انہوں نے خبر دی کہ ہم نے پانی بھر کر ڈھانک دیا تھا۔ سو ڈھکا ہوا ملا۔ مگر اس میں پانی نہ تھا۔ اور ان دوسروں سے پوچھا جن کا اونٹ بھاگنا بیان فرمایا تھا۔ اور یہ لوگ مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے کہا واقعی صحیح فرمایا ہے۔ اس وادی میں ہمارا اونٹ بھاگ گیا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو اونٹ کی طرف ہم کو پکار رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے اونٹ کو پکڑ لیا۔ (کذا فی سیرۃ ابن ہشام) اور بیہقی کی روایت میں ہے۔ کہ دلوگوں نے آپ سے نشانی مانگی تو آپ نے بدھ کے دن قافلہ کے آنے کی خبر دی۔ جب وہ دن آیا۔ تو وہ لوگ نہ آئے یہاں تک کہ آفتاب غروب کے قریب پہنچ گیا۔ آپ نے اللہ تعالٰے سے دعا کی تو آفتاب چھپنے سے رک گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا آگئے۔

بیت المقدس کی نشانیاں بتلانا

پھر کفار نے آپ سے صدق واقعہ معراج کے لئے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں

آپ نے ان کو وہ نشانیاں پوری پوری بیان کر کے ثابت کر دیا کہ میں سچا رسول ہوں۔ اور واقعی میں بیت المقدس کو دیکھ کر آیا ہوں۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ — سرکار فرماتے کہ میں مقام حطیم میں تھا کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِيْ عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِيْ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ الحدیث رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۹)

قریش نے مجھ سے میری سیر کے متعلق پوچھا پس بیت المقدس کی چیزوں سے پوچھتے تھے۔ وہ مجھے یوں یاد نہ تھیں (عدم توجہ سے) پس ایسا غم زدہ ہوا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اسے میرے سامنے اٹھا کر رکھدی۔ میں اسکو دیکھ رہا تھا۔ اور جو شی مجھ سے پوچھتے میں ان کو بتا دیتا۔

فائدہ حضرت علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت المقدس کے درمیان جو حجابات تھے وہ سب اٹھا دیئے گئے اور وہ حضور کو سامنے نظر آرہی تھی یا یہ کہ خود بیت المقدس اٹھا کر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی ہو جیسا کہ ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ بیت المقدس کو اٹھا کر دار عقیل کے پاس رکھا گیا اور یہ کوئی محال نہیں۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت بلقیس لایا گیا تو حبیب خدا کے سامنے بیت المقدس پیش کی گئی۔ سبحان اللہ کیا شان محبوب خدا کی ہے کہ آپ کی تھوڑی سی توجہ ہٹنے سے مسجد اقصیٰ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر خدمت والا میں حاضر ہو گئی۔ (مدارج جلد اول۔ اشعۃ اللمعات صفحہ ۵۴)

حضور علیہ السلام کا شاہد ہونا ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شاہد بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔

اے غیب کی خبر دینے والے محبوب ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

شاہد کے لئے مشاہدہ درکار ہے۔ جب کوئی کسی شئے کو دیکھے نہیں اس کی شہادت کیسی دے سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے لئے شاہد ہیں۔ اس لئے آپ کے ملاحظہ اور مشاہدہ میں ہر شئے کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام زمینوں

کو آپ کے مشاہدہ میں کر دیا۔ جیسا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۱۲)

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالٰے نے میرے سامنے زمین لپیٹ دی ہے پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے۔

زمین کے خزائن کے مالک ہیں

تمام زمین حضور کے مشاہدہ میں ہے اور اس زمین میں جتنے خزائن اور دفائن موجود ہیں وہ بھی نظر پاک سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ان خزائن کی چابیاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہیں۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِیْ اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ رواہ البخاری والمسلم (مشکوٰۃ ص۵۱۲)

سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے کلمات جامع دیکر بھیجا گیا اور رعب دیکر میری مدد کی گئی ہے۔ ایک وقت میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی تمام چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

اب زمین اور زمین کے خزائن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے گئے۔ باقی آسمان اور جنت و دوزخ اور وہاں کی مخلوقات رہ گئی تھی۔ اللہ تعالٰے نے آپ کو معراج سے سرفراز فرمایا۔ تمام آسمان اور وہاں کی مخلوقات دکھائی۔ دوزخ و جنت اور وہاں کے جملہ موجودات دکھائے۔ جب تمام موجودات کا مشاہدہ کرا دیا۔ پھر اپنی بارگاہ قدس میں بلا کر اپنا جمال دکھایا تاکہ آپ پر لفظ شاہد کا اطلاق متحقق ہو جائے۔ اور کوئی ایک شئے بھی آپ کی نگاہ اقدس سے اوجھل نہ رہے۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک۔

واپسی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیت المقدس تک براق پر تشریف لیجانا متفق علیہ ہے۔ آگے آسمانوں تک مختلف فیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ

براق پر آسمانوں پر نہیں گئے۔ اور بعض کے نزدیک آپ آسمانوں پر بھی براق پر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ تک براق پر سوار رہے۔ پھر وہاں سے رفرف پر سواری فرمائی اور عرش تک پہنچے۔ پھر آگے رفرف بھی رک گئی اور اکیلے بارگاہ الہٰی میں پہنچے۔ اسی طرح واپسی میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ واپسی بغیر براق کے تھی۔ تاکہ اللہ تعالے کی قدرت کا پورا ظہور ہو۔ بعض نے فرمایا کہ واپسی براق پر تھی۔ (حیوٰۃ الحیوان لکمال الدمیری صفحہ ۱۴۲)

اپنی بے مائگی کا اعتراف

فقیر غفرلہٗ نے اپنی بساط کے مطابق معراج مبارک کے جملہ وعظ بڑی کوشش سے لکھے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ کوئی واقعہ باقی نہ رہ جائے مگر پھر بھی اپنی بے مائگی کی وجہ سے بہت سے مسائل رہ گئے ہیں۔ جو ان مواعظ میں نہیں آسکے۔ آج پانچویں تاریخ رمضان مبارک کی ہے کہ معراج شریف کے وعظ ختم ہوئے۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

فقیر نور محمد قادری چشتی حال وارد منڈی واربرٹن۔

ختم شد

شیخ الحدیث عبد المصطفیٰ اعظمی صاحب

سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ
ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد۔ گاؤں کدلٹھی تحصیل وضلع شیخوپورہ